# مرآۃ المناجیح

اردو ترجمہ و شرح

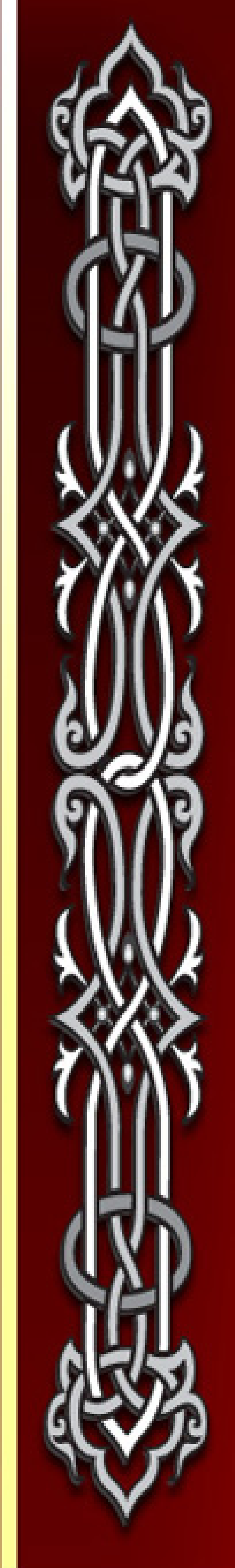
## مشکوٰۃ المصابیح

مصنف

جلد (دوم)

حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی

نعیمی کتب خانہ گجرات



# باب السترة

## سُترہ کا بیان (آڑ) ۱؎

## الفصل الاول

## پہلی فصل

۱؎ سترہ سُتْرٌ سے بنا ہے،بمعنی ڈھانپنا۔سترہ کے لغوی معنی ہیں چھپانے والی چیز یعنی آڑ۔شریعت میں سترہ وہ چیز ہے جو نمازی اپنے سامنے رکھے تاکہ اس سترہ کے پیچھے سے لوگ گزر سکیں،اس کی لمبائی کم از کم ایک ہاتھ (۱/۲ افٹ)اور موٹائی ایک انگل چاہیے۔بغیر سترہ نمازی کے آگے سے گزرنا حرام مگر حرم شریف کی مسجد میں جائز ہے۔مرقات نے فرمایا کہ اگر صف اول میں لوگوں نے خالی جگہ چھوڑی ہو تو بعد میں آنے والا صفوں کے سامنے سے گزرتا ہوا وہاں پہنچے اور جگہ پر کرے کیونکہ اس میں قصور جماعت والوں کا ہے نہ کہ اس کا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت عید گاہ تشریف لے جاتے ۱؎ آپ کے سامنے نیزہ لے جایا جاتا اور آپ کے آگے عید گاہ میں گاڑ دیا جاتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف نماز پڑھتے ۲؎ (بخاری) | |

۱؎ نماز عیدین کے لیے عیدالاضحیٰ کے لیے بہت جلدی تاکہ بعد میں قربانیاں کی جاسکیں اور عیدالفطر میں کچھ دیر سے تاکہ مسلمان کچھ کھا کر اور فطرہ ادا کرکے آسانی سے پہنچ سکیں۔اس سے معلوم ہوا کہ عید کی نماز جنگل میں پڑھنا سنت ہے اگرچہ شہر میں بھی جائز ہے۔

۲؎ تاکہ گزرنے والوں کو سامنے سے گزرنے میں رکاوٹ نہ ہو اس زمانہ میں عید گاہ کی عمارت نہ تھی،میدان میں نماز پڑھی جاتی تھی۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے ابن ابی جحیفہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکے کے ابطح مقام میں ۲؎ چمڑے کے سرخ خیمے میں دیکھا اور حضرت بلال کو دیکھا کہ انہوں نے حضور کے وضوء کا پانی لیا ۳؎ اور لوگوں کو دیکھا اس پانی کی طرف دوڑ رہے ہیں ۴؎ جس نے اس میں سے کچھ پالیا تو اسے مَل لیا اور جس نے نہ پایا تو اس نے اپنے ساتھی کے ہاتھ سے تری ۵؎ لے لی پھر میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا انہوں نے ایک نیزہ لیا اور اسے گاڑ دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سرخ جوڑے میں دامن سمیٹے تشریف ۶؎ لائے نیزے کی طرف کھڑے ہو کر لوگوں کو دو رکعتیں پڑھائیں ۷؎ اور میں نے لوگوں اور جانوروں کو نیزے کے آگے گزرتے دیکھا ۸؎ (مسلم،بخاری) | |

۱؎ آپ کا نام وہب ابن عبداللہ عامری ہے،آپ بہت نو عمر صحابی ہیں، حضور کی وفات کے وقت آپ نا بالغ تھے، ۷۴ھ؁ کوفہ میں وصال ہوا۔

۲؎ یہ جگہ جنت معلٰی سے کچھ آگے منی کی جانب ہے جسے وادی مُحَصَّبْ اور بطحاء بھی کہا جاتا ہے،اسی نسبت سے حضور کو ابطحی کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے،ابطح کے معنی ہیں بجری والا میدان جہاں بارش میں سیلاب آجاتا ہو۔

۳؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمہ میں وضو کیا،غسالہ ایک لگن میں گرا حضرت بلال وہ پانی کا لگن باہر صحابہ کے پاس لائے تاکہ صحابہ اس سے برکتیں حاصل کرلیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اس غسالہ شریف پر ٹوٹ پڑے۔

۴؎ اسے حاصل کرنے اور برکت لینے کے لیے کیوں کہ وہ پانی حضور کے اعضاء سے لگ کر نورانی بھی ہوگیا اور نور گر بھی۔ پھول سے لگی ہوئی ہوا دماغ مہکا دیتی ہے، حضور کے جسم اطہر سے لگا ہوا پانی روح وایمان مہکا دے گا۔

۵؎ اور اسے اپنے سر اور منہ پر مل لیا۔ مرقات میں اسی جگہ ہے کہ حضرت ابو طیبہ رضی اللہ عنہ نے حضور کی فصد لی اور خون بجائے پھینکنے کے پی لیا۔ خیال رہے کہ ہمارا افضلہ وضو کا پینے کے قابل نہیں کہ وہ ہمارے گناہ لے کر نکلا ہے، حضور کا غسالہ متبرک ہے کیونکہ وہ نور لے کر نکلا۔ بعض مرید اپنے مشائخ کا جوٹھا پانی تعظیم سے استعمال کرتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

۶؎ سرخ جوڑے سے مراد خالص سرخ رنگ میں رنگا ہوا کپڑا نہیں ہے کہ یہ تو مرد کے لیے منع ہے بلکہ سرخ خطوط سے مخطط کپڑا مراد ہے یا سرخ سُوت سے بنا ہوا کپڑا۔ لہذا یہ حدیث ممانعت کی حدیث کے خلاف نہیں۔

۷؎ یا فجر یا ظہر کی کیونکہ آپ مسافر تھے، غالبًا یہ واقعہ حجۃالوداع یا عمرۃالقضاء کا ہے۔

۸؎ کیونکہ امام کا سُترہ ساری جماعت کا سترہ ہوتا ہے اس کے آگے سے گزرنا جائز ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے وہ حضرت ابن عمر سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری کو سامنے کرلیتے پھر اس کی طرف نماز پڑھ لیتے ۱؎ (مسلم،بخاری) بخاری نے یہ بھی زیادہ کیا میں نے کہا بتاؤ تو اگر سواری چل دیتی فرمایا کجاوے کو درست کرلیتے تھے پھر اس کی پشتی کی طرف نماز پڑھتے ۲؎ |

۱؎ اس طرح کہ بیٹھے ہوئے اونٹ کے سامنے نماز پڑھتے تاکہ لوگ اس طرف سے گزر سکیں۔ معلوم ہوا کہ سترہ صرف لکڑی وغیرہ کا ہی نہیں ہوتا بلکہ جانور اور انسان کا بھی ہو جاتا ہے۔

۲؎ یعنی نافع نے حضرت ابن عمر سے پوچھا کہ نماز کی یہ صورت خطرناک ہے اگر دوران نماز میں اونٹ اٹھ کر چل دے تو نمازی کیا کرے تو فرمایا سرکار پہلے سے اس کا انتظام کرلیتے تھے جس سے اونٹ نہ جاسکے۔ آخرہ اور موخرہ کجاوے کی وہ پچھلی لکڑی ہے جس سے سوار پیٹھ ٹیک لیتا ہے۔ یہ ایک ہاتھ یعنی ڈیڑھ فٹ ہوتی ہے اسے ہمارے عرف میں اونٹ والے پشتی کہتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت طلحہ ابن عبیداللہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے کجاوے کو پشتے کی طرح رکھ لے تو نماز پڑھتا رہے اور سامنے سے گزرنے والوں کی پرواہ نہ کرے ۱؎ (مسلم) |

۱؎ یعنی یہ سترہ کے پیچھے سے گزرے اس کی پرواہ نہ کرے۔خیال رہے کہ اگر نمازی کے آگے سترہ نہ ہو تو اتنی دور پر سامنے سے گزرنا ناجائز ہے جہاں کی چیز نمازی کو سجدہ گاہ پر نظر رکھتے ہوئے محسوس ہو جائے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوجہیم سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والا جان لیتا کہ اس پر کیا گناہ ہے تو اسے چالیس تک ٹھہرنا سامنے گزرنے سے بہتر ہوتا ابونصر کہتے ہیں کہ مجھے خبر نہیں کہ چالیس دن فرمائے یا مہینے یا سال۲؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ آپ صحابی ہیں،ابی ابن کعب کے بھانجے،آپ کا نام عبداللہ ابن حارث ابن صمہ انصاری ہے،امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی۔
۲؎ ظاہر یہ ہے کہ چالیس سال فرمایا ہوگا جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔مطلب اس کا ظاہر ہے۔چالیس کا عدد اس لیئے ارشاد فرمایا کہ انسان کا ہر حال چالیس پر ہی تبدیل ہوتا ہے،ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ،پھر چالیس دن تک خون،پھر چالیس دن تک جمی بوٹی،پھر پیدائش کے بعد چالیس دن تک ماں کو نفاس،پھر چالیس سال تک عمر کی پختگی اس لیئے بعد وفات چالیس روز تک مسلسل فاتحہ کی جاتی ہے اور چالیسویں کی فاتحہ اہتمام سے ہوتی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی ایسی چیز کی طرف نماز پڑھے جو اسے لوگوں سے چھپالے ۱؎پھر کوئی اس کے سامنے سے گزرنا چاہے تو نمازی اسے دفع کرے ۲؎پھر اگر نہ مانے تو اس سے جنگ کرے کہ وہ شیطان ہے ۳؎یہ بخاری کے لفظ ہیں مسلم میں اس کے معنی ہیں۔ |

۱؎ یعنی اس کے اور لوگوں کے درمیان آڑ بن جائے پورا چھپانا مراد نہیں کیونکہ ایک ہاتھ کا سترہ پورے جسم کو نہیں چھپا سکتا۔
۲؎ یعنی عمل قلیل سے ہاتھ کے ساتھ اسے ہٹادے گزرنے نہ دے۔ظاہر یہ ہے کہ اَحَدٌ میں بچہ اور دیوانہ بھی داخل ہے ان کو بھی گزرنے سے روکا جائے،یہاں سامنے گزرنے سے مراد ہے سترے اور نمازی کے درمیان گزرنا کہ یہی ممنوع ہے۔
۳؎ یعنی سختی سے اسے روکے،یہاں لڑنا بھڑنا اور قتل کرنا مراد نہیں۔مرقات نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی جاہل نمازی اسے قتل کردے تو عمدًا قتل میں قصاص واجب ہوگا اور خطا میں دیت۔خیال رہے کہ اگر نمازی بغیر سترے راستہ میں نماز پڑھ رہا ہے تو اسے گزرنے والے کو روکنے کا حق نہ ہوگا کہ اس میں قصور نمازی کا ہے اسی لیے یہاں سترے کی قید لگائی۔شیطان سے مراد یا تو اصطلاحی شیطان ہے یعنی جنات کا مورث اعلیٰ تب تو یہ مطلب ہوگا کہ اسے شیطان بہکا کر ادھر لا رہا ہے اور اس پر شیطان سوار ہے اور یا شیطانوں سے انسانوں کا شیطان مراد ہے جو شیطانوں کا سا کام کرے وہ شیطان ہی ہوتا ہے۔قرآن کریم نے بھی شیطانی کام کرنے والے انسانوں کو خناس فرمایا ہے کہ ارشاد فرمایا:"الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ مِنَ الۡجِنَّةِ وَ النَّاسِ"۔اس حدیث سے دو مسئلے ثابت ہوئے:ایک یہ کہ دینی کاموں میں خلل ڈالنے والا سخت مجرم ہے لہذا جو لوگ مسجدوں کے پاس شور مچائیں،ریڈیو کے گانے لگائیں وہ اس سے عبرت

پکڑیں کہ نمازی سے آگے گزرنے والا اس لیے مجرم ہے کہ نمازی کا دھیان بانٹتا ہے۔دوسرے یہ کہ اگر کوئی مجرم نرمی سے نہ مانے تو اسے سختی سے روکا جائے یہ سختی بھی تبلیغ کی ایک قسم ہے۔

ے یہ چھپانے والی چیز دیوار ہو یا ستون یا لکڑی وغیرہ یا کوئی سامنے بیٹھا ہوا آدمی یا اونٹ وغیرہ جانور کہ سب سترہ میں داخل ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نماز کو عورت اور گدھا اور کتا توڑ دیتے ہیں ۱ اور کجاوے کی پشتی کی مثل اسے بچالیتی ہے ۲ |

۱ یعنی اگر نمازی کے سامنے سے ان میں سے کوئی گزرے تو خیال بٹے گا اور نماز کا خشوع خضوع جاتا رہے گا،یہاں نماز ٹوٹنے سے مراد نماز کا باطل ہونا نہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ نمازی کے آگے گزرنے کا وبال دونوں پر پڑتا ہے، گزرنے والا سخت گنہگار ہوتا ہے اور نمازی کا دل حاضر نہیں رہتا،ان تین کے ذکر کی حکمت اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔

۲ یعنی سترے کی برکت سے اس کی نماز محفوظ رہے گی اور گزرنے والا گنہگار نہ ہوگا دونوں کو اس کا فائدہ پہنچے گا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات میں نماز پڑھتے تھے حالانکہ میں آپ کے درمیان ایسے لیٹے ہوتی تھی جیسے جنازہ کا رکھا ہونا ۱ (مسلم،بخاری) |

۱ حجرہ شریف چھوٹا تھا جس میں نوافل کے لیے علیحدہ جگہ نہ بن سکتی تھی اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد کی کیفیت یہ ہوتی تھی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کا نمازی کے آگے سے گزرنا اور ہے اور آگے ہونا کچھ اور، گزرنا ممنوع ہے آگے ہونا ممنوع نہیں۔اشارۃً یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کے گزرنے سے بھی نماز ٹوٹے گی نہیں۔یہ حدیث پچھلی حدیث کی گویا تفسیر ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ میں گدھی پر سوار آیا حالانکہ میں اس دن قریب بلوغ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منٰی میں لوگوں کو بغیر دیوار کی آڑ کے نماز پڑھا رہے تھے ۱ میں بعض صف کے آگے سے گزرا پھر اتر پڑا گدھی کو چھوڑ دیا کہ چرتی تھی اور خود صف میں داخل ہوگیا اس کا مجھ پر کسی نے اعتراض نہ کیا ۲ (مسلم،بخاری) |

۱ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دیوار نہ تھی میدان میں نماز پڑھا رہے تھے لاٹھی وغیرہ کا سترہ ضرور تھا،چونکہ امام کا سترہ تمام مقتدیوں کے لیے کافی ہوتا ہے اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہاں سب کے سامنے سے گزر گئے لہذا یہ حدیث سترہ کے خلاف نہیں اسی لیے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ یہ حدیث اس باب میں لائے کہ امام کا سترہ مقتدیوں کا سترہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضور کے آگے دیوار کے سوا کوئی اور سترہ ضرور تھا دیوار کی نفی فرمائی ہے نہ کہ سترہ کی۔

۲ یہ حدیث اس حدیث کی تفسیر ہے کہ نماز کو کتا،گدھا،عورت توڑ دیتے ہیں یعنی وہ حکم جب ہے کہ سترے کے بغیر سامنے سے گزریں۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے منہ کے سامنے کچھ رکھ لے۱؎ اگر نہ پائے تو اپنی لاٹھی گاڑھ لے اگر اس کے پاس لاٹھی نہ ہو تو خط کھینچ لے پھر جو چیز سامنے سے گزرے تو اسے نقصان نہ دے گی۲؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ) | |

۱؎ یعنی ایک ہاتھ لمبی اور ایک انگل موٹی کوئی چیز جیسا کہ پچھلی احادیث میں صراحتًا گزر گیا۔بعض نمازی اپنے آگے چاقو یا پیالہ وغیرہ رکھ لیتے ہیں سخت غلطی کرتے ہیں وہ حدیث کا مطلب نہیں سمجھے۔

۲؎ خط کھینچنے کی حدیث مضطرب ہے ضعیف بھی۔دیکھو مرقات،لمعات وغیرہ۔اس لیے اکثر علماء نے اس پر عمل نہ کیا وہ خط کو محض بے کار سمجھتے ہیں۔بعض نے فرمایا کہ اس خط کی وجہ سے سامنے گزرنے کا اثر نماز پر نہ ہوگا اس کی نماز خراب نہ ہوگی مگر اس سے گزرنا جائز نہ ہوگا اور گزرنے والا گنہگار بھی ہوگا اسی لیے یہاں لَایَضُرُّہٗ فرمایا یعنی نمازی کو مضر نہیں نہ کہ گزرنے والے کو،مگر صحیح قول جمہور ہی کا ہے کیونکہ خط نہ تو آڑ بنتا ہے نہ کسی کو نظر ہی آتا ہے تو اس کا ہونا نہ ہونا یکساں ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت سہل ابن ابی حثمہ سے۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی سترے کی طرف نماز پڑھے۲؎ تو اس سے قریب رہے شیطان اس کی نماز نہ توڑ سکے گا۳؎ (ابوداؤد) | |

۱؎ آپ انصاری ہیں،اوسی ہیں، ۳ھ؁ میں پیدا ہوئے،آپ کی کنیت ابو محمد یا ابو عمارہ ہے،کوفہ قیام تھا،امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وہیں وفات پائی،بہت صحابہ نے آپ سے روایتیں لی ہیں۔

۲؎ بعض نے فرمایا کہ سترہ سے تین ہاتھ یعنی ڈیڑھ گز کے فاصلے پر کھڑا ہو مگر صحیح یہ ہے کہ بقدر سجدہ دور رہے اس کے لیئے حد مقرر نہیں کی جاسکتی کیونکہ بعض لوگ دراز قد ہوتے ہیں،بعض پست قد۔

۳؎ یعنی اس سترے یا قرب کی برکت یہ ہوگی کہ شیطان نماز میں وسوسہ نہ ڈال سکے گا۔معلوم ہوا کہ جیسے **بسم اللہ** کی برکت سے شیطان کھانے سے دور رہتا ہے اور کھلے گھڑے پر لکڑی کھڑی کردینے سے بلائیں دور رہتی ہیں ایسے ہی سترے کی برکت سے نمازی سے شیطان دور رہتا ہے یہ قدرتی چیز ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت مقداد بن اسود سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکڑی یا ستون یا درخت کی طرف نماز پڑھتے نہ دیکھا مگر آپ اسے اپنی داہنی یا بائیں بھوؤں کے سامنے رکھتے تھے۱؎ اور بالکل اس کے سامنے نہ ہوتے تھے۲؎ (ابوداؤد) | |

۱؎ فقہاء فرماتے ہیں کہ سترہ نمازی کے سامنے نہ ہو بلکہ قدرے دائیں بائیں ہٹا ہو اس مسئلے کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۲؎ یعنی سترے کو ناک کے مقابل نہ رکھتے تاکہ بت پرستوں کی مشابہت نہ ہوجائے کیونکہ وہ پوجا کے وقت بت بالکل سامنے رکھتے ہیں اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن چونکہ فضائل کی ہے لہذا قبول ہے۔نسائی میں ہے کہ سترہ بائیں پلک پر رکھا جائے اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ داہنے سے بائیں پلک پر رکھنا افضل ہے،سترہ چونکہ شیطان کو دفع کرنے کے لیے ہے اور شیطان بائیں سمت ہی سے آتا ہے اسی لیے اگر نماز میں تھوکنا پڑجائے تو بائیں طرف تھوکے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت فضل ابن عباس سے فرماتے ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہم اپنے جنگل میں تھے اور آپ کے ساتھ حضرت عباس تھے آپ نے جنگل میں نماز پڑھی آپ کے سامنے سترہ نہ تھا ہماری ایک گدھی اور کتیا آپ کے سامنے کھیلتے رہے ۱؎ آپ نے اس کی پرواہ نہ کی(ابوداؤد)نسائی میں اس کی مثل ہے۔ |

۱؎ چونکہ اس جنگل میں کسی کے گزرنے کا احتمال نہ تھا اس لیے سترہ نہ گاڑا گیا یہ کتیا اور گدھی زیادہ فاصلے پر تھے اس لیے اس کی پرواہ نہ کی گئی۔چنانچہ فقہاء فرماتے ہیں کہ جنگل میں نمازی کے آگے اتنی دور پر گزرنا جائز ہے کہ جب نمازی سجدہ گاہ پر نظر رکھے تو وہاں کی چیز محسوس نہ ہو لہذا یہ حدیث گزشتہ احادیث کے خلاف نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز کو کوئی چیز نہیں توڑتی ۱؎ اور جہاں تک ہوسکے دفع کرو اس لیے کہ وہ گزرنے والا شیطان ہے۔(ابوداؤد) |

۱؎ یعنی نمازی کے آگے سے کسی چیز کا گزر جانا نماز کو باطل نہیں کرتا لہذا یہ حدیث توڑنے کی روایت کے خلاف نہیں کہ وہاں حضور قلبی کا توڑنا مراد ہے نہ کہ اصل نماز کا اور یہاں اصل نماز توڑنے کی نفی ہے۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سوئی ہوتی تھی اور میرے پاؤں آپ کے قبلے کی جانب ہوتے ۱؎ جب آپ سجدہ فرماتے تو مجھے دبادیتے میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی ۔ اور جب کھڑے ہوتے تو میں پاؤں پھیلادیتی اور اس زمانے میں گھروں میں چراغ نہ تھے ۲؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ آپ قبلہ کی طرف پاؤں نہیں پھیلاتی تھیں کہ وہ منع ہے بلکہ آپ کے پاؤں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قبلہ کی طرف ہوتے تھے۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نماز میں تھوڑا عمل جائز ہے۔دوسرے یہ کہ عورت کو چھونا وضو نہیں توڑتا اگرچہ

بغیر آڑ کے ہو کیونکہ یہاں آڑ کی قید نہیں آئی۔ تیسرے یہ کہ عورت کا نمازی کے آگے ہونا نماز خراب نہیں کرتا،لہذا یہ حدیث حنفیوں کی دلیل ہے۔

۲؎ یہ بالکل ابتدائی حالت کا ذکر ہے جب کہ ضرورت کے وقت لکڑیاں جلا کر روشنی کی جاتی تھی بعد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چراغ رائج ہو گئے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک چوہا چراغ کی جلتی بتی کھینچ کرلے گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چراغ گل کر کے سویا کرو کیونکہ چوہا اس کے ذریعے گھر میں آگ لگا دیتا ہے لہذا یہ حدیث چراغ والی احادیث کے خلاف نہیں۔

۳؎ یعنی جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کا قیام ورکوع فرماتے ہیں اطمینان سے پاؤں پھیلائے سوئی رہتی اور جب حضور کے سجدہ کا وقت ہوتا تو مجھے دبا کر اشارہ کر دیتے جب میں پاؤں سمیٹتی تب سجدہ کے لیے جگہ بنتی اور آپ سجدہ کرتے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر تم میں سے کوئی جان لے کہ اسے اپنے بھائی کے سامنے گزرنے میں نماز کا راستہ کاٹتے ہوئے کیا گناہ ہے تو سو سال ٹھہرے رہنا اس کے لیے اس ایک قدم ڈالنے سے بہتر ہوتا ۱؎(ابن ماجہ) | |

۱؎ یہ حدیث اس حدیث کی شرح ہے جہاں صرف چالیس کا ذکر تھا سال یا مہینے کا ذکر نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ وہاں بھی سال ہی مراد تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ نمازی کے سامنے بیٹھا رہنا یا آکر بیٹھ جانا یا بیٹھے سے اٹھ جانا سیدھا سامنے چلا جانا منع نہیں بلکہ سامنے کی سمت کاٹ کر گزرنا منع ہے،یعنی ہمارے ملک میں جنوبًا شمالًا جانا جیسا کہ معترضًا سے معلوم ہوا۔البتہ اگر کوئی شخص نمازی کے آگے آکر بیٹھ جائے پھر کچھ ٹھہر کر دوسری جانب اٹھ جائے تو مکروہ ہے بلکہ ادھر ہی کو جائے جدھر سے آیا تھا۔حدیث کا مطلب بالکل ظاہر ہے انسان کو چاہیے کہ نمازی کے آگے سے ہرگز نہ گزرے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت کعب احبار سے فرماتے ہیں اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والا جان لیتا کہ اس پر کیا گناہ ہے تو اس کا زمین میں دھنس جانا سامنے گزرنے سے بہتر ہوتا اور ایک روایت میں ہے کہ آسان ہوتا ۱؎(مالک) | |

۱؎ یہ ساری وعیدیں آگے گزرنے سے روکنے کے لیئے ہیں یعنی اگر اس کے عذاب سے پوری واقفیت ہوتی تو ہر شخص یہ چاہتا کہ زمین پھٹ جائے میں سما جاؤں مگر نمازی کے آگے سے نہ گزروں،یہاں گزرنے کی وہی صورت مراد ہے جو ناجائز ہے جن صورتوں میں شریعت نے گزرنے کی اجازت دی ہے وہ اس سے علیحدہ ہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی بغیر سترہ نماز پڑھے تو اس کی نماز کو گدھا اور سؤر اور یہودی اور پارسی اور عورت توڑ دیتے ہیں ۱؎ اور جب یہ لوگ نمازی کے آگے پتھر پھینکنے کی مسافت | |

| | |
|---|---|
| | سے گزریں تو سترے سے کفایت کرے گا ۲ (ابوداؤد) |

۱ اس کی شرح ابھی گزر چکی کہ نماز کا حضور قلبی مراد ہے،وہاں تین کا ذکر تھا یہاں پانچ کا۔مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ہر ایک کا گزرنا مضر ہے لیکن ان پانچ کا گزرنا زیادہ مضر کیونکہ ان میں دھیان زیادہ بٹتا ہے۔واللہ اعلم !اگرچہ مجوسی بھی انسان ہیں مگر مسلمانوں کو ان سے نفرت بہت ہوتی ہے اس لیے ان کا سامنے سے گزرنا زیادہ شاق گزرے گا۔

۲ یعنی اگر نمازی کے آگے سترہ نہ ہو اور ان میں سے کوئی اتنی دور سے گزر جائے کہ نمازی سجدہ گاہ کو دیکھتے ہوئے ان کا احساس نہ کرسکے تو کوئی مضائقہ نہیں اور وہ پتھر پھینکنے کی بقدر ہے یعنی اگر یہ نمازی درمیانی پتھر درمیانی طاقت سے پھینکے تو جہاں پتھر گرے اتنے فاصلہ پر گزرنا جائز ہے۔پتھر سے درمیانی پتھر مراد ہے،پھینکنے سے درمیانی طاقت سے پھینکنا مراد۔

## باب القراءۃفی الصلوۃ

### نماز میں قرأت ۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱ نماز میں قرآن کریم کی ایک لمبی آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھنا فرض ہے،سورۂ فاتحہ اوراس کے ساتھ اور سورت ملانا واجب۔فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں تلاوت قرآن فرض ہے،باقی رکعات میں نفل،دیگر نمازوں کی ہر رکعت میں تلاوت فرض،اس کے تفصیلی مسائل کتب فقہ میں دیکھو۔خیال رہے کہ نماز کی بنیاد افعال پر ہے،اقوال پر نہیں اسی لیے گونگے پر نماز فرض ہے اگرچہ وہ تلاوت نہیں کرسکتا لیکن جو نماز کے ارکان ادا نہ کرسکے اس پر نماز معاف ہوجاتی ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ۱ (مسلم،بخاری) مسلم کی روایت میں ہے کہ اس کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ اور کچھ زیادہ نہ پڑھے ۲ | |

۱ احناف کے نزدیک سورۂ فاتحہ واجب ہے فرض نہیں،بعض اماموں کے نزدیک فرض ہے۔وہ حضرات حدیث کے یہ معنے کرتے ہیں کہ جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز صحیح نہیں،ہم اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز کامل نہیں،یعنی لائے نفی جنس کی خبر ان کے ہاں صَحِیۡحٌ ہے،ہمارے ہاں کَامِلٌ مگر مذہب حنفی نہایت قوی ہے اور ان کا یہ ترجمہ نہایت مناسب چند وجوہ سے:ایک یہ کہ حنفی ترجمہ کی صورت میں یہ حدیث قرآن کی اس آیت کے خلاف نہ ہوگی "فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ" اور ان بزرگوں کے ترجمہ پر یہ حدیث اس آیت کے سخت خلاف ہوگی کیونکہ قرآن سے معلوم ہورہا ہے کہ مطلقًا تلاوت کافی ہے اور حدیث کہہ رہی ہے کہ بغیر فاتحہ نماز نہیں ہوتی۔دوسرے یہ کہ اسی حدیث کے آخر میں آرہا ہے کہ جو سورۂ فاتحہ اور ساتھ کچھ اور نہ پڑھے اس کی نماز نہیں اور ان بزرگوں کے ہاں سورت ملانا فرض نہیں تو ایک ہی لفظ سے سورۂ فاتحہ فرض ماننا اور ضم سورت فرض نہ ماننا کچھ عجیب سی بات ہے۔تیسرے یہ کہ اگلی حدیث ابوہریرہ میں حنفی معنی صراحۃً آرہے ہیں کہ جو نماز میں الحمد نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے اور حدیث کی شرح حدیث سے ہو تو قوی ہے،نیز حنفیوں کے نزدیک فاتحہ مطلقًا پڑھنے سے مراد مطلقًا پڑھنا ہے حقیقتًا ہو یا حکمًا۔اکیلا امام حقیقتًا فاتحہ پڑھے گا اور مقتدی حکمًا کہ امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا مانا جائے گا مگر بعض کے نزدیک یہاں حقیقتًا پڑھنا ہی مراد ہے ان کے ہاں مقتدی پر بھی فاتحہ پڑھنا فرض ہے لیکن حنفیوں کی توجیہ نہایت ہی قوی ہے چند وجوہ سے:ایک یہ کہ اس صورت میں یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہ ہوگی "وَاِذَا قُرِئَ الۡقُرۡاٰنُ فَاسۡتَمِعُوۡا لَہٗ وَاَنۡصِتُوۡا" الخ۔ان لوگوں کی تفسیر کے مطابق آیت وحدیث میں سخت تعارض ہوگا۔دوسرے

یہ کہ اس صورت میں یہ حدیث مسلم شریف کی اس روایت کے خلاف نہ ہوگی "وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوا"۔ تیسرے یہ کہ حنفی ترجمے کے مطابق رکوع میں ملنے والا بلا تکلف رکعت پالے گا مگر ان لوگوں کو اس مسئلے پر بہت مصیبت پیش آئے گی کہ بغیر فاتحہ پڑھے رکعت کیسے پالی۔ چوتھے یہ کہ بعض صورتوں میں وہ لوگ اس حدیث پر عمل نہیں کرسکتے مثلًا مقتدی فاتحہ کے بیچ میں تھا کہ امام نے رکوع کردیا اس کے لیے یہ حدیث وبال جان بن جائے گی لہذا مذہب حنفی نہایت ہی قوی ہے اور یہ حدیث ان کے بالکل خلاف نہیں۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

۲؎ یعنی نمازی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا بھی واجب ہے اور اس کے ساتھ کچھ اور تلاوت بھی واجب کہ اگر ان میں سے ایک پر بھی عمل نہ کیا گیا تو نماز ناقص ہوگی، یہ حدیث حنفیوں کی قوی دلیل ہے۔جو لوگ اس حدیث کی بنا پر ہر نمازی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض کہتے ہیں وہ فصاعدًا کے متعلق کیا کہیں گے کیونکہ ان کے ہاں سورۃ ملانا فرض نہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو نماز پڑھے اس میں الحمد نہ پڑھے تو وہ نماز ناقص ہے (تین بار) کامل نہیں۱؎ حضرت ابوہریرہ سے کہا گیا کہ ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں فرمایا اپنے دل میں پڑھ لو۲؎ کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھوں آدھ بانٹ دیا ہے۳؎ اور میرے بندے کے لیے وہی ہے جو مانگے۴؎ بندہ کہتا ہے "الحمد للہ رب العلمین" تو اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری حمد کی۵؎ جب بندہ کہتا ہے "الرحمن الرحیم" تو اللہ تعالٰی فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثنا کی۶؎ اور جب کہتا ہے "مالك یوم الدین" تو رب فرماتا ہے میرے بندے نے میری بندگی بیان کی۷؎ اور جب کہتا ہے "ایاك نعبد و ایاك نستعین" تو رب فرماتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۸؎ اور میرے بندے کے لیئے وہ ہے جو مانگے۹؎ پھر جب کہتا ہے "اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۱۰؎ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین" تو فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو مانگے۱۱؎ (مسلم) | |

۱؎ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی تفسیر ہے اس نے صراحتًا بتادیا کہ بغیر سورۃ فاتحہ نماز فاسد نہیں ہوتی بلکہ ناقص ہوتی ہے یعنی سورۂ فاتحہ نماز میں فرض نہیں بلکہ واجب ہے، لہذا یہ حدیث حنفیوں کی قوی دلیل ہے۔

۲؎ یہ حضرت ابوہریرہ کی اپنی رائے ہے اسی لیے آپ اس پر کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں فرماتے بلکہ ایک حدیث سے اس مسئلے کا استنباط کرتے ہیں ان کی رائے پر ہر جگہ عمل نہیں ہوسکتا، بعض جگہ بہت دشواریاں پیش آئیں گی مثلًا یہ کہ مقتدی امام کے پیچھے فاتحہ پڑھ رہا تھا یہ ابھی بیچ میں تھا کہ امام نے کہا "وَلَا الضَّآلِّيْنَ" اب یہ بے چارہ اٰمِیْن کہے یا نہیں یا مقتدی بیچ فاتحہ میں تھا کہ امام نے رکوع کردیا یہ مقتدی رکوع میں جائے یا نہیں وغیرہ۔خیال رہے کہ حضرت ابوہریرہ کا یہ ارشاد پہلے کا ہے بعد میں خود انہیں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو جیسا کہ مسلم،ابوداؤد، نسائی،ابن ماجہ میں ہے اور مشکوٰۃ شریف میں اس باب میں آرہا ہے،لہذا یہ قول خود ان کے اپنے نزدیک متروک ہے یا اس کے معنی یہ ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے معنی و مطالب دل میں سوچو ان پر غور کرو کیونکہ پڑھنا زبان سے ہوسکتا ہے،دل میں سوچنا ہوتا ہے نہ کہ پڑھنا۔(از مرقات)اس صورت میں حدیث بالکل ظاہر ہے کسی توجیہ کی ضرورت نہیں۔

۳؎ یہاں نماز سے مراد سورۂ فاتحہ ہے یعنی جب سورۂ فاتحہ اتنی اہم ہے کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عین نماز فرمایا تو چاہیے اس کا پڑھنا یا اس میں غور کرنا بہت ضروری ہے۔خیال رہے کہ اَلْحَمْد کی سات آیتیں ہیں۔پہلی تین آیتیں "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" تک اللہ کی حمد ہیں اور آخری تین آیتیں اِهْدِنَا سے "وَلَا الضَّآلِّيْنَ" تک دعا،درمیان کی آیت "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" آدھی ثنا ہے آدھی دعا،لہذا یہ فرمان بالکل درست ہے کہ الحمد آدھی آدھی بٹی ہوئی ہے۔

۴؎ یعنی سورۂ فاتحہ آدھی دعا ہے تو جو بندہ اسے پڑھے میں اس کی دعا ضرور قبول کروں گا یا بعینہٖ اس کا سوال پورا کروں گا یا اس کی مثل اور نعمتیں دوں گا یا اس سے کوئی آفت ٹال دوں گا جیسا کہ قبولیت دعاء کا قانون ہے۔

۵؎ یعنی ادھر بندہ الحمد پڑھ کر رب کی حمد کرتا ہے ادھر رب تعالٰی فرشتوں سے یہ فرماتا ہے۔یہ بندے کی خوش نصیبی ہے کہ اس کی تھوڑی سی زبان کی حرکت سے اس کا نام رب کی بارگاہ میں اس عزت سے آجائے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جز نہیں کیونکہ یہاں الحمد سے ذکر شروع ہوا بسم اللہ کا ذکر نہ ہوا لہذا یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے۔

۶؎ یہ خطاب بھی حاضرین بارگاہ فرشتوں سے ہے جو رب تعالٰی بطور فخر و اظہار خوشی فرماتا ہے،ثناء و حمد قریبًا ایک ہی ہیں۔ہوسکتا ہے کہ حمد سے ظاہری کمالات کا بیان ہو اور ثنا سے مراد پوشیدہ کمالات کا اظہار یا حمد سے مراد شکر ہو اور ثناء سے مراد مطلقًا تعریف۔

۷؎ یعنی میری ایسی بڑائی بیان کی جو میرے سوا کسی کو حاصل نہیں کیونکہ قیامت کے دن کی بادشاہی صرف رب تعالٰی کی صفت ہے۔

۸؎ کیونکہ عبادت اللہ کے لیے ہے اور استعانت یعنی مدد بندے کے لیے ہے لہذا یہ آیت رب و بندے کے درمیان ہے۔

۹؎ یعنی بندے اپنے ہر کام میں خصوصًا عبادات میں مجھ سے مدد مانگ رہا ہے میں اس کی ضرور مدد کروں گا،اس کے بعد بھی جو دعائیں مانگے گا قبول کروں گا۔

۱۰؎ یعنی خدایا مجھے اس راستہ کی ہدایت دے جو تیرے انعام والے بندے کا راستہ ہے،اولیاء،صالحین،شہید اور صدیقین کا۔معلوم ہوا کہ وہ دین حق ہے جس میں اولیاء اللہ ہوں،وہ صرف اہل سنت والجماعت کا دین ہے کہ ان کے سوا کسی فرقہ میں اولیاء اللہ نہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ "انعمت علیھم" پر وقف ہے ورنہ فاتحہ کی آیات سات نہ ہوں گی کیونکہ یہاں بسم اللہ کو الحمد میں شامل نہیں کیا گیا،لہذا یہ حدیث احناف کی دلیل ہے۔

۱۱؎ یعنی جو کچھ اس سورت میں مانگے اور جو اس کے بعد مانگے وہ سب اسے دوں گا، بعض مشائخ کا طریقہ ہے کہ وہ دعا کرتے وقت الحمد شریف پڑھا کرتے ہیں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نماز الحمد للہ رب العلمین سے شروع کرتے تھے ۱؎ (مسلم) |

۱؎ یعنی یہ حضرات جیسے اعوذ باللہ آہستہ کہتے تھے ایسے ہی بسم اللہ بھی، جہر الحمد للہ سے شروع کرتے تھے لہذا یہ حدیث احناف کی قوی دلیل ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جز نہیں یہ آہستہ پڑھی جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ" آئی وہاں بسم اللہ نہ آئی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو گی تو اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے ۱؎ (مسلم، بخاری) اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا جب امام کہے "غیر المغضوب علیھم ولا الضالین" تو تم کہو آمین ۲؎ جس کا کلام فرشتوں کے کلام کے موافق ہو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے ۳؎ یہ بخاری کے لفظ ہیں اور مسلم کے نزدیک اس کی مثل اور بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا جب قاری آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں جس کی آمین موافق ہو گی فرشتوں کی آمین کے اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے ۴؎ |

۱؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ نماز میں الحمد کے ختم پر امام بھی آمین کہے گا۔ دوسرے یہ کہ ہماری حفاظت کرنے والے اور نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتے نمازوں میں ہمارے ساتھ شریک ہوتے ہیں ولا الضالین پر آمین کہتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ آمین بالکل آہستہ کہنی چاہیے کیونکہ فرشتے آہستہ ہی آمین کہتے ہیں جو ہم نہیں سنتے اگر ہم آمین چیخ کر کہیں تو ہماری آمین فرشتوں کی آمین کے خلاف ہو گی پھر ہماری بخشش کیسے ہو۔ چوتھے یہ کہ رب کی بارگاہ میں وہی نیکی قبول ہوتی ہے جو نیک بندوں کی طرح ہو ان کی نقل پیاری ہے۔ دیکھو فرمایا گیا کہ جس کی آمین فرشتوں کی سی ہو گی اس کی مغفرت ہو گی۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی الحمد نہ پڑھے کیونکہ فرمایا گیا کہ جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو یہ نہ فرمایا کہ جب تم ولا الضالین کہو تو آمین کہو۔ لہذا یہ حدیث احناف کی دلیل ہے۔

۳؎ فقیر کو آہستہ آہستہ آمین کی چھبیس۲۶ حدیثیں اور دو آیتیں ملیں مگر نماز میں بالجہر آمین کی کوئی صریح حدیث نہ ملی جس میں نماز کا ذکر ہو اور لفظ جہر ہو۔اس کی پوری بحث فقیر کی کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں دیکھو۔آمین دعا ہے (قرآن کریم) اور دعا آہستہ مانگنی چاہیے (قرآن کریم) احادیث میں جہاں آمین سے مسجد گونجنے کا ذکر ہے وہاں نماز کا ذکر نہیں اور جہاں نماز کا ذکر ہے وہاں جہر نہیں بلکہ "مدبھا صوتہ" ہے یا "رفع بھا صوتہ" جس کے معنی ہیں آمین آواز کھینچ کر کہی۔

۴؎ خیال رہے کہ ان جیسی تمام حدیث میں موافقت سے مراد کیفیت میں موافقت ہے نہ کہ وقت میں کیونکہ فرشتوں کی آمین کہنے کا تو یہی وقت ہے جب امام ولا الضالین کہتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین جیسی ہوگی اسکی بخشش ہوگی یعنی جیسے فرشتے آہستہ آمین کہتے ہیں ایسے یہ بھی آہستہ کہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم نماز پڑھو تو صفیں سیدھی کرو پھر تم میں سے کوئی تمہارا امام بن جائے۱؎ جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب کہے "غیر المغضوب علیھم ولا الضالین" تو تم آمین کہو اللہ تمہاری قبول کرے گا۲؎ پھر جب تکبیر کہے اور رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہو اور رکوع کرو امام تم سے پہلے رکوع میں جائے گا اور تم سے پہلے سر اٹھائے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اس کے بدلے میں ہوا ۳؎ اور جب کہے "سمع اللہ لمن حمدہ" تو تم کہو "اللھم ربنا لك الحمد" اللہ تمہاری سنے گا۴؎ (مسلم) |

۱؎ یہ ان اصحاب سے خطاب ہے جو سب عالم و فقیہ تھے،یعنی جب تم ایسی جگہ ہو جہاں کوئی امام مقرر نہ ہو تو چونکہ تم سب علماء فقہاء ہو لہذا تم میں سے کوئی بھی امام بن جائے،لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جہاں فرمایا گیا کہ امام وہ بنے جو سب سے زیادہ عالم یا قاری ہو۔

۲؎ یعنی اس آمین کی برکت سے تمہاری الحمد والی تمام دعائیں قبول ہوں گی یا جب تم سب مل کر آمین کہو گے تو قبول ہوگی کیونکہ جماعت کی نماز و دعائیں اگر ایک کی قبول ہوجائیں تو سب کی قبول ہوتی ہے اسی لیے دعا اور عبادات کے لیئے جماعات تلاش کرتے رہو۔

۳؎ یعنی تمام حرکات و سکنات میں تم امام کے پیچھے رہو کہ امام جب رکوع میں پہنچ جائے تو تم رکوع میں جھکو اور جب رکوع سے سیدھا کھڑا ہوجائے تو تم اٹھو،امام رکوع میں تم سے پہلے پہنچے گا اور تم سے پہلے اٹھے گا تو ایک لحظہ رکوع میں تم پیچھے پہنچو گے اور ایک لحظہ بعد میں اٹھو گے وہ کمی اس زیادتی سے پوری ہوکر تمہارا اور امام کا رکوع برابر ہوجائے گا،سارے ارکان کا یہی حال ہے۔

۴؎ یعنی جماعت میں امام صرف "سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَہ" کہے اور مقتدی صرف "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْد" کہے لہذا یہ حدیث احناف کی قوی دلیل ہے،بعض روایات میں صرف "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْد" ہے،بعض میں اَللّٰھُمَّ بھی ہے،امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مقتدی دونوں کلمے کہے یہ حدیث انکے خلاف ہے۔

| | |
|---|---|
| | اور مسلم کی ابوہریرہ و قتادہ سے ایک روایت میں ہے کہ جب امام |

| | |
|---|---|
| | قرأت کرے توتم خاموش رہو۱؎ |

۱؎ یہ حدیث امام اعظم رحمۃاللہ علیہ کی قوی دلیل ہے کہ مقتدی **الحمد** نہ کہے کیونکہ امام کی قرأت کے وقت اسے خاموشی ضروری ہے۔یہ حدیث چند وجہ سے نہایت قوی اور قابل عمل ہے:ایک یہ کہ اس کی تائید قرآن کریم سے ہورہی ہے،رب فرماتا ہے:"**وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا**"الخ۔دوسرے یہ کہ اس حدیث کی تائید بہت احادیث سے ہورہی ہے۔فقیر نے اس کے متعلق چوبیس احادیث جمع کیں،دیکھو"**جاءالحق**"حصہ دوم۔تیسرے یہ کہ عام صحابہ کرام کا یہی عمل تھا کہ وہ امام کے پیچھے قرأت سے منع کرتے تھے۔چنانچہ اسّی [۸۰] صحابہ سے یہ ممانعت ثابت ہے۔چوتھے یہ کہ یہ حدیث عقل کے بھی مطابق ہے کیونکہ جب مقتدی سورت نہیں پڑھتا کہ امام کی قرأت مقتدی کے لیے کافی ہے توچاہیے کہ فاتحہ بھی نہ پڑھے کہ اس میں بھی امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔پانچویں یہ کہ رکوع میں شریک ہونے والے کو رکعت مل جاتی ہے اگر امام کی قرأت اس کے لیے کافی نہ ہوتی بلکہ مقتدی کو بھی فاتحہ پڑھنی فرض ہوتی تو اسے رکعت نہ ملتی۔چھٹے یہ کہ جلیل القدر صحابہ نے امام کے پیچھے تلاوت کرنے والوں کو بددعائیں دیں۔چنانچہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے پڑھے اس کے منہ میں خاک،حضرت عمر فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں پتھر،حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں انگارے وغیرہ۔ساتویں یہ کہ عام مسلمین کا اس پر عمل ہے۔نوے فیصد مسلمان حنفی ہیں جو امام کے پیچھے تلاوت نہیں کرتے۔غرضکہ یہ حدیث بہت قوی ہے۔دیکھو ہماری کتاب"**جاءالحق**"حصہ دوم۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دورکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دوسورتیں پڑھتے تھے اور آخری دورکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے۱؎ اور کبھی ہم کو کوئی آیت سنادیتے تھے۲؎ اور پہلی رکعت میں کسی قدر درازی کرتے جو دوسری رکعت میں نہ کرتے۳؎ یوں ہی عصر میں اور یوں ہی صبح میں کرتے۔(مسلم،بخاری) |

۱؎ نماز فرض کی رکعتوں میں چند طرح فرق ہے:ایک یہ کہ اگلی دورکعتوں میں قرأت فرض ہے،آخری رکعات میں نفل۔دوسرے یہ کہ اول رکعتیں بھری پڑھی جاتی ہیں بعد کی خالی۔تیسرے یہ کہ فجر،مغرب،عشاء میں اول رکعتوں میں امام اونچی تلاوت کرتا ہے بعد والیوں میں آہستہ۔چوتھے یہ کہ اول کی دورکعتیں سفروحضر ہر حالت میں پڑھی جاتی ہیں مگر آخری دورکعتیں سفر میں معاف ہوجاتی ہیں۔یہ تمام مسائل حدیث سے ثابت ہیں جن میں سے ایک مسئلہ یہاں آیا کہ اول رکعتیں بھری پڑھو آخری خالی۔

۲؎ یعنی ظہر وعصر کی نمازوں میں سرکار ایک آدھ آیت زور سے پڑھ دیتے تاکہ صحابہ کرام کو معلوم ہوجائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فلاں سورت پڑھ رہے ہیں،اب ہم کو یہ جائز نہیں ہم لوگ اخفاء نمازوں میں ایک آیت بھی آواز سے نہیں پڑھ سکتے،یہ حضور کی خصوصیات سے ہے۔

۳؎ یعنی رکعت اول بمقابلہ دوسری رکعت کے کچھ دراز پڑھتے یا اس لیے کہ اس میں "سبحانك اللّٰھم،اعوذ،بسم اللہ بھی ہے،رکعت دوم میں یہ نہیں یااس لیے کہ رکعت اول میں قرأت کچھ زیادہ فرماتے تاکہ پیچھے آنے والے شرکت کرسکیں۔احناف کے نزدیک فتویٰ اسی پر ہے کہ ہر نماز میں اول رکعت دوسری سے کچھ دراز پڑھے خصوصًا نماز فجر کہ اس میں پہلی رکعت زیادہ دراز کرے،لہذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں بلکہ ان کی مؤید ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہر وعصر کے قیام کا اندازہ لگاتے تھے ا؎ تو ہم نے آپ کے ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں قیام کا اندازہ الٓمٓ تنزیل السجدہ پڑھنے کے بقدر لایا ۲؎ ایک روایت میں ہے کہ ہر رکعت میں تیس آیتوں کی بقدر ۳؎ اور ہم نے آخری رکعتوں میں قیام کا اندازہ اس سے آدھے کا لگایا ۴؎ اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں ظہر کی آخری رکعتوں کے قیام کی بقدر اندازہ لگایا اور عصر کی آخری رکعتوں میں اس سے آدھا ۵؎ (مسلم) | |

ا؎ اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات وصفات سوچنا،اس میں غور کرنا سنت صحابہ ہے اس سے نماز ناقص نہ ہوگی بلکہ کامل تر ہوگی۔دیکھو صحابہ کرام حضور کے پیچھے نماز بھی پڑھ رہے ہیں اور یہ خیال بھی رکھ رہے ہیں کہ آپ کا قیام کس قدر ہوا یہ ان کے خشوع کے خلاف نہ تھا۔

۲؎ یعنی اتنا قیام فرماتے تھے کہ ہر رکعت میں الحمد کے علاوہ الٓمٓ تنزیل السجدہ کی بقدر پڑھتے تھے یعنی انتیس آیتیں یا دونوں رکعتوں میں اس سورت کی بقدر مگر پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ گذشتہ کلام میں ہر رکعت میں الٓمٓ تنزیل السجدہ کی بقدر قرأت فرماتے تھے نہ کہ دونوں میں۔

۴؎ یعنی ظہر کی آخری دو رکعتوں میں ہر رکعت میں علاوہ الحمد کے پندرہ آیات۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور ظہر کی آخری رکعتوں میں بھی سورۃ ملاتے تھے۔خیال رہے کہ فرائض کی آخری رکعتوں میں قرأت نفل ہے لہذا اگر خاموش رہے یا تسبیح پڑھے یا الحمد مع سورت پڑھے یا صرف الحمد پڑھے ہر طرح درست ہے۔یہاں تیسری صورت کا ذکر ہے یعنی الحمد مع سورت پڑھنا اور حضور کا یہ عمل شریف بیان جواز کے لیے ہے کیونکہ ان رکعتوں کا خالی پڑھنا مستحب ہے۔(اشعۃ)

۵؎ یعنی عصر کی اول رکعتوں میں ہر رکعت میں پندرہ آیتیں اور آخر کی دو رکعتوں میں پندرہ آیتیں۔اس سے معلوم ہوا کہ عصر میں تلاوت بمقابلہ ظہر کم ہونی چاہیے کہ احناف کے نزدیک فجر وظہر میں طوال مفصل پڑھنا اور عصر وعشاء میں وسط مفصل پڑھنا مستحب ہے،یہ حدیث اس کا ماخذ ہوسکتی ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر میں "وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی" پڑھتے تھے اور ایک | |

| | |
|---|---|
| | روایت میں ہے کہ "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى" ۱؎ اور عصر میں اسی طرح اور فجر میں اس سے کچھ دراز۲؎ (مسلم) |

۱؎ یعنی ظہر کی رکعت اول میں "وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى" یا "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى" پڑھتے تھے یا دونوں رکعتوں میں یہ سورت اس طرح پڑھتے کہ ہر رکعت میں آدھی سورت مگر پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں کیونکہ ہر رکعت میں پوری سورت پڑھنا نصف سورت پڑھنے سے زیادہ بہتر ہے۔خیال رہے کہ ظہر وعصر میں تلاوت آہستہ ہوتی ہے لہذا صحابہ کرام کو اس تلاوت کا علم یا تو حضور کے بتانے سے ہوا یا سرکار ایک آدھ آیت آواز سے پڑھ دیتے تھے تاکہ صحابہ کو پتہ لگے کہ کون سی سورت پڑھ رہے ہیں۔

۲؎ خیال رہے کہ نماز کی قرأت میں احادیث مختلف آئیں مگر متعارض نہیں کیونکہ سرکار کی تلاوت موقع اور حالت کے لحاظ سے مختلف تھی کبھی لمبی قرأت فرماتے،کبھی چھوٹی جیسا موقع،نیز بعض حالات میں مستحب پر عمل فرماتے،بعض حالات میں صرف جواز پر،لہذا احادیث مخالف نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جبیر ابن مطعم سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب میں سورۂ طور پڑھتے سنا ۱؎ (مسلم،بخاری) |

۱؎ یعنی مغرب کی دونوں رکعتوں میں پوری سورۃ طور پڑھتے تھے یا طور کی بعض آیات جو کچھ بھی ہو یہ بیان جواز کے لیے ہے ورنہ مغرب میں قصار مفصل کی سورتیں پڑھنا مستحب ہے،سورۂ طور میں ۴۹ آیات ہیں اگر یہ پوری سورت مغرب میں پڑھی جاوے تو بھی وقت تنگ نہیں ہوتا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے ام فضل بنت حارث سے۱؎ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب میں "وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا" پڑھتے ہوئے سنا۲؎ (مسلم،بخاری) |

۱؎ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ آپ حضور کی چچی یعنی حضرت عباس کی زوجہ اور عبداللہ ابن عباس اور فضل ابن عباس کی والدہ ہیں۔

۲؎ یہ واقعہ کبھی کبھی ہوا وہ بھی بیان جواز کے لیے غالب یہ ہے کہ پوری سورت ایک یا دونوں میں پڑھی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے پھر آکر اپنی قوم کی امامت کرتے۱؎ ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء پڑھی پھر اپنی قوم میں آئے ان کے امام بنے اور سورۃ بقر شروع کردی تو ایک شخص پھر گیا۲؎ کہ اس نے سلام پھیر کر اکیلے نماز پڑھی اور چلا گیا لوگوں نے کہا اے فلاں کیا تو منافق ہوگیا بولا نہیں رب کی قسم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤں گا اور آپ کو یہ |

| | |
|---|---|
| | خبر دوں گا۳؎ پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ ہم لوگ اونٹ والے ہیں۴؎ دن بھر کام کرتے ہیں اور حضرت معاذ نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی پھر اپنی قوم میں آئے سورۂ بقر شروع کردی۵؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاذ پر متوجہ ہوئے اور فرمایا اے معاذ کیا تم فتنہ گر ہو "وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا" اور "وَالضُّحٰى" "وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰى" اور "سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى" پڑھا کرو ۶؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ حضرت معاذ حضور کی ساتھ نفل پڑھ لیتے تھے،پھر اپنی قوم میں آکر انہیں فرض پڑھاتے تھے کیونکہ اس حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ آپ پہلے فرض پڑھتے تھے اور بعد میں نفل،نیز یہ فعل تو حضرت معاذ کا ہے اور اس کے راوی حضرت جابر ہیں اور کسی کی نیت صرف اندازے سے معلوم نہیں ہوسکتی اور اگر آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فرض ہی پڑھتے ہوں تو اپنی قوم کیساتھ بھی فرض ہی پڑھتے تھے اور یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب ایک فرض دو بار پڑھے جاتے تھے،بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا۔چنانچہ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ ہم کو ایک فرض دو بار پڑھنے سے منع کیا گیا اور اگر آپ حضور کے پیچھے فرض ہی پڑھتے ہوں اور اپنی قوم کے ساتھ نفل تو یہ آپ کا اجتہادی عمل ہے جس کی حضور کو اطلاع نہیں دی گئی تھی،اطلاع ہونے پر حضور نے اس سے منع فرمادیا۔چنانچہ امام احمد نے حضرت سلیم سلمیٰ سے روایت کی کہ جب حضور کی بارگاہ میں حضرت معاذ کا یہ واقعہ پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اے معاذ! تم فتنہ گر نہ بنو یا میرے ہی ساتھ نماز پڑھا کرو یا اپنی قوم کو ہلکی نماز پڑھایا کرو۔بہرحال یہ حدیث حنفیوں کے خلاف نہیں اور اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ نفل والے کے پیچھے فرض والے کی نماز جائز ہے۔اس کی مزید تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں دیکھو۔خیال رہے کہ فرض والے کے پیچھے نفل والے کی نماز جائز ہے مگر نفل والے کے پیچھے فرض والے کی نماز جائز نہیں کیونکہ ترمذی،ابوداؤد،احمد وغیرہ میں ہے کہ حضور فرماتے ہیں "اَلۡاِمَامُ ضَامِنٌ" امام ضامن ہے یعنی مقتدی کی نماز امام کے ضمن میں ہے اور ظاہر ہے کہ فرض نفل کو اپنے ضمن میں لے سکتا ہے نہ کہ نفل فرض کو۔(از لمعات)

۲؎ یعنی ایک صاحب نے جماعت سے نماز شروع کی مگر جب حضرت معاذ نے سورۂ بقر شروع کی تو وہ سمجھ گئے کہ آپ پوری سورۂ بقر پڑھیں گے تو وہ نماز توڑ کر جماعت سے نکل گئے اور علیحدہ فرض پڑھ کر چلے گئے۔یہ صاحب خرام ابن ابی کعب انصاری ہیں جیسا کہ مرقات وغیرہ میں ہے۔

۳؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جماعت اولیٰ کے وقت جماعت سے علیحدہ رہنا منافقت کی علامت ہے۔خواہ نماز علیحدہ پڑھے خواہ علیحدہ بیٹھا رہے۔دوسرے یہ کہ مقتدیوں پر امام کا احترام لازم ہے حتی الامکان ان پر زبان طعن دراز نہ کریں۔دیکھو حضرت خرام اور دوسرے صحابہ نے حضرت معاذ سے لڑائی شروع نہ کردی،بلکہ حضور کی بارگاہ میں شکایت پیش کی حضور نے انہیں سمجھایا۔تیسرے یہ کہ امام مسجد کی شکایت سلطان اسلام یا قاضی اسلام سے کرسکتے ہیں کہ وہ امام کو سمجھا بجھادیں،اس میں کوئی حرج نہیں سنت صحابہ سے ثابت ہے۔

۴؎ نواضح ناضیحہ کی جمع ہے۔ناضحہ وہ اونٹنی ہے جو کھیتوں کو پانی دے خواہ اس طرح کہ رہٹ چلائے یا اس طرح کہ دور سے پانی اس پر لاد کر لایا جائے اور کھیتوں میں پھینکا جائے۔شکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم لوگ دن بھر کام کاج کے باعث تھک جاتے ہیں رات کو لمبی قرأت سے نماز نہیں پڑھ سکتے۔

۵؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ شکایت حضرت معاذ کی موجودگی میں ہوئی اور اگر ان کے پس پشت ہوئی تو غیبت نہیں بلکہ اصلاح ہے جیسے استاد سے بعض شاگردوں کی شکایت کرنا لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

٦؎ یعنی چونکہ تمہارے پیچھے کاروباری لوگ بھی ہوتے ہیں اور محنت مزدوری کرنیوالے بھی لہٰذا انہیں نماز مختصر پڑھایا کرو۔اس واقعہ سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مقتدی بوقت ضرورت نماز توڑ سکتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب پر نماز توڑنے کی وجہ سے عتاب نہ فرمایا یہ نہ کہا کہ تم نے وہ نماز پڑھ لی ہوتی پھر مجھ سے شکایت کی ہوتی۔دوسرے یہ کہ نماز توڑنا ہو تو سلام پھیر دے۔کہ یہ سلام اگرچہ بے وقت ہے مگر اسے نماز سے خارج کردے گا اور اگر یونہی بغیر سلام نماز سے پھر جاوے تب بھی درست۔تیسرے یہ کہ امام پر لازم ہے کہ مقتدیوں کے حالات کا خیال رکھے تاکہ لوگ جماعت سے بد دل نہ ہوجاویں۔خیال رہے کہ یہاں حضور نے حضرت معاذ کو خلافِ ترتیب سورتیں پڑھنے کی اجازت نہیں دی جیسا کہ بعض شارحین نے سمجھا بلکہ بطور مثال ان سورتوں کا ذکر فرمایا کہ ان جیسی سورتیں اور آیتیں پڑھ لیا کرو۔

| | |
|---|---|
| | روایت حضرت براء سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عشاء میں "وَالتِّیۡنِ وَالزَّیۡتُوۡنِ" پڑھتے سنا اور آپ سے زیادہ خوش آواز کسی کو نہ سنا۱؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی خوش آواز تھے۔ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالٰی نے کوئی نبی بدشکل یا بد آواز نہ بھیجا۔ہر نبی نہایت خوب صورت اور خوش آواز ہوئے۔بیہقی شریف میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت خوش آواز اور بلند آواز تھے کہ آپ کی نماز کی تلاوت عورتیں گھروں میں بے تکلف سن لیتی تھیں۔(مرقات)غرض کہ رب تعالٰی نے اپنے محبوب کو ہر انداز محبوبانہ بخشا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر میں "قٓ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِیۡدِ" وغیرہ پڑھا کرتے تھے پھر بعد میں آپ کی نماز کچھ ہلکی ہوگئی۲؎(مسلم) |

۱؎ آپ کی کنیت ابو سعید ہے،قرشی ہیں،مخزومی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر بارہ سال تھی،حضور نے آپ کے سر پر ہاتھ پھیرا ہے اور دعا برکت کی ہے۔

۲؎ یعنی اولًا جب صحابہ تھوڑے تھے تو آپ نماز فجر بہت دراز پڑھاتے تھے جب صحابہ کی تعداد بڑھ گئی ان میں اکثر کام کاج والے تھے تو فجر ہلکی پڑھانی شروع کردی تاکہ ان کو مشقت نہ ہو یا یہ مطلب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فجر میں دراز تلاوت کرتے اور بعد کی نمازوں میں مختصر تلاوت۔اب بھی سنت یہ ہے کہ فجر کی نماز دراز پڑھی جائے اس میں بہت حکمتیں ہیں مگر پہلے معنی زیادہ واضح ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے عمرو بن حریث سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ |

| | |
|---|---|
| | وسلم کو فجر میں "وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ" پڑھتے سنا ۱؎(مسلم) |

۱؎اس سے مراد "اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ" ہے۔چونکہ یہ الفاظ اس سورت شریف میں آتے ہیں اس لیے ان کلمات سے وہ سورۃ بیان فرمائی،یہ سورت طوال مفصّل سے ہے اس میں انتیس آیات ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن سائب سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں نماز فجر پڑھائی ۲؎ سورۂ مؤمنون شروع کی حتی کہ موسیٰ وہارون کا ذکر یا عیسیٰ کا ذکر آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانسی آگئی تو رکوع فرمادیا۔(مسلم) |

۱؎ آپ قبیلہ بنی مخذوم سے ہیں،اہل مکہ کے قرأت قرآن میں استاذ ہیں،حضرت ابی ابن کعب کے شاگرد ہیں،بہت صحابہ نے آپ سے احادیث روایت کیں۔

۲؎ فتح مکہ کے دن جیسا کہ نسائی شریف کی حدیث میں ہے لہذا یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا نہیں جیسا کہ بعض نے سمجھا،یعنی آپ قرأت زیادہ کرنا چاہتے تھے مگر درمیان میں کھانسی آجانے کی وجہ سے رکوع فرمادیا کہ اگرامام کو دوران نماز میں کوئی حادثہ پیش آجاوے جس سے وہ دراز قرأت نہ کرسکے تو رکوع کردے،اس سے بہت مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن فجر کی پہلی رکعت میں الم تنزیل اور دوسری رکعت میں "هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسٰنِ" پڑھتے تھے ۱؎ (مسلم،بخاری) |

۱؎ یعنی کبھی کبھی جمعہ کی فجر میں یہ سورتیں پڑھا کرتے تھے،اب بھی امام کو چاہیے کہ حصول برکت اور ادائے سنت کے لیے کبھی جمعہ کی فجر میں یہ سورتیں پڑھ لیا کرے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جمعہ کی فجر میں یہ سورتیں پڑھنا سنت مؤکدہ ہیں۔خیال رہے کہ امام ہمیشہ ایک ہی معین سورت نماز میں نہ پڑھا کرے کہ اس سے مقتدی دھوکا کھائیں گے کہ شاید یہی سورت پڑھنا واجب ہے دوسری ناجائز،بلکہ ادل بدل کر پڑھا کرے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کریمہ اس بارے میں مختلف آرہے ہیں۔چونکہ ان سورتوں میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش،جنت،دوزخ کی پیدائش اور قیامت کے حالات کا تذکرہ ہے اور یہ واقعات جمعہ ہی کو ہوئے اور قیامت بھی جمعہ ہی کو ہوگی لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سورتیں جمعہ کے دن پڑھا کرتے تھے اور غالب یہ ہے کہ آپ الم سجدہ میں سجدۂ تلاوت بھی کرتے تھے مگر اب فقہاء فرماتے ہیں کہ سواء تراویح اور نمازوں میں سجدہ والی آیات وسورتیں نہ پڑھے تاکہ لوگ غلطی میں نہ پڑیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبید اللہ ابن ابی رافع سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ مروان نے حضرت ابوہریرہ کو مدینہ منورہ پر اپنا خلیفہ بنایا اور خود مکہ معظّمہ چلا گیا ۲؎ تب ہمیں حضرت ابوہریرہ نے جمعہ پڑھایا ۳؎ تو پہلی |

| | |
|---|---|
| | رکعت میں سورۂ جمعہ پڑھی اور دوسری میں "اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ" پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کے دن یہ سورتیں پڑھتے سنا۴(مسلم) |

۱؎ آپ مدنی ہیں، مشہور تابعین میں سے ہیں، حضرت علی مرتضٰی کے کاتب تھے،آپ کے والد ابورافع حضور کے آزاد کردہ غلام ہیں۔
۲؎ یعنی جب مروان مدینہ منورہ کا حاکم تھا تو ایک دفعہ اپنے زمانۂ حکومت میں خود حج کرنے گیا اور اپنی جگہ حضرت ابوہریرہ کو حاکم مدینہ بنایا گیا تب یہ واقعہ پیش آیا۔
۳؎ یعنی مروان اپنی موجودگی میں خود جمعہ پنجگانہ پڑھایا کرتا تھا کیونکہ امامت کا حق سلطانِ اسلام یا اس کے نائب کو ہے،جب حضرت ابوہریرہ حاکم اسلام مقرر ہوئے تب آپ نے جمعہ پڑھایا۔
۴؎ آپ جمعہ میں کبھی کبھی یہ سورتیں بھی پڑھتے تھے یہاں ہمیشگی کا ذکر نہیں لہذا یہ حدیث دیگر احادیث کے خلاف نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت نعمان بن بشیر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ میں "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى اور "هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغٰشِيَةِ" پڑھتے تھے۔فرماتے ہیں کہ جب عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہوجاتے تو یہ دونوں سورتیں دونوں نمازوں میں پڑھتے ۱(مسلم) |

۱؎ عید میں بھی اور جمعہ میں بھی۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ ایک عید اور جمعہ جمع ہوجائیں تو نماز عید کیوجہ سے نماز جمعہ معاف نہ ہوجائے گی یہ بدستور فرض رہے گی۔حضرت عثمان غنی نے جو اپنے دور خلافت میں نماز عید کے بعد فرمایا تھا کہ جمعہ کی نماز کے لیے جو چاہے ٹھہرے جو چاہے چلا جائے یہ ان گاؤں والوں سے خطاب تھا جن پر نہ نماز عید واجب تھی اور نہ نماز جمعہ فرض،برکت کے لیے عید و جمعہ پڑھنے شہر آجاتے تھے لہذا ان کا فرمان اس حدیث کے خلاف نہیں۔دوسرے یہ کہ عید و جمعہ کا اجتماع منحوس نہیں جیسا کہ آج کل جہلا نے سمجھ رکھا ہے بلکہ اس میں دو برکتوں کا اجتماع ہے اور حضور کے زمانہ میں ایسا ہوا ہے۔تیسرے یہ کہ ایک سورت دو نمازوں میں پڑھنا جائز ہے۔خیال رہے کہ یہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثری عمل مراد ہے دائمی نہیں ورنہ آپ سے نماز جمعہ و عیدین میں اور سورتیں پڑھنا بھی ثابت ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبید اللہ سے کہ حضرت عمر بن خطاب نے حضرت ابوواقد لیثی سے پوچھا۱ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بقر عید اور عید میں کون سی سورتیں پڑھتے تھے۲ انہوں نے فرمایا کہ ان دونوں میں" قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ"اور "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ" پڑھتے تھے۔(مسلم) |

۱؎ یہ عبیداللہ تابعی ہیں،آپ کا نام عبیداللہ ابن عتبہ ابن مسعود ہزلی ہے،حضرت عبداللہ ابن مسعود کے بھتیجے ہیں،اور ابو واقد کا نام ابن حارث۔

۲؎ حضرت عمر کا یہ سوال حاضرین کو مسئلہ سمجھانے کے لیے تھا ورنہ آپ حضور کے حالات طیبہ سے بہت زیادہ واقف تھے،حاضرین کے ذہن میں بٹھانے کے لیے آپ نے یہ سوال کیا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی دو رکعتوں میں "قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ"اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھیں ۱؎(مسلم) |

۱؎ یعنی فجر کی سنتوں میں رکعت اول میں "قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" اور رکعت دوم میں "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھتے تھے کیونکہ سرکار ایک آدھ آیت اونچی بھی پڑھ دیتے تھے اس لیے صحابہ کرام کو یہ پتہ لگ جاتا تھا اور اگر فجر کے فرض مراد ہوں تو یہ واقعہ کسی سفر کا ہوگا ورنہ حضور گھر میں فجر میں اکثر طوال مفصل کی بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو رکعتوں میں "قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا" اور آل عمران والی آیت "قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا" الخ پڑھتے تھے ۱؎(مسلم) |

۱؎ یعنی فجر کے فرضوں میں رکعت اول میں سورۂ بقر کا یہ رکوع اور دوسری رکعت میں سورۂ آل عمران کا وہ رکوع پڑھتے تھے۔معلوم ہوا کہ نماز میں الحمد کے ساتھ رکوع ملانا بھی سنت ہے اگرچہ پوری سورۃ ملانا زیادہ بہتر کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر یہ عمل ہے۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کرتے تھے۔(ترمذی)اور وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ۱؎ |

۱؎ لہٰذا اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ امام اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھے اور اگر حدیث صحیح ہو تب بھی بسم اللہ پڑھنے کا ذکر ہے نہ کہ جہر سے پڑھنے کا۔ مطلب یہ ہے کہ نماز کی قرأت ایسے شروع کرتے ہیں کہ اولًا آہستہ بسم اللہ پڑھ لیتے پھر جہر سے الحمد یا مطلب یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے بسم اللہ پڑھتے برکت کے لیے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت وائل ابن حجر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے پڑھا "غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ" تو کہا آمین اپنی آواز کھینچ کر ۱؎ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی اور ابن ماجہ) | |

۱؎ اس حدیث سے نماز میں اونچی آمین کہنا ہر گز ثابت نہیں ہو سکتا چند وجہ سے: ایک یہ کہ یہاں نماز کا ذکر نہیں، ممکن ہے کہ نماز کے علاوہ یہ تلاوت اور آمین ہوئی ہو۔ دوسرے یہ کہ یہاں "مَدَّ بِهَا صَوۡتَهٗ" ہے مَدَّ کے معنی چیخنا نہیں بلکہ اس کے معنی ہیں کھینچنا، دراز کرنا، اس کا مقابل قصر ہے اسی لیے مہلت دینے، ڈھیل دینے کو مدّ کہا جاتا ہے، رب فرماتا ہے: "وَیَمُدُّهُمۡ فِیۡ طُغۡیٰنِهِمۡ" یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم آمین کا الف اور میم مدّ کے ساتھ پڑھتے تھے، بروزن قالین قصر سے نہیں جیسے کریم، یہی معنی ظاہر ہیں۔ تیسرے یہ کہ امام احمد، دار قطنی، حاکم، مستدرک، طبرانی، ابو داؤد طیالسی، ابو یعلی موصلی نے انہی وائل ابن حجر سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں جب "وَلَا الضَّآلِّیۡنَ" پڑھا تو "قَالَ اٰمِیۡن وَاَخۡفٰی بِهَا صَوۡتَهٗ"۔ اور ابو داؤد و ترمذی، ابن ابی شیبہ نے انہی وائل ابن حجر سے روایت کی "وَخَفَضَ بِهَا صَوۡتَهٗ"۔ اَخۡفٰی کے معنی ہیں آہستہ پڑھا اور خَفَضَ کے معنی ہیں پست آواز سے پڑھا تو اب یہاں مَدَّ کے ایسے معنی کرنے چاہئیں جو وہاں کے اَخۡفٰی اور خَفَضَ کے خلاف نہ ہوں یعنی آواز کھینچی اس لیے یہاں جَهَرَ نہیں بلکہ مَدَّ آیا کیونکہ اَخۡفَاء کا مقابل مَدَّ نہیں بلکہ جہر ہے رب فرماتا ہے: "یَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ وَمَا یَخۡفٰی"۔ جن احادیث میں "رَفَعَ بِهَا صَوۡتَهٗ" ہے وہاں بھی "رَفَعَ مَدَّ" کا ترجمہ ہے اور یہی معنی ہیں کہ آواز کھینچ کر پڑھا۔ غرض کہ ایسی حدیث آج تک نہ مل سکی جس میں نماز کا ذکر ہو اور آمین کے لیے لفظ جہر ہو، نیز اونچی آمین کہنا حکم قرآن کے خلاف ہے کیونکہ آمین قرآن کی آیت نہیں بلکہ دعا ہے، رب فرماتا ہے: "قَدۡ اُجِیۡبَتۡ دَّعۡوَتُكُمَا" اور دعا آہستہ کہنی چاہیے، رب فرماتا ہے: "اُدۡعُوۡا رَبَّكُمۡ تَضَرُّعًا وَّ خُفۡیَةً" اسکی پوری بحث ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوزہیر نمیری سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک رات نکلے تو ایک شخص ایسے پر پہنچے جو دعا مانگنے میں بہت مبالغہ کر رہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ مہر لگاوے ۲؎ تو واجب کرے گا قوم میں سے ایک آدمی نے کہا کہ کس چیز سے مہر لگائے فرمایا آمین سے۔ (ابوداؤد) | |

۱؎ آپ کا نام یحیٰی بن نضیر ہے،اہل شام میں سے ہیں،صحابی ہیں۔
۲؎ یعنی اگر یہ دعا کے آخر میں آمین کہہ لے تو رب اس کی دعا قبول کرے کہ جیسے مہر کی وجہ سے پارسل بغیر ٹوٹے پھوٹے منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے ایسے ہی آمین کی برکت سے دعا بخیریت رب تک پہنچتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ خارج نماز بھی جب دعا مانگے تو آمین کہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب میں سورۂ اعراف پڑھی یہ سورت دو رکعتوں میں تقسیم کردی۱؎(نسائی) |

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پوری سورت دو رکعتوں میں پڑھی۔اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ کنارۂ آسمان میں سیاہی آنے تک وقت مغرب رہتا ہے سفیدی وقت عشاء نہیں ورنہ اتنی بڑی سورت دو رکعتوں میں پھر بقیہ نماز کا ادا کرنا مشکل ہوتا،لہذا یہ حدیث حنفیوں کی دلیل ہے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل بیان جواز کے لیے ہے،ورنہ مغرب میں چھوٹی سورتیں پڑھنا افضل ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثری عمل تھا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عقبہ بن عامر سے فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں حضور کی اونٹنی کی مہار کھینچ رہا تھا کہ مجھ سے فرمایا اے عقبہ کیا میں تمہیں بہترین دو سورتیں نہ بتاؤں جو پڑھی جاتی ہیں مجھے "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" سکھائی۱؎ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو سورتوں کی وجہ سے زیادہ خوش ہوتے نہ دیکھا تو جب نماز صبح کے لیے اترے تو انہیں دو سورتوں سے لوگوں کو فجر پڑھائی جب فارغ ہوئے تو میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ اے عقبہ تم نے کیسا دیکھا۲؎(احمد،ابوداؤد،نسائی) |

۱؎ کیونکہ یہ دونوں سورتیں کلام الٰہی بھی ہیں،دعا بھی اور مخلوق کے شر سے امن بھی،ہر مسلمان کو خصوصًا مسافر کو بہت مفید ہیں۔خیال رہے کہ قرآن کی بعض سورتیں بعض سے ثواب اور فائدے کے لحاظ سے اعلیٰ ہیں اگرچہ سب کلام اللہ ہیں جیسے کہ کعبہ معظّمہ کا رکن اسود باقی عمارت سے افضل اگرچہ سارا کعبہ بیت اللہ ہے۔
۲؎ کہ یہ دو سورتیں فجر جیسی اہم نماز میں کافی ہوگئیں اور ان بڑی سورتوں کے قائم مقام ہوگئیں جو فجر میں پڑھی جاتی ہیں۔مرقات نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سورتوں کو نماز میں پڑھنے کی وجہ سے حضرت عقبہ پر ان کے اسرار کھل گئے تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقبہ کچھ دیکھ لیا یہ سورتیں ایسی ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر بن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ |

| | |
|---|---|
| | علیہ وسلم جمعہ کی رات نماز مغرب میں "قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ" اور "قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھتے تھے۔(شرح سنہ) |

| | |
|---|---|
| | ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر سے روایت کی مگر انہوں نے شبِ جمعہ کا ذکر نہ کیا ۱؎ |

۱؎ظاہر یہ ہے کہ نماز مغرب سے فرائض مغرب مراد ہیں،اور یہ عمل بھی دائمی نہ تھا اکثری تھا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ بن مسعود سے فرماتے ہیں کہ شمار نہیں کر سکتا کہ میں نے کس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کے بعد کی سنتوں اور فجر سے پہلے سنتوں میں "قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ" اور "قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھتے سنا ۱؎(ترمذی) |

۱؎سنتوں میں قرأت آہستہ ہوتی ہے جسے دوسرا نہیں سن سکتا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدھ آیت اونچی پڑھ دیتے تاکہ لوگوں کو یہ مسئلہ معلوم ہوجائے۔

| | |
|---|---|
| | اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا مگر انہوں نے بعد مغرب کا ذکر نہ کیا۔ |

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت سلیمان ابن یسار سے وہ حضرت ابوہریرہ سے راوی فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کے پیچھے ایسی نماز نہ پڑھی جو زیادہ مشابہ ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بمقابلہ فلاں کے ۱؎ سلیمان نے فرمایا کہ میں نے ان کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ ظہر کی پہلی دو رکعتیں دراز کرتے تھے اور آخری رکعتیں ہلکی اور عصر کی ہلکی پڑھتے تھے اور مغرب میں قصار مفصل پڑھتے تھے اور عشاء میں وسط مفصل صبح میں طوال مفصل ۲؎(نسائی) اور ابن ماجہ نے یہاں تک روایت کی کہ عصر ہلکی پڑھتے تھے۔ |

۱؎ فلاں سے مراد حضرت علی مرتضٰی ہیں یا عمروابن سلمہ ابن نفیع یا کوئی اور شخص جو مروان ابن عبدالملک کی طرف سے مدینہ کا والی تھا، بعض لوگوں نے کہاہے کہ فلاں سے مراد عمرابن عبدالعزیز ہیں مگر یہ غلط ہے کیونکہ آپ کی ولادت ۶۱ھ میں ہے اور حضرت ابوہریرہ کی وفات ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں لہٰذا ابوہریرہ کی ملاقات آپ سے نہیں ہوئی۔(مرقات)

۲؎ قرآن کریم کے ایک حصہ کا نام مِائین ہے ایک کا مثانی اور ایک حصہ کا نام **مفصل**۔سورۂ **حجرات** سے **والناس** تک مفصل کہلاتا ہے،اس کے پھر تین حصے ہیں: **حجرات** سے **بروج** تک طوالِ مفصل،**بروج** سے **لَمۡ یَکُن** تک اوساط مفصل اور **لَمۡ یَکُن** سے **والنّاس** تک قصار۔فجر اور ظہر میں طوال پڑھنا اور عصر و عشاء میں اوساط،مغرب میں قصار پڑھنا مستحب ہے،اس مسئلہ کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں کہ ہم نماز فجر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھے آپ نے قرأت کی آپ پر قرأت بھاری ہوگئی جب فارغ ہوئے تو فرمایا شاید تم لوگ اپنے امام کے پیچھے تلاوت کرتے ہو ہم نے کہا ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱؎ آپ نے فرمایا کہ سواء سورۂ فاتحہ کے کچھ نہ پڑھا کرو کیونکہ جو فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی ۲؎(ابوداؤد)اور(ترمذی) نسائی نے اس کے معنی کی روایت کی۔ابوداؤد کی ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایا کہ میں دل میں سوچتا تھا کہ مجھ پر قرآن کیوں بھاری پڑ رہا ہے لہٰذا جب میں آواز بلند سے قرأت کروں تو **الحمد** کے سوا کچھ نہ پڑھو ۳؎ | |

۱؎ معلوم ہوا کہ مقتدی کی غلطی کا امام پر اثر پڑتا ہے۔دیکھو مقتدیوں نے اپنے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کی جس کا اثر یہ ہوا کہ حضور کو لقمہ لگ گیا جیسے اگر مقتدی کی طہارت درست نہ ہو تو امام کو لقمہ لگتا ہے۔

۲؎ یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جو امام کے پیچھے قرأت کے قائل ہیں کیونکہ اس میں صراحتًا مقتدیوں کو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا گیا لیکن اس میں چند طرح گفتگو ہے:ایک یہ کہ یہ حدیث ابوہریرہ کی حدیث کے خلاف ہے جو ابھی اس کے بعد آرہی ہے جس میں جہری نمازوں میں مقتدی کو مطلقًا قرأت سے منع کردیا گیا۔دوسرے یہ کہ یہ حدیث حضرت جابر،علقمہ،عبداللہ ابن مسعود،عبداللہ ابن عباس،زید ابن ثابت،عبداللہ ابن علی،علی مرتضٰی،حضرت عمر کی ان احادیث کے خلاف ہے جن میں امام کے پیچھے مطلق خاموشی کا حکم دیا گیا ہے۔تیسرے یہ کہ یہ حدیث حکم قرآنی کے بھی خلاف ہے،رب نے فرمایا:"**وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا**"۔چوتھے یہ کہ اس حدیث کے متعلق امام ترمذی نے فرمایا کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس میں صرف اتنا ہے "**لَاصَلٰوۃَ لِمَنۡ لَّمۡ یَقۡرَءۡ بِفَاتِحَةِ الۡکِتَابِ**" یعنی اس میں مقتدی کا ذکر نہیں لہٰذا یہ حدیث ناقابل عمل ہے یا منسوخ ہے۔

۳؎ یہ الفاظ بظاہر ہمارے مخالفین کے بھی خلاف ہیں کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جہری نماز میں میرے پیچھے صرف الحمد پڑھا کرو اور اخفا کی نماز میں الحمد اور سورت سب پڑھ لیا کرو حالانکہ وہ حضرات بھی مقتدی کو سورت پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز سے فارغ ہوئے جس میں اونچی قرأت کی جاتی ہے تو فرمایا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ ابھی قرأت کی ایک شخص نے کہا ہاں یارسول اللہ ۱؎ فرمایا تب ہی میں سوچتا تھا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں قرآن میں جھگڑا کیا جارہا ہوں ۲؎ فرماتے ہیں کہ پھر لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان نمازوں میں قرأت سے باز رہے جن میں بلند قرأت کی جاتی ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنا ۳؎ (امام مالک، احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی) ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت کی ۴؎ |

۱؎ معلوم ہوا کہ ساری جماعت صحابہ میں صرف ان صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے الحمد پڑھی باقی کسی نے نہ پڑھی، انہوں نے بھی بے خبری کی وجہ سے پڑھی۔

۲؎ یعنی تمہارے پڑھنے کا مجھ پر یہ اثر پڑا کہ مجھے قرآن میں لقمے لگنے لگے۔ اس کی تحقیق ابھی ہم کرچکے کہ مقتدی کی قرأت کا امام پر اثر پڑتا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ انہوں نے چیخ کر قرأت کی ہو ورنہ حضور نہ پوچھتے کہ کیا تم نے قرأت کی ہے۔

۳؎ یعنی اس فرمان کے بعد صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جہری نمازوں میں تلاوت بالکل چھوڑ دی نہ الحمد پڑھی نہ اور سورت۔ خیال رہے کہ نسخ کی ترتیب یہ ہے کہ اولًا مسلمان نماز میں باتیں بھی کرتے تھے اور امام کے پیچھے فاتحہ بھی پڑھتے تھے جب یہ آیت اتری "وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ" تو نماز میں کلام بند ہوگیا، پھر اس حدیث سے جہری نمازوں میں امام کے پیچھے الحمد پڑھنا بند ہوگئی، پھر یہ آیت اتری "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ" الخ، تب امام کے پیچھے قرأت بالکل بند ہوگئی، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔ نسخ کی یہ ترتیب تفسیرِ خازن وغیرہ میں دیکھو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ" میں قرآن سے مراد خطبہ ہے اور آیت میں خطبہ کے وقت خاموشی کا حکم دیا گیا ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس آیت کے نزول کے وقت جمعہ فرض ہی نہیں ہوا تھا۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

۴؎ نیز یہ حدیث امام مالک و شافعی نے بھی روایت کی۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے، ابن حبان نے فرمایا کہ صحیح ہے، بیہقی و حمیدی نے اسے ضعیف کہا۔ (مرقات) یعنی یہ حدیث مختلف اسنادوں سے محدثین کو ملی، بعض کو صحیح اسناد سے، بعض کو حسن سے، بعض کو ضعیف سے، ہر ایک نے اپنی اسناد کے مطابق اسے حسن یا صحیح وغیرہ کہا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عمر اور بیاضی سے وہ دونوں کہتے ہیں ۱؎ کہ |

| | |
|---|---|
| | فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نمازی اپنے رب سے مناجات کرتا ہے تو چاہیے کہ غور کرے کہ اس سے کیا مناجات کرتا ہے ۲؎ اور بعض بعض پر قرآن اونچا نہ پڑھے ۳؎ |

۱؎ آپ کا نام عبداللہ ابن جابر،انصاری،خزرجی،بیاضی ہے،قبیلہ بیاضیہ ابن عامر ابن زریق کی طرف منسوب ہیں۔ صحیح یہ ہی ہے کہ آپ صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی نماز مومن کی معراج ہے اور بحالت نماز مومن رب سے کلام کرتا ہے۔تو جو تلاوت قرآن کرے یا دوسرے اذکار کرے،اس میں غور کرے،دل لگا کر نماز پڑھے کہ نماز کی قبولیت دل لگنے پر ہے۔

۳؎ یعنی چند مسلمان مل کر بلند آواز سے قرآن نہ پڑھیں یا ایک آدمی اونچی تلاوت کرے،باقی سنیں یا سب آہستہ پڑھیں۔خیال رہے کہ بچوں کا مل کر اونچی آواز سے قرآن پاک یاد کرنا اس حکم سے خارج ہے کہ وہاں تلاوت قرآن نہیں بلکہ تعلیم قرآن ہے۔یہ بھی خیال رہے کہ اگرچہ بعض اماموں نے مقتدیوں کو الحمد پڑھنے کا حکم دیا لیکن اسے اونچا پڑھنے کی کسی نے اجازت نہ دی اسی حدیث کی وجہ سے،نیز سب کے بلند آواز سے پڑھنے میں قرآن کریم کی بے ادبی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ امام اس لیے مقرر کیا گیا کہ اس کی پیروی کی جائے ۱؎ تو جب تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب تلاوت کرے تو تم خاموش رہو ۲؎ (ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ) |

۱؎ یعنی مقتدی پر اعمال نماز میں امام کی پیروی واجب ہے نہ کہ اقوال میں لہذا جو کام کر رہا ہو مقتدی پر بھی کرنا واجب ہیں حتی کہ حنفی مقتدی شافعی امام کے پیچھے نماز فجر پڑھے،امام بعد رکوع قنوت نازلہ پڑھے تو حنفی مقتدی پر اس وقت کھڑا رہنا واجب ہے اگرچہ قنوت نہ پڑھے،اس کا ماخذ یہی حدیث ہے۔یہاں اقوال کی پیروی کسی کے نزدیک مراد نہیں۔

۲؎ یعنی امام کے پیچھے قرآن بالکل نہ پڑھو نہ فاتحہ نہ دوسری سورت،خواہ امام آہستہ تلاوت کررہا ہو یا زور سے،خواہ تم تک اس کی آواز پہنچ رہی ہو یا نہ۔یہ حدیث ابوہریرہ مسلم میں بھی ہے جیسا کہ پہلی فصل میں گزر چکا۔اس کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا" اسی پر جمہور صحابہ کا عمل ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرآن بالکل نہ پڑھتے تھے۔یہ حدیث امام اعظم ابو حنیفہ کی قوی دلیل ہے،اسی حدیث کی بنا پر امام مالک واحمد جہری نمازوں میں مقتدی کو خاموشی کا حکم دیتے۔بعض حنبلی لوگ فرماتے ہیں کہ مقتدی امام کے سکتوں میں الحمد کی آیتیں پڑھے،بعض کے نزدیک امام الحمد پڑھ کر خاموش رہے،پھر مقتدی پڑھے۔حتی کہ امام شافعی کا ایک قول ہے کہ جہری نماز میں مقتدی خاموش رہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث کتنی اہم ہے اور امام اعظم کا مذہب کتنا قوی ہے۔اس کی پوری بحث ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا کہ میں قرآن کچھ بھی یاد نہیں کرسکتا تو مجھے وہ چیز سکھلا دیجئے جو کافی ہوا ۱؎ |

| | |
|---|---|
| | فرمایا یہ کہہ لیا کرو "سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ" ۲؎ عرض کیا یارسول اللہ یہ تواللہ کے لیے ہوا میرے واسطے کیا ہے ۳؎ فرمایا کہہ لیا کرو الٰہی مجھ پر رحم کر مجھے امن، ہدایت اور روزی دے ۴؎ پھر اس شخص نے دونوں ہاتھ بند کر کے ان سے یوں اشارہ کیا ۵؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے اپنے دونوں ہاتھ خیر سے بھر لیے۔(ابوداؤد) نسائی کی روایت الا باللہ پر ختم ہوگئی۔ |

۱؎ تمام دعاؤں کی طرف سے یا روزانہ تلاوت قرآن کی طرف سے کہ اس کے پڑھنے میں مجھے تلاوت کا ثواب مل جایا کرے یا نماز میں تلاوت قرآن کی طرف سے، پہلے دو معنی زیادہ قوی ہیں کیونکہ یہ سائل عربی ہیں قرآن ان کی زبان میں ہے۔لہذا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ جوازِ نماز کے بقدر بھی قرآن یاد نہ کرسکیں، نیز یہ دعا جو حضور نے ارشاد فرمائی یہ بھی آیات قرآن کے برابر ہی ہے، جب یہ یاد ہوسکتی ہے تو بقدر ضرورت نماز قرآن بھی یاد ہوسکتا ہے۔(از اشعۃ اللمعات) اگر آخری معنی مراد ہوں تو اس سے مسئلہ یہ معلوم ہوگا کہ نو مسلم جو ابھی قرآن یاد نہ کرسکا یا گونگا وغیرہ اس کے لیے نماز کے افعال ہی کافی ہیں۔

۲؎ یعنی اگر تم روزانہ تلاوت قرآن نہ کرسکو تو یہ کلمات کہہ لیا کرو اس میں ان شاءاللہ تلاوت کا ثواب پاؤ گے کیونکہ یہ خزائن الٰہیہ میں سے ہیں،ان کلمات کے بڑے فضائل آئے ہیں، نیز یہ متفرق کلمات قرآنیہ کے جامع ہیں اور رب کی وحدانیت اور صفات ثبوتیہ اور تنزیہیہ کا مجموعہ ہیں۔

۳؎ یعنی اس میں خدا کی حمد تو آگئی میرے لیے دعا کے الفاظ نہ آئے۔اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ روزانہ کی تلاوت یا ورد وظیفوں کے متعلق سوال کررہے ہیں۔

۴؎ یعنی مجھ پر رحم کر، میرے پچھلے گناہ معاف کردے اور آئندہ گناہوں سے بچنے کی توفیق دے اور مجھے دین ودنیا کی آفتوں سے نجات دے، دین اسلام پر استقامت بخش اور احکام پر عمل کی ہدایت دے اور رزق حلال، مخلوق سے استغناء، حسن خاتمہ نصیب کر، یہ دعا بہت جامع ہے، بعض بزرگ دو سجدوں کے درمیان قعدے میں یہ پڑھا کرتے ہیں۔

۵؎ یعنی خوشی میں دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بند کرلیں کہ میں نے دونوں جہاں کی نعمتوں پر قبضہ کرلیا۔یہ قال بمعنی اشار ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب "سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى" پڑھتے تو فرماتے سبحان ربی الاعلیٰ ۱؎(احمد،ابوداؤد) |

۱؎ یعنی فورًا اس آیت پر عمل بھی کرلیتے۔ظاہر یہ ہے کہ قرأت سے مراد نماز کے علاوہ میں تلاوت ہے ورنہ نماز میں "سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰے" صرف سجدہ میں پڑھا جاتا ہے،امام مالک کے ہاں نوافل میں یہ کہہ سکتے ہیں،امام شافعی کے ہاں نوافل،فرائض سب میں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی |

| | |
|---|---|
| | اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے جو کوئی "وَالتِّیۡنِ وَ الزَّیۡتُوۡنِ" پڑھے۱؎ اور "اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِاَحۡکَمِ الۡحٰکِمِیۡنَ" پر پہنچے تو کہہ لے ہاں میں اس پر گواہوں میں سے ہوں۲؎ اور جو "لَاۤ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ" پڑھے اور "اَلَیۡسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰی" پر پہنچے تو کہہ لے کہ ہاں۳؎ اور جو "وَالۡمُرۡسَلٰتِ" پڑھے اور "فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ" پر پہنچے تو کہہ لے ہم اللہ پر ایمان لائے۴؎ (ابوداؤد) اور ترمذی کی روایت اس قول تک ہی ہے کہ میں اس پر گواہوں سے ہوں۔ |

۱؎ پوری یا بعض اور پڑھنے سے خارج نماز پڑھنا مراد ہے جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے۔

۲؎ یعنی جن انبیاء و اولیاء اور مقبولینِ بارگاہ نے اس پر گواہی دی ہے میں بھی ان کے زمرے میں شامل ہوں ان کے طفیل میری گواہی بھی قبول فرمالے۔

۳؎ یعنی ہاں رب مُردے زندہ کرنے پر قادر ہے۔ بَلٰی میں نفی کا اثبات نہیں بلکہ منفی کا ثبوت ہوتا ہے۔

۴؎ یہ حدیث تلاوت قرآن کے باب میں لانی چاہیے تھی مگر چونکہ مؤلف شافعی ہیں جن کے ہاں نماز کی حالت میں بھی یہ الفاظ کہنے چاہیں اس لیے یہ حدیث قرأت نماز میں لائے۔ احناف کے نزدیک بھی نفل نماز میں یہ کہا جاسکتا ہے۔ چنانچہ حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد میں جب رحمت کی آیت تلاوت کرتے تو رب سے رحمت مانگتے اور جب آیت عذاب پر پہنچتے تو رب کی پناہ مانگتے پھر آگے بڑھتے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جماعت صحابہ میں تشریف لائے تو ان کے سامنے اول سے آخر تک سورۂ الرحمٰن پڑھی۱؎ صحابہ خاموش رہے۲؎ تو حضور نے فرمایا کہ میں نے یہ سورت شب جن میں۳؎ جنات پر پڑھی تو وہ تم سے اچھے جواب دینے والے تھے میں جب اس قول پر پہنچا "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ" تو کہتے نہیں اے مولا ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے تیرے ہی لیے تعریف ہے۴؎ (ترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔ |

۱؎ یعنی نماز کے علاوہ۔اس سے معلوم ہوا کہ دوستوں سے ملاقات کے وقت قرآن شریف پڑھنا اور سننا سنت ہے،عرب شریف میں اب بھی یہ دستور ہے۔

۲؎ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ تلاوت قرآن کے وقت خاموشی فرض ہے،قرآن کی یہ آیت ان کے سامنے تھی "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ" الخ۔

۳؎ جب کہ جنات وفد کی شکل میں ایمان لانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔یہ واقعہ کئی بار ہوا ہے ان میں سے کسی ایک رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سورۂ رحمان سنائی۔

۴؎ یعنی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت پڑھ کر خاموش ہوتے تب وہ یہ عرض کرتے نہ کہ عین تلاوت کی حالت میں،لہذا ان کا یہ عمل حکم قرآنی کے خلاف نہ تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ قرآن سنتے وقت رونا،جھومنا اور کچھ پیارے کلمات کہنا جو مضمون آیت کے مطابق ہوں بہت بہتر ہے مگر یہ سب کچھ قاری کی خاموشی کی حالت میں ہے۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت معاذ بن عبداللہ جہنی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ جہنیہ کے ایک آدمی نے انہیں خبر دی ۲؎ کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے فجر کی دونوں رکعتوں میں "اِذَا زُلْزِلَتِ" پڑھی ۳؎ یہ مجھے خبر نہیں آیا بھول گئے یا عمدًا پڑھی۔(ابوداؤد) |

۱؎ آپ تابعی ہیں،مدنی ہیں، ۱۱۸ھ؁ میں وفات پائی،بہت ثقہ اور عالم تھے۔

۲؎ ان کا نام معلوم نہ ہوسکا مگر چونکہ تمام صحابہ عادل ہیں اس لیے صحابی کا نام معلوم نہ ہونا حدیث کو ضعیف یا مجہول نہیں کرتا۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ اس سے فجر کے فرض مراد ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل شریف بیان جواز کے لیے ہے،اگرچہ افضل یہ ہے کہ فجر میں طوال مفصل میں سے کوئی سورت پڑھی جائے،نیز فرائض میں کوئی سورت مکرّر نہ ہو مگر چونکہ اس کے خلاف بھی جائز ہے اس لیے حضور نے یہ عمل کیا،غالب یہ ہے کہ آپ کا یہ عمل شریف عمدًا تھا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عروہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فجر پڑھی تو دونوں رکعتوں میں سورۂ بقر پڑھی ۲؎ (مالک) |

۱؎ آپ عروہ بن زبیر ہیں،قریشی ہیں،اسدی ہیں،جلیل القدر تابعی ہیں،مدینہ کے بڑے فقیہ اور محدث ہیں،صائم الدہر تھے،صدیق اکبر کے نواسے ہیں،حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق کے فرزند، ۲۲ھ؁ میں ولادت ہوئی، ۹۴ھ؁ میں وفات پائی،آپ کا ایک باغ اور کنواں مدینہ منورہ میں اب تک مشہور ہے لوگ برکت کے لیے اس کا پانی پیتے ہیں۔فقیر نے بھی وہاں حاضری دی ہے،بیر عروہ کے نام سے مشہور ہے۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے کچھ رکوع رکعت اول میں پڑھے اور کچھ دوسری رکعت میں اور ہوسکتا ہے کہ پوری سورۂ بقر پڑھی،آدھی پہلی رکعت میں اور آدھی دوسری میں۔یہ بھی بیان جواز کے لیے ہے ورنہ فجر کی نماز میں چالیس سے ساٹھ آیتوں تک پڑھنا مستحب ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت فرافصہ ابن عمیر حنفی سے۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے سورت یوسف نہیں یاد کی مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فجر میں پڑھنے سے کیونکہ آپ یہی بار بار پڑھتے تھے۲؎(مالک) | |

۱؎ آپ تابعین میں سے ہیں،مدینہ منورہ کے باشندے،قبیلہ بنی حنیفہ سے ہیں جو یمامہ کا مشہور قبیلہ ہے۔
۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ ایک سورت بار بار نمازوں میں پڑھنا بلاکراہت جائز ہے۔دیکھو حضرت فرافصہ عثمان غنی سے سنتے سنتے اس سورت کے حافظ ہوگئے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عامر ابن ربیعہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عمر ابن خطاب کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے ان دو رکعتوں میں نہایت آہستہ سورۂ یوسف اور سورۂ حج پڑھی۲؎ ان سے کہا گیا کہ تب تو آپ فجر چمکتے ہی کھڑے ہوجاتے ہوں گے فرمایا ہاں ۳؎(مالک) | |

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،عمر فاروق سے پہلے ایمان لائے،دوہجرتوں کے مہاجر ہیں،بدر اور تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے،۳۲ھ یا ۳۵ھ میں وفات پائی۔
۲؎ یعنی پہلی رکعت میں پوری سورۂ یوسف اور دوسری میں پوری سورۂ حج جیسا کہ اگلے کلام سے معلوم ہورہا ہے اور یقینًا آپ نے سورۂ حج کا سجدہ بھی ادا کیا ہوگا۔اس کی تحقیق پہلے کی جاچکی کہ اب سوا تراویح کے اور نمازوں میں عوام کے ساتھ آیتِ سجدہ نہیں پڑھنی چاہیے۔
۳؎ کیونکہ اتنی لمبی سورتیں جب ہی پڑھی جاسکتی ہیں جب کہ وقت زیادہ ملے۔خیال رہے کہ بعض آئمہ کے ہاں مستحب یہ ہے کہ فجر اندھیرے میں شروع کرے اور اجیالے میں ختم کرے،یہ حدیث ان کی دلیل ہے،ہمارے ہاں شروع بھی اجیالے میں کرے اور ختم بھی۔حضرت فاروق اعظم کا یہ فعل اتفاقی ہے اور بیان جواز کے لیے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ مفصل کی کوئی چھوٹی بڑی سورت ایسی نہیں جو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے نہ سنی ہو جس سے آپ فرض نماز میں لوگوں کی امامت کرتے تھے۱؎(مالک) | |

۱؎ سورۂ حجرات سے سورۂ والناس تک مفصل کہلاتا ہے،یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم مفصل کی ساری سورتیں ساری نمازوں میں پڑھتے تھے کسی میں طوال مفصل،کسی میں اوساط،کسی میں قصار۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عتبہ ابن مسعود سے۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں حٰمٓ دخان پڑھی۲؎(نسائی،ارسالًا) | |

۱؎ آپ حزلی ہیں،مدنی ہیں،عبداللہ ابن مسعود کے بھتیجے ہیں،عموماً کوفہ میں رہتے تھے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر زیارت نہ کرسکے اس لیے تابعین میں سے ہیں اور یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ اس میں صحابی کا ذکر نہیں۔

۲؎ بعض یا کل،دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مغرب میں پوری سورۂ دخان پڑھی کچھ پہلی رکعت میں،کچھ دوسری میں۔

## باب الرکوع

### رکوع کا باب ۱؎

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱؎ رکوع کے لغوی معنی ہیں جھکنا یا پیٹھ ٹیڑھی کرنا۔اصطلاح میں کبھی عاجزی و پستی کو بھی رکوع کہا جاتا ہے اور کبھی پوری رکعت کو بلکہ پوری نماز کو بھی رکوع کہہ دیتے ہیں،رب فرماتا ہے:"وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ"۔حق یہ ہے کہ پچھلی امتوں کی نمازوں میں رکوع نہ تھا،رکوع صرف اسی امت کی نماز سے مختص ہے۔رب نے حضرت مریم علیہاالسلام سے فرمایا:"وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ"وہاں رکوع بمعنی خضوع و انکسار ہے۔رکوع ہر رکعت کا رکن ہے کہ رکوع مل جانے سے رکعت مل جاتی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سجدے پورے کرو خدا کی قسم میں تم کو اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں ۱؎ (مسلم،بخاری) |

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ اس میں خطاب تاقیامت سارے مسلمانوں سے ہے۔معنی یہ ہیں کہ اے میری امت والو! نماز درست پڑھا کرو،تم کہیں ہو اور کبھی ہو میں تمہاری نمازیں دیکھتا ہوں،بعض روایات میں ہے کہ مجھ پر تمہارے رکوع اور سجدے،دل کے خشوع وخضوع پوشیدہ نہیں۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دلی رازوں سے بھی خبردار ہیں۔انبیاء واولیاء آنے والے واقعات کو مثل موجود دیکھ لیتے ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں دوزخ وجنت میں عذاب وثواب پانے والوں کو ان کے ٹھکانوں میں دیکھا حالانکہ یہ عذاب وثواب بعد قیامت ہوں گے۔اور ہوسکتا ہے کہ اس میں خطاب صحابہ سے ہو اور بعد بمعنی خلف ہو یعنی اے صحابہ! تم کسی صف میں اور کہیں ہوں مگر ہماری نگاہیں تمہاری نمازوں کو دیکھتی ہیں۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں اندھیرے اجالے میں کھلی چھپی چیزوں کو بے تکلف دیکھ لیتی ہیں۔عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ جو کچھ تم گھروں میں کھاکر یا بچا کر آتے ہو میں تمہیں بتاسکتا ہوں،یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔مرقات نے فرمایا کہ یہ حدیث اپنے ظاہری معنی پر ہے اس میں کسی تاویل وغیرہ کی گنجائش نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع اورآپ کا سجدہ اور دو سجدوں کے درمیان نشست اور جب رکوع سے سر اٹھاتے سواء قیام اور بیٹھنے کے |

| | |
|---|---|
| | قریبًا برابر تھا ۱؎(مسلم،بخاری) |

۱؎یعنی قیام تو تلاوت کی وجہ سے اور قعود التحیات،درودوں،دعاؤں کی وجہ سے دراز ہوتے تھے۔ان کے سوا باقی ارکان رکوع،سجدہ وغیرہ برابر ہوتے تھے نہ بہت دراز نہ بہت مختصر بلکہ درمیانے،یہ عام نمازوں کا ذکر ہے۔سورج گرہن کی نماز میں رکوع سجدہ قیام کے برابر تھے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب"سمع اللہ لمن حمدہ"کہتے تو کھڑے رہتے حتی کہ ہم کہتے کہ آپ کو وہم ہوگیا پھر سجدہ کرتے اور دو سجدوں کے بیچ بیٹھتے حتی کہ ہم کہتے کہ آپ کو وہم ہوگیا ۱؎(مسلم) |

۱؎ظاہر یہ ہے کہ یہ نوافل کا ذکر ہورہا ہے کہ آپ نفل نماز میں رکوع کے بعد قومہ اور دو سجدوں کے درمیان جلسے میں لمبے ذکر اور دعائیں پڑھتے تھے حتی کہ دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ شاید آپ نے قومہ کو قیام سمجھ کر تلاوت شروع کردی یا جلسہ کو قعدہ جان کر التحیات شروع کردی۔خیال رہے کہ نماز میں بھول چوک یا وہم نبوت کی شان کے خلاف نہیں،بہت دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سہو کیئے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع اور سجدہ میں زیادہ یہ کہتے تھے الٰہی اے ہمارے رب تو پاک ہے تیری حمد ہے خدایا مجھے بخش دے قرآن پر عمل کرتے تھے ۱؎(مسلم،بخاری) |

۱؎یعنی وفات شریف کے قریب جب یہ آیت کریمہ اتری"فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ"تو آپ نوافل خصوصًا تہجد کے رکوع سجدے میں یہ پڑھا کرتے تھے۔ظاہر یہی ہے کہ یہ دعائیں نوافل میں تھیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرائض مسجد میں پڑھاتے تھے۔اس وقت عائشہ صدیقہ آپ سے بہت دور ہوتی تھیں،ہاں تہجد وغیرہ نوافل گھر میں پڑھتے تھے اس لیے آپ بخوبی یہ سب کچھ سن لیتی تھیں۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے لیے دعائے بخشش کرنا تعلیم امت کے لیے تھا یا اس لیے کہ استغفار بھی عبادت ہے اور بلندئ درجات کا ذریعہ،ورنہ آپ گناہوں سے معصوم ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہیں سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع سجدہ میں کہتے تھے پاک ہے بے عیب ہے ۱؎فرشتوں اور روح کا رب ہے ۲؎(مسلم) |

۱؎ یہ دونوں صیغے مبالغہ کے ہیں"سُبُّوۡحٌ"سے مراد ہے ذاتی عیوب سے پاک"قُدُّوۡسٌ"سے مراد ہے۔صفاتی عیوب سے پاک،لہذا کلمے مقرر نہیں۔

۲؎ اگرچہ اللہ تعالٰی ساری مخلوق کا رب ہے مگر چونکہ فرشتے بے گناہ اور ہمیشہ عبادت کرنے والی مخلوق ہیں،نیز سب سے بڑی مخلوق فرشتے ہی ہیں اس لیے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا۔روح سے مراد یا جان ہے یا حضرت جبریل علیہ السلام جن کا لقب روح الامین ہے یا خاص فرشتوں کی جماعت یا وہ فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار(۷۰۰۰۰)چہرے ہیں ہر چہرے میں ستر ہزار زبانیں اور ہر زبان میں ستر ہزار لغتوں سے خدا تعالٰی کی حمد۔مرقات نے فرمایا کہ انسان جنات کا دسواں حصہ ہیں اور جنات کرو بی فرشتوں کا دسواں حصہ اور کروبی فرشتے باقی ملائکہ کا دسواں حصہ۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے رکوع اور سجدے میں تلاوت قرآن سے منع کیا گیا ہے۱؎ رکوع میں تو رب کی تعظیم کرو ۲؎ اور سجدے میں دعا میں کوشش کرو کہ وہ دعائیں قبولیت کے لائق ہیں۳؎(مسلم) |

۱؎ ممانعت تنزیہی کیونکہ ان دونوں حالتوں میں انسان کے انتہائی عجز کا اظہار ہے،لہذا اس وقت عظیم الشان کتاب کا پڑھنا مناسب نہیں۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ رکوع،سجدہ میں قرآن پڑھنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے،بعض کے نزدیک واجب الاعادہ ہوتی ہے،یونہی قعدہ میں قرآن پڑھ لینے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔

۲؎ یعنی کہو"سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ"تاکہ عملًا اپنے عجز کا اظہار ہو اور قولًا رب کی عظمت کا اقرار۔

۳؎ یعنی نفل نماز کے سجدوں میں صراحتًا دعائیں مانگو اور دیگر نمازوں کے سجدوں میں رب کی تسبیح و تحمید کرو کہ یہ بھی ضمنی دعا ہے،کریم کی تعریف بھی دعا ہوتی ہے۔بعض بزرگوں کو دیکھا گیا کہ وہ سجدے میں گرگر دعائیں مانگتے ہیں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے کیونکہ سجدے میں بندے کو رب سے انتہائی قرب ہوتا ہے،اس حالت کی دعا ان شاءاللہ ضرور قبول ہوگی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب امام"سمع اللہ لمن حمدہ"کہے تو تم"اللّٰھم ربنا لك الحمد"کہو کیونکہ جس کا کلام فرشتوں کے کلام کے موافق ہوگا اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے ۱؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جماعت میں امام صرف"سمع اللہ لمن حمدہ"کہے گا اور مقتدی صرف"ربنا لك الحمد"دونوں کلمات کوئی نہ کہے گا۔دوسرے یہ کہ ہماری حفاظت کرنے والے اور اعمال لکھنے والے فرشتے ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں۔تیسرے یہ کہ مقتدی کو"ربنا لك الحمد"آہستہ کہنی چاہیے تاکہ فرشتوں کی موافقت ہو،یہی مضمون مقتدی کی آمین کے بارے میں بھی گزر گیا وہاں بھی اس قسم کے مسائل کا استنباط کیا گیا۔چوتھے یہ کہ اچھوں کی نقل بھی اچھی ہے،ان کے طفیل برے بخشے جاتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی پیٹھ رکوع سے اٹھاتے ۱؎ تو فرماتے کہ اللہ اپنے حمد کرنے والوں کی سنتا ہے الٰہی ہمارے رب تیرے ہی لیے حمد ہے آسمان بھر کر اور زمین بھر کر اور اس کے بعد وہ چیز بھر کر جو تو چاہے ۲؎(مسلم) |

۱؎ یعنی نوافل میں کیونکہ فرائض حضور صلی اللہ علیہ وسلم جماعت سے ادا کرتے تھے اور جماعت میں امام "ربنا لك الحمد" بھی نہ کہے چہ جائیکہ اور دعائیں جیسا کہ ابھی حدیث میں گزر گیا،لہذا یہ حدیث گزشتہ کے خلاف نہیں۔

۲؎ یعنی تیری اتنی حمدیں ہیں کہ اگر وہ جسم ہوں تو زمین و آسمان اور ان کے ماسوا میں نہ سمائیں یا یہ مطلب ہے کہ تیری حمد کرنے والوں سے زمین و آسمان وغیرہ بھرے ہوئے ہیں،ورنہ حمد جسم نہیں جس سے یہ چیزیں بھر جائیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے سر اٹھاتے ۱؎ تو کہتے اے اللہ اے ہمارے رب تیرے ہی لیے حمد ہے آسمان بھر کر زمین بھر کر اور اس کے لیے جو چیز تو چاہے وہ بھر کر،تعریف و بزرگی والا ہے جو کچھ بندہ کہے اس کا تو حق دار ہے ہم سب تیرے بندے ہیں الٰہی جو تو دے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو روکے اسے کوئی دے نہیں سکتا تیرے مقابل غنی کو غنا نفع نہیں پہنچاتی ۲؎(مسلم) |

۱؎ ابھی عرض کیا جاچکا ہے کہ ان جیسی احادیث میں رکوع سے مراد نوافل کے رکوع ہیں کہ ان میں دعائیں اور ذکر اذکار کی عام اجازت ہے،فرائض کے رکوع کا ذکر تو ابھی بخاری و مسلم کی حدیث میں گزر چکا۔خیال رہے کہ یہاں راوی نے "سمع اللہ لمن حمدہ" کا ذکر نہیں کیا مگر آپ کہتے یہ بھی تھے۔

۲؎ جدّ کے معنی ہیں عظمت،نصیبہ،غنا،نسب وغیرہ،یعنی کوئی شخص اپنے نسب یا غنا کی وجہ سے تیری پکڑ سے نہیں بچ سکتا۔خیال رہے کہ مخلوق جو کچھ نفع،نقصان پہنچاتی ہے وہ اللہ کے حکم اور ارادے سے ہے۔یہ ناممکن ہے کہ کوئی خدا کا مقابلہ کرکے کسی کو نفع نقصان پہنچائے۔اسی کا یہاں ذکر ہے لہذا یہ الفاظ انبیاء واولیاء کے باذن الٰہی نفع پہنچانے کے خلاف نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت رفاعہ ابن رافع سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے ۲؎ جب آپ نے اپنا سر رکوع سے اٹھایا تو فرمایا اللہ اپنے حمد کرنے والے کی سنتا ہے تو آپ کے پیچھے ایک شخص نے |

| | |
|---|---|
| | کہااے ہمارے رب تیرے ہی لیے حمد ہے بہت طیب برکت والی حمد جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ابھی کس نے یہ کلمات کہے ۳؎ وہ بولا میں نے آپ نے فرمایا کہ میں نے چند اور تیس فرشتوں کو دیکھا کہ ان میں جلدی کررہے کہ پہلے کون لکھے ۴؎ (بخاری) |

۱؎ آپ انصاری بدری صحابی ہیں،آپ کے والد نقیب الانصار تھے،آپ کی وفات ۴۱ھ میں ہوئی۔
۲؎ غالبًا نماز پنجگانہ میں سے کوئی نماز تھی کیونکہ جماعت کا اہتمام انہی نمازوں میں ہوتا تھا۔نماز تہجد کی اگرچہ کبھی جماعت ہوئی ہے مگر بغیر اہتمام کے۔
۳؎ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بحالت نماز جیسے صحابہ کرام اور فرشتوں کے حالات دیکھ لیتے تھے ایسے ہی ان کے کلمات بھی سن لیتے تھے اور یہ سننا اور دیکھنا نماز کے خضوع وخشوع میں خلل نہ ڈالتا تھا کیونکہ وہ قلب قدرت نے بنایا ہی ایسا تھا کہ بیک وقت خالق کی بھی سنیں مخلوق کی بھی،خالق سے لیتا رہے مخلوق کو دیتا رہے ایک کی توجہ دوسرے سے غافل نہ کردے آپ کا تو یہ حال تھا ؎

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شاغل　　خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

ممکن ہے کہ وہ صاحب آخر صف میں ہوں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آہستہ آواز بھی سن لی،حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل سے چیونٹی کی آواز سنی تھی۔
۴؎ یعنی ہر فرشتہ یہ چاہتا تھا کہ پہلے میں لکھ کر بارگاہ الٰہی میں پیش کردوں تاکہ مجھے قرب الٰہی زیادہ نصیب ہو۔خیال رہے کہ یہ فرشتے نامۂ اعمال لکھنے والوں کے علاوہ ہیں ورنہ کاتب اعمال صرف دو ہی ہیں،ایک نیکی لکھنے والا اور ایک گناہ،ان کی یہ جلدی ان کلمات کی کرامت کے اظہار کے لیے ہے ورنہ فرشتوں کو سب کچھ لکھنے میں ایک سیکنڈ بھی نہیں لگتا۔اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ فرشتوں کو بعض نیکیاں لے جانے پر خصوصی انعام ملتے ہیں۔یہ بھی معلوم ہوا کہ فرائض کے قومے میں یہ کلمات کہنا جائز ہیں۔یادرہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پوچھنا کہ کس نے یہ کہا اپنے علم کے لیے نہیں بلکہ لوگوں پر ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابومسعود انصاری سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان کی نماز درست نہیں ہوتی حتی کہ رکوع اور سجدے میں اپنی پیٹھ سیدھی کرے ۲؎ (ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)اور ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ |

۱؎ آپ کا نام عقبہ ابن عمرو ابن ثعلبہ ہے،دوسری بیعت عقبہ میں شریک تھے،کوفہ میں قیام رہا، ۴۱ھ یا ۴۲ھ میں وفات پائی۔

۲؎ امام شافعی کے ہاں تعدیل ارکان یعنی نماز کو اطمینان سے ادا کرنا فرض ہے جس کے بغیر نماز مطلقًا نہیں ہوتی،ہمارے ہاں واجب ہے۔یہ حدیث ان کی دلیل ہے ان کے ہاں اس کے یہ معنی ہیں کہ رکوع سجدے میں اطمینان کے بغیر نماز درست نہیں،ہمارے ہاں اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے بغیر نماز کامل نہیں بہت ناقص ہے،واجب الاعادہ ہے۔اس کی بحث پہلے ہوچکی۔یہاں اگرچہ رکوع سجدے کا ذکر ہے مگر مراد سارے ارکان ہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں کہ جب آیت "فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ" اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے اپنے رکوع میں کرلو اور جب آیت "سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى" اتری تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے اپنے سجدے میں رکھو۱؎(ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی) | |

۱؎ یعنی رکوع میں کہو "سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡعَظِيۡم" اور سجدے میں کہو "سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی"۔چونکہ اعلٰی عظیم سے زیادہ بلیغ ہے اور سجدے میں رکوع سے زیادہ اظہار عجز ہے اس لیے سجدے کے لیئے اعلٰی مناسب ہوا اور رکوع میں عظیم زیادہ موزوں۔معلوم ہوتا ہے کہ ان آیتوں کے نزول سے پہلے مسلمان رکوع وسجدوں میں کوئی اور ذکر کرتے تھے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عون ابن عبداللہ سے۱؎ وہ حضرت ابن مسعود سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو اپنے رکوع میں سبحان ربی العظیم تین بار کہہ لے تو اس کا رکوع پورا ہوگیا ہے۲؎ اور یہ ادنٰی درجہ ہے اور جب سجدہ کرے تو اپنے سجدہ میں سبحان ربی الاعلی تین بار کہہ لے تو اس کا سجدہ پورا ہوگیا ہے اور یہ ادنی درجہ ہے ۳؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ،)ترمذی کہتے ہیں کہ اس کی اسناد متصل نہیں کیونکہ عون نے ابن مسعود سے ملاقات نہیں کی ہے ۴؎ | |

۱؎ آپ کا نام عون ابن عبداللہ ابن عتبہ ابن مسعود ہے،سیدنا ابن مسعود کے بھتیجے کے بیٹے ہیں،تابعی ہیں،ہزلی ہیں،بڑے فقیہ اور زاہد تھے،کوفہ میں قیام رہا،امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی آپ سے ملاقات ہے،کبھی انہیں عون ابن عتبہ بھی کہہ دیاجاتا ہے دادا کی نسبت سے۔عربی میں آدمی کی نسبت باپ،چچا،دادا،پر دادا کی طرف بھی کردیتے ہیں۔

۲؎ یعنی مکمل ہوگیا۔خیال رہے کہ رکوع کے لیے جھکنا نماز میں فرض ہے اور وہاں کچھ ٹھہرنا یعنی اطمینان سے رکوع کرنا واجب اور اس میں تسبیح پڑھنا سنت ہے،لہذا مکمل رکوع وہ ہے جس میں فرض،واجب،سنت سب ادا ہوں۔
۳؎ یعنی کمال کا ادنی درجہ ہے۔معلوم ہوا کہ رکوع سجدے کی تسبیحیں تین سے کم نہ کہے،زیادہ میں اختیار ہے پانچ بار یا سات بار کہہ سکتاہے۔نوافل خصوصًا تہجدمیں توجتنا رکوع سجدہ درازکرے اتنا بہتر ہے۔
۴؎ یعنی یہ حدیث منقطع ہے لیکن کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اعمال میں حدیث منقطع قبول ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت حذیفہ سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی آپ رکوع میں"سبحان ربی العظیم"اور سجدہ میں"سبحان ربی الاعلی"کہتے تھے اور رحمت کی آیت پرنہیں پہنچتے مگر ٹھہرجاتے اور مانگ لیتے اور عذاب کی آیت پرنہیں پہنچتے مگر ٹھہرتے اور پناہ مانگتے ا؎ (ترمذی،ابوداؤد،دارمی،نسائی)اور ابن ماجہ نے الاعلیٰ تک روایت کی،ترمذی نے فرمایا کہ یہ حسن ہے صحیح ہے۔ |

ا؎ یہاں نفل نماز مراد ہے،فرائض میں دوران قرأت ٹھہرنا اور مانگنا مستحب کے خلاف ہے اگرچہ جائزہےاسی لیے مرقات نے فرمایا کہ اگر یہ کَانَ یَقُوْلُ دوام کیلیے ہو تب نفل مراد ہیں اگر اتفاقی واقعہ کا ذکر ہے کہ کبھی کبھی ایسا کہہ لیتےتو فرض نماز مراد۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عوف ابن مالک سے ا؎ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑا ہوا ۲؎ جب آپ نے رکوع کیا تو سورۂ بقر کی بقدر ٹھہرے ۳؎ اور رکوع میں فرماتے تھے پاک ہے غلبے والا ملکوت بڑائی اورعظمت والا ۴؎ (نسائی) |

ا؎ آپ صحابی ہیں،اشجعی ہیں،غزوہ خیبر اور فتح مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے بلکہ فتح مکہ کے دن بنی اشجع کا جھنڈا آپ ہی کے ہاتھ میں تھا،شام میں قیام رہا اور وہاں ہی ۷۳ھ میں وفات پائی۔
۲؎ تہجد کی نماز میں آپ کے ساتھ تہجدادا کرنے کے لیے،چونکہ آپ اکیلے مقتدی تھے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہوئے اگرچند ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوتے۔خیال رہے کہ تہجد جماعت سے جائزہے بشرطیکہ اس جماعت کے لیے اہتمام نہ کیاجائے اتفاقًا دوچارنمازی جمع ہوجائیں اور جماعت کرلیں یہاں ایسا ہی تھا۔

۳؎ یعنی اتنا دراز رکوع کیا کہ تلاوت کرنے والا سورۂ بقر پڑھ لے۔معلوم ہوا کہ نماز تہجد و کسوف وغیرہ میں رکوع قیام کے برابر ہونا بہتر ہے،فرائض میں رکوع قیام سے کم چاہیے،لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

۴؎ جبروت ملکوت مبالغے کے صیغے ہیں۔جبروت جبر،بمعنی غلبے سے بنا یعنی ہر غالب پر غالب،ملکوت ملك،بمعنی قبضہ سے بنا،ظاہری قبضہ کو ملک اور باطنی قبضہ کو ملکوت کہا جاتا ہے۔رب تعالٰی ہمارے جسم کا بھی مالک ہے اور نفس و روح کا بھی اسی لیے مخلوق کے لیے عطاءً ملک ثابت ہے ملکوت نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن جبیر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس ابن مالک کو فرماتے سنا ۲؎ کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھی ۳؎ جس کی نماز اس جوان یعنی عمر ابن عبدالعزیز کے مقابل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ مشابہ ہو فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ۴؎ کہ ہم نے ان کا رکوع دس تسبیح اور سجدہ دس تسبیح کا اندازہ کیا ۵؎ (ابوداؤد،نسائی) |

۱؎ آپ کا نام سعید ابن جبیر ہے،اسدی ہیں،کوفی ہیں،عظیم الشان تابعی عبداللہ ابن عباس وابن عمر وابن زبیر وغیرہم صحابہ سے ملاقات ہے۔رضی اللہ عنہم، ۹۵ھ میں حجاج ابن یوسف ظالم کے ہاتھوں شہید ہوئے،۴۹ سال عمر ہوئی،واسط علاقۂ عراق میں دفن ہوئے،آپ کی قبر زیارت گاہ مسلمین ہے،آپ کی شہادت کا عجیب وغریب واقعہ ہے،شعبان میں حجاج نے آپ کو شہید کیا اور پندرہ بیس روز بعد رمضان میں خود فوت ہوگیا،اس دوران کبھی رات کو سو نہ سکا،کہتا تھا کیا کروں آنکھ لگتے ہی سعید میرے پاؤں پکڑ کر گھسیٹتے ہیں،آپ نے بوقت شہادت کہا تھا کہ تو میرے بعد کسی کو شہید نہ کرسکے گا ایسا ہی ہوا۔(اکمال)

۲؎ یہی صحیح ہے۔بعض روایات میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے وہ غلط ہے اس لیے کہ عمر ابن عبدالعزیز کی پیدائش حضرت ابوہریرہ کی وفات کے بعد ہے،ہاں حضرت انس نے عمر ابن عبدالعزیز کا زمانہ پایا ہے کیونکہ حضرت انس کی وفات ۹۱ھ میں ہے اور عمر ابن عبدالعزیز کی ولادت ۶۱ھ میں ہے۔(ازلمعات ومرقات)

۳؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی تابعی کی نماز،لہذا اس کے یہ معنی نہیں کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی نماز صحابہ کرام اور خلفائے راشدین سے بھی بہتر تھی،یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خود حضرت انس کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے زیادہ مشابہ نہ ہو۔

۴؎ پہلے قَالَ کا فاعل کوئی اور راوی ہے،دوسرے قَالَ کا فاعل حضرت سعید ہیں،یعنی جب حضرت انس نے انکی نماز کی ایسی تعریف کی تو ہم نے ان کے ارکان نماز کا اندازہ لگایا،بعض شارحین نے فرمایا کہ پہلے قَالَ کا فاعل سعید ہیں اور دوسرے کا فاعل حضرت انس لیکن پہلی توجیہ زیادہ قوی ہے۔

۵؎ یہ اندازہ تھا ورنہ آپ کی تسبیحیں نو یا گیارہ ہوں گی کیونکہ تسبیحات رکوع طاق ہونا بہتر ہیں اور یہ بھی نوافل میں ہوگا کیونکہ فرائض میں تسبیح کم ازکم تین بار درمیانی پانچ بار اور زیادہ سات بار ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت شقیق سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنا رکوع اور سجدہ پورا نہیں کرتا تھا ۲؎ جب اس نے اپنی نماز پوری کی تو اسے بلایا اور اس سے حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ تو نے نماز نہیں پڑھی ۳؎ فرماتے ہیں مجھے خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی کہا کہ اگر تو مرا تو تو اس طریقہ کے خلاف مرے گا جس پر اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا ۴؎ |

۱؎ آپ کا نام شقیق ابن سلمہ ہے،کنیت ابووائل،کوفی ہیں،مخضرمی ہیں،جلیل القدر صحابی ہیں،خلفائے راشدین سے احادیث لی ہیں، ۹۹ھ میں وفات ہوئی۔(تہذیب و اکمال)

۲؎ یعنی اطمینان سے ادا نہیں کرتا تھا،اطمینان شوافع کے ہاں فرض ہے اور احناف کے ہاں واجب۔

۳؎ کامل نہیں پڑھی(حنفی) صحیح نہیں پڑھی(شافعی)۔

۴؎ یعنی اگر تو ناقص نماز پڑھنے کا عادی رہا تو سنت انبیاء کا مخالف ہوکر مرے گا یا اگر تو اس عیب کو اچھا جانتا رہا تو تیرا خاتمہ کفر پر ہوگا۔فطرت دین اسلام کو بھی کہتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائشی عادت کریمہ کو بھی اور سنت انبیاء کو بھی۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ جو ترک سنت ہدیٰ کا عادی ہو اس کا خاتمہ خراب ہونے کا اندیشہ ہے اور جو کسی سنت کو حقیر جانے وہ کافر ہے۔اس کا ماخذ قرآنی آیات بھی ہیں اور اس جیسی بہت سی احادیث ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں میں بدترین چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرے لوگ بولے یا رسول اللہ اپنی نماز میں چوری کیسے کرے گا فرمایا کہ رکوع اور سجدہ پورا نہ کرے ۱؎(احمد) |

۱؎ واہ سبحان اللہ! کیا نفیس تمثیل ہے یعنی مال کے چور سے نماز کا چور بدتر ہے کیونکہ مال کا چور اگر سزا پاتا ہے تو کچھ نفع بھی اٹھالیتا ہے مگر نماز کا چور سزا پوری پائے گا نفع کچھ حاصل نہیں کرتا،نیز مال کا چور بندے کا حق مارتا ہے نماز کا چور اللہ کا حق،نیز مال کا چور یہاں سزا پاکر عذاب آخرت سے بچ جاتا ہے مگر نماز کے چور میں یہ بات نہیں،نیز بعض صورتوں میں مال کے چور کو مالک معاف کرسکتا ہے لیکن نماز کے چور کی معافی کی کوئی صورت نہیں۔خیال کرو کہ جب نماز ناقص پڑھنے والوں کا یہ حال ہے تو جو سرے سے پڑھتے ہی نہیں ان کا کیا حال ہے۔پھر جو کل یا بعض نمازوں کے منکر ہوچکے جیسے بھنگی،پوستی فقیر اور چکڑالوی وغیرہم ان کا کیا پوچھنا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت نعمان ابن مرہ سے ۱؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم شرابی زانی اور چور کے متعلق کیا سمجھتے ہو اور یہ سوال ان کی سزائیں اترنے سے پہلے تھا ۲؎ لوگ |

| | |
|---|---|
| | بولے اللہ ورسول جانیں فرمایا یہ گناہ کبیرہ ہیں ان میں سخت عذاب ہے اور بدترین چوری اس کی ہے جواپنی نماز میں سے چرائے لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ نماز میں سے کیسے چرائے گا فرمایا کہ اس کا رکوع اورسجدہ پورا نہ کرے۳؎(مالک و احمد اور دارمی نے اس کی مثل) |

۱؎آپ انصاری ہیں،رومی مدنی ہیں۔حق یہ ہے کہ تابعی ہیں جنہوں نےانہیں صحابی کہاغلطی کی لہذا یہ حدیث مرسل ہےکیونکہ صحابی کا ذکر چھوٹ گیا۔

۲؎خیال رہے کہ چوری اور زنا ہمیشہ ہی سے حرام تھے مگر شراب شروع اسلام میں حلال تھی پھرعرصہ کے بعد آہستگی سے حرام ہوئی،حرمت کے کچھ عرصہ بعد اس پر اسی(۸۰) کوڑے سزا مقرر ہوئی،یونہی زنااورچوری کی سزائیں بعد میں آئیں،یہ واقعہ اس وقت کاہے جب شراب حرام ہوچکی تھی لیکن ابھی اس کی سزامقرر نہ ہوئی تھی۔

۳؎یہ صحابی کا انتہائی ادب ہے کہ معلوم چیز کا بھی جواب نہیں دیتے۔اس سےمعلوم ہواکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خدا کے ساتھ کرنا اور دونوں ہستیوں کے لیے ایک ہی صیغہ لاناجائزہے،رب فرماتاہے:"اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ"لہذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ و رسول بھلاکریں،اللہ رسول عزت ایمان دولت دیں۔

۳؎یعنی اطمینان سے اداکرے۔خیال رہے کہ نماز کے ہر رکن کو پوراکرنا چاہیے اورکسی رکن کو ناقص کرنے والا بدترین چور ہے مگر چونکہ رکوع سجدہ اہم ارکان تھے اس لیے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا۔

## باب السجود و فضلہ

## سجدے اوراس کی بزرگی کا باب۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱سجدہ لغت میں زمین پر سر رکھنے،عاجزی کرنے،سرجھکانے کو کہتے ہیں۔شریعت میں سات اعضاء کا زمین پر لگانا عبادت یا اطاعت کی نیت سے سجدہ کہلاتاہے۔سجدہ تین قسم کا ہے:سجدۂ عبادت جو اللہ کو ہوتاہے،سجدۂ تعظیم جو فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو کیا،سجدۂ تحیۃ جو یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو کیا۔سجدۂ عبادت غیرخدا کو شرک ہے،آخری دو سجدے اسلام میں حرام ہیں۔اس کی پوری بحث ہماری"تفسیر نعیمی"خورد میں دیکھو۔خیال رہے کہ صرف سجدہ بھی عبادت ہے مگر صرف رکوع اور قیام عبادت نہیں بلکہ یہ نماز میں عبادت ہے۔(مرقات)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو حکم دیا گیا کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں پیشانی،دو ہاتھ،دو گھٹنے،قدموں کے کنارے۱ اور یہ کہ کپڑے اور بال جمع نہ کریں ۲(مسلم،بخاری) |

۱اگرچہ سجدے میں ناک بھی لگائی جاتی ہے مگر پیشانی اصل ہے اور ناک اس کی تابع اس لیے ناک کا ذکر نہ فرمایا۔ہاتھوں سے مراد ہتھیلیاں ہیں اورقدم کے کناروں سے مراد پورے پنجے ہیں اس طرح کہ دسوں انگلیوں کا سر کعبے کی طرف رہے۔

۲نماز میں کپڑے سمیٹنا،روکنا سب منع ہے،لہذا آستین یا پائنچے چڑھاکریا پائجامہ پرلنگوٹ باندھ کر نماز پڑھنا منع ہے ایسے ہی دھوتی باندھ کر نماز پڑھنا منع کہ ان سب میں کپڑے کا روکنا ہے،ہاں اگر پائجامہ کے نیچےلنگوٹ بندھا ہو اوپر پائجامہ یا تہبند ہوتو منع نہیں کیونکہ اس میں کپڑے کا روکنا نہیں۔خیال رہے کہ سجدے میں قدم اور پیشانی زمین پر لگنا فرض ہے لیکن ہاتھ اور گھٹنوں کا لگنا سنت،امام صاحب کے نزدیک صرف پیشانی پر بغیر ناک لگے سجدہ جائز ہے،یہ حدیث امام صاحب کی دلیل ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سجدے میں برابر رہو۱اور تم میں سے کوئی اپنی کہنیاں نہ بچھاوے کتے کے بچھانے کی طرح ۲(مسلم،بخاری) |

۱یعنی اطمینان سے سجدہ کرو(اشعۃ اللمعات)یا سجدے کا ہرعضو اپنے مقام پر رکھو۔(مرقات)

۲؎ یعنی سجدے میں صرف ہتھیلیاں زمین پر لگیں۔کلائی،کہنی وغیرہ سب اٹھی رہیں،یہی سنت ہے،کہنیاں بچھانا مکروہ۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت براء بن عازب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم سجدہ کرو تو اپنی ہتھیلیاں رکھو۱؎ اور کہنیاں اٹھاؤ ۲؎(مسلم) |

۱؎ سر کے آس پاس اس طرح کہ انگلیاں بالکل ملی ہوں اور انگوٹھوں کے کنارے کانوں کی گدیوں کے نیچے ہوں کہ اگر گدیا سے قطرہ ٹپکے تو انگوٹھے کی نوک پر گرے۔

۲؎ یہ حکم مردوں کے لیے ہے،عورت کہنیاں بچھائے گی اور بازو پسلیوں سے ملی رکھے گی کیونکہ اس میں ستر زیادہ ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت میمونہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھوں کے درمیان فاصلہ رکھتے حتّٰی کہ اگر بکری کا بچہ آپ کے ہاتھوں کے نیچے سے گزرنا چاہتا تو گزرجاتا ۱؎ یہ ابوداؤد کے لفظ ہیں جیسے شرح سنہ میں ہے مع اسناد تصریح کی گئی ہے۲؎ اور مسلم میں اس کے معنی ہیں فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اگر بکری کا بچہ آپ کے ہاتھوں کے درمیان گزرنا چاہتا تو گزرجاتا۔ |

۱؎ یعنی اپنے ہاتھ اپنی پسلیوں سے اتنے دور رکھتے کہ اس درمیان والی جگہ سے بکری کا بچہ گزر سکے۔اس کی تشریح کچھ آگے آئے گی۔

۲؎ یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ وہ فصل اول میں مسلم،بخاری کے علاوہ اور کتاب کی حدیث لائے،مسلم کی عبارت یہ نہیں ہے بلکہ وہ ہے جو آگے آرہی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مالک ابن بحینہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھوں کے درمیان کشادگی فرماتے حتی کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہوجاتی ۲؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ بحینہ عبداللہ کی والدہ کا نام ہے یعنی بحینہ مالک کی بیوی ہیں اسی لیے محدثین مالک کو تنوین سے پڑھتے ہیں اور ابن بحینہ اس سے علیحدہ کرتے ہیں بلکہ ان کا نام عبداللہ ابن بحینہ مشہور ہے اور آپ صحابی ہیں،۵۴ یا ۵۵ ہجری میں امیر معاویہ کی خلافت کے زمانہ میں وفات پائی۔

۲؎ اس طرح کہ چادر اوڑھے نماز پڑھتے تو چادر کچھ سرک جاتی اور بغل نظر آجاتی اور اگر قمیض میں نماز پڑھتے تو بغل کی سفیدی کی جگہ نظر آجاتی اس طرح کہ اگر کپڑا نہ ہوتا تو بغل دیکھ لی جاتی۔لفظ بیاض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

بغل شریف مثل باقی جسم شریف کے سفید تھی،بعض نے فرمایا کہ وہاں بال بھی نہ تھے،بغل سے نہایت خوشبو نکلتی تھی،یہ آپ کی خصوصیات سے ہے۔(از مرقات واشعہ)

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سجدہ میں کہتے تھے خدایا میرے سارے گناہ بخش دے چھوٹے بڑے اگلے پچھلے کھلے چھپے ۱(مسلم) | |

۱ظاہر یہ ہے کہ دعا تہجد یاکسی اورنفل کے سجدے میں تھی یا کبھی کبھی فرائض کے سجدے میں بیان جواز کے لیے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعائیں امت کی تعلیم کے لیے ہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گناہ تو کیا گناہ کے ارادے سے بھی محفوظ ہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر سے گم پایا ۱میں نے ٹٹولا تو میرا ہاتھ آپ کے تلوؤں پر پڑاحالانکہ آپ مسجد میں تھے اور تلوے کھڑے ہوئے تھے ۲اور آپ کہہ رہے تھے مولا میں تیری رضاکی تیری ناراضگی سے اور تیری معافی کی تیری سزا سے پناہ لیتا ہوں ۳میں تیری تعریف کی طاقت نہیں رکھتا تو ویسا ہی ہے جیسے تو نے خود اپنی تعریف کی۔(مسلم) | |

۱یعنی میرے ہاں قیام کی باری تھی،رات اندھیری تھی گھر میں چراغ نہ تھا،میری آنکھ کھلی تو مجھے آپ کا بستر شریف خالی محسوس ہوا تو میں گھبرا گئی کہ مجھے اطلاع دیئے بغیر کہاں تشریف لے گئے۔

۲یعنی سجدے میں گرکر دعائیں مانگ رہے تھے،مسجد نبوی چونکہ حضرت عائشہ کے حجرے سے بالکل ملی ہوئی تھی،اسی طرف دروازہ تھا اس لیے آپ کا ہاتھ اپنے بستر پر بیٹھے بیٹھے مسجدمیں پہنچ گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو چھونا وضو نہیں توڑتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد کے سجدے میں ہیں اور بغیر آڑ کے ام المؤمنین کا ہاتھ آپ کے تلوؤں شریف کو لگا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز نہ چھوڑی،نہ وضو دوبارہ کیا۔ان انگلیوں کے قربان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوؤں سے لگیں،نصیب والے کما کر چلے گئے۔شعر

جو ہم بھی واں ہوتے خاک گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اترن

مگر کیا کریں نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے

۳یعنی اگر تو عتاب فرمائے تو تیرے ہی کرم میں پناہ مل سکتی ہے اور کہیں بلاتشبیہ یوں سمجھو کہ جب بچے کو ماں مارتی ہے اور پرے کرتی ہے تو بچہ ماں ہی سے لپٹتاہے کیونکہ اس کی آخری پناہ وہی ہے۔خیال رہے کہ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں آنا اس حدیث کے خلاف نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آستانہ رب کا آستانہ ہے،خود فرماتے ہیں"اَنَافِئَۃُ الْمُسْلِمِیْنَ"میں مسلمانوں کی پناہ ہوں،رب فرماتا ہے:"جَآءُوْكَ"الخ۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ اپنے رب سے زیادہ قریب سجدہ کرتے ہوئے ہوتا ہے تو اس میں دعائیں زیادہ مانگوا(مسلم) |

اےیعنی رب تو ہم سے ہروقت قریب ہے ہم اس سے دور رہتے ہیں،البتہ سجدے کی حالت میں ہمیں اس سے خصوصی قرب نصیب ہوتا ہے لہذا اس قرب کو غنیمت سمجھ کرجو مانگ سکیں مانگ لیں۔اس حدیث میں ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں سجدہ قیام سے افضل ہے۔خیال رہے کہ نوافل کے سجدوں میں ہمیشہ دعامانگے،فرائض کے سجدوں میں کبھی کبھی،بعض لوگ سجدے میں گرگر دعائیں مانگتے ہیں یعنی دعا کے لیے سجدہ کرتے ہیں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انسان سجدے کی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا پھرتا ہے اور کہتا ہے ہائے افسوس انسان کو سجدے کا حکم دیا گیا اس نے سجدہ کرلیا اس کے لیے تو جنت ہے اور مجھے سجدے کا حکم دیا گیا میں انکاری ہوگیا میرے لیے آگ ہے ۲(مسلم) |

اےیعنی انسان کے لیے سجدۂ تلاوت کو دیکھ کر شیطان حسرت کرتا ہوا وہاں سے بھاگتا ہے،چونکہ یہ سجدہ سجدۂ نماز کے علاوہ ہے اور شیطان نے جس سجدہ کا انکارکیاتھا وہ بھی سجدۂ نماز کے علاوہ تھا اس لیے اسے یہ سجدہ دیکھ کر حسرت ہوتی ہے نہ کہ سجدۂ نماز دیکھ کر کیونکہ نماز کے سجدے تو خود بھی کرتا رہا ہے۔

۲اس سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے جیساکہ حنفیوں کا مذہب ہے اگرچہ وہ سجدہ آدم علیہ السلام کو تھا(سجدۂ تعظیمی)اور یہ سجدہ اللہ کو ہے(سجدۂ عبادت)مگر چونکہ اس سجدہ کا حکم بھی الہی تھا اور اس سجدے کا بھی اس لیے شیطان یہ کہتا ہے۔اس سجدۂ تعظیمی کی بحث ہماری کتاب"تفسیر نعیمی"جلد اول میں دیکھو۔معلوم ہوتا ہے کہ شیطان اپنی حرکت پر پچھتاتا تو رہا ہے مگر اب کیا ہوتا وقت نکل چکا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ربیعہ ابن کعب سے افرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات گزارتا تھا ۲تو میں آپ کے پاس وضو کا پانی اورضروریات لایا۳مجھ سے فرمایا کچھ مانگ لو۴میں نے عرض کیا کہ میں آپ سے جنت میں آپ کا ساتھ مانگتا ہوں ۵فرمایا اس کے |

| | |
|---|---|
| | سوا کچھ اور بھی میں نے عرض کیا بس یہی۶ فرمایا اپنی ذات پر زیادہ سجدوں سے میری مدد کرو ۷؎(مسلم) |

۱؎ آپ کی کنیت ابوفراس ہے،اسلمی ہیں،اصحاب صفّہ میں سے تھے،پرانے صحابی ہیں،سفر وحضر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم ہیں،۶۳ ھ میں انتقال ہوا۔

۲؎ یعنی سفرمیں رات کی خدمت خصوصیت سے میرے سپرد تھی اور اگر گھر مراد ہوتو مطلب یہ ہے کہ رات بھر آپ کے دروازے پر رہتا تھا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدمت کی ضرورت ہوتوبجالاؤں۔

۳؎ یعنی ایک شب حسبِ معمول تہجد کے وقت وضو کا پانی،مسواک،مصلی لےکر خدمت میں حاضر ہوا۔بعض نسخوں میں آتِیْہِ ہے یعنی لایا کرتا تھا۔

۴؎ یعنی ایک شب شان کریمی کی جلوہ گری ہوئی اور دریائے رحمت جوش میں آگیا،مجھے انعام دینے کا ارادہ فرمایا۔اس جگہ مرقات اور لمعات وغیرہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا یہ چیز مانگو۔معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باذن الٰہی اللہ کے خزانوں کے مالک ہیں۔دین و دنیا کی جونعمت جسے چاہیں دیں بلکہ حضور احکام شرعیہ کے بھی مالک ہیں جس پر جو احکام چاہیں نافذکریں۔چنانچہ حضرت خزیمہ ابن ثابت کی گواہی دوگواہوں کی مثل قرار دی۔(بخاری)اُمِّ عطیہ کو ایک مرتبہ نوحہ کی اجازت دی۔(مسلم)ابی بردہ ابن نیاز کو چھ ماہا بکری کی قربانی کی اجازت دی۔اللہ نے جنت کی زمین کا حضورصلی اللہ علیہ وسلم کو مالک کیا ہے جسے چاہیں دیں۔(مرقات وغیرہ)

۵؎ یعنی مجھے آپ جنت میں اپنے ساتھ رکھیں،جیسے بادشاہ شاہی قلعہ میں اپنے خاص خادموں کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔خیال رہے کہ حضرت ربیعہ نے اس جگہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم سے حسب ذیل چیزیں مانگیں:زندگی میں ایمان پر استقامت،نیکیوں کی توفیق،گناہوں سے کنارہ کشی،مرتے وقت ایمان پر خاتمہ،قبر کے حساب میں کامیابی،حشرمیں اعمال کی قبولیت،پل صراط سے بخریت گزر،جنت میں رب کا فضل و بلندیٔ مراتب،یہ سب چیزیں صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگیں اور حضور نے صحابی کو بخشیں،لہذا ہم بھی حضور سے ایمان،مال،اولاد،عزت،جنت،سب کچھ مانگ سکتے ہیں،یہ مانگنا سنت صحابہ ہے۔حضور کے لنگر سے یہ سب کچھ قیامت تک بٹتا رہے گا اور ہم بھکاری لیتے رہے گے۔صوفیاءفرماتے ہیں کہ حضرت ربیعہ نے حضور سے حضور ہی کو مانگا مگر چونکہ حضور جنت میں ہی ملیں گے،لہذا جنت کا بھی ذکر کردیا۔

۶؎ یعنی تمہاری یہ درخواست منظور ہے کچھ اور بھی چاہتے ہو؟عرض کیا جب چمن الٰہی کا پھو ل مل گیا تو پتوں کی کیا ضرورت ہے۔

۷؎ یعنی جنت میں تمہیں اعلٰی مقام پرپہنچانا میرے کرم سےہے نہ کہ محض تمہارے سجدوں سے،تم اپنے سجدوں سے مجھے اس کام میں امداد دو۔عَلٰی نَفْسِكَ فرماکراشارۃًفرمایا گیاکہ نفس کی مخالفت جنت کاذریعہ ہے۔(مرقات) کثرت سجود سے بتایا گیاکہ فقط نمازپنجگانہ پرکفایت نہ کروبلکہ نوافل کثرت سے پڑھو تاکہ میرے قرب کے لائق ہوجاؤ،جیسے بادشاہ کہے کہ میرے پاس آناہے تو اچھا لباس پہنو،حاضری بادشاہ کے کرم سے ہے اور اچھا لباس دربار کے آداب میں سے۔شعر

مالک ہیں خزانۂ قدرت کے جوجس کو چاہیں دےڈالیں　　　دی خلد جناب ربیعہ کو بگڑی لاکھوں کی بنائی ہے

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت معدان ابن طلحہ سے ۱؎فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ثوبان سے ملا میں نے کہا کہ مجھے ایسا عمل بتائیں جو میں کروں تو اللہ مجھے اس کی برکت سے جنت میں داخل کردے آپ خاموش رہے میں نے پھر پوچھا آپ خاموش رہے میں نے پھر تیسری بار پوچھا تو فرمایا کہ میں نے اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا۲؎ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے لیئے زیادہ سجدے اختیار کرو۳؎ کیونکہ تم اللہ کے لیے کوئی سجدہ نہ کرو گے مگر اللہ اس کی برکت سے تمہارا درجہ بڑھائے گا اور تمہاری خطا معاف کرے گا۔معدان کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت ابودرداء سے ملا ان سے پوچھا انہوں نے مجھ سے وہی کہا جو ثوبان نے کہا تھا۴؎(مسلم) |

۱؎ آپ تابعی ہیں،شام کے رہنے والے ہیں،عالم باعمل ہیں،حضرت عمر،ابوالدرداء اور ثوبان رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

۲؎ یعنی میں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تین بار یہ سوال کیا تھا دوبار سرکار خاموش رہے تھے اور تیسری بار میں جواب دیا تھا۔(مرقات)اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے میں بھی دوبار خاموش رہا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خاموشی سائل کا شوق بڑھانے کے لیے اور حضرت ثوبان کی خاموشی اسی سنت پر عمل کے لیے ہے،صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں کی نقل کرتے تھے۔

۳؎ اس طرح کہ نوافل زیادہ پڑھو اور تلاوت قرآن کثرت سے کرو،سجدۂ شکر زیادہ کرو۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ سجدہ گناہوں کا کفارہ ہے مگر گناہوں سے مراد حقوق اللہ کے گناہ صغیرہ ہیں،حقوق العباد ادا کرنے سے اور گناہ کبیر توبہ سے معاف ہوتے ہیں۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت وائل ابن حجر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب سجدہ کرتے تو اپنے گھٹنے ہاتھوں سے پہلے رکھتے اور جب اٹھتے تو اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے |

| | |
|---|---|
| | ۱؎(ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،دارمی) |

۱؎سنت یہ ہے کہ سجدے میں جاتے وقت زمین سے قریب والا عضو زمین پر پہلے رکھے کہ پہلے گھٹنے،پھر ہاتھ،پھر ناک،پھر پیشانی رکھے اور سجدے میں اٹھتے وقت اس کے برعکس کرے کہ پہلے پیشانی اٹھائے،پھر ناک،پھر ہاتھ،پھر گھٹنے۔جن روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے گھٹنے اٹھاتے تھے،پھر ہاتھ وہ ضعف یا مجبوری کی بنا پر ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے۱؎چاہیے کہ اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھے۲؎(ابوداؤد،نسائی،دارمی)ابوسلیمان خطابی فرماتے ہیں کہ وائل ابن حجر کی حدیث اس سے زیادہ قوی ہے۳؎ اور کہا گیاہے کہ یہ منسوخ ہے۔ |

۱؎کہ اونٹ بیٹھتے وقت پہلے پاؤں کے گھٹنے زمین پر لگاتاہے،پھر ہاتھ بچھاتاہے تم ایسا نہ کرو۔

۲؎یہ حدیث گزشتہ حدیث وائل ابن حجر کے خلاف ہے یا یہ حدیث منسوخ ہے،حدیث وائل ناسخ یا یہ حدیث ضعیف ہے اور وہ حدیث قوی۔غرضکہ یہ حدیث ناقابل عمل ہے اور گزشتہ حدیث پر اکثر آئمہ کا عمل ہے جیسا خود صاحب مشکوۃ فرما رہے ہیں۔

۳؎اسی لیے علماء نے اس پر عمل کیا،بعض لوگوں نے کہا کہ حدیث وائل کی اسناد میں شریک قاضی ہے اور وہ ضعیف ہے مگریہ غلط ہے کیونکہ امام مسلم نے شریک سے روایات لیں ہیں،نیز اس حدیث کی دو اسنادیں اور بھی ہیں جن سے انہیں قوت پہنچتی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان کہتے تھے الٰہی مجھے بخش دے مجھ پر رحم کر مجھے ہدایت امن اور رزق دے۱؎ (ابوداؤد،ترمذی) |

۱؎یہ دعا نوافل میں ہمیشہ کہتے تھے فرائض میں کبھی کبھی،فرائض میں اختصار ہے نوافل میں آزادی۔(مرقات)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت حذیفہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان فرماتے تھے یارب مجھے بخش دے۱؎ (نسائی،دارمی) |

۱؎یہ حدیث پچھلی حدیث کے خلاف نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی دوسجدوں کے درمیان صرف دعائے مغفرت کرتے تھے اور کبھی وہ پوری دعا پڑھتے تھے جو ابھی گزری۔ہرراوی نے جو دیکھا وہ بیان کیا۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن شبل سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوے کی سی ٹھونگ مارنے اور درندے کی طرح ہاتھ بچھانے سے منع فرمایا ۲؎ اور اس سے منع کیا کہ کوئی شخص مسجد میں جگہ مقرر کرلے جیسے اونٹ مقرر کرلیتا ہے ۳؎ (ابوداؤد،نسائی،دارمی) | |

۱؎ آپ کا نام عبدالرحمٰن ابن شبل ابن عمرو ابن زید ہے،انصاری ہیں،اوسی ہیں،بلکہ انصار کے نقیب رہے ہیں۔حمّص میں قیام رہا،امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وفات پائی۔

۲؎ کہ ساجد سجدہ ایسی جلدی جلدی نہ کرے جیسے کوّا زمین پر چونچ مارکر فورًا اٹھالیتا ہے اور سجدے میں کہنیاں زمین سے نہ لگائے جیسے کتا،بھیڑیا وغیرہ بیٹھتے وقت لگالیتے ہیں۔

۳؎ معلوم ہوا کہ مسجد میں اپنے واسطے کوئی جگہ خاص کرلینا کہ اورجگہ نماز میں دل ہی نہ لگے مکروہ ہے،ہاں شرعی ضرورت کے لیے جگہ مقررکرلینا جائز ہے،جیسے امام کے لیے محراب مقرر ہے اور بعض مسجدوں میں مکبّر کے لیے امام کے پیچھے کی جگہ،انہیں بھی چاہیے کہ سنتیں اور نفل کچھ ہٹ کر پڑھیں،مسجد میں جس جگہ جو پہلے پہنچے وہاں کا وہی مستحق ہے،بعض سلاطین اسلامیہ خاص امام کے پیچھے اپنے لیے جگہ رکھتے تھے وہ معذوری کی بناء پر تھاکیونکہ اور جگہ انہیں جان کا خطرہ تھا۔یہاں باقاعدہ ان کی حفاظت کا انتظام ہوتا تھا لہٰذاوہ اس حکم سے عذرًا مستثنٰی ہیں۔دیکھو شامی وغیرہ۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اے علی میں تمہارے لیے وہی پسندکرتا ہوں جو اپنے لیے پسندکرتا ہوں اور تمہارے لیے وہی ناپسندکرتا ہوں جو اپنے لیے ناپسندکرتا ہوں ۱؎ دو سجدوں کے درمیان اکڑوں نہ بیٹھنا ۲؎ (ترمذی) | |

۱؎ یہاں خصوصی پسندیدگی مراد ہے اور اس حدیث میں حضرت علی مرتضٰی کی انتہائی عظمت کا اظہارہے ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ساری امت کے ماں باپ سے زیادہ خیرخواہ ہیں،قرآن کریم فرماتا ہے:"حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ"اور فرماتا ہے:"عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَاعَنِتُّمۡ"۔حضور نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسندکرتے ہو۔

۲؎ لَا تُقْعِ اِقْعَاءٌ سے بنا جس کے معنی ہیں سرین زمین پر رکھنا دونوں پنڈلیاں کھڑی کرلینا اور ہاتھ زمین سے لگادینا یعنی اکڑوں بیٹھنا یہ نماز میں منع ہے نمازی جب بھی بیٹھے دو زانو بیٹھے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت طلق ابن علی حنفی سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی اس بندے کی نماز پر نظر نہیں فرماتا جو نماز میں رکوع اور سجدے کے درمیان پیٹھ سیدھی نہیں کرتا ۱؎(احمد) |

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ رکوع کی بعد قومہ واجب ہے،یعنی سیدھا کھڑا ہوجانا کہ تعدیل ارکان میں یہ بھی داخل ہے۔خشوع سے مراد رکوع ہے اور نظر نہ فرمانے سے مراد نماز قبول نہ فرمانا ہے یا شرعًا نماز قبول نہ ہونا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت نافع سے کہ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ جو اپنی پیشانی زمین پر رکھے تو اپنے ہاتھ بھی وہیں رکھے جہاں پیشانی رکھتا ہے۱؎پھر جب سر اٹھائے تو ہاتھ بھی اٹھائے کیونکہ جیسے چہرہ سجدہ کرتا ہے ویسے ہی ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں۲؎(مالک) |

۱؎یعنی ہاتھ پیشانی کے آس پاس چاہیں نہ کہ کندھوں کے متصل،نیز پیشانی کے لیے کوئی خاص چیز نہ ہو جس پر پیشانی رکھی جائے اسی پر ہاتھ بھی رکھے جائیں،بعض لوگ کربلا کی مٹی یا کاغذ یا پتے پرصرف پیشانی رکھتے ہیں ان کا یہ عمل اس حدیث کے خلاف ہے۔پیشانی اور ہاتھوں کی جگہ ایک ہونی چاہیے۔

۲؎لہذا ہاتھوں کی انگلیوں قبلہ کی طرف چاہیں اور یہ نہ کرے کہ سجدے سے صرف سر اٹھائے،ہاتھ زمین پر ہی لگے رہنے دے کہ یہ تعدیل ارکان کے خلاف ہے۔

## باب التشھد

### التحیات کا باب۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱؎لغت میں تشہد کے معنی ہیں گواہ بننا یا گواہی دینا۔عرف میں کلمۂ شہادت پڑھنا،مگر شریعت میں التحیات کو تشہد کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں توحید و رسالت کی گواہی ہوتی ہے۔خیال رہے کہ التحیات اس کلام کا مجموعہ ہے جو معراج کی رات قرب حضوری میں رب و محبوب کے درمیان ہوا،اولًا حضور نے عرض کیا"اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ"رب کی طرف سے ارشاد ہوا"اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ"محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے جوابًا عرض کیا"اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِیْنَ"ان دونوں قسموں کے کلاموں کو نمازی ادا کرکے اللہ کی توحید حضور کی رسالت کی گواہی دیتا ہے لیکن نمازی التحیات پڑھتے وقت معراج کی اس گفتگو کی نقل کی نیت نہ کرے بلکہ خود بارگاہ الٰہی میں تحیةً اور بارگاہ رسالت میں سلام عرض کرنے کی نیت کرے(شامی)جیسے تکبیر تشریق حضرت جبریل،حضرت خلیل،حضرت اسماعیل کے کلاموں کا مجموعہ ہے کہ جب حضرت جبریل جنت سے دنبہ لے کر حاضر ہوئے،ادھر خلیل اپنے لخت جگر کو ذبح کررہے تھے تو اوپر سے پکارا"اَللهُ اَکْبَرُ اَللهُ اَکْبَرُ"حضرت خلیل نے اوپر دیکھا تو جبریل کو آتے دیکھ کر فرمایا"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَکْبَرُ"پھر بحکم پروردگار حضرت اسماعیل کے ہاتھ پاؤں کھولے اور قبولیت قربانی کی بشارت دی تو آپ نے فرمایا لِلّٰهِ الْحَمْدُ مگر اب تکبیر تشریق کہنے والا وہاں کی نقل کی نیت نہ کرے بلکہ اپنی طرف سے ذکر الٰہی کی نیت کرے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب التحیات میں بیٹھتے تو اپنا بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھتے اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر۱؎ اور ترپن(۵۳)کا عقد باندھتے اور کلمے کی انگلی سے اشارہ کرتے۲؎ | |

۱؎ اس طرح کہ ہتھیلیاں تو رانوں پر ہوتیں اور انگلیوں کے کنارہ گھٹنوں پر،ہاتھوں سے گھٹنے پکڑنا مراد نہیں کیونکہ التحیات میں تمام انگلیوں کا رخ کعبہ معظّمہ کو چاہیے۔خیال رہے کہ نماز کی ہر نشست یوں ہی ہونی چاہیے خواہ

سجدوں کے درمیان کا جلسہ ہو یا التحیات کا قعدہ،یہاں التحیات کا ذکر احترازی نہیں لہذا یہ حدیث دیگر احادیث کے خلاف نہیں۔

۲؎ یعنی التحیات میں شہادت توحید کے وقت داہنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کرتے کہ انگوٹھے کا کنارہ کلمہ کی انگلی کی جڑ میں لگاتے اور تین انگلیاں بند کر لیتے یہ ترپن کا عقد ہوا اور کلمہ کی انگلی اوپر اٹھاتے اِلَّا اللہ پر گرادیتے،یہ تفصیل دوسری احادیث میں وارد ہے۔خیال رہے کہ اس اشارے کے متعلق مختلف روایتیں آئیں ہیں یہاں ترپن(۵۳)کاعقد مذکور ہے،بعض میں ہے کہ انگلیاں بندکرلیتے اور انگوٹھے و بیچ کی انگلی کا حلقہ بناتے اور کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرتے۔معلوم ہوتا ہے کہ کبھی اس طرح کرتے اور کبھی اس طرح لہذا احادیث میں تعارض نہیں احناف کے ہاں حلقہ والی حدیث پر عمل ہے جو حضرت وائل ابن حجر سے مروی ہے

| | |
|---|---|
| | اور ایک روایت میں ہے کہ جب نماز میں بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر رکھتے اور اپنی داہنی انگلی جو انگوٹھے سے ملی ہے اسے اٹھاتے اس سے اشارہ کرتے ۱؎ اور اپنا بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر بچھاتے ۲؎(مسلم) |

۱؎ اس طرح کہ زبان سے فرماتے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ اور یہ انگلی اٹھا کر توحید کا اشارہ کرتے تاکہ قولًا و عملًا توحید کی گواہی ہو اور بعد اشارہ پھر ہاتھ بچھا دیتے تاکہ انگلیاں قبلہ رو رہیں۔

۲؎ یعنی بایاں ہاتھ اول سے آخر تک بچھائے رکھتے اس ہاتھ سے عقد انامل یا اشارہ نہ کرتے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زبیر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے تو کلمہ پڑھتے ۱؎ تو اپنا دایاں ہاتھ اپنے دائیں ران پر رکھتے اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر ۲؎ اور اپنی کلمے کی انگلی سے اشارہ کرتے اور اپنا انگوٹھا بیچ کی انگلی پر رکھتے ۳؎ اور بائیں ہتھیلی سے گھٹنا پکڑلیتے ۴؎(مسلم) |

۱؎ یہاں دعا سے مراد کلمہ شہادت ہے جیسے حدیث شریف میں ہے کہ عرفہ کے دن بہترین دعا کلمہ طیبہ ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب بیٹھتے تو التحیات پڑھتے اوراس میں کلمہ طیبہ پڑھتے۔خیال رہے کہ نماز میں جب بھی بیٹھنا پڑے تب التحیات پڑھے لہذا اگر کوئی التحیات میں جماعت سے ملا اس کے ملتے ہی امام کھڑا ہوگیا تو یہ شخص پوری التحیات ورسولہ تک پڑھ کر اٹھے،اس مسئلہ کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۲؎ یہ پچھلی حدیث کی شرح ہے جس میں تھا کہ حضور قعدہ میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے تھے اس نے بتایا کہ ہاتھ رانوں پر رکھتے انگلیوں کے کنارے گھٹنوں پر۔

۳؎ یعنی انگوٹھے اور بیچ کی انگلی کا حلقہ بنا کر اشارہ فرماتے جیسا ہم احناف کا عمل ہے۔

۴؎ اس طرح کہ بایاں گھٹنا بائیں ہتھیلی میں ایسے آجاتا ہے جیسے منہ میں لقمہ۔خیال رہے کہ حضور کا یہ عمل بیان جواز کے لیے ہے اور پہلی حدیث کا عمل بیان التحیات کے لیے تھا یعنی دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر بچھا دینا بہتر ہے تاکہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں قبلہ رو رہیں اور بایاں گھٹنا بائیں ہاتھ سے پکڑ لینا جائز ہے لہذا نہ تو احادیث میں تعارض ہے اور نہ مسلمانوں کا عمل اس حدیث کے خلاف۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ اشارہ صرف کلمہ شہادت پر تھا جو کلمہ ختم ہونے پر ختم ہوجاتا تھا اول سے ہاتھ بچھا ہوتا پھر بعد میں بھی بچھادیا جاتا تاکہ انگلیاں متوجہ قبلہ رہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے ۱؎ تو کہتے تھے ۲؎ اللہ کے بندوں کی طرف سے اللہ پر سلام ہو ۳؎ جبریل علیہ السلام پر سلام ہو میکائیل پر سلام ہو فلاں پر سلام ہو ۴؎ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پھرے تو اپنے چہرے سے ہم پر متوجہ ہوئے ۵؎ اور فرمایا نہ کہو کہ اللہ پر سلام ہو اللہ تو خود سلام ہے ۶؎ جب تم میں سے کوئی نماز میں بیٹھے تو کہے ۷؎ کہ اللہ کے لیے تحیتیں، نمازیں اور طیب کلمے ہیں ۸؎ اے نبی آپ پر سلام ہو اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں ۹؎ ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو ۱۰؎ نمازی جب یہ کہے گا تو زمین و آسمان کے ہر نیک بندے کو پہنچ جائے گا ۱۱؎ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں ۱۲؎ پھر جو دعا اسے پسند ہو اختیار کرلے اور اس سے دعا مانگے ۱۳؎ (مسلم،بخاری) | |

۱؎ اگر یہ واقعہ معراج سے پہلے کا ہے تب تو یہ مطلب ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے نماز پڑھتے تھے اور صحابہ بھی حضور کے ساتھ اس عبادت میں مشغول ہوتے تھے اور اپنے اجتہاد سے بجائے التحیات یہ پڑھا کرتے تھے، جب حضور معراج سے واپس ہوئے تب آپ نے اس التحیات کی تعلیم دی جو آگے آرہی ہے یعنی لوگو نماز تمہاری معراج ہے تو میں معراج میں رب سے جو گفتگو کرکے آیا تم بھی نماز میں وہ ہی کیا کرو اور اگر معراج کے بعد کا واقعہ ہے تو مطلب یہ ہے کہ اولًا التحیات کی تعلیم نہیں دی گئی تھی صحابہ اپنے اجتہاد سے کچھ کلمے کہہ لیا کرتے تھے،ایک روز نماز سے فارغ ہو کر اس التحیات کی تعلیم دی۔(مرقاۃ)

۲؎ نماز کے دونوں قعدوں میں۔

۳؎ یعنی ہم بندے بارگاہ الٰہی میں نیاز مندانہ سلام پیش کرتے ہیں،وہ سمجھتے یہ تھے کہ جیسے بادشاہوں کے دربار میں سلام کرنا دربار کا ادب ہے ایسے ہی بارگاہِ الٰہی میں سلام پیش کرنا وہاں کا ادب ہے۔

۴؎ فلاں سے مراد باقی فرشتے ہیں یا خاص انبیائے کرام۔

۵؎ اِنْصَرَفَ کے معنی یا یہ ہیں کہ آپ معراج سے واپس لوٹے تو ہم سب کے سامنے وعظ فرمایا یا یہ مطلب ہے کہ ایک دن نماز سے فارغ ہو کر یہ ارشادہ فرمایا۔(ازمرقات)

۶؎ یعنی سلام ایک قسم کی دعا ہے یہ رب کے لائق نہیں،رب ہر عیب سے پاک،ہر آفت سے دور ہے اور سب کو سلامت رکھنے والا ہے اسی لیے ایک دعا میں فرمایا گیا "اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ" الٰہی تو سلامت رکھنے والا ہے۔

۷؎ لِیَقُلْ صیغہ امر ہے اور امر وجوب کے لیئے آتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ نماز میں التحیات واجب ہے۔ وَاِذَاجَلَسَ کے عموم سے معلوم ہوا کہ نماز میں جب بھی بیٹھے التحیات پڑے خواہ امام کے تابع ہو کر بیٹھے یا خود اسے بیٹھنا ہو لہذا اگر کوئی امام کے ساتھ التحیات میں ملے اور اس کے بیٹھتے ہی امام کھڑا ہوجائے یا سلام پھیر دے تو التحیات پوری کرکے کھڑا ہو لہذا یہ حدیث احناف کے بہت سے مسائل کا ماخذ ہے۔جب التحیات واجب ہوئی تو اس کے رہ جانے پر سجدۂ سہو واجب ہوا جیسا کہ واجبات نماز کا حکم ہے۔

۸؎ ان تین کلموں کی شرحیں بہت ہیں۔حضرت شیخ نے فرمایا کہ تحیۃ سے مراد قولی عبادات ہیں،صلوات سے مراد بدنی عبادات اور طیبات سے مراد مالی عبادتیں ہیں۔مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی عبادتیں اللہ سے خاص ہیں چونکہ ان تینوں عبادتوں میں سے ہر ایک کی ہزارہا قسمیں ہیں،نیز ہر شخص کی عبادت علیحدہ ہے اس لیے ان تینوں کو جمع فرمایا گیا۔خیال رہے کہ تحیۃ کا لفظ جب بندے کے لیے استعمال ہوگا تو اس کے معنی ہوں گے ملاقات کے وقت کا کلام یا کام، یونہی صلوت بندوں کے لیے بمعنی رحمتیں ہوتا ہے جیسے:"اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ"۔

۹؎ اس جگہ مرقات نے فرمایا کہ معراج کی رات اول تین کلمے حضور نے بارگاہِ الٰہی میں پیش کیے پھر اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ الخ رب کی طرف سے حضور کو خطاب ہوا پھر اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا الخ،حضور نے جوابًا عرض کیا پھر اَشْھَدُ الخ،جبریل امین نے عرض کیا،چونکہ نماز بھی مسلمان کی معراج ہے اس لیے اسی میں سارے کلمات جمع کردیئے گئے۔نیز شیخ نے اشعۃ اللمعات میں،امام غزالی نے احیاء اعلوم میں،ملا علی قاری نے مرقات میں فرمایا کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ پر ہر نمازی اپنے دل میں حضور کو حاضر جانے اور یہ جان کر سلام عرض کرے کہ میں حضور کو سلام کررہا ہوں حضور مجھے جواب دے رہے ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ بعض عارفین کا ارشاد ہے کہ حقیقت محمدیہ تمام موجودات بلکہ ممکنات میں ساری و طاری ہے اس لیے نماز میں بھی موجود ہے لہذا خطاب اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ نہایت موزوں ہے،یہی مضمون اہلِ حدیث کے پیشوا نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے بھی اپنی بعض کتب میں لکھا ہے۔اس سے مسئلہ حاضر و ناظر بخوبی واضح ہوگیا کیونکہ غائب کو غافل کو اور جو جواب نہ دے اس کو سلام کرنا منع ہے۔اس کی پوری بحث ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ اول میں دیکھو۔

۱۰؎ یعنی زمین و آسمان میں غائب و حاضر،گزشتہ موجودہ،آئندہ سارے نیک بندوں پر سلام،چونکہ وہ سب بندے سن نہیں رہے ہیں اسلیے یہاں خطاب نہیں ہوا۔نیک بندہ وہ ہے جو حق عبودیت ادا کرے اور اس پر قائم رہے۔

۱۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ دعا وغیرہ میں سارے مومنوں کو شامل کرنا چاہیے تو ان شآءاللہ دعا ضرور قبول ہوگی۔خیال رہے کہ یہاں گنہگار بندوں کا ذکر نہیں آیا کیونکہ وہ عَلَیْنَا جمع کی ضمیر میں داخل کرلیے گئے۔حضور اپنے گنہگاروں کو اپنے دامن میں رکھتے ہیں۔

۱۲؎ ظاہر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی التحیات میں شہادتیں یونہی ادا فرماتے تھے۔

۱۳؎ بہتر یہ ہے کہ اس موقعہ پر منقولی دعائیں خصوصًا جامع دعائیں مانگی جائیں جیسے "رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا" الخ۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں درود ابراہیمی پڑھنا فرض نہیں یہی حنفیوں کا قول ہے اور یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم التحیات ایسے ہی سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورت سکھاتے تھے ۱؎ فرماتے تھے کہ برکت والی تحیتیں اور طیب نمازیں اللہ کے لیئے ہیں اے نبی آپ پر سلام اور اللہ کی رحمتیں برکتیں ہوں،ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں ۲؎ (مسلم)میں نے صحیحین میں اور صحیحین کے جامع میں سلام علیك اور سلام علینا بغیر الف لام کے نہ پایا لیکن اسے جامع والے نے ترمذی سے روایت کیا ۳؎ |

۱؎ یعنی جیسا اہتمام قرآن شریف کے سکھانے میں کرتے تھے ویسا ہی التحیات کے سکھانے میں بھی۔اس سے بھی معلوم ہورہا ہے کہ نماز میں التحیات واجب ہے۔

۲؎ یہ حضرت ابن عباس کی التحیات ہے،امام شافعی نے اسی کو اختیار فرمایا امام ابوحنیفہ و امام احمد ابن حنبل اور اکثر صحابہ و تابعین نے حضرت ابن مسعود کی التحیات کو لیا جو پہلے گزر چکی،علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابن مسعود کی التحیات کی حدیث بہت صحیح ہے،مسند امام احمد ابن حنبل میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود کو حکم دیا کہ اس التحیات کی سب کو تعلیم دو اور امام مالک کی التحیات وہ ہے جو سیدنا عمر فاروق سے مروی۔"اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ الزَّاکِیَاتُ لِلّٰہِ الطَّیِّبَاتُ لِلّٰہِ السَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ" الخ۔(اشعہ)

۳؎یعنی صاحب مصابیح نے حضرت ابن عباس کی التحیات میں سلامٌ بغیر الف لام کے نقل کیا مگر ایسی التحیات سوا ترمذی کے اور کہیں نہیں لہذا یہ حدیث صاحب مصابیح کو پہلی فصل میں نہیں لانی چاہیے تھی۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت وائل ابن حجر سے وہ رسول اللہ سے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ پھر حضور بیٹھے ۱؎تو اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور اپنا بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور اپنی داہنی کہنی اپنی داہنی ران پر دراز کی ۲؎دو انگلیاں بند کیں اور حلقہ بنایا ۳؎پھر اپنی انگلی شریف اٹھائی میں نے آپ کو دیکھا کہ اسے ہلاتے تھے اس سے اشارہ کرتے تھے ۴؎(ابوداؤد،دارمی) | |

۱؎یہ حدیث ایک بڑی حدیث کا ٹکڑا ہے جس میں وائل ابن حجر فرماتے ہیں کہ میں ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ شریف پر اس لیے حاضر ہوا کہ میں آپ کی نماز دیکھوں تو میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے،قبلہ کو منہ کیا،تکبیر کہی،کانوں تک ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ آخر میں فرمایا پھر بیٹھے الخ۔

۲؎یعنی اپنے ہاتھ ادھر ادھر پھیلائے نہیں،بلکہ ران کے مقابل رکھے یہ مطلب نہیں کہ کہنیاں ران پر بچھادیں۔

۳؎یعنی بیچ والی انگلی کا انگوٹھے سے حلقہ بنایا جیسا کہ ہم لوگوں کا عمل ہے۔

۴؎یہاں ہلانے سے مرا دانگلی کا اٹھانا اور گرانا ہے کیونکہ اس میں بھی انگلی کو حرکت ہوتی ہے لہذا یہ حدیث اگلی حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا کہ آپ انگلی نہیں ہلاتے تھے یہ حدیث حنفیوں کے مخالف نہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زبیر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کرتے تو اپنی انگلی سے اشارہ کرتے مگر اسے ہلاتے نہ تھے ۱؎(ابوداؤد،نسائی)ابوداؤد نے یہ زیادہ کیا کہ آپ کی نگاہ اشارے سے آگے نہ بڑھتی ۲؎ | |

۱؎اس دعا سے مراد کلمۂ شہادت ہے کیونکہ درود،رب کی حمد و ثنا،حضور کی نعت،سب در پردہ دعائیں ہیں۔فقیر کا غنی کے دروازے پر آکر کہنا آپ بڑے سخی ہیں،داتا ہیں درپردہ مانگنا ہی ہے۔نہ ہلانے کا مطلب یہ ہے کہ انگلی اٹھا کر اسے جھماتے نہ تھے۔

۲؎یعنی بروقت اشارہ آپ اپنی انگلی کو دیکھتے تھے۔خیال رہے کہ نماز کی نشست میں نگاہ گود میں چاہیے لیکن گود میں نگاہ ہوتے ہوئے انگلی بخوبی نظر آجاتی ہے۔راوی کا مطلب یہ ہے کہ آپ اشارہ کے وقت آسمان یا سجدہ گاہ کو نہ دیکھتے تھے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص اپنی دو انگلیوں سے اشارہ کرتا تھا ۱؎حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سے کرو ایک سے کرو ۲؎(ترمذی،نسائی، بیہقی،دعوات کبیر) | |

۱؎یہ اشارہ کرنے والے صاحب حضرت سعد ابن ابی وقاص ہیں جیسا کہ ابوداؤد اور نسائی کی روایا ت میں ہے اور دو انگلیوں سے مراد داہنے یا بائیں ہاتھ کی شہادت والی انگلیاں ہیں نہ کہ ایک ہاتھ کی دو انگلیاں جیسا کہ مرقاۃ اور اشعہ وغیرہ میں ہے۔
۲؎یعنی داہنے ہاتھ کی کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرو بائیں ہاتھ کی کوئی انگلی نہ اٹھاؤ۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا کہ کوئی نماز میں اپنے ہاتھ پر ٹیک لگا کر بیٹھے ۱؎(احمد،ابوداؤد،)اسی کی ایک روایت میں ہے اس سے منع فرمایا کہ دونوں ہاتھوں پر ٹیک لگائے جب نماز میں اٹھے۲؎ | |

۱؎یعنی نماز میں اپنی طاقت سے بیٹھنا چاہیے زمین یا گھٹنوں پر ہاتھ رکھنااور اس پر جسم کا بوجھ ڈالنا منع ہے اس حالت میں ہاتھ ڈھیلے رہیں۔
۲؎یعنی سجدے سے اٹھتے وقت ہاتھوں پر ٹیک لگانا منع ہے بلکہ گھٹنوں اور رانوں پر زور دے کر اٹھے،یہ حدیث احناف کی دلیل ہے کہ دوسری اور چوتھی رکعت میں جلسہ استراحت نہ کیا جائے کیونکہ اس صورت میں ہاتھوں پر ضرور ٹیک لگانا پڑتی ہے۔جن روایتوں میں اس نشست کا ثبوت ہے وہاں بڑھاپے یا بیماری کی مجبوریاں مراد ہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عبدا للہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو پہلی رکعتوں میں ایسے ہوتے تھے گویا آپ گرم پتھر پر ہیں حتی کہ کھڑے ہوتے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد، نسائی) | |

۱؎یعنی تین یا چار رکعت والے فرائض میں آپ قعدہ میں زیادہ دیر نہ لگاتے بلکہ صرف **التحیات** پڑھ کر کھڑے ہوجاتے۔گرم پتھر ہونے سے مراد جلدی اٹھنا ہے اس کے سوا اور جو توجیہیں کی گئی ہیں باطل ہیں عربی میں رضف اس گرم پتھر کو کہتے ہیں جو دودھ گرم کرنے کے لیے استعمال کیاجاتاہے۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ | |

| | |
|---|---|
| | علیہ وسلم ہم کو التحیات ایسے سکھاتے تھے جیسے ہم کو قرآن کی سورت سکھاتے ۱؎ اللہ کے نام سے اور اللہ سے تحیتیں پاک نمازیں اللہ کے لیے ہیں ۲؎ اے نبی آپ پر سلام ہو ۳؎ اور اللہ کی رحمت اس کی برکتیں ہوں ہم پر اوراللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد اللہ کے بندے و رسول ہیں ۴؎ اللہ سے جنت مانگتا ہوں آگ سے رب کی پناہ(نسائی) |

۱؎ یعنی جیسے قرآن کی ایک ایک آیت مختلف الفاظ اور مختلف قرأتوں سے سکھاتے ایسے ہی ہمیں التحیات مختلف الفاظ سے سکھاتے تھے۔(مرقات)اس سے معلوم ہوا کہ جیسے قرآن شریف کی سات قرأتیں متواتر ہیں اور باقی قرأتیں شاذ ایسے ہی التحیات کی مختلف عبارتیں ہیں جو مختلف صحابہ سے منقول ہیں اور جیسے اب قرآن شریف صرف ایک قرأت سے ہی پڑھنا چاہیے ورنہ فتنہ ہوگا ایسے ہی اب التحیات صرف ایک ہی عبارت سے پڑھنی چاہیئے۔

۲؎ نووی نے کتاب الاذکار میں فرمایا کہ التحیات میں بسم اللہ کی زیادتی صرف حضرت جابر کی اس روایت سے ہی ثابت ہے اور کسی روایت میں نہیں ہے حضرت جابر کی یہ حدیث صحیح نہیں۔

۳؎ التحیات کی مختلف عبارتیں احادیث میں منقول ہیں لیکن ہر عبارت میں حضور کو خطاب کرکے حضور کو سلام کیا گیا ہے۔ مرقات نے فرمایا نماز میں حضور سے خطاب اور کلام حضور کی خصوصیت ہے اگر کسی اور کو غائبانہ یا حاضرانہ سلام کرے گا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو بحالت نماز حضور پکاریں تو اس پر واجب ہے کہ اسی حالت میں بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو جو حکم ملے اس کی تعمیل کرے اس کے باوجود نماز ہی میں ہوگا کہ جب انہیں سلام کرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی تو ان سے بات کرنے ان کی خدمت کرنے سے بھی نہیں ٹوٹے گی۔اس کی تحقیق ہماری کتاب "شان حبیب الرحمٰن"میں دیکھو۔

۴؎ اس میں تجدید ایمان ہے ہرمسلمان کو چاہیے کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتا رہے بلکہ سوتے وقت توبہ کرکے تجدید ایمان کرکے سویا کرے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن عمر جب نماز میں بیٹھتے تو اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھتے اور اپنی انگلی سے اشارہ کرتے اپنی نگاہ اس پر لگاتے ۱؎ پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شیطان پر لوہے سے زیادہ گراں ہے یعنی یہ انگلی ۲؎(احمد) |

۱؎ یعنی آپ نماز کے قعدہ میں تین کام کرتے تھے:رانوں پر ہاتھ رکھنا اس طرح کہ انگلیوں کے کنارے گھٹنوں تک پہنچ جائیں،کلمہ شہادت کے وقت داہنے ہاتھ کی کلمے کی انگلی سے اشارہ رکرنا، اشارے کے وقت نگاہ انگلی پر رکھنا اس کی توجہیں پہلے ہو چکی ہیں۔

۲؎ یعنی جیسے نیزہ بھالا لگنے سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے اس سے زیادہ تکلیف شیطان کو اس اشارے سے ہوتی ہے اس کی برکت سے شیطان اسے بہکانے سے مایوس ہوجاتا ہے۔خیال رہے کہ بعض حنفی بزرگوں نے اس اشارے کا انکار کیا ہے جیسے حضرت مجدد صاحب قدس سرہ مگر ان کے انکار کی وجہ صرف یہ ہوسکتی ہے کہ ان کو ان احادیث کی صحت نہ پہنچی ہو۔حق یہ ہے کہ اشارہ سنت ہے اور ان بزرگوں پر کوئی اعتراض نہ کیا جائے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں۱؎ کہ التحیات آہستہ کہنا سنت ہے(ابوداؤد،ترمذی) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔ | |

۱؎ یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے مر فوع کے حکم میں ہے کیونکہ صحابہ کرام کے وہ اقوال جو قیاس سے وراء ہیں مرفوع کے حکم میں ہوتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ التحیات آہستہ پڑھنا ضروری ہے۔

## باب الصلوة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفضلها

## نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے اور اس کی فضیلت کا باب ۱؎

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱؎ صلوۃ کے معنی ہیں رحمت یا طلب رحمت۔جب اس کا فاعل رب ہو تو بمعنی رحمت ہوتی ہے اور فاعل جب بندے ہوں تو بمعنی طلب رحمت،درود شریف کے فضائل ہماری شمار سے باہر ہیں۔حق یہ ہے کہ ہر مسلمان پر عمر میں ایک بار درود شریف پڑھنا فرض اور ہر مجلس میں جہاں بار بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شریف لیا جائے ایک بار واجب ہے اور ہر بار مستحب۔نماز کے قعدے میں درود شریف امام شافعی کے ہاں فرض ہے، احناف اور دیگر آئمہ کے ہاں سنت مؤکدہ یا واجب،درود شریف صرف نبی یا فرشتوں پر ہوسکتا ہے غیر نبی پر نبی کے تابع ہو کر درود جائز بالاستقلال مکروہ۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت کعب ابن عجرہ ملے ۲؎ تو بولے کہ کیا میں تمہیں وہ ہدیہ نہ دوں جو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے میں نے کہا ہاں وہ ہدیہ مجھے ضرور دیں ۳؎ تو فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا عرض کیا یارسول اللہ آپ کے اہل بیت پر دورد کیا ہے اللہ نے یہ تو ہمیں سکھادیا کہ آپ پر سلام کیسے عرض کریں ۴؎ فرمایا یوں کہو اے اللہ محمد اور آل محمد پر رحمتیں بھیج ۵؎ جیسے حضرت ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمتیں کیں بے شک تو حمد و بزرگی والا ہے ۶؎ اے اللہ حضور محمد و آل محمد پر ایسی ہی برکتیں بھیج جیسی برکتیں حضرت ابراہیم و آل ابراہیم پر اتاریں ۷؎ بے شک تو حمد و بزرگی والا ہے ۸؎ (مسلم و بخاری) مگر مسلم نے دونوں جگہ علیٰ ابراھیم کا ذکر نہ کیا۔ | |

۱؎ آپ انصاری ہیں،تابعی ہیں،مدنی ہیں،ایک سو بیس صحابہ سے ملاقات کی،خلافت فاروقی میں عمر فاروق کی شہادت سے چھ سال پہلے پیدا ہوئے،آپ کے والد صحابی ہیں،غزوہ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

۲؎ آپ صحابی ہیں،بیعت رضوان میں موجود تھے،کوفہ میں قیام رہا،۷۵ سال عمر ہوئی، ۵۱ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا۔

۳؎ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور کی احادیث کو پیش قیمت ہدیہ اور بے بہا اسلامی تحفہ سمجھتے تھے اور نعمت لَایَزَال سمجھ کر اسے سناتے تھے۔

۴؎ یعنی جب آیت کریمہ:"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" اتری تو ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ رب نے ہم کو صلوۃ و سلام کا حکم دیا ہمیں التحیات میں آپ کو سلام کرنا تو آگیا مگر صلوۃ کیسے عرض کریں۔خیال رہے کہ یہاں سلام سے مراد التحیات کا سلام ہے اسی لیے مسلم شریف نے اس حدیث کے لیے یہ باب مقرر کیا "بَابُ کَیْفِ الصَّلٰوۃِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تعالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الصَّلٰوۃِ " معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا تھا کہ ہم پر اور ہمارے اہل بیت پر درود بھیجو تب صحابہ نے یہ سوال کیا۔

۵؎ آل اہل سے بنا بمعنی والا جیسے "وَ اِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ " یا حضور کی بیویاں ہیں،قرآن کریم نے بیویوں کو اھل بیت فرمایا ہے" فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا یا حضور کی ساری اولاد ہے یعنی آپ کے چاروں بیٹے اور چاروں بیٹیاں اور تاقیامت فاطمہ زہرا کی نسل یا تمام بنی ہاشم جن پر زکوۃ لینا حرام ہے صحیح یہ ہے کہ حضور کی ساری ازواج اور اولاد آپ کی آل ہے۔اس کی تحقیق ہماری کتاب "شان حبیب الرحمان "اور "فہرست القرآن" دیکھو۔

۶؎ یہاں تشبیہ شہرت کی بنا پر ہے ورنہ حضور اور حضور کی صلوۃ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی صلوۃ سے افضل ہے،چونکہ ابراہیم علیہ السلام نے ہمارے حضور کے لیے دعائیں مانگیں"رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا"اس کے شکریئے میں ہم لوگ ہر نماز میں ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں دیتے ہیں۔

۷؎ یعنی جیسی عزت اور بزرگی ابراہیم علیہ السلام کو دی ایسی ہمارے حضور کو بھی دے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہزار ہا انبیاء ہوتے تو حضور کی اولاد میں لاکھوں اولیاء اللہ ہوں۔

۸؎ خیال رہے کہ یہ درود ابراہیمی ہے نماز میں صرف یہی پڑھا جائے گا اور درود نہیں مگر نماز کے علاوہ یہ درود غیر مکمل ہوگا کیونکہ اس میں سلام نہیں اور قرآن کریم نے صلوۃ و سلام دونوں کا حکم دیا لہذا خارج نماز وہ درود پڑھو جس میں صلوۃ و سلام دونوں ہوں،نماز میں چونکہ التحیات میں سلام آچکا ہے اس لیے یہاں سلام نہ آنا مضر نہیں ہے۔بعض لوگ اس حدیث کی بناء پر کہتے ہیں کہ درود ابراہیمی کے سوا اور کوئی درود جائز نہیں مگر یہ غلط ہے کیونکہ تمام صحابہ، محدثین،فقہاء یوں کہتے ہیں"قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "یہ درود ابراہیمی کے علاوہ ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابو حمید ساعدی سے فرماتے ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں ۱؎ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں کہو اے اللہ حضور محمد اور ان کی بیویوں اور انکی اولاد پر ویسی ہی |

| | |
|---|---|
| | رحمتیں بھیج جیسی آل ابراہیم پر بھیجیں اور حضور محمد اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد پر یوں ہی برکتیں نازل کر جیسے آل ابراہیم پر اتاریں تو حمد و بزرگی والا ہے ۲؎ (مسلم،بخاری) |

۱؎یہاں بھی سوال نماز کے بارے میں ہے جیسا کہ جواب سے ظاہر ہے درود ابراہیمی صرف نماز کے لیے ہے۔

۲؎یہ حدیث گزشتہ حدیث کی گویا تفسیر ہے اس نے بتایا کہ آل محمد میں حضور کی بیویاں اولاد سب داخل ہیں بیویاں اہل بیت سکونت ہیں اور اولاد اہل بیت ولادت قرآن کریم نے عمران کی بیوی حمنہ اور ان کی بیٹی حضرت مریم کو آل عمران فرمایا خیال رہے کہ ذریت ساری نسل کو کہا جاتا ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بیٹی کی اولاد ذریت نہیں سوائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کی بیٹی کی اولاد آپ کی ذریت ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے مجھ پر ایک بار درود پڑھا اس پر اللہ دس رحمتیں کرے گا۱؎(مسلم) |

۱؎اس حدیث کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہوتی ہے "مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا" اسلام میں ایک نیکی کا بدلہ کم از کم دس گناہ ہے۔خیال رہے کہ بندہ اپنی حیثیت کے لائق درود شریف پڑھتا ہے مگر رب تعالٰی اپنی شان کے لائق اس پر رحمتیں اتارتا ہے جو بندے کے خیال و گمان سے وراء ہے۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مجھ پر ایک درود پڑھے گا اللہ اس پر دس رحمتیں کرے گا اور اس کے دس گناہ معاف کیئے جائیں گے اور اس کے دس درجے بلند کئے جائیں گے۱؎(نسائی) |

۱؎یعنی ایک درود میں تین فائدے ہیں:دس رحمتیں،دس گناہوں کی معافی اور دس درجوں کی بلندی۔مبارک ہیں وہ لوگ جن کی زبان ہر وقت درود شریف سے ہلتی رہے،درود شریف ہردعا کی قبولیت کی شرط ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت میں مجھ سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو مجھ پر زیادہ درود پڑھے گا ۱؎ (ترمذی) |

۱؎قیامت میں سب سے آرام میں وہ ہوگا جو حضور کے ساتھ رہے اور حضور کی ہمراہی نصیب ہونے کا ذریعہ درود شریف کی کثرت ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ درود شریف بہترین نیکی ہے کہ تمام نیکیوں سے جنت ملتی ہے اور اس سے بزم جنت کے دولہا صَلَّی اللّٰہُ تعالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کے کچھ فرشتے زمین میں سیر و سیاحت کرتے ہیں جو میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں ۱؎(نسائی،دارمی) | |

۱؎یعنی ان فرشتوں کی یہی ڈیوٹی ہے کہ وہ آستانہ عالیہ تک امت کا سلام پہنچایا کریں۔یہاں چند باتیں قابل خیال ہیں:ایک یہ کہ فرشتے کے درود پہنچانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور بنفس نفیس ہر ایک کا درود نہ سنتے ہوں،حق یہ ہے کہ سرکار ہر دورو قریب کے درود خواں کا درود سنتے بھی ہیں اور درود خواں کی عزت افزائی کے لیے فرشتے بھی بارگاہِ عالی میں درود پہنچاتے ہیں تاکہ درود کی برکت سے ہم گنہگاروں کا نام آستانہ عالیہ میں فرشتہ کی زبان سے ادا ہو۔سلیمان علیہ السلام نے تین میل سے چیونٹی کی آواز سنی تو حضور ہم گنہگاروں کی فریاد کیوں نہ سنیں گے،دیکھو رب تعالٰی ہمارے اعمال دیکھتا ہے پھر بھی اسکی بارگاہ میں فرشتے اعمال پیش کرتے ہیں۔دوسرے یہ کہ یہ فرشتے ایسے تیز رفتار ہیں کہ ادھر امتی کے منہ سے درود نکالا ادھر انہوں نے سبز گنبد میں پیش کیا اگر کوئی ایک مجلس میں ہزار بار درود شریف پڑھیں تو یہ فرشتہ ان کے اور مدینہ طیبہ کے ہزار چکر لگائے گا یہ نہ ہوگا کہ دن بھر کے درود تھیلے میں جمع کرکے ڈاک کی طرح شام کو وہاں پہنچائے جیسا کہ اس زمانہ کے بعض جہلاء نے سمجھا۔تیسرے یہ کہ اللہ تعالٰی نے فرشتوں کو حضور انور کا خدام آستانہ بنایا ہے،حضور انور کا خدمت گار ان فرشتوں کا سا رتبہ رکھتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھ پر کوئی شخص سلام نہیں بھیجتا مگر اللہ مجھ پر میری روح لوٹاتا ہے حتی کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں ۱؎(ابوداؤد،بیہقی،دعوات کبیر) | |

۱؎یہاں روح سے مراد توجہ ہے نہ وہ جان جس سے زندگی قائم ہے حضور تو بحیات دائمی زندہ ہیں۔اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ میں ویسے تو بے جان رہتا ہوں کسی کے درود پڑھنے پر زندہ ہو کر جواب دیتا رہتا ہوں ورنہ ہر آن حضور پر لاکھوں درود پڑھے جاتے ہیں تو لازم آئے گا کہ ہر آن لاکھوں بار آپ کی روح نکلتی اور داخل ہوتی رہے۔خیال رہے کہ حضور ایک آن میں بے شمار درود خوانوں کی طرف یکساں توجہ رکھتے ہیں،سب کے سلام کا جواب دیتے ہیں جیسے سورج بیک وقت سارے عالم پر توجہ کرلیتا ہے ایسے آسمان نبوت کے سورج ایک وقت میں سب کا درود سلام سن بھی لیتے ہیں اور اس کا جواب بھی دیتے ہیں لیکن اس میں آپ کو کوئی تکلیف بھی محسوس نہیں ہوتی کیوں نہ ہو کہ مظہر ذات کبریا ہیں،رب تعالٰی بیک وقت سب کی دعائیں سنتا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اپنے گھر قبور نہ بناؤ۱اور میری قبر کو عید نہ بناؤ۲اور مجھ پر درود بھیجا کرو کہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے تم جہاں بھی ہو۳(نسائی) |

۱یعنی گھروں میں مردے دفن نہ کرو باہر جنگل میں دفن کرو اپنے گھر میں دفن ہونا حضور کی خصوصیت ہے یا اپنے گھروں کو قبرستان کی طرح اللہ کے ذکر سے خالی مت رکھوبلکہ فرائض مسجد وں میں ادا کرو اور نوافل گھر میں۔

۲یعنی جیسے عیدگاہ میں سال میں صرف دوبار جاتے ہیں ایسے میرے مزار پر نہ آؤ بلکہ اکثر حاضری دیا کرو یا جیسے عید کے دن کھیل کود کے لیے میلوں میں جاتے ہیں ایسے تم ہمارے روضہ پر بے ادبی سے نہ آیا کرو بلکہ باادب رہا کرو۔

۳مرقات نے یہاں فرمایا کہ ارواح قدسیہ بدن سے نکل کر ملائکہ کی طرح ہوجاتی ہیں کہ وہ سارے عالم کو کف دست کی طرح دیکھتی ہیں اوران کے لیے کوئی شے حجاب نہیں رہتی۔یہی مضمون کچھ فرق کے ساتھ اشعۃ اللمعات نے بھی بیان فرمایا لہذا اس حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ تم جہاں بھی ہو تمہارے درود کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے جب آج بجلی کی طاقت سے وارلیس اور ریڈیو کے ذریعے لاکھوں میل کی آواز سن لی جاتی ہے تو اگر طاقت نبوت سے درود کی آواز سن لی جائے تو کیا بعید ہے۔یعقوب علیہ اسلام نے صدہا میل سے پیراہن یوسف علیہ السلام کی خوشبو پائی،سلیمان علیہ السلام نے تین میل سے چیونٹی کی آواز سنی حالانکہ آج تک کوئی طاقت چیونٹی کی آواز نہ سنا سکی تو ہمارے حضور بھی درود خوانوں کی آواز ضرور سنتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر ہو اور مجھ پر درود نہ پڑھے۱اس کی ناک گرد آلود ہو جس پر رمضان آئے پھر اس کی بخشش سے پہلے گزر جائے اس کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے اس کے ماں باپ یا ان میں سے ایک بڑھاپا پائے اور اسے جنت میں نہ پہنچائیں ۲(ترمذی) |

۱یعنی ایسا مسلمان خوارو ذلیل ہوجائے جو میرا نام سن کر درود نہ پڑھے۔عربی میں اس بددعا سے مراد اظہار ناراضی ہوتاہے حقیقتًا بددعا مراد نہیں ہوتی،اس حدیث کی بناء پر بعض علماء نے فرمایا کہ ایک ہی مجلس میں اگر چند بار حضور کا نام شریف آوے تو ہر بار درود شریف پڑھنا واجب ہے،مگر یہ استدلال کچھ کمزورسا ہے کیونکہ رَغِمَ اَنفٌ ہلکا کلمہ ہے جس سے درود کا استحباب ثابت ہو سکتا ہے نہ کہ وجوب۔مطلب یہ ہے کہ جو بلا محنت دس رحمتیں،دس درجے،دس معافیاں حاصل نہ کرے بڑا بیوقوف ہے۔

۲؎ یعنی وہ مسلماں بھی ذلیل و خوار ہوجائے جو رمضان کا مہینہ پائے اور اسکا احترام اوراس میں عبادات کرکے گناہ نہ بخشوائے،یونہی وہ بھی خوار ہوجس نے جوانی میں ماں باپ کا بڑھاپا پایا پھر ان کی خدمت کرکے جنتی نہ ہوا۔بڑھاپے کا ذکر اس لیے فرمایا کہ بڑھاپے میں اولاد کی خدمت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور اس وقت کی دعا اولادکا بیڑا پار کردیتی ہے۔خیال رہے کہ یہ تینوں چیزیں مسلمانوں کے لیے مفید ہیں،کافر کسی نیکی سے جنتی نہیں ہوسکتا،ہاں بعض نیکیوں کی وجہ سے اسے ایمان لانے کی توفیق مل جاتی ہے اور بعض کی برکت سے اس کا عذاب ہلکا ہوجاتا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوطلحہ سے ۱؎ کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور خوشی آپ کے چہرے انور میں تھی فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل آئے عرض کیا کہ آپ کا رب فرماتا ہے اے محمد کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہارا کوئی امتی تم پر ایک بار درود نہ بھیجے مگر میں اس پر دس رحمتیں کروں اور آپ کا کوئی امتی آپ پر سلام نہ بھیجے مگر میں اس پر دس سلام بھیجوں ۲؎ (نسائی،دارمی) ۳؎ |

۱؎ آپ کا نام سہل ابن زید ہے،حضرت انس کے سوتیلے والد ہیں،آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے۔
۲؎ رب کے سلام بھیجنے سے مراد یا تو بذریعہ ملائکہ اسے سلام کہلواتا ہے یا آفتوں اور مصیبتوں سے سلامت رکھنا۔حضور کو یہ خوشخبری اس لیے دی گئی کہ آپ کو اپنی امت کی راحت سے بہت خوشی ہوتی ہے جیسے کہ اپنی امت کی تکلیف سے غم ہوتا ہے یہ حدیث اس آیت کی مؤید ہے "وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى"۔
۳؎ اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں،حاکم نے مستدرک میں، ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور احمد نے بھی روایت کیا،روایت حاکم کے اخیر میں ہے کہ اس پر میں نے سجدۂ شکر ادا کیا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں آپ پر بہت درود پڑھتا ہوں تو درود کتنا مقرر کروں ۱؎ فرمایا جتنا چاہو، میں نے کہا چہارم فرمایا جتنا چاہو اگر درود بڑھا دو تو تمہارے لیے بہتر ہے میں نے کہا آدھا فرمایا جتنا چاہو اگر درود بڑھا دو تو تمہارے لیے بہتر ہے میں نے کہا دو تہائی تو فرمایا جتنا چاہو لیکن اگر درود بڑھا دو تو تمہارے لیے بہتر ہے ۲؎ میں نے کہا میں سارا درود وہی پڑھوں گا ۳؎ فرمایا تب تو تمہارے غموں کو کافی ہوگا اور تمہارے گناہ مٹا دے گا ۴؎ (ترمذی) |

۱؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں صلوۃ سے مراد دعائیں ہیں۔ منشاء سوال یہ ہے کہ میرے لیے حد مقرر فرمادی جائے کہ اپنے تمام درود وظیفوں میں درود کتنا پڑھوں اور باقی ذکر اذکار دعائیں کتنی۔

۲؎ یعنی زیادتی درود نفل ہے نفل میں معین کرنے کا حق بندے کو ہوتا ہے،راوی کے چہارم یا نصف فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ تمام درود وظیفوں کا تہائی یا آدھا درود پڑھوں باقی میں سارے وظیفے،جواب ملا کر درود جتنا بڑھا اتنا ہی بہتر ہے۔

۳؎ یعنی سارے درود وظیفے دعائیں چھوڑ دوں گا سب کی بجائے درود ہی پڑھوں گا کیونکہ اپنے لیے دعائیں مانگنے سے بہتر یہ ہے کہ ہر وقت آپ کو دعائیں دیا کروں۔

۴؎ یعنی اگر تم نے ایسا کرلیا تو تمہاری دین و دنیا دونوں سنبھل جائیں گی، دنیا مین رنج و غم دفع ہوں گی،آخرت میں گناہوں کی معافی ہوگی۔اسی بنا پر علما فرماتے ہیں کہ جو تمام دعائیں وظیفے چھوڑ کر ہمیشہ کثرت سے درود شریف پڑھا کرے تو اسے بغیر مانگے سب کچھ ملے گا اور دین و دنیا کی مشکلیں خود بخود حل ہوں گی۔ ان احادیث سے پتہ لگا کہ حضور پر درود پڑھنا درحقیقت رب سے اپنے لیے بھیک مانگنا ہے،ہمارے بھکاری ہمارے بچوں کو دعائیں دے کر ہم سے مانگتے ہیں ہم رب کے بھکاری ہیں اس کے حبیب کو دعائیں دے کر اس سے بھیک مانگیں ہمارے درود سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھلا نہیں ہوتا بلکہ ہمارا اپنا بھلا ہوتا ہے،اس تقریر سے چکڑالویوں کا وہ اعتراض بھی اٹھ گیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر وقت رحمتوں کی بارش ہورہی ہے تو ان کے لیے دعائے رحمت کرنے سے فائدہ کیا؟ شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ مجھے عبدالوہاب متقی جب بھی مدینہ سے وداع کرتے تو فرماتے کہ سفر حج میں فرائض کے بعد درود سے بڑھ کر کوئی دعا نہیں اپنے سارے اوقات درود میں گھیرو اور اپنے کو درود کے رنگ میں رنگ لو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت فضالہ ابن عبید سے۱؎ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی آیا اس نے نماز پڑھی پھر کہا الٰہی مجھے بخش دے اور رحم کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے نمازی تو نے جلدی کی جب تو نماز پڑھ کر بیٹھے تو اللہ کی حمد کر جس کے وہ لائق ہے اور مجھ پر درود بھیج پھر دعا کر۲؎ فرماتے ہیں اس کے بعد دوسرے شخص نے نماز پڑھی پھر اللہ کی حمد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا تو فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے نمازی مانگ قبول ہوگی ۳؎ ترمذی،ابوداؤد،نسائی نے اس کی مثل روایت کی ۴؎ |

۱؎ آپ صحابی،انصاری،اوسی ہیں،کنیت ابو محمد ہے،غزوہ احد و خیبر میں حاضر رہے، بیعت رضوان میں شریک تھے، دمشق میں قیام رہا، امیر معاویہ کی طرف سے وہاں کے قاضی رہے،۵۳ھ میں وہیں وفات پائی۔

۲؎کیونکہ رب دینے والا ہے اور اس کے حبیب دلوانے والے اور بانٹنے والے یا یوں کہو کہ رب سے مانگنا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے مانگنا ہے لہذا حمد و صلوۃ کے بعد مانگو۔
۳؎اس سے معلوم ہوا کہ کوئی دعا بغیر حمد صلوۃ قبول نہیں ہوتی یہ دونوں قبول دعا کی شرطیں ہیں۔
۴؎ایسے ہی اسے ابن خزیمہ حاکم اور ابن حبان نے نقل کیا ترمذی نے اسے صحیح کہا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر آپ کے ساتھ تھے۱؎جب میں بیٹھا تو اللہ کی حمد سے ابتداء کی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پھر میں نے اپنے لیے دعا کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مانگ لے دیا جائے گا مانگ لے دیا جائے گا۲؎(ترمذی) |

۱؎یعنی یہ حضرات نماز سے فارغ ہو کر مسجد میں ہی تشریف فرما تھے میں نوافل وغیرہ پڑھ رہا تھا کیونکہ حضرت ابن مسعود علیحدہ فرض نہیں پڑھتے تھے جماعت سے پڑھتے تھے۔معلوم ہوا کہ نماز کے بعد مسجد میں کچھ ٹھہرنا سنت ہے۔
۲؎اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ نماز کے بعد دعا مانگنا سنت ہے۔دوسرے یہ کہ دعا میں ترتیب یہ چاہیے کہ پہلے حمد الٰہی کرے پھر درود شریف پڑھے پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہے جیسا کہ بعض روایات میں ہے پھر دعا مانگے۔ شامی نے فرمایا کہ دوران دعا میں بار بار درود شریف پڑھتا رہے درودوں سے بھری ہوئی دعا ان شاءاللہ رد نہیں ہوتی۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے پسند ہو کہ اس کو پوری ناپ ملے۱؎تو جب ہم اہل بیت پر درود پڑھے تو کہے الٰہی اُمی نبی حضور محمد پر ۲؎اور مسلمانوں کی ماؤں یعنی حضور کی بیویوں پراور ان کی اولاد پر اور اہل بیت پر۳؎رحمت بھیج جیسے آل ابراہیم پر تو نے رحمت بھیجی ۴؎تو حمد و بزرگی والا ہے۔(ابوداؤد) |

۱؎یعنی درود کا پورا ثواب ملےاور دعا پورے طور پر قبول ہو،نیز ہر مراد حاصل ہو۔
۲؎حضور نبی بھی ہیں اور امی بھی۔نبی کے معنی ہیں غیب کی خبر دینے والا یا امت کی خبر رکھنے والا یا بے کسوں کی خبر لینے والا یا بڑی شان والا۔یہ لفظ نَبَاءٌ سے بنایا نَبُوَّةٌ سے۔شریعت میں نبی وہ انسان ہے جس پر وحی کی جائے

تبلیغ کا حکم ہو یا نہ ہو رسول وہ ہیں جن پر وحی بھی ہو اور تبلیغ کا حکم بھی۔امّی ام کی طرف منسوب ہے بمعنی ماں یا اصل حضور کے امی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ آپ اُمُّ القُریٰ یعنی مکہ معظّمہ کے رہنے والے ہیں،مکہ معظّمہ ساری زمین کی اصل ہے لہٰذا اُمُّ القُریٰ کہلاتا ہے یا یہ کہ آپ بغیر کسی سے سیکھے شکم مادر سے عالم عارف باللہ پیدا ہوئے یا یہ کہ آپ ام الکتاب یعنی لوح محفوظ کے عالم و حافظ ہیں،آپ بڑی شاندار ماں کے فرزند ہیں کہ آمنہ خاتون جیسی ماں نہ کوئی ہوئی نہ ہو رضی اللہ عنہا۔سیدنا آمنہ خاتون کے فضائل ہماری کتاب تفسیر نعیمی جلد اول میں دیکھو۔

۳؎ یہ عطف تفسیری ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کی بیویاں اور اولاد ہی تو اہل بیت ہیں،حضور علیہ السلام کی ساری بیویاں عزت و احترام اور نکاح کی حرمت کے لحاظ سے مسلمانوں کی مائیں ہیں اگرچہ ان سے پردہ واجب،ان کی میراث کا استحقاق نہیں،ان کی اولاد سے امت کا نکاح جائز یعنی وہ بہنیں نہیں۔

۴؎ آل ابراہیم میں حضور بھی داخل ہیں لہٰذا اس کلمے میں بھی حضور پر درود ہوا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا کنجوس وہ ہے جس کے پاس میرا ذکر ہو وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۱؎ (ترمذی) احمد نے حسین ابن علی سے روایت کی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے ۲؎ | |

۱؎ کیونکہ درود میں کچھ خرچ تو ہوتا نہیں اور ثواب بہت مل جاتا ہے اس ثواب سے محرومی بڑی ہی بدنصیبی ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب بھی حضور کا نام سنے یا پڑھے تو دورد شریف ضرور پڑھے کہ یہ مستحب ہے۔

۲؎ یعنی چنداسنادوں سے مروی ہے۔بعض اسناد میں حسن ہے،بعض میں صحیح،بعض میں غریب۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھے گا میں سنوں گا اور جو دور سے مجھ پر درود پڑھے گا مجھے پہنچایا جائے گا۱؎(بیہقی، شعب الایمان) | |

۱؎ یعنی روضہ اطہر پر درود پڑھنے والے کا درود بلا واسطہ سنتا ہوں اور دور سے پڑھنے والے کا درود سنتا بھی ہوں اور پہنچایا بھی جاتا ہوں کیونکہ یہاں دور کا درود سننے کی نفی نہیں۔صوفیا فرماتے ہیں کہ محبت والا درود خواں دور بھی ہو تو روضہ پاک سے قریب ہے اور محبت سے خالی قریب بھی ہو تب بھی دور،ان کے ہاں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دلی قرب والوں کا درود میں خود محبت سے سنتا ہوں خشکوں کا درود فرشتے ڈیوٹی ادا کرنے کے لیے پہنچاتو دیتے ہیں مگر میں توجہ سے سنتا نہیں،اس ہی مضمون کی ایک حدیث دلائل الخیرات شریف کے مقدمہ میں ہے جس میں فرمایا "اَسۡمَعُ صَلٰوۃَ اَھۡلِ مَحَبَّتِیۡ" الخ۔اس صورت میں حدیث بالکل ظاہر ہے ورنہ جو محبوب ہزار ہا من مٹی کے حجاب سے درودسن لے وہ دور سے درود کیوں نہ سنے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار درود پڑھے گا تو اس پر اللہ اور فرشتے ستر بار درود بھیجیں گے (احمد)۱ |

۱یہاں جمعہ کے دن کا درود مراد ہے کیونکہ جمعہ کی ایک نیکی ستر کے برابر ہوتی ہے اسی لیے جمعہ کا حج حج اکبر کہلاتا ہے اور اس کا ثواب ستر ۷۰ حج کا،دیگر احادیث میں اور دونوں کے درود کا ذکر ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں،یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ اس میں قیاس کو دخل نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت رویفع سے۱کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو حضور محمد پر درود پڑھے اور کہے الٰہی انہیں قیامت کے دن اپنی قریب ٹھکانے میں اتار۲تو اس کے لیے میری شفاعت ضروری ہوگئی (احمد) |

۱آپ کا نام رویفع ابن ثابت انصاری ہے،آپ کو امیر معاویہ نے طرابلس کا حاکم بنایا اور آپ نے افریقہ پر ۴۷ھ میں جہاد کیا اور آپ ۵۶ھ مقام رقہ میں فوت ہوئے۔

۲اس ٹھکانے سے مراد یا تو مقام محمود ہے جو عرش کے دائیں جانب ہے جہاں حضور جلوہ گر ہوں گے اور تمام عالم آپ کی حمد کرے گا یا مقام وسیلہ ہے جو جنت میں اعلیٰ مقام ہے یہ،دونوں مقام حضور پرنور شافع یوم النشور کے لیے نامزد ہوچکے ہیں اب حضور علیہ السلام کے لیے ان کی دعا کرنا حقیقۃً اپنے لیے رب سے دعا ہے کہ ہمیں حضور علیہ السلام کی شفاعت کا حق دار بنا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف سے فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے حتی کہ ایک باغ میں پہنچے تو بہت دراز سجدہ کیا۱حتی کہ مجھے خوف ہوا کہ اللہ تعالٰی نے آپ کو وفات دے دی ہو فرماتے ہیں میں آکر دیکھنے لگا تو آپ نے سر اٹھایا فرمایا کیا ہے تو میں نے یہ عرض کیا۲تب فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ میں آپ کو یہ خوشخبری نہ دوں کہ اللہ آپ سے فرماتا ہے جو آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر رحمت کروں گا اور جو آپ پر سلام کہے گا میں اس پر سلام بھیجوں گا۳(احمد) |

۱سجدے سے مراد یا نفل کا سجدہ ہے یا علیحدہ مستقل سجدہ۔دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

۲؎یعنی اپنے دل کا خدشہ،خیال رہے کہ انبیائے کرام کے لیے ایسی حالت میں‌وفات پاجانا اور سجدہ میں ٹھہرا رہنا گر نہ جانا باعث تعجب نہیں سلیمان علیہ السلام کی وفات نماز کے قیام میں ہوئی اور ایک لاٹھی کے سہارے آپ چھ ماہ یا ایک سال کھڑے رہے لہذا ان صحابی کے اس خیال پر کوئی اعتراض نہیں۔
۳؎غالب یہ ہے کہ رب کی رحمت بھیجنے سے مراد دس رحمتیں ہیں،اس کے سلام سے مراد دس سلام جیسا کہ پچھلی احادیث میں گزرا وہ احادیث اس کی شرح ہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ دعا آسمان اور زمین کے درمیان ٹھہری رہتی ہے اس سے کوئی چیز نہیں چڑھتی حتی کہ تم اپنے نبی پر درود بھیجو ۱؎(ترمذی) | |

۱؎حضرت عمرکا یہ قول اپنی رائے سے نہیں بلکہ حضور علیہ‌السلام سے سن کر ہے کیونکہ یہ باتیں صرف رائے سے نہیں کہی جاتیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ درود دعا کی قبولیت بلکہ بارگاہِ الہی میں پیش ہونے کا ذریعہ ہے۔شعر

مور مسکین ہو سی داشت کہ درکعبہ رسید　　　دست درپائے کبوتر زودناگاہ رسید

چیونٹی اگر کعبہ کا طواف چاہے تو کبوتر کے پاؤں سے لپٹے۔دعا اگر قرب الٰہی کا طواف چاہے تو حضور علیہ السلام کے قدم سے لپٹے۔

## باب الدعاء فی التشھد

## التحیات میں دعا کا باب۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱یعنی التحیات کے بعد آخر نماز میں دعا کیا مانگے اور نماز سے فارغ کیونکر ہو یہ دعا سنت ہے لیکن ایسی مانگی جائے جو لوگوں کے کلام کے مشابہ نہ ہو۔بہتر یہ ہے کہ دعا ماثورہ مانگے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ سے منقول ہو جامع الدعاء بہت بہتر ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دعا مانگتے تھے کہتے تھے الہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے۱اور تیری پناہ مانگتا ہوں مسیح دجال کے فتنہ سے۲اور تیری پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کے فتنوں سے ۳الہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں گناہ اور قرض سے ۴کسی نے عرض کیا ۵حضور قرض سے اتنی زیادہ پناہ مانگتے ہیں تو فرمایا کہ آدمی جب مقروض ہوتا ہے بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو خلاف کرتا ہے۶(مسلم،بخاری) |

۱عذاب قبر کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہے معتزلی فرقہ اس کا منکر ہے یہ حدیث ان کی پوری تردید ہے عذاب قبر میں وہاں کی وحشت،دہشت،تنگی گرمی سبھی داخل ہیں اللہ سب سے بچائے۔

۲دجال دَجْلٌ سے بنا،بمعنی فریب،دجال فریبی اور مکار،مسیح یا مَسْحٌ سے ہے یا مساحۃٌ،سے مَسْحٌ چھونا،مساحۃٌ ناپنا یا سیر کرنا،چونکہ دجال کی ایک آنکھ ممسوح یعنی پونچھی ہوئی ہے یا چونکہ وہ سوائے حرمین شریفین کے باقی ساری دنیا کی سیر کرے گا لہذا اسے مسیح کہا جاتا ہے۔خیال رہے کہ عیسی علیہ السلام کو مسیح اس لیے کہتے ہیں کہ آپ مردے کو چھو کر زندہ کرتے اور بیمار کو چھو کر تندرست یا اس لیے کہ آپ نے کہیں گھر نہ بنایا ہمیشہ سفر میں رہے۔مسیح دجال کی پوری تحقیق ان شاءاللہ دجال کے باب میں کی جائے گی۔

۳؎ سبحان اللہ! کیسا جامع کلمہ ہے،کفر،گمراہی،گناہ وہ آفتیں جو رب سے غافل کردیں وہ مال،اولاد، سلطنت جو سرکش کردے سب زندگی کے فتنہ ہیں،موت کے وقت شیطانی وسوسے،منکر و نکیر کے سوالات میں ناکامی یہ سب موت کے فتنے ہیں۔

۴؎گناہ سے مراد چھوٹے بڑے سارے گناہ اور گناہوں کے اسباب ہیں۔قرض سے مراد وہ قرض ہے جو گناہ کے لیے لیاجائے یا وہ جو مقروض پر بوجھ بنے اور اس کے ادا ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آئے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادتوں کے لیے قرض لیا اور صدیق اکبر نے آپ کی وفات کے بعد سارا چھوڑا ہوا قرض ادا کردیا لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب حضور علیہ السلام یہ دعا مانگتے تھے تو آپ پر قرض کیوں ہوتا تھا۔

۵؎یہ عرض کرنے والی خود حضرت عائشہ صدیقہ تھیں جیسا کہ نسائی شریف میں ہے۔(مرقاۃ)

۶؎یعنی قرض بہت سے گناہوں کا ذریعہ ہے عمومًا مقروض قرض خواہ کے تقاضے کے وقت جھوٹ بھی بولتے ہیں کہ گھر میں چھپ کر کہلوادیتا ہے کہ وہ گھر پر نہیں اور اگر پکڑے گئے تو کہہ دیا ہمارا مال آنے والاہے جلدی دیں گے،وعدہ خلافی بھی کرتے ہیں کہ کل لے جانا مگر دیتے نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں سے کوئی جب دوسری التحیات سے فارغ ہو۱؎تو چار چیزوں سے پناہ مانگے دوزخ اور قبر کے عذاب سے زندگی اور موت کے فتنوں سے مسیح دجال کی شرارت سے ۲؎(مسلم) |

۱؎ اور درود ابراہیمی پڑھ چکے۔اس سے معلوم ہوا کہ نماز نفل ہو یا فرض دعا اس کے آخری قعدے میں ہی مانگی جائے گی ہاں نفل میں دونوں درود ابراہیمی دونوں قعدوں میں پڑھے جائیں گے۔

۲؎خیال رہے کہ بڑا دجال تو ایک ہی ہے جو قریب قیامت ظاہر ہوگا اور عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ماراجائے گا مگر چھوٹے دجال بہت ہیں جو ہر زمانے میں رہتے ہیں ہر گمراہ کن دجال ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں یہ دعا ایسے سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورۃ سکھاتے تھے فرماتے تھے کہو اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں دوزخ کے عذاب سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں مسیح الدجال کے فتنہ سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کی فتنہ سے ۱؎(مسلم) |

۱؎یہ تمام دعائیں امت کی تعلیم کے لیے ہیں ورنہ انبیائے کرام عذاب قبر تو کیا حساب قبر سے بھی محفوظ ہیں،اسی طرح جو ان کے دامن میں آجائے وہ زندگی اور موت کے فتنوں سے محفوظ ہوجاتا ہے،آپ کے نام کی برکت سے

لوگوں کو دجال کے فتنوں سے امن ملے گی جہاں کہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں فلاں چیز سے تیری پناہ مانگتا ہوں وہاں امت کے لیے پناہ مراد ہے۔(مرقات وغیرہ)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے کوئی ایسی دعا سکھایئے جو اپنی نماز میں مانگا کروں ۱؎ فرمایا کہو الٰہی میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا ۲؎ اور تیرے سوا گناہ کوئی نہیں بخش سکتا ۳؎ تو اپنی طرف سے میری بخشش کر مجھ پر رحم کر تو بخشنے والا مہربان ہے۔(مسلم،بخاری) |

۱؎ یعنی نماز کے آخر میں التحیات و درودوں سے فارغ ہوکر کیونکہ اس کے علاوہ نماز میں اور کوئی وقت دعا کا نہیں۔ظاہر یہ ہے کہ نماز سے نفل نماز مراد ہے اگر فرائض میں بھی کبھی کبھی یہ دعائیں مانگے تو بہتر ہے۔

۲؎ صدیق اکبر سے یہ الفاظ کہلوانا یا آدم علیہ السلام کا کہنا "رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا" یا یونس علیہ السلام کا عرض کرنا "اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ" انتہائی درجہ کا انکسار نفس ہے۔یہاں ظلم کے وہ معنی کیے جائیں جو ان کی شان کے لائق ہوں،کافر کا ظلم کفر ہے،ہمارا ظلم گناہ،اولیاء اور انبیاء کا ظلم لغزشیں اور خطائیں۔جو شخص ان کلمات کو سن کر ان کی شان میں گستاخی کرے وہ بے دین ہے۔بعض صوفیاء کو فرماتے ہوئے سنا گیا کہ کبھی جھوٹ محبوبیت کا ذریعہ بن جاتا ہے اور سچ مردودیت کا سبب،شیطان نے سچ کہا تھا کہ خدایا تو نے مجھے گمراہ کیا،ھادی و مضلّ رب ہی ہے مگر اس سچ سے شیطان مارا گیا،وہ محبوب بندے جو گناہ کے قریب بھی نہ گئے ان کا یہ عرض کرنا کہ خدایا ہم بڑے گنہگار ہیں ہے جھوٹ مگر تقرب کا ذریعہ حضرت صدیق اکبر نے کبھی گناہ کا ارادہ بھی نہیں کیا۔

۳؎ خیال رہے کہ حقوق العباد بندہ بخشتا ہے مگر گناہ صرف رب ہی بخش سکتا ہے،جہاں انبیائے کرام فرمادیتے ہیں کہ جا تیرے سارے گناہ معاف۔وہ رب کی طرف سے کہتے ہیں زبان ان کی ہوتی ہے کلام رب کا لہذا اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عامر بن سعد سے وہ اپنے والد سے ۱؎ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا کہ آپ دائیں بائیں سلام پھیرتے تھے حتی کہ آپ کے رخسار کی سفیدی میں دیکھ لیتا ۲؎ (مسلم) |

۱؎ آپ کے والد سعد ابن ابی وقاص ہیں،جلیل القدر صحابی،خود عامر تابعی ہیں جنہوں نے اپنے والد،عثمان غنی،عائشہ صدیقہ سے روایات لیں۔

۲؎ یعنی آپ سلام میں اس قدر چہرہ انور پھیرتے تھے کہ پیچھے والے صحابہ دونوں رخساروں کی سفیدی دیکھ لیتے دائیں والے داہنے کی اور بائیں والے بائیں کی۔بعض روایات میں بَیَاضَ خَدَّیۡہِ ہے دونوں میں کوئی اختلاف نہیں دونوں

رخسار دیکھنا اور حالت میں تھا اور ایک دیکھنا اور حالت میں۔معلوم ہوا کہ صحابہ کرام عین نمازمیں اور نماز سے نکلتے وقت حضور علیہ السلام کو دیکھا کرتے تھے۔شعر

کاش کہ اندر نمازم جاشود پہلوئے تو　　　　تا بتقریب سلام افتد نظر برروئے تو

اسی لیے صوفیا فرماتے ہیں کہ ان صحابہ کی سی نماز کسی کو میسر نہیں ہوسکتی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ لیتے تو ہم پر اپنے چہرہ سے متوجہ ہوتے ۱؎(بخاری) |

۱؎اس طرح کہ سلام کے بعد کبھی داہنی طرف پھیرتے کبھی بائیں طرف،کبھی قبلہ کو پشت کرکے مقتدیوں کی جانب رخ فرمالیتے،یہ لفظ تینوں حالتوں کو شامل ہے لیکن یہ حال بھی دائمی نہ تھا بلکہ اکثری ورنہ کبھی سرکار قبلہ رو بیٹھ کر ہی دعا مانگتے تھے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب پھرتے تھے۱؎ |

۱؎یعنی اکثر اوقات سلام پھیر کر دعا کے لیے داہنی جانب رخ فرماتے تھے۔اس لیئے فقہاء فرماتے ہیں کہ امام دعا کے وقت ہر طرف پھر سکتا ہے مگر داہنی طرف پھرنا بہتر کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو داہنی جانب محبوب تھی۔(از مرقاۃ)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی اپنی نماز سے شیطان کا حصہ نہ بنائے یہ سمجھے کہ اس پر واجب ہے کہ ہمیشہ دائیں جانب ہی پھرا کرے ۱؎میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دفعہ بائیں جانب پھرتے دیکھا ۲؎(مسلم،بخاری) |

۱؎یعنی یہ اعتقاد رکھنا کہ نماز کے بعد امام پر داہنی جانب پھرکر بیٹھنا واجب ہے اور بائیں طرف پھرنا جائز ہی نہیں غلط عقیدہ ہے،ایسا سمجھنے والا اپنی عبادتوں میں شیطان کا حصہ رکھ رہا ہے کیونکہ غلط عقیدہ رکھ کر نماز پڑھنا نماز کے نقصان کا باعث ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ غیر ضروری چیز کو فرض سمجھنا یونہی مباح کو حرام جاننا فساد عقیدہ ہے۔اسی حدیث میں اشارۃً فرمایا کہ اگر کوئی امام ہمیشہ داہنی جانب پھرے لیکن اسے واجب نہ سمجھے تو کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ یَرَی سے معلوم ہوا،لہذا میلاد شریف یا گیارھویں مستحب جان کر ہمیشہ کرنا ناجائز نہیں، واجب سمجھنا اور ہے اور کسی کام کو ہمیشہ کرنا کچھ اور ہم ہمیشہ جمعہ کو غسل اور لباس تبدیل کرتے ہیں ہمیشہ رمضان میں دینی مدارس کی چھٹیاں کرتے ہیں مگر واجب نہیں جانتے، کوئی مضائقہ نہیں۔سرکار فرماتے ہیں کہ بہتر کام وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے۔

۲؎یہ بہت اضافی نہیں بلکہ حقیقی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر داہنی جانب پھرتے تھے کم بائیں جانب جیسا کہ اگلی حدیث میں ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں کہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تو آپ کی دائیں جانب ہونا پسند کرتے تھے تاکہ آپ ہم پر اپنے چہرے سے متوجہ ہوں۱فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کو یہ کہتے سنایارب مجھے عذاب سے بچا جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا یا جمع کرے گا ۲(مسلم) |

۱اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور علیہ السلام اکثر داہنی جانب منہ کرکے دعا مانگتے تھے۔دوسرے یہ کہ حضور کا چہرہ پاک دیکھنا بہترین عبادت ہے کہ صحابہ کرام محض اس لیے صف کی داہنی جانب پسند کرتے تھے تاکہ بعد نماز دیداریار نصیب ہو،علماء فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی شریف میں صف کا بایاں حصہ افضل ہے کیونکہ روضہ اطہر سے قریب ہے یہ باتیں وہ جانے جسے اس محبوب سے دلی لگاؤ ہو۔

۲یہ دعا امت کی تعلیم کے لیے،ورنہ ہم جیسے گنہگار ان شاءاللہ حضور علیہ السلام کی برکت سے عذاب سے نجات پائیں گے حضور علیہ السلام کو عذاب سے کیا تعلق۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں جب فرائض سے سلام پھیرتیں تو کھڑی ہوجاتیں۱اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والے مرد جب تک رب چاہتا بیٹھے رہتے ۲جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے تو مرد بھی کھڑے ہو جاتے(بخاری)اور ہم جابر ابن سمرہ کی حدیث ہنسی کے باب میں ذکر کریں گے ۳ان شاءاللہ تعالٰی۔ |

۱اور فورًا گھر لوٹ آتیں تاکہ عورتیں اور مرد مخلوط نہ ہوجائیں،سنتیں اور نوافل گھر آکر پڑھتیں غالب یہ ہے کہ دعاسے پہلے اٹھ جاتیں۔

۲دعا سنتوں اور نوافل کے لیے اور نماز فجر میں اشراق تک۔اس سے معلوم ہوا کہ بہتر یہ ہے کہ مقتدی امام سے پہلے مسجد سے نہ جائیں۔

۳یعنی مصابیح میں وہ حدیث یہاں تھی جس میں ذکر ہے کہ ہم سب فجر کے بعد سورج نکلنے تک بیٹھتے تھے اور زمانہ جاہلیت کی باتیں یاد کرکے ہنسا کرتے تھے مگر ہم یہ حدیث باب الضحك میں لائیں گے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا فرمایا اے معاذ میں تم سے محبت کرتا ہوں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں بھی آپ سے محبت کرتا ہوں۱فرمایا کہ تو ہر نماز کے بعد یہ کہنا نہ چھوڑنا کہ یارب اپنے ذکر اپنے شکر اور اپنی اچھی عبادت پر میری مدد کر۲(ابوداؤد،نسائی) مگر ابوداؤد نے یہ ذکر نہ کیا کہ معاذ نے کہا میں محبت کرتا ہوں آپ سے۔ |

۱اس سے معلوم ہوا کہ جس سے محبت ہواسے خبر دے دے جیسا کہ بعض احادیث میں صراحتًا آیا ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے دلی حالات اور محبت وعدوات سے بے خبر نہیں۔حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں جنہیں پتھر کے دل کا حال معلوم ہے کیا انہیں انسانوں کے دل کا حال معلوم نہ ہوگا۔

۲یہ دعا غالبًا سلام سے پہلے نماز کے اندر مانگی جائے اسی لیے صاحب مشکوۃ اس باب میں یہ حدیث لائے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دائیں جانب یوں سلام پھیرتے السلام علیکم ورحمۃ اللہ حتی کہ آپ کے دائیں رخسار کی سفیدی دیکھی جاتی تھی اور اپنی بائیں جانب یوں کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ حتی کہ آپ کے بائیں رخسار کی سفیدی دیکھی جاتی ۱(ابوداؤد،ترمذی،نسائی)ترمذی نے یہ ذکر نہ کیا کہ آپ کے رخسار کی سفیدی دیکھی جاتی ابن ماجہ نے عمار ابن یاسر سے روایت کیا۔ |

۱یہ حدیث حنفیوں کی دلیل ہے کہ نماز کے سلام میں وَبَرَكَاتُهٗ نہ بڑھائے،بعض شوافع وَبَرَكَاتُهٗ بھی کہتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی نماز سے زیادہ پھرنا بائیں طرف اپنے حجرے کی جانب ہوتا ۱(شرح سنہ) |

۱؎ یہ حدیث سوائے شرح سنہ کے اورکسی کتاب میں نہیں۔(مرقاۃ)اگر یہ حدیث صحیح ہے تو یہاں اضافی اکثریت مراد نہیں۔مطلب یہ ہے کہ جب حضور کو نماز کے بعد فورًا حجرے میں تشریف لے جانا ہوتاتو ادھر رخ کرکے دعا مانگتے تاکہ جانے میں آسانی ہو۔(از مرقاۃ)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عطاء خراسانی سے۱؎ وہ حضرت مغیرہ سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ امام وہاں نماز نہ پڑھے جہاں فرض پڑھے ہیں حتی کہ کچھ ہٹ جائے ۲؎(ابوداؤد)اور فرمایا کہ عطاء خراسانی نے مغیرہ کو نہ پایا ۳؎ |

۱؎ آپ تابعی ہیں،بلخی ہیں، ۵۰ھ؁ میں پیدا ہوئے اور ایک سو پینتیس[۱۳۵] میں وفات پائی۔ ابو حاتم کہتے ہیں آپ ثقہ تھے۔

۲؎ یہ حکم امام اور مقتدیوں دونوں کے لیے ہے کہ جہاں جماعت سے فرض پڑھے وہاں سے کچھ ہٹ کر سنتیں وغیرہ پڑھے مگر چونکہ زیادہ بھیڑ میں مقتدی نہیں ہٹ سکتے اس لیے صرف امام کا ذکر فرمایا گیا۔یہ حکم استحبابی ہے تاکہ چند جگہ عبادت ہو اور وہ مقامات قیامت میں اس کی گواہی دیں،نیز آنے والے کو دھوکہ نہ لگے کہ ابھی فرض ہورہے ہیں۔

۳؎ کیونکہ حضرت مغیرہ عطاء خراسانی کی ولادت کے سال فوت ہوگئے یعنی ۵۰ھ؁ میں لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز کی رغبت دی اور اس سے منع کیا کہ آپ کے نماز سے فراغت سے پہلے وہ چلے جائیں۱؎(ابوداؤد) |

۱؎ معلوم ہوا ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ دعا میں شریک رہیں بلاوجہ امام سے پہلے مسجد سے نہ چلے جائیں،نیز امام کے سلام سے پہلے مسبوق کا کھڑا ہوجانا حرام ہے۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت شداد ابن اوس سے۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یوں فرماتے تھے الٰہی میں تجھ سے دین میں استقامت اور ہدایت پر مضبوطی مانگتا ہوں ۲؎ اور تجھ سے تیری نعمت کا شکر اور تیری اچھی عبادت مانگتا ہوں اور تجھ سے سلامت دل اور سچی زبان مانگتا ہوں۳؎ اور تجھ سے وہ خیر مانگتا ہوں جو تو جانتا ہے |

| | |
|---|---|
| | اور اس کی شر سے پناہ مانگتا ہوں جو تو جانتا ہے ۴؎ اور اس سے بخشش مانگتا ہوں جو تو جانتا ہے ۵؎ (نسائی) اور ابوداؤد نے اس کی مثل روایت کی۔ |

۱؎ آپ کی کنیت ابویعلی ہے، حضرت حسان کے بھتیجے ہیں، شام میں قیام رہا۔

۲؎ یعنی دنیا میں کسی وقت ایمان سے ہٹ نہ جاؤں اور کبھی ہدایت سے علیحدہ نہ ہوں۔

۳؎ یعنی دل ایسا عطا فرماجو برے عقائد، حسد، کینہ اور بری صفات سے سلامت ہو اور زبان پر ہمیشہ سچی بات آئے۔

۴؎ یعنی بہت سی خیر وہ ہیں جنہیں ہم شر سمجھتے ہیں یا ہم ان سے بالکل بے خبر ہیں اور بہت سی شروہ ہیں جنہیں ہم خیر سمجھے ہوئے ہیں یا ان سے بے خبر ہیں خدایا تیری عطا ہماری طلب پر موقوف نہ ہو بلکہ تیرے کرم پر ہو۔

۵؎ یعنی بہت سے گناہ کرکے ہم بھول گئے مگر تیرے علم میں ہیں خداوند وہ بھی معاف کر۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں التحیات کے بعد کہتے تھے کہ اچھا کلام اللہ کا کلام ہے اور اچھا طریقہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے ۱؎ (نسائی) |

۱؎ یعنی کلام تو اللہ کا اچھا ہے اور طریقہ رسول اللہ کا اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہ الفاظ طیبہ خطبہ میں بھی فرماتے تھے اور بعد التحیات نماز میں بھی مگر نماز میں ان کا مقصد حمد و نعت ہے جو ذکر اللہ ہے نہ کہ دوسرا مقصد یعنی چونکہ اللہ تعالٰی وَحْدَہٗ لَاشَرِیْكَ ہے، لہٰذا اس کا کلام بھی بے مثال ہے اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل ہیں لہٰذا ان کا طریقہ بھی بے نظیر، لہٰذا یہ حدیث فقہاء کے اس فرمان کے خلاف نہیں کہ نماز میں سوا ذکراللہ کے کوئی ذکر نماز کو توڑ دیتا ہے حتی کہ اگر قرآنی آیت بغیر نیت ذکر پڑھے تو نماز فاسد ہے، کسی نے موت کی خبر دی نمازی نے جوابًا کہا اِنَّالِلّٰہِ الخ نماز گئی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے چہرے کے سامنے سلام پھیرتے پھر قدرے دائیں کروٹ کی طرف مائل ہوجاتے ۱؎ (ترمذی) |

۱؎ یعنی پہلا سلام خوب بلند آواز سے کہتے اس طرح کہ لفظ سلام روبقبلہ کہتے پھر داہنی جانب اتنا پھرتے کہ رخسار مبارک کی سفیدی مقتدی دیکھ لیتے، بایاں سلام آہستہ فرماتے۔ بعض آئمہ نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ نماز میں صرف ایک ہی سلام کہا جائے، لیکن فقیر کی اس توجیہ سے مسئلہ واضح ہوگیا اور یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں دو سلاموں کا ذکر ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت سمرہ سے فرماتے ہیں کہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم امام کا جواب سلام دیں ۱؎ اور آپس میں محبت کریں ۲؎ اور بعض بعض کو سلام کرے ۳؎ (ابوداؤد) |

۱؎ یعنی نماز کے سلام میں امام فرشتوں اور مقتدیوں کو سلام کرنے کی نیت کرے اور مقتدی اپنے سلام میں امام کے جواب کی۔

۲؎ اس طرح کہ جماعت کی پابندی کریں جس سے آپس میں محبت پیدا ہو کیونکہ نماز باجماعت محبت مسلمین کا بہترین ذریعہ ہے۔

۳؎ اس طرح کہ نماز کے سلام میں ایک دوسرے کو سلام کرنے کی نیت کریں کہ امام پہلے سلام میں داہنی جانب کے مقتدیوں کی اور دوسرے سلام میں بائیں جانب والوں کو سلام کی نیت کرے اور مقتدی داہنے والے پہلے سلام میں اپنے داہنے والوں کی نیت کریں اور دوسرے سلام میں بائیں والوں اور امام کی اور بائیں والے اس کے برعکس۔خیال رہے کہ اسلام میں سلام یا اجازت لینے کے لیے ہوتا ہے یا ملاقات یا رخصت کے وقت،یہ سلام ملاقات کا سلام ہے کہ سارے نمازی حکمًا ایک دوسرے سے غائب ہوگئے تھے اس عالم سے نکل کر دوسرے عالم کی سیر کررہے تھے اسی لیے یہاں کے احکام کھانا،پینا،چلنا،پھرنا،کلام سلام سب ختم ہوچکے تھے نماز سے فراغت پاکر وہاں سے لوٹ کر آرہے ہیں ایک دوسرے سے مل رہے ہیں اس لیے سلام کرتے ہیں، لہذا اگر ہر نماز یا نماز فجر کے بعد نمازی آپس میں مصافحہ کریں تو جائز ہے کہ یہ ملاقات کا وقت ہے۔اس کی تحقیق ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ اول میں دیکھو۔

## باب الذكر بعد الصلوة

## نماز کے بعد ذکر کا باب ۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱ اس ذکر سے مراد حمد الٰہی،درود شریف اور تمام دعائیں ہیں۔تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بعد نماز خوب اونچی آواز سے ذکر اللہ کرنا سنت ہے جیسا کہ آئندہ احادیث میں آرہا ہے۔اس میں اختلاف ہے کہ جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں ان کے بعد ذکر وغیرہ کرے یا نہ کرے،صحیح یہ ہے کہ کرے مگر مختصر۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ختم ہونا تکبیر سے پہچانتا تھا ۱(مسلم،بخاری) |

۱یعنی میں زمانہ نبوی میں بہت کم عمر تھا اس لیے کبھی کبھی جماعت میں حاضر نہ ہوتا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ نماز کے بعد اتنی بلند آواز سے تکبیریں کہتے تھے کہ گھروں میں آواز پہنچ جاتی تھی اور ہم پہچان لیا کرتے تھے کہ نماز ختم ہوگئی۔بعض مشائخ ہر نماز کے بعد بلند آواز سے تین بار کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں،پنجاب میں فجر اور عشاء کے بعد اونچی آواز سے درود شریف پڑھا جاتا ہے ان سب کا ماخذ یہی حدیث ہے بلکہ مسلم شریف میں ہے کہ نمازوں کے بعد ذکر بالجہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عہد میں عام مروج تھا۔اس کی پوری بحث ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ اول میں دیکھو،یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں"وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً"اس لیے کہ آیت میں اخفاء کی نمازوں کی تلاوت مراد ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس ذکر بالجہر سے ان نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے جو اپنی فوت شدہ رکعتیں پوری کررہے ہیں مگر ان کا یہ قیاس حدیث کے مقابل ہے،نیز وہ لوگ تشریق کی تکبیروں اور حاجی کے تلبیوں اور حرم شریف کی نمازوں میں کیا کریں گے کہ ان سب میں بڑا شور ہوتا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیرتے تو نہ بیٹھتے مگر صرف اس قدر کہ کہتے کہ الٰہی تو سلام ہے اور تجھ سے سلامتی ہے تو برکت والا ہے اے جلال وبزرگی والے ۱(مسلم) |

۱؎یعنی جن نمازوں کے بعد سنتیں ہوتی ہیں ان میں فرض اور سنتوں کے درمیان زیادہ نہ بیٹھتے صرف اس قدر بیٹھتے۔ اس مقدار سے تقریبی مقدار مراد ہے نہ کہ تحقیقی یعنی قریبًا اتنا بیٹھتے لہذا یہ حدیث نہ تو اس روایت کے خلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعد فجر طلوع آفتاب تک مصلے پر تشریف فرمارہتے اور نہ ان احادیث کے خلاف ہے جن میں ہے کہ آپ سلام پھیر کر تکبیریں کہتے یا استغفار پڑھتے یا اور دعائیں مانگتے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار استغفار پڑھتے اور کہتے الٰہی تو سلام ہے تجھ سے سلامتی ہے تو برکت والا ہے اے جلالت اور بزرگی والے ۱؎(مسلم) |

۱؎ پہلے سلام سے سلامتی دینے والا مراد ہے اور دوسرے سے سلامتی۔استغفار دعا کے آداب میں سے ہے اس لیے دعا سے پہلے استغفار فرماتے۔یہ حدیث گزشتہ حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف نہیں کہ وہاں بھی تقریبی مقدار مراد تھی اور یہاں بھی۔اس سے معلوم ہوا کہ جن فرضوں کے بعد سنتیں ہوں ان میں دعا مختصر مانگے۔خیال رہے کہ **ذوالجلال** سے مراد فاسقوں سے بدلہ لینے والااور **اکرام** سے مراد نیک کاروں کو انعام دینے والا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض کے بعد فرماتے تھے ۱؎خدا کے سوا کوئی معبود نہیں،اس کا کوئی ساجھی نہیں اسی کا ملک ہے اور اسی کے لیے حمد،وہ ہر چیز پر قادر ہے الٰہی جو تو دے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے تو نہ دے اسے کوئی دے نہیں سکتا اور تیرے مقابل مال دار کو مال نفع نہیں دیتا ۲؎(مسلم،بخاری) |

۱؎خواہ فرضوں کے بعد یا سنتوں وغیرہ سے فارغ ہو کر۔(مرقاۃ)اس سے معلوم ہوا کہ سنتیں بھی مسجد میں پڑھنا اور فرضوں کے علاوہ سنتوں کے بعد بھی دعا مانگنا سنت ہے۔

۲؎اس کی شرح پہلے گزر چکی۔یہ اور اس جیسی اور بڑی دعائیں عصر و فجر میں تو فرضوں سے متصل تھیں اور ظہر وغیرہ میں سنتوں اور نوافل کے بعد لہذا یہ حدیث ان گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جن میں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف "اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ" کہتے تھے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زبیر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی نماز سے سلام پھیرتے ۱؎تو بلند آواز سے کہتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی ساجھی نہیں اسی کا ملک ہے اسی |

| | |
|---|---|
| | کے لیے حمد اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اللہ کے بغیر نہ طاقت ہے نہ قدرت اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اسی کی نعمت ہے اسی کا فضل ۲؎ اسی کی اچھی تعریف ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہم اس کے لیے خالص دین رکھتے ہیں اگرچہ کفار ناپسند کریں ۳؎ (مسلم) |

۱؎ یعنی فرض نماز سے جماعت میں کیونکہ اشراق یا تہجد وغیرہ کے بعد اونچا ذکر سنت نہیں۔"اعلےٰ"سے معلوم ہوا کہ یہ ذکر بہت اونچی آواز سے ہوتا تھا جو محلے کے گھروں میں سنا جاتا تھا۔

۲؎ نعمت سے مراد دنیاوی نعمتیں مراد ہیں اور فضل سے مراد آخرت کی نعمتیں یا نعمت سے مراد عبادات کی توفیق ہے اور فضل سے مراد قبولیت یعنی ساری مخلوق کو بلاواسطہ یا بالواسطہ جو ملا رب سے ملا اور جسے اس نے دیا اپنے فضل سے دیا کسی کا اس پر ذاتی حق نہیں۔

۳؎ مخلصین میں منافقین یا ریا کاروں کی تردید ہے اگرچہ وہ عابد ہیں مگر اخلاص سے محروم۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت سعد سے کہ وہ اپنے بچوں کو یہ کلمات سکھاتے تھے ۱؎ اور کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ان سے تعوذ کرتے تھے الٰہی میں بزدلی سے تیری پناہ لیتا ہوں اور کنجوسی سے تیری پناہ ۲؎ اور ردی عمر سے تیری پناہ ۳؎ اور دنیا کے فتنوں اور عذاب قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں ۴؎ (بخاری) |

۱؎ یعنی بالغ و نابالغ سارے بچوں کو۔اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کو اچھی باتیں سکھانا ماں باپ کا پہلا فرض ہے۔

۲؎ جبن کا مقابل شجاعت ہے،بخل کا مقابل سخا ہے اور شح کا مقابل جود۔بخیل وہ جو خود کھائے اوروں کو نہ کھلائے،شح وہ جو نہ کھائے نہ کھانے دے سب کچھ جمع کرکے چھوڑ جائے۔سخی وہ خود کھائے اوروں کو بھی کھلائے۔جواد وہ جو خود نہ کھائے اوروں کو کھلائے اسی لیے رب کو سخی نہیں کہتے جواد کہتے ہیں۔اللہ کے حبیب لکھادھاری داتا کھاتے نہیں کھلاتے ہیں۔شعر

بوریا ممنوں خواب راحتش　　　　تاج کسریٰ زیر پائے آتش

یہ دعا ہماری تعلیم کے لیئے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو پیدائشی کل کے راجہ ہیں جگ کے داتا ہیں۔

۳؎ یعنی بڑھاپے کی وہ حالت جب ہاتھ پاؤں جواب دے جائیں رب کی عبادت نہ کرسکے، دنیوی کام انجام نہ دے سکے، اس سے خدا کی پناہ۔

۴؎ ممکن ہے کہ یہ دعا حضور علیہ الصلوۃ والسلام ساری نمازوں خصوصًا تہجد کے بعد مانگتے ہوں،نماز پنج گانہ میں سنتوں سے فارغ ہوکر تاکہ یہ حدیث دیگراحادیث کے خلاف نہ ہو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ مہاجر |

| | |
|---|---|
| | فقراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے کہ مالدار بڑے درجے اور دائمی نعمت لے گئے ۱؎ فرمایا یہ کیسے؟ عرض کیا جیسے ہم نمازیں پڑھتے ہیں وہ بھی پڑھتے ہیں اور جیسے کہ ہم روزے رکھتے ہیں وہ بھی رکھتے ہیں اور وہ خیرات کرتے ہیں ہم نہیں کرتے وہ غلام آزاد کرتے ہیں ہم نہیں کرتے ۲؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں وہ چیز نہ سکھاؤں جس سے تم آگے والوں کو پکڑلو اور پیچھے والوں سے آگے بڑھ جاؤ ۳؎ اور تم میں سے کوئی افضل نہ ہو اس کے سوا جو تمہارے کام کرے ۴؎ بولے ہاں یارسول اللہ فرمایا ہر نماز کے بعد ۳۳،۳۳ بار تسبیح،تکبیر اور حمد کرو ۵؎ ابو صالح کہتے ہیں ۶؎ کہ پھر مہاجر فقراء حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لوٹے اور عرض کیا کہ ہمارے اس عمل کو ہمارے مالدار بھائیوں نے سن لیا تو انہوں نے بھی یونہی کیا ۷؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے ۸؎ (مسلم،بخاری) ابو صالح کا قول صرف مسلم کی روایت میں ہے اور بخاری کی روایت میں ہے کہ ہر نماز کے بعد دس بار تسبیح،دس بار حمد، دس بار تکبیر کہو بجائے ۳۳ بار کے ۹؎ |

۱؎ یعنی ہمارے مقابل درجات میں بڑھ گئے اور جنت کی اعلیٰ نعمتوں کے مستحق ہوگئے اس میں نہ تو رب کی شکایت ہے اور نہ مالداروں پر حسد بلکہ ان پر رشک ہے دینی چیزوں میں رشک جائز ہے یعنی دوسروں کی سی نعمت اپنے لیے بھی چاہنا،حسد حرام ہے یعنی دوسروں کی نعمت کے زوال کی خواہش۔

۲؎ یعنی بدنی عبادتوں میں وہ ہمارے برابر ہیں اور مالی عبادتوں میں ہم سے بڑھ کر۔اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ شاکر غنی صابر فقیر سے افضل ہے مگر صحیح یہ ہے کہ فقیر صابر غنی شاکر سے افضل کیونکہ رب نے فرمایا اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں اور زیادہ نعمتیں دیں گے،اور فرمایا کہ اللہ صابروں کے ساتھ ہے یعنی شکر سے نعمتیں ملتی ہیں اور صبر سے اللہ تعالیٰ۔

۳؎ یہاں آگے اور پیچھے سے درجوں میں آگے پیچھے ہونا مراد ہے نہ کہ زمانہ میں یعنی جو صحابہ تم سے درجہ میں بڑھ گئے ہیں ان کلمات کی وجہ سے تم ان کے برابر ہوجاؤ گے اور جو تمہارے برابر ہیں اور یہ کلمات نہیں پڑھتے ان سے تم بڑھ جاؤ گے ورنہ غیر صحابی کتنی ہی نیکیاں کرے صحابی کی گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتے کیونکہ وہ صحبت یافتہ

جناب مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم ہیں حضرت جبریل علیہ السلام سارے فرشتوں سے افضل کیونکہ وہ خادم انبیاء ہیں تو صحابہ بعد انبیاء ساری مخلوق سے افضل کیونکہ وہ خادم جناب مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم۔

یک زمانہ صحبتے با مصطفٰی　　　بہتراز لکھ سالہ طاعت بے ریا

۴؎ یعنی جو غنی صحابی یہ پڑھے گا وہ تم سے افضل ہوجائے گا۔

۵؎ یعنی پنج گانہ نماز کے بعد۳۳بار **سبحان اللہ**۳۳بار **الحمدللہ** اور۳۳بار **اللہ اکبر** کہہ لیا کرو،یہ تسبیح فاطمہ کہلاتی ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریبًا یہی تسبیح حضرت فاطمہ زہرا کو بتائی تھی اسی بنا پر آج تسبیح کے دانوں میں۳۳ دانوں پر ایک نائب امام ڈالا جاتا ہے۔خیال رہے کہ ظہر مغرب عشاء میں یہ تسبیح سنتیں وغیرہ پڑھ کر پڑھی جائے گی۔

۶؎ ابوصالح تابعی ہیں جنہوں نے حضرت ابوہریرہ سے یہ روایت کی۔

۷؎ ان کا مدعی یہ تھا کہ اب کوئی اور خفیہ عمل بتایا جائے وہ راز تو کھل گیا۔

۸؎ یعنی اب تم صبر کرو اور رب کے دیئے پر راضی رہو۔یہ غبطہ(رشک) بھی عبادت ہےاور تم اس پر صبر کرکے بڑا درجہ پاؤ گے۔

۹؎ مگر پہلی روایت زیادہ قوی ہے،کیونکہ اس میں زیادتی ہے اور اسی پر امت کا عمل ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت کعب ابن عجرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بعض آگے پیچھے آنے والی چیزیں۱؎ وہ ہیں جن کا کہنے والا یا کرنے والا نقصان میں نہیں رہتا۲؎ ہر فرض نماز کے بعد۳۳ بار تسبیح۳۳ بار حمد اور۳۴ بار تکبیریں ۳؎(مسلم) | |

۱؎ **معقبات** کے کئی معنی ہیں:(۱)نماز کے بعد والا وظفیہ(۲)وہ عمل جس کے لکھنے پر ہر فرشتہ پیش قدمی کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ دوسرے فرشتوں کو اپنے سے پیچھے کردوں(۳)وہ وظیفے جو یکے بعد دیگرے پڑھے جاتے ہیں(۴)وہ وظیفے جن کا انجام اچھا ہے۔

۲؎ بلکہ تھوڑی بہت محنت سے بہت نفع حاصل کرلیتا ہے۔

۳؎ یہ پورا سینکڑہ ہے اسی کا نام تسبیح فاطمہ ہے قادری سلسلہ کے مشائخ اس کے بہت پابند ہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہر نماز کے بعد۳۳بار تسبیح ۳۳بار حمدالٰہی اور۳۳بار تکبیر کہہ لیا کرے یہ ۹۹ہوئے اور سو پورا کرنے کو کہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک ہے اسی کی حمد ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے تو اس | |

| | |
|---|---|
| | کے گناہ بخشے جائیں گے اگر چہ سمندر کے جھاگ کی طرح ہوں[1] (مسلم) |

[1] یعنی جو اس تسبیح فاطمہ پر پابندی کرے گا اس کی خطائیں اگرچہ شمار سے زیادہ ہوں بخشی جائیں گی۔خیال رہے کہ شمار کے لیے عقد انا مل بہت اعلیٰ چیز ہے ہر مسلمان کو سیکھنا چاہیے اگر وہ نہ آتا ہو تو پوروں پر شمار کرے،بدرجہ مجبوری کنکروں یا تسبیح پر شمار کرے،حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک دھاگے میں ہزار گرہیں لگالیں تھیں جن پر کبھی شمار کیا کرتے تھے۔(مرقاۃ)فقہاء نے تسبیح پر گننے کو بدعت نہ کہا ہے یعنی بدعت مسنہ جس کی اصل صحابی سے ثابت ہے۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابو امامہ سے[1] فرمایا عرض کیا گیا یا رسول اللہ کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ فرمایا آخری رات کے بیچ میں اور فرض نماز کے بعد[2] (ترمذی) |

[1] آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے کہ آپ قبیلہ باہلہ سے ہیں،حمص میں قیام رہا حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات کے وقت آپ ۳۰ یا ۳۳ سال کے تھے،۹۱ سال عمر پائی، ۸۱ھ یا ۸۶ھ حمص ہی میں وفات پائی رضی اللہ عنہ،آپ کی روایات بہت تھوڑی ہیں۔

[2] یعنی دو وقت دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں ایک تو آخری رات کے بیچ میں۔دوسرے فرض نمازوں کے بعد۔خیال رہے کہ آخر جوف کی صفت ہے یعنی رات کا درمیانی حصہ جو آخری شب میں ہے اس طرح کہ رات کے دو حصے کرو،آخری آدھے کا درمیانی حصہ لو یہی وقت تہجد کے لیے بہتر ہے اس وقت دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں اور فرض نماز سے یا تو خود فرائض مراد ہیں یا پوری نماز،لہذا بہتر یہ ہے کہ نماز پنج گانہ میں فرضوں کے بعد بھی مختصر دعا مانگے اور پھر سنت و نفل سے فارغ ہو کر بھی دعا کرے کہ یہ ساری نماز فرض نماز شمار ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہر نماز کے بعد اعوذ والی سورتیں پڑھ لیا کروں[1] (احمد،ابوداؤد،نسائی،بیہقی،دعوات کبیر) |

[1] ظاہر یہ ہے کہ اَعُوْذُ والی سورتوں سے مراد "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" ہے کہ اس میں اَعُوْذُ صراحۃً مذکور ہے،بعض نے فرمایا کہ "قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ" بھی اس میں شامل ہیں کہ

اگرچہ ان دونوں میں صراحۃً اَعُوْذُ موجود نہیں مگر مقصود وہاں بھی رب کی پنا مانگنا ہے اس پر اکثر صوفیاء کا عمل ہے کہ ہر نماز کے بعد یہ چاروں قل پڑھتے ہیں۔ہر نماز سے مراد فرض نماز ہے اگر جنازہ کی نماز کے بعد یہ چار سورتیں پڑھ کر میت کو بخشی جائیں تو بھی بہتر ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہ میرا ان لوگوں سے بیٹھنا جو فجر کی نماز سے سورج نکلنے تک اللہ کا ذکر کرتے ہیں مجھے اس سے زیادہ پیارا ہے کہ اولاد اسماعیل کے چار غلام آزاد کروں۱ اور میرا اس قوم کے ساتھ بیٹھنا جو عصر کی نماز سے سورج ڈوبنے تک اللہ کا ذکر کریں مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ چار غلام آزاد کردوں ۲(ابوداؤد) |

۱چونکہ اس بیٹھنے میں چار عبادتیں ہیں:اچھوں کی صحبت اللہ کا ذکر،مسجد کی حاضری اور نماز اشراق کا انتظار،ان میں سے ہر عبادت ایک غلام آزاد کرنے سے افضل اس لیے چار غلاموں کا ذکر فرمایا گیا،نیز اولا د اسماعیل دوسرے لوگوں سے افضل ہے اس لیے ان کے چار غلام آزاد کرنا دوسرے غلام کے آزاد کرنے سے افضل۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز اشراق تک مسجد میں ٹھہرنا اور صالحین کے ساتھ بیٹھنا اور اللہ کا ذکر کرنا بہت بہتر ہے۔اللہ کے ذکر میں دعا، تلاوت قرآن،علم دین اور صالحین کا ذکر سب شامل ہے۔(ازمرقاۃ) اکثر لوگ اس وقت تلاوت قرآن کرتے ہیں ان کا ماخذ یہی حدیث ہے۔بعض فقہاء نے سورج طلوع ہوتے وقت تلاوت کو غیر مستحب فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت سجدہ نہیں ہوسکتا اور کبھی تلاوت کے دوران سجدے کی آیت بھی آجاتی ہے۔

۲بعض صوفیاء عصر سے مغرب تک مسجدوں میں مراقبے کرتے ہیں کسی سے کلام نہیں کرتے،ان کی اصل یہ حدیث ہے۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ فجر کے بعد مسجد میں بیٹھنااس بیٹھنے سے افضل ہے کیونکہ وہاں چار اسمٰعیلی غلاموں کا ذکر تھا،یہاں مطلقًا چار فرمائے۔خیال رہے کہ احناف کے نزدیک عرب غلام نہیں بنائے جاسکتے لہذا اولاد اسمٰعیل سے مراد غیر عرب مراد ہوں گے یا یہ حکم فرضًا ہے(ازمرقاۃ)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فجر جماعت سے پڑھے پھر سورج نکلنے تک بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرے۱ پھر دو رکعتیں پڑھے تو اسے حج اور عمرے کا ثواب ملے گا ۲فرماتے ہیں فرمایا رسول ا للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے کا پورے کا پورے کا ۳(ترمذی) |

۱؎ سورج نکلنے سے مراد آفتاب بلند ہونا یعنی چمکنے سے دو منٹ بعد کیونکہ چمکتے وقت نماز ممنوع ہے اور بیٹھنے سے مراد مسجد میں رہنا ہے لہذا اس وقت طواف یا وعظ یا طلب علم کے لیے مسجد کے کسی گوشہ میں منتقل ہونا مضر نہیں بلکہ مرقاۃ نے فرمایا کہ جو فجر کے بعد اپنے گھر آجائے مگر اللہ کے ذکر میں مشغول رہے پھر دو نفل پڑھ لے وہ بھی اس میں داخل ہے۔

۲؎ حج فرض ہے عمرہ سنت،ایسے ہی نماز فجر فرض اور رکعتیں سنت اس لیے ان دونوں کے جمع کرنے میں حج و عمرے کا ثواب ہے۔ظاہر یہ ہے کہ ان نفلوں سے مراد نفل اشراق ہیں جن کا وقت طلوع آفتاب سے شروع ہوجاتا ہے نماز چاشت کا وقت شروع اسی وقت سے ہوتا مگر ختم نصف النہار پر۔

۳؎ یعنی کامل حج و عمرہ کا ثواب ملے گا جو فرائض،واجبات،سنتوں اور مستحبات کے ساتھ ادا کیے جائیں۔خیال رہے کہ حج و عمرے کا ثواب ملنا اور ہے انکا ادا ہونا کچھ اور لہذا س کا مطلب یہ نہیں کہ مسلمان حج چھوڑدیں صرف اشراق پڑھ لیا کریں۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ازرق ابن قیس سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم کو ہمارے امام نے نماز پڑھائی جن کی کنیت ابو رمثہ تھی انہوں نے فرمایا کہ میں نے یہی نماز یا اس کی مثل کوئی اور نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی ۲؎ فرمایا کہ حضرت ابوبکر و عمر اگلی صف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنے کھڑے ہوتے تھے ۳؎ اور ایک شخص نماز کی پہلی تکبیر میں حاضر ہوا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ کر داہنے بائیں سلام پھیرا حتی کہ ہم نے آپ کے رخساروں کی سفیدی دیکھی ۴؎ پھر ابو رمثہ یعنی میرے طرف پھرے ۵؎ تو جس نے نماز کی پہلی تکبیر پائی تھی وہ نفل پڑھنے کھڑا ہوگیا ۶؎ تب حضرت عمر جلدی اٹھے اور اس کے کندھے پکڑکر ہلائے پھر فرمایا بیٹھ جا ۷؎ کیونکہ اہل کتاب صرف اسی لیے ہلاک ہوئے کہ ان کی نمازوں کے درمیان فاصلہ نہ تھا ۸؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہ اٹھا کر فرمایا کہ اے خطاب کے بیٹے اللہ تمہیں مصیب رکھے ۹؎ (ابوداؤد) | |

۱؎ آپ تابعی ہیں،حارثی ہیں،بصرہ میں پیدائش ہوئی،کوفہ میں قیام رہا،عالم باعمل تھے ۱۲۱ھ میں وفات ہوئی۔
۲؎ ابو رمثہ صحابی ہیں،انہوں نے تابعین کو نماز ظہر یا عصر پڑھا کر یہ فرمایا کہ ہم نے ایک بار یہی نماز یا دوسری کوئی اور نماز حضور علیہ السلام کے پیچھے پڑھی تھی تو یہ واقعہ پیش آیا۔
۳؎ کیونکہ حضور علیہ السلام کے پیچھے افضل صحابہ کھڑے ہوا کرتے تھے تاکہ بوقت ضرورت ان نمازیوں میں حضور علیہ السلام انہیں امام بنا کر خود وضو کے لیے جاسکیں۔ اس سے معلوم ہواکہ پہلی صف کا داہنا حصہ باقی مقامات سے افضل ہے۔
۴؎ یعنی داہنی طرف والوں نے داہنے رخسار کی سفیدی دیکھی اور بائیں والوں نے بائیں رخسار کی"رَاَیْنَا"جمع فرمایا۔تکبیر اولیٰ سے مراد تکبیر تحریمہ ہے اس کے پانے کی صورت یہ ہے کہ امام کے قرأت شروع کرنے سے پہلے مقتدی سبحان سے فارغ ہو جائے اس کے بارے میں کچھ اور بھی قول ہیں۔
۵؎ یعنی بعد سلام دعا مانگنے کے لیے داہنی جانب منہ کرکے بیٹھے جیسے میں بیٹھا ہوں۔
۶؎ یعنی وہ شخص مسبوق نہ تھا تاکہ فرض کی بقیہ رکعتیں پوری کرنے کھڑا ہوتا بلکہ مدرک تھا جو بعد والی سنتیں پڑھنے کے لیئے دعا مانگے بغیر کھڑا ہوا۔
۷؎ یعنی بیٹھ کرحضور علیہ السلام کے ساتھ دعا مانگ،جب سرکار اور سارے مسلمان دعا سے اٹھیں تو تو بھی اٹھ نماز سے فارغ ہونے اور مسجد سے نکلنے میں جلدی نہ کر۔اس سے معلوم ہوا کہ جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان میں بھی فرضوں کے بعد دعا مانگی جائے اگرچہ مختصر ہی ہو۔
۸؎ یعنی انہیں حکم دیا گیا تھا کہ فرائض اور نوافل کے درمیان دعا کا بھی فاصلہ کریں اور اگر ہوسکے تو جگہ کا بھی مگر اس پر عمل نہ کیا فرض و نفل ملا کر پڑھے جس سے ان کے دل سخت ہوگئے اور ہزاروں گناہ کر بیٹھے۔(مرقاۃ)خیال رہے کہ لَنْ یَّھْلِكَ نفی مستقبل ہے مگر یہاں ماضی کی نفی استمرار کے لیے استعمال ہوا جیسے"اَللّٰہُ یَجْتَبِیۡ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ میں یَجْتَبِیۡ مضارع ہے مگر ماضی کے دوام کے لیے آیا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب پرنمازیں فرض تھیں اور ان نمازوں میں کچھ فرائض کچھ نوافل۔
۹؎ یعنی جیسے تم نے یہ مسئلہ صحیح بیان کیا ایسے ہی ہمیشہ ہر کام میں درستی پر رہو۔معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام خوش ہوئے اور آپ کی دعا فاروق اعظم کو ایسی لگی کہ آپ ہمیشہ سیاسی اور مذہبی امور میں حق پر ہی رہے باطل ان کے قریب بھی نہ آیا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت زید ابن ثابت سے ۱؎ فرماتے ہیں ہمیں حکم دیا گیا کہ ہر نماز کے بعد ۳۳ بار تسبیح پڑھیں ۳۳ بار حمد اور ۳۴ بار تکبیر پھر ایک انصاری کے خواب میں کوئی آنے والا آیا اور آپ سے کہا کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ ہر نماز کے بعد اتنی اتنی تسبیح پڑھو۔انصاری نے خواب ہی میں کہا ہاں اس نے کہا انہیں | |

| | |
|---|---|
| | ۲۵،۲۵ بار کرلو اور ان میں تہلیل بھی کرلو۲؎ جب صبح ہوئی تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے انہیں خبر دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے بھی کرو۳؎ (احمد نسائی،دارمی) |

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،کاتب وحی ہیں،علم فرائض کے امام ہیں،زمانہ صدیقی میں قرآن جمع کرنے والوں میں آپ بھی تھے اور زمانہ عثمانی میں قرآن کو مصحفوں میں نقل کرنے والوں میں بھی آپ تھے۔

۲؎ یہ خواب الہامی تھا رب کی طرف سے فرشتے کے ذریعہ صحابی کو تعلیم دی گئی۔ مطلب یہ ہے کہ ان تینوں کلموں ۲۵ ۲۵ بارپڑھواور سینکڑاپوراکرنے کے لیے ۲۵ بار "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" بھی پڑھ لیاکرو۔خیال رہے کہ اس خواب میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے فرمان کی تردید نہیں بلکہ اعلیٰ سے اعلیٰ تر کا مشورہ ہے لہذا وہ تسبیح فاطمہ اب بھی جاری ہے اور مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کبھی وہ پڑھ لیا کرو کبھی یہ۔

۳؎ یعنی کبھی ایسے کبھی ایسے۔خیال رہے کہ یہ خواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تائید فرمانے کی وجہ سے قابلِ عمل ہوگئی ورنہ نص کے مقابلے میں نہ کسی کا خواب معتبر ہے نہ ولی کا کشف اور نہ کسی کا الہام کیونکہ نص معصوم کی ہے اور ہم بیداری اور خواب میں غیرمعصوم ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منبر کے تختوں پر فرماتے سنا کہ جو ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے تو اسے موت کے سوا کوئی چیز جنت کے داخلے سے نہ روکے گی ۱؎ اور جو بستر پر لیٹتے وقت اسے پڑھ لے تو اللہ اس کے گھر اور اس کے پڑوسی کے گھر آس پاس کے گھر والوں پر امن دے گا ۲؎ (بیہقی،شعب الایمان)فرمایا اس کی اسناد ضعیف ہے ۳؎ |

۱؎ یعنی وہ مرتے ہی جنت میں جائے گا قیامت سے پہلے روحانی طور پر اور بعد قیامت جسمانی طور پر بھی لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ قیامت سے پہلے جنت میں داخلہ کیسا۔خیال رہے کہ عام مسلمین کی قبروں میں جنت کی ہوا اور خوشبو آتی ہے یہ خود وہاں نہیں پہنچتے نہ جسمًا نہ روحًا جنت میں پہنچ جاتے ہیں جیسے شہدا اوریہ لوگ۔

۲؎ یعنی اس کی برکت سے سارے محلے میں چوری،آگ،لگنے،مکان گرجانے بلکہ ساری ناگہانی آفتوں سے صبح تک امن رہے گی یہ عمل بہت مجرب ہے۔

۳؎ کوئی حرج نہیں کیونکہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف معتبر ہے،نیز اس کا اگلہ حصہ حصن حصین شریف نے بروایت نسائی ابن حبان،ابن السنی ابو امامہ سے نقل کیا،نیز طبرانی وغیرہم نے آیت الکرسی کے بڑے فضائل بیان

کیے وہ تمام احادیث اس کی مؤید ہیں،نیز تمام علماء،اولیاءاور عامۃ المسلمین اس پر عامل رہے اور ہیں اور عملِ امت سے حدیث ضعیف قوی ہوجاتی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن غنم سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ جو نماز مغرب و فجر سے پھرنے اور پاؤں موڑنے سے پہلے۱؎ دس بار یہ کہہ لیا کرے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں اسی کا ملک ہےاسی کی تعریف اس کے قبضے میں خیر ہے زندگی اور موت دیتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۲؎ تو اس کے لیے ہر ایک کے بدلہ میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دس گناہ مٹائے جائیں گے اور دس درجے بلند کیے جائیں گے۳؎ہر برائی سے اس کی حفاظت اور مردود شیطان سے امن ہوگی اور شرک کے سوا کوئی گناہ اسے نہ چھو سکے گا۴؎اور وہ لوگوں سے عمل میں افضل ہوگا سوا اس کے جو اس سے زیادہ کہہ لے وہ اس سے بڑھ جائے گا ۵؎(احمد) |

۱؎ یعنی مغرب کی سنتوں اور نفلوں سے فارغ ہو کر اسی طرح دو زانو بیٹھے یہ کرلیا کرے فرض مغرب مراد نہیں کیونکہ اس کے بعد سنتیں ہیں لہذا دعا مختصر مانگنی چاہیے۔

۲؎یعنی چوتھا کلمہ خیال رہے کہ اگرچہ خیر و شر سب اللہ کے قبضے میں ہے مگر ادب یہ ہے کہ اس کی طرف صرف خیر کو نسبت کیا جائے۔

۳؎جب ایک کے بدلے دس ہو تو دس کے بدلے یقیناً سوہوں گے۔

۴؎یعنی اللہ تعالٰی اس کی برکت سے اسے گناہوں سے بچائے گا اور اگر بھول سے گناہ کرے گا تو توبہ کی بھی توفیق ملے گی اور رب تعالٰی کی طرف سے معافی،ہاں اگر کفر کر بیٹھا تواس کی معافی نہ ہوگی یہی اس حدیث کا مطلب ہے۔

۵؎اس سے معلوم ہوا کہ دس بار کی قید نہیں،جتنی خدا توفیق دے پڑھے۔

| | |
|---|---|
| | ترمذی نے اس کی مثل ابوذر سے الاالشرك تک اور اس نے نہ نماز مغرب کا ذکر کیا اور نہ بیدہ الخیر کا اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے ۱؎ |

۱؎یعنی یہ حدیث تین اسنادوں سے مروی ہے ایک اسناد میں حسن،ایک میں صحیح،ایک میں غریب۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے |

| | |
|---|---|
| | نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف ایک لشکر بھیجا وہ بہت غنیمتیں لائے اور جلد لوٹ آئے ۱؎ تو ہم میں سے ایک شخص بولا جوان میں نہ گیا تھا کہ ہم نے کوئی ایسا لشکر نہ دیکھا جو اس لشکر سے جلد لوٹا ہو اور زیادہ غنیمت لایا ہو۲؎ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ قوم نہ بتاؤں جو غنیمت اور لوٹنے میں بہتر ہے وہ قوم ہے جو فجر کی نماز میں حاضر ہوں پھر سورج نکلنے تک بیٹھ کر اس کا ذکر کریں یہ لوگ جلدی لوٹنے والے اور بہتر غنیمت والے ہیں ۳؎ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے حماد ابن ابی حمید راوی حدیث میں ضعیف ہیں ۴؎ |

۱؎ نجد عرب کا پانچواں صوبہ ہے حجاز اور تہامہ کے درمیان،چونکہ یہ بلندی پر واقع ہے اس لیے نجد کہلاتا ہے،نجد کے معنے بلندی ہے۔

۲؎ یعنی یہ لشکر بڑا بابرکت ہے کہ سفر میں کم رہا مال بہت لے کرآیا۔خیال رہے کہ جس لشکر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس خود تشریف نہ لے جائیں اسے سریہ کہا جاتا ہے۔غالبًا اس شخص نے یہ حسرت کے طور پر کہا ہوگا کہ کاش اس میں میں بھی جاتا اسی لیے حضور علیہ السلام نے اگلا جواب دیا۔

۳؎ یعنی غنیمت صرف مال ہی کی نہیں ہوتی بلکہ اجرو ثواب کی بھی ہوتی ہے،اشراق پڑھنے والا جلدی گھر لوٹ آتا ہے اور پورا اجر لے کر آتا ہے۔

۴؎ چنانچہ انہیں بخاری نے منکر الحدیث فرمایا،نسائی نے کہا یہ ثقہ نہیں ہیں،ابن معین کہتے ہیں کہ ان کی حدیث کچھ نہیں،مرقاۃ نے فرمایا کہ ان کا حافظہ خراب ہے۔

## باب ما لا یجوز من العمل فی الصلوة وما یباح منہ

## باب نماز میں کون سے کام ناجائز اور کون مباح ہیں[1]

### الفصل الاول

### پہلی فصل

[1] نماز میں بعض کام کرنے کے ہیں،بعض نہ کرنے کے۔کرنے والے:بعض فرض ہیں جن کے بغیر نماز قطعًا ہوتی ہی نہیں،بعض واجب جن کے سہوًا رہ جانے سے سجدہ واجب ہے،بعض سنت ہیں،بعض مباح۔نہ کرنے والے کام:بعض مکروہ تنزیہی ہیں،بعض مکروہ تحریمی،بعض حرام،اس باب میں انہیں کا ذکر ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت معاویہ ابن حکم سے[1] فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ قوم میں سے ایک شخص چھینکا میں نے کہا اللہ تم پر رحم کرے[2] مجھے لوگوں نے تیز نگاہوں سے دیکھا تو میں نے کہا ہائے میری ماں کا رونا[3] تمہیں کیا ہوا کہ مجھے دیکھتے ہو[4] تو وہ رانوں پر ہاتھ مارنے لگے[5] جب میں نے دیکھا کہ مجھے خاموش کررہے ہیں تو میں بھی خاموش ہوگیا[6] جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی تو میرے ماں باپ ان پر نثار میں نے ایسا اچھا سکھانے والا معلم نہ آپ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں۔خدا کی قسم نہ مجھے ڈانٹا نہ مارا نہ برا کہا[7] فرمایا کہ ان نمازوں میں انسانی کلام مناسب نہیں یہ صرف تسبیح،تکبیر اور تلاوت قرآن ہے[8] یا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[9] میں نے عرض کیا یارسول اللہ میرا زمانہ جاہلیت سے قریب ہے اللہ نے ہمیں اسلام دیا اور ہم میں سے بعض لوگ کاہنوں کے پاس جاتے ہیں فرمایا تم وہاں نہ جاؤ[10] میں نے کہا کہ ہم میں سے بعض پرندے اڑاتے ہیں فرمایا یہ ایسی بات ہے جسے وہ اپنے دلوں میں پاتے ہیں انہیں یہ کاموں سے نہ روکے[11] فرماتے ہیں | |

| | |
|---|---|
| | میں نے عرض کیا ہم میں سے بعض لکیریں کھینچتے ہیں فرمایا ایک پیغمبر خط کھینچتے تھے جس کا خط ان کے موافق ہوگا تو درست ہے ۱۲(مسلم)ان کا قول سکت میں نہیں، صحیح مسلم میں یوں ہی پایا اور کتاب حمیدی میں ہے کہ جامع اصول میں لکنی کے اوپر لفظ کذا سے صحیح کہا ہے۔۱۳ |

۱؎ آپ صحابی ہیں،قبیلہ بنی سلیم سے ہیں،اہل مدینہ میں آپ کا شمار ہے۔مرقاۃ نے فرمایا کہ آپ سے صرف یہی حدیث مروی ہے، ۱۷ھ میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی چھینکنے والا کو جواب دینے کی نیت سے میں نے یہ کہا اگرچہ یہ جواب دیا جاتا ہے جب چھینکنے والا کہے الحمدللہ،یہاں چھینکنے والے نے الحمدللہ نہیں کہا،مگر انہوں نے یہ کہا۔

۳؎ عرب میں یہ لفظ تعجب پر بولا جاتا ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ میں مرگیا اور میری ماں مجھے رو رہی ہے یعنی میں نے ایسا کون سا کام کیا جو اس کے رونے کا سبب ہوا۔

۴؎ اولًا اسلام میں بحالت نماز کلام سلام بھی کیا جاتا تھا اور امام کے پیچھے قرأت بھی "وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ" سے کلام و سلام بند ہوا اور"وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ"الخ سے امام کے پیچھے قرأت ممنوع ہوئی، نماز میں کلام بند ہوچکی تھی انہیں یہ خبر نہ تھی اس لیے انہوں نے یہ گفتگو کی۔

۵؎ یعنی صحابہ نے انہیں کلام سے روکنے کے لیے اپنا ایک ہاتھ ایک ایک بار ران پر مارا،اگر دونوں ہاتھ مارتے یا ایک مسلسل تین بار مارتے تو ان کی اپنی نماز جاتی رہتی کیونکہ عمل کثیر نماز فاسد کردیتا ہے عمل قلیل بھی اگر مسلسل تین بار کیا جائے تو کثیر بن جاتا ہے اور نماز فاسد کردیتا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں ضرورۃً کنکھیوں سے دائیں بائیں دیکھنا اور عمل قلیل بھی جائز ہے۔

۶؎ یعنی مجھے غصہ تو بہت آیا اور میں نے چاہا کہ کچھ اور کہوں لیکن ان بزرگوں کا ادب و احترام کرتے ہوئے میں خاموش رہا۔

۷؎ فَوَاللهِ الخ لَمَّا کا جواب ہے اور اس سے پچھلا جملہ معترضہ تھا کھر اور قھر ہم معنے ہیں۔چنانچہ ایک قرأت میں ہے"فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ" یعنی سرکار نے اس غلطی کی وجہ سے مجھ پر کسی قسم کی سختی نہ فرمائی نہایت نرمی سے مسئلہ بتادیا۔

۸؎ یعنی تمہارا "يَرْحَمُكَ الله" کہنا انسانی کلام ہے اس سے نماز جاتی رہتی ہے آئندہ نہ کہنا نماز میں صرف یہ مذکور چیزیں۔فقہا فرماتے کہ اگر نمازی جواب کی نیت سے قرآن شریف کی آیت ہی پڑھ دے تو وہ کلام انسانی ہوگا اور نماز فاسد کردے گا جیسے خوشی کی خبر پر اَلْحَمْدُلِلّٰه اور غم کی خبر پر اِنَّالِلّٰه الخ۔

۹؎ یعنی مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ شریفہ میں شک ہے یہی تھے یا اور البتہ مضمون یہی تھا۔خیال رہے کہ حضور علیہ السلام نے انہیں نماز لوٹانے کا حکم نہ دیا،اس لیے کہ انہیں اس آیت کے نزول کی خبر نہ تھی اور ابھی یہ قانون مشتہر نہ ہوا تھا،قانون کی شہرت سے پہلے اس کے احکام مرتب نہیں ہوتے۔اب اگر کوئی نمازی بے خبری سے یہ کرے گا تو نماز دہرانا واجب ہوگا کیونکہ یہ قانون مشہور ہوچکا بے خبری عذر نہیں۔لہذا یہ حدیث سواد اعظم کے خلاف نہیں۔امام شافعی و ابویوسف اس حدیث کی بنا پر فرماتے ہیں کہ نماز میں چھینک کا جواب دینا حرام ہے لیکن اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔

۱۰؎ حضور علیہ السلام کو مہربان دیکھ کر دینی مسائل پوچھنے شروع کردیئے۔کاہن وہ لوگ ہیں جنہیں شیاطین سے تعلق ہوتا ہے علم غیب کا دعویٰ کرتے ہیں اور آئندہ کی جھوٹی سچی خبریں دیتے ہیں جیسے آج کل پنڈت اور جوگی۔عراف وہ کہلاتے ہیں جو چھپی چیزیں چوری کے مال کا پتہ بتاتے ہیں،کاہنوں سے غیبی چیزیں پوچھنا گناہ کبیرہ بلکہ قریب کفر ہے اس کی بحث ان شاء اللہ باب الکھانت میں ہوگی۔

۱۱؎ کفار عرب میں فال کے بہت طریقے تھے:ان میں سے ایک پرندے اڑانا تھا کہ اگر کسی کام کو چلے اور راستہ میں کوئی چڑیا بیٹھی ملی اسے اڑایا،اگر دائیں طرف اڑی تو سمجھے کامیابی ہے اگر سیدھی اڑے تو سمجھے کامیابی میں دیر ہے اور اگر بائیں طرف اڑی تو ناکامی کا یقین کرکے واپس لوٹ آئے۔حضور علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ یہ ان کے نفسیاتی وسوسے ہیں رب پر توکل چاہیے اور ایسے وہمیات کی بنا پر کام چھوڑنا نہیں چاہیے۔فال کی بحث انشاءاللہ باب الفال میں آئے گی۔

۱۲؎ لکیریں کھینچنے سے مراد رمل ہے جس میں خطوط کے ذریعہ غیبی بات معلوم کی جاتی ہے جیسے علم جفر میں عددوں سے،علم رمل حضرت دانیال کا معجزہ تھا اور علم جفر حضرت ادریس علیہ السلام کا جس کو ان بزرگوں کی خطوط یا اعداد سے مناسبت ہوگی،اس کا درست ہوگا ورنہ غلط۔بعض علماء نے اس حدیث سے دلیل پکڑی کہ عمل رمل اور جفر جائز ہے لیکن بغیر کمال اس پر اعتماد نہیں کرسکتے۔

۱۳؎ یعنی میں نے لٰکِنِّیْ سَکَتُّ کو صحیح مسلم میں پایا اور جامع اصول میں لٰکِنِّیْ پر لفظ کَذَا لکھا ہے جو اس کی صحت کی علامت ہے کیونکہ وہ صحیح پر لفظ کَذَا لکھ دیا کرتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کہ وہ نماز میں ہوتے سلام کرتے تھے آپ ہمیں جواب دیتے تھے ۱؎ جب ہم نجاشی کے پاس سے لوٹے ۲؎ تو ہم نے آپ کو سلام کیا آپ نے ہمارا جواب نہ دیا ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کو نماز میں سلام کرتے تھے اور آپ جواب دیتے تھے فرمایا نماز میں مشغولیت ہے ۳؎ |

| | |
|---|---|
| | (مسلم،بخاری) |

۱؎ یعنی ہجرت سے پہلے نماز میں کلام و سلام سب جائز تھا اس بنا پر حضور علیہ السلام بحالت نماز سلام کا جواب دیتے تھے ان حضرات کے حبشہ جانے کے بعد کلام منسوخ ہوا۔خیال رہے کہ "وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ" سورۂ بقر میں ہے سورۂ بقر مدنی ہے لہذا نسخ کلام بعد ہجرت ہوا۔

۲؎ نجاشی بادشاہ حبشہ کا لقب تھا جیسے فرعون بادشاہ مصر کا،حضور علیہ السلام کے زمانہ کے نجاشی کا نام اصحمہ تھا اس نے مظلوم صحابہ کو اپنے ملک میں امن دی اور انہی کے ذریعہ حضور علیہ السلام پر غائبانہ ایمان لایا اور انہی کی معرفت حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں بہت سے تحفے بھیجے،حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان جو ایمان لاکر حبشہ ہجرت کرگئی تھیں،اصحمہ ہی نے ان کا غائبانہ نکاح حضور علیہ السلام سے کیا،جب حضور علیہ السلام مدینہ پاک تشریف لائے تو حبشہ کے مہاجر صحابہ مدینہ منورہ میں آگئے،ان بزرگوں کو صاحبِ ہجرتین کہتے ہیں،انہی اصحمہ اور ان کے ساتھیوں کا ذکر قرآن کریم نے بہت شان سے کیا ہے۔"وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ"۔نجاشی کا انتقال ۹ھ؁ فتح مکہ سے پہلے حبشہ میں ہوا،جبریل امین نے انکی لاش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کردی حضور علیہ السلام نے غائبانہ جنازہ پڑھا،بہت عرصہ تک ان کی قبر سے انوار نکلتے تھے جس سے رات میں سارا جنگل جگمگاجاتا تھا رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

۳؎ یعنی اب نماز مناجات،عبودیت،اور استغراق سے گھیردی گئی،اس میں نہ کلام ہے نہ سلام۔فقہاء فرماتے ہیں کہ نمازی اشارے سے بھی سلام کا جواب نہیں دے سکتا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت معیقیب سے ۱؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی اس شخص کے بارے میں جو سجدے کی جگہ مٹی برابر کرے فرمایا اگر تمہیں کرنا ہے تو ایک بار ۲؎ (مسلم،بخاری) |

۱؎ آپ کا نام معیقیب ابن فاطمہ ہے،دوسی ہیں،سعد ابن عاص کے آزاد کردہ غلام ہیں،قدیم الاسلام ہیں،صاحب ہجرتین ہیں،حضور علیہ السلام کی انگوٹھی آپ کے پاس رہتی تھی،انہی سے حضرت صدیق اکبر نے حضور علیہ السلام کے بعد یہ انگوٹھی لی،آخر میں جذام میں مبتلا ہوگئے تھے،خلافت عثمانی یا حیدری میں وفات پائی رضی اللہ تعالٰی عنہ،دوسرے معیقیب تابعی ہیں وہ اور ہیں۔

۲؎ یعنی کسی نے حضور علیہ السلام سے مسئلہ پوچھا کہ نمازی بحالت نماز سجدہ کی جگہ سے کنکر کانٹا ہٹا سکتا ہے یا نہیں اور مٹی صاف کرسکتا ہے یا نہیں،فرمایا ضرورتًا ایک بار کرسکتا ہے۔اس سے فقہاء نے بہت سے مسائل مستنبط کیے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے سے منع |

| | |
|---|---|
| | فرمایا۔۱؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ یعنی نماز کی کسی حالت میں،قیام،قومہ،قعود میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا منع ہے بلکہ نماز سے خارج بھی ممنوع ہے کہ یہ ابلیس کا طریقہ ہے،نیز دوزخی تھک کر ایسے ہاتھ رکھا کریں گے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں **خصر** سے مراد لاٹھی یا دیوار پر ٹیک لگانا ہے،عربی میں **خاصرہ** لاٹھی کو کہتے ہیں،یہ ٹیک بلاضرورت ممنوع،ضرورۃً جائز ہے،بوڑھا آدمی لاٹھی بغل میں لے کر نماز پڑھ سکتا ہے،سلیمان علیہ السلام نے اپنی آخری نماز لاٹھی کی ٹیک پر ہی پڑھی جس میں آپ کی وفات ہوئی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ یہ اچکنا ہے شیطان بندے کی نماز سے اچکتا ہے ۱؎(مسلم،بخاری) |

۱؎خیال رہے کہ نماز میں کعبہ سے سینہ پھر جانا نماز کو توڑ دیتا ہے،صرف چہرہ پھرنا مکروہ ہے،کنکھیوں سے ادھر ادھر دیکھنا خلاف مستحب۔یہاں التفات سے غالبًا دوسرے معنے مراد ہیں جو مکروہ ہیں۔ممکن ہے تیسرے معنے مراد ہوں،ابھی معاویہ ابن حکم کی روایت میں گزر چکا کہ صحابہ نے انہیں گوشہ چشم سے دیکھا۔بعض روایات میں ہے کہ حضور علیہ السلام بھی کبھی اس طرح دیکھتے تھے وہ سب بیان جواز کے لیے ہے اور یہ حدیث بیان استحباب کے لیئے لہذا حدیثوں میں تعارض نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قومیں نماز میں دعا کے وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے سے باز رہیں ورنہ ان کی نگاہیں چھین لی جائیں گی ۱؎(مسلم) |

۱؎یعنی نماز میں دعائیہ یا آخری دعا پڑھنے پر نہ ہاتھ اٹھائے نہ آسمان کی طرف نگاہ کہ یہ مکروہ ہے،خارج نماز ہاتھ بھی اٹھائے اور نگاہ بھی کیونکہ آسمان قبلہ دعا ہے جیسے کعبہ قبلہ نماز،سرکار علیہ السلام کا یہ فرمان اظہار آفتاب کے لیے ہیں۔خیال رہے کہ پہلے حضور علیہ السلام نماز میں کبھی آسمان کو دیکھا کرتے تھے جب یہ آیت اتری"الَّذِیۡنَ هُمۡ فِیۡ صَلَاتِهِمۡ خٰشِعُوۡنَ"تب چھوڑ دیا۔تبدیلی قبلہ کے وقت حضور علیہ السلام کا نماز میں آسمان کی طرف دیکھنا آپ کی خصوصیت تھی کہ وہ نماز ناز تھی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابو قتادہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ لوگوں کی امامت کرتے تھے اور امامہ بنت ابی العاص آپ کے کندھے پر ہوتیں ۱؎جب رکوع کرتے تو انہیں اتار دیتے اور جب سجدہ سے سر |

| | |
|---|---|
| | اٹھاتے تو انہیں لوٹا لیتے ۲؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی یعنی حضرت زینب کی بیٹی ہیں۔علی مرتضٰی نے فاطمہ زہرا کی وفات کے بعد آپ سے نکاح کیا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بڑی محبت تھی حتی کہ کبھی نماز میں بھی آپ کو کندھے پر رکھتے تھے۔

۲؎ حق یہ ہے کہ یہ عمل حضور علیہ السلام کی خصوصیت میں سے ہے ہمارے واسطے مفسد نماز ہے کیونکہ نماز میں بچی کو اتارنا چڑھانا اور روکنا عمل کثیر سے خالی نہیں،علماء نے اس کی بہت سی توجیہیں کی ہیں مگر جو فقیر نے کہا وہ حق ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی نماز میں جمائی لے تو جہاں تک ہوسکے دفع کرے کیونکہ شیطان داخل ہوجاتا ہے ۱؎(مسلم) |

۱؎ جمائی دفع کرنے کی تین صورتیں ہیں:ایک یہ کہ جمائی آتے وقت یہ سوچ لے کہ انبیاء کرام کو جمائی نہیں آتی تھی۔دوسرے یہ کہ نچلا ہونٹ دانت سے دبالے۔تیسرے یہ کہ ناک سے زور کے ساتھ سانس نکالے اگر دفع نہ ہوسکے تو بائیں ہاتھ کی انگلیوں کی پشت منہ پر رکھ لے

| | |
|---|---|
| | بخاری کی روایت میں حضرت ابوہریرہ سے ہے فرمایا تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آئے تو بقدر طاقت دفع کرے اور نہ کہے"ھا"کیونکہ یہ شیطان سے ہے کہ وہ اس سے ہنستا ہے ۱؎ |

۱؎ چنانچہ اگر نماز میں "ہاہ" منہ سے نکل جائے تو نماز جاتی رہے گی کہ اس میں تین حروف ادا ہوگئے اور اگر فقط "ہا" نکلا تو نماز مکروہ ہوگئی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک خبیث جن آج رات کھل گیا ۱؎ تاکہ میری نماز توڑ دے اللہ نے مجھے اس پر طاقت دی میں نے اسے پکڑ لیا ۲؎ میں نے سوچا کہ اسے مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب اسے دیکھو ۳؎ لیکن مجھے اپنے بھائی سلیمان کی دعا یاد آگئی کہ مولا مجھے وہ ملک دے جو کسی کے لائق نہ ہو میرے بعد تو میں نے اسے ناکام چھوڑ دیا ۴؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قید سے کہ آپ شیاطین کی ایک جماعت کو قید کر گئے تھے ان میں سے ایک چھوٹ کر میرے پاس آگیا اور میرے قلب میں وسوسے ڈالنے کی کوشش کرنے لگا۔معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی نگاہ جنات اور شیاطین کو دیکھتی ہے اور جہاں وہ بند ہیں وہ جگہ بھی حضور علیہ السلام کی نگاہ کے سامنے ہے اور حضور انکے ہر حال سے خبردار ہیں،قرآن کریم کا یہ فرمانا:"مِنۡ حَيۡثُ لَا تَرَوۡنَهُمۡ"ہم لوگوں کے لیے ہیں حضور علیہ السلام اس سے علیحدہ ہیں جب حضور علیہ السلام کی نگاہ سے فرشتے نہیں چھپتے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں خود رب تعالٰی کو دیکھ لیا تو جنات و شیاطین کیسے چھپ سکتے ہیں۔خیال رہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کی ایک خبیث ترین جماعت کو قید کردیا تھا جو اب تک قید میں ہے کیونکہ جنات کی عمریں بڑی ہوتی ہیں ان کا یہاں ذکر ہے ورنہ اور جماعتیں شیاطین کی کھلی پھرتی ہیں۔

۲؎ حق یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے حضور علیہ السلام کو دائمی طاقت بخشی،جس سے آپ شیاطین کو پکڑ سکتے ہیں۔حضرت ابوہریرہ نے شیطان کو صدقہ کا مال چوری کرتے ہوئے پکڑ لیا تو وہ آپ سے نہ چھوٹ سکا،حضرت معاویہ نے ایک شیطان کو پکڑ لیا تو وہ آپ سے نہ چھوٹ سکا جب ذرات کی طاقتوں کا یہ حال ہے تو آفتاب نبوت کی قدرت کا کیا پوچھنا۔اب بھی بعض عامل حضرات جنات کو قید کردیتے ہیں،جلادیتے ہیں۔

۳؎ یعنی میں اسے باندھ دیتا تو وہ کھل نہ سکتا نہ چھوٹ کر بھاگ سکتا اور پھر وہ سب پر ظاہر ہوجاتا تم سب اسے دیکھتے،ہمارے باندھنے کی برکت سے یہ غیب شہادت بن جاتا۔

۴؎ یعنی چونکہ جنات پر قبضہ حضرت سلیمان کا خصوصی معجزہ بن چکا ہے اگر اس قبضہ کو ہم ظاہر فرمادیتے تو یہ ان کی خصوصیت نہ رہتا اس لیے اسے چھوڑدیا۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ شیطان کا جسم نجس نہیں اور اس کے چھونے سے نماز نہیں جاتی،نمازی کا ہاتھ نجس نہیں ہوتا۔دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا خشوع و خضوع اور طرف متوجہ ہونے سے نہیں جاتا دیکھو حضور علیہ السلام نے شیطان کو پکڑ بھی لیا باندھنے کا ارادہ بھی کیا پھر چھوڑ بھی دیا مگر نماز کے خشوع میں کوئی فرق نہ آیا۔تیسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کو اللہ تعالٰی نے گزشتہ نبیوں کے کمالات بخشے مگر ان میں سے بعض کا اظہار نہ فرمایا تاکہ ان بزرگوں کی خصوصیات میں فرق نہ آئے۔چوتھے یہ کہ نبی کی طاقت جنات و فرشتوں سے زیادہ ہے کہ شیطان آپکی پکڑ سے چھوٹ نہ سکا،حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو تھپڑ مارا تو ان کی آنکھ جاتی رہی۔اس جگہ اشعۃ اللمعات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت،قدرت،تصرف،ملک الموت جن وانس اور تمام عالم پر ہے،ہر شے آپ کے قبضہ میں ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے نماز میں کوئی چیز پیش آجائے تو تسبیح پڑھے کیونکہ تالی عورتوں کے لیے ہے ایک روایت میں ہے کہ فرمایا تسبیح مردوں کے لیے ہے اور تالی عورتوں کے لیے ۱؎(مسلم،بخاری) | |

۱یعنی اگر نمازی کو کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے جس سے اسے بولنا پڑے مثلًا اسے کوئی پکار رہا ہے یا کوئی بے خبری میں سامنے سے گزرنا چاہتا ہے تو مرد تو زور سے سبحان اللہ کہہ دے اور عورت بائیں ہاتھ کی پشت پر داہنی ہتھیلی مار دے تاکہ پکارنے والے اور گزرنے والے کو اسکا نماز میں ہونا معلوم ہوجائے۔اس سے معلوم ہوا کہ عورت کی آوا ز بھی عورت ہے نامحرم نہ سنے افسوس ان عورتوں پر جو گابجا کر اپنی آواز یں غیروں کو سنائیں۔خیال رہے کہ اگر نمازی عورت کا محرم بھی اسے پکارے یا سامنے سے گزرنے لگے تب بھی عورت تالی ہی بجائے کیونکہ اس کے لیئے قانون ہی یہ ہوگیا۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ ہم حبشہ جانے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے تھے حالانکہ آپ نماز میں ہوتے تو آپ ہم کو جواب دیتے تھے پھر جب ہم حبشہ سے لوٹے تو میں آپ کی خدمت میں آیا آپ کو نماز پڑھتے پایا میں نے آپ کو سلام کیا تو مجھے آپ نے جواب نہ دیا حتی کہ جب اپنی نماز پوری کی تو فرمایا اللہ اپنے احکام میں جو چاہے نئے حکم دے اب جو نیا حکم بھیجا اس میں یہ ہے کہ نماز میں کلام نہ کرو پھر آپ نے مجھے سلام کا جواب دیا۱ |

۱یہ سلام کا جواب استحبابًا تھا تاکہ حضرت ابن مسعود کا دل خوش ہوجائے ورنہ اگر کوئی نمازی کو،تلاوت قرآن کرنے والے کو یا قضائے حاجت کرنے والے کو سلام کرے تو ان پر جواب دینا واجب نہیں کیونکہ ان حالتوں میں سلام کرنا سنت نہیں،مسنون سلام کا جواب واجب ہے نہ کہ ممنوع سلام کا،لیکن اگر فراغت کے بعد جواب دے دیا جائے تو بہتر ہے(لمعات)اس سے بہت سے مسائل مستنبط ہوسکتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | اور فرمایا کہ نماز قرآن پڑھنے اور اللہ کے ذکر کے لیے۱ جب تم نماز میں ہو تو یہ ہی تمہارا حال ہونا چاہیے۔(ابوداؤد) |

۱یہاں اللہ کے ذکر سے مراد تلاوت کے علاوہ دوسرے اذکار ہیں تسبیحیں اور التحیات وغیرہ۔اس سے معلوم ہوا کہ نمازی کا التحیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنا بھی اللہ کا ذکر ہے جس سے نماز ناقص نہیں بلکہ کامل ہوتی ہے ورنہ کسی بندے کو مخاطب کرکے آیت پڑھنا بھی نماز توڑ دیتا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے |

| | |
|---|---|
| | حضرت بلال سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جواب کیسے دیتے تھے جب صحابہ آپ کو نماز میں سلام کرتے تو فرمایا کہ اپنے ہاتھ سے اشارہ کردیتے تھے ۱؎ (ترمذی) اور نسائی کی روایت میں اسی طرح ہے اور بجائے بلال کے صہیب ہے۔ |

۱؎ شاید یہ اس وقت کا ذکر ہے جب کہ نماز میں زبانی سلام و جواب ممنوع ہوچکا تھا اشارے جائز تھے، پھر یہ بھی ممنوع ہوگیا۔ چنانچہ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے کہ اگر نمازی سر یا ہاتھ سے سلام کا جواب دے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ ظاہر یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی مگر مکروہ ہوگی بہرحال اب اشارہ بھی منسوخ ہے اس حدیث سے ہی نسخ معلوم ہورہا ہے کیونکہ حضرت ابن عمر نے حضور علیہ السلام کو اشارہ کرتے دیکھا نہیں بلکہ سنا تھا، تو حضرت بلال سے پوچھا اگر اشارہ اخیر تک جاری رہتا تو آپ دیکھ لیتے۔ خیال رہے کہ سلام کے اشارے مختلف ہیں کبھی انگلی اٹھا کر کبھی پیشانی پر لگا کر کبھی داہنا ہاتھ الٹا کرکے یہاں تیسری صورت مراد ہے جیسا کہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی کی احادیث میں ہے۔ (اشعہ)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے رفاعہ ابن رافع سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی میں چھینکا تو کہہ لیا تمام تعریفیں اللہ کی ہیں زیادہ اچھی اس میں برکت والی اس پر برکت جیسے ہمارا رب چاہے اور راضی ہوا ۱؎ تو جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی تو پھرے اور فرمایا نماز میں کلام کرنے والا کون تھا کوئی نہ بولا پھر دوبارہ یہی فرمایا کوئی نہ بولا پھر سہ بار یہی فرمایا تو رفاعہ نے عرض کیا یارسول اللہ میں ہوں ۲؎ تب نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اس میں تیس اور چند فرشتوں نے جلدی کی کہ کون انہیں لے کر چڑھے ۳؎ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) |

۱؎ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب نماز میں کلام منسوخ نہیں ہوا تھا اب نمازی چھینک پر یہ نہیں کہہ سکتا۔ (مرقاۃ) بعض علماء نے فرمایا اب بھی یہ جائز ہے، بعض نے فرمایا دل سے کہے زبان سے نہ کہے مگر پہلی بات زیادہ قوی ہے۔ فتح القدیر میں ہے کہ اگر زبان سے یہ کلمے ادا کیئے تو نماز جاتی رہے گی۔

۲؎ صحابہ کرام کا خاموش ہونا حضور علیہ السلام کی ہیبت کی وجہ سے تھا ورنہ اس وقت نماز میں کلام جائز تھا۔خیال رہے کہ اس حمد کرنے والے کو حضور علیہ السلام نے متکلم فرمایا حَامِد نہ فرمایا۔معلوم ہوا کہ یہ کلام میں شمار ہے اب جیسے اور کلاموں سے نماز فاسد ہوگی ایسے ہی اس سے۔

۳؎ یعنی یہ الفاظ ایسے مقبول ہوئے کہ ہر فرشتہ چاہتا تھا کہ انہیں لے کر بارگاہِ الٰہی میں میں پہلے پیش ہوں۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی نگاہ غیبی چیزوں فرشتوں وغیرہ کو بھی دیکھتی ہے اور منہ سے نکلے ہوئے کلمات کو بھی ملاحظہ فرماتی ہیں اور اس ملاحظہ سے آپ کی نماز کے حضور میں کچھ فرق نہیں آتا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز میں جمائی شیطان کی طرف سے ہے تو جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو بقدر طاقت دفع کرے ۱؎(ترمذی)اور ترمذی کی دوسری روایت میں اور ابن ماجہ میں ہے کہ اپنا ہاتھ اپنے منہ میں رکھ لے ۲؎ | |

۱؎ ہر جمائی شیطان کے اثر سے ہے نماز میں ہو یا باہر مگر چونکہ نماز میں زیادہ بری ہے اس لیے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔جمائی غفلت سے،سستی سے،زیادہ کھانے اور نیند کے غلبہ سے ہوتی ہے اور ان سب میں شیطان کا اثر ہے لہذا یہ فرمانا بالکل حق ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ رب تعالٰی چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند اسی لیے چھینک پر الحمدللہ پڑھی جاتی ہے اور جمائی پر لاحول،انبیاء کرام جمائی سے محفوظ ہیں۔

۲؎ یعنی اگر جمائی دفع نہ ہوسکے تو بائیں ہتھیلی کی پشت پھیلے ہوئے منہ پر رکھے۔دفع کرنے کی صورتیں عرض کی جاچکیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت کعب ابن عجرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی جب وضوکرے تو اچھا کرے پھر مسجد کے ارادے سے نکلے ۱؎ تو انگلیوں میں انگلیاں نہ ڈالے کیونکہ وہ نماز میں ہے ۲؎ (احمد،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،دارمی) | |

۱؎ سنت یہی ہے کہ وضو گھر سے کرکے مسجد کو جائے،بہتر یہ ہے کہ درود شریف پڑھتا ہوا جائے۔

۲؎ یعنی یہ شخص حکمًا نماز میں ہے اسی لیے اس حالت میں نماز کا ثواب پارہا ہے اور نماز میں تو یہ کام منع ہے کیونکہ یہ ایک قسم کا کھیل اور عبث ہے اس لیے اب بھی یہ نہ کرے یہ ایسا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعتکاف نماز ہے لہذا باوضو کرو اور اس میں دنیوی کام نہ کرو لہذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ نماز کے سارے ممنوعات اس وقت منع ہوجائیں خارج نماز کبھی کبھی یہ کام کرلینا جائز ہمیشہ کرنا بہتر نہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کبھی کوئی بات سمجھانے کے لیئے انگلیوں میں تشبیک فرمائی ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابو ذر سے فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالٰی بندے پر متوجہ رہتا ہے جب کہ وہ نماز میں ہو جب تک ادھر ادھر نہ دیکھے جب ادھر دیکھتا ہے تو رب اس سے اعراض کرتا ہے ۱؎(احمد،ابوداؤد،نسائی،دارمی) | |

۱؎یہاں التفت سے مراد منہ موڑ کر ادھر ادھر دیکھنا ہے فقط نگاہوں سے التفات ناجائز نہیں۔اگر چہ مستحب یہ ہے کہ قیام میں نگاہ سجدہ گاہ میں رہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت انس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انس اپنی نگاہ سجدہ گاہ پر رکھو ۱؎ | |

۱؎امام طیّبی فرماتے ہیں مستحب یہ ہے کہ قیام میں نظر سجدہ گاہ پر ہو،رکوع میں پاؤں کی پشت پر،سجدہ میں ناک کے بانسے پر،التحیات میں گود پر،ہر نماز کا یہی حکم ہے،ہاں حرم شریف میں نمازی قیام میں کعبۃ اللہ کو دیکھے۔بعض روایات سے معلوم ہوتاہے کہ صحابہ کرام نماز میں حضور علیہ السلام کو دیکھتے تھے جیسا کہ ہم نے پیچھے بارہا بیان کیا ان شاء اللہ آئندہ بھی عرض کریں گے۔یہاں مشکوۃ شریف میں رواہ کے بعد سفیدی ہے کیونکہ مصنف کو حدیث کا حوالہ نہیں ملا بعد میں رواہ کے بعد والی عبارت ملحق کی گئی۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میرے بچے نماز میں التفات سے بچو کیونکہ نماز میں التفات ہلاکت ہے اگر ضروری ہو تو نفل میں ہو نہ کہ فرض میں ۱؎(ترمذی) | |

۱؎کیونکہ نفل میں گنجائش ہے فرض میں تنگی،دیکھو نفل میں قیام پر قادر ہونے کے باوجود بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔حدیث کا مطلب یہ ہے کہ فرض میں التفات زیادہ مکروہ ہے نفل میں کم،یہاں التفات سے وہی مراد ہوگا جو پہلے عرض کیا گیایعنی منہ پھیر کر دیکھنا،ہلاکت سے مراد ثواب گھٹ جانا ہے۔قرآن شریف میں یہ لفظ تین معنے میں آیا ہے:(۱)اپنی چیز غیر کے پاس پہنچ جانا(۲)شے کا فنا ہوجانا(۳)موت۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دائیں بائیں کنکھیوں سے دیکھتے تھے اور اپنی گردن پیٹھ کے پیچھے نہ موڑتے تھے ۱؎(ترمذی،نسائی) | |

۱؎ یہ حدیث گزشتہ ان احادیث کی شرح ہے جن میں التفات سے منع کیا گیا اس نے بتایا کہ وہاں مراد سر پھیر کر دیکھنا تھا بغیر سر پھیرے دیکھنا جائز اگرچہ خلاف مستحب ہے حضور علیہ السلام کا یہ فعل شریف بیان جواز کے لیے ہے حضور علیہ السلام کو بعض مکروہ فعلوں پر مستحب کا ثواب ملتا ہے کیونکہ آپ کی یہ عملی تبلیغ ہے۔(مرقاۃ)

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عدی ابن ثابت سے ۱؎ وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی اسے مرفوع کیا فرماتے ہیں کہ نماز میں چھینک،اونگھ،جمائی،حیض،قے اور نکسیر شیطان سے ہیں ۲؎(ترمذی) | |

۱؎ تابعی ہیں،انصاری ہیں،کوفی ہیں،ابن حبان اور ابو حاتم نے انہیں ثقہ کہا،بعض محدثین نے کہا ہے کہ یہ غالی شیعہ تھا،شعیوں کی مسجد کا امام تھا انہی کا عالم وقاضی تھا اس کے دادا کا نام دینار ہے جو صحابی تھے۔

۲؎ یعنی یہ وہ چیزیں ہیں کہ جب یہ نماز میں آجائیں تو شیطان ان سے خوش ہوتا ہے کہ میں نے اس کی نماز میں خلل ڈال دیا،ورنہ یہ چیزیں ممنوع ہیں نہیں،قدرتی ہیں بلکہ چھینک تو خدا کی نعمت ہے جب کہ بیماری سے نہ ہو۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت مطرف ابن عبداللہ ابن شخیر سے ۱؎ وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کے پیٹ میں ہانڈی کی سی کھولن تھی یعنی رو رہے تھے ۲؎ اور ایک روایت میں ہے فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا حالانکہ آپ کے سینے میں رونے سے چکی کی سی گڑگڑاہٹ تھی۔(احمد)اور نسائی نے پہلی روایت اور ابوداؤد نے دوسری روایت کی۔ | |

۱؎ مطرف تابعی ہیں اور ان کے والد عبداللہ ابن شخیر صحابی ان کا پورا نام یہ ہے مطرف ابن عبداللہ ابن عامر ابن صعصعہ شخیر۔

۲؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ رونا خوف خدایا عشق الٰہی میں تھا یا اپنی امت کی شفاعت میں جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ حضور علیہ السلام تہجد پڑھ رہے تھے اور آیت اِنْ تُعَذِّبْهُمْ الخ بار بار پڑھتے تھے اور روتے تھے یہ رونا رب تعالٰی کو بہت پیارا ہے،اب بھی جو نمازی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق یا خدا کے خوف سے نماز میں روئے تو نماز بڑی مقبول ہوتی ہے خصوصًا نماز تہجد،ہاں دنیوی تکلیف سے نماز میں رونا منع ہے اور اگر اس میں تین حرف ادا ہوگئے تو نماز فاسد ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی | |

| | |
|---|---|
| | نماز میں کھڑا ہو تو کنکر نہ چھوئے کیونکہ رحمت اس کے سامنے ہے[1] (احمد،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ) |

[1] یعنی کنکروں سے نہ کھیلے،افسوس ہے کہ رب کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہو اور وہ کنکروں کی طرف۔خیال رہے کہ سجدہ گاہ سے کانٹا یا کنکرہٹانا یا زمین ہموار کرنا درست ہے کیونکہ یہ کھیلنے کے لیے نہیں بلکہ نماز کی اصلاح کے لیے ہے۔لیکن صرف ایک بارکرے جیسا کہ پہلے گزر گیا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لڑکے کو جسے افلح کہا جاتا تھا دیکھا کہ جب وہ سجدہ کرتا ہے تو پھونک مارتا تو فرمایا اے افلح اپنا چہرہ خاک آلود کر[1] (ترمذی) |

[1] یعنی ناک و پیشانی پر خاک لگنے دے اس میں صفائی کا زیادہ خیال نہ کر۔خیال رہے کہ غلام عربی میں لڑکے کو کہا جاتا ہے،قرآن پاک میں یہ لفظ ہر جگہ اسی معنی میں آیا ہے،سجدہ گاہ کی مٹی پیشانی میں لگنے دے مگر بعد نماز صاف کردے تاکہ ریاء نہ ہوجائے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا دوزخیوں کا آرام ہے[1] (شرح سنہ) |

[1] یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے مگر مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ یہ چیز عقل سے وراءہے۔مطلب یہ ہے کہ دوزخی جب بہت تھک جایا کریں گے تو کوکھ پر ہاتھ رکھا کریں گے ورنہ دوزخ میں آرام کہاں۔اسی جگہ مرقاۃ نے فرمایا کہ شیطان جب زمین پر آیا تو کوکھ پر ہاتھ رکھے ہوئے تھا اب بھی کوکھ پر ہاتھ رکھ کر ہی چلتا ہے۔لمعات میں ہے کہ یہ یہودیوں کا عمل ہے۔خیال رہے کہ حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا جہنمیوں کا طریقہ ہے کیونکہ دوزخی نماز کہا ں پڑھیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا سخت برا ہے کہ یہ طریقہ دوزخیوں کا ہے جنتی ہوکر دوزخیوں سے مشابہت کیوں کرتا ہے۔خیال رہے کہ نماز کے علاوہ بھی دونوں کوکھوں یا ایک کوکھ پر رکھنا یا پیٹھ کے پیچھے ہاتھ باندھنا بلاضرورت منع ہے یا ہاتھ کھلے رکھے یا نمازی کی طرح آگے باندھے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز میں دو کالی چیزوں سانپ اور بچھو کو قتل کردو[1] (احمد،ابوداؤد) ترمذی اور نسائی نے اس کے معنے۔ |

[1] عربی میں اسود کالے سانپ کو کہتے ہیں یا مطلقًا ہر سانپ مراد ہے اور تغلیبًا سانپ بچھو،دونوں کو اَسْوَدَیْن فرمادیا جیسے ماں باپ کو اَبَوَیْن اور چاند سورج کو قَمَرَیْن کہدیتے ہیں اگر نمازی بحالت نماز سانپ یا بچھو دیکھے تو اسے مار سکتا ہے اگر عمل قلیل سے مار دیا تو نماز نہ ٹوٹے گی اور اگر اس کے لیئے کعبہ سے سینہ پھر گیا یا متواتر تین

قدم چلنا پڑا یا تین چوٹیں مارنی پڑیں تو نماز ٹوٹ جاوے گی دوبارہ پڑھنی ہوگی مگر یہ شخص نماز توڑنے کا گنہگار نہ ہوگا اس حدیث کی اجازت کی وجہ سے کسی کی جان بچانے کے لیئے نماز توڑ دینا درست ہے یا ریل چھوٹ جانے پر مسافر نماز توڑ کر سوار ہوسکتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہرقسم کا سانپ مارنے کی اجازت ہے۔وہ حدیث کہ پتلا سانپ نہ مارو جو چلنے میں لہراتا نہ ہو کیونکہ وہ جنی ہے منسوخ ہے،ہاں اگر کسی سانپ میں جن کی علامت موجود ہو تو اگر دفع ضرر کے لیئے اسے نہ مارے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفل پڑھ رہے تھے ۱؎ اور دروازہ آپ پر بند تھا میں آئی دروازہ کھلوایا تو آپ چلے اور میرے لیے کھول دیا پھر اپنے مصلی کی طرف لوٹ گئے اور آپ نے ذکر کیا کہ دروازہ جانب قبلہ تھا ۲؎ (احمد،ابوداود،ترمذی)نسائی نے اس کی مثل روایت کی۔ | |

۱؎ نفل کا ذکر بیان واقعہ کے لیے ہے کیونکہ حضور علیہ السلام فرض مسجد میں ادا کرتے تھے نہ کہ حجرہ میں،نماز ٹوٹنے نہ ٹوٹنے میں نفل و فرض کے احکام یکساں ہیں۔

۲؎ لہذا اس دروازہ کھولنے میں نہ آپ کا سینہ قبلہ سے پھرا نہ آپ کو عمل کثیر کرنا پڑا،ایک قدم بڑھا کر ایک ہاتھ سے کنڈی کھولی پھر ایک قدم ہٹاکر نماز کی جگہ پہنچ گئے جیسے اب بھی جب امام یا مقتدی کو آگے پیچھے ہٹایا جاتا ہے وہ ایک قدم سے ہٹ سکتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت طلق ابن علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کسی کو نماز میں ہوا آجائے تو پھر جائے وضو کرے نماز لوٹائے ۱؎ (ابوداؤد)ترمذی نے کچھ زیادتی کمی کے ساتھ۔ | |

۱؎ اگر عمدًا ہوا نکالی ہے تو نماز لوٹانا واجب ہے اگر اتفاقًا نکل گئی تو بنا جائز(یعنی بقیہ ادا کرنا)اور لوٹانا مستحب،بعض نے فرمایا اگر بنا میں جماعت ملتی ہو اور لوٹانے میں نہ ملتی ہو تو بنا مستحب ہے۔بنا کی مرفوع حدیثیں ابن ماجہ،دارقطنی میں مذکور ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق و عمرفاروق،علی مرتضٰی،سلمان فارسی وغیرھم صحابہ سے ثابت ہے لہذا یہ حدیث بنا کی روایتوں کے خلاف نہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی اپنی نماز میں بے وضو ہوجائے تو اپنی ناک پکڑ لے پھر چلا جائے ۱؎ (ابوداؤد) | |

اِوضو کرنے کے لیئے ناک پکڑنا اپنی شرمندگی مٹانے کے لیے ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کی نکسیر پھوٹ گئی۔اس سے معلوم ہوا کہ نکسیر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ورنہ یہ تدبیر بے کار ہوتی لہذا یہ حدیث حنفیوں کی دلیل ہےاور ناک پکڑنے کا حکم استحبابی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی سلام پھیرنے سے پہلے بے وضو ہوجائے حالانکہ آخر نماز بیٹھ لیا ہے تو اس کی نماز جائز ہوگئی ا(ترمذی)اور فرمایا کہ اس کی اسناد قوی نہیں اس کی اسناد میں اضطراب ہے ۲ |

ایعنی آخری قعدہ میں بقدر التحیات بیٹھ چکا تھا کہ اس کا وضو جاتا رہا تو اس کا فرض ادا ہوگیا اگر عمدًا وضو توڑا ہے تو امام اعظم کے نزدیک بھی ادا ہوگیا کیونکہ ارادةً نماز سے نکلنا پالیا گیا اور اگر اتفاقًا بلاقصد وضو ٹوٹ گیا تو صاحبین کے ہاں نماز ہوگئی کیونکہ ان کے ہاں ارادةً نماز سے نکلنا فرض نہیں۔یہ حدیث امام صاحب کی قوی دلیل ہے کہ آخری التحیات میں بیٹھنا فرض ہے نہ کہ پڑھنا اور سلام بھی فرض نہیں امام شافعی کے ہاں سلام فرض ہے۔

۲ حدیث کا اضطراب یہ ہے کہ مختلف اور متفاوت طریقوں سے روایت ہو کبھی اسناد میں اضطراب ہوتا ہے،کبھی متن میں اضطراب ضعف حدیث کی علامت ہے مگر طحاوی نے یہ حدیث بہت اسنادوں سے نقل کی اور تعدد اسناد ضعیف کو حسن بنادیتی ہے،حسن سے احکام ثابت ہوسکتے ہیں،نیز ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث امام ترمذی کو ضعیف یا مضطرب ہوکر ملی۔امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں صحیح تھی بعد کا ضعف اگلوں کو مضر نہیں۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو تشریف لائے جب تکبیر کہی اتو واپس ہوئے اور لوگوں کو اشارہ فرمایا کہ تم ایسے ہی رہو ۲پھر تشریف لے گئے تو غسل کر لیا پھر تشریف لائے حالانکہ سر شریف سے قطرے ٹپک رہے تھے۳پھر انہیں نماز پڑھائی جب نماز پڑھ لی تو فرمایا ہم جنبی تھے غسل کرنا بھول گئے ۴(احمد) |

۱؎یعنی صرف حضور علیہ السلام نے تکبیر تحریمہ کہی تھی صحابہ نہ کہہ پائے تھے کیونکہ یہاں صحابہ کی تکبیر کا ذکر نہیں۔یا ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تکبیر نہ کہی تھی بلکہ تکبیر کا ارادہ ہی کیا تھا ارادہ تکبیر کو تکبیر کہہ دیا گیا جیسے"اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَی الصَّلٰوۃِ"۔چنانچہ مسلم شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مصلے پر کھڑے ہوئے تھے تکبیر سے پہلے ہی واپس ہوگئے لہذا یہ حدیث نہ حنفیوں کے خلاف ہے نہ شافعی حضرات کی مؤید جیسا کہ ہم ابھی عرض کریں گے۔

۲؎یعنی صف بستہ کھڑے رہو نہ مسجد سے جاؤ نہ صفیں توڑو میں ابھی آتا ہوں۔

۳؎لباس شریف پر۔اس سے معلوم ہوا کہ ماء مستعمل نہیں ہوتا لہذا یہ حدیث صاحبین کی دلیل ہے۔

۴؎خیال رہے کہ امام شافعی کے نزدیک امام کی نماز فاسد ہونے سے مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوتی،ان کی دلیل یہ حدیث ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے صحابہ کو تکبیر لوٹانے کا حکم نہ دیا لیکن ہم ابھی عرض کرچکے کہ صحابہ نے تکبیر تحریمہ کہی ہی نہ تھی بلکہ خود سرکار نے بھی تکبیر کا ارادہ ہی کیا تھا جیسا کہ مسلم میں ہے لہذا ان کا یہ استدلال صحیح نہیں۔ہم اس کی بحث"باب الامامۃ"میں"اَلۡاِمَامُ ضَامِنٌ"کی شرح میں کرچکے ہیں۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہاں بھول جانا اور جنابت یاد نہ رہنا رب کی طرف سے تھا تاکہ امت کو اس کے مسائل معلوم ہوجائیں حضور علیہ السلام کی بے خبری کی وجہ سے نہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے غلام اولیاءاللہ دوسروں کی جنابت و طہارت کو جانتے ہیں۔اس جگہ مرقاۃ نے ایک عجیب قصہ بیان کیا کہ امام جُوَینِی نے ایک دن درس میں کہا صوفی لوگ قوالیوں میں کھانے اور ناچنے جاتے ہیں،ایک بزرگ وہاں سے گزرے تو بولے اے امام جوینی اس پر تمہارا کیا فتویٰ ہے جو جنابت میں فجر پڑھائے اور مسجد میں درس کی حالت میں لوگوں کی غیبت کرے، تب امام جوینی کو یاد آیا کہ میں جنبی تھا اور ایسے ہی نماز پڑھا دی آپ نے توبہ کی اور صوفیاء کے معتقد ہوگئے لہذا یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نفی نہیں کرتی بے علمی اور ہے اور بھول جانا کچھ اور ہماری بھول چوک نفسانی شیطانی ہوتی ہے،انبیاء کی بھول ایمانی و رحمانی،سارے انسانی عالم کا ظہور آدم علیہ السلام کی ایک بھول کا صدقہ ہے۔

| | |
|---|---|
| | اور مالک نے عطا ابن یسار سے ارسالًا روایت کیا۔ |

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر پڑھتا تھا تو کنکریوں کی ایک مٹھی لے لیتا تھا۱؎تاکہ وہ میرے ہاتھ میں ٹھنڈی ہوجائیں انہیں اپنی پیشانی کی جگہ رکھ لیتا تاکہ ان پر سجدہ کروں سخت گرمی کی وجہ سے ۲؎(ابوداؤد)نسائی نے اس کی مثل۔ |

۱؎ نماز سے پہلے کچھ بجری ٹھنڈی کرکے سجدہ گاہ میں رکھ لیتا تھا نہ کہ نماز کے اندر،لہذا یہ حدیث بالکل واضح ہے۔
۲؎ یعنی فرش سخت گرم ہوتا تھا جس پر سجدہ کرنا مشکل ہوتا اس لیے یہ عمل کرتا لہذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گرمیوں میں ظہر دوپہری میں پڑھتے تھے اور نہ یہ حدیث اس کے خلاف ہے کہ ظہر ٹھنڈی کرو،فرش بہت دیر تک گرم رہتا ہے لہذا یہ حدیث حنفیوں کے خلاف نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابودرداء سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو ہم نے آپ کو یہ کہتے سنا کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں پھر فرمایا میں تجھ پر اللہ کی لعنت کرتا ہوں تین بار اور اپنا ہاتھ بڑھایا گویا کچھ پکڑ رہے ہیں ۱؎ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے کہا یارسول اللہ ہم نے آپ کو نماز میں یہ کہتے سنا جو اس سے پہلے آپ کو کہتے نہ سنا تھا اور ہم نے آپ کو ہاتھ بڑھاتے دیکھا ۲؎ فرمایا کہ اللہ کا دشمن ابلیس آگ کا شعلہ لایا تھا تاکہ اسے میرے منہ میں کرے ۳؎ میں نے تین بار کہا کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں پھر میں نے کہا میں تجھ پر اللہ کی پوری لعنت کرتا ہوں وہ تین بار میں نہ ہٹا ۴؎ پھر میں نے اسے پکڑنا چاہا خدا کی قسم اگر ہمارے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو وہ بندھا ہوا سویرا کرتا جس سے مدینہ والوں کے بچے کھیلتے ۵؎ (مسلم) |

۱؎ یہ سارا واقعہ اس وقت کا ہے جب نماز میں کلام جائز تھا ورنہ اب اگر نمازی کسی کو خطاب کرکے دعا یا بددعا دے تو نماز جاتی رہے گی اور اگر کلام کی حرمت کے بعد کا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت میں سے ہے،لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کی خلاف نہیں کہ نماز میں لوگوں سے کلام جائز نہیں۔
۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بحالت نماز بجائے سجدہ گاہ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے جیسے حاجی حرم کی نماز میں کعبے کو دیکھتے ہوئے ورنہ سجدہ گاہ کو دیکھتے ہوئے امام کی حرکت کا پتہ نہیں لگ سکتا۔
۳؎ یہ واقعہ گزشتہ واقعہ کے علاوہ ہے وہاں ایک خبیث جن کھل کر آگیا تھا یہاں خود ابلیس آگیا تھا۔خیال رہے کہ ابلیس کاانبیائے کرام کی بارگاہ میں اس طرح پہنچ جاناایساہی ہے جیسے بادشاہ کے جسم پر مکھی،مچھر کابیٹھ جانااس سے نہ تو یہ لازم آتاہے کہ ابلیس کی طاقت حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے اور نہ یہ کہ حضور علیہ السلام معصوم نہ ہوں۔
۴؎ اپنی بے حیائی اور ضد سے نہ کہ طاقت اور قوت سے جیسے بعض دفعہ مکھیاں اڑانے سے نہیں اڑتی۔

۵؎ اس کی شرح و فوائد بھی کچھ پہلے بیان ہوچکے۔یہاں معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو رب نے طاقت دی ہے جب چاہیں شیطان کو پکڑ کا باندھ دیں لہذا گزشتہ حدیث میں جو تھا اَمۡکَنَنِیَ اللہُ اس کے معنی یہ نہیں تھے کہ ہم پہلے بے قابو تھے اب قابو دیا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دائمی قابو و اختیار دیا گیاہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر ایک شخص پر گزرے جو نماز پڑھ رہا تھا اسے سلام کیا اس نے کلام سے جواب دیا تو اس کی طرف حضرت عبداللہ ابن عمر لوٹے اس سے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی پر نماز کی حالت میں سلام کیا جائے تو کلام نہ کرے اپنے ہاتھ سے اشارہ دے ۱؎(مالک) |

۱؎ یہاں اشارے سے سلام کا اشارہ مراد نہیں بلکہ اپنے نماز میں ہونے کا اشارہ مراد ہے یعنی اگر کوئی نمازی کو بے خبری میں سلام کرے تو نمازی بتادے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں جیسے کہ ضرورت کے وقت مرد نمازی تسبیح کہے اور عورت تصفیق ورنہ سلام کا جواب اشارے سے دینا بھی منع ہے لہذا حدیث واضح ہے۔

## باب صفة الصلوة

### نمازپڑھنے کا طریقہ ۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱ اس باب میں نماز کے فرائض، واجبات، سنتیں اور مستحبات کا ذکر ہوگا یعنی اول سے آخر تک نماز کی ساری کیفیت کا ذکر۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ ایک شخص مسجد میں آیا ۱ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے ایک کونہ میں جلوہ گر تھے اس نے نماز پڑھی ۲ پھر آیا حضور کو سلام کیا اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وعلیکم السلام لوٹ جاؤ نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی ۳ وہ لوٹ گیا نماز پڑھی پھر آیا سلام کیا آپ نے فرمایا وعلیك السلام لوٹ جاؤ نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی اس نے تیسری بار یا اس کے بھی بعد عرض کیا یارسول اللہ مجھے سکھا دیجئے ۴ فرمایا جب تم نماز کی طرف اٹھو تو وضو پورا کرو پھر کعبے کو منہ کرو، پھر تکبیر کہو، پھر جس قدر قرآن آسان ہو پڑھ لو ۵ پھر رکوع کرو حتی کہ رکوع میں مطمئن ہو جاؤ پھر اٹھو حتی کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر سجدہ کرو حتی کہ سجدے میں مطمئن ہو جاؤ ۶ پھر اٹھو حتی کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ پھر سجدہ کرو حتی کہ سجدے میں مطمئن ہو جاؤ پھر اٹھو حتی کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔اور ایک روایت میں ہے پھر اٹھو حتی کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر اپنی ساری نماز میں یہی کرو ے (مسلم، بخاری) |

۱ یہ آنے والے حضرت خلاد ابن رافع انصاری ہیں جو جنگ بدر میں شہید ہوئے، یہ واقعہ سیدنا ابوہریرہ نے اپنی نگاہ سے نہیں دیکھا بلکہ کسی صحابی سے سن کر بیان فرمارہے ہیں کیونکہ حضرت خلاد بدر ۲ھ میں شہید ہوگئے۔اور حضرت ابوہریرہ ۷ھ میں اسلام لائے مگر چونکہ تمام صحابہ عادل ہیں اس لیے دیکھنے والے کا نام مذکور نہ ہونا مضر نہیں۔

۲ غالبًا یہ نماز نفل تحیۃ المسجد تھے جو جلدی جلدی تعدیل ارکان کے بغیر ادا کرلیے گئے تھے یا اس میں کوئی اور نقصان رہ گیا تھا۔

۳ اس مضمون سے چند مسائل معلوم ہوئے: ایک یہ کہ مسجد نبوی میں آنے والا نمازیوں کو عمومی سلام الگ کرے اور حضور انور کو علیحدہ۔اب بھی زائرین حاضری شریف کے وقت دو رکعتیں پڑھ کر مواجہہ اقدس میں حاضری دے کر سلام عرض کرتے ہیں،اللہ ہم

سب کو نصیب کرے۔دوسرے یہ کہ سلام میں علیکم بھی کہہ سکتے ہیں علیك بھی۔ تیسرے یہ کہ واجب رہ جانے سے نماز لوٹالینی واجب ہے۔خیال رہے کہ بھول کر واجب چھوٹ جانے پر سجدہ سہو واجب ہے اور عمدًا چھوڑنے سے نماز لوٹانا واجب۔چوتھے یہ کہ نماز میں تعدیل ارکان،یعنی اطمینان سے ادا کرنا واجب ہے کیونکہ یہ بزرگ جلدی سے ادا کرکے آگئے تھے اسلیئے نماز دوبارہ پڑھوائی گئی۔

۴؎ یعنی ہر دفعہ یہ نماز پڑھ کر آتے سلام عرض کرتے اور لوٹا دیئے جاتے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی ہی دفعہ انہیں نماز کا طریقہ نہ سکھایا بلکہ کئی بار پڑھواکر پھر بتایا تاکہ یہ واقعہ انہیں یاد رہے اور مسئلہ خوب حفظ ہوجائے کہ جو چیز مشقت وانتظار سے ملتی ہے وہ دل میں بیٹھ جاتی ہے،جیسے ایک صحابی بغیر سلام کیے حاضر ہوگئے تو فرمایا پھر لوٹ کر جاؤ اور سلام کرکے آؤ،لہذا اس میں علماء کو طریقۂ تبلیغ کی تعلیم بھی ہے۔

۵؎ یعنی جو سورت یا آیت تمہیں یاد ہو وہ پڑھو اس حدیث کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے:"فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ"۔اس آیت اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں بلکہ مطلقًا تلاوت فرض ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء قبلہ کو منہ اور تکبیر وغیرہ فرائض کے سلسلے میں مطلق قرأت کا ذکر کیا نہ کہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کا۔جن احادیث میں آتا ہے کہ بغیر سورۂ فاتحہ نماز نہیں ہوتی وہاں مراد ہے کہ نماز کامل نہیں ہوتی لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں،یہ حدیث امام اعظم رحمۃاللہ علیہ کی بہت قوی دلیل ہے۔خیال رہے کہ بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتوں سے کم پڑھنے کو قرأت قرآن یا تلاوت قرآن نہیں کہا جاتا۔لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ قرآن کا ایک لفظ بھی پڑھنا نماز کے لیئے کافی ہونا چاہیے حالانکہ تم اس کے قائل نہیں۔

۶؎ اس کا نام ہے تعدیل ارکان،یعنی نماز کے ارکان کو اطمینان سے ادا کرنا کہ ہر رکن میں تین تسبیح کی بقدر ٹھہرنا۔یہ تعدیل امام شافعی رحمۃاللہ علیہ اور امام یوسف رحمۃاللہ علیہ کے ہاں فرض ہے،ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعدیل نہ ہونے پر فرمایا لَمْ تُصَلِّ تم نے نماز پڑھی ہی نہیں جس کے بغیر نماز بالکل نہ ہو وہ فرض ہوتا ہے۔امام اعظم کے نزدیک تعدیل فرض نہیں بلکہ واجب ہے کہ جس کے رہ جانے سے نماز ناقص واجب اعادہ ہوتی ہے لیکن فرض ادا ہوجاتا ہے۔امام صاحب فرماتے ہیں کہ لَمْ تُصَلِّ میں کمالِ نماز کی نفی آتی ہے یعنی تم نے کامل نماز نہیں پڑھی کیونکہ ابوداؤد،ترمذی،نسائی میں اسی حدیث کے آخر میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم ان کاموں کو پورا کروگے تو تمہاری نماز پوری ہوگی اور اگر ان میں سے کچھ کم کروگے تو تمہاری نماز ناقص ہوگی۔معلوم ہوا کہ تعدیل کے بغیر نماز ناقص ہوگی باطل نہیں لہذا یہ واجب ہے فرض نہیں،نیز تعدیل فرض ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اول ہی سے بتادیتے انہیں بغیر فرض ادا کیئے نماز بار بار پڑھنے کی اجازت نہ دیتے کیونکہ اس کے بغیر وہ نمازیں بالکل بے کار تھیں اور فعل عبث تھا اور واجب کے بغیر ان نمازوں میں کچھ ثواب مل گیا۔

۷؎ اس سے معلوم ہوا کہ ہر رکعت میں تلاوت قرآن فرض ہے مگر یہ حکم فرض نماز کے علاوہ میں ہے فرض کی پہلی دو رکعتوں میں تلاوت فرض باقی میں نفل،چونکہ ان بزرگ نے تحیۃالمسجد نفل ادا کیئے تھے لہذا انہیں یہ حکم دیا گیا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز تکبیر سے اور قرأت الحمدللہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے ۱؎ اور جب رکوع کرتے تو اپنا سر نہ اونچا رکھتے نہ نیچا لیکن اس کے درمیان ۲؎ اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سجدہ نہ کرتے یہاں | |

| | |
|---|---|
| تک کہ سیدھے کھڑے ہوجاتے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو دوسرا سجدہ نہ کرتے حتی کہ سیدھے بیٹھ جاتے اور ہر دو رکعتوں میں التحیات پڑھتے تھے۳؎ اور اپنا بایاں پاؤں بچھاتے تھے اور دایاں پاؤں کھڑا کرتے تھے۴؎ اور شیطان کی بیٹھک سے منع کرتے تھے۵؎ اور اس سے منع کرتے تھے کہ کوئی شخص اپنی کہنیاں درندے کی طرف بچھادے۶؎ اور اپنی نماز سلام سے ختم فرماتے تھے۔(مسلم) | |

۱؎ یعنی بحالتِ امامت تلاوت قرآن بلند آواز سے اَلْحَمْدُ سے شروع کرتے تھے یعنی بِسْمِ اللہِ آواز سے نہ پڑھتے تھے۔معلوم ہوا کہ بِسْمِ اللہِ ہر سورت کا جز نہیں،نہ اسے امام آواز سے پڑھے۔اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے جو مسلم،بخاری وغیرہ تمام کتب احادیث میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی یہ آئی "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ "اس کے اول بِسْمِ اللہِ نہیں آئی۔لہذا یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے،نیز اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ بِسْمِ اللہِ پڑھتے ہی نہ تھے مگر آہستہ،یہاں بلند آواز سے پڑھنے کی نفی ہے۔لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں بِسْمِ اللہِ پڑھنے کا ذکر ہے کیونکہ وہ آہستہ پڑھنا مراد ہے۔خیال رہے کہ اصطلاح شریعت میں بحث نماز میں جہاں کہیں قرأت بولی جائے گی وہاں تلاوت قرآن مراد ہوتی ہے نہ کہ مطلقًا پڑھنا اسی لیے کہا جاتا ہے کہ نماز میں قیام،قرأت،رکوع،سجدہ فرض ہیں،لہذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم "سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ "نہیں پڑھتے تھے لہذا یہ حدیث "سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ "پڑھنے کی احادیث کے خلاف نہیں۔

۲؎ یعنی پیٹھ شریف کے برابر یہی سنت ہے اس کے خلاف سنت کے خلاف ہے۔

۳؎ سوا مغرب کے فرض اور وتروں کے کہ ان میں پہلی التحیات دو رکعتوں کے بعد ہوتی ہے اور دوسری ایک رکعت کے بعد۔خیال رہے کہ یہ دونوں التحیات واجب ہیں لیکن پہلی میں بیٹھنا واجب اور دوسری میں فرض ہے۔

۴؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں قعدوں میں اپنا بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھتے تھے اور داہنا پاؤں کھڑا کرتے تھے،یہ حدیث حنفیوں کی قوی دلیل ہے کہ ہر التحیات میں یونہی بیٹھے۔جن احادیث میں آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری التحیات میں بایاں پاؤں شریف داہنی جانب نکال دیتے اور زمین پر بیٹھتے وہ بڑھاپے یا بیماری کا حال ہے جب زیادہ دیر تک بائیں پاؤں پر نہ بیٹھ سکتے تھے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں،حنفی لوگ ان دونوں حدیثوں پر عامل ہیں مگر ان کے مخالف اس حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں۔

۵؎ اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں سیرین زمین پر رکھے اور پنڈلیاں کھڑی کرے دونوں ہاتھ زمین پر بچھادے،کتے کی سی بیٹھک یہ ممنوع ہے،چونکہ کتا گندا ہے اس لیے اس کی بیٹھک کو شیطانی بیٹھ فرمایا۔

۶؎ اس طرح کہ ایک جانب دونوں پاؤں بچھادے سامنے کہنیاں کہ یہ بیٹھک بھی منع ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابو حمید ساعدی سے ۱؎ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت میں فرمایا کہ میں حضور | |

| | |
|---|---|
| | انور کی نماز کا تم سب سے زیادہ حافظ ہوں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھ اپنے کندھوں کے مقابل کرتے ۲؎ اور جب رکوع کرتے تو اپنے ہاتھوں سے گھٹنے مضبوط پکڑتے ۳؎ پھر اپنی پیٹھ جھکاتے پھر جب سر اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہوجاتے حتی کہ ہر جوڑ اپنی جگہ لوٹ جاتا پھر جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھ یوں رکھتے کہ نہ بچھاتے نہ سمیٹتے ۴؎ اور پاؤں کی انگلیوں کے سرے قبلہ رخ کرتے ۵؎ پھر جب دو رکعتوں میں بیٹھتے تو اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھتے اور دایاں کھڑا کرتے پھر جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو اپنا بایاں پاؤں آگے نکالتے اور دوسرا پاؤں کھڑا کرتے اور کولہے پر بیٹھتے ۶؎ (بخاری) |

۱؎ آپ کا نام عبدالرحمٰن یا کچھ اور ہے، قبیلہ بنی ساعدہ سے ہیں، انصاری ہیں، اپنے گاؤں میں رہتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے آتے رہتے تھے اسی لیے اس موقع پر صحابہ نے بطور تعجب پوچھا کہ اے ابوحمید! تم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت زیادہ میسر نہ ہوئی تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ واقف کیسے ہوگئے جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے۔

۲؎ اس طرح کہ ہاتھ کے گٹے کندھوں کے مقابل ہوتے اور انگوٹھے کانوں کے مقابل لہذا یہ حدیث مسلم، بخاری کی اس روایت کے خلاف نہیں جو ابھی آرہی ہے جس میں یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاتے تھے کیونکہ وہاں انگوٹھے مراد ہیں جو لوگ کندھوں سے انگوٹھے لگاتے ہیں وہ اس حدیث پر عمل نہیں کرسکتے، حنفیوں کا عمل اس پر بھی ہے اور اس پر بھی، لہذا یہ حدیث حنفیوں کے بالکل خلاف نہیں، بلکہ موافق ہے۔کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی پوری بحث ہماری کتاب "**جاء الحق**" حصہ دوم میں دیکھو جہاں اس پر بیس حدیثیں بیان کی گئی ہیں۔حدیثوں کو جمع کرنا ضروری ہے نہ کہ کسی حدیث کو چھوڑنا۔

۳؎ اس طرح کہ انگلیاں پھیلا کر گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑ لیتے اور ہاتھوں کو سیدھا رکھتے اور اس پر پیٹھ کا پورا بوجھ دے دیتے، دونوں ہاتھ شریف کمان کی طرح ٹیڑھے نہ کرتے۔

۴؎ یعنی نہ تو سجدے میں زمین پر کہنیاں لگاتے اور نہ بازو پسلیوں سے ملادیتے بلکہ ہاتھوں کو الگ رکھتے۔

۵؎ اس طرح کہ سجدے میں پاؤں کے پورے پنجے جما کر زمین پر رکھتے جس سے پاؤں کی ہر انگلی کا کنارہ قبلہ رخ ہوجاتا۔خیال رہے کہ پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین سے لگنا فرض ہے اور تین انگلیوں کا پیٹ لگنا واجب، دسوں کا لگنا سنت۔آج عام نمازی اس سے بے خبر ہیں یا تو دونوں پاؤں سجدہ میں اٹھائے رکھتے ہیں یا انگلیوں کی نوک لگاتے ہیں اس سے نماز قطعًا نہیں ہوتی۔

۶؎ یہ جملہ امام شافعی کی دلیل ہے وہ دوسری **التحیات** میں یونہی بیٹھتے ہیں۔اس کا جواب ہم ابھی عرض کرچکے ہیں کہ یہ بیٹھنا بڑھاپے شریف یا کسی بیماری وغیرہ ضعف کی حالت میں تھا۔عام حالات میں ہر **التحیات** میں بائیں پاؤں پر ہی بیٹھتے تھے۔ہم نے اس طرح بیٹھنے کی اٹھارہ حدیثیں اپنی کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں جمع کی ہیں جن میں سے مسلم شریف کی روایت ابھی گزر گئی اس مسئلہ کا وہاں مطالعہ کرو۔حتی کہ بخاری، ابوداؤد، نسائی، مالک نے عبداللہ ابن عبداللہ ابن عمر سے روایت کی کہ وہ فرماتے ہیں سنت یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کرو اور بائیں پاؤں پر بیٹھو تو میں نے کہا آپ خود ایسا کیوں نہیں کرتے تو فرمایا میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھاتے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے مقابل اٹھاتے ۱؎ اور جب رکوع کی تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی یونہی ہاتھ اٹھاتے اور کہتے "سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لك الحمد" اور سجدے میں یہ نہ کرتے ۲؎ (مسلم،بخاری) | |

۱؎ اس کی شرح ابھی گزر چکی کہ گٹے کندھوں تک رہتے اور انگوٹھے کانوں تک۔

۲؎ اس حدیث سے یہ تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع میں جاتے آتے رفع یدین کیا مگر یہ ذکر نہیں کیا کہ آخر وقت تک کیا۔حق یہ ہے کہ رفع یدین منسوخ ہے۔چنانچہ عینی شرح بخاری میں ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن زبیر نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے آتے رفع یدین کرتے دیکھا تو فرمایا ایسا نہ کیا کرو یہ وہ کام ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اولًا کیا تھا پھر چھوڑ دیا،نیز سیدنا ابن مسعود،عمر ابن خطاب،علی مرتضٰی،براء ابن عازب،حضرت علقمہ وغیرہم بہت صحابہ سے کہ وہ رفع یدین نہ کرتے تھے اور کرنے والوں کو منع کرتے تھے،نیز ابن ابی شیبہ اور طحاوی نے حضرت مجاہد سے روایت کی کہ میں نے حضرت ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے سوا تکبیر اولٰی کے کسی وقت ہاتھ نہ اٹھائے۔معلوم ہوا کہ سیدنا ابن عمر کے نزدیک بھی رفع یدین منسوخ ہے،نیز رسالہ آفتاب محمدی میں ہے کہ حضرت ابن عمر کی حدیث چند روایتوں سے منقول ہے جس میں سے ایک روایت میں یونس ہے جو سخت ضعیف ہے،دوسری اسناد میں ابوقلابہ ہے جو خارجی المذہب تھا(دیکھو تہذیب)،تیسری اسناد میں عبید اللہ ہے یہ پکا رافضی تھا،چوتھی اسناد میں شعیب ابن اسحاق ہے جو مرجیہ مذہب کا تھا۔غرض کہ رفع یدین کی احادیث کی اکثر اسنادوں میں بدمذہب خصوصًا روافض بہت شامل ہیں کیونکہ یہ ان کا عمل ہے۔ہوسکتا ہے کہ روافض کے تقیہ کی وجہ سے امام بخاری کو بھی پتہ نہ لگا ہو،لہذا مذہب حنفی نہایت قوی ہے کہ نمازوں میں سوا تکبیر تحریمہ کے اور کہیں رفع یدین نہ کیا جائے۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "**جاء الحق**" حصہ دوم میں دیکھو۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت نافع سے کہ حضرت ابن عمر جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع کرتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے تو ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے حضرت ابن عمر نے اس کام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کیا ۱؎(بخاری) | |

۱؎ ابھی ہم عرض کرچکے کہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نماز میں رفع یدین نہ کرتے تھے اور یہاں حضرت نافع کی روایت میں آگیا کہ کرتے تھے ان دونوں روایتوں کو جمع کرلو کہ پہلے کرتے تھے بعد میں نہ کرتے تھے یعنی نسخ کے پتہ لگنے پر رفع یدین چھوڑ دیا،از طحاوی۔فقیر نے "جاء الحق" حصہ دوم میں رفع یدین نہ کرنے کی پچیس حدیثیں جمع کی ہیں وہاں مطالعہ کرو۔

**لطیفہ:** مکہ معظّمہ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسئلہ رفع یدین میں مناظرہ ہوا،امام اوزاعی نے رفع یدین کے لیے حضرت ابن عمر کی حدیث پیش کی،امام اعظم نے جواب دیا کہ مجھ سے حماد نے روایت کی انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں

نے علقمہ اور اسود سے انہوں نے حضرت ابن مسعود سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوائے تکبیر اولیٰ کے کبھی رفع یدین نہ کرتے اور فرمایا کہ میری حدیث کے تمام راوی بڑے فقیہ و عالم ہیں، لہذا تمہاری حدیث سے یہ حدیث راجح ہے۔ مرقات، فتح القدیر وغیرہ۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت مالک ابن حویرث سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے حتی کہ انہیں اپنے کانوں کے مقابل کردیتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو فرماتے "**سمع اللہ لمن حمدہ**" ایسے ہی کرتے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہاتھوں کو کانوں کی لو کے مقابل کرتے [۱] (مسلم، بخاری) |

[۱] یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ ہاتھ کانوں تک اٹھائے جائیں، مطلب وہی ہے کہ انگوٹھے کانوں تک اٹھیں اور گٹے کندھوں تک۔ کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی بہت احادیث ہیں جو ہم نے اپنی کتاب "**جاء الحق**" حصہ دوم میں جمع کردی ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہیں سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا تو جب آپ اپنی نماز کی طاق رکعت میں ہوتے تو نہ کھڑے ہوتے حتی کہ سیدھے بیٹھ جاتے [۱] (بخاری) |

[۱] اس کا نام جلسہ استراحت ہے یعنی آرام کے لیے کچھ بیٹھنا، یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سنت ہے، ہمارے ہاں نہیں۔ ہماری دلیل حضرت ابوہریرہ کی وہ حدیث ہے جو ترمذی وغیرہ نے نقل کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم طاق رکعتوں میں اپنے قدموں کے سینہ پر کھڑے ہوتے تھے، نیز ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود، علی مرتضٰی، عمر، ابن عمر، ابن زبیر رضی اللہ عنھم سے روایت کی کہ وہ تمام حضرات قدم کے سینوں پر کھڑے ہوتے تھے۔ امام شعبی نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے صحابہ قدم کے سینہ پر کھڑے ہوتے تھے، اس حدیث کا مطلب جو یہاں مذکور ہے یہ ہے کہ آپ بڑھاپے شریف میں جب ضعف کی وجہ سے سجدے سے سیدھے نہ اٹھ سکتے تب تھوڑا بیٹھ جاتے یہ عمل مجبورًا تھا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت وائل بن حجر سے [۱] کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ نماز میں داخل ہوتے تو ہاتھ اٹھائے تکبیر کہی پھر اپنے ہاتھ کپڑے میں ڈھک لیے [۲] پھر دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا [۳] پھر جب رکوع کرنا چاہا تو کپڑے سے ہاتھ نکالے پھر انہیں اٹھایا اور تکبیر کہی پھر رکوع کیا جب کہا "**سمع اللہ لمن حمدہ**" تو آپ نے ہاتھ اٹھائے [۴] پھر جب سجدہ کیا تو اپنے دونوں ہتھیلیوں کے درمیان کیا [۵] (مسلم) |

[۱] آپ کا نام وائل ابن حجر ابن ربیعہ ابن وائل ابن یعمر ہے، کنیت ابو حمیدہ، قبیلہ بنی حزم سے ہیں، حضر موت کے شاہزادہ تھے، جب اسلام لانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو حضور نے ان کے لیئے اپنی چادر بچھادی اور اپنے قریب بٹھالیا اور فرمایا کہ

تم نے اللہ کے لیئے بہت دراز سفر کیااور بہت دعائیں دیں،حضر موت کا حاکم بنایا۔اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو ہمیشہ حاضریٔ بارگاہ میسر نہ تھی۔

۲؎ چونکہ سردی زیادہ تھی اس لیے ہاتھ لپیٹ لیے۔معلوم ہوا کہ نماز میں ہاتھ کھولنا ضروری نہیں،چادر وغیرہ میں ہاتھ لپیٹ کر یا ڈھک کر بھی جائز ہے۔

۳؎ سوائے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے تمام اماموں کے ہاں نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہیں،امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہاتھ چھوڑنا سنت ہیں۔یہ حدیث تمام اماموں کی دلیل ہے،نیز داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا ان سب کے ہاں سنت ہے۔اس میں اختلاف ہے کہ ناف کے اوپر ہاتھ رکھے یا نیچے،ہمارے ہاں نیچے رکھنا سنت ہے۔فقیر نے "جاء الحق" حصہ دوم میں اس پر چودہ حدیثیں پیش کیں جس میں لفظ **تحت السرہ** یعنی ناف کے نیچے صراحتًا مذکور ہے۔چنانچہ ابن ابی شیبہ نے سند صحیح سے جس کے سارے راوی ثقہ ہیں انہیں وائل ابن حجر سے روایت کی کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا تو آپ نے ناف کے نیچے بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھا۔دارقطنی،بیہقی،رزین،کتاب الاثار،مصنفہ امام محمد ابن حزم وغیرہم نے مختلف صحابہ سے مرفوع و موقوف حدیثیں نقل کیں جن سب میں **تحت السرہ** موجود ہے،نیز ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے میں ادب کا اظہار ہے۔غلام مولٰی کے سامنے ایسے ہی کھڑے ہوتے ہیں،کہنی پر ناف سے اوپر ہاتھ رکھنا پہلوانوں کا طریقہ ہے جو کشتی لڑتے وقت خم ٹھونک کر مقابل کے سامنے آتا ہے۔اس کی پوری تحقیق "جاء الحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

۴؎ ابھی کچھ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ رفع یدین کی یہ تمام حدیثیں منسوخ ہیں اس کا ناسخ ذکر کیا جاچکا۔واقعی اولًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین کرتے تھے لیکن آخر حیات تک نہ کیا یہاں بھی ایک بار دیکھنے کا ذکر ہے۔

۵؎ اس طرح کہ سر مبارک ہاتھوں کے بیچ میں رہا،یہ حدیث حنفیوں کی بڑی دلیل ہے کہ سجدہ میں ہاتھ کندھوں کے سامنے نہ رہے بلکہ سر کے آس پاس ایسے رہیں کہ اگر کان کی گدیا سے قطرہ گرے تو ہاتھ کے انگوٹھے پر گرے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے ۱؎ فرماتے ہیں لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ مرد نماز میں دایاں ہاتھ اپنی بائیں کلائی پر رکھے۔۲؎(بخاری) |

۱؎ آپ انصاری ہیں،خذرجی ہیں،قبیلہ بنی ساعدہ سے ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت پندرہ برس کے تھے،مدینہ میں آخری صحابی آپ ہی ہیں،یعنی سب سے آخر میں آپ ہی کا انتقال ہوا۔

۲؎ ذراع کلائی سے لے کر کہنی تک کو کہتے ہیں،یہاں ناف کے نیچے کلائی پر ہاتھ رکھنا مراد ہے اگر سینہ پر ہاتھ رکھنا مراد ہوتا تو مرد کی قید نہ ہوتی کیونکہ عورتیں سینہ پر ہاتھ رکھتی ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے اٹھتے تو کھڑے ہوتے وقت تکبیر کہتے پھر رکوع کے وقت تکبیر کہتے پھر جب رکوع سے پیٹھ اٹھاتے تو کہتے "**سمع اللہ لمن حمدہ**" پھر کھڑے کھڑے کہتے "**ربنالك الحمد**" ۱؎ پھر جب جھکتے تو تکبیر کہتے پھر جب سر |

| | |
|---|---|
| | اٹھاتے تو تکبیر کہتے پھر جب سجدہ کرتے تو تکبیر کہتے پھر جب سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے پھر ساری نماز میں یونہی کرتے حتی کہ اسے پوری کرلیتے اور دو رکعتوں میں بیٹھنے کے بعد جب اٹھتے تو بھی تکبیر کہتے ۲؎(مسلم، بخاری) |

۱؎ جب اکیلے نماز پڑھتے نہ کہ جماعت میں کیونکہ جماعت میں امام صرف "سَمِعَ اللہُ لِمَنۡ حَمِدَہ" کہتا ہے اور مقتدی صرف "رَبَّنَا لَكَ الۡحَمۡدُ" دونوں کلمے صرف اکیلا نمازی ہی جمع کرتا ہے اگرچہ اکیلا نمازی یہ کلمات آہستہ کہتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم امت کے لیے آہستہ کلمات بھی کبھی آواز سے فرمادیتے تھے اسی لیے صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ حضور ظہر میں فلاں سورتیں پڑھتے تھے اور عصر میں فلاں۔

۲؎ خلاصہ یہ کہ سوائے رکوع سے اٹھنے کے باقی نماز کی ہر حرکت میں تکبیر کہنا چاہیے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے بہترین نماز لمبا قیام ہے ۱؎(مسلم) |

۱؎ قنوت کے چند معنی ہیں: اطاعت، خاموشی، دعا، نماز کا قیام، یہاں آخری معنی (قیام) مراد ہیں یعنی بہترین نماز وہ ہے جس میں قیام دراز ہو۔ خیال رہے کہ بعض علماء دراز قیام کو بہتر کہتے ہیں کیونکہ اس میں مشقت زیادہ ہے اسی میں تلاوت قرآن ہوتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ و سلم تہجد میں اتنا دراز قیام فرماتے تھے کہ پاؤں شریف پر ورم آجاتا تھا۔ بعض کے نزدیک زیادہ سجدے افضل کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے حضرت ربیعہ سے فرمایا کہ اگر جنت میں میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو زیادہ سجدے کرو، نیز فرمایا کہ انسان سجدے میں رب سے زیادہ قریب ہوتا ہے، نیز رب فرماتا ہے: "وَاسۡجُدۡ وَاقۡتَرِبۡ"۔ بعض کے نزدیک تہجد میں دراز قیام افضل اور دن میں زیادہ سجدے افضل، رب فرماتا ہے: "قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا"۔ بعض نے فرمایا کہ بعض اعتبار سے لمبا قیام افضل ہے اور دوسرے اعتبار سے زیادہ سجدے افضل، ہمارے امام صاحب پہلے قول کو ترجیح دیتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوحمید ساعدی سے آپ نے حضور کے دس صحابہ کی جماعت میں فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو تم سے زیادہ جانتا ہوں ۱؎ وہ بولے پیش کرو فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو کھڑے ہوتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے حتی کہ انہیں کندھوں کے مقابل کردیتے ۲؎ پھر تکبیر کہتے پھر قرأت کرتے پھر تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے حتی کہ انہیں کندھوں کے مقابل کردیتے پھر رکوع کرتے اور اپنی ہتھیلیاں |

گھٹنوں پر رکھ دیتے پھر کمر سیدھی کرتے تو نہ سر اٹھاتے نہ جھکاتے پھر اپنا سر اٹھاتے تو کہتے "سمع اللہ لمن حمدہ" ۳؎ پھر اپنے ہاتھ اٹھاتے حتی کہ انہیں اپنے کندھوں کے مقابل کر دیتے سیدھے ہوتے ہوئے پھر کہتے اللہ اکبر پھر سجدہ کرتے ہوئے زمین کی طرف جھکتے ۴؎ تو اپنے ہاتھ پہلوؤں سے دور رکھتے اور پاؤں کی انگلیاں موڑ دیتے ۵؎ پھر سر اٹھاتے اور اپنا الٹا پاؤں بچھاتے پھر اس پر بیٹھ جاتے پھر سیدھے ہوتے حتی کہ ہر ہڈی سیدھے ہونے کی حالت میں اپنی جگہ لوٹ جاتی پھر سجدہ کرتے تو اللہ اکبر کہتے اور اٹھتے اور اپنا بایاں پاؤں موڑتے اس پر بیٹھ جاتے پھر سیدھے ہوتے حتی کہ ہڈی اپنی جگہ لوٹ جاتی ۶؎ پھر کھڑے ہوتے تو دوسری رکعت میں یونہی کرتے پھر جب دو رکعتوں سے اٹھتے تو تکبیر کہتے اور ہاتھ اٹھاتے حتی کہ انہیں کندھوں کے مقابل کر دیتے جیسے کہ نماز شروع کرتے وقت تکبیر کہی تھی پھر اپنی باقی نماز میں یونہی کرتے حتی کہ جب وہ سجدہ ہوتا جس میں سلام ہے تو اپنا بایاں پاؤں باہر نکال دیتے اور بائیں کولہے پر بیٹھتے پھر سلام پھیر دیتے وہ بولے تم نے سچ کہا ایسے ہی نماز پڑھتے تھے۔(ابوداؤد، دارمی)۷؎ اور ترمذی اور ابن ماجہ نے اس کی معنی کی روایت کی ترمذی کہتے ہیں یہ حسن صحیح ہے ۸؎ اور ابوداؤد کی ابو حمید والی حدیث کی دوسری روایت میں ہے ۹؎ کہ پھر رکوع کرتے تو اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھتے گویا آپ انہیں پکڑے ہوئے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو کمان کے چلّے کی طرح ٹیڑھا کرتے اور انہیں پہلوؤں سے دور رکھتے ۱۰؎ فرمایا کہ سجدہ کرتے تو اپنی ناک اور پیشانی زمین پر رکھتے اور اپنے ہاتھ پہلوؤں سے دور رکھتے اور اپنی ہتھیلیاں کندھوں کے مقابل رکھتے ۱۱؎ اپنی رانوں کے درمیان کشادگی کرتے کہ اپنا پیٹ رانوں سے کسی حصے سے نہ لگاتے حتی کہ فارغ ہو جاتے پھر بیٹھتے تو اپنا بایاں بچھاتے اور اپنے دایاں پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف کر دیتے ۱۲؎ اور اپنا دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھتے اور کلمے کی انگلی سے اشارہ کرتے ۱۳؎ اور ابوداؤد کی دوسری روایت میں ہے کہ جب دو رکعتوں پر بیٹھتے تو بائیں پاؤں پیٹ پر بیٹھتے اور

| | |
|---|---|
| | دائیں کو کھڑا کر دیتے اور جب چوتھی میں ہوتے تو اپنے سرین زمین سے لگاتے اور اپنے دونوں پاؤں ایک طرف نکال دیتے ۱۴؎ |

۱؎ غالبًا آپ نے یہ گفتگو ان صحابہ سے کی ہو گی جو کبھی ایک آدھ بار بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے ہوں نہ کہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم وغیرہ، ان حضرات سے جنہیں ہر آن اس شہنشاہ دو جہاں کی خدمت میں حاضری کا موقعہ نصیب تھا حضرت ابو حمید ان سے زیادہ کیسے جان سکتے ہیں، بلکہ ابوداؤد کی ایک روایت میں تو یہ بھی ہے کہ ان حضرات نے بھی ابو حمید کے اس قول پر تعجب کیا۔

۲؎ اس طرح کہ کلائیاں کندھوں کے سامنے رہتیں اور انگوٹھے کانوں کے مقابل جیسے کہ پہلے ذکر کیا گیا اور بعینہٖ یہی صورت اگلی روایت میں آرہی ہے۔

۳؎ یعنی "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْد" نہ کہتے کیونکہ آپ امام ہوتے تھے۔ یہاں امامت ہی کی حالت بیان ہو رہی ہے لہٰذا یہ حدیث پچھلی حدیث کے خلاف نہیں کیونکہ وہاں تنہا نماز کا ذکر تھا۔

۴؎ اس طرح کہ جھکنے کی حالت میں اللہ اکبر اس طرح کہتے کہ اللہ کا الف بحالت قیام ادا ہوتا اور اکبر کی ر سجدہ میں پہنچ کر، اس طرح نہیں کہ پہلے اللہ اکبر کہہ لیں پھر سجدے میں جائیں جیسا کہ ثُمَّ سے دھوکا پڑھتا ہے کیونکہ یہ ثُمَّ ترتیب ذکری کے لیے ہے نہ کہ ترتیب واقعی کے لیئے، رب فرماتا ہے: "ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ" اور فرماتا ہے: "ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ"۔

۵؎ اس طرح کہ دسوں انگلیوں کا کنارہ قبلہ کی طرف ہو جاتا اور پنجوں کے پیٹ زمین پر لگ جاتے، یہی چاہیے یَفْتَخُ فَتْخٌ سے ہے، بمعنی موڑنا اور ٹیڑھ کرنا اس لیے کنگن کو فتخ کہتے ہیں۔

۶؎ معلوم ہوا کہ رکوع کے بعد پورا کھڑا ہو جانا اور دو سجدوں کے درمیان پورا بیٹھنا ضروری ہے، بعض لوگ اس میں سستی کرتے ہیں۔

۷؎ یہ حدیث رفع یدین کرنے والوں کی انتہائی دلیل ہے جو ان کے بچے بچے کو یاد ہوتی ہے۔ اس کے متعلق چند معروضات ہیں: ایک یہ کہ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے ضعیف، مدلس، بلکہ قریبًا موضوع ہے اس لیے کہ اس میں ایک راوی عبدالحمید ابن جعفر بھی جو سخت مجروح اور ضعیف ہے۔ (طحاوی) دوسرے یہ کہ اس کا ایک راوی محمد ابن عمرو ابن عطا ہے جس کی ملاقات ابو حمید ساعدی سے نہیں مگر وہ کہیں کہتا ہے کہ میں نے ابو حمید سے سنا اور کہیں کہتا ہے کہ ابو حمید سے روایت ہے لہٰذا یہ جھوٹا ہے درمیان میں کوئی راوی چھوڑ گیا ہے وہ مجہول ہے۔ تیسرے یہ کہ انہی ابو حمید کی روایت ابھی بخاری کی گزر گئی مگر وہاں رفع یدین کا بالکل ذکر نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ رفع یدین والی عبارت الحاقی ہے ورنہ امام بخاری ضرور لیتے۔ چوتھے یہ کہ حضرت ابو حمید نے بھی یہ نہ فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل آخر تک رہا بلکہ اس فعل منسوخ کا ذکر کیا جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے کرتے تھے بعد میں چھوڑ دیا۔ پانچویں یہ کہ یہ حدیث قیاس کے بھی خلاف ہے کیونکہ رکوع کی تکبیر سجدے کی تکبیر کے مشابہ ہے نہ کہ تکبیر تحریمہ کے کیونکہ تکبیر تحریمہ فرض ہے یہ سنت، وہ نماز میں ایک بار یہ بار بار، تو چاہیے کہ جیسے سجدے کی تکبیر میں رفع یدین نہیں ہوتا ایسے ہی اس میں بھی نہ ہو۔ چھٹے یہ کہ فقہاء و صحابہ جیسے حضرت ابن مسعود، حضرت علقمہ، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت عبداللہ ابن زبیر، براء ابن عازب وغیرہم اس کے خلاف روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تکبیر تحریمہ پر ہاتھ اٹھائے پھر نہ اٹھائے۔ وہ حضرات نماز میں بالکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے رہتے تھے اس لیے ان کی روایت اس روایت سے قوی تر ہے۔ اس کی بہت تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

۸؎ یعنی ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح نہیں کہاجو یہاں مذکور ہوئی،اس میں تو یہ حدیث ہے ہی نہیں بلکہ اس کے ہم معنی کوئی اور حدیث ہے جسے حسن صحیح کہاہے۔یہ حدیث تو بے حد ضعیف اور ناقابل عمل ہے۔چنانچہ فقیر نے ترمذی باب رفع یدین دیکھاوہاں ابن عمر کی روایت نقل کی۔حدیث ابو حمید کو فِی الْبَابِ کہہ کر بیان فرمایااور پھر آخر میں فرمایاابو عیسیٰ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کی حدیث حسن صحیح ہے،ناظرین اس عبارت سے دھوکانہ کھائیں اگرترمذی کے نزدیک یہ حدیث ابو حمید صحیح ہوتی تو اس کاذکر فرماتے باقی روایتوں کی طرف فِی الْبَابِ کہ کراشارہ فرماتے جیساکہ ان کا قاعدہ ہے۔معلوم ہواکہ ان کے نزدیک بھی یہ حدیث بالکل ضعیف ہے۔

۹؎ ابوداؤد میں یہ حدیث ابوحمید بہت روایتوں سے مروی ہے مگر سب میں عبدالحمید ابن جعفر یا محمد ابن عمرو عطا ہیں،یہ دونوں ضعیف ہیں۔امام ماروی نے جوہر نقیع میں فرمایاکہ عبدالحمید منکر حدیث ہے لہذا یہ ساری اسنادیں مجہول،مضطرب،مدلس قریبًا موضوع ہیں۔دیکھوحاشیہ ابوداؤد یہی مقام اور ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ دوم۔

۱۰؎ یعنی بحالت رکوع ہیئات کمان کی سی ہوتی کہ ہاتھ سیدھے قدرے خم دار اور پیٹھ ٹیڑھی۔ہاتھ کا یہ خم اس لیے ہوتا تھاکہ پہلوؤں سے دور ہیں۔

۱۱؎ یہ حدیث روایت مسلم کے خلاف ہے جوابھی گزر چکی۔جس میں تھاکہ آپ سجدہ دو ہتھیلیوں کے بیچ میں کرتے،چونکہ یہ حدیث ہی ضعیف اور ناقابل عمل ہے اس لیے مسلم کی وہ حدیث قابل عمل ہوگی۔

۱۲؎ یعنی دوسری التحیات میں نہ تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے نہ داہنا پاؤں کھڑا کرتے بلکہ دونوں پاؤں ایسے بچھاتے کہ داہنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف ہوجاتا،لہذا یہ حدیث شوافع کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ داہنا پاؤں کھڑا کرتے ہیں۔

۱۳؎ اس طرح کہ التحیات میں داہنے ہاتھ کی کلمے کی انگلی لَا اِلٰہَ پر اٹھاتے اور اِلَّا اللہُ پر گراتے جیساکہ آج کل عام عمل ہے۔

۱۴؎ یعنی دونوں پاؤں داہنی جانب بچھادیتے اور زمین پر بیٹھتے،ہم ابھی عرض کرچکے ہیں کہ یہ حدیث نہ ہمارے موافق ہے نہ شوافع کے کیونکہ وہ حضرات اپناداہنا پاؤں کھڑا کرتے ہیں جیساکہ مسلم کی روایت میں گزر چکاہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت وائل ابن حجر سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھاکہ جب آپ نماز کو کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے حتی کہ ہاتھ تو کندھوں کے مقابل ہوگئے اور اپنے انگوٹھوں کو کانوں کے مقابل کردیا پھر تکبیر کہی۔ابوداؤد اور اس کی دوسری روایت میں ہے کہ اپنے انگوٹھے کانوں کی گدیوں تک اٹھاتے ۱؎ |

۱؎ الحمدللہ! یہ وہی چیز ہے جو فقیر نے ابھی عرض کی تھی اور یہ حدیث ان تمام حدیثوں کی شرح ہے جن میں کندھوں یاکانوں تک ہاتھ اٹھانے کاذکر ہے اس حدیث نے ان دونوں کو جمع کردیا،حنفیوں کا اسی پر عمل ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت قبیصہ ابن ہلب سے ۱؎ وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری امامت کرتے |

| | |
|---|---|
| | تھے تو اپنا بایاں ہاتھ دائیں سے پکڑتے تھے ۲؎ (ترمذی،ابن ماجہ) |

۱؎ ہلب کا نام یزید یا سلامہ ابن عدی ہے،یہ صحابی ہیں،آپ کے سر پر بال نہ تھے(گنج)،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست پاک ان کے سر پر پھیرا فورًا بال اُگ آئے اس لیے آپ کا لقب ہلب ہوا یعنی بالوں والے۔

۲؎ اس طرح کہ دائیں ہاتھ کی چھنگلی اور انگوٹھے سے بائیں ہاتھ کی کلائی پکڑتے اور داہنے ہاتھ کی تین انگلیاں اس کی کلائی پر رکھتے(ناف کے نیچے)جیسا آج کل عام مسلمان کرتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت رفاعہ ابن رافع سے ۱؎ فرماتے ہیں ایک شخص آیا مسجد میں نماز پڑھی ۲؎ پھر حاضر خدمت ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی نماز لوٹاؤ ۳؎ تم نے نماز نہیں پڑھی وہ بولا یارسول اللہ مجھے سکھادو کہ نماز کیسے پڑھوں فرمایا جب تم قبلہ کو منہ کرو تو تکبیر کہو ۴؎ پھر سورۂ فاتحہ اور جو پڑھنا اللہ چاہے وہ پڑھ لو ۵؎ پھر جب رکوع کرو تو اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھو اور اپنے رکوع کو مضبوطی سے کرو ۶؎ اور اپنی پشت دراز کرو جب اپنے سر کو اٹھاؤ تو اپنی پیٹھ سیدھی کرو حتی کہ ہڈیاں اپنے جوڑوں تک لوٹ جائیں ۷؎ پھر جب سجدہ کرو تو سجدہ مضبوطی سے کرو ۸؎ جب اٹھو تو اپنی بائیں ران پر بیٹھو ۹؎ پھر رکوع اور سجدہ میں یونہی کرو حتی کہ مطمئن ہوجاؤ یہ مصابیح کے لفظ ہیں اور ابوداؤد نے تھوڑے فرق سے روایت کیا اور ترمذی ونسائی نے اس کے معنی روایت کیے۔ترمذی کی روایت میں ہے کہ جب تم نماز کے لیے اٹھو تو یونہی وضو کرو جیسے تمہیں اللہ نے اس کا حکم دیا پھر کلمۂ شہادت پڑھو ۱۰؎ پھر تکبیر کہو پھر اگر تمہیں کچھ قرآن یاد ہو تو اسے پڑھ لو ورنہ اللہ کی حمد اس کی تکبیر اس کی تہلیل کرو ۱۱؎ پھر رکوع کرو۔ |

۱؎ آپ انصاری خذرجی ہیں،آپ کی کنیت ابو معاذ ہے،خود بدری ہیں اور آپ کے والد ان نقیبوں میں سے تھے جو ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ میں مبلغ مقرر ہوئے۔مالک ابن رافع اور خلاد ابن رافع کے بھائی ہیں،قبیلہ خزرج میں سب سے پہلے آپ اسلام لائے،آپ جنگ جمل وصفین میں حضرت علی مرتضٰی کے ساتھ تھے۔(اشعہ)

۲؎ یہ آنے والے حضرت رفاعہ کے بھائی خلاد ابن رافع تھے،انہوں نے ناقص یا فاسد نماز پڑھی تھی ان کا واقعہ ابھی تھوڑے فرق کے ساتھ گزر گیا۔

۳؎ کیونکہ بالکل نہیں پڑھی یا کامل نہیں پڑھی۔خیال رہے کہ فرض رہ جانے سے نماز قطعًا نہیں ہوتی اس کا لوٹانا فرض ہے اور واجب رہ جانے سے نماز سخت ناقص ہوتی ہے اس کا لوٹانا واجب ہے،یہ فرمان شریف دونوں معنی کا احتمال رکھتا ہے۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں قبلہ رو ہونا شرط ہے اور تکبیر تحریمہ رکن،اگر کوئی تکبیر پہلے کہہ دے اور قبلہ رخ بعد میں تو نماز نہیں ہوگی۔

۵؎ یعنی سورۃ فاتحہ کے سواقرآن کی کوئی اور سورت بھی پڑھ لو،یہ حدیث حنفیوں کی قوی دلیل ہے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ بھی واجب ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور سورت یا ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں بھی واجب۔امام شافعی رحمۃاللہ علیہ کے ہاں سورۃ فاتحہ فرض اور دوسری سورت ملانا سنت۔یہ حدیث ان کے خلاف ہے کیونکہ ان دونوں چیزوں کے لیے ایک "اِقْرَاْء" ارشاد ہوا۔خیال رہے کہ اور سورت کا پڑھنا واجب مگر اس کے مقرر کرنے میں کہ کون سی پڑھے نمازی کو اختیار ہے،سورۃ فاتحہ میں نمازی کو کوئی اختیار نہیں اس لیے مَاشَاءَاللہ فرمایا گیا۔شوافع اس مَاشَاءَاللہ سے سورۃ کا سنت ہونا ثابت نہیں کرسکتے،حنفیوں نے "اِقْرَاْء" کا بھی لحاظ رکھا ہے اور مَاشَاءَاللہ کا بھی،مطلقًا سورت کو واجب جانا اور تعین میں اختیار دیا۔

۶؎ یعنی اطمینان کے ساتھ رکوع کرو۔خیال رہے کہ رکوع میں ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھنا سنت ہے اور اطمینان واجب۔

۷؎ یعنی پورے کھڑے ہوجاؤ،چونکہ صرف کام بتائے ہیں اس لیے پڑھنے کے کلمات ارشاد نہ فرمائے۔

۸؎ یعنی اطمینان سے ادا کرو کہ تین تسبیح بقدر ٹھہرو،سجدے میں ہاتھوں کا زمین پر لگنا ہمارے ہاں سنت ہے،شوافع کے ہاں فرض۔اس عبارت سے ان کا مذہب ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ تسکین سے مراد اطمینان ہے۔

۹؎ یعنی نماز میں جب بیٹھو تو بائیں ران پر اس طرح کہ داہنا قدم کھڑا ہو۔معلوم ہوا ہے کہ نماز کے دونوں قعدوں کی نشست یکساں ہے یعنی بائیں ران پر بیٹھنا یہ ہی حنفی کہتے ہیں۔

۱۰؎ یعنی وضو کے بعد کلمہ پڑھنا سنت ہے،بعض روایات میں آتا ہے کہ "اِنَّآ اَنْزَلْنَا" پڑھے،بہتر ہے کہ دونوں پڑھ لے۔

۱۱؎ یعنی اگر قرآن شریف بالکل یاد نہ ہو تو اس کی بجائے یہ پڑھ لو "سُبْحَانَ اللہِ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّااللہُ وَاللہُ اَکْبَرُ"۔فقہاء فرماتے ہیں کہ وہ نو مسلم جو ابھی قرآن یاد نہ کرسکا ہو وہ نماز میں بجائے قرآن یہی پڑھے۔ہمارے ہاں صرف ایک دفعہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سات دفعہ۔غالبًا یہ صاحب اس وقت نو مسلم تھے اس لیے یہ اجازت دی گئی ورنہ تلاوت نماز میں فرض ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت فضل ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز دو،دو رکعتیں ہے ۱؎ ہر دو رکعتوں میں التحیات ہے عجز ہے نیاز مندی ہے اور اظہار غریبی ۲؎ پھر ہاتھ اٹھاؤ یعنی اپنے رب کی طرف پھیلاؤ ۳؎ جن کی ہتھیلیاں تمہارے چہرے کی طرف ہوں ۴؎ اور کہو اے مولا اے مولا اور یہ نہ کرے تو وہ ایسا ایسا ہے۔اور ایک روایت میں ہے کہ وہ ناقص ہے ۵؎ ترمذی۔ | |

۱؎ یعنی نفل نماز میں دو دو رکعتیں افضل ہے۔خیال رہے کہ امام اعظم کے ہاں نفل چار چار افضل،امام شافعی کے ہاں دو دو،صاحبین کے ہاں رات میں دو دو اور دن میں چار چار افضل،یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے،رضی اللہ عنہ۔امام صاحب فرماتے ہیں کہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد اور چاشت میں چار چار رکعتیں پڑھتے تھے،یہ حدیث نفل کی مقدار معلوم کرنے کے لیئے ہے نہ کہ رکعات کی افضلیت،یعنی نفل ایک یا تین رکعت نہیں ہوسکتے،لہذا یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں۔

۲؎ یعنی اگر چار یا آٹھ رکعت نفل کی نیت بھی باندھے تب بھی ہر دو رکعت پر التحیات واجب ہے۔خیال رہے کہ بدن سے عاجزی ظاہری کرنے کو خضوع اور نگاہیں نیچی رکھنے کو خشوع کہا جاتا ہے،بعض نے فرمایا کہ ظاہری عجز خضوع ہے اور دل کا عجز خشوع۔

۳؎ اس میں دعا مانگنے کے آداب سکھائے گئے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ ہر نمازِ نفل کے بعد بھی دعا مانگنا سنت ہے اور ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا سنت اور ہاتھ آسمان کی طرف اٹھیں وہ رب کی خاص تجلی گاہ ہے اور بندوں کے رزق کا خزانہ ہے،رب فرماتا ہے:"وَ فِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ"۔ہاں عام دعاؤں میں سینہ تک اٹھائے اور نماز استسقاء میں سر سے اوپر۔

۴؎ یعنی اگر نماز کے بعد دعا نہ مانگی تو نماز مکمل نہ ہوگی۔دعا نماز کا تکملہ ہے اس کی تفسیر وہ احادیث ہیں جن میں ارشاد ہوا کہ دعا عبادات کا مغز ہے یا دعا سے پہلے عبادات معلق رہتی ہیں وغیرہ۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت سعید بن حارث بن معلے سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم کو ابوسعید خدری نے نماز پڑھائی تو جب سجدہ سے سر اٹھایا اور جب سجدہ کیا اور جب دو رکعتوں سے اٹھے تو اونچی آواز سے تکبیر کہی ۲؎ اور فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یونہی دیکھا۔(بخاری) | |

۱؎ آپ انصاری ہیں،مشہور تابعین میں سے ہیں،عرصہ دراز تک مدینہ منورہ کے قاضی رہے۔

۲؎ یعنی نماز کی تمام تکبیریں بلند آواز سے کہیں۔معلوم ہوا کہ امام کو تکبیراتِ نماز اونچی کہنی چاہئیں مقتدیوں کی اطلاع کے لیے مگر ضرورت سے زیادہ آواز نہ نکالے،خصوصًا جب کہ اس میں تکلیف بھی ہو لہذا جس کے پیچھے دو تین مقتدی ہوں وہ بہت چیخ کر تکبیریں نہ کہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عکرمہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بزرگ کے پیچھے مکہ مکرمہ میں نماز پڑھی تو انہوں نے بائیس تکبیریں کہیں ۱؎ میں نے حضرت ابن عباس سے کہا کہ یہ بیوقوف ہیں تو فرمایا تمہیں تمہاری ماں روئے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے ۲؎(بخاری) | |

۱؎ نماز چار رکعت تھی اس میں تکبیر تحریمہ اور پہلے التحیات سے اٹھتے وقت کی تکبیریں بھی شامل ہیں، یہ بزرگ ابوہریرہ تھے اور عکرمہ حضرت عبداللہ ابن عباس کے غلام ہیں ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

۲؎ یعنی چار رکعت والی نماز میں بائیس تکبیریں کہنا بھی سنت ہے اور امام کو ہر تکبیر اونچی آواز سے کہنا بھی سنت ہے، تم اپنی بیوقوفی سے سنت پر عمل کرنے والے کو بیوقوف بتارہے ہو۔شاید حضرت عکرمہ نے چیخ کر تکبیر کہنے کو غلط سمجھا ہو گا مگر تعجب ہے کہ آپ ہمیشہ باجماعت نماز پڑھتے تھے پھر ان پر یہ مسئلہ کیسے مخفی رہا۔یہ بات تو ہر نمازی جانتا ہے کہ چار رکعت میں تکبیریں بائیس ہوتی ہیں اور امام ہر تکبیر باآواز بلند کہتا ہے۔خیال رہے کہ حضرت عکرمہ نے لڑکپن کے جوش میں یہ الفاظ بول دیئے،ورنہ کسی کو پیٹھ پیچھے احمق کہنا غیبت ہے،صحابہ کی شان تو بہت بلند ہے اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آپ کو سخت تنبیہ کی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت علی ابن حسین سے (ارسالًا) ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب جھکتے اور اٹھتے تو تکبیر کہتے حضور کی یہی نماز رہی حتی کہ اللہ تعالٰی سے مل گئے ۲؎ (مالک) |

۱؎ آپ کا لقب زین العابدین ہے،کنیت ابوالحسن،اہل بیت اطہار سے ہیں،۵۸ سال کی عمر ہوئی، ۹۴ھ میں وفات،چونکہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکے اس لیے تابعین میں سے ہیں اور یہ روایت مرسل ہے۔

۲؎ یعنی یہ عمل شریف منسوخ نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت علقمہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم سے حضرت ابن مسعود نے فرمایا کیا میں تمہارے سامنے حضور کی نماز نہ پڑھوں تو نماز پڑھی تو اپنے ہاتھ صرف ایک بار ہی یعنی شروع کی تکبیر کے ساتھ اٹھائے ۲؎ (ترمذی،نسائی ابوداؤد) ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس معنی پر صحیح نہیں ہے۔ |

۱؎ علقمہ چند ہیں۔یہاں علقمہ ابن قیس ابن مالک مراد ہیں جو مشہور تابعی ہیں اور حضرت ابن مسعود کے ساتھیوں میں سے آپ کی ملاقات خلفاء راشدین سے بھی ہے۔

۲؎ یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ رکوع میں جاتے آتے رفع یدین نہیں۔حضرت ابن مسعود بڑے فقیہ صحابی اور آخر دم تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر اور حضر کے ساتھی ہیں،حضور کی نماز پر جیسے آپ مطلع ہوسکتے ہیں ایسے دوسرے وہ صحابہ جو کبھی کبھی حاضر بارگاہ ہوتے تھے مطلع نہیں ہوسکتے تھے،دارقطنی اور ابن عدی نے انہی حضرت ابن مسعود سے روایت کی،فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بھی نمازیں پڑھی ہیں اور حضرت صدیق اکبر و فاروق کی اقتداء میں بھی جن میں سے کوئی بزرگ سوائے تکبیر تحریمہ کے اور کسی وقت نماز میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے،نیز بہت صحابہ کرام سے اسی طرح روایتیں ہیں۔ہم نے رفع یدین نہ کرنے کی پچیس حدیثیں اپنی کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں جمع کی ہیں۔خیال رہے کہ حضرت ابن مسعود صحابہ اور تابعین کے مجمع میں یہ نماز پڑھ کر دکھاتے اور کوئی آپ پر اعتراض نہیں کرتا۔معلوم ہوا کہ وہ تمام حضرات رفع یدین نہ کرنے پر متفق تھے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوحمید ساعدی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیئے کھڑے ہوتے تو منہ کعبے کو کرتے |

| | |
|---|---|
| اور اپنے ہاتھ اٹھاتے ۲؎ اور اللہ اکبر کہتے۔(ابن ماجہ) | |

۱؎ یہ حدیث بہت اسنادوں سے مروی: جن میں سے ایک اسناد تو وہ ہے جو امام اعظم رحمۃاللہ علیہ نے امام اوزاعی کے مقابلے میں پیش کی جسے ہم پہلے بیان کرچکے ہیں"حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقُمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ"یہ ایسی قوی اور صحیح اسناد ہے کہ اس میں ضعف کا شائبہ بھی نہیں آسکتا۔دوسری اسناد وہ جو امام ترمذی کی ہے۔وہ فرماتے ہیں"وَحَدِيْثُ اِبْنُ مَسْعُوْدٍ حَسَنٌ"یعنی حضرت ابن مسعود کی حدیث حسن ہے۔تیسری اسناد وہ جو ابوداؤد کو ملی جس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں لہذا یہ حدیث ضعیف نہیں،بلکہ ابوداؤد کی اسناد غیر صحیح ہے۔حدیث کا ضعف اور ہے اسناد کا ضعف کچھ اور۔خیال رہے کہ ابوداؤد بھی اس حدیث کو ضعیف نہیں کہتے،بلکہ فرماتے ہیں صحیح نہیں۔صحیح نہ ہونے سے ضعف لازم نہیں آتا اس کے نیچے حسن لعینہ،حسن لغیرہ وغیرہ بھی ہیں،نیز اگر ضعف بھی ہو تو دیگر احادیث سے اسے قوت پہنچے گی۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب"جاءالحق"حصہ دوم میں دیکھو۔
۲؎ اس طرح کہ کلائیاں کندھوں تک اور انگوٹھے کان تک پہنچ جاتے جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ غیر مکی کے لیے عین کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض نہیں سمتِ کعبہ کافی ہے کیونکہ یہاں قبلہ فرمایا گیا نہ کہ کعبہ اور قبلہ سمتِ کعبہ کا نام ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز ظہر پڑھائی اور آخری صف میں ایک شخص تھا جس نے نماز بری طرح پڑھی ۱؎ جب سلام پھیرا تو اسے حضور نے آواز دی کہ اے فلاں کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا کیا تو نہیں دیکھتا کہ کیسے نماز پڑھتا ہے تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھ پر تمہارا کوئی عمل چھپا رہتا ہے اللہ کی قسم! میں پیچھے ایسے ہی دیکھتا ہوں جیسے کہ اپنے آگے دیکھتا ہوں۔(احمد) | |

۱؎ اس حدیث سے چند مسئلے ثابت ہوئے:ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ شریف آگے پیچھے،داہنے بائیں،اندھیرے اجالے میں ہر چیز دیکھ لیتی ہے جیسے ہمارے کان ہر طرف کی آواز بہرحال سن لیتے ہیں ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ مبارک۔دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ پاک کے لیے کوئی چیز آڑ یا حجاب نہیں۔دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم امامت کے مصلے پر ہیں اور وہ شخص آخری صف میں درمیان میں بہت سی صفیں ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پاک اس کی ہر حرکت کو ملاحظہ کررہی ہے کیوں نہ ہو۔جب حضرت سلیمان علیہ السلام تین میل کے فاصلے سے چیونٹی کو دیکھ لیں اور اس کی آواز سن لیں،آصف برخیہ شام میں بیٹھے بلقیس کے یمنی تخت کو دیکھ لیں،عیسی علیہ السلام گھروں کے اندر کھائے ہوئے کھانے اور جمع کیے ہوئے غلے کو ملاحظہ فرمالیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو سید الانبیاء ہیں۔تیسرے یہ کہ جو حدیث میں گزرا کہ سرکار نے بحالت نماز جوتے شریف اتارے اور فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام نے بتایا ان میں قذر ہے وہاں سے مراد پلیدی نہیں اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نعلین سے بے خبر تھے جس کی تحقیق پہلے کی جاچکی۔کیسے ہوسکتا ہے کہ سرکار کو پچھلی صف کے نمازی کی حالت کی تو خبر ہو اور اپنے نعلین شریف کی خبر نہ ہو۔چوتھے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت رب کی طرف بھی متوجہ رہتے ہیں اور عالم کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں،ادھر کی توجہ ادھر سے بے خبر نہیں کرتی۔یہ دیکھو بحالت نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خشوع خضوع رب کی طرف توجہ بدرجہ

کمال حاصل ہے مگر اسی وقت اپنے ہر امتی پر نگاہ بھی ہے۔ پانچویں یہ کہ ہر امتی کو چاہیے کہ نماز میں خیال رکھے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے ہیں۔ دیکھو سرکار نے فرمایا کہ میں تم کو پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں تا قیامت سرکار اپنے ہر امتی کو ملاحظہ فرمارہے ہیں۔

## باب السھو

### بھولنے کا باب ۱؎

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱؎ یہاں سہو سے عمد کا مقابل مراد ہے لہذا اس میں خطا اور نسیان یعنی غلطی اور بھول دونوں شامل ہیں۔سہو کے لغوی معنی غفلت ہیں،ظاہر یہ ہے کہ یہاں نماز کی بھول چوک مراد ہے۔بعض بھول سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے اور بعض سے نہیں۔شیخ نے فرمایا اس امت پر خدا کا بڑا احسان یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نمازوں وغیرہ میں بھول ہوتی تھی تاکہ امت کے لیے یہ بھول بھی سنت ہو جائے اور اس پر ثواب ملے جیسے بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ تندرستی اور بیماری بلکہ زندگی اور موت سنت رسول ہے اسی طرح سونا اور جاگنا اور مومن کے سارے کام۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی جب نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے پاس شیطان آتا ہے اور اس پر شبہ ڈال دیتا ہے حتی کہ وہ نہیں جانتا کہ کتنی نماز پڑھی ۱؎ جب تم میں سے کوئی یہ پائے تو بیٹھے ہوئے دو سجدے کرے ۲؎ (مسلم،بخاری) |

۱؎ یہ ترجمہ بہت مناسب ہے فقہاء فرماتے ہیں کہ جسے اس بھول کی عادت ہو وہ کم کا لحاظ کرے اور سجدۂ سہو کرے اور جسے پہلی بار یہ بھول ہوئی وہ نماز لوٹائے یہاں بھول کی عادت کا ذکر ہے جیسا کہ لَایَدْرِیْ سے معلوم ہو رہا ہے۔

۲؎ ایک سلام پھیر کر جیسا کہ اور احادیث میں ہے۔خیال رہے کہ اس صورت میں ہمارے ہاں سجدہ واجب ہے،امام شافعی کے ہاں سنت،یہ حدیث ہماری دلیل ہے کیونکہ فَلْیَسْجُدْ امر ہے،امر وجوب کے لیے ہوتا ہے یہاں شیخ نے فرمایا اَحَدُکُمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو نماز میں بھول شیطانی اثر سے نہیں ہوسکتی بلکہ عالم غیب میں توجہ کی بناء پر ہوتی ہے۔سبحان اللہ! بہترین بات فرمائی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عطاء ابن یسار سے وہ حضرت ابوسعید سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شک کرے نہ جانے کہ کتنی پڑھیں تین یا چار تو شک کو دفع کرے اور یقین پر بنا کرے ۲؎ پھر سلام سے پہلے دو سجدے کرے ۳؎ پھر اگر پانچ پڑھ لی ہوں گی تو اس کی نماز کو شفعہ کردیں گے ۴؎ اگر چار رکعت پوری کرنے کو پڑھی تو سجدے |

| | |
|---|---|
| | شیطان کی ناک گردآلود کریں گے ۵؎(مسلم) مالک نے عطاء سے ارسالًا روایت کی ان کی روایت میں یوں ہے کہ ان دو سجدوں سے نماز کو شفعہ کرے گا۶؎ |

۱؎ پہلے کہا جاچکا ہے کہ عطاء ابن یسار مدینہ کے بڑے عالم ہیں،تابعین میں سے ہیں،ام المؤمنین میمونہ کے غلام ہیں۔

۲؎ یعنی کم مانے کہ وہ یقینی ہے زیادہ کو نہ لے کہ وہ مشکوک ہے۔

۳؎ بخاری کی روایت میں سلام سے پہلے کالفظ نہیں یہاں سلام سے مراد نماز کا سلام ہے جس سے نماز سے نکلتے ہیں نہ کہ سجدۂ سہو کا سلام لہٰذا یہ حدیث نہ توحنفیوں کے خلاف ہے اور نہ ان احادیث سے متعارض جن میں سلام کا ذکر ہے کہ وہاں سلام سے مراد سجدۂ سہو کا سلام ہے۔اس حدیث کی بناء پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ سجدۂ سہو میں سلام نہیں مگر قول امام ابوحنیفہ بہت قوی ہے۔ ۴؎ یعنی اگر نمازی نے تین رکعتیں مان کر ایک رکعت اور پڑھ لی اور واقع میں چار ہوچکی تھیں اور اس رکعت کے پڑھنے سے پانچ ہوگئیں تو وہ دو سجدے ایک رکعت کی طرح ہوکر چھ رکعتیں ہوجائیں گی اور اسے چار فرض اور دو نفل کا ثواب مل جائے گا۔شَفَعْنَ کا فاعل وہ پانچ رکعتیں ہیں۔

۵؎ یعنی اگر واقع میں رکعت تین ہی ہوئی تھیں اور اب چار پوری ہوئیں تو اس سے نمازی کا نقصان کوئی نہیں،شیطان ذلیل ہوجائے گا کہ اس نے نماز خراب کرنی چاہی مگر کامیاب نہ ہوسکا بلکہ دو سجدوں کا ثواب اور مل گیا۔

۶؎ یعنی اگر نمازی پانچ رکعتیں پڑھ گیا ہے تو ان دو سجدوں کی برکت سے اپنی نمازی کو چھ رکعتیں بنالے گا اور چار فرضوں کے ساتھ دو نفلوں کا ثواب بھی پائے گا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر پانچ رکعت پڑھ لی آپ سے عرض کیا گیا کیا نماز میں زیادتی کی گئی فرمایا کیا بات ہے عرض کیا آپ نے پانچ پڑھ لیں تو آپ نے سلام کے بعد دو سجدے کرلیے ۱؎ اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا تم جیسا بشر ہوں تمہاری طرح بھولتا ہوں ۲؎ جب میں بھول جایا کروں تو مجھے یاد دلادیا کرو جب تم میں سے کوئی نماز میں شک کرے تو درستی تلاش کرے اسی پر نماز پوری کرے پھر سلام پھیرے پھر دو سجدے کرے ۳؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب نماز کلام کرنے سے فاسد نہ ہوتی تھی،چونکہ اس سوال وجواب کے باوجود نماز باقی تھی لہٰذا سجدۂ سہو کرلیا اب ایسا نہیں ہوسکتا۔سَلَّمَ سے مراد وہی نماز کا سلام ہے جو نماز تمام کرنے کی نیت سے کیا گیا تھا۔خیال رہے کہ اگر کسی نمازی کو سلام کے بعد اپنی بھول یاد آئے تو فورًا سجدۂ سہو میں گرجائے اور پھر التحیات پڑھ کر سلام پھیرے پہلا سلام سہو کا ہوجائے گا دوسرا نماز کا۔

۲؎ یہ لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے سجتا ہے ہم بشر کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پکار سکتے رب فرماتا ہے:"لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ"الخ۔یہاں صرف بھولنے میں تشبیہ ہے نہ کہ بھولنے کی نوعیت میں اپنی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھول کا فرق ہم ابھی عرض کرچکے ہیں۔

۳؎ یہ تلاش کا حکم اس صورت میں ہے جب کہ کسی جانب گمان غالب ہو اور اگر کوئی گمان غالب نہ ہو تو کم کو لے،لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن سیرین سے ۱؎ وہ حضرت ابوہریرہ سے راوی فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی دو نمازوں میں سے کوئی نماز پڑھائی ۲؎ ابن سیرین کہتے ہیں کہ ابوہریرہ نے وہ نماز بتائی تھی لیکن میں بھول گیا ۳؎ فرماتے ہیں کہ ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیر دیا پھر مسجد میں پڑی ہوئی لکڑی کی طرف تشریف لے گئے اور اس پر ٹیک لگائی گویا غصّے میں تھے ۴؎ اور اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا اور اپنی انگلیوں میں انگلیاں ڈالیں اور دایاں رخسار بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھا ۵؎ اور قوم کے جلد باز لوگ مسجد کے دروازوں سے یہ کہتے نکلے کہ نماز کم ہوگئی ۶؎ اور قوم میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے لیکن انہوں نے کلام کرنے سے خوف کیا ۷؎ اور قوم میں ایک صاحب تھے جن کے ہاتھ کچھ لمبے تھے انہیں ہاتھوں والا کہا جاتا تھا ۸؎ وہ بولے یارسول اللہ آپ بھول گئے یا نماز کم ہوگئی فرمایا نہ میں بھولا نہ نماز کم ہوئی پھر فرمایا کہ کیا ایسا ہی ہے جیسا ذوالیدین کہتے ہیں لوگوں نے کہا ہاں ۹؎ آپ آگے بڑھ گئے چھوٹی رکعتیں پڑھ لیں پھر سلام پھیرا پھر تکبیر کہی اور سجدوں کے برابر یا کچھ دراز سجدہ کیا پھر اپنا سر اٹھایا اور تکبیر کہی پھر تکبیر کہی اور سجدوں کے برابر یا کچھ دراز سجدہ کیا ۱۰؎ پھر سر اٹھایا اور تکبیر کہی لوگوں نے ان سے پوچھا کہ پھر سلام بھی پھیرا تو آپ کہنے لگے کہ مجھے خبر ملی کہ عمران ابن حصین نے کہا پھر سلام پھیرا<br>۱۱؎(مسلم،بخاری)اور لفظ بخاری کے ہیں اور ان دونوں کی دوسری روایت میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے نہ بھولا اور نہ نماز کم ہوئی یہ فرمایا کہ ان میں سے کچھ نہ ہوا ذوالیدین نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ تو ہوا ہے ۱۲؎ |

۱؎ آپ کا نام محمد ہے،حضرت انس کے آزاد کردہ غلام ہیں،شہادت حضرت عثمان سے دو برس پہلے پیدا ہوئے،تیس صحابہ سے ملاقات ہوئی،فن حدیث و تعبیر خواب کے امام تھے،ایک بار جوزا تارے کو ثریا سے آگے بڑھا ہوا پایا تو فرمایا میری موت قریب ہے مگر پہلے حسن بصری وفات پائیں گے پھر میں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سو ۱۰۰ دن پہلے خواجہ حسن بصری فوت ہوئے بعد میں آپ۔(مرقاۃ)

۲؎ وہ نماز عصر تھی جیسا کہ دوسری روایات میں ہے سورج ڈھلے سے ڈوبنے تک کو عَشِی کہا جاتا ہے لہذا اس میں ظہر و عصر ہی داخل ہیں نہ کہ مغرب وعشاء، وقت عشاء عَشْوَاءٌ سے ہے وہاں دوسرے معنے ہیں۔

۳؎ اتفاقًا نہ کہ حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے لہذا اس حدیث سے ابن سیرین کو ضعیف نہ کہا جائے گا، وہ بھول ضعف کا باعث ہے جو حدیث غلط بیان کرنے کا ذریعہ بن جائے۔

۴؎ غصہ کی وجہ کچھ اور ہو گی جو راوی کو معلوم نہ ہو سکی، یہ لکڑی یا تو وہی تھی جس سے ٹیک لگا کر خطبہ پڑھتے تھے یا کوئی دوسری۔

۵؎ راویان حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیئتیں بیان کرتے ہیں تاکہ سننے والے کے ذہن میں وہ نقشہ قائم ہو جائے یہ نقشہ قائم کرنا بھی عبادت ہے۔خیال رہے کہ تشبیک نماز اور انتظار نماز کی حالت میں منع ہے اس کے علاوہ کھیل کود کے لیے ممنوع ویسے جائز ہے۔

۶؎ یعنی غالبًا وحی الٰہی آگئی اور عصر بجائے چار کے دو رکعت رہ گئیں۔

۷؎ آپ کے غصہ کو دیکھ کر ورنہ جو باریابی ان بزرگوں کی تھی وہ دوسروں کو نہ تھی جیسا کہ روایتوں میں ہے کہ اکثر یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر مسکراتے رہتے تھے۔

۸؎ ان کا نام عمیر ابن عمرو کنیت ابو محمد، لقب خرباق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ خطاب ذوالیدین تھا۔حجازی سلمی تھے ان کے متعلق اور بہت سی روایتیں ہیں آپ کو بارگاہ رسالت میں بہت باریابی تھی جو بات بڑے صحابہ عرض نہ کرسکتے تھے آپ بے تکلف عرض کردیتے تھے۔

۹؎ اس گفتگو سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بھولی ہوئی چیز کا انکار کردینا جھوٹ نہیں بلکہ اس پر قسم کھالینا گناہ نہیں،اس ہی کو قسم لغو کہتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیۡۤ اَیۡمٰنِکُمۡ" دیکھو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو بھول ہوئی مگر فرمایا کہ میں بھولا نہیں کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اپنے بھولنے کا خیال نہیں یہ بالکل صحیح ہے شان نبوت کے خلاف نہیں۔دوسرے یہ کہ ایسے موقعہ پر اکثر مقتدیوں کی بات مانی جائے گی نہ کہ ایک کی،اگر ایک کہے کہ دو رکعتیں پڑھیں باقی کہیں چار تو چار ہی مانی جائیں گی،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالیدین کی خبر کی تصدیق فرما کر اس پر عمل کیا۔

۱۰؎ پہلی تکبیر سجدے میں جانے کے لیئے تھی،دوسری سجدے سے اٹھنے کے لیئے، تیسری پھر سجدے میں جانے کے لیے۔ظاہر یہ ہے کہ سجدۂ سہو کے لیئے ایک ہی سلام پھیرا جو لوگ جاچکے تھے انہیں واپس بلایا گیا اور سب کے ساتھ یہ دو رکعتیں ادا کی گئیں۔

۱۱؎ یعنی لوگوں نے ابن سیرین سے پوچھا کہ کیا حضور علیہ السلام نے سجدۂ سہو کے بعد نماز کا سلام پھیرا یا نہیں تو آپ نے فرمایا کہ حضرت ابوہریرہ نے مجھ سے سلام کا ذکر نہیں کیا،ہاں میں نے سنا یہ ہے کہ عمران ابن حصین بھی یہ واقعہ بیان کیا کرتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ پھر سلام پھیرا۔اس کا مطلب یہ نہیں ہوا کہ ابن سیرین اور حضرت ابوہریرہ کے درمیان عمران ابن حصین ہیں جن کا ذکر نہ کیا گیا تاکہ یہ حدیث منقطع ہوجائے کیونکہ ابن سیرین کی عمران ابن حصین سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔

۱۲؎ یہ چند طرح سے منسوخ ہے: کلام کرنے کے بعد کعبہ سے سینہ پھر جانے کے بعد، بعض مقتدیوں کے مسجد سے نکل جانے اور انہیں واپس بلانے کے بعد نماز پوری کرنا اور سجدۂ سہو کرنا، سجدۂ سہو کے بعد بغیر دوبارہ التحیات پڑھے فورًا سلام پھیر دینا،اب ان میں سے کسی چیز پر عمل نہیں یہ حدیث اس وقت کی ہے جب نماز میں کلام و کام سب کچھ جائز تھا،یہی صحیح ہے بقیہ توجیہیں جو عام شارحین نے کی ہیں قابل قبول نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بحینہ سے ا؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ظہر پڑھائی تو پہلی دو رکعتوں میں بغیر بیٹھے کھڑے ہوگئے لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہوگئے ۲؎ حتی کہ جب نماز پوری کی اور لوگوں نے سلام کا انتظار کیا تو آپ نے بیٹھے ہوئے تکبیر کہی سلام سے پہلے دو سجدے کیے پھر سلام پھیرا ۳؎ (مسلم،بخاری) |

ا؎ مشہور یہ ہے کہ بحینہ آپ کی والدہ کا نام ہے اور آپ کے والد کا نام مالک ہے،آپ والدہ کی طرف سے عبدالمطلب میں حضور علیہ السلام سے مل جاتے ہیں کیونکہ بحینہ بنت حارث ابن عبدالمطلب ابن عبدالمناف ہیں،آپ بڑے متقی،صائم الدھر صحابی ہیں،امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات ہوئی۔

۲؎ معلوم ہوا کہ اگر امام پہلی التحیات بھول کر تیسری رکعت میں پورا کھڑا ہوجائے تو مقتدی لقمہ دے کر اسے واپس نہ کریں بلکہ خود بھی کھڑے ہوجائیں کیونکہ وہ بیٹھنا واجب ہے اور یہ قیام فرض،واجب کے لیے فرض نہیں چھوڑا جاسکتا۔

۳؎ اس حدیث کی بناپر امام شافعی فرماتے ہیں سجدۂ سہو کے لیئے سلام نہ پھیرے مگر دوسری قوی روایات میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اس کے لیے سلام پھیرا ہے اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عمر فاروق اعظم ہمیشہ سجدۂ سہو کے لیے سلام پھیرا کرتے تھے،فاروق اعظم کا یہ عمل اس حدیث کو تقویت دیتا ہے لہذا حق یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اس کی ناسخ مسلم،بخاری کی وہ روایت ہے جو فصل اول میں گزر گئی اور ہوسکتا ہے کہ یہاں سلام سے مراد نماز کے وہ دو سلام ہوں جن سے نماز ختم کی جاتی ہے اور مطلب یہ ہو کہ لوگوں نے سلام نماز کا انتظار کیا حضور علیہ السلام نے وہ سلام نہ پھیرا بلکہ سہو کا ایک سلام پھیر کر تکبیر کہہ دی تب اسے منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو نماز پڑھائی کچھ بھول ہوگئی ا؎ تو دو سجدے کیے پھر التحیات پڑھی پھر سلام پھیرا ا؎ (ترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ |

ا؎ یعنی بھول سے نماز کا کوئی واجب رہ گیا کیونکہ ہر بھول پر سجدۂ سہو نہیں ہوتا۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ سجدۂ سہو کے بعد التحیات ہے گزشتہ حدیث میں التحیات کی نفی نہ تھی اور اگر ہوتی بھی تو اس کے مقابل یہ حدیث قابل قبول ہوتی کیونکہ نفی پر ثبوت مقدم ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب امام دو رکعتوں میں کھڑا ہوجائے تو اگر سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے یاد آجائے تو بیٹھ جائے ا؎ اور اگر |

| | |
|---|---|
| | سیدھا کھڑا ہو گیا تو نہ بیٹھے اور سہو کے دو سجدے کرلے ۲؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ) |

۱؎ کیونکہ ابھی تیسری رکعت کا قیام شروع نہیں ہوا لہذا بیٹھ جائے یہی صحیح ہے،بعض فقہاء نے فرمایا کہ اگر قیام سے قریب ہوگیا ہو اس طرح کہ گھٹنے زمین سے اٹھ گئے ہوں۔تب بھی نہ لوٹے مگر اس پر فتویٰ نہیں۔خیال رہے کہ اسے لوٹنے میں سجدۂ سہو بھی واجب نہ ہوگا۔

۲؎ واجب چھوٹ گیا بہت سے علماء فرماتے ہیں کہ اگر اس حالت میں لوٹ آیا تو نماز جاتی رہے گی کیونکہ اس نے عمدًا فرض چھوڑ دیا،خیال رہے کہ اگر پانچویں رکعت میں کھڑا ہو گیا ہے تو سجدے سے پہلے یاد آنے پر لوٹنا واجب ہے کیونکہ وہ قیام فرض نہیں۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر پڑھی اور تین رکعتوں میں سلام پھیر دیا پھر اپنے گھر تشریف لے گئے ان کی خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے جنہیں خرباق کہا جاتا تھا ان کے ہاتھوں میں کچھ درازی تھی عرض کیا یارسول اللہ پھر آپ کا عمل شریف ذکر کیا تو آپ غصے میں اپنی چادر کھینچتے ہوئے تشریف لائے حتی کہ لوگوں تک پہنچ گئے فرمایا کیا انہوں نے درست کہا لوگوں نے کہا ہاں تو ایک رکعت پڑھی پھر سلام پھیرا پھر دو سجدے کیے پھر سلام پھیرا ۱؎(مسلم) |

۱؎ صحیح یہ ہے کہ یہ دوسرا واقعہ ہے کیونکہ یہاں حجرے شریف میں پہنچ جانے کا ذکر ہے اور وہاں مسجد میں ٹھہرنے کا ذکر تھا،یہاں غصہ کی وجہ معلوم نہ ہوسکی اور دوسرے ثُمَّ سَلَّمَ سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدۂ سہو کے بعد بھی التحیات پڑھی جائے گی کیونکہ ثُمَّ تاخیر کے لیے آتا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبدالرحمان بن عوف سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو نماز پڑھے کہ کمی میں شک کرے تو اور پڑھ لے حتی کہ زیادتی میں شک کرے ۱؎ (احمد) |

۱؎ یعنی اگر نمازی کو تردد ہے کہ میں نے تین پڑھیں یا چار تو تین مان کر ایک رکعت اور مان لے تاکہ اب یہ تردد ہو جائے کہ چار پڑھیں یا پانچ اور سجدۂ سہو کرلے کہ اگر پانچ رکعتیں ہوگئیں ہوں تو تاخیر سلام کی وجہ سے جو نقصان پیدا ہوا اس کا بدلہ اس سے ہو جائے گا۔خیال رہے کہ اس سارے باب میں حضور علیہ السلام کے سہوؤں کا ذکر ہوا پہلی التحیات میں نہ بیٹھنا دو رکعت پر سلام پھیر دینا،تین رکعت پر سلام پھیرنا،بجائے چار کے پانچ رکعتیں پڑھنا اور ان سب میں سجدۂ سہو کا ذکر آیا۔اس بناء پر فقہاء فرماتے ہیں کہ نماز کا واجب چھوٹ جانے

سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے نہ کہ سنتیں اور فرض چھوٹنے سے ہمارا مذہب میں فتویٰ اس پر ہے کہ ہر سجدۂ سہو کے لیے پہلے **التحیات** پڑھے اور ایک سلام پھیر کر دو سجدے کرے پھر **التحیات** دونوں درود و دعا پڑھ کر سلام پھیرے۔

## باب سجود القرآن

### قرآنی سجدوں کا باب ۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱ قرآن کریم میں چودہ سجدے ہیں اور یہ سب واجب ہیں احناف کے نزدیک اور سنت ہیں دوسرے اماموں کے ہاں، امام اعظم کا قول قوی ہے کیونکہ رب فرماتا ہے: "فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَ اِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ" یہاں رب تعالٰی نے "سجدۂ تلاوت" نہ کرنے کو سخت جرم قرار دیا کہ اس کا ذکر بے ایمانی کے ساتھ کیا، پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر سجدۂ تلاوت واجب ہے، اس سجدہ کے لیے پاکی تو شرط ہے مگر قیام سلام وغیرہ فرض نہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں اور جن وانس نے سجدہ کیا ۱ (بخاری) | |

۱ حضور علیہ السلام نے سجدے کی آیت پڑھ کر اور صحابہ نے سن کر سجدہ کیا، مشرکین نے اس موقعہ پر یا اپنے بتوں لات و عزیٰ کا ذکر سن کر سجدہ کیا یا حضور علیہ السلام سے ذکر الٰہی سن کر مرعوب ہوئے اور سجدہ میں گر گئے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ اس موقع پر شیطان نے حضور علیہ السلام کی سی آواز بنا کر بتوں کی تعریف کی یا بغیر قصد حضور علیہ السلام کی زبان پر وہ الفاظ جاری ہوئے، مشرکین سمجھے کہ حضور علیہ السلام ہمارے دین کی طرف لوٹ آئے تو شکرانہ کے طور پر وہ سجدے میں گر گئے یعنی مسلمانوں نے سجدۂ تلاوت کیا اور مشرکوں نے اپنی غلط فہمی پر سجدۂ شکر مگر آپ کی زبان پر بتوں کی تعریف جاری ہونے کی روایت باطل محض ہے اور شیطان کا اپنی آواز کو حضور علیہ السلام کی آواز کی مثل بنا کر یہ کہہ دینا اسے بھی حضرت شیخ نے لمعات میں اور ملا علی قاری نے مرقاۃ میں باطل قرار دیا اور اس قصہ کو موضوع قرار دیا اور فرمایا کہ یہ مؤرخین کی ایجاد ہے، محدثین نے اسے نہیں لیا لیکن بعض علماء نے "اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِه" کی تفسیر میں یہ پہلا واقعہ بیان کیا یعنی شیطان کا یہ کہہ دینا معلوم ہوتا ہے، صحابہ نے اس موقع پر جنات کو بھی سجدہ کرتے دیکھا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ "اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ" میں اور "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ" میں سجدہ کیا ۱ (مسلم) | |

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں سورتوں میں سجدے ہیں۔ان لوگوں کا قول باطل ہے جو کہتے ہیں کہ مفصل میں کوئی سجدہ نہیں یا حضور علیہ السلام نے مدینہ آنے کے بعد ان میں سجدہ نہیں کیا یہ حدیث نہایت صحیح ہے اور ہم سب کا اس پر عمل ہے یہ حدیث بخاری میں بھی ہے مگر وہاں اِقْرَاْ کا ذکر نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدے کی آیت پڑھتے تو ہم آپ کے پاس ہوتے تو آپ اور ہم آپ کے ساتھ سجدہ کرتے بھیڑ لگ جاتی حتی کہ ہم میں کوئی اپنی پیشانی کے لیے جگہ نہ پاتا کہ جس پر سجدہ کرے ۱؎ (مسلم،بخاری) |

۱؎ یہاں سجدہ پڑھنے سے مراد سجدے کی آیت پڑھنا ہے یا سجدے کے لفظ کے ساتھ آگے پیچھے کے لفظ بھی پڑھنا ورنہ فقط سجدے کا لفظ پڑھ لینے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ آیتِ سجدہ پڑھنے سے بھی واجب ہوتا ہے اور سننے سے بھی اور یہ کہ سجدہ بڑا اہم ہے کہ صحابہ کرام بھیڑ لگا کر یہ سجدہ کیا کرتے تھے اس سے مذہب حنفی کو قوت پہنچتی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت زید ابن ثابت سے فرماتے ہیں میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وَالنَّجْمِ پڑھی آپ نے اس میں سجدہ نہ کیا ۱؎ (مسلم،بخاری) |

۱؎ یا اس لیے کہ اس وقت حضور علیہ السلام کا وضو نہ تھا یا اس لیے کہ وہ وقت کراہت کا تھا جب سجدہ ممنوع ہوتا ہے یا اس لیے تاکہ معلوم ہو جائے کہ سجدۂ تلاوت فورًا واجب نہیں ہوتا اس میں تاخیر بھی کر سکتے ہیں،یہ وجہ نہ تھی کہ سورۂ وَالنَّجْم میں سجدہ نہیں ہے یا یہ سجدۂ سنت ہے لہذا یہ حدیث نہ تو حنفیوں کے خلاف ہے اور نہ بخاری کی پچھلی حدیث سے متعارض۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ سورۂ ص کا سجدہ فرضی سجدوں میں نہیں ۱؎ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں سجدہ کرتے دیکھا ہے ۲؎ |

۱؎ یعنی اس کی فرضیت نماز اور زکوۃ کی سی نہیں جس کا منکر کافر ہو بلکہ واجب ہے جس کا انکار کفر نہیں۔یہی حنفی کہتے ہیں کہ قرآن کے سارے سجدے واجب ہیں اور اگر یہ مطلب ہو کہ واجب نہیں بلکہ سنت ہے تو یہ سیدنا ابن عباس کا اپنا اجتہاد ہے کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں فرمائی۔

۲؎ یعنی میں بھی کرتا ہوں اور تم بھی کرو کیونکہ حضور علیہ السلام کا عمل ہے اور قرآنی حکم،آیت ہم پہلے پیش کر چکے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | اور ایک روایت میں ہے مجاہد کہتے ہیں ۱؎ کہ میں نے حضرت ابن عباس سے کہا کیا سورۂ ص میں سجدہ کروں تو آپ نے یہ تلاوت کیا "مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ" ۲؎ حتی کہ "فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ" پر پہنچے پھر فرمایا کہ تمہارے نبی صلی اللہ |

| | |
|---|---|
| | علیہ وسلم ان میں سے ہیں جنہیں ان کی پیروی کا حکم دیا گیا ۳؎(بخاری) |

۱؎ آپ تابعین میں سے ہیں،مکہ معظّمہ کے مشہور عالم فقیہ اور قاری ہیں،حضرت عبداللہ ابن عباس سے تیس بار قرآن کریم معہ تفسیر پڑھا،۱۰۴ھ میں وصال ہوا۔

۲؎ اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کی اولاد میں بہت پیغمبر ہوئے جن میں حضرت داؤد و سلیمان علیہماالسلام بھی ہیں۔آپ ان تمام حضرات کے کمالات،اخلاق اختیار فرمائیں کیونکہ یہ رب تعالٰی کے دیئے ہوئے کمالات تھے۔یہ مطلب نہیں کہ ان کے سارے اعمال بھی کریں کیونکہ اسلام ان دینوں کا ناسخ ہے،نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے متبع نہیں آپ تو ان کے پیشوااور مقتدا ہیں ہاں ان کے کمالات کے جامع ہیں جیسے رب نے فرمایا:"قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِیْفًا"فرماؤ ہم ملت ابراہیمی کی پیروی کرتے ہیں،یہاں پیروی سے مراد موافقت ہے نہ کہ اطاعت وفرماں برداری ۱۲

۳؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم گزشتہ انبیاء کرام کے کمالات کے جامع ہیں اور داؤد علیہ السلام نے قبول توبہ پر سجدۂ شکر کیا تھا یہ سجدہ ان کا کمال تھا،سورۂ ص میں یہ قصہ مذکور ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سجدہ کیا ہم کو بھی سجدہ کرنا چاہیئے۔امام احمد نے ابو بکر ابن عبداللہ مزنی سے روایت کی کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سورۂ ص لکھ رہا ہوں جب سجدہ کی آیت پر پہنچا تو دوات و قلم وغیرہ سجدہ میں گرگئے میں نے یہ قصہ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا،میں نے اس کے بعد دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہاں ہمیشہ سجدہ کرتے تھے۔ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ ص کا سجدہ دوسرے سجدوں کی طرح واجب ہے ۱۲

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن میں پندرہ سجدے پڑھائے جن میں سے تین مفصل میں ہیں اور دو سورۂ حج میں ۱؎(ابوداؤد،ابن ماجہ) |

۱؎ یہ حدیث امام مالک کی دلیل ہے کہ ان کے ہاں قرآن کریم میں پندرہ سجدے ہیں کیونکہ وہ سورۂ ص میں بھی سجدہ مانتے ہیں اور سورۂ حج میں دو سجدے۔جمہور علماء کے نزدیک چودہ سجدے ہیں مگر امام ابو حنیفہ رحمۃاللہ علیہ کے نزدیک ص میں سجدہ ہے تو حج میں صرف ایک سجدہ،اور شوافع کے نزدیک حج میں دو سجدے ہیں تو ص میں سجدہ نہیں،یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے ضعیف ہے کہ اس میں ایک راوی عبداللہ ابن منین ہیں جو ضعیف ہیں۔شیخ عبدالحق محدث نے فرمایا کہ ابن منین قابلِ اعتبار نہیں،ابن قطان نے کہا کہ وہ مجہول ہیں،بہرحال یہ حدیث لائق عمل نہیں ۱۲

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ حج کو اس طرح بزرگی دی گئی کہ اس میں دو سجدے ہیں فرمایا ہاں جو یہ دو سجدے نہ کرے ۱؎ وہ ان |

| | |
|---|---|
| | دونوں کو نہ پڑھے۔(ابوداؤد،ترمذی)ترمذی نے فرمایااس حدیث کی اسناد قوی نہیں ۲ اور مصابیح میں ہے کہ سورۂ حج نہ پڑھے جیسا کہ شرح سنہ میں ہے۔ |

۱؎ یہ حدیث حضرت امام شافعی رحمۃاللہ علیہ کی دلیل ہے کہ سورۂ حج میں دو سجدے ہیں امام اعظم رحمۃاللہ علیہ کے نزدیک حج میں صرف ایک سجدہ ہے یعنی پہلا دوسری آیت میں سجدہ نماز مراد ہے نہ کہ سجدۂ تلاوت کیونکہ وہاں ارشاد ہوا"ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا"یعنی سجدہ کا رکوع کے ساتھ ذکر ہوااور جہاں رکوع سجدہ مل کر آویں وہاں سجدہ نماز مراد ہوتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ"،نیز طحاوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ سورۂ حج میں پہلا سجدہ عزیمت ہے اور دوسرا سجدہ تعلیم،نیز یہ حدیث علاوہ ضعیف ہونے کے امام شافعی رحمۃاللہ علیہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ قرآنی سجدے واجب نہیں مانتے سنت مانتے ہیں اور اس حدیث سے وجوب ثابت ہوتا ہے کہ فرمایا یہ جو سجدے نہ کرے وہ یہ سورۃ ہی نہ پڑھے یہ بہرحال اس حدیث سے استدلال قوی نہیں۔

۲؎ کیونکہ اس کی اسناد میں ابن لہیعہ شوافع کے نزدیک ضعیف ہے اور ابن شرع ابن ہامان عام محدثین کے نزدیک مجروح لہذااس حدیث سے استدلال درست نہیں ۱۲

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر میں سجدہ کیا پھر کھڑے ہوئے پھر رکوع کیالوگ سمجھے کہ آپ نے تنزیل السجدہ پڑھی ۱؎(ابوداؤد) |

۱؎ صحابہ رضی اللہ عنھم نے یہ اس لیئے سمجھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی کی نمازوں میں سورۃ کی ایک آدھ آیت آواز سے پڑھ دیتے تھے تاکہ پتہ لگے کہ فلاں سورۃ پڑھ رہے ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا سنت یہ ہے کہ نمازی آیت سجدہ پر سجدہ کرے پھر باقی سورۃ پڑھ کر رکوع کرے اور اگر پوری سورۃ پڑھ کر سجدہ کرے جب بھی جائز ہے اور اگر رکوع میں ہی سجدۂ تلاوت کرنے کی نیت کرے تب بھی درست ہے مگر پہلی صورت افضل ہے،حضرت عمر و ابن مسعود نماز میں سجدہ کی آیت پڑھ کر رکوع میں سجدہ کی نیت کو درست مانتے تھے اور کسی صحابی نے ان کی مخالفت نہ کی۔(مرقاۃ)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر قرآن پڑھتے جب سجدے کی آیت پر گزرتے تو تکبیر کہتے اور سجدہ کرتے ہم آپ کے ساتھ سجدہ کرتے ۱؎(ابوداؤد) |

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں خارج نماز کا ذکر ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت قاری اور سامع دونوں پر واجب ہے اور اس سجدہ میں صرف ایک تکبیر کہے ہاتھ اٹھانے یا بعد سجدہ سلام پھیرنے کی ضرورت نہیں جیسا کہ امام شافعی رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں مستحب یہ ہے کہ کھڑے ہو کر سجدہ میں جائے اور پھر کھڑا ہو جائے جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کیونکہ اس سجدہ میں باشارہ قرآنی ضرور گرنا چاہیئے اور گرنا کھڑے ہو کر کامل ہے ۱۲

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم |

| | |
|---|---|
| نے فتح مکہ کے سال آیت سجدہ پڑھی سب لوگوں نے سجدہ کیا [1] ان میں سوار اور زمین پر سجدہ کرنے والے حتی کہ سوار اپنے ہاتھ پر سجدہ کرتا تھا [2] | |

[1] یہ واقعہ سورۂ وَالنَّجْمِ پڑھنے کے علاوہ ہے کیونکہ آج مکہ معظّمہ میں کوئی مشرک نہ تھا اور وہاں مشرکین مکہ نے بھی سجدہ کیا تھا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت سوار اپنے ہاتھ پر کرسکتا ہے اترنا ضروری نہیں یہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔
[2] یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن میں گیارہ سجدے ہیں کیونکہ چودہ سجدوں میں سے جب مفصل کے تین سجدے نکل گئے تو گیارہ باقی بچے، مگر یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی اسناد میں ابو قدامہ بصری ہیں جو ضعیف ہیں (نووی) نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث قوی ہے جس میں ہے کہ ہم نے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اِنْشَقَّتْ اور اِقْرَاْ میں سجدہ کیا۔حضرت ابوہریرہ بعد ہجرت یعنی ۷ھ میں ایمان لائے،ابھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث گزری کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال سورۂ وَالنَّجْمِ پڑھی اور سب نے سجدہ کیا،نیز یہ حدیث نافی ہے اور وہ حدیث مثبت جب ثبوت و نفی میں تعارض ہو تو ثبوت کو ترجیح ہوتی ہے۔بہرحال یہ حدیث قابل عمل نہیں مفصل میں تین سجدے ہیں "وَالنَّجْمِ،اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ،اِقْرَاْ"۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد طوال مفصل کی قرأت کے دوران سجدہ نہیں کیا [1] (ابوداؤد) | |

[1] خیال رہے کہ اگر سجدۂ تلاوت فرض نماز میں کرے تو اس میں سجدے کی تسبیح پڑھنا افضل ہے اور اگر نفل نماز میں یا خارج نماز میں کرے تو اختیار ہے خواہ صرف تسبیحیں پڑھے یا دوسری دعائیں یا دونوں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات میں قرآنی سجدوں میں یوں کہتے تھے میری ذات نے اسے سجدہ کیا جس نے اسے پیدا کیا اور اس کے کان اور آنکھ اپنی طاقت و قوت سے چیرے [1] (ابوداؤد،ترمذی،نسائی) اور ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ | |

[1] یہاں تہجد کی نماز یا خارج نماز میں سجدہ تلاوت مراد ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز مسجد میں پڑھاتے تھے،اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ ہوتی تھیں۔فتح القدیر میں ہے کہ سجدہ تلاوت میں یہ آیت پڑھنا بھی بہتر ہے "سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا"،رب تعالٰی فرماتا ہے:"یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا وَّ یَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ"الخ۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا [1] عرض کیا یارسول اللہ میں نے آج رات سوتے ہوئے اپنے کو دیکھا کہ گویا | |

| | |
|---|---|
| | میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں میں نے سجدہ کیا۲ میرے سجدے کے ساتھ درخت نے بھی سجدہ کیا میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا۳ الٰہی اس سجدے کی برکت سے اپنے پاس میرے لیے ثواب لکھ اور میرا گناہ دور کر اور اسے میرے لیے اپنے ہاں ذخیرہ بنا۴ اور اسے مجھ سے ایسا ہی قبول کر جیسے اپنے بندے داؤد سے قبول کیا تھا،ابن عباس فرماتے ہیں کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدے کی آیت پڑھی۵ پھر سجدہ کیا تو میں نے آپ کو اسی طرح کہتے سنا جیسے اس شخص نے درخت کے قول کی خبر دی تھی۶(ترمذی،ابن ماجہ) مگر ابن ماجہ نے **وتقبلها** الخ کا ذکر نہ کیا ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔ |

۱؎ یہ آنے والے حضرات ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ تھے جیسا کہ بعض روایتوں میں صراحتًا ہے نہ کہ کوئی فرشتہ ۱۲

۲؎ سجدۂ تلاوت اس طرح کہ نماز میں سورۂ ص پڑھی اور سجدہ کی آیت پر سجدہ کیا جیسا کہ اگلی عبارت سے معلوم ہو رہا ہے ۱۲

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ قول خود درخت ہی کا ہے کیونکہ درخت وغیرہ سجدے بھی کرتے ہیں اور تسبیح بھی،ممکن ہے کسی فرشتے کا قول ہو جو درخت سے ظاہر ہو رہا ہو،جیسے طور پر موسیٰ علیہ السلام نے درخت سے رب کا کلام سنا،اول قوی ہے۔

۴؎ درخت کا یہ کہنا ان صحابی کو اور ان کے ذریعہ سارے مسلمانوں کو تعلیم دینے کے لیے ہے ورنہ ان کے لیے نہ ثواب ہے نہ گناہ کی بخشش کیونکہ وہ گنہگار ہی نہیں ۱۲

۵؎ سورۂ ص کی۔ظاہر یہ ہے کہ صرف آیت سجدہ ہی نماز سے خارج پڑھی۔اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ دوران تلاوت میں سجدے کی آیت تلاوت کرکے سجدہ کرنا بلا کراہت جائز ہے ۱۲

۶؎ علماء فرماتے ہیں کہ ص کے سجدے میں یہ دعا پڑھنا بہت بہتر ہے۔مرقاۃ نے فرمایا کہ حضور انور نے اس خواب کی تعبیر یہ دی کہ وہ درخت ہم ہیں اور صحابی سے مراد ساری امت اس لیے خود سجدہ کرکے اس میں یہ دعا پڑھ کے دکھا دیا ۱۲

۷؎ مگر حاکم نے اسے صحیح کہا اور دیگر محدثین نے حسن فرمایا اور یہ معلوم رہے کہ غرابت صحت کے خلاف نہیں اور اگر ضعیف بھی ہو تو فضائل اعمال میں قبول ہے ۱۲

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن مسعود سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ **وَالنَّجْمِ** پڑھی تو اس میں آپ نے بھی سجدہ کیا اور انہوں نے بھی جو آپ کے ساتھ تھے۱ ایک قریشی بڈھے کے سواء جس |

| | |
|---|---|
| | نے ایک مٹھی کنکر یا مٹی اٹھا کر اپنی پیشانی سے لگالی اور بولا مجھے یہی کافی ہے ۲؎ عبداللہ فرماتے ہیں میں نے بعد میں اسے دیکھا کہ کافر مارا گیا ۳؎ (مسلم، بخاری) اور بخاری نے اپنی روایت میں زیادہ کیا کہ وہ امیہ ابن خلف تھا ۴؎ |

۱؎ یعنی مؤمنین، مشرکین، انسان، جن جو بھی وہاں حاضر تھے سب سجدے میں گر گئے۔اس کی وجہ پہلے بیان ہوچکی کہ چونکہ سورۂ **والنجم** میں یہاں لات و عزیٰ کا بھی ذکر ہے۔اس لیے مشرکین نے ان کی تعظیم کرتے ہوئے سجدہ کیا یا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت میں ایسی ہیبت تھی کہ مشرکین بھی بے اختیار سجدے میں گر گئے۔ یا اس وقت شیطان نے بتوں کی تعریف کی، مسلمان تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی آواز پر سجدے میں گرے اور کفار شیطان کی آواز پر۔یہ محض باطل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر بے اختیار اس وقت بتوں کی آواز آگئی، **نعوذ باللہ**، امام عسقلانی نے شرح بخاری میں شیطان والے قصہ کو ثابت کیا ہے، رب تعالٰی نے فرمایا: "اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِه"۔

۲؎ اس کی یہ حرکت غرور و تکبر کے لیے تھی کہ سب کے ساتھ میرا سجدہ کرنا میری شان کے خلاف ہے ۱۲

۳؎ یعنی جن مشرکین نے آج سجدہ کیا تھا وہ سب بعد میں اسلام لے آئے جس نے سجدہ نہ کیا وہ کافر ہی مارا گیا ۱۲

۴؎ جو بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں بری طرح مارا گیا جیسے یہ حضرت بلال کو برچھیوں اور نیزوں سے چھیدا کرتا تھا اسی طرح بدر میں صورت یہ بنی کہ اسے چھید چھید کر ہی مارنا پڑا کیونکہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے ایفائے عہد کرتے ہوئے اسے بچانے کے لیے خود کو اس کے اوپر ڈال دیا تھا اور اس کا بھائی ابی بن خلف جنگ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں مارا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے صرف اسی کو قتل فرمایا ہے ۱۲

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ ص میں سجدہ کیا اور فرمایا کہ حضرت داؤد نے توبہ کے طور پر یہ سجدہ کیا تھا اور ہم شکر کے طور پر یہ سجدہ کرتے ہیں ۱؎ (نسائی) |

۱؎ اس کا شکر یہ کہ رب تعالٰی نے ان کی توبہ قبول فرمائی جیسے عید الاضحیٰ کی نماز حضرت ابراہیم کی قربانی قبول ہونے کے شکر میں پڑھی جاتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اہم واقعات کی یادگاریں منانا اور ان پر عبادتیں کرنا سنت سے ثابت ہے۔ لہذا میلاد شریف گیارہویں شریف، عرس بزرگانِ دین منانا اور ان موقعوں پر نوافل، صدقات وغیرہ عبادتیں ناجائز نہیں ہوسکتیں۔

## باب اوقات النھی

### ممانعت کے وقتوں کا باب ١

### الفصل الاول

### پہلی فصل

١ یعنی جن وقتوں میں نماز منع ہے۔خیال رہے کہ تین وقت وہ ہیں جن میں فرض نفل ہر نماز منع ہے: طلوع آفتاب، غروب اور نصف النہار (بیچ دوپہری) پانچ وقت وہ ہیں جن میں فرض جائز، نفل منع: صبح صادق سے سورج نکلنے تک، نماز عصر کے بعد سے سورج ڈوبنے تک، پھر آفتاب ڈوبنے کے بعد سے مغرب کے فرض پڑھنے تک، جمعہ کے خطبہ کے وقت، عید کے دن نماز عید سے پہلے، یہ کراہت ہر جگہ ہے مکہ معظّمہ میں بھی اور دیگر مقامات میں بھی ١٢

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی قصد نہ کرے کہ سورج نکلنے کے وقت اور ڈوبنے کے وقت نماز پڑھے ١ اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا جب سورج کا کنارہ چمک جائے تو نماز چھوڑ دو حتی کہ بلند ہو جائے ٢ پھر جب سورج کا کنارہ چھپ جائے تو نماز چھوڑ دو حتی کہ پورا غائب ہو جائے اور اپنی نماز کے لیے سورج کے طلوع غروب کا وقت مقرر نہ کرو، کیونکہ وہ شیطان کے سینگوں کے بیچ میں طلوع ہوتا ہے ٣ (مسلم، بخاری) |

١ سورج نکلنے سے مراد اس کے چمکنے سے بلند ہونے تک کا وقت ہے یعنی چمکنے سے بیس منٹ بعد تک اور ڈوبنے سے مراد پیلا پڑنے سے چھپنے تک کا وقت یعنی چھپنے سے بیس منٹ پہلے ہے جیسا کہ اور روایات میں ہے ١٢

٢ کنارہ مشرق سے ایک نیزہ بلند ہو کر اس میں تیزی آجائے کہ اتنے عرصہ میں ہر نماز ممنوع ہے ١٢

٣ اس طرح کہ ایک شیطان سورج کے ساتھ گردش کرتا رہتا ہے ہر جگہ سورج کا طلوع اس کے سینگوں کے بیچ میں ہوتا ہے۔اس کی تحقیق "اوقات نماز" کے باب میں گزر گئی ١٢

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے کہ ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین وقتوں میں نماز پڑھنے اور مردے دفن کرنے سے منع فرماتے تھے ١ جب سورج ظاہر ظہور طلوع ہو رہا ہو حتی کہ بلند ہو جائے اور جب ٹھیک دوپہری قائم ہو یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے اور جب سورج ڈوبنے کے قریب ہو جائے حتی کہ ڈوب جائے |

| | |
|---|---|
| | ۲؎(مسلم) |

۱؎ تمام علماء کے نزدیک یہاں دفن سے مراد نماز جنازہ ہے کیونکہ ان وقتوں میں دفن کرنے کو کوئی منع نہیں کرتا اور ان اوقات میں نماز جنازہ بھی جب ہی مکروہ ہوگی جب کہ جنازہ پہلے سے تیار ہو اور نماز میں دیر کی جائے لیکن اگر جنازہ آیا ہی اس وقت ہے تو نماز پڑھ لے ۱۲

۲؎ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی تفسیر ہے کہ وہاں طلوع وغروب سے مراد صرف نکلنا وڈوبنا نہ تھا بلکہ اس سے بعد اور پہلے کا کچھ وقت بھی تھا۔ خیال رہے کہ ٹھیک دوپہر شریعت میں نماز شرعی گیارہ بجے ہوااور نہار نجومی کے نصفوں کا فاصلہ ہے مثلًا آج نصف النہار شرعی گیارہ بجے ہوااور نصف النہار نجومی پونے بارہ بجے تو یہ پینتالیس ۴۵ منٹ بیچ دوپہر ہیں ان میں نماز مکروہ۔ شرعی دن پو پھٹنے سے شروع ہوتا ہے اور نجومی دن سورج چمکنے سے اور دونوں غروب آفتاب پر ختم ہوجاتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ فجر کے بعد سورج بلند ہونے تک کوئی نماز نہیں اور نہ عصر کے بعد سورج ڈوبنے تک ۱؎ (مسلم، بخاری) |

۱؎ یعنی نماز فجر اور نماز عصر پڑھ لینے کے بعد نوافل ممنوع ہیں اور سورج چمکنے اور پیلا پڑنے کے بعد ہر نماز ممنوع جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا یہ حدیث ہر جگہ کے لیے ہے لہذا احناف کی دلیل ہے کہ ان کے ہاں ان وقتوں میں مکہ مکرمہ میں بھی نوافل مکروہ ہیں ۱۲

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عمرو ابن عبسہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو میں بھی مدینے آیا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا کہ مجھے نماز کے متعلق خبر دیجئے ۲؎ تو فرمایا کہ نماز فجر پڑھو پھر آفتاب نکلتے وقت نماز سے باز رہو حتی کہ بلند ہوجائے کیونکہ وہ نکلتے وقت شیطان کے دو سینگوں کے درمیان نکلتا ہے اور اس وقت اسے کفار سجدہ کرتے ہیں ۳؎ پھر نماز پڑھو کیونکہ وہ نماز حاضری یا گواہی کا وقت ہے ۴؎ یہاں تک کہ نیزے کا سایہ کم ہوجائے ۵؎ پھر نماز سے باز رہو کیونکہ اس وقت دوزخ جھونکا جاتا ہے ۶؎ پھر جب زوال کا سایہ آگے ہوجائے تو نماز پڑھو ۷؎ کیونکہ یہ نماز حاضری اور گواہی کا وقت ہے حتی کہ عصر پڑھ لو پھر سورج ڈوبنے تک نماز سے باز رہو کیونکہ وہ شیطان کے سینگوں کے بیچ ڈوبتا ہے ۸؎ اس وقت کفار اسے سجدہ کرتے ہیں، فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا نبی اللہ مجھے وضوء کے متعلق خبر دیجئے تو فرمایا کوئی ایسا شخص نہیں جو وضو کا پانی لے پھر کلی کرے ناک میں پانی ڈالے مگر اس کے چہرے اور منہ اور نتھنوں کی خطائیں گر جاتی ہیں ۹؎ پھر جب اسی طرح اپنا منہ دھوئے جیسے اسے اللہ نے حکم دیا ۱۰؎ مگر اس کے چہرے کی خطائیں داڑھی کے کناروں سے پانی کے ساتھ پوروں |

| | |
|---|---|
| | سے گر جاتی ہیں، پھر اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھوئے مگر اس کے ہاتھوں کی خطائیں پانی کے ساتھ گر جاتی ہیں، پھر اپنے سر کا مسح کرے مگر اس کے سر کی خطائیں پانی کے ساتھ بالوں کے کناروں سے گر جاتی ہیں۱۱ پھر اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھوئے مگر اس کے پاؤں کی خطائیں پانی کے ساتھ پوروں سے گر جاتی ہیں پھر اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو اللہ کی وہ حمد و ثناء اور بڑائی کرے جس کے وہ لائق ہے اور اپنا دل اللہ کے لیے خالی کرے مگر اپنی خطاؤں سے اس دن کی طرح پھرے گا جس دن اسے ماں نے جنا۱۲ (مسلم) |

۱؎ آپ قدیم الاسلام صحابی ہیں، حتی کہ بعض نے کہا آپ چوتھے مسلمان ہیں ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ابھی گھر چلے جاؤ جب ہمارا غلبہ ہو تو آجانا۔ چنانچہ بعد ہجرت یہ بھی حضور علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے۔ان کے حالات پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

۲؎ کہ کون سی نماز کس وقت پڑھی جائے جیسا کہ جواب سے ظاہر ہے۔

۳؎ لہذا تمہارا اس وقت نماز پڑھنا کفار کی عبادت کے مشابہ ہوگا۔خیال رہے کہ اگرچہ کفار اور وقت بھی عبادت کرتے ہیں مگر اس وقت کی عبادت ان کی مذہبی علامت ہے۔علامت کفر سے بچنا ضروری ہے، تشبیہ اور ہے اور اشتراک کچھ اور۔

۴؎ یعنی نماز اشراق و چاشت پڑھو اس نماز میں تمہارے ساتھ تمہارے ساتھی فرشتے موجود ہوں گے اور تمہارے گواہ، یہ حکم استحبابی ہے کیونکہ نماز اشراق و چاشت واجب نہیں ۱۲

۵؎ یعنی نیزے کا سایہ اس سے کم ہو جائے جسے سایہ اصلی کہتے ہیں جو نصف النہار کے وقت ہوتا ہے، اس کی درازی موسم کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے، شاید جس وقت سرکار نے یہ فرمایا اس وقت سایہ اصلی چیز سے کم ہوتا ہے۔

۶؎ یعنی دوپہر کے وقت دوزخ میں ایندھن ڈالا جاتا ہے جس سے وہ بھڑک جاتا ہے۔اس کی تحقیق باب الاوقات میں کی جاچکی وہاں اس کا جواب دیا گیا ہے کہ ہر وقت کہیں نہ کہیں دوپہر رہتی ہے پھر اس وقت دوزخ جھونکنے کے کیا معنی۔

۷؎ یہ امر اباحت کے لیے ہے یعنی سورج ڈھل جانے پر نماز پڑھ سکتے ہو، یہ مطلب نہیں کہ سورج ڈھلتے ہی ظہر پڑھ لو۔اس کی تحقیق بھی باب الاوقات میں کی جاچکی گرمیوں میں ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھنا مستحب ہے ۱۲

۸؎ یعنی نماز عصر پڑھنے کے بعد ہر نماز سے باز رہو جیسا کہ باب الاوقات میں ذکر ہوا۔

۹؎ اس کی شرح باب الوضوء میں ہوچکی کہ یہاں خطاؤں سے مراد گناہ صغیرہ ہیں نہ کہ گناہ کبیرہ اور نہ حقوق العباد اور یہ ہم لوگوں کے احکام ہیں اسی لیے ہمارے وضو کا غسالہ مستعمل پانی کہلاتا ہے جس سے وضو نہیں کرسکتا اور اس کا پینا مکروہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غسالہ نور لے کر نکلتا ہے اسی لیے صحابہ رضی اللہ عنھم تبرک سمجھ کر پیتے تھے۔

۱۰؎ کلی اور ناک میں پانی ڈالنا سنتیں تھیں مگر چہرہ دھونا فرض ہے جس کا رب نے حکم دیا ہے کہ فرمایا: "فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ" یا یہ مطلب ہے کہ جیسے رب نے پورا چہرہ دھونے کا حکم دیا ایسے ہی پورا دھوئے کہ بال برابر بھی جگہ سوکھی نہ رہے۔

۱۱؎ سر کی خطاؤں میں کانوں کی خطائیں بھی داخل ہیں یعنی برے خیالات اور بری عادتیں اور بری باتیں سننے کے گناہ سب مسح سے معاف ہو جاتے ہیں۔اس لیے کانوں کا مسح سر کے ساتھ اور سر کے پانی سے ہوتا ہے۔خیال رہے کہ سر کے مسح میں پانی گرتا نہیں بلکہ سر کو لگتا

ہے مگر اس سے خطائیں جھڑ جاتی ہیں۔دھونے والے اعضاء میں پانی خطائیں لے کر نکلتا ہے اور سر میں پانی خطاؤں کو نکالتا ہے۔خیال رہے کہ ان خطاؤں کو پانی نہیں نکالتا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نکالتی ہے،ورنہ مشرک خواہ کتنا ہی وضو کرے اس کی خطائیں معاف نہیں ہوتیں اور مسلمان بغیر نیت وضو ٹھنڈک کے لیے بار ہا ان اعضاء پر پانی ڈالے یہ فیض حاصل نہیں ہوتا ۱۲

۱۲؎ یعنی گناہ تو وضو سے معاف ہو چکے،نماز رفع درجات کا ذریعہ ہے خواہ **تحیۃ الوضو** کے نفل ہوں یا اور کوئی نماز ۱۲

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت کریب سے کہ حضرت ابن عباس اور مسور ابن مخرمہ اور عبدالرحمان ابن ازہر نے۱؎ انہیں حضرت عائشہ کے پاس بھیجا کہا کہ ہم سب کا انہیں سلام کہنا اور ان سے عصر کے بعد والی دو رکعتوں کے متعلق پوچھنا۲؎ فرماتے ہیں میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہیں وہ پیغام پہنچایا جو مجھے دے کر بھیجا تھا انہوں نے کہا ام سلمہ سے پوچھو۳؎ میں ان حضرات کی طرف لوٹا انہوں نے مجھے ام سلمہ کے پاس لوٹایا۴؎ ام سلمہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے منع فرماتے سنا پھر میں نے آپ کو یہ رکعتیں پڑھتے دیکھا پھر آپ تشریف لائے تو میں نے آپ کی خدمت میں لڑکی کو بھیجا۵؎ اور میں نے کہہ دیا کہ آپ سے عرض کرنا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام سلمہ عرض کرتی ہیں کہ میں نے آپ کو ان دو رکعتوں سے منع کرتے سنا اور آپ کو پڑھتے دیکھتی ہوں فرمایا اے ابی امیہ کی بیٹی۶؎ تم نے عصر کے بعد دو رکعتوں کے متعلق مجھ سے پوچھا میرے پاس عبدالقیس کے کچھ لوگ آئے تھے جنہوں نے مجھے ظہر کے بعد والی دو رکعتوں سے باز رکھا یہ وہی دو رکعتیں ہیں ۷؎(مسلم،بخاری) | |

۱؎ حضرت کریب ابن مسلم سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام ہیں اور مسور ابن مخرمہ عبدالرحمٰن بن عوف کے بھانجے ہیں،ہجرت کے بعد مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئے ۸ھ میں مدینہ منورہ آئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آٹھ سال کے تھے۔شہادت حضرت عثمان تک مدینہ منورہ رہے پھر مکہ معظّمہ آگئے۔یزید کی بیعت نہ کی۔چنانچہ واقعہ کربلا کے بعد جب یزید نے مکہ معظّمہ پر منجنیق سے پتھراؤ کیا تو بحالت نماز ایک پتھر آپ کے بھی لگا اور شہید ہوگئے اور حضرت عبدالرحمٰن ابن ازہر حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے بھتیجے ہیں حنین میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

۲؎ آیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے یا نہیں،اس سوال کی وجہ یہ تھی کہ ان بزرگوں نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان نفلوں سے منع فرماتے ہوئے سنا،پھر انہیں پتہ لگا کہ سرکار علیہ السلام گھر میں خود پڑھتے تھے تو اس کی تحقیق اور وجہ معلوم کرنے کے لیے انہیں بھیجا،چونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بڑی فقیہ عالمہ بی بی تھیں اس لیے ان سے یہ مسئلہ پوچھا،چونکہ یہ حضرات بہت سے تھے۔اس لیے خود حاضر نہ ہوئے بلکہ اپنے خادم کو بھیج دیا،معلوم ہوا کہ مسائل میں ایک کی خبر معتبر ہے ۱۲

۳؎ یہ ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عدل و انصاف کہ باوجودیکہ بڑی عالمہ فقیہہ ہیں مگر فرمادیا کہ اس مسئلہ کا علم مجھ سے زیادہ حضرت ام سلمہ کو ہے کیونکہ وہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی وجہ پوچھ چکی ہیں میں نہ پوچھ سکی۔اس سے معلوم ہوا کہ بڑا عالم بھی بے علم فتویٰ نہ دے بلکہ دوسرے کے پاس بھیج دے اور اس میں شرم نہ کرے ۱۲

۴؎ یہ حضرت کریب کا ادب خادمانہ ہے کہ بغیر آقا کے حکم کے دوسری جگہ نہیں گئے کیونکہ پہلا حکم ختم ہوچکا تھا۱۲

۵؎ یعنی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں اور کسی بیوی پاک کے گھر میں یہ نفل پڑھتے دیکھا پھر جب میرے گھر میں تشریف لائے تو جس گوشہ میں سرکار علیہ الصلوۃ والسلام بیٹھے تھے وہاں میں خود نہ گئی بلکہ کسی لڑکی کو بھیجا۔لہذا یہ روایت در روایت ہوگئی۔

۶؎ ابوامیہ حضرت ام سلمہ کے والد کی کنیت ہے،ان کا نام سہل ابن مغیرہ مخزومی تھا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑی کی معرفت خود حضرت ام سلمہ سے خطاب فرمایا کیونکہ اصل سائلہ آپ ہی تھیں(رضی اللہ تعالٰی عنہما)۔

۷؎ یعنی ایک بار ہم وفد عبدالقیس کو تبلیغ کرنے کی وجہ سے ظہر کی دو رکعتیں نہ پڑھ سکے تھے،پھر وہ رکعتیں عصر کے بعد قضا کیں لیکن طریقہ ہمارا یہ ہے کہ جب کوئی نیکی ایک بار کرلیتے ہیں تو پھر ہمیشہ ہی کرتے ہیں،اس لیے اب ہمیشہ ہی پڑھ رہے ہیں۔خیال رہے کہ سنت ظہر کی قضاء کرنا بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے،پھر بعد عصر پڑھنا اور پھر ہمیشہ پڑھنا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیتیں ہی ہیں اس میں اس سے منع کیا گیا ہے،جیسے روزۂ وصال کہ آپ رکھتے تھے ہمیں منع فرمایا،چنانچہ طحاوی نے اس حدیث کے ساتھ یہ بھی ذکر کیا کہ ام سلمہ نے عرض کیا یارسول اللہ ہم بھی قضا کرلیا کریں فرمایا نہیں۔شوافع نے اس حدیث کی وجہ سے فرمایا کہ سنتوں کی قضاء سنت ہے مگر یہ دلیل کمزور ہے ورنہ انہیں چاہیئے کہ ایک بار کی قضا ہمیشہ پڑھا کریں ۱۲

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت محمد ابن ابراہیم سے وہ قیس ابن عمرو سے راوی۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو فجر کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھتے دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا صبح کی نماز دو دو رکعتیں پڑھتے ہو ۲؎ اس نے عرض کیا کہ میں نے پہلی دو رکعتیں نہ پڑھیں تھیں وہ اب پڑھ لیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے ۳؎(ابوداؤد)اور ترمذی نے اس کی مثل روایت کی اور فرمایا کہ اس کی اسناد متصل نہیں ہے کیونکہ محمد ابن ابراہیم نے قیس ابن عمرو سے نہ سنا۴؎ اور شرح سنہ اور مصابیح کے نسخوں میں قیس ابن قہد سے اس کی مثل ہے۔ | |

۱؎ حضرت محمد ابن ابراہیم بہت نوعمر تابعی ہیں اور قیس ابن عمرو صحابی انصاری ہیں۔

۲؎ یعنی دوبارہ پڑھتے ہو ابھی میرے ساتھ جماعت سے پڑھ چکے ہو،پھر دوبارہ اکیلے پڑھے رہے ہو یا یہ مطلب ہے کہ کیا صبح کی دو رکعتوں کے بعد دو نفل بھی پڑھتے ہو،حالانکہ تمہیں خبر ہے کہ اس وقت نفل نہیں پڑھ جاتے۔

۳؎ اس حدیث کی بناء پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم بزرگوں سے سنت فجر کی قضاء آفتاب نکلنے سے پہلے جائز مانی ہے۔امام صاحب کے ہاں صرف سنت فجر کی قضاء کبھی نہیں ہاں اگر سنتیں مع فرضوں کے رہ گئی ہوں تو دوپہر سے پہلے فرضوں کے تابع ہو کر ان کی بھی قضاء ہو جائے گی جیسا کہ شب تعریس کے واقعہ میں ہوا کیونکہ قضاء صرف واجب یا فرض کی ہوسکتی ہے سنتوں کی قضاء اصول شرعی کے خلاف لہٰذا یہاں ثبوت ہو گیا صرف وہیں قضاء ہو گی،یہ حدیث منقطع ہے متصل نہیں جیسا کہ خود امام ترمذی فرمارہے ہیں،لہٰذا اس سے استدلال غلط ہے ۱۲

۴؎ یعنی محمد ابن ابراہیم اور قیس ابن عمرو کے درمیان کوئی راوی چھوٹ گیا ہے اور خبر نہیں کہ وہ راوی عادل ہے یا فاسق اس لیے یہ حدیث مجہول ہے اور قابل عمل نہیں،نیز اس حدیث میں یہ پتہ نہ لگا کہ وہ صحابی فجر کے بعد کس وقت سنتیں پڑھ رہے تھے،آفتاب نکلنے سے پہلے یا بعد لہٰذا حدیث گویا مجمل ہے اور ممانعت صراحۃً آچکی ہے کہ صبح کی نماز کے بعد نماز نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جبیر ابن مطعم سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبد مناف کی اولاد۱؎ کسی کو منع نہ کرو دن ورات میں جس گھڑی چاہے اس گھر کا طواف کرے اور نماز پڑھے ۲؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی) |

۱؎ چونکہ مکہ معظّمہ کی سرداری کعبہ کی کلید برداری چاہ زمزم کا انتظام اور حرم شریف کی خدمت اولاد عبد مناف ہی میں تھی اس لیے انہیں خطاب فرما کر یہ فرمایا۱۲

۲؎ اس وقت بعض اوقات حرم شریف بند کردیا جاتا تھا جیسے مسجد نبوی شریف بعد نماز عشاء بند کردی جاتی ہے کہ طواف کعبہ تو ہر وقت جائز ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔چنانچہ اس حدیث کی بنا پر حرم شریف کسی وقت بند نہیں ہوتا۔خیال رہے کہ طواف کعبہ تو ہر وقت جائز ہے لیکن نوافل مکروہ وقتوں میں وہاں بھی منع ہیں کیونکہ ممانعت کی حدیثیں مطلق تھیں جیسا کہ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورج ڈوبتے اور بیچ دوپہری میں نماز نہ پڑھو یا فرمایا کہ صبح اور عصر کے بعد نماز نہیں،وہاں مکہ شریف کو مستثنیٰ نہیں کیا امام شافعی وغیرہم اس حدیث کی بنا پر مکہ معظّمہ میں ہر وقت نوافل جائز کہتے ہیں مگر یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ حرم شریف بند نہ کرو،لوگوں کو ہر وقت طواف (نماز پڑھنے دو) ہاں جن وقتوں میں شریعت نے منع کردیا ہے اس وقت لوگ خود نوافل نہ پڑھیں،شریعت کا منع کرنا کچھ اور ہے لوگوں کا بیت اللہ کو بند کردینا کچھ اور،دیکھو حرم شریف میں نماز پنج گانہ کی جماعت اور نماز جمعہ وعیدین کی جماعت کے وقت لوگوں کو طواف سے بھی روکا جاتا ہے اور نفلوں سے بھی مگر یہ روکنا شریعت کی طرف سے ہے جیسے ہم کسی سبیل والے سے کہیں کہ تم لوگوں کو ہر وقت پانی پینے دو،اس کا مطلب یہ نہیں کہ رمضان میں بے روزوں کو بھی علانیہ دن کے وقت پانی پینے دو۔غرضکہ ممانعت کی حدیث صریح ہے اور اجازت کی غیر صریح،نیز جب ممانعت اور جواز میں تعارض ہو تو ممانعت کو ترجیح ہوتی ہے۔طحاوی شریف میں ہے کہ ایک بار حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نماز فجر کے بعد طواف وداع کیا اور نفل طواف نہ پڑھے مدینہ منورہ روانہ ہوگئے،جب دن چڑھ گیا تو وہ نفل جنگل میں پڑھے،یہ حدیث امام صاحب کے مذہب کی بہت تائید کرتی ہے،اگر اس وقت نفل جائز ہوتے تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بغیر طواف کے نفل پڑھے وہاں سے روانہ نہ ہوتے ۱۲

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوپہری میں سورج ڈھلنے تک نماز سے منع فرمایا سواء جمعہ کے دن |

| | |
|---|---|
| | کے ۱؎(شافعی) |

۱؎یہ حدیث محدثین کے نزدیک سخت ضعیف ہے حتی کہ ابن حجر جوشافعی مذہب ہیں وہ بھی فرماتے ہیں وَفِی سَنَدِہٖ مَقَالٌ دیکھو مرقاۃ واشعۃ اللمعات وغیرہ،چنانچہ اس کی اسناد یہ ہے کہ عن ابراھیم عن اسحاق ابن عبداللہ عن سعید المقبری عن ابی ھریرۃ،یہ ابراہیم ابن محمد ابن یحیٰی اسلمی ہیں اور یہ محدثین کے نزدیک صحیح نہیں۔(مرقاۃ)اور دوپہر کے وقت مطلقًا نماز ممنوع ہونے کی حدیثیں نہایت صحیح ہیں جو پہلے گزر گئیں،لہذادوپہر کے وقت نہ جمعہ کے دن نماز جائز نہ اور دن یہی مذہب احناف کا ہے،امام شافعی کے ہاں جمعہ کے دن دوپہری میں نماز جائز ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوالخلیل سے ۱؎وہ حضرت ابوقتادہ سے راوی فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوپہری میں سورج ڈھلنے تک نماز کو ناپسند کیا سوائے جمعہ کے دن کے اور فرمایا کہ دوزخ جھونکا جاتا ہے سواء جمعہ کے دن کے اور فرمایاابوالخلیل ابوقتادہ سے نہ ملے ۲؎ |

۱؎ آپ کا نام صالح ابن ابی مریم ہے،تابعین میں سے ہیں۔

۲؎یعنی ابوالخلیل اور ابوقتادہ کے درمیان کوئی راوی رہ گیا ہے خبر نہیں کہ فاسق ہے یا عادل،لہذا یہ حدیث منقطع اس سے دلیل نہیں پکڑ سکتے اور مذہب احناف بہت قوی ہے کہ جمعہ کے دن بھی دوپہری میں نماز ناجائز ہے اور جمعہ کی نماز زوال سے پہلے نہیں پڑھ سکتے ۱۲

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ صنابحی سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سورج یوں طلوع ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ شیطان کے سینگ ہوتے ہیں پھر جب بلند ہوجاتا ہے تو سینگ اس سے الگ ہوجاتے ہیں پھر جب استواء ہوتا ہے تو لگ جاتے ہیں پھر جب ڈھل جاتا ہے تو الگ ہوجاتے ہیں پھر جب ڈوبنے کے قریب ہوتا ہے تو لگ جاتے ہیں جب ڈوب جاتا ہے تو الگ ہوجاتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گھڑیوں میں نماز سے منع کیا ۲؎(مالک،احمد،نسائی) |

۱؎ آپ صحابی ہیں،صنابح ابن زاہر قبیلہ کی طرف منسوب ہیں اور ابوعبداللہ صنابحی تابعی ہیں۔بعض شارحین کو ان دوناموں میں دھوکا پڑ جاتا ہے لہذا یہ حدیث متصل ہے مرسل نہیں۔

۲؎ اس کی شرح بارہا گزر چکی اس میں نہ جمعہ کا استثناء ہے نہ مکہ معظّمہ کا لہذا ہر جگہ ہر دن ان تینوں وقتوں میں نماز ناجائز ہے۔امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ قوی دلیل ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوبصرہ غفاری سے فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخمص میں عصر کی نماز پڑھائی پھر فرمایا کہ یہ نماز تم سے اگلوں پر پیش کی گئی تھی انہوں نے اسے ضائع کردیا۱؎ تو جو اس پر پابندی کرے گا اس دوہرا ثواب ہوگا۲؎ اور اس کے بعد تارے نکلنے تک نماز نہیں،شاہد تارا ہے۔(مسلم) |

۱؎ یعنی پچھلی امتوں پر بھی نماز عصر فرض تھی مگر وہ اسے چھوڑ بیٹھے اور عذاب کے مستحق ہوئے تم ان سے عبرت پکڑنا۱۲

۲؎ ایک نماز پڑھنے کا اور دوسرے یہود و نصاریٰ کی مخالفت کا وہ بھی عبادت ہے ۱۲

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت معاویہ سے فرماتے ہیں تم ایسی نماز پڑھتے ہو کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے لیکن ہم نے آپ کو وہ پڑھتے نہ دیکھا۱؎ بے شک اس سے منع کیا یعنی عصر کے بعد دو رکعتیں۲؎(بخاری) |

۱؎ نماز سے مراد دو رکعتیں ہیں کیونکہ یہ کم سے کم نماز ہے،حنفیوں کے ہاں ایک رکعت کو نماز ہی نہیں کہتے۔مطلب یہ ہے کہ اے تابعین تم عصر کے بعد دو نفل پڑھنے لگے ہم نے یہ نفل پڑھتے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہ دیکھا۔خیال رہے کہ یہاں دیکھنے کی نفی ہے،نہ کہ حضور کے پڑھنے کی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعد عصر تنہائی میں دو رکعتیں پڑھتے تھے تاکہ صحابہ نہ دیکھیں نہ آپ کی اس میں اقتداء کریں ۱۲

۲؎ طحاوی شریف میں ہے کہ اس نماز کی ممانعت میں متواتر المعنی حدیثیں آئیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ رضی اللہ عنھم نے اس پر ہی عمل کیا کہ نہ خود پڑھیں نہ کسی کو پڑھنے کی اجازت دی۔حتی کہ حضرت عمر اس پر سزا دیتے تھے۔**فتح القدیر** میں ہے کہ عمر فاروق نے اس نفل پڑھنے والوں کو صحابہ رضی اللہ عنھم کی موجودگی میں سزا دی اور کسی نے اس کا انکار نہ کیا لہذا اس کی ممانعت پر اجماع ہوگیا۱۲

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوذر سے کہ انہوں نے کعبے کے زینے پر چڑھ کر فرمایا جو مجھے پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا تو میں جندب ۱؎ ہوں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ فجر کے بعد آفتاب نکلنے تک اور عصر کے بعد سورج ڈوبنے تک نماز نہیں مگر مکہ میں،مگر مکہ میں مگر مکہ میں۲؎(احمد،رزین) |

۱؎ کیونکہ آپ صداقت میں مشہور تھے۔اس لیے آپ نے پہلے اپنا نام بتایا تاکہ اس حدیث میں شک و شبہ نہ رہے۔

۲؎ یعنی مکہ معظّمہ میں ہر وقت نفل جائز،امام ابن ھمام اور ملا علی قاری نے فرمایا کہ یہ حدیث چار وجہ سے مجروح ہے:ایک یہ کہ اس کی اسناد میں حضرت مجاہد اور ابوذر رضی اللہ عنہما کے درمیان کوئی راوی چھوٹ گیا لہذا یہ حدیث منقطع ہے۔دوسرے یہ کہ ابن موئل راوی ضعیف ہیں۔تیسرے یہ کہ اس میں حمید مولا عفراء ہیں یہ بھی ضعیف ہیں۔چوتھے یہ کہ اس کی اسناد میں اضطراب ہے حتی کہ حضرت ابن حجر شافعی نے بھی تسلیم کیا کہ اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے قابل حجت نہیں مگر فرمایا کہ چونکہ اس حدیث کو اس حدیث سے قوت پہنچتی

ہے کہ اے عبد مناف کی اولاد حرم میں لوگوں کو کسی وقت نماز و طواف سے منع نہ کرو لہذا یہ حدیث قابل عمل ہو گئی مگر ہم اس حدیث کی شرح میں عرض کر چکے ہیں کہ وہ لوگ دنیاوی اغراض کی خاطر بعض وقت حرم شریف کو بند کردیتے ہیں اس لیے انہیں اس بند کرنے سے منع فرمایااور فرمایا کہ تم لوگوں کو نہ منع کرو، یہ نہ فرمایا کہ انہیں شریعت منع نہیں کرتی ۱۲

## باب الجماعۃ وفضلہا

## جماعت اور اس کی فضیلت کا باب ۱

## الفصل الاول

## پہلی فصل

۱ یعنی جماعت کے آداب واحکام اور اس کی زیادتی ثواب کا ذکر۔خیال رہے کہ جمعہ اور عیدین کے لیے جماعت فرض ہے،تہجد وغیرہ نوافل کے لیے اہتمام سے جماعت مکروہ،نماز پنجگانہ کے لیے حق یہ ہے کہ جماعت واجب۔جن لوگوں نے فرمایا سنت ہے ان سب کا مطلب یہ ہے کہ سنت سے ثابت ہے،بعض علماء نے فرض عین مانا بعض نے فرض کفایہ۔یہ بھی خیال رہے کہ جماعت علیحدہ چیز ہے اور مسجد کی حاضری علیحدہ،یہ بھی ضروری ہے۔اس کے باقی احکام کتب فقہ میں دیکھو ۱۲

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جماعت کی نماز اکیلی نماز پر ستائیس درجے افضل ہے ۱(مسلم،بخاری) | |

۱ بعض روایات میں ۲۵ ہے اور بعض میں ۵۰ یہ اختلاف جماعت کی زیادتی کمی اور نمازیوں کے تقوٰی وطہارت کی بناء پر ہوسکتا ہے،بڑی جماعت کا ثواب بڑا اور عالم ومتقی امام کے پیچھے ثواب زیادہ ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں چاہتا ہوں کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں تو جمع کی جائیں پھر نماز کا حکم دوں کہ اس کی اذان دی جائے پھر کسی کو حکم دوں وہ لوگوں کی امامت کرے پھر میں ان لوگوں کی طرف جاؤں ۱جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے ۲ ان کے گھر جلادوں ۳ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر ان میں سے کوئی جانتا کہ وہ چکنی ہڈی یا دو اچھے کُھر پائے گا تو عشاء میں ضرور آتا ۴(بخاری) اور مسلم کی روایت اس کی مثل ہے۔ | |

۱ یعنی نماز کی جماعت قائم کرا کر خود تحقیقات کے لیے محلے میں جاؤں۔اس سے معلوم ہوا کہ امام اور سلطان دینی ضرورت کے وقت جماعت چھوڑ سکتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تشریف لے جانا تبلیغ کے لیے ہوتا۔

۲؎ یعنی بلاعذر، لہٰذا اس سے چھوٹے بچے، عورتیں معذور بیمار علیٰحدہ ہیں۔ یہاں روئے سخن منافقین کی طرف ہے کیونکہ کوئی صحابی بلاوجہ جماعت اور مسجد کی حاضری نہیں چھوڑتے تھے۔ لہٰذا روافض کا یہ کہنا کہ صحابہ فاسق یا تارک جماعت تھے غلط ہے، رب نے ان کے تقویٰ اور جنتی ہوئے کی گواہی دی اگر یہاں صحابہ مراد ہوں تو حدیث قرآن کے خلاف ہو گی ۱۲

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر جماعت کی نماز بھی واجب ہے اور مسجد کی حاضری بھی، کیونکہ نور مجسم رحمت عالم سراپا اخلاق تارکین جماعت کے گھر جلانے کا ارادہ فرمارہے ہیں۔ مرقاۃ نے فرمایا کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی کو گھربار جلانے کی سزا نہ دی جائے سوائے تارک جماعت کے کہ سلطان اس کو یہ سزا دے سکتا ہے معلوم ہوا کہ یہ دونوں بڑے اہم ہیں ۱۲

۴؎ یعنی ان لوگوں کے نزدیک جماعت اور مسجد کی حاضری دنیوی معمولی نفع کے برابر بھی نہیں کہ تھوڑے نفع کے لیے جاگ بھی لیں سفر بھی کرلیں مشقتیں بھی اٹھالیں مگر جماعت کے لیے مسجد میں آتے جان نکلتی ہے۔ اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو امام بن کر پیسوں اور روٹیوں کے لیے تو نمازی ہوجائیں اور امامت سے الگ ہو کر جماعت تو کیا نماز بھی چھوڑ دیں ۱۲

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نابینا شخص حاضر ہوا عرض کیا یارسول اللہ میرے پاس کوئی لانے والا نہیں جو مجھے مسجد تک لائے اس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ انہیں اپنے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دیں حضور نے انہیں اجازت دے دی جب انہوں نے پیٹھ پھیری تو بلایا اور فرمایا کیا تم نماز کی اذان سنتے ہو عرض کیا ہاں فرمایا تو قبول کرو ۱؎ (مسلم) |

۱؎ یعنی مؤذن کے بلاوے کو قبول کرو اور مسجد میں حاضر ہو جاؤ۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک کہ جہاں تک اذان کی آواز پہنچے وہاں تک کہ لوگوں کو مسجد میں آنا بہت ضروری ہے، وہ دور کے لوگ جہاں اذان نہ پہنچی ہو ان کے لیے بھی مسجد آنا بہت بہتر ہے مگر اتنی سختی نہیں، اس حدیث کا یہی مطلب ہے۔ "لَاصَلٰوۃَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِی الْمَسْجِد"۔ دوسرے یہ کہ ہر بیماری عذر نہیں جو جماعت یا مسجد کی حاضری کو معاف کردے بلکہ وہ بیماری عذر ہے جس سے مسجد میں آنا ناممکن یا سخت مشکل ہو جائے، دیکھو نابینا ہیں بیمار ہیں مگر انہیں حاضری کا حکم ہوا، بعض روایات میں ہے کہ عتبان ابن مالک نابینا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نہ آنے کی اجازت دے دی یا تو ان کا گھر دور ہوگا جہاں اذان کی آواز نہ پہنچتی ہو گی یا ان کا راستہ اتنا خراب ہوگا کہ بغیر ساتھی کے مسجد نہ پہنچ سکیں اور ساتھی کوئی ہوگا نہیں، لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں اذان کی آواز پہنچے سے مراد آج کل کے لاؤڈ اسپیکر کی آواز نہیں یہ تو دو دو میل تک پہنچ جاتی ہے۔ بعض علماء نے ان احادیث کی بناء پر جماعت کو فرض عین مانا مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ حدیث ظنی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ انہوں نے ایک ٹھنڈی اور ہوا والی رات میں نماز کی اذان کہی پھر فرمایا کہ گھروں میں نماز پڑھ لو پھر فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ٹھنڈی اور بارش والی رات ہوتی تو مؤذن کو حکم دیتے تھے کہ یوں کہے کہ نماز گھروں میں پڑھ لو ۱؎ (مسلم، بخاری) |

۱؎ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ اذان کے بعد کہلوایا جاتا تھا نہ کہ دوران اذان اور یہ امر اباحت کا ہے یعنی گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے بارش کی رات میں گھر میں نماز پڑھ سکتے ہو اجازت ہے مگر مسجد کی حاضری اور جماعت کی شرکت بہت ثواب کا باعث،اسی لیے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤذن اور جلیل القدر صحابہ خود تو مسجد میں آجاتے تھے اور اعلان یہ کراتے تھے۔عزیمت پر عمل ہے اور رخصت کا اعلان۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کسی کا کھانا سامنے رکھا جائے اور نماز کی تکبیر کہی جائے تو کھانے سے ابتداء کرو اور کھانے سے فارغ ہونے تک جلدی نہ کرے ۱؎اور حضرت ابن عمر کے سامنے کھانا رکھا جاتا اور نماز کی تکبیر ہوتی تو کھانے سے بغیر فارغ ہوئے نماز کو نہ آتے حالانکہ آپ امام کی قرأت سنتے ہوتے ۲؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ یہ حکم اس صورت میں ہے جب بھوک تیز ہو اور نماز کے وقت میں گنجائش ہو۔امام اعظم فرماتے ہیں کہ میرا کھانا نماز بن جائے یہ اچھا مگر میری نماز کھانا بن جائے یہ برا لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں فرمایا گیا کہ کھانے کے لیے نماز مت چھوڑو۔

۲؎یعنی مسجد سے بہت قریب ہوتے حتی کہ قرأت کی آواز کانوں میں پہنچتی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہ تو کھانے کی موجودگی میں نماز ہوتی ہے نہ اس حالت میں کہ نمازی کو پیشاب پاخانہ دفع کرنے ہوں ۱؎(مسلم) |

۱؎یہاں کمال نماز کی نفی ہے،یعنی جب بھوک کی تیزی یا پیشاب پاخانہ کی حاجت کی وجہ سے نماز میں دل نہ لگے تو نماز کامل نہیں،قے،درد وغیرہ تمام عوارض کا یہی حکم ہے حتی کہ اگر دوران نماز یہ عارضے پیش آجائیں تو نماز توڑ دے بعد فراغت دوبارہ پڑھے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب نماز کی تکبیر ہو تو سوائے فرائض کے اور کوئی نماز نہیں ۱؎(مسلم) |

۱؎یعنی تکبیر نماز کے بعد جماعت سے متصل دوسری نماز پڑھنا حرام ہے،لہٰذا فجر کی سنتیں اس حالت میں جماعت سے دور ہٹ کر پڑھ سکتا ہے جب کہ جماعت مل جانے کے امید ہو کیونکہ یہ سنتیں بہت اہم ہیں حتی کہ علماء نے فرمایا کہ بڑا مفتی جسے فتوؤں کا کام بہت رہتا ہو وہ تمام سنتیں چھوڑ سکتا ہے سوائے سنت فجر۔(مرقاۃ) نیز صاحب ترتیب پہلے قضاء نماز پڑھے پھر جماعت سے ملے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد آنے کی اجازت مانگے تو اسے منع نہ کرے ۱؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم اس وقت کے لیے تھا جب عورتوں کو مسجد میں حاضری کی اجازت تھی،عہد فاروقی سے اس کی ممانعت کردی گئی کیونکہ عورتوں میں فساد بہت آگیا،اب فی زمانہ عورتوں کو باپردہ مسجدوں میں آنے اور علیحدہ بیٹھنے سے نہ روکا جائے،کیونکہ اب عورتیں

سینماؤں، بازاروں میں جانے سے تو رکتی نہیں، مسجدوں میں آکر کچھ دین کے احکام سن لیں گی، عہد فاروقی میں عورتوں کو مطلقًا گھر سے نکلنے کی ممانعت تھی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے زینب زوجہ عبداللہ ابن مسعود سے فرماتی ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو خوشبو نہ لگائے۱؎ (مسلم) |

۱؎ کیونکہ یہ فتنہ کا سبب ہے ایسے ہی چمکدار اور خوبصورت برقعہ پہن کر نہ آوے لوگوں کے درمیان نہ چلے سڑک کے کنارے دیوار سے ملی ہوئی جائے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو عورت دھونی کی خوشبو لے وہ ہمارے ساتھ دوسری عشاء میں حاضر نہ ہوئے۱؎ (مسلم) |

۱؎ کیونکہ اس وقت اندھیرا ہوتا ہے، فساد کا خطرہ زیادہ ہے۔ معلوم ہوا کہ اس زمانے میں بھی عورتوں کو نہایت سخت پابندیوں کے ساتھ مسجدوں میں آنے کی اجازت تھی حالانکہ وہ زمانہ خیر تھا، دھونی کی خوشبو کپڑوں میں نہایت معمولی بستی ہے مگر اس پر بھی انہیں نکلنے سے منع کیا گیا۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنی بیویوں کو مسجدوں سے نہ روکو اور ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں ۱؎ (ابوداؤد) |

۱؎ یعنی اس زمانہ میں بھی عورتوں کے لیے گھر میں ہی نماز افضل قرار دی گئی اگرچہ مسجدوں میں آنا جائز تھا اس حکم سے حج و عمرہ کا طواف مستثنٰی تھا۔ (مرقاۃ)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی نماز اپنے گھر میں صحن میں نماز سے افضل ہے ۱؎ اور اس کی نماز کوٹھڑی میں، گھر میں نماز سے افضل ہے ۲؎ (ابوداؤد) |

۱؎ یہاں حجرے سے مراد صحن ہے کیونکہ اس کی طرف حجرے کے دروازے ہوتے ہیں اس لیے مجازًا اسے حجرہ کہہ دیا گیا ۱۲

۲؎ مخدع سامان کی کوٹھڑی کو کہتے ہیں یہ خدع سے ہے، بمعنی چھپانا اور بیت رہنے کی کوٹھڑی کو کہتے ہیں بیوتت سے ہے، بمعنی شب گزارنا، سامان کی کوٹھڑی دوسری کوٹھڑی کے پیچھے ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ عورت کے لیے پردہ بہت اعلٰی ہے لہٰذا جس قدر پردے میں نماز پڑھے گی اسی قدر بہتر ہوگا ۱۲

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس عورت کی نماز قبول نہیں جو مسجد کے لیئے خوشبو لگائے ا جب کہ جنابت کے غسل کی طرح غسل کرے ۲ (ابوداؤد) احمد ونسائی نے اسکی مثل۔ |

ا اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو گھر میں خوشبو لگانا منع نہیں جب کہ وہ اجنبی مردوں کو نہ پہنچے ۱۲

۲ یعنی خوشبو اگر سارے بدن پر ملی ہوئی ہے تو اس قدر مل کر نہائے جیسے جنابت میں نہاتی ہے تاکہ خوشبو کا اثر بالکل جاتا رہے تب نماز کو آئے ۱۲

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر آنکھ زناکار ہے ا اور عورت جب خوشبو لگا کر مجلس پر گزرے تو وہ ایسی ایسی ہے یعنی زانیہ ہے ۲ (ترمذی) ابوداؤد اور نسائی کی روایت اسی طرح ہے۔ |

ا یعنی جو آنکھ ارادۃً اجنبی عورت کو دیکھے وہ زانیہ ہے، کیونکہ آنکھ کا زنا نظر بد ہے اور یہ بڑے زنا کا ذریعہ ہے۔

۲ کیونکہ وہ اس خوشبو کے ذریعہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہے، چونکہ اسلام نے زنا کو حرام کیا اس لیے زنا کے اسباب سے روکا، طاعون سے بچنے کے لیے چوہے مارے جاتے ہیں۔ بخار روکنے کے لیے زکام دفع کیا جاتا ہے، فی زمانہ چونکہ زنا عیب نہیں سمجھا جاتا ہے اس لیے اسباب زنا بھی شائع ہیں ۱۲

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں ایک دن ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی، پھر جب سلام پھیرا تو فرمایا کیا فلاں حاضر ہے لوگوں نے عرض کیا نہیں فرمایا کیا فلاں حاضر ہے لوگوں نے عرض کیا نہیں ا فرمایا یہ دونوں نمازیں منافقوں پر دوسری نمازوں سے بھاری ہیں ۲ اور اگر تم جانتے کہ ان میں کیا ثواب ہے تو گھٹنوں پر گھسٹتے ہوئے بھی ان میں پہنچتے ۳ اور پہلی صف فرشتوں کی صف کی طرح ہے ۴ اور اگر جانتے کہ اس کی بزرگی کیا ہے تو اس میں جلدی کرتے اور مرد کی نماز ایک مرد کے ساتھ اکیلے نماز سے بہتر ہے اور دو مردوں کے ساتھ نماز ایک مرد کے ساتھ کی نماز سے بہتر ہے جس قدر لوگ زیادہ ہوں اسی قدر خدا کو پیارے ہیں ۵ (ابوداؤد، نسائی) |

ا اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ سلطان کا اپنی رعایا کی، شیخ کا مریدین کی، استاذ کا شاگردوں کی، حاکم کا ماتحتوں کی نگرانی کرنا سنت ہے۔ دوسرے یہ کہ بعض مدرسوں میں طلباء کی مدرسہ اور نماز میں حاضری لی جاتی ہے اس کی اصل یہ حدیث ہے۔ تیسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پوچھنا اپنی بے علمی کی وجہ سے نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو علی مرتضٰی سے فرمایا تھا کہ فلاں باغ میں ایک

عورت ہے اس کے پاس ایک خط ہے وہ لے آؤ یا اس پہاڑ کے پیچھے ایک حبشی پانی لے کر جارہا ہے اسے پکڑ لاؤ یا ان دو قبروں میں چغل خور اور چرواہا مدفون ہیں وہ فلاں فلاں گناہ کرتے تھے اس لئے وہ عذاب میں گرفتار ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے کوئی شے مخفی نہیں، یہ تحقیقات حاضرین کو آئندہ متنبہ کرنے اور غائبین کو حاضر کرنے کے لیے ہے تاکہ کوئی جماعت سے غیر حاضر نہ رہے ۱۲

۲؎ فجر و عشاء کی نمازیں خصوصًا جماعت کے ساتھ۔ معلوم ہوا کہ یہاں روئے سخن منافقوں کی طرف ہے کوئی صحابی بغیر سخت مجبوری جماعت سے غیر حاضر نہ ہوتے تھے۔ خیال رہے کہ منافقین پر ظاہری کلمہ خوانی کی وجہ سے شرعی احکام جاری تھے اس لیے انہیں جماعت وغیرہ چھوڑنے پر ملامت کی جاتی تھی جیسے کہ قرآن شریف میں ان پر جہادوں میں شرکت نہ کرنے پر سخت عتاب فرمایا گیا لہٰذا یہ حدیث پر اعتراض نہیں کہ منافق تو در پردہ کافر تھے ان پر نماز فرض ہی کب تھی۔

۳؎ یہاں خطاب قیامت تک کے مسلمانوں سے ہے نہ کہ صحابہ سے، صحابہ تو اس ثواب کو جانتے تھے اور بیماری کی حالت میں دو شخصوں کے کندھے کے سہارے مسجد میں پہنچتے تھے جیسا کہ آگے آرہا ہے ۱۲

۴؎ اللہ سے قریب ہونے اور شیطان سے دور ہونے میں، مگر یہ مردوں کے لیے ہے عورتوں کی صف آخری افضل، کیونکہ مردوں سے دور ہوتی ہیں، اب مسجد نبوی شریف میں جو صف روضۂ مطہر سے زیادہ قریب ہوگی، افضل ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اچھوں سے قرب بھی اچھا کیونکہ پہلی صف امام کے قرب کی وجہ سے افضل ہے

۵؎ اس حدیث نے ان تمام احادیث کی شرح کردی جن میں مساجد اور جماعت کے ثواب مختلف ہیں۔ جتنی بڑی جماعت اتنا بڑا ثواب۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک اور دو اگرچہ لغۃً جماعت نہیں مگر حکمًا جماعت ہیں۔ دو آدمی بھی الگ الگ نماز نہ پڑھیں، ہمارے بعض علماء فرماتے ہیں کہ محلے کی مسجد سے جامع افضل، ان کی دلیل یہ حدیث ہے مگر شرط یہ ہے کہ محلے کی مسجد ویران نہ ہو جائے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابودرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس بستی یا جنگل میں تین آدمی ہوں اور ان میں نماز کی جماعت نہ کی جائے تو ان پر شیطان غالب آجاتا ہے۱؎ تم پر جماعت لازم ہے بھیڑیا دور والے جانور ہی کو کھاتا ہے۲؎ (احمد، ابوداؤد، نسائی) |

۱؎ کہ انہیں دوسرے ذکر و اذکار سے بھی روک دیتا ہے معلوم ہوا کہ نماز چھوڑنا غفلت کا دروازہ ہے۔

۲؎ کیونکہ وہ چرواہے کی نگاہ سے دور ہو جاتا ہے ایسے ہی جماعت کا تارک جناب مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم سے محروم ہو جاتا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مؤذن کی اذان سنے اور اس کی اطاعت سے کوئی عذر منع نہ کرے لوگوں نے کہا عذر کیا ہے فرمایا ڈر یا بیماری تو اس کی وہ نماز قبول نہ ہوگی جو گھر میں پڑھے۱؎ (ابوداؤد) اور دار قطنی۔ |

۱؎ ڈر سے مراد دشمن یا موذی جانور کا خوف ہے جو گھر یا مسجد کے درمیان حائل ہو۔ مرض سے مراد وہ بیماری ہے جو مسجد میں آنے سے روکے، ان دونوں حالتوں میں گھر میں نماز پڑھ لینے کی اجازت ہے لیکن اگر کوئی ان صورتوں میں بھی بتکلف مسجد میں پہنچ جائے تو ثواب

پائے گا جیسا کہ اگلی روایتوں میں آرہاہے کہ صحابہ کبار سخت بیماری میں بھی دوسروں کے کندھوں پر مسجد میں آتے تھے، یہ عزیمت پر عمل تھا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تارک جماعت کی نماز شرعًا جائز ہو گی اگرچہ عنداللہ قبول نہ ہو، نماز جمعہ وعیدین اکیلے جائز ہی نہیں ان کے لیے جماعت شرطِ جواز ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ارقم سے۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب نماز کی تکبیر ہو اور تم میں سے کوئی پاخانے کی حاجت پائے تو پہلے پاخانے جائے ۲؎ (ترمذی) مالک اور ابوداؤد و نسائی نے اس کی مثل) | |

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں، فتح مکہ کے سال ایمان لائے، کاتب وحی رہے، حضرت صدیق و فاروق کے کاتب، عثمان غنی کے بیت المال کے منتظم تھے مگر اجرت کبھی نہ لی۔

۲؎ تاکہ نماز اطمینان سے ادا ہو۔ معلوم ہوا کہ یہ عذر بھی ترک جماعت کو مباح کردیتا ہے بلکہ اگر دوران نماز یہ حاجت پیش آجائے تو نماز توڑنا ضروری ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین کام وہ ہیں جو کسی کو کرنا جائز نہیں ایسا شخص قوم کی امامت ہرگز نہ کرے کہ دعا میں اپنے آپ کو خاص کرے انہیں چھوڑ کر ۱؎ اگر ایسا کیا تو ان کی خیانت کی اور اجازت سے پہلے کسی گھر میں نہ جھانکے اگر ایسا کیا تو ان کی خیانت کی ۲؎ اور پیشاب پاخانے سے بھاری آدمی نماز نہ پڑھے حتی کہ ہلکا ہوجائے۔ (ابوداؤد) ترمذی نے اس کی مثل۔ | |

۱؎ یعنی نماز کے بعد صرف اپنے لئے دعا کرے یا اس طرح کہ صاف کہے کہ خدایا مجھ پر رحم کر نہ کہ کسی اور پر یا اس طرح کہ ساری دعاؤں میں واحد متکلم کا صیغہ استعمال کرے کوئی صیغہ جمع کا نہ بولے، امام کے لیے یہ دونوں کام سخت منع ہیں ہاں اگر بعض دعائیں جمع کے صیغہ سے مانگے اور بعض واحد کے صیغہ سے تو مضائقہ نہیں (مرقاۃ) لہذا اگر ایک دعا بھی جمع کے صیغہ سے مانگی باقی واحد کے صیغوں سے تو حرج نہیں چنانچہ امام یہ دعا مانگ سکتا ہے "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ" یا یہ دعا "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ" الخ کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعائیں سکھائی ہیں اور منقول دعاؤں میں الفاظ کی پابندی ہوتی ہے۔ خیال رہے کہ امام ساری قوم کی نمازوں اور دعاؤں کا امین ہے اسی لیے ایسے امام کو خائن کہا گیا۔

۲؎ گھر سے مراد عام گھر ہیں خواہ اس میں آدمی رہتے ہوں یا کسی کا سامان موجود ہو۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز کو کھانے وغیرہ کی وجہ سے دیر نہ لگاؤ ۱؎ | |

۱؎ اس کے تین مطلب ہوتے ہیں: ایک یہ کہ کھانے کی تیاری کے انتظار میں نماز میں دیر مت کرو، دوسرے یہ کہ کھانے کی وجہ سے قضا نہ کردو لہذا اگر کھانا سامنے ہو مگر نماز کا وقت جارہا ہو تو نماز پہلے پڑھو، تیسرے یہ کہ حکم اس کے لیے ہے جسے بھوک نہ لگی ہو اور نماز میں

اسے کھانے کا دھیان نہ آئے لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جہاں فرمایا گیا کہ جب کھانا اور نماز حاضر ہوں تو پہلے کھانا کھاؤ۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے صحابہ کو اس طرح دیکھا ہے کہ نماز کے پیچھے نہیں رہتا تھا مگر وہ منافق جس کا نفاق معلوم ہو یا بیمار ا۔ بیمار بھی دو شخصوں کے درمیان چلتا حتی کہ نماز میں آتا ۲۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سنت ہدی سکھائیں اور سنت ہدی میں سے اس مسجد میں نماز پڑھنا بھی ہے جس میں اذان ہو ۳۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جس کو یہ پسند ہو کہ کل اللہ سے مسلمان ہو کر ملے تو وہ ان پانچ نمازوں پر وہاں پابندی کرے جہاں اذان دی جاتی ہے ۴۔ کیونکہ اللہ نے تمہارے نبی کے لیے سنت ہدی مشروع کیں اور یہ نمازیں بھی سنت ہدیٰ سے ہیں ۵۔ اور اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیا کرو جیسے کہ یہ پیچھے رہنے والے گھر میں پڑھ لیتے ہیں تو تم اپنے نبی کی سنت چھوڑ دو گے اور اگر اپنے نبی کی سنت چھوڑو گے تو گمراہ ہوجاؤ گے ۶۔ ایسا کوئی شخص نہیں جو خوب طہارت کرے پھر ان مسجدوں میں سے کسی مسجد کا ارادہ کرے مگر اللہ اس کے لیئے ہر قدم کے عوض جو ڈالتا ہے ایک نیکی لکھتا ہے اور ایک درجہ بلند کرتا ہے اور ایک گناہ معاف کرتا ہے ۷۔ ہم نے اپنی جماعت کو دیکھا کہ نماز سے وہ منافق ہی پیچھے رہتا تھا جس کا نفاق معلوم ہو، بعض آدمیوں کو دو شخصوں کے درمیان لایا جاتا تھا حتی کہ صف میں کھڑا کیا جاتا ۸۔ (مسلم) |

ا۔ اس حدیث نے گزشتہ عتاب کی احادیث کو واضح کردیا کہ وہاں خطاب منافقوں سے تھا کیونکہ صحابہ نماز کبھی نہ چھوڑتے تھے۔ مریض سے وہ بیمار مراد ہے جو کسی طرح مسجد میں نہ پہنچ سکے نہ چل کر نہ کسی کے کندھوں پر جیسا کہ اگلی عبارت سے معلوم ہورہا ہے۔

۲۔ یہ صحابہ کا عزیمت پر عمل ہے کہ جن میں خود چلنے کی طاقت نہ ہوتی وہ دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اس طرح مسجد میں آتے کہ پاؤں زمین پر گھسٹتے ہوتے جیسا کہ بعض احادیث میں صراحۃً آیا۔ ایسی حالت میں رخصت ہے کہ گھر پڑھ لے۔ سبحان اللہ!

۳؎ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عادت کریمہ کے طور پر کئے وہ سنت زوائد ہیں جیسے بالوں میں کنگھی کرنا، کدو رغبت سے کھانا اور جو کام عبادۃً کئے وہ سنت ہدیٰ ہیں۔ سنت ہدیٰ کی دو قسمیں ہیں: مؤکدہ اور غیر مؤکدہ، جو کام حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ہمیشہ کئے وہ مؤکدہ ہیں اور اگر ان کا حکم بھی دیا وہ واجب اور جو کام کبھی کبھی کئے وہ غیر مؤکدہ ہیں لہٰذا جماعت کی نماز اور مسجد میں حاضری، حق یہ ہے کہ دونوں واجب ہیں۔

۴؎ یعنی جہاں جماعت ہوتی ہے کیونکہ اذان جماعت ہی کے لیے ہوا کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسجد اور جماعت کی پابندی کرنے والے کو ان شاء اللہ ایمان و تقویٰ پر خاتمہ نصیب ہوگا، یہ حدیث ان کے لیئے بڑی بشارت ہے۔

۵؎ یعنی پنجگانہ نمازیں مسجد میں باجماعت سنت ہدیٰ میں سے ہیں۔

۶؎ مرقاۃ وغیرہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم گھروں میں باجماعت بھی نماز پڑھ لو تب بھی حاضری مسجد کی سنت کے تارک ہو۔ هٰذَا الْمُتَخَلِّفُ میں کسی خاص منافق کی طرف اشارہ ہے جو تارک جماعت تھا۔ خیال رہے کہ جماعت واجب ہے، اسے یہاں سنت فرمانا اس لئے ہے کہ سنت سے ثابت ہے۔

۷؎ یہ خوش خبریاں اس کے لیے ہیں جو گھر سے وضو کر کے مسجد کو جائے اور بہتر یہ ہے کہ درود شریف پڑھتا یا کوئی اور ذکر کرتا ہوا جائے جیسا کہ "باب المساجد" میں عرض کیا جاچکا ہے۔

۸؎ اس کی شرح پہلے گزر گئی، صحابہ میں یہ عمل کیوں نہ ہوتا، انہوں نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت بیماری کی حالت میں اس طرح مسجد میں آتے دیکھا تھا۔ خیال رہے کہ عاشق کو محبوب کی ہر ادا پیاری ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے پیارے ہیں اور جماعت کی نماز، مسجد کی حاضری، مسواک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیاری۔ مومن کی پہچان یہ ہے کہ اسے یہ چیزیں پیاری ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے آخری کام مسواک کیا کہ مسواک کر کے جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔ صلی اللہ علیہ وبارک وسلم۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا اگر گھروں میں عورتیں بچے نہ ہوتے تو میں نماز عشاء قائم کرتا اور اپنے جوانوں کو حکم دیتا کہ وہ گھروں کی چیزوں کو آگ سے جلادیں ۱؎ (احمد) |

۱؎ اس طرح کہ مسجد میں نہ آنے والوں کے گھروں میں آگ لگادیں، اس کی شرح پہلے گزر چکی۔ خیال رہے کہ اگر ایسا واقعہ ہوتو جن نوجوانوں کو سرکار عالی صلی اللہ علیہ وسلم آگ لگانے بھیجتے ان پر نماز معاف ہوتی کیونکہ نجات تو حکم عالی کی اطاعت میں ہے۔ جماعت کا حکم دیں تو جماعت واجب، اگر جماعت چھوڑنے کا حکم دیں تو چھوڑنا واجب قسم رب کی اگر وہ ترک نماز سے راضی ہیں تو ترک نماز عبادت ہے اور اگر کسی کی نماز سے ناراض ہیں تو اس کے لیے وہ نماز حرام، مولینا فرماتے ہیں شعر

ہر چہ گیرو علتی علت شود　　　　کفر گیرو ملتے ملت شود

اس کی نہایت نفیس اور لذیذ تحقیق ہماری کتاب سلطنت "مصطفٰے" میں دیکھو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جب تم مسجد میں ہو اور نماز کی اذان دی جائے تو |

| | |
|---|---|
| تم میں سے کوئی نماز پڑھے بغیر نہ نکلے۱ | |

۱ اس کی شرح آئندہ حدیث میں آرہی ہے۔یہ حکم اس کے لیے ہے جس نے ابھی نماز نہ پڑھی ہو اور بلا عذر مسجد سے جائے واپسی کا ارادہ نہ ہو لہذا جو نماز پہلے ہی پڑھ چکا ہے،پھر اذان ہوئی وہ مسجد سے جاسکتا ہے،ایسے ہی اذان کے بعد استنجاء وغیرہ کرنے پھر لوٹنے کے ارادے سے جاسکتا ہے،ایسے ہی اگر یہ دوسری مسجد کا امام یا جماعت کا منتظم ہو۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوشعشاء سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص اذان کے بعد مسجد سے نکل گیا تو حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ اس شخص نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۱(مسلم) | |

۱ کہ اسے مسجد میں ٹھہرنا اور جماعت میں شریک ہونا چاہیئے تھا۔یہاں یہ شخص ان عذروں کے بغیر گیا ہوگا جو پہلے عرض کئے گئے اس لیے آپ نے یہ فرمایا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اذان مسجد میں پالے پھر وہ نکل جائے نہ نکلا ہو کسی کام کے لیئے نہ وہ لوٹنے کا ارادہ کرتا ہو وہ منافق ہے۱(ابن ماجہ) | |

۱یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ وہاں بھی وہی مراد تھا جو بلاضرورت جائے اور واپسی کا ارادہ نہ ہو دوسری جگہ امامت بھی حاجت میں داخل ہے اسی طرح اب ریل کا وقت ہونا یا ایسی ہی اور دنیوی حاجت اس میں شامل ہے،یہاں منافق سے مراد منافق عملی ہے،یعنی ایسا شخص منافقوں کے سے کام کرتا ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جو اذان سنے پھر اسے بلا عذر قبول نہ کرے تو اس کی نماز نہیں ۱(دار قطنی) | |

۱یعنی اس کی نماز قبول نہیں یا کامل نہیں،اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد کی حاضری وہاں تک کے لوگوں پر واجب ہے جہاں تک اذان کی آواز پہنچے،اس کے ماسواء جگہ سے مسجد میں آنا بھی بڑی اعلیٰ عبادت ہے،صحابہ کرام قباء شریف سے جو کہ مدینہ سے تین میل دور ہے مسجد نبوی میں نماز کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے۔خیال رہے کہ یہ احکام جب ہیں جب وہاں کا امام بدمذہب نہ ہو،مرزائیوں چکڑالویوں وغیرہم کی اذان کا یہ حکم نہیں،دیکھو مسجد ضرار کا حکم کیا ہوا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم سے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ مدینہ بہت کیڑوں اور درندوں والا ہے۱اور میں نابینا ہوں تو کیا آپ میرے لیے اجازت پاتے ہیں ۲فرمایا کیا تم "حی علی الصلوۃ،حی علی الفلاح" سنتے ہو ۳عرض کیا ہاں فرمایا آؤ اور انہیں اجازت نہ دی ۴(ابوداؤد،نسائی) | |

۱؎ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے،مدینہ منورہ وباؤں اور بیماریوں کا گھر تھا،آپ کے قدم پاک نے وہاں سے وباؤں کو نکال کر وہاں کی مٹی کو بھی شفابنادیا،فرماتے ہیں "تُرْبَةُ اَرْضِنَا يَشْفِيْ سَقِيْمَنَا" ہمارے مدینہ کی مٹی بیماروں کو شفادیتی ہے لیکن اولًا بچھو کچھ سانپ اور بھیڑیے وغیرہ رہے بعد میں اللہ نے ان چیزوں سے زمین مدینہ کو قریبًا صاف کردیا یعنی یثرب کو طیبہ بنادیا۔چنانچہ فقیر نے وہاں دیکھا کہ دیوانے کتے،بھیڑیئے،سانپ قریبًا نہیں البتہ بچھو دیکھے جاتے ہیں۔یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب وہاں یہ موذی چیزیں موجود تھیں۔

۲؎ اس بات کی کہ میں ان عذروں کی وجہ سے مسجد میں حاضر نہ ہوا کروں اور گھر میں نماز پڑھ لیا کرو۔

۳؎ اس سے مراد پوری اذان ہے مگر نماز کے بلاوے کے یہ دو ہی لفظ ہیں اس لیے ان کا ذکر خصوصیت سے فرمایا۔(مرقاۃ)

۴؎ کیونکہ ان کے پاس کوئی لانے والا موجود تھا اور گھر بھی ان کا مسجد سے قریب تھا جس نابینا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی حاضری معاف فرمائی ہے ان کے پاس کوئی لانے والا نہ تھا لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد سے قریب رہتے ہوئے نابینا پر بھی مسجد کی حاضری معاف نہیں،افسوس ان لوگوں پر بلاوجہ عذر مسجد میں نہ آئیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ام درداء سے فرماتی ہیں ایک بار میرے پاس ابودرداء غصے میں آئے میں نے کہاآپ کو کس چیز نے غصہ دلایا فرمایا اللہ کی قسم میں محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے کاموں میں سے صرف یہ پاتا ہوں کہ وہ نماز جماعت سے پڑھ لیتے ہیں ۱؎(بخاری) |

۱؎ ام الدرداء حضرت ابوالدرداء کی بیوی ہیں ان کا نام خیرہ ہے۔ابوالدرداء نے اپنے شہر والوں کی ان سے شکایت کی،اسی شہر والوں نے مسلمانوں کے سارے کام چھوڑ دیئے یا بدل دیئے صرف نماز باجماعت باقی تھی،اب ان میں بھی سستی کرنے لگے۔خیال رہے کہ حضرت ابوالدرداء بڑے زاہد،تارک الدنیا،روزہ دار،شب بیدار صحابی تھے حتی کہ ام الدرداء نے بناؤ سنگار چھوڑ دیا تھا،حضرت سلمان فارسی کے پوچھنے پر کہا کہ میں سنگار کس لیے کروں میرے خاوند کو عبادت سے فرصت ہی نہیں جو میری طرف توجہ کریں،آپ چاہتے یہ تھے کہ سارے مسلمان مجھ جیسے عابد وزاہد ہوں،جس شہر میں آپ تھے وہاں کے باشندے اس درجے کے زاہد نہ تھے،اس کی آپ شکایت کررہے ہیں کہ یہ لوگ نہ راتوں کو جاگتے ہیں نہ اشراق وغیرہ کی پابندی کرتے ہیں ہاں جماعت کے پابند ہیں تو اس میں بھی کمی کرنے لگے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ صحابہ دین کی ساری باتیں چھوڑ چکے تھے جیسا کہ روافض نے اس حدیث سے سمجھا وہ زمانہ خیر القرون میں سے تھا،اس کی بہتری کی گواہی قرآن وحدیث دے رہے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابو بکر ابن سلیمان ابن ابی حثمہ سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ابن خطاب نے صبح کی نماز میں سلیمان ابن ابی حثمہ کو نہ پایا ۱؎ پھر جناب عمر بازار تشریف لے گئے سلیمان کا گھر مسجد اور بازار کے درمیان تھا تو آپ سلیمان کی والدہ شفاء پر گزرے ان سے فرمایا کہ میں نے سلیمان کو فجر میں نہ پایا ۲؎ وہ بولیں وہ تمام رات نماز پڑھتے رہے پھر ان کی آنکھ لگ گئی تو حضرت عمر نے فرمایا کہ میرا فجر |

| | |
|---|---|
| کی جماعت میں حاضر ہو جانا تمام رات کھڑے رہنے سے مجھے زیادہ پیارا ہے۳؎(مالک) | |

۱؎ سلیمان مشہور تابعی ہیں،قرشی ہیں،عدوی ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر فاروق بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح حاضرین مسجد کی تحقیق فرماتے تھے کہ کون نماز میں آیا اور کون نہیں۔

۲؎ کیا وہ بیمار ہیں یا کہیں سفر میں چلے گئے ہیں کیونکہ اس زمانہ میں کسی مسلمان کا جماعت میں نہ آنا اس کی بیماری یا سفر کی دلیل ہوتی تھی۔خیال رہے کہ حضرت شفاء کا نام لیلیٰ بنت عبداللہ تھا،شفاء لقب آپ مہاجرین اول میں سے تھیں بہت سے غزوؤں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں دوپہر کا آرام فرمایا کرتے تھے۔

۳؎ کیونکہ جماعت خصوصًا فجر کی نماز جماعت اہم واجب ہے اور رات کی عبادت تہجد وغیرہ نفل،نفل کی وجہ سے واجب نہیں چھوڑنا چاہیئے۔مسلم شریف میں ہے کہ جو عشاء جماعت سے پڑھے،اس نے گویا آدھی رات عبادت کی اور جو فجر جماعت سے پڑھے اس نے گویا تمام رات عبادت کی اور ترمذی میں ہے کہ جو فجر وعشاء جماعت سے پڑھے اس نے گویا تمام رات عبادت کی،ترمذی کی روایت پہلی حدیث کی تفسیر ہے،عطافرماتے ہیں کہ اگر تہجد کی وجہ سے فجر کی جماعت جائے تو تہجد چھوڑ دو۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو اور دو سے زیادہ جماعت ہیں ۱؎(ابن ماجہ) | |

۱؎ یعنی اگر کہیں دو مسلمان بھی ہوں تو ایک امام بن جائے اور ایک مقتدی جماعت کا ثواب پائیں گے کیونکہ یہ حکمًا جماعت ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر امام کے سوا دو آدمی ہوں تو امام آگے کھڑا ہو کیونکہ یہ جماعت کے حکم میں ہیں بہرحال یہاں جماعت مراد ہے نہ کہ حقیقی بعض علماء نے فرمایا کہ یہ حدیث میراث کے متعلق ہے کہ دو وارثوں کا حصہ تین چار کے برابر ہی ہوتا ہے،چنانچہ ایک بیٹی کا آدھا اور دو یا زیادہ کا حصہ دو تہائی ہے،بہرحال اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دو آدمیوں کی جماعت سے جمعہ یا عیدین ادا ہو جائیں،وہاں جماعت حقیقی درکار ہے یعنی امام کے سوا تین مقتدی۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت بلال ابن عبداللہ ابن عمر سے۱؎ وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عورتوں کو ان کے مسجدوں کے حصوں سے نہ روکو جب تم سے اجازت مانگیں۲؎ یوں بلال بولے کہ خدا کی قسم ہم تو روکیں گے۳؎ تب ان سے حضرت عبداللہ نے کہا میں تو کہتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور تم کہتے ہو کہ ہم ان کو روکیں گے۔ | |

۱؎ آپ عظیم الشان تابعی ہیں،مدنی ہیں،حضرت عبداللہ ابن عمر کے بیٹے ہیں۔آپ سے صرف ایک حدیث مروی ہے۔

۲؎ یعنی انہیں بھی مسجدوں میں جاکر نماز پڑھنے دو تاکہ وہاں کا ثواب یہ بھی پائیں۔اس سے معلوم ہوا کہ عورت خاوند کی اجازت کے بغیر مسجد نہیں جاسکتی۔

۳؎ کیونکہ اب فتنوں کا زمانہ ہے ان کا گھروں سے نکلنا فساد سے خالی نہیں، یہ حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لیے تھا۔یہی آپ کا مقصد تھا نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت کہ وہ تو کفر ہے۔غالبًا یہ گفتگو اس وقت کی ہے جب جناب عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو مسجد سے روک دیا تھا۱۲

| | |
|---|---|
| | اور سالم کی روایت میں اپنے والد سے۱؎ یوں ہے کہ فرمایا تب عبداللہ ان پر متوجہ ہوئے اور انہیں ایسی گالی دی جیسی گالی دیتے انہیں کبھی نہ سنا تھا۲؎ اور فرمایا کہ میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر دیتا ہوں اور تو کہتا ہے کہ خدا کی قسم ہم تو انہیں منع کریں گے۳؎(مسلم) |

۱؎ حضرت سالم بھی عبداللہ ابن عمر کے بیٹے اور بلال ابن عبداللہ کے بھائی ہیں ۱۲

۲؎ یعنی انہیں بہت برا بھلا کہا۔یہاں گالی سے یہی مراد ہے نہ کہ ماں بہن کی فحش گالی کہ وہ تو عامۃ المسلمین کی شان کے خلاف ہے،چہ جائیکہ صحابی،حدیث شریف میں ہے "لَاتَسُبُّوا الدَّھْرَ" زمانہ کو گالی نہ دو یعنی اسے برا نہ کہو۔

۳؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے موقعہ پر اپنی رائے پیش کرنا بے ادبی ہے تم نے یہ بے ادبی کیوں کی۔اس جگہ مرقاۃ اور شرح فقہ اکبر میں ہے کہ امام ابویوسف نے تلوار سونت لی اور فرمایا دوبارہ ایمان لاؤ ورنہ تجھے قتل کروں گا۔معلوم ہوا کہ ایسی صحیح بات کہنا بھی بے ادبی ہے جس میں حدیث شریف کے مقابلے کی بو پائی جائے،جب حدیث کا یہ مطلب ہے تو سمجھ لو حدیث والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا ادب ہوگا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت مجاہد سے وہ حضرت عبداللہ ابن عمر سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اپنے گھر والوں کو مسجدوں میں آنے سے ہرگز نہ روکے تو عبداللہ ابن عمر کے بیٹے نے کہا ہم تو انہیں روکیں گے تو حضرت عبداللہ نے کہا کہ میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بتاتا ہوں اور تو یہ کہتا ہے،فرماتے ہیں کہ ان سے حضرت عبداللہ نے مرتے دم تک کلام نہ کیا۱؎(احمد) |

۱؎ اس کی شرح ابھی گزر چکی،اس سے معلوم ہوا ہے کہ صحابہ کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی محبت تھی کہ ایک گستاخی کے شائبہ پر اپنے لخت جگر کو ہمیشہ کے لیئے چھوڑ دیا۔افسوس ہے ان لوگوں پر جو دین کے مقابلہ میں کسی دیندار کی مروت کریں۔بعض بے ادب کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ حدیث کے مقابل قیاس اور رائے کو ترجیح دیتے ہیں اسی لیے امام اعظم رحمۃاللہ علیہ کو اہل الرائے کہتے ہیں۔وہ جھوٹے اور کذاب ہیں۔امام اعظم کا فرمان ہے کہ حدیث ضعیف بھی رائے اور قیاس پر مقدم ہے۔چنانچہ وہ اولاً قرآن کو لیتے ہیں،پھر حدیث کو پھر اقوال صحابہ کو،اگر صحابہ میں اختلاف ہو تو جن صحابی کا قول کتاب وسنت سے قریب ہو اس کو ترجیح دیتے ہیں اور اگر احادیث میں اختلاف نظر آئے تو قیاس کے ذریعہ کسی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں،یعنی قیاس پر عمل نہیں کرتے بلکہ حدیث کی مدد سے حدیث پر عمل کرتے ہیں۔اگر اس کی تحقیق دیکھنا ہو تو اس جگہ پر مرقاۃ دیکھو۔

## باب تسویۃ الصف

### صف سیدھی کرنے کا باب ۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱؎ صف سیدھی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نمازی صف میں ملے ملے کھڑے ہوں نہ آگے پیچھے ہوں،نہ دور دور جس سے صف میں کشادگی ہو،صف کا ٹیڑھا ہونا نمازیوں میں ٹیڑھا پن پیدا کرتا ہے جیساکہ آگے آرہا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری سیدھی صفیں کرتے تھے یہاں تک کہ گویا ان سے تیر سیدھے لیے جائیں گے ۲؎ حتی کہ آپ نے خیال فرمالیا کہ اب ہم آپ سے سیکھ چکے ۳؎ پھر ایک دن تشریف لائے تو کھڑے ہوئے حتی کہ تکبیر کہنے والے ہی تھے کہ ایک شخص کو سینہ نکالے دیکھا تو فرمایا کہ اللہ کے بندو اپنی صفیں سیدھی کرو ورنہ اللہ تعالٰی تمہاری ذاتوں میں اختلاف ڈال دے گا ۴؎ (مسلم) |

۱؎ آپ انصاری ہیں اور نو عمر صحابی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے چودہ مہینہ بعد پیدا ہوئے،بعد ہجرت انصار میں سب سے پہلے آپ پیدا ہوئے اور مہاجرین میں عبداللہ ابن زبیر،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر آٹھ سال سات مہینے تھی۔

۲؎ یعنی نمازیوں کے کندھے پکڑ پکڑ کر آگے پیچھے کرتے تھے تاکہ صف بالکل سیدھی ہوجاوے۔خیال رہے کہ تیر کی لکڑی کو پَر اور پیکان لگنے سے پہلے قدح کہتے ہیں اور اس کے لگنے کے بعد سہم،قدح نہایت سیدھی کی جاتی ہے اسے سیدھا کرنے کے لیے نہایت سیدھی لکڑی لیتے ہیں،جس کے برابر قدح کو لیتے ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کو ایسا سیدھا کرتے تھے جیسے قدح سیدھی کرنے والی لکڑی ۱۲

۳؎ تب آپ نے کندھے پکڑ کر سیدھا کرنا چھوڑ دیا،صرف زبان شریف سے سیدھا کرنے کی ہدایت فرمادیتے تھے ۱۲

۴؎ یعنی اگر تمہاری نماز کی صفیں ٹیڑھی رہیں تو تم میں آپس میں اختلاف اور جھگڑے پیدا ہوجائیں گے،شیرازہ بکھر جائے گا یا تمہارے دل ٹیڑھے ہوجائیں گے کہ ان میں سوز و گداز،درد،خشوع خضوع نہ رہے گا یا اندیشہ ہے کہ تمہاری صورتیں مسخ ہوجائیں جیسے گزشتہ قوموں پر عذاب آئے تھے،یعنی یہاں وجہ بمعنی ذات ہے یا بمعنی چہرہ۔خیال رہے کہ عام مسخ وغیرہ ظاہر عذاب حضور مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے بند ہوگئے لیکن خاص مسخ وغیرہ اب بھی ہوسکتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نماز کی تکبیر کہی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرۂ انور سے ہم پر توجہ فرمائی |

| | |
|---|---|
| | فرمایا کہ اپنی صفیں سیدھی کرو اور مل کر کھڑے ہو میں تمہیں اپنے پیچھے دیکھتا ہوں ا(بخاری) اور مسلم بخاری میں ہے کہ فرمایا صفیں پوری کرو کیونکہ میں تمہیں اپنی پشت سے دیکھتا ہوں۔ |

ا اس کی شرح پہلے گزر چکی کہ دیکھنے سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہے۔یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ کی آنکھ آگے پیچھے اور پس پردہ اندھیرے اجیالے میں یکساں دیکھتی ہیں۔حق یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ صرف نماز سے خاص نہیں تھا نہ حیات شریف سے۔وہ حدیث کہ میں دیوار کے پیچھے کی چیز نہیں جانتا بالکل بے اصل ہے جیسا کہ شیخ نے فرمایا اور اصلے نیست اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے حضرت عیسی روح اللہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ تم گھر میں کھا کر بچا کر آتے ہو میں بتا سکتا ہوں،یہ تو حبیب اللہ کی آنکھ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صفیں سیدھی کرو کہ صفیں سیدھی کرنا نماز قائم کرنے سے ہے ا(مسلم،بخاری) مگر مسلم کے نزدیک نماز پوری کرنے سے ہے۔ |

ا یعنی رب تعالٰی نے جو فرمایا:"یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ"یا فرمایا"اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ"۔اس سے مراد ہے نماز صحیح پڑھنا اور نماز صحیح پڑھنے میں صف کا سیدھا کرنا بھی داخل ہے کہ اس کے بغیر نماز ناقص ہوتی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابو مسعود انصاری سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہمارے کندھے پکڑتے اور فرماتے تھے سیدھے رہو الگ الگ نہ رہو ورنہ تمہارے دل الگ ہو جائیں گے ا اور تم میں عاقل و بالغ میرے قریب رہا کریں پھر وہ جو ان سے قریب ہوں پھر وہ جو ان سے قریب ہوں ۲ ابو مسعود فرماتے ہیں اس لیے آج تم میں بہت اختلاف ہے ۳ (مسلم) |

ا یہ حدیث گزشتہ کی شرح ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ صفیں ٹیڑھی ہونے سے قومیں ٹیڑھی ہوجاتی ہیں کیونکہ قالب کا اثر قلب پر اور قلب کا اثر قالب پر پڑتا ہے،نہانے سے دل ٹھنڈا ہوتا ہے اور دل کی خوشی و غم کا اثر چہرے پر نمودار ہوجاتا ہے۔

۲ یعنی صف اول میں مجھ سے قریب فقہاء صحابہ ہوں جیسے خلفائے راشدین اور عبداللہ ابن عباس و عبداللہ ابن مسعود وغیرہم تاکہ وہ میری نماز دیکھیں اور نماز کی سنتیں وغیرہ یاد کرکے اوروں کو سمجھائیں اور بوقت ضرورت ہماری جگہ مصلے پر کھڑے ہوکر نماز پڑھا سکیں ان کے پیچھے وہ لوگ کھڑے ہوں جو علم و عقل میں ان کے بعد ہوں تاکہ ان صحابہ سے یہ نماز سیکھیں۔سبحان اللہ!حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نماز میں بھی جاری رہتی تھی۔

۳؎ یعنی تم لوگوں نے صفیں سیدھی کرنے کا اہتمام چھوڑ دیا،اس لیے تم میں آپس کے جھگڑے واختلافات پیدا ہوگئے۔خیال رہے کہ یہ حدیث جماعت کی صدہا مسائل کی اصل ہے۔فقہاء جو فرماتے ہیں کہ نماز میں پہلے مَردوں کی صف ہو،پھر بچوں کی،پھر خنثوں کی،پھر عورتوں کی اس کا ماخذ بھی یہی حدیث ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم وعقل والے مجھ سے قریب رہا کریں پھر وہ جو ان سے قریب ہوں تین بار فرمایا اور تم بازاروں کے شور وپکار سے الگ رہو۱؎(مسلم) |

۱؎ یعنی مسجدوں میں بازاروں کا سا شور نہ کرو ادب اور خاموشی سے بیٹھو یا بازاروں کی طرح چھوٹے بڑے مل کر نہ بیٹھو بلکہ یہاں فراق مراتب کرو کہ علماء،عوام،بچے،عورتیں چھٹ کر اپنے اپنے مقام پر بیٹھیں۔یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ بلاضرورت بازاروں میں نہ جاؤ اور وہاں شور نہ مچاؤ،اس صورت میں علیحدہ حکم ہوگا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں کچھ پیچھے رہنا دیکھا۱؎ تو فرمایا آگے بڑھو اور میری اقتداء کرو اور تمہارے بعد والے تمہاری اقتداء کریں۲؎ قومیں پیچھے رہتی رہیں گی حتی کہ اللہ انہیں پیچھے کردے گا۳؎(مسلم) |

۱؎ نماز کی صفوں میں یا علم سیکھنے میں سستی،پہلے معنی زیادہ قوی ہیں،یعنی صف اول میں آنے کی کوشش کم دیکھی۔

۲؎ یعنی صف اول والے مجھے دیکھ کر نماز پڑھیں اور پچھلی صفوں والے اگلی صفوں کو دیکھ کر یا صحابہ براہ راست میری پیروی کریں اور تا قیامت مسلمان صحابہ کی۔معلوم ہوا کہ صحابہ کرام اسلام کی صف ہیں ہم لوگ پچھلی صفیں یا وہ حضرات ریل کا اگلا ڈبہ ہیں جو انجن سے ملا ہوا ہے اور ہم لوگ پچھلے ڈبے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے فیوض ہمیں صحابہ کے ذریعہ ملیں گے۔پتہ لگا کہ جو لوگ صحابہ کو مومن نہیں مانتے وہ خود بھی مومن نہیں کہ اگر ریل کا پہلا ڈبہ ہی منزل پر نہ پہنچا انجن سے کٹ گیا تو پچھلے ڈبے منزل پر کیسے پہنچ سکتے ہیں۔

۳؎ یعنی اگر مسلمان صف اول میں پہنچنے یا اور دینی کاموں میں سستی کریں گے تو ثواب رحمت رب کے فضل اور دخول جنت میں پیچھے رہیں گے،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سید الانبیاء ہوکر ہر نیک کام میں سبقت کرتے تھے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَاسۡتَبِقُوا الۡخَیۡرٰتِ"۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ہمیں حلقہ حلقہ دیکھا فرمایا کیا ہے میں تمہیں متفرق دیکھتا ہوں۱؎ پھر ہم پر تشریف لائے تو فرمایا کہ ایسی صفیں کیوں نہیں بناتے جیسے فرشتے اپنے رب کے نزدیک |

| | |
|---|---|
| | بناتے ہیں ہم نے عرض کیا یارسول اللہ فرشتے رب کے نزدیک کیسے صفیں بناتے ہیں فرمایا اگلی صفیں پوری کرتے ہیں اور صف میں مل کر کھڑے ہوتے ہیں ۲؎ (مسلم) |

۱؎ یعنی ہم مسجد میں الگ الگ حلقے بنائے بیٹھے تھے ہر شخص اپنے دوستوں کے ساتھ الگ حلقے میں تھا تب آپ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ مسجدوں میں یہ امتیازات مٹادو،یہ واقعہ جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے پیش آیا تھا جیسا کہ **باب الجمعه** میں آئے گا۔خیال رہے کہ **عزین** جمع **عِزَّۃٌ** کی ہے،بمعنی جماعت۔

۲؎ یعنی مسجد میں صفیں بناکر بیٹھا کرو تاکہ تم فرشتوں کے مشابہ ہوجاؤ۔خیال رہے کہ ملائکہ مقربین تو ہمیشہ سے صفیں باندھے رب کی عبادتیں کررہے ہیں اور مدبرات امر اپنی ڈیوٹیوں سے فارغ ہوکر صفیں بناکر عبادتیں کرتے ہیں،بعض زمین پر،بعض آسمان پر،بعض عرش اعظم کے پاس جس کی تحقیق ان شاءاللہ آئندہ کی جائے گی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مَردوں کی بہترین صف پہلی ہے اور بدترین صف پچھلی ہے اور عورتوں کی بہترین صف پچھلی ہے اور بدترین صف اگلی ۱؎ (مسلم) |

۱؎ کیونکہ مردوں کی پہلی صف امام سے قریب ہوگی،اس کے حالات دیکھے گی،اس کی قرأت سنے گی،عورتوں سے دور رہے گی اور عورتوں کی آخری صف میں پردہ حجاب زیادہ ہوگا،مردوں سے دور ہوگی،بعض منافقین آخری صف میں کھڑے ہوتے اور بحالت رکوع جھانکتے تھے ہوسکتا ہے کہ یہاں ان کی طرف اشارہ ہو،اس صورت میں لفظ شرّ اپنے ظاہری معنی پر ہے۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صفیں سیدھی کرو ۱؎ ان میں نزدیکی کرو ۲؎ اپنی گردنیں مقابل رکھو ۳؎ اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ میں شیطان کو صفوں کی کشادگی میں بکری کے بچے کی طرح گھستا دیکھتا ہوں ۴؎ (ابوداؤد) |

۱؎ رَصُّوْا رَصٌّ سے بنا جس کے معنی ہیں سیدھا کرکے ملانا،معنی یہ ہوئے کہ نماز کی صفیں سیدھی بھی رکھو اور ان میں مل کر کھڑے ہو کہ ایک دوسرے کے آپس میں کندھے ملے ہوں۔

۲؎ یعنی صفیں قریب قریب رکھو اس طرح کہ دو صفوں کے درمیان اور صف نہ بن سکے یعنی صرف سجدہ کا فاصلہ رکھو،نماز جنازہ میں چونکہ سجدہ نہیں ہوتا اس لیے وہاں صفوں میں اس سے بھی کم فاصلہ چاہیئے۔

۳؎ اس طرح کہ اونچے نیچے مقام پر نہ کھڑے ہو،ہموار جگہ کھڑے ہوتا کہ گردنیں برابر رہیں،لہذا یہ جملہ مکرر نہیں آگے پیچھے نہ ہونا رَصُّوْا میں بیان ہوچکا تھا۔خیال رہے کہ گردنوں کا قدرتی طور پر اونچانیچا ہونا معاف ہے کہ بعض لمبے اور بعض پستہ قد ہوتے ہیں۔

۴؎ یعنی خزب شیطان جو نماز میں وسوسہ ڈالتاہے وہ صف کی کشادگی میں بکری کے بچے کی شکل میں داخل ہوکر نمازیوں کو وسوسہ ڈالتاہے۔ اس سے دومسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ شیطان مختلف شکلیں اختیار کرسکتاہے،دیکھواس شیطان کی شکل اپنی توکچھ اور ہے مگراس وقت بکری کی شکل میں بن جاتاہے۔دوسرے یہ کہ رب تعالٰی نے حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ طاقت بخشی ہے کہ خالق کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بھی ہر مخلوق پر نظر رکھتے ہیں۔تیسرے یہ کہ جب شیطان جیسی غیبی مخلوق آپ کی نگاہ سے غائب نہیں تو انسان آپ سے کیسے چھپ سکتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگلی صف پوری کرو پھراس کے بعد والی توجو کمی ہو وہ پچھلی صف میں ہوا ۱؎ (ابوداؤد) |

۱؎ یہ صفوف نماز کا قاعدہ کلیہ ہے کہ اگلی صفیں پوری کی جائیں اگرآدمی صف سے کم ہوں تو یہ کمی آخری صف میں ہونی چاہیے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اللہ اوراس کے فرشتے ان لوگوں پر درود بھیجتے ہیں جو اگلی صفوں سے ملتے ہیں۱؎اور اللہ کواس قدم سے زیادہ کوئی قدم پیارا نہیں جس قدم سے انسان صف سے ملے ۲؎(ابوداؤد) |

۱؎ یعنی اگلی صف کے نمازیوں کے لیے فرشتے دعائے رحمت کرتے ہیں اور اللہ تعالٰی نزول رحمت فرماتاہے،رب فرماتاہے:"هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓىٕكَتُهٗ"۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی اور فرشتوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور نوعیت کاہے اور نمازیوں پر اور نوعیت کا،لہذا اس آیت وحدیث سے یہ لازم نہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل ہوجائیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی قرآن میں"یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ" فرمایا اور ہمارے لیے بھی یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ ارشاد ہوا جیساکہ چکڑالویوں نے سمجھا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتوں کی بارشیں ہورہی ہیں اور ہم پر چھینٹا ہے۔

۲؎ معلوم ہوا کہ پیاری جگہ جانے کے لیے قدم بھی اللہ کو پیارے ہیں،خوش نصیب ہیں وہ جوان قدموں سے حرمین شریفین جائیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یقینًا اللہ اوراس کے فرشتے صفوں کے داہنے حصوں پر درود بھیجتے ہیں۱؎(ابوداؤد) |

۱؎ پہلی صف والوں پر عمومی رحمت تھی اور داہنی صف والوں پر خصوصی رحمت ہے،پھر صف اول کے داہنے والوں پر اور زیادہ خاص رحمت ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں رب کی رحمتیں لاکھوں قسم کی ہیں۔خیال رہے کہ داہنی صف پر رحمت اس وقت آئے گی جب

بائیں طرف بھی نمازی برابر ہوں اگر سارے نمازی داہنی طرف ہی کھڑے ہو جائیں بائیں طرف کوئی نہ ہو یا تھوڑے ہوں تو یہ داہنے والے ناراضی الٰہی کے مستحق ہوں گے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے فرماتے ہیں کہ جب ہم نماز میں کھڑے ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفیں سیدھی کرتے جب ہم سیدھے ہو جاتے تو تکبیر کہتے[1] (ابوداؤد) |

[1] اس سے معلوم ہوا کہ سنت یہ ہے کہ امام پہلے صفیں سیدھی کرے پھر تکبیر تحریمہ کہے، آج کل امام مساجد یہ عمل چھوڑ بلکہ مقتدیوں کو چاہیئے کہ اول ہی سے صف میں مل کر اور سیدھے بیٹھیں تاکہ "حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ" پر کھڑے ہو کر اقامت ختم ہونے پر نماز بے تکلف شروع کر سکیں۔خیال رہے کہ یہاں تکبیر سے تکبیر تحریمہ مراد ہے نہ کہ اقامت وہ تو مقتدیوں کے بیٹھے ہوگی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داہنی جانب فرماتے درست رہو صفیں سیدھی کرو اور بائیں طرف فرماتے درست رہو صفیں سیدھی کرو[1] (ابوداؤد) |

[1] ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اولًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کو صف میں ہاتھ سے سیدھا کرتے تھے پھر جب لوگ کچھ سمجھ گئے تو زبان سے فرمادیا کرتے تھے، پھر جب پورے واقف ہوگئے تو لوگ خود بخود اول ہی سے سیدھے ہو جاتے، یہاں دوسرے عمل کا ذکر ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں سے بہتر وہ ہے جو نماز میں نرم کندھے والا ہو[1] (ابوداؤد) |

[1] اس طرح کہ اگر کوئی شخص ضرورۃً ایک نمازی کو آگے پیچھے ہٹائے تو بے تامل ہٹ جائے یا اگر کوئی اسے نماز میں سیدھا کرے تو سیدھا ہو جائے یا اگر کوئی صف کی کشادگی بند کرنے کے لیے درمیان میں آکر کھڑا ہونا چاہے تو یہ کھڑا ہو جانے دے، بعض شارحین نے فرمایا کہ نرم کندھے سے عجز و انکسار، خشوع و خضوع مراد ہے مگر پہلے معانی زیادہ قوی ہیں۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ سیدھے رہو سیدھے رہو سیدھے رہو[1] اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ میں تم کو اپنے پیچھے سے ایسے ہی دیکھتا ہوں جیسے تمہیں اپنے آگے سے دیکھتا ہوں[2] (ابوداؤد) |

۱؎ ایک بار عموماً سارے لوگوں سے فرماتے تھے،دوسری بار داہنے والوں سے اور تیسری بار بائیں والوں سے اور ہوسکتا ہے کہ تینوں بار سب سے ہی فرماتے ہوں اور تاکید کے لیے بار بار فرماتے ہوں۔
۲؎ لہٰذا یہ سمجھ کر نماز پڑھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری نمازوں کو دیکھ رہے ہیں،اس خیال سے تم نماز صحیح بھی پڑھو گے اور تمہارے دلوں میں حضور اور خشوع بھی پیدا ہوگا،تاقیامت ہر مسلمان ہر نماز میں خصوصًا نماز تہجد میں یہ خیال رکھے تو بہت لطف آتا ہے اور یہ عمل بہت مجرب ہے،لڑکے استاد کے خوف سے دل لگا کر پڑھتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ اور فرشتے درود بھیجتے ہیں پہلی صف پر لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ اور دوسری پر ا؎ فرمایا کہ اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں پہلی صف پر لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ اور دوسری پر فرمایا کہ بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں پہلی صف پر لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ اور دوسری پر فرمایا اور دوسری پر۲؎ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صفیں سیدھی کرو اور اپنے کندھوں کے درمیان مقابلہ رکھو۳؎ اور اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم رہو۴؎ کشادگیاں بھرو کیونکہ شیطان تمہارے درمیان بکری کے بچے کی شکل میں گھس جاتا ہے۵؎(احمد) | |

۱؎ دوسری سے مراد ساری پچھلی صفیں ہیں اور ہوسکتا ہے کہ خاص دوسری ہی صف ہی مراد ہے۔
۲؎ یعنی پہلی صف پر رب تعالٰی کی رحمتیں زیادہ ہیں اور بقیہ صفوں پر کم۔صوفیانہ طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی رحمتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جنبش لب سے وابستہ ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول رحمت کی خبر دی تھی۔جب تک پہلی صف کا ذکر فرمایا تو وہی رحمت الٰہی کی مستحق تھی اور جب دوسری کا نام بھی لے دیا تو اس نام لینے کی برکت سے وہ بھی رحمت کی مستحق ہوگئی۔
۳؎ پہلے عرض کیا جاچکا کہ صف سیدھی کرنے سے مراد ہے آگے پیچھے نہ ہونا اور کندھوں کے مقابلے سے مراد ہے اوپر نیچے نہ کھڑا ہونا،ہر شاہ و گدا کا ایک زمین پر کھڑا ہونا لہٰذا احکام میں تکرار نہیں۔
۴؎ یہ جملہ گزشتہ کی تفسیر ہے یعنی نماز میں اکڑے ہوئے مت کھڑے ہوؤ جیسے کوئی تمہاری اصلاح کرے تو قبول کرلو۔
۵؎ تمہیں وسوسہ دلانے کے لیے،رب کی شان ہے کہ شیطان صف کی کشادگی میں سے گھس سکتا ہے مگر پاؤں کے درمیان سے نہیں ہر شے کی تاثیر علیحدہ ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیں سیدھی کرو اور اپنے کندھوں کے درمیان مقابلہ رکھو کشادگیاں بند کرو اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم رہو | |

| | |
|---|---|
| | شیطان کے لیئے کشادگیاں نہ چھوڑو اور جو صف کو ملائے اللہ اسے ملائے اور جو صف کو توڑے اللہ اسے توڑے[1] (ابوداؤد) نسائی نے ان ہی کی مَن وَصَلَ سے آخر تک روایت کی۔ |

[1] صف کا ملانا یہ ہے کہ صف میں جگہ دیکھے اس میں کھڑا ہو کر جگہ پر کردے اور توڑنا یہ ہے کہ اپنے ساتھی سے دور کھڑا ہو، یا ملا ہوا کھڑا تھا اور بلاعذر وہاں سے ہٹ جائے۔ یہ کلام یا دعا ہے یا خبر یعنی جو صف کو ملائے گا خدا اسے اپنی رحمت و کرم سے ملائے،اور جو صف میں فاصلہ اور کشادگی رکھے خدا اسے اپنے کرم ورحمت سے دور رکھے یا جو صف میں ملائے گا خدا اسے اپنی رحمت سے ملائے گا الخ۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کو بیچ میں رکھو[1] اور کشادگیاں بند کرو (ابوداؤد) |

[1] اس طرح کہ ایک مقتدی امام کے پیچھے کھڑا ہو باقی داہنے بائیں برابر کسی جانب زیادہ نہ ہوں اگر کوئی شخص صف میں شامل ہوتے وقت دیکھے کہ دوطرفہ نمازی برابر ہیں تو یہ داہنی طرف کھڑا ہو کہ اتنی زیادتی معاف ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قوم پہلی صف سے پیچھے ہوتی رہے گی حتی کہ اللہ انہیں آگ میں پیچھے کرے گا[1] (ابوداؤد) |

[1] یعنی جو لوگ سستی کی وجہ سے صف اول میں آنے میں تامل کریں گے یا صف اول میں جگہ ہوتے ہوئے پیچھے کھڑے ہوں گے تو وہ دین کے سارے کاموں میں سست ہوجائیں گے اور برائیوں پر دلیر ہوجائیں گے،جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جہنم میں جائیں گے اور وہاں دیر تک رہیں گے، معلوم ہوا کہ سارے دینی کاموں میں نماز مقدم ہے نماز کا اثر ہر نیکی پر پڑتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ نماز میں سستی کرنے والا جہنم کے نچلے طبقہ میں جائے گا۔(لمعات) یا یہ مطلب ہے کہ یہ سستی کرنے والا اور گنہگاروں سے پیچھے دوزخ سے نکلے گا،رب فرماتا ہے:"فَوَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّيۡنَ الَّذِيۡنَ"الخ نماز میں سستی کی بہت صورتیں ہیں،فقہاء فرماتے ہیں کہ ننگے سر یا آستین چڑھا کر نماز نہ پڑھے کہ یہ سستی کی علامت ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت وابصہ ابن معبد سے[1] فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھتے دیکھا تو اسے نماز لوٹانے کا حکم دیا[2] (احمد،ترمذی،ابوداؤد) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے[3] |

[1] آپ آخری صحابہ میں سے ہیں، ۹ھ میں ایمان لائے،بہت پرہیزگار ہمیشہ خوف خدا سے رونے والے تھے،آخر میں کوفہ قیام رہا اور مقام رقہ میں وفات پائی،آپ کی کنیت ابوشداد ہے،قبیلہ اوس سے ہیں۔

[2] یعنی صف اول میں جگہ تھی یہ بلاوجہ اکیلا پیچھے کھڑا ہوا اس کی نماز مکروہ ہوئی اور نماز مکروہ کا لوٹانا مستحب ہے،یہ حکم استحبابی ہے۔بعض علماء کے نزدیک اس صورت میں اس کی نماز فاسد ہوگی،وہ حضرات اس حکم کو وجوبی مانتے ہیں۔خیال رہے کہ اگر صف اول میں جگہ نہ ہو

تو یہ آنے والاامام کے پیچھے والے کو ہاتھ لگادے،اگر یہ مسئلے سے واقف ہو گا تو پیچھے آجائے گا ورنہ اس کی نماز کراہت سے بچ جائے گی۔اس حکم سے جنازے کی نماز مستثنٰی ہے،وہاں اگرامام کے علاوہ پانچ آدمی ہوں تو دو،دو آدمی دو صفیں بنائیں گے اور ایک آدمی تیسری صف تاکہ تین صفوں کی بشارت میت کو حاصل ہو جائے۔خیال رہے کہ یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں اور اکیلے کھڑے ہونے والے کی نماز مکروہ ہے فاسد نہیں،جیساکہ اگلے باب میں آئے گا کہ حضرت ابو بکرہ نے صف میں پہنچنے سے پہلے رکوع کر دیا،پھر صف سے ملے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا حالانکہ وہ رکوع کے وقت اکیلے ہی تھی۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم استحبابی ہے۔

۳؎ مگر ابن عبدالبرّ نے اسے مضطرب فرمایا،بیہقی نے ضعیف کہا۔

## باب الموقف

### جگہ کا باب ۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱ یعنی اس کا بیان کہ جماعت میں امام و مقتدی کہاں کھڑے ہوں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس سے فرماتے ہیں میں نے اپنی خالہ میمونہ کے گھر میں رات گزاری۱ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے اٹھے میں آپ کے بائیں کھڑا ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیٹھ کے پیچھے سے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اسی طرح پیٹھ کے پیچھے سے دائیں طرف گھمالیا۲(مسلم،بخاری) |

۱جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باری ان کے ہاں تھی اس نیت سے رات گزاری تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کے اعمال طیبہ وطاہرہ دیکھوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تہجد ادا کروں جیسا کہ دیگر روایات میں ہے اس لیے آپ تمام رات جاگتے ہی رہے ہوں گے۔شعر

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا   تصور میں تیرے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

۲اس حدیث سے بہت سے مسائل معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نفل نماز خصوصًا تہجد جماعت سے جائز ہے جبکہ اس کے لیے اذان تکبیر لوگوں کے بلاوے وغیرہ سے اہتمام نہ کیا گیا ہو۔دوسرے یہ کہ اکیلا مقتدی امام کے برابر دائیں طرف کھڑا ہوگا۔تیسرے یہ کہ عمل قلیل ضرورۃً نماز میں جائز ہے جس سے نماز نہیں ٹوٹتی،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ہی میں آپ کو ہاتھ سے پکڑ کر گھمایا اور آپ نماز ہی میں ایک دو قدم چل کر بائیں سے دائیں طرف گئے۔چوتھے یہ کہ مقتدی امام سے آگے نہیں بڑھ سکتا اگر بڑھے گا تو نماز جاتی رہے گی،دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آگے سے نہیں گھمایا حالانکہ وہ آسان تھا بلکہ پیچھے سے گھمایا۔پانچویں یہ کہ جس نے اول سے امامت کی نیت نہ کی ہو اس کے پیچھے نماز جائز ہے،دیکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت تکبیر تحریمہ اکیلے نماز کی نیت کی تھی مگر بعد میں حضرت ابن عباس مقتدی بن کر کھڑے ہوگئے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے پھر میں آیا حتی کہ آپ کی بائیں طرف کھڑا ہوگیا تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے گھمایا یہاں تک کہ اپنے دائیں مجھے کھڑا کرلیا پھر جبار ابن صخر آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں کھڑے ہوگئے تو حضور صلی اللہ |

| | |
|---|---|
| | علیہ وسلم نے ہم دونوں کا ہاتھ پکڑا اور ہمیں پیچھے کیا حتی کہ ہمیں اپنے پیچھے کھڑا کرلیا ا(مسلم) |

ا یہ سارے عمل عمل قلیل کی حدتک ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی ہاتھ سے گھمایا، اور ایک ہی ہاتھ کے اشارے سے دونوں کو پیچھے کیا اور یہ دونوں حضرات ایک یا دو قدم سے پیچھے پہنچے، اگر متواتر تین قدم ڈالتے تو ان کی نماز جاتی رہتی۔ خیال رہے کہ دو مقتدیوں کا امام کے برابر کھڑا ہونا مکروہ ہے اور پیچھے کھڑا ہونا بہت بہتر ہے مگر تین کا پیچھے کھڑا ہونا واجب، برابر کھڑا ہونا سخت مکروہ کیونکہ تین پوری صف ہیں، اگر دو آدمی امام کے برابر کھڑے ہوں تو ایک دائیں کھڑا ہو دوسرا بائیں جیسا کہ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت علقمہ اور اسود نے عبداللہ بن مسعود کی اقتداء میں اس طرح نماز پڑھی کہ امام درمیان میں تھے اور یہ دونوں دائیں بائیں، یہ بیان جواز کے لیے تھا یا ضرورۃً۔ (مرقاۃ) خیال رہے کہ اس موقعہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں مقتدیوں کو پیچھے کیا خود آگے نہ بڑھے کیونکہ آگے جگہ نہ تھی حجرے شریف کی دیوار تھی ورنہ ایسے موقعہ پر امام کا آگے بڑھ جانا سہل تر ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ میں نے اور ایک یتیم نے اپنے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی اور ام سلیم ہمارے پیچھے تھیں ا(مسلم) |

ا یہ نماز نفل تھی جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس کے گھر میں عطائے برکت کے لیے پڑھی جیسا کہ اس زمانہ میں صحابہ کا دستور تھا۔ یتیم یا تو حضرت انس کے بھائی کا نام ہے یا کوئی اور نابالغ یتیم تھا جس کا نام زمیرہ تھا ابن ہمام نے فرمایا کہ یہ زمیرہ ابن سعدی حمیری تھے۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اکیلا نابالغ بچہ صف میں کھڑا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ عورت اگرچہ اکیلی ہو مگر مردوں اور بچوں سے پیچھے کھڑی ہوگی وہ تنہا ہی صف مانی جائے گی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اور ان کی ماں یا خالہ کو نماز پڑھائی فرماتے ہیں تو مجھے اپنے دائیں کھڑا کیا اور عورت کو ہمارے پیچھے ا(مسلم) |

ا یہ دوسرا واقعہ ہے کیونکہ یہاں یتیم کا ذکر نہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر ایک مرد اور ایک عورت امام کے پیچھے نماز پڑھیں تو مرد امام کے ساتھ ہوگا، اور عورت پیچھے اگرچہ عورت مرد کی محرم ہو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابو بکرہ سے کہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے حالانکہ آپ رکوع میں تھے تو انہوں نے صف تک پہنچنے سے پہلے رکوع کردیا پھر صف تک چلے ا یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا تو فرمایا اللہ تمہاری حرص بڑھائے دوبارہ ایسا نہ کرنا ۲(بخاری) |

ا بات یہ تھی کہ آپ کو رکعت جاتے رہنے کا خطرہ تھا اس لیے صف میں پہنچنے سے پہلے ہی تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع کردیا، پھر رکوع میں ہی یا قومہ میں ایک دو قدم سے صف تک پہنچے، اور اگر تین قدم سے پہنچے تو وہ قدم لگاتار نہ تھے ورنہ آپ کی نماز نہ ہوتی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز لوٹانے کا حکم دیتے۔

۲؎ یعنی تمہارا یہ عمل رکعت اول پانے کی حرص پر ہے یہ حرص دینی ہے جو محمود ہے،خدا اسے بڑھائے،دنیوی حرص بری رب فرماتا ہے،حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ صف کے پیچھے اکیلا کھڑا ہونا نماز کو فاسد نہیں کرتا کیونکہ آپ نے رکوع صف کے پیچھے اکیلے ہی کیا تھا مگر حضور نے آپ کو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔دوسرے یہ کہ صف میں ملنے سے پہلے تکبیر تحریمہ اور رکوع کر دینا مکروہ تنزیہی ہے تحریمی نہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو نماز لوٹانے کا حکم دیتے۔تیسرے یہ کہ نماز میں جانب قبلہ ایک دو قدم چلنا یا تین قدم بغیر لگاتار کیئے ڈالنا نماز فاسد نہیں کرتا۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جب ہم تین ہوں تو ہم میں سے ایک آگے بڑھ جائے۱؎(ترمذی) | |

۱؎ یعنی جنگل یا گھر میں تین آدمی نماز پڑھنا چاہیں تو الگ الگ نہ پڑھیں بلکہ جماعت کرلیں اور امام دونوں مقتدیوں سے آگے کھڑا ہو ان کے برابر نہ کھڑا ہو۔دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے جو زیادہ عالم ہو وہ امام بنے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عمار سے کہ انہوں نے مدائن میں لوگوں کی امامت کی۱؎ اور اونچی جگہ پر نماز پڑھانے کھڑے ہوگئے لوگ ان سے نیچے تھے۲؎ حضرت حذیفہ آگے بڑھے اور ان کا ہاتھ پکڑ لیا عمار ان کے پیچھے لگ گئے حتی کہ انہیں حذیفہ نے اتار دیا۳؎ جب عمار نماز سے فارغ ہوئے تو ان سے حذیفہ نے کہا کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے نہیں سنا کہ جب کوئی شخص قوم کی امامت کرے تو انکی جگہ سے اونچی جگہ نہ کھڑا ہو یا اس کی مثل،عمار نے کہا کہ اسی لیے تو جب آپ نے میرا ہاتھ پکڑا میں آپ کے پیچھے ہولیا ۴؎(ابوداؤد) | |

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،آپ کے والد کا نام یاسر ہے،حضرت علی مرتضٰی کے ساتھ رہے،صفین میں شہید ہوئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا تھا کہ تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی،مدائن کوفہ کی جانب دجلہ کے کنارے بغداد شریف کے قریب ایک مشہور شہر ہے۔

۲؎ آپ اکیلے اوپر تھے باقی ساری جماعت نیچے،اگر کوئی مقتدی بھی اس جگہ آپ کے ساتھ ہوتا تو کراہت نہ ہوتی۔

۳؎ غالب یہ ہے کہ حضرت حذیفہ صف اول میں تھے لیکن ابھی نماز کی نیت نہ باندھی تھی آپ کو نیچے اتار کر نیت باندھی۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر نماز سے بیرونی آدمی نمازی کے حال کی اصلاح کرے تو قبول کرے ہاں اس کا لقمہ نہ لے ورنہ نماز جاتی رہے گی۔

۴؎ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمار نے یہ حدیث سنی تھی مگر اتفاقًا بھول گئے ہاتھ پکڑنے پر یاد آگئی، یہ ان حضرات کی بے نفسی ہے کہ نہ مسئلے بتانے میں جھجک کرتے ہیں نہ اس کے قبول کرنے میں عار و شرم۔خیال رہے کہ صرف امام کا مقتدیوں سے ایک ہاتھ اونچا کھڑا ہونا بھی منع کہ اس میں یہود و نصاری سے مشابہت ہے کیونکہ وہ اپنے امام کو اونچا کھڑا کرتے ہیں اور نیچا کھڑا ہونا بھی منع کہ اس میں امام کی اہانت ہے، نیز امام کا مخصوص جگہ میں کھڑا ہونا بھی منع ہے کہ اس میں بھی اہلِ کتاب سے مشابہت ہے لہذا امام محراب یا در میں نہ کھڑا ہو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت سہل ابن سعد ساعدی سے ۱؎ ان سے پوچھا گیا کہ منبر کس چیز کا تھا،فرمایا جنگل کے جھاؤ کا،اسے فلاں فلانی کے مولے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بنایا۲؎ اور جب بنایا اور رکھا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کھڑے ہوئے قبلہ کو منہ کیا اور تکبیر کہی لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے آپ نے قرأت کی اور رکوع کیا اور لوگوں نے آپ کے پیچھے رکوع کیا پھر اپنا سر اٹھایا پھر الٹے پاؤں لوٹے پھر زمین پر سجدہ کیا پھر منبر کی طرف لوٹے ۳؎ پھر قرأت کی پھر رکوع کیا پھر سر اٹھایا پھر پیچھے لوٹے حتی کہ زمین پر سجدہ کیا یہ بخاری کے لفظ ہیں اور مسلم بخاری میں اس کی مثل ہے اور اس کی آخر میں فرمایا کہ جب فارغ ہوئے تو لوگوں پر متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے لوگوں میں نے یہ اس لیے کیا تاکہ تم میری اقتداء کرو اور میری نماز کو جان لو۴؎ |

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،آپ کا نام حزن تھا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سہل رکھا،کنیت ابوالعباس،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ پندرہ سال کے تھے،آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ۹۱ھ میں ہوئی،آپ مدینہ کے آخری صحابی ہیں۔

۲؎ بنانے والے کا نام یعقوم رومی ہے یا سیموں رومی اور ان بی بی کا نام عائشہ انصاریہ ہے،یعقوم لکڑی کے کاریگر تھے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاریہ سے خود فرمایا تھا کہ اپنے غلام سے منبر بنوادو کیونکہ مسلمان زیادہ ہوچکے تھے اس سے پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ستون حنانہ سے ٹیک لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے،اس منبر کی تین سیڑھیاں تھیں ہر سیڑھی کی بلندی ایک بالشت لمبائی ایک ہاتھ تھی۔(از مرقاۃ و اشعۃ)

۳؎ یعنی آپ کا قیام و رکوع منبر پر ہوا اور سجدہ زمین پر کیونکہ جمعہ میں دیہات سے بھی مسلمان آتے تھے،انہیں نماز سکھانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اونچے کھڑے ہوئے،اب کسی امام کو اس طرح نماز پڑھانی جائز نہیں،یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بحالت نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز سیکھا کرتے تھے،ہم سجدہ گاہ کو دیکھیں وہ قبلہ گاہ کو دیکھتے تھے۔

۴؎ بلکہ منبر بھی اسی لیے بنایا گیا اگر تَعَلَّمُ لام کی شد سے ہو تو معنی ہوں گے تم نماز سیکھ لو،غالب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کی تیسری سیڑھی پر نماز پڑھی،پھر رکوع کے بعد مسلسل تین قدم سے اترے مصلے پر پہنچے،پھر سجدہ کے بعد مسلسل قدموں سے منبر پر پہنچے،ہمارے واسطے یہ اعمال مفسد نماز ہیں،لہذا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرے میں نماز پڑھی اور لوگ حجرے کے پیچھے آپ کی اقتداء کررہے تھے ۱؎(ابوداؤد) |

۱؎ یہ نماز تراویح تھی اور حجرہ چٹائی کا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کے لیے اپنے پاس چٹائی کھڑی کرلی تھی،عائشہ صدیقہ کا حجرہ مراد نہیں کیونکہ اس میں رہتے ہوئے لوگ آپ کی اقتداء نہیں کرسکتے تھے کیونکہ آپ کسی کو نظر نہ آتے۔خیال رہے کہ اب بھی اگر چٹائی اتنی چھوٹی ہو کہ کھڑے ہونے پر مقتدیوں کو امام نظر آسکے تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے،بعض شارحین نے سمجھا کہ یہ مرض وفات شریف کی نماز ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ صدیقہ کے حجرے سے نماز پڑھائی ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس زمانہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امام رہے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوران جماعت میں دو آدمیوں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر باہر تشریف لائے لہذا اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ امام حجرے میں رہ کر مسجد کے نمازیوں کو پڑھائے۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابومالک اشعری سے کہ آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ بتاؤں فرمایا نماز کی تکبیر کہی اور مردوں کی صف بنائی ان کے پیچھے بچوں کی صف پھر انہیں نماز پڑھائی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا ذکر کیا ۱؎ پھر فرمایا نماز اس طرح ہے،عبدالاعلی کہتے ہیں مجھے یہ ہی خیال ہے کہ فرمایا میری امت کی نماز ۲؎(ابوداؤد) |

۱؎ یعنی اول سے آخر تک نماز کی ساری کیفیت بیان فرمائی،راوی نے یہاں اختصارًا ذکر نہ کیا۔

۲؎ یعنی تاقیامت میری امت کی نماز ایسی ہی ہونی چاہیے کہ مردوں کی صف آگے ہو اور بچوں کے پیچھے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت قیس ابن عباد سے ۱؎ فرماتے ہیں اس حال میں کہ میں مسجد میں پہلی صف میں تھا کہ مجھے پیچھے سے کسی نے کھینچا مجھے ہٹادیا اور میری جگہ خود کھڑا ہوگیا خدا کی قسم مجھے اپنی نماز کی خبر نہ رہی ۲؎ جب فارغ ہوئے وہ ابی ابن کعب تھے فرمایا اے جوان اللہ تمہیں کبھی غمگین نہ کرے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم سے عہد ہے کہ آپ سے قریب رہیں ۳؎ پھر آپ قبلہ رو ہوئے اور فرمایا رب |

| | |
|---|---|
| | کعبہ کی قسم حکومتوں والے ہلاک ہوگئے تین بار کہا پھر فرمایا خدا کی قسم ان پر غم نہیں کرتا لیکن غم ان پر کرتا ہوں جنہوں نے انہیں بہکایا میں نے کہا اے ابو یعقوب عقد والوں سے آپ کی کیا مراد ہے فرمایا امیر لوگ ۴؎(نسائی) |

۱؎ آپ تابعین بصرہ میں سے ہیں، ثقہ ہیں، بہت کم حدیثیں بیان کرتے تھے عبادت گزار شب بیدار تھے، اشعۃ اللمعات نے انہیں شیعہ کہا۔ واللہ اعلم ! آپ کو حجاج نے قتل کرایا۔

۲؎ یعنی مجھے اتنا غصہ آیا کہ یہی یاد نہ رہا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں اور کتنی باقی ہیں، کیونکہ افضل جگہ سے ہٹنا مجھے بہت ناگوار گزرا اسی لیے حضرت ابی ابن کعب نے اگلا کلام فرمایا۔

۳؎ یعنی امام کے پیچھے عاقل بالغ علم والا کھڑا ہو کہ بوقت ضرورت امام کے قائم مقام کھڑا ہوسکے۔غالب یہ ہے کہ قیس نابالغ تھے اس لیے انہیں ہٹایا گیا۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ کسی کو اس کی جگہ سے ہٹا کر خود کھڑا ہونا ممنوع ہے مگر شرعی ضرورت سے جائز ہے۔دوسرے یہ کہ بچہ بڑے کے برابر نماز میں کھڑا ہوجائے تو اس سے بڑے کی نماز جاتی نہیں،کیونکہ اب تک جن کے برابر قیس کھڑے تھے ان کی نماز درست رہی۔ تیسرے یہ کہ امام کے پیچھے لائق امامت آدمی کھڑا ہو۔

۴؎ آپ کا اشارہ آئندہ ظالم حکام کی طرف ہے جیسے بنی امیہ کے ظالم بادشاہ اور ان کا عملہ فرمایہ رہے ہیں کہ وہ حکام بھی ہلاک اور انہیں حاکم بنانے والے مسلمان بھی برباد ہوں گے کیونکہ حضرت ابی ابن کعب کی وفات زمانہ عثمان میں ہوئی اس وقت تک خلفاء نائب رسول تھے اور انکے حکام عادل۔

باب الامامۃ

امامت کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ امام کے معنی ہیں پیشوا راہبر،اُمٌّ سے بنا،بمعنی قصدوارادہ یعنی جس کی پیروی کا لوگ قصد کریں،اب دینی پیشوا کو کہا جاتا ہے۔امامت دو قسم کی ہے:امامت صغریٰ یعنی نماز کی امامت،امامت کبریٰ یعنی خلافت اسلامیہ عثمانیہ یہاں امامت صغریٰ مراد ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابو مسعود سے فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قوم کی امامت وہ کرے جو کتاب اللہ کا زیادہ قاری ہو ۱ا گر قرأت میں سب برابر ہوں تو سنت کا زیادہ جاننے والا ۲ا گر سنت میں سب برابر ہوں تو پہلے ہجرت والا اگر ہجرت میں سب برابر ہوں تو زیادہ عمر رسیدہ ۳ کوئی شخص کسی شخص کی ولایت کی جگہ امامت نہ کرے اور نہ اس کے گھر میں اس کے بغیر اجازت اعلیٰ مقام پر بیٹھے ۴(مسلم)اور مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ کوئی شخص کسی شخص کی اس کے گھر میں امامت نہ کرے۔ | |

۱ عہدِ نبوی میں قریبًا سارے صحابہ نماز کے مسائل کے عالم تھے مگر قاری کوئی کوئی تھا اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ امامت کے لیے مقدم وہ ہے جو عالم ہونے کے ساتھ قاری بھی ہو۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ قاری غیر عالم،عالم غیر قاری سے مقدم ہوگا۔دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات شریف میں صدیق اکبر کو امام بنایا حالانکہ ابی ابن کعب صحابہ میں بڑے قاری تھے،بلکہ فرمایا جہاں ابو بکر موجود ہوں وہاں کسی کو امامت کا حق نہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عمل اس حدیث کی تفسیر ہے اسی لیے امام اعظم وامام شافعی وغیرہم امامت میں عالم کو قاری پر مقدم رکھتے ہیں کیونکہ علم کی ضرورت نماز کے ہر رکن میں ہے،قرأت کی ضرورت صرف ایک رکن میں،امام ابویوسف اور بعض دیگر علماء نے ظاہر حدیث کو دیکھ کر قاری کو عالم پر مقدم رکھا مگر قول اول نہایت صحیح ہے۔

۲ یعنی اگر قرأت سب کی یکساں ہو تو صرف عالم کو مقدم کرو۔خیال رہے کہ یہاں علم سنت سے مراد نماز کے احکام کا جاننا ہے نہ کہ سند یافتہ عالم ہونا اور یہ کلام اس جگہ کے لیے ہے جہاں کوئی امام مقررہ نہ ہو یعنی ایسوں کو امام بناؤ لیکن جس مسجد میں امام مقرر ہو تو وہاں وہی امامت کا حقدار ہوگا اسے کوئی عالم یا قاری نہیں ہٹا سکتا اس کے لیے اگلی حدیثیں آرہی ہیں۔

۳؎ غرض کہ امام میں مقتدیوں پر کوئی دینی فوقیت چاہیئے اب شرعی ہجرت تو موجود نہیں زیادتی عمر کا ہی اعتبار ہوگا،بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں ہجرت سے مراد گناہوں کا چھوڑنا ہے(ہجرت معنوی)یعنی پھر متقی پرہیزگار غیر متقی پر مقدم ہوگا۔
۴؎ یعنی جہاں امام مسجد مقرر ہو وہاں وہی نماز پڑھائے گا اگرچہ اس سے بڑا عالم یا قاری موجود ہو،معلوم ہوا کہ گزشتہ ترتیب وہاں کے لیے تھی جہاں امام پہلے سے مقرر نہ ہو،ہاں مقررہ امام کی اجازت سے دوسرا نماز پڑھا سکتا ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تین آدمی ہوں تو ان میں ایک امام بن جائے ان میں امامت کا زیادہ حقدار قاری ہے ۱؎(مسلم)اور مالک ابن حویرث کی حدیث فضل اذان کے بعد والے باب میں بیان ہوگی ۲؎ | |

۱؎ یعنی اگرچہ قاری عالم کا امام بننا افضل ہے لیکن اگر ان کے سوا کوئی اور بھی امام بن گیا تو نماز ہوجائے گی۔اس سے معلوم ہوا کہ افضل کے ہوتے مفضول کا امام بننا جائز ہے۔اس جگہ مرقاۃ نے فرمایا کہ اگرچہ مفضول امام بن جائے مگر افضل پیچھے رہ کر بھی اس سے افضل ہے،دیکھو بلال جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے جائیں گے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہو کر۔
۲؎ اس میں یہ ذکر تھا کہ تم میں اذان کوئی کہہ دے مگر امامت بہتر آدمی کرے،وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی میں نے وہاں بیان کی۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اذان بہترین لوگ دیں اور تمہاری امامت قاری لوگ کریں ۱؎(ابوداؤد) | |

۱؎ یعنی مؤذن متقی پرہیزگار اور نماز کے اوقات جاننے والا چاہیے کیونکہ لوگوں کی نمازیں،افطار،سحریاں کھانا پینا اس کی اذان سے وابستہ ہیں،نیز یہ اکثر اذان کے لیے اوپر چڑھتا ہے جس سے کبھی لوگوں کے گھروں میں نظر پڑ جاتی ہے۔خیال رہے کہ مؤذن میں عالم ہونے کی قید نہیں کیونکہ مؤذن دوسرے کے علم سے فائدہ اٹھا سکتا ہے مگر امام دوران نماز میں دوسرے کے علم سے استفادہ نہیں کرسکتا،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کے لیے حضرت بلال کو منتخب فرمایا حالانکہ علماء صحابہ موجود تھے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابو عطیہ عقیلی سے فرماتے ہیں کہ مالک ابن حویرث ۱؎ ہمارے پاس ہماری مسجد میں آتے اور بات چیت کیا کرتے تھے ایک دن نماز کا وقت آگیا ابو عطیہ کہتے ہیں کہ ہم نے ان سے کہا آگے بڑھیے نماز پڑھایئے وہ بولے کہ تم اپنے کسی آدمی کو آگے بڑھاؤ جو تمہیں نماز پڑھائے اور میں بتاؤں گا کہ میں نماز کیوں نہیں پڑھاتا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو کسی قوم کی | |

| | |
|---|---|
| | ملاقات کو جائے وہ ان کی امامت نہ کرے ان کی امامت انہیں میں کا کوئی کرے ۲ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) مگر نسائی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ پر کفایت کی۔ |

۱ آپ صحابی ہیں، صرف ۲۰ روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے، بصرہ میں قیام رہا، ۹۴ھ میں، وہیں وفات پائی۔

۲ مالک ابن حویرث کو پوری حدیث نہ پہنچی، وہاں یہ تھا کہ ان کی بغیر اجازت امامت نہ کرے، اس لیے آپ نے اجازت کے باوجود نماز نہ پڑھائی، یہ ہے صحابہ کا انتہائی تقویٰ، شارحین نے اس کے اور وجوہ بیان کیے ہیں مگر یہ وجہ بہت قوی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم کو اپنا نائب کیا تاکہ لوگوں کو نماز پڑھائیں حالانکہ اور وہ نابینا تھا ۱ (ابوداؤد) |

۱ یعنی جب آپ غزوۂ تبوک میں تشریف لے گئے، تو حضرت علی مرتضٰی کو مدینہ منورہ کی حفاظت اہل وعیال کی نگہداشت دشمنوں کے انتظام کا خلیفہ بناگئے اور عبداللہ ابن ام مکتوم کو نماز کی امامت کا چونکہ علی مرتضٰی اتنی ذمہ داریوں کے ہوتے امامت کے فرائض انجام نہیں دے سکتے تھے اس لیے آپ پر پابندی نہیں لگائی گئی اور چونکہ باقی لوگوں میں عبداللہ ابن ام مکتوم کی برابر کوئی عالم نہ تھا اس لیے باوجود نابینا ہونے کے آپ کو امام بنایا گیا۔ خیال رہے کہ حضرت ابن ام مکتوم کی امامت اتفاقی تھی مگر صدیق اکبر کی امامت اتفاقی نہ تھی وہاں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جس قوم میں ابو بکر ہوں وہاں کسی اور کو امامت کا حق نہیں لہذا صدیق اکبر کی امامت ان کی خلافت کی دلیل تھی، مگر یہ امامت خلافت کی دلیل نہیں۔ فقیر کی اس تقریر سے اس حدیث پر سے حسب ذیل اعتراضات اٹھ گئے: (۱) یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر علی مرتضٰی کو خلیفہ بنایا تھا یہ حدیث اس کے خلاف ہے۔ (۲) علی مرتضٰی جیسے فقیہ وعالم کی موجودگی میں انہیں امام کیوں بنایا گیا۔ (۳) نابینا کی امامت مکروہ ہے پھر انہیں امام کیوں بنایا گیا۔ (۴) معلوم ہوا کہ صدیق اکبر کو نماز کا امام بنانا آپ کی خلافت کی دلیل نہیں، ورنہ ابن ام امکتوم بھی خلیفہ ہونے چاہئیں۔ خیال رہے کہ نابینا کی امامت مکروہ نہیں صرف خلاف اولیٰ ہے مگر جب نابینا عالم قوم ہو تو خلاف اولیٰ بھی نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم کو دوبارہ اپنا خلیفہ بنایا ہے، بعض نے فرمایا کہ اس امت میں عبس وتولیٰ والے واقعہ کا بدلہ کرنا مقصود تھا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین شخصوں کی نماز ان کے کانوں سے آگے نہیں بڑھتی ۱ بھاگا ہوا غلام حتی کہ لوٹ آئے اور وہ عورت جو اس حالت میں رات گزارے کہ اس کا خاوند ناراض ہو ۲ اور قوم کا امام کہ قوم اسے ناپسند کرے ۳ (ترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔ |

۱ یعنی قبولیت تو کیا بارگاہِ الٰہی میں پیش بھی نہیں ہوتی جیسے دوسری نیکیاں پیش ہوتی ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: "اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ"۔ چونکہ کان انسان کا سب سے قریب عضو ہے کہ اس سے ہی تلاوت کی آواز سنی جاتی ہے اس لیے اس کا ذکر ہوا۔

۲؎ عورت کی بد خُلقی اور نافرمانی کی وجہ سے اور اگر بلاوجہ ناراض ہے تو عورت کا کوئی نقصان نہیں اور اگر ظلم مرد کی طرف سے ہے تو حکم برعکس ہوگا یعنی بغیر عورت کو راضی کئے مرد کی نماز قبول نہ ہوگی۔(لمعات مرقاۃ)

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں امام سے مراد نماز کا امام ہے اور ناپسندیدگی سے مراد امام کی جہالت یا بدعملی یا بدمذہبی کی وجہ سے ناراضی ہے ۔اگر لوگ دنیاوی وجہ سے ناراض ہوں تو اس کا اعتبار نہیں بلکہ اس صورت میں وہ لوگ گنہگار ہوں گے۔خیال رہے کہ ناراضی میں اکثر کا اعتبار ہے دو چار آدمی تو ہر ایک سے ناراض ہوتے ہی ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین شخص ہیں جن کی نماز قبول نہیں ہوتی جو کسی قوم کے آگے کھڑا ہو جائے حالانکہ وہ اسے ناپسند کرتے ہوں اور وہ شخص جو نماز میں پیچھے آئے یہ کہ فوت ہونے کے بعد آئے ۱؎ اور وہ شخص جو کسی آزاد کو غلام بنالے ۲؎(ابوداؤد،ابن ماجہ) |

۱؎ یعنی نماز قضا کردینے یا بلاوجہ جماعت چھوڑ دینے کا عادی ہوگیا ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ جماعت واجب ہے اس کے چھوڑنے کی عادت فسق ہے۔

۲؎ مُحَرَّرَۃً رَقَبَۃً پوشیدہ کی صفت ہے۔آزاد کو غلام بنانے کی دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ ظلمًا آزاد کو پکڑ کر غلام بنالیا جائے جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کے ساتھ کیا۔دوسرے یہ کہ اپنے غلام کو خفیہ طور پر آزاد کرکے پھر غلام بنالیا جائے۔غلام ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے کچھ نہ کہہ سکے،ایسے ظالم کی نماز کیسے قبول ہوسکتی ہے۔چونکہ عرب میں اسلام سے پہلے اس قسم کی حرکتیں عام ہوتی تھیں اس لیے یہ وعید ارشاد فرمائی گئی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت سلامہ بنت حر سے ۱؎ فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علامات قیامت سے یہ ہے کہ مسجد والے ایک دوسرے پر ٹالیں کوئی امام نہ پائیں جو انہیں نماز پڑھائے ۲؎(احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ) |

۱؎ آپ صحابیہ ہیں،قبیلہ بنی ازد سے یا بنی اسد سے،ان کی حدیثیں کوفہ میں زیادہ مشہور ہوئیں۔

۲؎ یعنی مسلمان مسجد میں جمع ہوں اور ہر ایک دوسرے سے کہے کہ تو نماز پڑھا۔مقصد یہ ہے کہ قریب قیامت جہالت ایسی عام ہوجائے گی کہ مسلمانوں کے مجمعوں میں کوئی امامت کے قابل نہ ملے گا،بعض دفعہ لوگ اکیلے اکیلے نماز پڑھ کر چلے جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تکلفًا امامت کو ٹالنا بھی ممنوع ہے۔مرقاۃ نے یہاں فرمایا اس حدیث کی بناء پر علماء نے امامت،تعلیم قرآن وغیرہ عبادتوں پر اجرت جائز کی تاکہ مسجدیں ویران نہ ہوجائیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جہاد تم پر واجب ہے ہر امیر کے ساتھ نیک ہو بد ۱؎ اگرچہ گناہ کبیرہ کرے اور ہر مسلمان کے پیچھے تم پر نماز واجب ہے نیک ہو یا بد اگرچہ گناہ کبیرہ کرے ۲؎ اور ہر مسلمان کی نماز جنازہ |

| | |
|---|---|
| | واجب ہے نیک ہو یا بد اگرچہ گناہ کبیرہ کرے ۳؎(ابوداؤد) |

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ جہاد کے لیے امیر شرط ہے لیکن امیر کے لیے قریشی یا متقی ہونا شرط نہیں،ہر مسلمان امیر کے ماتحت جہاد جائز ہے یعنی اگر فاسق و فاجر امیر بن گیا ہو تو اس کے ساتھ جہاد کرو،ہاں فاسق کو امام بنانا منع ہے،دیکھو امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کو امام نہ بنایا جان دے دی لہذا ان کا وہ عمل اس حدیث کے خلاف نہیں۔

۲؎ فقہاء فرماتے ہیں کہ فاسق کو امام بنانا منع لیکن اگر وہ امام بن چکا ہو تو اس کے پیچھے نماز جائز،اس مسئلے کا ماخذ یہ حدیث ہے۔خیال رہے کہ یہاں فاسق سے مراد بدعمل ہے نہ کہ بدمذہب لہذا قادیانی،چکڑالوی،شیعہ امام کے پیچھے ہرگز نماز جائز نہیں،نیز اگر فاسق نماز میں کوئی ایسی بدعملی کررہا ہے جس سے خود اس کی نماز مکروہ تحریمی ہورہی ہے اس کے پیچھے بھی نماز جائز نہیں،جیسے کوئی سونا یا ریشم پہن کر یا داڑھی منڈائے،نیکر پہنے،گھٹنا کھولے نماز پڑھائے کیونکہ جو نماز مکروہ تحریمی فعل کے ساتھ ادا کی جائے اس کا لوٹانا واجب۔یہاں حدیث میں فاسق سے مراد وہ ہے جو نماز میں فسق نہ کررہا ہو جیسے جھوٹا یا غیبت کرنے والا آدمی کہ وہ یہ جرم نماز میں نہیں کرتا۔

۳؎یعنی مسلمان میت کیسا ہی گنہگار ہو اس کا جنازہ ضرور پڑھا جائے گا۔خیال رہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقروض میت کا جنازہ نہ پڑھا تاکہ لوگ قرض سے بچیں مگر صحابہ سے پڑھوادیا،آپ کا وہ عمل اس حدیث کے خلاف نہیں۔فقہاء فرماتے ہیں کہ چار شخصوں کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے:ڈاکو جو مقابلے میں مارا جائے،ماں باپ کا قاتل جب کہ قصاص میں مارا جائے،خناق یعنی خفیہ طور پر لوگوں کا گلا گھونٹ کر مار دینے والا،باغی جو جنگ میں مارا جائے۔(درمختار)اس مسئلے کا ماخذ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کا عمل شریف ہے۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عمرو بن سلمہ سے۱؎فرماتے ہیں کہ ہم لوگ گھاٹ پر رہتے تھے ہم پر قافلے گزرتے تھے ہم ان سے پوچھتے رہتے تھے کہ لوگوں کے کیا حال ہیں اور ان صاحب کا کیا حال ہے ۲؎ وہ کہتے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے انہیں رسول بنایا انہیں فلاں فلاں وحی کی میں اس وحی کو یاد کرتا رہتا تھا گویا وہ میرے سینے میں پیوست ہوجاتی تھی ۳؎اہل عرب اسلام قبول کرنے میں فتح مکہ کے منتظر تھے کہتے تھے کہ انہیں ان کی قوم کے ساتھ چھوڑ دو اگر وہ ان پر غالب آجائیں تو سچے نبی ہیں ۴؎جب فتح مکہ کا واقعہ ہوگیا تو ہر قوم اسلام لانے میں جلدی کرنے لگی میرے والد اپنی قوم کی طرف سے اسلام لانے جلدی پہنچے ۵؎جب آئے تو بولے خدا کی قسم میں سچے نبی کی طرف سے آرہا ہوں فرمایا کہ فلاں نماز فلاں وقت میں اور فلاں نماز فلاں وقت میں پڑھا کرو جب وقت نماز آئے تو تمہارا کوئی اذان دے اور امامت وہ کرے جسے قرآن زیادہ یاد ہو ۶؎انہوں نے دیکھا تو مجھ سے |

| | |
|---|---|
| زیادہ قرآن دان کوئی نہ تھا کیونکہ میں قافلوں سے یاد کرتا رہتا تھا انہوں نے مجھے ہی آگے کردیا حالانکہ میں چھ یا سات سال کا تھا۷ مجھ پر ایک چادر تھی کہ جب میں سجدہ کرتا تو چڑھ جاتی (کھل جاتی) قبیلہ کی ایک عورت بولی کہ اپنے قاری کے چوتڑ کیوں نہیں ڈھکتے تب انہوں نے میرے لیئے قمیص خرید کر کٹوائی مجھے جتنی خوشی اس قمیص سے ہوئی اتنی کسی سے نہ ہوئی تھی۸ (بخاری) | |

۱؎ حق یہ ہے کہ آپ صحابی نہیں ہے،آپ کے والد تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرگئے ہیں لیکن آپ کی ملاقات ثابت نہیں،آپ انصار میں سے ہیں۔

۲؎ یعنی ہمارا قبیلہ کسی دریا کے گھاٹ پر تھا جہاں سے دن رات قافلے گزرتے ہیں،چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شریف سارے عرب میں پھیل چکا تھا ہم نے بھی سن لیا تھا اس لیئے جو قافلہ مدینہ طیبہ سے آتا ہم اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور لوگوں کے برتاوے پوچھا کرتے تھے۔

۳؎ یعنی بعض لوگ آیات قرآنیہ ہمیں سنایا کرتے تھے ہمارے بڑے تو سن کر بھول جاتے تھے مگر میں بچہ تھا مجھے ایک ایک لفظ یاد رہتا تھا کہ بچپن کا حفظ پتھر کی لکیر ہوتا ہے،نیز میرے قلب میں وہ کلام بہت ہی اثر کرتا تھا اس لیئے میں شوق سے بھی یاد کرتا تھا۔مثل مشہور ہے ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔

۴؎ یعنی ہمارے علاقے کے عرب لوگوں نے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات دیکھے نہ تھے اس لیئے انہوں نے فتح مکہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی دلیل سمجھ رکھا تھا کیونکہ ان حالات اور اس ماحول میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فتح مکہ فرمانا معجزہ ہی تھا لہذا اس جملہ پر کوئی اعتراض نہیں۔

۵؎ یہ اس آیت کی تفسیر ہے "وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللہِ اَفْوَاجًا" کہ ہر طرف سے فوج در فوج لوگ آکر مشرف باسلام ہوتے تھے،میرے والد حضرت سلمہ اپنی قوم کے نمایندے بن کر حاضرِ بارگاہ ہوئے۔

۶؎ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرت کو نماز کے احکام بہت تفصیلی بتائے باقی زکوۃ وغیرہ کے اجمالی کیونکہ مسلمان ہوتے ہی نماز فرض ہوجاتی ہے زکوۃ سال بعد اس دوران میں وہ مسائل سیکھ سکتے ہیں اور چونکہ ابھی انکی قوم میں عالم ملے گا نہیں اس لیئے صرف حافظ آیات امام بنانے کا حکم دیا گیا اسی لیئے آگے یہ نہ فرمایا کہ اگر قرأت میں برابر ہوں تو عالم کو لو لہذا اس حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ قاری امامت میں عالم پر مقدم ہو۔

۷؎ یعنی اب انہوں نے امامت کے لیئے کسی کو منتخب کرنا چاہا تو میں انتخاب میں آیا کیونکہ مجھے پہلے ہی سے آیاتِ قرآنیہ یاد تھیں مجھے میرے والد نے نماز پڑھنے کا طریقہ (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھ کر آئے تھے) بتاکر آگے کھڑا کردیا میں چھ یا سات برس کا تھا اور میرے پیچھے بوڑھے جوان سب تھے۔خیال رہے کہ یہ حضرات ابھی مسائلِ نماز سے خبردار نہ تھے اس لیئے انہوں نے ایسے بچے کو امام بنایا جسے ستر کی بھی پوری خبر نہ تھی جیسا کہ آگے آرہا ہے۔اس سے بعض لوگ بچے کی امامت پر دلیل پکڑتے ہیں مگر یہ غلط ہے ورنہ انہیں چاہیئے کہ وہ ننگے امام کے پیچھے نماز پڑھا کریں ان حضرات کی یہ نمازیں لوٹانے کے قابل نہ تھیں کیونکہ ابھی قوانینِ اسلام شائع نہیں ہوئے تھے انکی بے علمی انکے لیئے عذر تھی۔

۸؎ کیونکہ مجھے امامت بھی ملی اور ساتھ ہی قوم کی طرف سے ایک قسم کا انعام بھی۔ خیال رہے کہ امام اعظم کے نزدیک بچے کی امامت کسی نماز میں جائز نہیں نہ نفل میں نہ فرض میں۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ بچہ جس پر حدود جاری نہیں امامت نہ کرے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ بلوغت سے پہلے بچے کی امامت جائز نہیں۔ یہی قول حضرت عمر فاروق اور صدیق اکبر کا ہے۔ بالغ کے نفل شروع کردینے سے واجب ہوجاتے ہیں، مگر بچے کے شروع کرنے کے بعد بھی نفل رہتے ہیں۔ تعجب ہے ان بزرگوں پر جوان صاحبزادے کی روایت پر تو عمل کرتے ہیں مگر فقہا صحابہ کے قول پر عمل نہیں کرتے۔ (مرقاۃ) اس کی پوری بحث ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ جب پہلے مہاجر مدینہ میں آئے تو ان کی امامت ابوحذیفہ کے غلام سالم کرتے تھے حالانکہ ان میں حضرت عمر اور ابوسلمہ بن عبدالاسد ہوتے ۱؎ (بخاری) | |

۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے بعض صحابہ مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے جن میں حضرت عمر اور سیدنا ام سلمہ کے خاوند ابو سلمہ ابن اسد جیسے صحابہ بھی تھے لیکن چونکہ اس وقت ابوحذیفہ ابن عتبہ ابن ربیعہ کے فارسی غلام زیادہ قاری اور عالم بھی تھے اس لیئے وہ امام رہے۔اس سے معلوم ہوا کہ افضل کے ہوتے مفضول امامت کرسکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قرآن چار شخصوں سے سیکھو، ابن مسعود، ابی ابن کعب، معاذ ابن جبل، سالم مولیٰ ابی حذیفہ (جامع صغیر سیوطی)

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین شخص ہیں جن کی نماز ان کے سروں سے بالشت بھر اونچی نہیں اٹھتی وہ شخص جو کسی قوم کی امامت کرے جو اس سے ناراض ہوں اور وہ عورت جو رات گزارے حالانکہ اس کا خاوند اس پر ناراض ہو اور دو بائیکاٹ کرنے والے مسلمان بھائی ۱؎ (ابن ماجہ) | |

۱؎ یعنی جو دو مسلمان دنیاوی وجہ سے ایک دوسرے سے قطع تعلق کرچکے ہوں ان دونوں کو امام نہ بناؤ تاکہ اس وجہ سے وہ آپس میں صلح صفائی کرلیں۔ خیال رہے کہ دینی وجہ سے بائیکاٹ عین عبادت ہے جیسے ہم مرزائیوں وغیرہ سے دور رہیں ایسے ہی کسی کی اصلاح کے لیئے اس کا بائیکاٹ کرنا جائز، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ نے حضرت کعب ابن مالک کا کچھ سکھانے کے لیئے چالیس دن بائیکاٹ کیا، لہذا یہ حدیث اپنے عموم پر ہے۔

## باب ما علی الامام

### باب امام پر کیا چیزیں ہیں۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱یعنی امام پر مقتدیوں کے کیا کیا حقوق ہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ میں نے امام کے پیچھے کبھی نماز نہ پڑھی جس کی نماز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہلکی اور زیادہ پوری ہوا۱آپ بچے کے رونے کی آواز سنتے تو ہلکی کردیتے اس خوف سے کہ اس کی ماں گھبرا جائے گی ۲(مسلم،بخاری) | |

۱یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کی نماز دراز نہ ہوتی تھی اس کے باوجود کوئی مستحب تک نہیں چھوٹتا تھا۔خیال رہے کہ ہلکی نماز سے یہ مراد نہیں کہ سنتیں چھوڑ دیں یا اچھی طرح ادا نہ کریں بلکہ مراد یہ ہے کہ نماز کے ارکان دراز نہ کرے بقدر کفایت ادا کرے جیسے رکوع سجدے کی تسبیحیں تین بار کہے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کتنی ہی لمبی قرأت کرتے مگر مقتدیوں کو ہلکی ہی معلوم ہوتی تھی لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں۔

۲چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عورتیں بھی نماز پڑھتی تھیں جو اپنے بچوں کو گھر سلا کر آتی تھیں،جب گھروں سے ان کے رونے کی آواز آتی تو سرکار ان کی ماؤں کے خیال سے نماز ہلکی کرتے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابو قتادہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نماز شروع کرتا ہوں اور اسے دراز کرنا چاہتا ہوں کہ بچے کی رونے کی آواز سن لیتا ہوں تو نماز میں اختصار کرتا ہوں کیونکہ اس کے رونے سے اس کی ماں کی سخت گھبراہٹ جان لیتا ہوں۱(بخاری) | |

۱اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نمازی کا باہر کی آواز سن لینا اور اس کا لحاظ کرنا خشوع نماز کے خلاف نہیں۔دوسرے یہ کہ نماز میں غیر معین مقتدی کی رعایت کرنا درست ہے جیسے بعض صورتوں میں مقتدیوں کی وجہ سے نماز ہلکی کی جاسکتی ہے،ایسے ہی رکوع میں ملنے والوں یا وضو کرنے والوں کی وجہ سے نماز دراز کی جاسکتی ہے،کسی معین شخص کی نماز میں رعایت کرنا حرام بلکہ شرک خفی ہے۔یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے کہ صدیق اکبر بحالت نماز آپ کو دیکھ کر مقتدی بن جاتے تھے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ | |

| | |
|---|---|
| | علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے ہلکی کرے کہ ان میں بیمار اور کمزور اور بڈھے ہیں اور جب اکیلے پڑھے تو جتنی چاہے دراز کرے ا(مسلم،بخاری) |

ا لیکن اب عوام اماموں کا حال برعکس ہے کہ اکیلی نماز مختصر پڑھتے ہیں اور جماعت کی نماز طویل خدا ہدایت دے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت قیس ابن حازم سے فرماتے ہیں کہ مجھے ابو مسعود نے خبر دی کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ خدا کی قسم میں فلاں کی وجہ سے نماز فجر سے پیچھے رہتا ہوں کیونکہ وہ دراز بہت کرتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن سے زیادہ کسی وعظ میں غضب ناک نہ دیکھا پھر فرمایا کہ تم میں سے بعض نفرت والے ہیں جو کوئی بھی لوگوں کو نماز پڑھائے وہ مختصر کرے کیونکہ ان میں کمزور بوڑھے اور کام کاج والے ہیں ا(مسلم،بخاری) |

ا اس سے معلوم ہوا کہ امام کے قصور کی بنا پر اگر کوئی شخص جماعت چھوڑ دے تو گنہگار وہ نہیں ہے بلکہ امام، نیز حاکم یا بزرگ کے سامنے امام کی شکایت کر دینا جائز ہے، نہ یہ غیبت ہے اور نہ امام کی سرتابی، نیز حاکم مقتدیوں کے سامنے امام پر سختی بھی کر سکتا ہے اور ملامت بھی، اس میں اس کی اصلاح ہے نہ کہ ذلیل کرنا۔ درازئ نماز اگرچہ عبادت ہے مگر جب کہ اس سے کوئی خرابی نہ پیدا ہو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہیں امام نماز پڑھایا کریں گے اگر درستی کریں تو تمہارے لیئے مفید ہے اور اگر خطا کریں تو تمہارے لیئے مفید ان کے لیئے مضر ا(بخاری) |

ا یعنی اگر ایسی غلطی کریں جس کی تمہیں خبر نہ ہو تو تم معذور وہ مجرم لیکن اگر تمہیں پتہ چل جائے تو تم پر نماز کا اعادہ وغیرہ واجب ہے۔ چنانچہ اگر معلوم ہو جائے کہ امام بے دین یا بے وضو یا بے غسل تھا یا اس کے کپڑے میں نجاست لگی تھی تو سب پر نماز لوٹانا واجب ہے۔ چنانچہ امام محمد نے کتاب الاثار میں باسناد صحیح روایت کی "عَنْ اِبْرَاهِیْمَ ابْنِ یَزِیْدٍ مَکِّیٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِیْنَارٍ عَنْ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ" کہ آپ نے فرمایا جو جنابت میں نماز پڑھائے تو امام و مقتدی دونوں نماز لوٹائیں، نیز عبدالرزاق نے حضرت جعفر سے روایت کی کہ ایک دفعہ حضرت علی نے جنابت میں نماز پڑھادی تو آپ نے خود بھی نماز لوٹائی اور مقتدیوں کو بھی لوٹانے کا حکم دیا، نیز عبدالرزاق نے ابوامامہ سے روایت کی کہ ایک بار حضرت عمر نے جنابت میں نماز پڑھادی تو آپ نے نماز لوٹائی مقتدیوں نے نہ لوٹائی علی مرتضی کو پتہ چلا تو آپ نے فاروق اعظم سے فرمایا کہ سب کو نماز لوٹانی چاہیئے تھی حضرت ابن مسعود نے آپ کی تائید کی تب عمر فاروق نے رجوع کیا اور سب کی نماز لوٹائی، نیز سارے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر امام بغیر تکبیر تحریمہ نماز پڑھائے تو کسی کی نماز نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ جنبی بے وضو اور نجس کپڑے والے کی تحریمہ ہی صحیح نہیں لہذا ان کی نمازیں بغیر تحریمہ ہیں۔ بہرحال یہ حدیث نہ وہابیوں کی دلیل ہے نہ حنفیوں کے خلاف۔

**نوٹ:** اس حدیث کی بنا پر وہابی کہتے ہیں کہ امام کی نماز کے بطلان سے مقتدی پر کوئی اثر نہیں پڑتا مگر یہ غلط ہے۔

**مسئلہ:** اگرامام ایک عرصہ کے بعد کہے کہ میں کافر تھایا میں نے اب تک بے وضو نمازیں پڑھائی تو مقتدیوں پر نمازیں لوٹانافرض نہیں کیونکہ امام اس خبر کی وجہ سے فاسق ہوگیااور فاسق کی بات کااعتبار نہیں۔(فتح القدیر و مرقاۃ)

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عثمان ابن ابی العاص سے[1] فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے جوآخری عہد کیا تھاوہ یہ تھا کہ جب تم کسی قوم کی امامت کروتوانہیں ہلکی نماز پڑھاؤ[2] (مسلم)اس کی دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اپنی قوم کی امامت کروفرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں اپنے دل میں کچھ پاتا ہوں[3] فرمایاقریب آؤ مجھے اپنے سامنے بٹھایا اپناہاتھ میرے سینے پر دوپستانوں کے درمیان رکھا پھر فرمایا پھر و تواپناہاتھ میری پیٹھ میں دوکندھوں کے درمیان رکھا پھر فرمایا اپنی قوم کی امامت کرو[4] جوکسی قوم کاامام ہو تو نماز ہلکی پڑھائے کہ ان میں بڈھے بیمار مریض اور کمزور اور کام کاج والے ہیں اور جب کوئی نماز اکیلے پڑھے تو جیسے چاہے پڑھے۔ |

[1] آپ ثقفی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور عہد صدیقی و فاروقی میں طائف کے عامل رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بنی ثقیف نے مرتد ہونا چاہاتو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ ایمان میں آخر تھے کفر میں آگے کیوں ہوئے جاتے ہواور سب کوارتداد سے روک لیا۔

[2] غالبًاآپ کو طائف بھیجتے وقت آخری یہ وصیت فرمائی ہوگی۔

[3] امام بننے کی حالت میں کبر و غرور (نووی) یا وسوسے اور برے خیالات یا کمزوری جس کی وجہ سے امامت کی ہمت نہیں پڑتی، ہو سکتا ہے کہ تینوں ہی مراد ہوں۔

[4] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پھیرنے کی برکت سے آپ کے دل کی ساری بیماریاں جاتی رہیں،جرات وہمت پیدا ہوئی تب یہ حکم دیا گیا۔معلوم ہواکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کاہاتھ دافع البلاء، مشکل کشاہے،کیوں نہ ہو جب یوسف علیہ السلام کی قمیص یعقوب علیہ السلام کی آنکھ کی بیماریاں دور کرسکتی ہے تو سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کاہاتھ بلکہ آپ کالعاب دہن آپ کے تبرکات قلب و قالب کی تمام بیماریاں ایک آن میں دفع کرسکتے ہیں،ان کے سہارے سے کمزور طاقت ور ہوجاتے ہیں اور کم ہمت دلیر صلی اللہ علیہ وسلم۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حصرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ہلکی نماز کا حکم دیتے تھے اور خود صافات سے ہماری امامت کرتے تھے[1] (نسائی) |

۱؎ یعنی بہت لمبی نماز پڑھاتے تھے وجہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت میں ایسی دل کشی اور جاذبیت تھی کہ صحابہ پر لمبی نماز بھی ہلکی ہوتی تھی اور ان حضرات پر ایسا فیضان ہوتا تھا کہ بیمار اپنی بیماری بھول جاتے تھے کام کاج والے اپنی حاجات فراموش کر دیتے تھے اور کمزور طاقتور بن جاتے تھے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور احکام ہیں ہمارے اور۔ مرقاۃ نے فرمایا کہ اس وقت صحابہ کے ذوق کی یہ کیفیت ہوتی تھی وہ چاہتے تھے کہ ایک رکعت میں تمام عمر گزر جائے، مبارک ہیں وہ آنکھیں جنہوں نے وہ منہ دیکھا، مبارک ہیں وہ کان جنہوں نے خدا بھاتی آواز سنی۔ خیال رہے کہ اس حدیث میں عام حالات کا ذکر ہے ورنہ بعض خصوصی حالات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں مختصر بھی پڑھائی ہیں لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ آپ بچہ کے رونے کی آواز سن کر نماز ہلکی فرمادیتے تھے۔

## باب ما على الماموم من المتابعة وحكم المسبوق

### مقتدی پر پیروی واجب ہونے کا حکم اور حکم مسبوق ہونے کا باب ۱؎

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱؎ نماز کے ہر مقتدی کو ماموم کہتے ہیں۔ مقتدی کی تین قسمیں ہیں: مدرک: جو اول سے آخر تک امام کے ساتھ رہے۔ مسبوق: جو آخر نماز میں امام کے ساتھ ہو اول نہ پائے۔ لاحق: اس کا برعکس یعنی اول نماز پائے آخر نہ پائے۔ خیال رہے کہ مقتدی پر افعال نماز میں امام کی پیروی واجب ہے نہ کہ اقوال۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے جب آپ سمع الله لمن حمدہ کہتے تو ہم میں سے کوئی اس وقت تک پیٹھ نہ جھکاتا جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیشانی مبارک زمین پر رکھتے ۲؎ (مسلم، بخاری) | |

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں، غزوہ خندق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، اس سے پہلے غزوات میں لڑکپن کی وجہ سے اسلامی فوج میں نہ لیے گئے، جنگ جمل، صفین اور نہروان، میں امیر المؤمنین علی مرتضی کے ساتھ رہے۔

۲؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ شروع کردینے پر ہم قومہ سے جھکنا شروع کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی کا امام اسے اتنا پیچھے رہنا سنت ہے اور امام کے ساتھ رکن نماز میں ملنا واجب حتی کہ اگر امام رکوع سے سر اٹھائے اور مقتدی ابھی تک رکوع کی تین تسبیح نہیں پڑھ سکا تو تسبیحیں چھوڑ کر امام کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور اگر مقتدی رکوع میں امام سے پہلے اٹھ کھڑا ہوا تو پھر لوٹ جائے یہ اس کا ایک ہی رکوع ہوگا نہ کہ دو۔ (مرقاۃ)

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی جب نماز پوری ہوئی تو ہم پر اپنے چہرے سے متوجہ ہوئے فرمایا اے لوگو! میں تمہارا امام ہوں لہذا رکوع سجدے قیام اور فراغت میں مجھ سے آگے نہ بڑھو ۱؎ کیونکہ میں تم کو اپنے آگے سے بھی دیکھتا ہوں اور پیچھے سے بھی ۲؎ (مسلم) | |

۱؎ آگے بڑھنے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ امام سے پہلے رکوع میں پہنچے اور امام کے رکوع میں آنے سے پہلے اٹھ جائے اس صورت میں اس کا رکوع نہیں ہوا کیونکہ امام کے ساتھ شرکت نہ ہوسکی۔ دوسرے یہ کہ امام سے پہلے رکوع میں گیا مگر بعد میں امام بھی اسے مل گیا یہ مکروہ ہے لیکن رکوع صحیح ہوگا کیونکہ امام کے ساتھ شرکت ہوگئی۔

۲؎ یہاں مرقاۃ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بشریت بھی ہے اور ملکیت بھی (فرشتہ ہونا) آپ پر کبھی بشریت کے حالات ظاہر ہوتے تھے، کبھی ملکیت کے، ہر طرف سے دیکھنا فرشتہ کی صفت ہے جو بعض اوقات خصوصًا نماز میں آپ سے ظاہر ہوتی ہے۔ لطف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں احسان یہ ہے کہ نماز میں بندہ سمجھے کہ میں رب کو دیکھ رہا ہوں اگر یہ نہ سمجھ سکے تو کم از کم یہ سمجھے کہ رب مجھے دیکھ رہا ہے اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازی یہ سمجھ کر نماز پڑھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھ رہے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کمال احسان یہ ہے کہ نمازی یہ سمجھ کر نماز پڑھے کہ رب بھی مجھے دیکھ رہا ہے اور جناب مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام سے جلدی نہ کرو جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ کہے وَلَا الضَّآلِّیْنَ تو تم کہو آمین ۱؎ اور جب رکوع کرے تم رکوع کرو اور جب کہے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ تو تم کہو اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ۲؎ (مسلم، بخاری) مگر بخاری نے ذکر نہ کیا کہ جب وہ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے۔ | |

۱؎ یعنی نماز کے اقوال و افعال سب میں امام سے پیچھے رہو آگے نہ بڑھو۔ خیال رہے کہ دیگر تکبیروں میں مقتدی کا امام سے آگے بڑھنا مکروہ ہے مگر تکبیر تحریمہ میں آگے بڑھنا نماز کو فاسد کردے گا، وہاں ضروری ہے کہ امام کے بعد تکبیر کہے ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ اس تقسیم سے معلوم ہورہا ہے کہ مقتدی سورۂ فاتحہ نہ پڑھے گا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا کہ جب تم "وَلَا الضَّآلِّیْنَ" کہو تو تم "آمین" کہو۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ دونوں کلمے امام اور مقتدی پر تقسیم کیئے گئے ہیں، یہی ہمارا مذہب ہے یہاں "اَللّٰھُمَّ" بھی آگیا اور روایات میں نہیں ہر طرح جائز ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار ہوئے تو اس سے گر گئے تو آپ کی دائیں کروٹ چھل گئی۱؎ پھر آپ نے کوئی نماز بیٹھ کر پڑھی تو ہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر ہی پڑھی جب فارغ ہوئے تو فرمایا امام اس لیئے ہے کہ اس کی پیروی کی جائے تو جب وہ نماز کھڑے ہو کر پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو جب رکوع کرے تو تم رکوع کرو جب اٹھائے تو تم اٹھاؤ جب کہے سمع اللہ لمن حمدہ تو تم کہو ربنا لك الحمد جب وہ بیٹھ کر پڑھے تو تم سب بیٹھ کر پڑھو۲؎ حمیدی فرماتے ہیں کہ | |

| | |
|---|---|
| | یہ حکم کہ وہ بیٹھ کر پڑھے تم بیٹھ کر پڑھو آپ کے پرانے مرض میں تھا پھر اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز بیٹھ کر پڑھی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے تھے اور انہیں بیٹھنے کا حکم نہ دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل لیا جاتا ہے اور آخری یہ ہے ۳؎ یہ بخاری کے لفظ ہیں مسلم سے **اجمعون** تک متفق ہیں اور ایک روایت میں یہ زیادہ ہے کہ امام کی مخالفت نہ کرو جب سجدے کرے سجدہ کرو تم۔ |

۱؎ شیخ نے فرمایا کہ یہاں حضور کا گھوڑے سے گر جانا اور کروٹ چھیل جانا بحکم بشریت ہے شیخ کا مطلب یہ کہ معراج میں برق رفتار براق پر سوار ہونا اور آسمانوں کی سیر کرنا بہ تقاضائے ملکیت تھا۔

۲؎ امام احمد ابن حنبل فرماتے ہیں کہ اگر امام قبیلہ کا امام ہو اور اس کی بیماری بھی عارضی ہو مرض وفات نہ ہو اور نماز بیٹھ کر پڑھے تو مقتدی کو بھی بیٹھنا پڑے گا بلکہ ایسا امام اگر کھڑے ہو کر نماز شروع کرے اور اسے درمیان میں بیٹھنا پڑ جائے تو مقتدی بھی بیٹھ جائیں گے ان کا ماخذ یہ حدیث ہے، باقی تمام آئمہ اس کے خلاف ہیں وہ فرماتے ہیں یہ حدیث منسوخ ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔(لمعات)

۳؎ یہاں یہ اعتراض نہیں پڑ سکتا کہ وہ حضور کا قول تھا یہ فعل ہے اور قول فعل سے منسوخ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ کھڑا ہونا صحابہ کا فعل تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منع نہ فرمانا اس کی تائید ہے کیونکہ فعل قول کا ناسخ وہاں ہوتا جہاں فعل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کا احتمال ہو یہاں یہ بات نہیں، دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجام کی اجرت کو خبیث فرمایا اور خود ابو طیبہ سے فصد کھلوا کر انہیں اجرت دی آپ کا یہ فعل اس قول کا ناسخ ہے کیونکہ یہاں دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے لینا حضرت ابو طیبہ کا لہذا یہ آپ کے خصائص میں سے نہ رہا۔ خیال رہے کہ یہ حمیدی امام بخاری کے شیخ ہیں، وہ حمیدی نہیں جو جامع صحیحین ہیں، دھوکا نہ کھانا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے فرماتی ہیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سخت بیمار ہوئے تو حضرت بلال آپ کو نماز کی اطلاع دینے کے لیئے آئے ۱؎ فرمایا کہ ابو بکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں چنانچہ اس زمانے میں ابو بکر نماز پڑھاتے ۲؎ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طبیعت میں کچھ ہلکا پن پایا تو کھڑے ہوئے کہ دو شخصوں کے درمیان لے جائے جاتے تھے اور آپ کے قدم زمین پر گھسٹتے تھے ۳؎ حتی کہ آپ مسجد میں تشریف لائے جب صدیق اکبر نے آپ کی آہٹ محسوس کی تو آپ پیچھے ہٹنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ کیا کہ نہ ہٹو ۴؎ پس آپ تشریف لائے اور حضرت صدیق کی بائیں بیٹھ گئے ۵؎ کہ صدیق کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر اور صدیق اکبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے اور |

| | |
|---|---|
| لوگ صدیق اکبر کی نماز کی ۶؎ (مسلم، بخاری) اور ان دونوں کی دوسری روایت میں ہے کہ صدیق اکبر لوگوں کو تکبیر سنارہے تھے۔ | |

۱؎ فقہاء فرماتے ہیں کہ اذان کے بعد کسی خاص شخص کو دروازے پر جاکر نماز کی اطلاع دینا ممنوع ہے سوائے سلطان اسلام اور اس عالم دین کے جو ہر وقت دینی مشاغل میں رہتا ہے اس مسئلے کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۲؎ آپ نے ۱۷ نمازیں پڑھائیں ہیں۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ بعد انبیاء **افضل الخلق** ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ امام افضل ہی کو بنایا جاتا ہے۔دوسرے یہ کہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلافت کے آپ ہی مستحق ہیں کیونکہ، یہ امامت اصغریٰ امامت کبریٰ کی دلیل ہے گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر آپ کو اپنا خلیفہ بناد یا خلافت صرف قول سے ہی نہیں ہوا کرتی اسی لیئے تمام صحابہ خصوصًا حضرت علی مرتضٰی نے فرمایا کہ صدیق کو رسول اللہ نے ہمارے دین کا امام بنادیا تو ہم نے انہیں اسی دنیا کا امام بنالیا۔ تیسرے یہ کہ امامت کا مستحق پہلے عالم ہے پھر قاری۔چوتھے یہ کہ ابو بکر صدیق تمام صحابہ میں بڑے عالم ہیں۔(از مرقاۃ و مدارج النبوۃ)

۳؎ وہ دو شخص حضرت عباس و علی مرتضی ہیں یا حضرت عباس و اسامہ یا حضرت عباس و فضل ابن عباس۔(مرقات)اور ہو سکتا ہے کہ ایک جانب حضرت عباس اول سے آخر تک رہے ہوں اور دوسری جانب باری باری سے یہ حضرات۔ شیخ نے فرمایا کہ انبیاء کرام پر یہ بیماریاں اور کمزوریاں بشریت کے عوارض میں سے ہیں۔

۴؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ ان نمازوں میں تمام صحابہ خصوصًا صدیق اکبر کا منہ کعبہ کی طرف تھا اور دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف،زبان قرآن میں مصروف تھی اور کان جناب مصطفے کی طرف اس سے ان کی نماز زیادہ کامل ہوئی ورنہ نماز کے خشوع میں کسی کی آہٹ کیسے سنی جاسکتی ہے۔دوسرے یہ کہ صدیق اکبر عین نماز میں خصوصًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب کرتے تھے کہ ادبًا پیچھے ہٹ کر مقتدی بننے لگے یہ ادب شرک نہ تھا بلکہ کمال توحید۔ تیسرے یہ کہ صدیق اکبر نماز کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام بلکہ اشاروں کی اطاعت کرتے تھے کہ اشارہ پا کر کھڑے رہے کیوں نہ ہو کہ نماز بھی انہیں کی اطاعت ہے۔

۵؎ امام بن کر نہ کہ مقتدی ہو کر ورنہ داہنی جانب بیٹھتے۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے تمام کی امامتیں منسوخ ہو جاتی ہیں کیوں نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر تو انبیاء کی امامت کبریٰ یعنی نبوت منسوخ ہو گئی۔

۶؎ اس طرح کہ ابو بکر صدیق لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکبیریں پہنچاتے تھے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نماز کے دو امام تھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بوجہ ضعف دور تک نہ پہنچ سکتی تھی۔فقہاء فرماتے ہیں اگر امام بہت کمزور ہو یا پیچھے مجمع زیادہ ہو تو مؤذن یا دیگر مقتدی امام کی تکبیریں لوگوں تک پہنچائیں اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اپنا سر امام سے پہلے اٹھالیتا ہے وہ اس سے نہیں ڈرتا کہ اللہ اس کا سر گدھے کا سا کردے ۱؎ (مسلم، بخاری) | |

۱؎ یہ حدیث اپنے ظاہری معنی پر ہے کسی کی تاویل کی ضرورت نہیں یعنی امام سے آگے بڑھنا اتنا جرم ہے کہ اس پر صورت مسخ ہو سکتی ہے اگر کبھی نہ ہو تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا صدقہ ہے۔یہاں مرقاۃ نے ایک عجیب واقعہ بیان کیا کہ ایک محدث دمشق کے کسی مشہور شیخ کے پاس حدیث سیکھنے گئے وہ شیخ پردے میں رہ کر انہیں حدیث پڑھایا کرتے تھے ایک دن ان کے اصرار پر پردہ اٹھایا تو ان کی

صورت گدھے کی سی تھی اور فرمایا کہ میں اس حدیث کو خلاف عقل سمجھ کر آزمائش کے لیے امام سے آگے بڑھا تھا تو اس مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت علی اور معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی نماز کو آئے اور امام کسی حالت میں ہو تو جیسا امام کر رہا ہے وہی خود کرے۱(ترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔ |

۱؎ یعنی اپنی باقیماندہ نماز پہلے نہ پڑھے بلکہ امام کے ساتھ شریک ہو جائے سلام پھیرنے کے بعد باقی ماندہ نماز پوری کرے یہ حکم مسبوق کا ہے،لاحق کا حکم اس کے برعکس ہے وہ پہلے چھوٹی ہوئی نماز بغیر قرأت پڑھے گا پھر امام کے ساتھ ملے گا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم نماز کو آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو تم بھی سجدہ کرلو اور اسے کچھ شمار نہ کرو۱ اور جس نے رکوع پالیا اس نے رکعت پالی۲(ابوداؤد) |

۱؎ یعنی سجدہ ملنے سے رکعت نہ ملے گی ہاں ثواب مل جائے گا،شیئًا سے یہی مراد ہے۔

۲؎ اس حدیث کے دو مطلب ہیں:ایک یہ کہ رکعت سے مراد رکوع ہے اور صلوۃ سے مراد رکعت یعنی رکوع مل جانے سے رکعت مل جاتی ہے۔معلوم ہوا کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ورنہ فرض رہ جانے پر رکعت نہ ملتی،۔دوسرے یہ کہ رکعت سے مراد رکعت ہے اور صلوۃ سے مراد نماز یعنی جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پالی اسے جماعت مل گئی۔اس لیئے امام محمد نے فرمایا کہ جمعہ اسے ملے گا جسے امام کے ساتھ ایک رکعت مل جائے کیونکہ اس سے کم ملنے پر جماعت نہیں ملتی اور جماعت جمعہ میں شرط ہے مگر شیخین فرماتے ہیں کہ جو سلام سے پہلے جماعت میں داخل ہو گیا اس کو جمعہ مل گیا حتی کہ اگر امام کے سجدہ سہو میں مل گیا تب بھی جمعہ مل جائے گا،تفصیل کتب فقہ میں دیکھو۔

**واقعہ عجیبہ:** اس جگہ ملا علی قاری نے حدیث کے ضعف اور قوت پر بحث کرتے ہوئے مرقاۃ میں فرمایا کہ شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ مجھے حدیث پہنچی تھی کہ جو ستر ہزار بار کلمہ شریف پڑھ لے یا پڑھ کر کسی کو بخش دیا جائے تو اس کی مغفرت ہوتی ہے میں نے اتنا کلمہ پڑھ لیا تھا،ایک دن میرے ہاں دعوت میں ایک صاحب کشف جوان حاضر تھا اچانک رونے لگا،سبب پوچھا بولا کہ میں اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں،میں نے اپنے دل میں پڑھا ہوا وہ کلمہ اس کی ماں کو بخش دیا وہ جوان اچانک ہنس پڑا اور بولا کہ اب میں اسے جنت میں دیکھتا ہوں،میں نے اس حدیث کی صحت اس ولی کے کشف سے معلوم کی اور اس کے کشف کی صحت حدیث سے۔اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اولیاء کے سامنے جنت دوزخ وہاں رہنے والے سب ہیں۔اور مروجہ تیجہ جس میں چنوں پر سوا لاکھ کلمہ طیبہ پڑھوا کر بخشا جاتا ہے درست ہے۔یہ واقعہ مولوی محمد قاسم نے بھی تحذیر الناس میں حضرت جنید بغدادی کی طرف منسوب کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اللہ کے لیئے چالیس دن باجماعت نماز پڑھے کہ پہلی تکبیر پاتا رہے تو اس کے لیئے دو پروانے لکھے جائیں گے ایک پروانہ آگ سے آزادی کا دوسرا نفاق سے آزادی کا۱(ترمذی) |

۱ یعنی اس عمل کی برکت سے یہ شخص دنیا میں منافقین کے اعمال سے محفوظ رہے گا،اسے اخلاص نصیب ہوگا،قبر و آخرت میں عذاب سے نجات پائے گا۔خیال رہے کہ انسانی تبدیلیاں چالیس پر ہوتی ہیں،بچہ ماں کے پیٹ میں ۴۰ دن نطفہ،چالیس دن خون،پھر چالیس روز اور پارہ گوشت رہتا ہے،بعد ولادت ماں کو چالیس دن نفاس آسکتا ہے،چالیس سال میں عقل کامل ہوتی ہے اس لیئے یہاں بھی چالیس کا عدد مذکور ہوا۔ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص چالیس دن اخلاص اختیار کرے تو اس کے دل کی طرف زبان پر حکمت کے چشمے پھوٹیں گے۔یہ حدیث صوفیاء کے چلو کی اصل ہے۔مرقاۃ نے فرمایا سلف صالحین کی اگر کوئی جماعت چھوٹ جاتی تو سات سات روز تک لوگ تعزیت کے لیئے آتے۔تکبیر تحریمہ پانے کے معنی یہ ہیں کہ امام کی قرأت شروع ہونے سے پہلے مقتدی "سُبۡحَانَكَ اللّٰهُمَّ" پڑھ لے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وضو کرے تو اچھا کرے پھر چلے لوگوں کو پائے کہ نماز پڑھ چکے،اللہ اسے اس کی طرح ثواب دے گا جس نے نماز باجماعت پڑھی،یہ ان کے ثواب سے کچھ کم نہ کرے گا ۱ (ابوداؤد،نسائی) |

۱ کیونکہ اس نے جماعت کی نیت و کوشش تو کی اتفاقًا نہ پاسکا بلکہ جماعت چھوٹ جانے پر مومن کو جو حسرت اور افسوس ہوتا ہے اس کا ثواب بہت ہے یہ سب کچھ اس کے لیئے ہے جس نے کوتاہی نہ کی ہو وقت کے اندازے میں غلطی ہوگئی ہو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں ایک صاحب آئے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تھے تو حضور نے فرمایا کہ کیا کوئی ایسا شخص نہیں جو ان پر احسان کرے کہ ان کے ساتھ نماز پڑھے ایک صاحب کھڑے ہوئے ان کے ساتھ نماز پڑھ لی ۱(ترمذی،ابوداؤد) |

۱ یہ کھڑے ہونے والے صاحب ابوبکر صدیق تھے جیسا کہ بیہقی شریف میں ہے اور یہ وقت فجر عصر و مغرب کے علاوہ ہوگا وہ صاحب امام بنے ابوبکر صدیق مقتدی ان کے فرض ادا ہوئے صدیق اکبر کے نفل۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جماعت ثانیہ جائز ہے،بازار کی مسجد میں تو ہر طرح،محلے کی مسجد میں جہاں امام و مقتدی مقرر ہوں وہاں پہلے امام کی جگہ سے ہٹ کر۔دوسرے یہ کہ دو شخصوں کی جماعت سے بھی ثواب جماعت مل جاتا ہے۔تیسرے یہ کہ اگر فرض والے کے ساتھ ایک نفل والا بھی شریک ہوجائے تب بھی جماعت کا ثواب مل جائے گا۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عبید اللہ ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کیا آپ مجھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی بابت کچھ نہ بتائیں گی فرمایا ہاں ضرور ا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بہت بیمار ہوگئے تو فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہم نے کہا یارسول اللہ نہیں وہ آپ کے منتظر ہیں فرمایا ہمارے لیئے لگن میں پانی رکھو فرماتی ہیں ہم نے کردیا ۲ آپ نے غسل کیا پھر اٹھنے لگے تو بے ہوش ہوگئے ۳ پھر افاقہ ہوا تو فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہم نے کہا یارسول اللہ نہیں وہ آپ کا انتظار کررہے ہیں فرمایا ہمارے لیئے لگن میں پانی رکھو فرماتی ہیں پھر حضور بیٹھے پھر غسل کیا پھر اٹھنے لگے تو آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی ۴ پھر کچھ افاقہ ہوا تو فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہم نے عرض کیا یارسول اللہ نہیں وہ لوگ آپ کے منتظر ہیں فرمایا ہمارے لیے لگن میں پانی رکھو پھر بیٹھے پھر غسل کیا پھر اٹھنے لگے تو بے ہوش ہوگئے ۵ پھر افاقہ ہوا تو فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہم نے عرض نہیں یارسول اللہ وہ آپ کے منتظر ہیں اور لوگ مسجد میں ٹھہرے ہوئے آخری عشاء کے لیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے تھے ٦ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیق کو پیغام بھیجا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں آپ کے پاس قاصد آیا ۷ عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو حکم دیتے ہیں کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں ۸ ابو بکر صدیق نرم دل تھے فرمایا اے عمر تم لوگوں کو نماز پڑھاؤ ۹ عمر فاروق نے عرض کیا کہ اس کے حقدار آپ ہی ہیں ۱۰ چنانچہ اس زمانے میں ابو بکر صدیق نماز پڑھاتے رہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس میں ہلکا پن پایا اور دو شخصوں کے درمیان نماز ظہر کے لیئے نکلے جن میں سے ایک عباس تھے ۱۱ اور ابو بکر لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے جب ابو بکر صدیق نے آپ کو دیکھا تو پیچھے جانے لگے ۱۲ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ کیا کہ پیچھے نہ جاؤ فرمایا کہ ابو بکر کے برابر بٹھا دوان دونوں نے | |

| | |
|---|---|
| آپ کو ابو بکر کے برابر بٹھادیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے ۱۳؎ عبید اللہ کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت عبداللہ ابن عباس کے پاس گیا اور ان سے عرض کیا کہ میں آپ پر وہ حدیث پیش نہ کروں جو مجھے حضرت عائشہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے متعلق سنائی فرمایا لاؤ میں نے ان پر ان کی پوری حدیث پیش کردی آپ نے اس کا کچھ بھی انکار نہ کیا بجز اس کے فرمایا کیا حضرت عائشہ نے تمہیں ان صاحب کا نام بھی بتایا جو حضرت عباس کے ساتھ تھے میں نے کہا نہیں فرمایا وہ علی تھے ۱۴؎ (مسلم، بخاری) | |

۱؎ مرض سے مراد مرض وفات شریف ہے،چونکہ اس زمانہ میں ام المؤمنین ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تیمار دار ہی ہیں۔اس لیئے صحابہ کرام آپ ہی سے اس مرض کے حالات پوچھا کرتے تھے۔خیال رہے کہ یہ سائل حضرت عبید اللہ ابن عبداللہ ابن عتبہ ابن مسعود ہذلی ہیں۔یعنی عبداللہ ابن مسعود کے بھتیجے اور عمر بن عبدالعزیز کے استاد،فقہائے مدینہ میں سے تھے،تابعی تھے،نابینا تھے،۹۲ھ میں وفات پائی۔حق یہ ہے کہ ان کے والد بھی تابعی ہیں،ان کی وفات ۷۴ھ میں ہوئی۔

۲؎ مخضب اور مرکن قریبًا ہم معنی ہیں۔یعنی کپڑے دھونے کا برتن۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز جماعت سے کتنی محبت تھی کہ ایسی سخت تکلیف میں بھی جماعت ہی کی فکر ہے۔صحابہ کرام کا یہ عشق تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر نماز نہ پڑھتے تھے اگرچہ قضا ہی ہو جائے۔

۳؎ شاید یہ غسل سے مراد وضو یا وضو کے لیئے ہاتھ دھونا ہے۔ورنہ ہر بار غسل کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی،نیز جب ضعف کا یہ حال ہے کہ جنبش پر غشی طاری ہو جاتی ہے تو غسل کیسے ہو سکتا ہے۔

۴؎ بے ہوشی ایک قسم کی بیماری ہے لہذا انبیائے کرام پر طاری ہو سکتی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**فَخَرَّ مَوْسٰی صَعِقًا**"۔جنون خرابی عقل ہے اور عیب اس سے انبیاء کرام محفوظ ہیں۔بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء پر غشی بھی گھڑی دو گھڑی کی آسکتی ہے نہ کہ مہینہ دو مہینہ کی کہ وہ غشی جنون کی مثل ہے۔

۵؎ بعض کا خیال ہے کہ یہ بار بار غسل علاج کے لیئے تھا کہ بخار کا علاج غسل تھا مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ عرب میں بعض بخاروں کا علاج سورج نکلنے کے وقت کا غسل ہے،نیز اگر علاجًا ہوتا تو یہ بعد نماز بھی ہو سکتا تھا۔

۶؎ نہ دروازہ عالیہ پر آواز دیتے تھے کہ بے ادبی ہے اور نہ اکیلے نماز پڑھتے تھے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء سے محرومی ہے۔

۷؎ یعنی حضرت بلال مؤذن رسول اللہ بعض تاریخی روایات میں ہے کہ آپ روتے ہوئے آئے اور کہا کہ لوگو مدینہ اجڑ چلا،مسجد نبوی ویران ہو چلی آج بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جماعت ہوگی پھر یہ پیغام عرض کیا۔

۸؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ امر وجوب کے لیئے ہے کیونکہ بعض روایات میں بھی ہے کہ فرمایا جہاں ابو بکر ہوں وہاں کسی کی امامت کا حق نہیں۔

۹؎ اس فرمان میں حکم سرکاری سے سرتابی نہیں بلکہ اظہار معذوری ہے کیونکہ آپ کو اندیشہ تھا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مصلٰی خالی دیکھ کر صبر نہ کرسکوں گا،لوگوں کو قرأت نہ سنا سکوں گا،چیخیں نکل جائیں گی۔

۱۰؎ یعنی میری کیا مجال کہ آپ کی موجودگی میں امام بنوں،آپ جناب مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے انتخاب میں آچکے،آپ کی اس امامت سے لوگوں کی تقدیریں وابستہ ہوچکیں،اس سے بہت سے سربستہ راز کھلیں گے،آگے بڑھیئے اللہ آپ کو صبر دے گا۔

۱۱؎ یعنی داہنی طرف اور بائیں طرف باری باری سے حضرت علی مرتضٰے فضل ابن عباس اور اسامہ ابن زید جیسا کہ مرقاۃ وغیرہ میں ہے۔خیال رہے کہ یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تیمارداری کی وجہ سے جماعت میں شریک نہ ہوئے وہ سمجھتے تھے کہ یہ آخری خدمت ہے جتنا موقع مل جائے غنیمت ہے۔شعر

نمازیں گرقضاہوں پھرادا ہوں　نگاہوں کی قضائیں کب ادا ہوں

۱۲؎ معلوم ہوا کہ ان نمازوں میں صدیق اکبر بجائے سجدہ گاہ کے جناب مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ کو کنکھیوں سے دیکھتے تھے یعنی تن بکاراور دل بیار پر عمل تھاایسی کامل نماز کسے نصیب ہوسکتی ہے۔

۱۳؎ خیال رہے کہ یہ حضرات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حجرے شریف سے محراب النبی تک لائے یعنی آدھی صف کے سامنے سے گزرے ان کے لیئے یہ گزرنا جائز تھاکیونکہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تھا۔شرعی حکم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے۔خیال رہے کہ صدیق اکبر نے اس زمانہ میں ۱۷نمازیں پڑھائیں ہیں کیونکہ دو دن پہلے عشاء کے وقت آپ کو امام بنایا گیا اور آج ظہر کو یہ وقعہ ہوا۔

۱۴؎ بعض کم عقلوں نے کہا کہ حضرت عائشہ صدیقہ حضرت علی سے ناراض تھیں کیونکہ علی مرتضی نے تہمت کے موقعہ پر آپ کی حمایت پر زور نہ دیا تھابلکہ یہ کہا تھا کہ حضور آپ کو بیویاں اور بھی مل جائیں گی مگر یہ غلط ہے کیونکہ دوسروں سے عائشہ صدیقہ نے آپ کا نام لیا ہے جیسا کہ بہت سی روایات میں ہے۔(مرقاۃ) نیز تعجب ہے کہ ام المؤمنین یہاں تو علی مرتضٰی کا نام تک نہ لیں ادھر آپ کے اکثر فضائل کی روایتیں حضرت عائشہ صدیقہ سے ہی مروی ہیں،نام نہ لیں فضائل بیان کریں یہ کیسے ہوسکتا ہے بلکہ اس کی وجہ وہی ہے جو ہم پہلے عرض کرچکے کہ اس جانب کچھ دور حضرت علی مرتضٰی رہے،کچھ دور فضل ابن عباس اور کچھ دور حضرت اسامہ ابن زید۔خیال رہے کہ یہ واقعہ ہفتہ یااتوار کی ظہر کا ہے۔سوموار یعنی خاص وفات کے دن فجر کے وقت اولًاآپ نے پردہ اٹھاکر جماعت کو دیکھااور دعائیں دیں،دوسری رکعت میں تشریف لاکر نماز میں شریک ہوگئے پہلے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم امام ہوئے ہیں اور صدیق مقتدی مگر سوموار کی فجر میں صدیق اکبر ہی امام رہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے پیچھے ایک رکعت پڑھی ہے اور اسی دن وفات شریف ہوگئی۔یہ مرقاۃ کی تحقیق ہے اور اس سے تمام روایتیں جمع ہوجاتی ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے تھے جس نے رکوع پالیااس نے رکعت پالی اور جس سے الحمد کی قرأت چھوٹ گئی اس کی بہت خیر جاتی رہی ۱؎(مالک) |

۱؎ اس کی شرح پہلے ہوچکی وہاں بتایا جاچکا ہے کہ رکوع پانے سے رکعت مل جاتی ہے اور مقتدی پر فاتحہ پڑھنا فرض نہیں۔خیال رہے کہ رکوع پانے کے یہ معنی ہیں کہ یہ مقتدی تکبیر تحریمہ کہے پھر بقدر ایک تسبیح قیام کرے پھر تکبیر کہہ کر رکوع میں جائے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ جو اپنا سر امام سے پہلے اٹھاتا جھکاتا ہے اس کی پیشانی شیطان کی ہاتھ میں ہے ۱؎(مالک) |

۱؎ یعنی شیطان اس سے یہ حرکتیں کرارہا ہے،یہ دونوں حدیثیں اگرچہ موقوف ہیں مگر مرفوع کے حکم میں ہیں۔

## باب من صلی صلوة مرتین

## باب جو دوبار نماز پڑھے ا

### الفصل الاول

### پہلی فصل

ا حقیقۃً دوبار پڑھے اس کی بہت صورتیں ہیں جن میں سے کچھ کا ذکر ممانعت کے اوقات میں ہو چکا ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے پھر اپنی قوم میں آتے انہیں نماز پڑھاتے ا (مسلم،بخاری) | |

ا اس کی شرح معہ تحقیق گزر چکی کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نفل کی نیت کرتے اور قوم کے ساتھ فرض پڑھتے تھے اور یہ نفل پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کی برکت حاصل کرنے کے لیئے تھا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے عشاء کی پھر اپنی قوم میں آتے انہیں عشاء پڑھاتے ان کی زائد نماز ہوتی ا | |

ا ظاہر یہ ہے کہ ھِیَ کا مرجع آپ کی پہلی نماز ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کی یعنی پہلی نماز نفل ہوتی تھی اور دوسری فرض اور اگر اس کا مرجع دوسری نماز ہو تو نافلۃ کے لغوی معنی مراد ہوں گے یعنی زائد۔قرآن کریم نے اس معنی میں فرض نماز کو بھی نفل فرمایا ہے: "فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد فرض تھی مگر اس کو نافلہ بمعنی زائدہ فرمایا گیا اور اگر مان لیا جائے کہ آپ اولًا فرض ہی پڑھتے تھے بعد میں نفل تو یہ آپ کا اجتہاد تھا اسی لیئے بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا اے معاذ یا تم میرے ساتھ نماز پڑھو یا اپنی قوم کو ہلکی نماز پڑھاؤ۔

### الفصل الثانی

### دوسری فصل

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت یزید ابن اسود سے ا فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے حج میں حاضر ہوا تو میں نے آپ کے ساتھ مسجد خیف میں فجر کی نماز پڑھی جب آپ نماز پوری کرچکے اور پھرے تو آخری قوم میں دو شخص تھے جنہوں نے آپ کے ساتھ | |

| | |
|---|---|
| | ساتھ نماز نہ پڑھی فرمایا انہیں میرے پاس لاؤ انہیں لایا گیا ان کے کندھے کانپ رہے تھے ۲؎ فرمایا کہ تمہیں ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روکا انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اپنی منزلوں میں نماز پڑھ چکے تھے فرمایا ایسا نہ کرو جب اپنی منزلوں میں نماز پڑھ لو پھر جماعت کی مسجد میں آؤ تو ان کی ساتھ بھی پڑھ لو کہ وہ تمہارے لیئے نفل ہو جائے گی ۳؎ (ترمذی،ابوداؤد،نسائی) |

۱؎ آپ صحابی ہیں،آپ کا شمار اہل طائف میں ہے کوفہ میں آپ کی احادیث بہت زیادہ شائع ہوئیں۔

۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت خداداد کی وجہ سے جیسا کہ احادیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہیبت بھی دی گئی اور محبوبیت بھی جو پہلی بار حاضر ہوتا مرعوب ہو جاتا جو حاضر رہتا وہ آپ کا عاشق جانباز بن جاتا۔

۳؎ یہ حکم استحبابی ہے نہ کہ وجوبی اور اس میں وہ نمازیں مراد ہیں جن کے بعد نفل جائز ہے ہر نماز مراد نہیں اگر ہر نماز مراد ہو تو یہ حدیث منسوخ ہے ان احادیث سے جن میں فرمایا گیا کہ فجر و عصر کے بعد نوافل نہ پڑھو،نیز اسی باب کے آخر میں آرہا ہے کہ جو فجر یا مغرب پڑھ چکا ہو پھر جماعت پالے تو اس کے ساتھ نہ پڑھے۔بہرحال یہ حدیث مطلقًا قابل عمل نہیں۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت بسر ابن محجن سے وہ اپنے والد سے راوی کہ وہ ایک مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ نماز کی اذان ہوئی ۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے نماز پڑھی اور واپس ہوئے محجن اپنی جگہ رہے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے تمہیں کون سی شئے مانع ہوئی کیا تم مسلمان نہیں ۲؎ عرض کیا ہاں یارسول اللہ لیکن میں اپنے گھر میں نماز پڑھ چکا تھا ۳؎ تب ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مسجد میں آؤ حالانکہ نماز پڑھ چکے ہو اور نماز کی تکبیریں کہی جائیں تو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ لو اگرچہ پہلے پڑھ چکے ہو ۴؎ (مالک و نسائی) |

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ آپ داخل مسجد میں حضور کے ساتھ تھے،اذان ہوتے حضور نے وہیں نماز پڑھی یہ وہیں بیٹھے رہے اسی بنا پر حضور کا ان پر وہ عتاب ہوا جو آگے آرہا ہے جیسا کہ عرض کیا جائے گا۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ جماعت اولیٰ کے وقت مسجد میں بیٹھا رہنا سخت گناہ بلکہ کفار کی علامت ہے یا توبہ نیت نفل جماعت میں شریک ہو جائے ورنہ تکبیر سے پہلے ہی وہاں سے چلا جائے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ کیا تم مسلمان نہیں اپنی بے علمی کی وجہ سے نہیں بلکہ یہی بتانے کے لیئے ہے کہ یہ علامت کفار کی ہے۔

۳؎ یہ سمجھ کر کہ مسجد میں نماز ہو چکی ہو گی۔ممکن ہے کہ یہ کسی دور کے محلّہ کے باشندے ہوں اور اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھ کر آئے ہوں۔بہر حال ان صحابی پر یہ اعتراض نہیں کہ انہوں نے بغیر جماعت گھر میں نماز کیوں پڑھی۔

۴؎ یہ حکم استحبابی ہے اور یہ نماز نفل ہو گی لہذا انہیں اوقات میں ہو سکے گی جن میں بعد فرض نفل جائز ہیں یعنی ظہر و عشاء۔خیال رہے کہ یہ جماعت اولیٰ کے آداب ہیں دوسری جماعتیں ہوتی رہیں تم وہاں بیٹھے رہو کیونکہ ابھی حدیث میں گزر چکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر کو حکم دیا کہ فلاں کے ساتھ نماز پڑھ لو وہ جماعت ہوتی رہی اور سرکا مع صحابہ مسجد میں تشریف فرما رہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے ایک شخص اسد ابن خزیمہ سے ا؎ کہ انہوں نے حضرت ابوایوب انصاری سے پوچھا کہا کہ ہم میں سے کوئی اپنی جگہ نماز پڑھ لے پھر مسجد میں آئے اور نماز کی تکبیر ہو تو کیا میں ان کے ساتھ نماز پڑھ لوں میرے دل میں اس سے کچھ شبہ ہے ۲؎ ابوایوب نے فرمایا کہ ہم نے اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے فرمایا یہ اس کے لیئے ڈبل حصہ ہے ۳؎(مالک وابوداؤد) |

ا؎ ایک قبیلہ کا نام ہے جس کا مورث اعلیٰ اسد ابن خزیمہ ابن مدرکہ ابن الیاس ابن مضر ہے لہذا یہ مضر کا ایک بطن ہے۔

۲؎ شبہ یہ ہے کہ جب گھر میں ایک بار نماز پڑھ لی تو دوبارہ کیوں پڑھوں ایک دن میں ایک نماز دوبارہ نہیں ہوا کرتی۔

۳؎ یعنی یہ جماعت کی نماز نفل ہو گی نہ کہ فرض لہذا ایک نماز دوبارنہ ہوئی اور اس سے تمہیں جماعت کا ثواب نفع میں مل جائے گا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت یزید ابن عامر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نماز میں تھے میں بیٹھ گیا اور ان کے ساتھ نماز میں شامل نہ ہوا ا؎ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے میں بیٹھا ہوا تھا تو فرمایا اے یزید تم مسلمان نہیں میں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ میں مسلمان ہو چکا فرمایا کہ تمہیں لوگوں کے ساتھ نماز میں شرکت سے کس نے منع کیا ۲؎ میں نے عرض کیا کہ میں اپنی جگہ میں نماز پڑھ چکا ہوں میں سمجھا کہ آپ حضرات نماز پڑھ چکے ۳؎ تو فرمایا کہ جب تم نماز کو آؤ اور لوگوں کو پاؤ ان کے ساتھ نماز پڑھو اگرچہ پڑھ چکے ہو یہ نماز تمہاری نفل ہو جائے گی اور وہ فرض ۳؎(ابوداؤد) |

ا؎ کیونکہ اپنے محلے کی مسجد میں باجماعت نماز پڑھ آیا تھا یا گھر میں اکیلے پڑھ چکا تھا یہ سمجھ کر مجھے دیر ہو گئی کہ مسجد نبوی میں نماز ہو چکی ہو گی۔

۲؎ یعنی جماعت اولیٰ کے وقت مسجد میں علیحدہ بیٹھا رہنا کفار کی علامت ہے تم نے ایسے کیوں کیا،اس سوال وجواب سے اظہار ناپسندیدگی مقصود ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے دلی حالات سے خبردار ہیں۔فرماتے ہیں احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں،جسے پتھروں کے دلوں کی خبر ہو اسے انسانوں کے دل کی خبر کیسے نہ ہوگی۔

۳؎ یعنی ترک جماعت کا ارادہ نہ تھا صرف غلط فہمی ہوگئی اس لیئے معذور ہوں۔

۴؎ یعنی جو اکیلے پڑھ آئے ہو وہ تو فرض ہوگی اور جو جماعت سے پڑھی وہ نفل ہوگی مگر یہ حکم نماز جمعہ کے لیئے نہیں کیونکہ اگر جمعہ کے دن کوئی اپنے گھر میں ظہر پڑھ لے پھر جمعہ میں آجائے تو اس کی ظہر باطل ہے اب نماز جمعہ فرض۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ کسی نے ان سے پوچھا عرض کیا کہ میں اپنے گھر میں نماز پڑھ لیتا ہوں پھر امام کے ساتھ مسجد میں نماز پاتا ہوں کیا اس کے ساتھ بھی پڑھوں فرمایا ہاں اس نے کہا ان دونوں میں سے اپنی نماز کسے سمجھوں ۱؎ حضرت ابن عمر نے فرمایا یہ تمہارا کام نہیں یہ تو اللہ عزوجل کا کام ہے ان میں سے جسے چاہے نماز بنائے ۲؎(مالک) |

۱؎ یعنی اس صورت میں میری فرض نماز کون سی ہوئی؟پہلی جو اکیلے پڑھی یا دوسری جو جماعت سے پڑھی۔غالبًا یہ گفتگو اس صورت میں ہے کہ نمازی نے دوسری نماز میں نفل کی نیت نہ کی بلکہ مطلقًا نماز کی یا غلطی سے اسے بھی فرض ہی سمجھ کر پڑھا۔خیال رہے کہ بلاسبب فرض دوبارہ پڑھنا ممنوع ہے اسے اس ممانعت کی خبر نہ تھی اس لیئے یہ سوال کیا۔

۲؎ بعض امام فرماتے ہیں کہ اس صورت میں دونوں نمازوں میں سے ایک فرض ہے ایک نفل،یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کون سی فرض ہے کون سی نفل ان کا ماخذ یہ حدیث ہے،باقی آئمہ کے ہاں پہلی نماز فرض ہے اور دوسری نفل۔اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ کیا خبر کون سی نماز قبول ہوئی ہو یا ممکن ہے کہ پہلی نماز کسی وجہ سے فاسد ہوچکی ہو تجھے خبر نہ ہوئی ہو،اللہ تعالٰی اس نفل کو اس فرض کے قائم مقام کردے یا رب قادر ہے کہ فرض کو نفل اور نفل کو فرض بنادے بہرحال دوسری نماز ہی شرعًا نفل ہے جیسا کہ ابھی احادیث میں گزر چکا،نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حکام دیر سے نماز پڑھنے لگیں تو تم اکیلے نماز پڑھ لیا کرنا پھر ان کے ساتھ بھی جماعت کے ساتھ پڑھ لیا کرنا یہ دوسری نفل ہوجائے گی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت سلیمان مولیٰ میمونہ سے ۱؎ فرماتے ہیں مقام بلاط میں حضرت ابن عمر کے پاس گئے لوگ نماز پڑھ رہے تھے ۲؎ میں نے عرض کیا کہ کیا آپ ان کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے ۳؎ فرمایا میں پڑھ چکا ہوں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ایک دن میں ایک نماز دوبارہ نہ پڑھو ۴؎(احمد،ابوداؤد،نسائی) |

۱؎ آپ سلیمان ابن یسار ہیں،ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام،بڑے فقیہ،محدث،عابد،وتارک الدنیا تابعی ہیں،آپ کے بھائی عطا ابن یسار ہیں،۷۳ عمر ہوئی، ۱۰۷ھ میں وفات پائی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

۲؎ بلاط لغت میں وہ پتھر ہے جس کا مکانوں میں فرش لگایا جاتا ہے یہاں وہ جگہ مراد ہے جو حضرت عمر نے مسجد نبوی شریف کے متصل چبوترے کی شکل میں بنائی تھی تاکہ اگر کسی کو کوئی دنیاوی بات کرنا ہو تو مسجد سے نکل کر وہاں جاکر کرے۔

۳؎ یعنی مسجد نبوی میں جماعت اولیٰ ہورہی ہے اور آپ یہاں بیٹھے ہیں کیا وجہ ہے۔خیال رہے کہ آپ مسجد سے علیحدہ بیٹھے تھے لہذا جائز تھا۔

۴؎ حق یہ ہے کہ یہ نماز فجر یا عصر یا مغرب تھی جس کے بعد نفل درست نہیں۔حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میں یہ نماز پڑھ چکا ہوں اور اس کے بعد نفل جائز نہیں تو لامحالہ دوبارہ فرض ہی کی نیت سے پڑھوں اور ایک دن میں ایک فرض دوبار ہو نہیں سکتے اسکے اور مطلب بھی بیان کیئے گئے مگر یہ بہتر ہے اس صورت میں یہ حدیث گزشتہ احادیث کے خلاف بھی نہیں اور اس پر کچھ شبہ بھی نہیں اگلی حدیث اس کی شرح ہے۔اسی لیئے فقہاء فرماتے ہیں کہ شہر میں بعد نماز جمعہ احتیاطی نفل کی نیت سے نفل کے طریقہ پر پڑھے کیونکہ فرض تو پڑھ چکا اور گاؤں میں جمعہ نہ پڑھے کہ وہاں جمعہ ہوتا نہیں اگر پڑھا تو نفل ہوگا اور نفل جماعت و خطبہ واذان سے پڑھنا، پھر فرض ظہر اکیلے پڑھنا بہت برا ہے لیکن اگر کسی نے پڑھ لیا تو بہت بعد میں ظہر فرض کی نیت سے پڑھے،ان مسائل کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ جو مغرب یا فجر پڑھ لے پھر انہیں امام کے ساتھ پالے تو دوبارہ نہ پڑھے۱؎(مالک) |

۱؎ یعنی فجر و مغرب پڑھ چکا ہو تو امام کے ساتھ دوبارہ نہ پڑھے کیونکہ فجر کے نفل ممنوع اور تین رکعت نفل نہیں ہوتے لہذا اسے دوبارہ فرض ہی پڑھنے پڑیں گے اور فرض دوبارہ ایک دن میں ہوتے نہیں لہذا نہ پڑھے۔اس حدیث نے گزشتہ تمام ان احادیث کی شرح کردی جہاں امام کے ساتھ دوبارہ پڑھ لینے کا حکم دیا گیا ہے۔معلوم ہوا کہ وہاں صرف ظہر و عشاء مراد ہیں۔خیال رہے کہ یہ حدیث موقوف ہے مگر مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ یہ بات قیاس سے نہیں کی جاسکتی۔

## باب السنن وفضائلها

### سنتوں اور ان کی فضیلت کا باب۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱یہاں وہ سنتیں مراد ہیں جو دن رات میں فرض نماز کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ،سنت مؤکدہ کو روایت بھی کہا جاتا ہے۔(لمعات) خیال رہے کہ سنت،نفل تطوع،مندوب،مستحب،مرغب،حسن یہ تمام الفاظ ہم معنی ہیں جن کا کرنا ثواب اور نہ کرنا گناہ نہیں۔بعض سنتیں مؤکدہ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ پڑھیں،بعض غیر مؤکدہ جو کبھی کبھی پڑھیں۔حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں فرائض کا نقصان نوافل سے پورا کیا جائے گا۔(مرقاۃ)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ام حبیبہ سے۱فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو دن رات میں بارہ رکعتیں پڑھا کرے اس کے لیئے جنت میں گھر بنایا جائے گا۲چار ظہر سے پہلے دو ظہر کے بعد دو رکعتیں مغرب کے بعد دو رکعتیں عشاء کے بعد دو رکعتیں فجر سے پہلے۳(ترمذی)اور مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کوئی مسلمان بندہ ایسا نہیں کہ اللہ کے لیئے ہر دن بارہ رکعتیں نفل پڑھ لیا کرے فرض کے علاوہ۴مگر اللہ اس کے لیئے جنت میں گھر بنائے گا یا جنت میں گھر بنایا جائے گا۔ |

۱آپ کا نام رملہ بنت ابوسفیان ہے،کنیت ابو حبیبہ امیر معاویہ کی بہن ہیں،آپ کی والدہ صفیہ بنت عاص یعنی حضرت عثمان غنی کی پھوپھی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کا نکاح نجاشی شاہ حبشہ نے کیا،۴۴ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

۲یعنی جنت کا اعلیٰ درجے کا محل اس کے لیئے نامزد کیا جائے گا کیونکہ وہاں مکانات تو پہلے ہی موجود ہیں یا ان سنن کی برکت سے اس کے لیئے نیا خصوصی گھر استعمال ہوگا کیونکہ جنت کا بعض سفیدہ بھی ہے جہاں اعمال کے مطابق محل تعمیر ہوتے ہیں جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔

۳یعنی بارہ سنتیں مؤکدہ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ پڑھتے تھے ظہر کا ذکر اس لیئے پہلے کیا کہ حضرت جبریل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی نماز یہ ہی پڑھائی اس لیئے اسے صلوۃ اولی کہتے ہیں ان میں سنت فجر بہت تاکیدی ہیں حتی کہ بعض نے انہیں واجب کہا۔سعید ابن جبیر فرماتے ہیں کہ اگر میں سنت فجر چھوڑ دوں تو خطرہ ہے کہ رب مجھے نہ بخشے۔

۴یعنی یہ رکعتیں اگرچہ مؤکدہ ہیں مگر فرض یا واجب نہیں،لہذا اس سے ان لوگوں کا رد ہوگیا جو سنت فجر کو واجب کہتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ |

| | |
|---|---|
| | صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعتیں ظہر سے پہلے ۱؎ اور دو رکعتیں اس کے بعد دو رکعتیں مغرب کے بعد گھر میں اور دو رکعتیں عشاء کے بعد گھر میں پڑھیں ۲؎ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت حفصہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر طلوع ہوتی تو دو ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے ۳؎ (مسلم، بخاری) |

۱؎ یہاں ساتھ پڑھنے سے مراد جماعت سے پڑھنا نہیں کیونکہ سوائے تراویح باقی سنن کی جماعت مکروہ ہے بلکہ ہمراہی میں پڑھنا مراد ہے یعنی میں نے بھی پڑھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جیسے رب بلقیس کا قول یوں نقل فرماتا ہے: "اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ" اس حدیث کی بناپر امام شافعی نے ظہر سے پہلے دو سنتیں مؤکدہ مانیں، ہمارے ہاں مؤکدہ چار ہیں جیسا کہ بہت سی احادیث میں ہے یہاں تحیۃ المسجد کے نفل مراد ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنت ظہر گھر میں ادا کر کے تشریف لاتے تھے۔ چنانچہ ازواج مطہرات کی روایت یوں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے چار سنتیں کبھی نہ چھوڑتے تھے۔

۲؎ یعنی میں نے مغرب وعشاء کے بعد کی سنتیں حضور کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پڑھیں اس گھر سے مراد حضرت حفصہ بنت عمر کا گھر ہے، چونکہ وہ آپ کی ہمشیرہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ پاک تھیں اس لیئے آپ کو وہاں جانا درست تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ سنتیں گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

۳؎ معلوم ہوا کہ سنت فجر جو گھر میں پڑھے اور ہلکی پڑھے۔ بعض صوفیاء اس کی رکعت اول میں الم نشرح اور دوسری میں الم تر کیف پڑھتے ہیں بعد میں ۷۰ بار استغفار پھر مسجد میں آکر باجماعت فرض، اس عمل سے بواسیر سے امن رہتی ہے، گھر میں برکت و اتفاق، چونکہ حضرت ابن عمر اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ ہوتے تھے اس لیئے حضرت حفصہ سے روایت کی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے کہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد نماز نہ پڑھتے حتی کہ لوٹ آتے تھے۔ پھر اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھتے ۱؎ (بخاری، مسلم) |

۱؎ جمعہ کے دن بعد کے متعلق تین روایتیں ہیں، دو پڑھتے تھے، چار پڑھتے تھے، چھ پڑھتے تھے پہلی روایت پر امام شافعی کا عمل ہے، دوسری پر امام اعظم کا تیسری پر ابویوسف کا چار کی روایات بھی آرہی ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن شقیق سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نفل نماز کے بارے میں دریافت کیا انہوں نے فرمایا کہ آپ میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے پھر تشریف لے جاتے لوگوں کو نماز پڑھاتے اور میرے گھر میں تشریف لاتے تو دو رکعتیں پڑھتے اور لوگوں کو نماز مغرب پڑھاتے پھر تشریف لاتے تو دو رکعتیں پڑھتے پھر لوگوں کو عشاء پڑھاتے اور میرے گھر میں |

| | |
|---|---|
| | تشریف لاتے تو دو رکعتیں پڑھتے ۲؎ اور رات میں نو رکعتیں پڑھتے تھے جن میں وتر بھی ہیں ۳؎ اور رات میں بہت دیر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے اور بہت دیر تک بیٹھ کر ۴؎ اور جب کھڑے ہوتے قرأت کرتے تو رکوع اور سجدہ بھی بیٹھ کر ہی کرتے ۵؎ اور جب فجر طلوع ہوتی تو دو رکعتیں پڑھتے (مسلم) ابوداؤد نے یہ بڑھایا کہ پھر جاتے لوگوں کو فجر پڑھاتے۔ |

۱؎ آپ مشہور تابعی ہیں بہت صحابہ سے آپ کی ملاقات ہے ۱۰۸ھ میں وفات پائی۔

۲؎ اس میں سنت مؤکدہ کی تعداد بھی معلوم ہوئی اور یہ بھی کہ سنتیں گھر میں ادا کرنا افضل ہے اگرچہ مسجد میں بھی جائز۔

۳؎ اس طرح کہ چھ رکعتیں تہجد اور تین وتر۔خیال رہے کہ تہجد کم از کم دو رکعت ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ آٹھ پر زیادہ عمل رہا۔

۴؎ یعنی تہجد کے نوافل بہت دراز پڑھتے تھے،بعض نفل کھڑے ہو کر بہت دراز پڑھتے اور بعض نفل بہت دیر تک بیٹھ کر پڑھتے۔

۵؎ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد تین طرح کی ہوتی تھی،پوری رکعت کھڑے ہو کر یعنی قرأت بھی کھڑے ہو کر اور رکوع وسجدہ بھی کھڑے سے ہی کرتے،پوری رکعت بیٹھ کر اور رکوع وسجدہ بھی بیٹھے ہی سے،بعض رکعت بیٹھ کر اور بعض کھڑے ہو کر یعنی اولًا بیٹھ کر نماز شروع کی پھر کچھ قرأت کرکے کھڑے ہوگئے پھر قرأت کی پھر رکوع یہ کبھی نہ کرتے کہ پوری قرأت بیٹھ کر کرتے پھر صرف رکوع کے لیئے کھڑے ہوتے کہ کھڑے ہوتے ہی رکوع میں چلے جاتے،ام المؤمنین یہی فرمارہی ہیں لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی رکعت میں بہت دیر تک بیٹھے قرأت کرتے تھے بہت دیر تک کھڑے ہو کر پھر رکوع۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنتوں سے زیادہ کسی نفل پر حفاظت نہ فرماتے تھے ۱؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بمقابلہ دوسری سنتوں کے فجر کی سنتوں کی بہت پابندی کرتے تھے کہ سفر وحضر میں نہ چھوڑتے تھے اور اگر فجر قضا پڑھتے تو سنتوں کی بھی قضا کرتے۔اسی لیئے فقہا فرماتے ہیں کہ یہ سنتیں بلا عذر بیٹھ کر نہ پڑھے اسی لیئے اگر جماعت فجر میں کوئی پہنچے اور سنتیں نہ پڑھی ہوں تو اگر جماعت مل جانے کی امید ہو تو جماعت سے علیحدہ سنتیں پڑھے،پھر جماعت میں مل جائے۔اس کی تحقیق ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی سنتیں دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہیں ۱؎ (مسلم) |

۱؎ یعنی سنت فجر مال واولاد اور تمام دنیاوی سامان سے پیاری ہونا چاہئیں اور دیگر سنتوں ومستحبات سے افضل ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مغفل سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھو،مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھو تیسری بار فرمایا جو چاہے اس |

| | |
|---|---|
| | خوف سے کہ لوگ اسے سنت بنالیں ۲؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ آپ صحابی ہیں،بیعت الرضوان میں شریک ہوئے،مدینہ منورہ میں قیام رہاپھر عہد فاروقی میں لوگوں کو فقہ سکھانے بصرہ بھیجے گئے،وہاں ہی رہے، ۶۰ھ میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی "لِمَنْ شَآءَ"اس لیئے فرمایا کہ لوگ ان رکعتوں کو سنت مؤکدہ یاواجب نہ جان لیں یہ سمجھ کر "صَلُّوْا"امر ہےاور امر وجوب کے لیئے آتاہے۔خیال رہے کہ بعض امام اس حدیث کی بناء پر فرماتے ہیں کہ نماز مغرب سے پہلے دو نفل مستحب ہے لیکن امام اعظم،امام مالک اور اکثر فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ نفل مکروہ ہیں۔اس حدیث کو منسوخ مانتے ہیں کہ شروع اسلام میں یہ حکم تھاپھر نہ رہاچند وجھوں سے:ایک یہ کہ تیسری فصل میں بحوالہ مسلم آرہاہے کہ عمر فاروق اس نفل پڑھنے والوں کو سزادیتے تھے۔دوسرے یہ کہ بروایت بخاری اسی دوسری فصل میں آرہاہے صحابہ نے ابو تمیم کو دو رکعتیں پڑھتے دیکھاتو **تعجبًا** ایک دوسرے سے شکایت کی۔تیسرے یہ کہ تمام صحابہ نے یہ نفل بعد میں چھوڑدیئے۔چوتھے یہ کہ ان نفلوں سے مغرب میں تاخیر ہوگی حالانکہ اسے جلدی پڑھنے کا حکم ہے۔پانچویں یہ کہ ہم **باب فضل اذان** میں ایک حدیث نقل کرچکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاہر دواذانوں یعنی اذان و تکبیر کے درمیان نماز ہے سوامغرب کے۔بہرحال جمہور علماء کے نزدیک یہ حدیث قابلِ عمل نہیں۔اس کی کچھ بحث **باب فضل اذان** میں گزر چکی اور اس کی پوری تحقیق فتح القدیر شرح ہدایہ میں دیکھو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو تم میں جمعہ کے بعد نماز پڑھے تو چار سنتیں پڑھ لے (مسلم)اور اس کی دوسری روایت میں ہے فرمایا جب کوئی تم میں جمعہ پڑھے تو اس کے بعد چار رکعتیں پڑھ لے ۱؎ |

۱؎یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ بعد جمعہ چار سنت مؤکدہ ہیں،امام یوسف کے ہاں چھ،اس طرح کہ فرض جمعہ کے بعد پہلے چار رکعتیں پڑھے پھر دو۔اس کی بحث پہلے گزر چکی۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ام حبیبہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو ظہر سے پہلے چار رکعتوں پر اور اس کے بعد چار رکعتوں پر پابندی کرے ۱؎ اللہ اسے آگ پر حرام کردے گا ۲؎ (احمد ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ) |

۱؎ اس طرح کہ پہلی چار ایک سلام سے پڑھے جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہاہے کیونکہ یہ چاروں مؤکدہ ہیں اور بعد کی چار دوسلاموں سے تاکہ مؤکدہ اور غیر مؤکدہ مخلوط نہ ہوجائیں کیونکہ ان میں پہلی دومؤکدہ ہیں بعد کی دو غیر مؤکدہ۔

۲؎ یعنی آگ میں ہیشگی سے مطلقًا بچائے گا اس طرح کہ اسے گناہوں سے بچنے اور نیک اعمال کرنے کی توفیق دے گا۔ معلوم ہوا کہ سنت کی پابندی سے تقویٰ نصیب ہوتا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوایوب انصاری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ظہر کے پہلے چار رکعتیں جن کے بیچ میں سلام نہ ہو ان کے لیئے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں۱؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ) |

۱؎ آسمان کے دروازے کھلنے سے مراد بارگاہِ الٰہی میں مقبولیت ہے ان کی رکعتوں کی عزت افزائی،ابھی فقیر نے عرض کیا تھا کہ یہ چار رکعتیں ایک سلام سے ہونی چاہیے اس کی اصل یہ حدیث ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن سائب سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سورج ڈھلنے کے بعد ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے اور فرماتے تھے کہ یہ وہ گھڑی ہے جس میں آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ اس گھڑی میں میرا نیک عمل چڑھے ۲؎ (ترمذی) |

۱؎ خیال رہے کہ حضرت عبداللہ ابن سائب صحابی بھی ہیں،تابعی بھی ہیں،جو صحابی ہیں انہوں نے ابی ابن کعب سے قرآن سیکھا ہے اور ان سے حضرت مجاہد نے، مخزومی ہیں،قریشی ہیں،مکہ مکرمہ میں رہے وہیں حضرت ابن زبیر کی شہادت سے کچھ پہلے وفات پائی غالبًا یہاں صحابی مراد ہیں۔

۲؎ حق یہ ہے کہ یہ چار سنتیں ظہر کی ہیں چونکہ فرض ظہر کچھ دیر ٹھنڈک کرکے پڑھے جاتے ہیں اور آسمان کے دروازے سورج ڈھلتے ہی کھل جاتے ہیں اس لیئے سرکار نے یہ سنتیں جلدی پڑھیں لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اس وقت ظہر کے فرض ہی کیوں نہ پڑھ لیئے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ اس شخص پر رحم کرے جو عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھے ۱؎ (احمد،ترمذی،ابوداؤد) |

۱؎ دو سلاموں سے یا ایک سلام سے یہ سنتیں غیر مؤکدہ ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا لینے کا ذریعہ کیونکہ بفضلہٖ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی دعا رد نہیں ہوتی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے جن کے درمیان مقرب فرشتوں اور ان کے مطیع مسلمانوں اور مومنوں پر سلام سے فاصلہ کرتے تھے ۱؎ (ترمذی) |

۱؎ ظاہر ہے کہ درمیان کے سلام سے نماز کا سلام ہی مراد ہے جس پر نماز ہوتی ہے یا ان میں دو رکعتیں تحیۃ الوضو کی تھیں اور دو عصر کی یا چاروں عصر کی،بیان جواز کے لیئے ان کے درمیان سلام پھیرا گیا۔بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں سلام سے مراد التحیات ہے کیونکہ اس میں سلام ہوتا ہے اس صورت میں یہ چاروں رکعتیں ایک سلام سے ہوں گی مگر پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے ۱؎(ابوداؤد) |

۱؎ یعنی کبھی چار کبھی دو لہذا یہ حدیث گزشتہ کے خلاف نہیں اسی لیئے امام اعظم فرماتے ہیں نمازی کو اختیار ہے کہ عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھے یا دو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھے جن کے درمیان کوئی بری بات نہ کرے تو یہ بارہ برس کی عبادت کے برابر ہوں گی ۱؎(ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے جسے ہم سوائے عمر ابن خثعم کی حدیث کے اور سے نہیں پہچانتے اور میں نے محمد ابن اسمٰعیل کو فرماتے سنا کہ وہ منکر حدیث ہے اور اسے بہت ضعیف کہا ۲؎ |

۱؎ اس نماز کا نام صلوۃ اوابین ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ چھ رکعتیں مغرب کی سنتوں و نفلوں کے ساتھ ہیں،بعض کہتے ہیں کہ ان کے علاوہ۔مرقاۃ نے پہلی صورت کو ترجیح دی اور فرمایا مؤکدہ دو سنتیں الگ سلام سے پڑھے،باقی چار میں اختلاف ہے دو سلاموں سے پڑھے یا ایک سے۔خیال رہے کہ ان جیسی احادیث سے فضائل میں ثواب عبادت مراد ہوتا ہے نہ کہ اصل عبادت،لہذا اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک بار نماز اوّابین پڑھ کر ۱۲سال تک نماز سے بے پرواہ ہو جاؤ۔

۲؎ اس کے ضعیف ہونے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف قبول ہے،نیز اسے طبرانی وغیرہ نے مختلف اسنادوں سے نقل کیا جس سے اس میں قوت آگئی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مغرب کے بعد بیس رکعتیں پڑھے اللہ اس کے لیئے جنت میں گھر بنائے گا ۱؎(ترمذی) |

۱؎ گھر بنانے کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ یہ ۲۰ رکعتیں بھی نماز اوابین ہی ہیں کہ اس کی رکعتیں کم از کم دو ہیں زیادہ سے زیادہ ۲۰ اس حدیث کو محدثین نے بہت سی اسنادوں سے نقل کیا لہذا صلوۃ اوّابین کی حدیث ضعیف نہ رہی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی عشاء نہ پڑھی،جس کے بعد میرے پاس تشریف لائے مگر چار یا چھ رکعتیں پڑھ لیں ۱؎(ابوداؤد) |

۱؎ دو مؤکدہ اور ان کے بعد دو یا چار غیر مؤکدہ،چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وتر اور بعد کی دو نفلیں تہجد کے ساتھ پڑھتے تھے اس لیئے یہاں ان کا ذکر نہ ہوا۔لمعات وغیرہ میں ہے کہ یہاں عشاء سے مراد پہلی عشاء یعنی مغرب ہے اور نفلوں سے مراد نماز اوابین ہے۔اس صورت میں نماز اوابین کی یہ ایک اور حدیث ہوگی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاروں کے بعد دو رکعتیں ہیں فجر سے پہلے اور سجدوں کے بعد دو رکعتیں مغرب کے بعد۱؎(ترمذی) |

۱؎ اس میں سورۂ طور اور سورۂ قٓ کی دو آیتوں کی طرف اشارہ ہے"وَ مِنَ الَّیۡلِ فَسَبِّحْہُ وَ اِدْبَارَ النُّجُوۡمِ "اور دوسری آیت"فَسَبِّحْہُ وَ اَدْبٰرَ السُّجُوۡدِ"حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شرح یہ فرمائی کہ پہلی آیت میں فجر کی دو سنتیں مراد ہیں کیونکہ وہ تارے ڈوبنے کے بعد ہی پڑھی جاتی ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ فجر اجالے میں پڑھنی چاہیے نہ کہ اندھیرے میں کیونکہ اس وقت تارے ظاہر ہوتے ہیں چھپے نہیں ہوتے۔"وَ اَدْبٰرَ السُّجُوۡدِ"سے مراد مغرب کے فرض ہیں ان آیتوں کی اور بہت تفسیریں کی گئی ہیں مگر یہ تفسیر قوی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

### الفصل الثالث

### تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ظہر کے پہلے زوال کے بعد چار رکعتیں نماز تہجد کی اتنی رکعتوں کے برابر رکھی جاتی ہیں۱؎اور نہیں ہے کوئی چیز مگر وہ اس گھڑی اللہ کی تسبیح کرتی ہے پھر تلاوت فرمائی کہ مائل ہوتے ہیں ان کے سائے دائیں بائیں اللہ کو سجدہ کرتے عاجز ہو کر۲؎(ترمذی،بیہقی،شعب الایمان) |

۱؎ یعنی ظہر کی پہلی سنتوں کا ثواب تہجد کی چار رکعتوں کے برابر ہے کیونکہ تہجد کے وقت بھی رحمت کے دروازے کھلے ہوتے ہیں اور ساری مخلوق رب کی عبادت کررہی ہوتی ہے اور اس وقت بھی جیسا کہ ابھی روایت میں گزر چکا اور آیندہ بھی آرہا ہے۔بعض علماء نے ان رکعتوں سے مراد فجر کی سنتیں لی ہیں۔سحر بمعنی صبح مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے کیونکہ فجر کی سنتیں چار نہیں بلکہ دو ہیں۔خیال رہے کہ آدھی رات کے بعد کا وقت سحر میں شمار ہے۔

۲؎ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صبح کی طرح یہ وقت بھی ساری مخلوق کی عبادت کا ہے اس لیئے یہ سنتیں بہت محبوب ہیں نیز اس وقت آفتاب ترقی سے تنزل کی طرف مائل ہوتا ہے جس میں مخلوق کی فناء کی طرف اشارہ ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ |

| | |
|---|---|
| | وسلم نے میرے پاس عصر کے بعد دو رکعتیں کبھی نہ چھوڑیں (مسلم، بخاری) اور بخاری کی روایت ہے فرماتی ہیں کہ اس کی قسم جو انہیں لے گیا حضور نے اللہ سے ملنے تک وہ دونوں کبھی نہ چھوڑیں۱ |

۱؎ اس کی شرح پہلے گزر چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ظہر کی دو سنتیں ایک بار رہ گئی تھیں جو آپ نے بعد عصر قضاء کیں پھر ہمیشہ ہی پڑھتے رہے لہذا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہیں، ہمارے واسطے منع،اسی لیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رکعتیں ہمیشہ گھر ہی میں پڑھیں مسجد میں کبھی نہ پڑھیں تاکہ لوگ پڑھنا شروع نہ کردیں اور حضرت ام سلمہ سے ان رکعتوں کی مخصوص وجہ بھی بیان فرمادی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت مختار ابن فلفل سے۱ فرماتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک سے عصر کے بعد کے نفلوں کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ حضرت عمر بعد عصر نماز پڑھنے پر لوگوں کے ہاتھوں پر مارتے تھے۲ حالانکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آفتاب ڈوبنے کے بعد مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۳ تو میں نے ان سے کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ پڑھتے تھے تو فرمایا کہ ہمیں پڑھتے دیکھتے تھے تو نہ ہمیں حکم کرتے تھے اور نہ منع کرتے تھے۴ (مسلم) |

۱؎ آپ تابعی ہیں، مخزومی ہیں، کوفی ہیں، حضرت انس سے ملاقات ہے،سفیان ثوری نے آپ سے احادیث لیں۔
۲؎ یعنی بطور سزا قمچیاں لگاتے تھے تاکہ لوگ اس سے باز آجائیں۔خیال رہے کہ یہاں بعد عصر سے مراد نماز مغرب سے پہلے نفل بھی ہیں جیساکہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے۔
۳؎ یہ ہے فاروق اعظم کی شکایت کہ ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ نفل پڑھتے تھے اور فاروق اعظم ان پر مارتے تھے آپ نے ہم کو ایک سنت صحابہ سے روک دیا مگر یہ شکایت درست نہیں کیونکہ آپ کو اس کے نسخ کی خبر نہ ہوئی حضرت عمر فاروق کو نسخ کا علم تھا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب سے پہلے نفل مکروہ ہیں۔
۴؎ یہ نماز سنت تقریری تھی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ میں تھے تو جب مؤذن نماز مغرب کی اذان دیتا تو لوگ ستونوں کی طرف بھاگتے پھر دو رکعتیں پڑھتے حتی کہ اجنبی آدمی مسجد میں آتا تو سمجھتا کہ نماز پڑھ لی گئی ان پڑھنے والوں کے ہجوم کی وجہ سے۱ (مسلم) |

۱؎ اس کی شرح و تحقیق پہلے ہوچکی کہ صحابہ کا یہ عمل شروع اسلام میں تھا پھر جب مغرب میں جلدی کا حکم دیا گیا تو یہ نفل چھوٹ گئے مگر بعض کو ان کے نسخ کی خبر نہ ہوئی اور اس زمانہ میں بھی یہ عمل دائمی نہ تھا بلکہ شاذ و نادر۔مرقاۃ نے فرمایا کہ سارے خلفائے راشدین اس

کے نسخ پر متفق ہیں۔ خیال رہے کہ امام مالک وغیرہم فقہا کے نزدیک وقت مغرب بقدر ادائے نماز ہے، ان کے ہاں تو یہ نفل مطلقًا ناجائز ہوں گے کہ ان سے وقت مغرب نکل جائے گا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت مرثد ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں کہ میں عقبہ جہنی کے پاس حاضر ہوا۱ میں نے عرض کیا کہ کیا میں ابو تمیم کی عجیب بات آپ کو نہ سناؤں وہ تو مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے ۲ تو عقبہ بولے کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم بھی کرتے تھے میں نے عرض کیا کہ اب آپ کو کون شئے مانع ہے فرمایا مشغولیت ۳ (بخاری) |

۱ آپ تابعی ہیں، مصر کے مفتی ہیں اور عبدالعزیز ابن مروان یعنی عبدالملک ابن مروان کا بھائی آپ کے فتویٰ پر بہت اعتماد کرتا تھا۔
۲ اس تعجب سے معلوم ہورہا ہے کہ سارے صحابہ نے یہ نفل چھوڑ دیئے تھے کوئی نہ پڑھتا تھا جو کوئی پڑھتا تھا تو اس پر چہ میگوئیاں ہوتی تھیں۔ جیسے وتر کی ایک رکعت جب امیر معاویہ نے پڑھی تو بعض نے حضرت ابن عباس سے بطور تعجب یہ کہا۔
۳ دنیوی کاروبار میں صراحۃً معلوم ہوا کہ کوئی صحابی انہیں سنت نہ سمجھتا تھا مباح یا حد درجہ مستحب جانتے تھے وہ بھی بے خبری سے، ورنہ صحابہ دنیاوی مشغولیت کی وجہ سے سنت نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت کعب ابن عجرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنی عبدالاشہل کی مسجد میں تشریف لے گئے ۱ تو وہاں مغرب پڑھی جب لوگ اپنی نماز پڑھ چکے تو حضور نے انہیں اس کے بعد نفل پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ یہ گھروں کی نماز ہے ۲ (ابوداؤد) ترمذی اور نسائی کی روایت میں ہے کہ کچھ لوگ نفل پڑھنے کھڑے ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نماز گھروں میں پڑھنی چاہیئے ۳ |

۱ یہ انصار کا ایک قبیلہ ہے ان کی مسجد اب تک مدینہ طیبہ میں مشہور ہے۔
۲ اس حدیث کی بناء پر بعض علماء نے فرمایا کہ سارے نوافل اور سنتیں گھر میں پڑھنا افضل، سنت مغرب کہ اس کا گھر میں پڑھنا بہت ہی افضل۔ خیال رہے کہ یہ اس کے لیئے ہے جو گھر آ کر پڑھ سکے لہذا مسافر اور معتکف اس حکم سے خارج ہیں اسی طرح جسے یہ اندیشہ ہو کہ گھر میں بچوں کی چیخ و پکار کی وجہ سے نماز میں حضور نہ ہو گا وہ مسجد ہی میں پڑھے۔ (اشعۃ اللمعات)
۳ یہ ترجمہ نہایت موزوں ہے، بعض شارحین نے **علیکم** کو وجوب کے لیئے لیا اور فرمایا کہ سنت مغرب گھر میں پڑھنا واجب مسجد میں پڑھنا منع ہے مگر یہ درست نہیں جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہورہا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد مغرب دو رکعتوں میں لمبی قرأت کرتے تھے حتی کہ مسجد والے متفرق ہو جاتے ۱ (ابوداؤد) |

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل مسجد میں ہوتا تھا کہ مغرب کی سنتیں آپ مسجد میں پڑھتے اور بہت دراز پڑھتے۔اس سے معلوم ہوا کہ پہلی حدیث میں علیکم وجوب کے لیئے نہ تھا بلکہ استحباب کے لیئے تھا اور یہ عمل شریف بیان جواز کے لیئے، بعض حدیثیں بعض کی تفسیر کرتی ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت مکحول سے۱؎ انہیں خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی مغرب کے بعد بات کرنے سے پہلے دو رکعتیں اور ایک روایت میں ہے چار رکعتیں پڑھ لے ۲؎ تو اس کی نماز علیین میں اٹھائی جاتی ہے ۳؎(مرسلًا) |

۱؎ آپ کا نام مکحول ابن عبداللہ ہے،کنیت ابو عبداللہ،شامی ہیں،حضرت لیث کے غلام،امام اوزاعی کے استاذ،تابعی ہیں،بہت صحابہ سے ملاقات کی ۱۱۸ھ میں وفات ہوئی۔(اکمال)آپ کی احادیث مرسل زیادہ ہیں۔

۲؎ اگر ان دوچار رکعتوں سے مغرب کے بعد کی سنتیں ونفل مراد ہیں تو مغرب سے مراد فرض مغرب ہوں گے اور اگر ان سے نماز اوّابین مراد ہے تو مغرب سے پوری نماز مغرب مراد ہوگی۔

۳؎ یہاں کلام سے مراد دنیاوی بات چیت ہے نہ کہ دعاوذکر وغیرہ۔علیین ساتویں آسمان سے اوپر ایک مقام ہے یا خود ساتویں آسمان کا نام ہے یا فرشتوں کے رجسٹر ودفتر کا نام ہے جس میں مقبولوں کے مقبول اعمال لکھے جاتے ہیں یا اس سے مراد رب تعالٰی کی بارگاہ کا قرب ہے۔مطلب یہ ہے کہ مغرب کے بعد بغیر دنیاوی بات چیت کیئے یہ نوافل پڑھ لینا بہت افضل ہیں ان کی برکت سے یہ پوری نماز علیین تک پہنچائی جاتی ہے۔بعض لوگ اس حدیث کی وجہ سے نماز مغرب کے بعد دعا نہیں مانگتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ دعا بھی کلام ہے مگر یہ غلط ہے ایسی جگہ کلام سے مراد دنیاوی بات چیت ہوتی ہے۔

| | |
|---|---|
| | اور حضرت حذیفہ سے اسی کی مثل ہے اور زیادہ کیا کہ کہتے تھے کہ مغرب کے بعد دو رکعتیں جلدی پڑھو کیونکہ وہ دونوں فرضوں کے ساتھ اٹھائی جاتی ہیں۱؎ ان دونوں حدیثوں کو رزین نے روایت کیا اور بیہقی نے انہی سے زیادتی کو شعب الایمان میں اس کی مثل۔ |

۱؎ یہاں سنتوں سے مراد سنت مغرب ہی ہے نہ کہ نماز اوّابین جیسا کہ مضمون سے ظاہر ہے۔خیال رہے کہ حضرت مکحول کی یہ روایت مرسل ہے اور احناف کے نزدیک مرسل مقبول ہے،شوافع کے ہاں مرسل حدیث ضعیف کے حکم میں ہے کہ فضائل اعمال میں مقبول ہے لہذا یہ حدیث احناف وشوافع کے ہاں قبول اور لائق عمل ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عمرو بن عطاء سے فرماتے ہیں کہ نافع ابن جبیر نے انہیں حضرت سائب کے پاس اس چیز کے پوچھنے کے لیئے بھیجا جو امیر معاویہ نے ان سے نماز میں دیکھی ہو ۱؎ انہوں نے فرمایا ہاں میں نے امیر معاویہ کے ساتھ مقصورے میں جمعہ پڑھا ۲؎ جب امام نے سلام پھیرا تو میں اسی جگہ کھڑا ہوگیا۔ ۳؎ جب وہ چلا گیا تو مجھے بلایا اور فرمایا کہ یہ کام آئندہ نہ کرنا جب تم جمعہ پڑھو تو اسے اور نماز سے |

| | |
|---|---|
| | نہ ملاؤ یہاں تک کہ کوئی بات کرلو یاہٹ جاؤ۴؎ کیونکہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا کہ بغیر کلام یا بغیر ہٹے نماز کو نماز سے نہ ملائیں۵؎ (مسلم) |

۱؎ یعنی نافع ابن جبیر ابن مطعم نے عمروابن عطا کو حضرت سائب کے پاس یہ پوچھنے بھیجاکہ کیا تمہاری کوئی نماز یا نماز کا کوئی عمل حضرت معاویہ نے دیکھاہے اوراس کی تائید یاتردید کی ہے چونکہ امیر معاویہ فقیہ صحابہ سے ہیں اس لیئے ان کی تائید یاتردید حجت شرعیہ ہے۔خیال رہے کہ عمروابن عطااور جبیر ابن مطعم دونوں تابعی ہیں اور حضرت سائب اورامیر معاویہ دونوں صحابی مگر حضرت معاویہ فقیہ صحابی ہیں۔

۲؎ مقصورہ جامع مسجد کا وہ خاص مقام ہے جہاں مکبّر یا سلطان اسلام کھڑے ہو کر جماعت سے نمازادا کریں،چونکہ یہ جگہ ان لوگوں پر مقصور ومحدود ہوتی ہے اس لیئے اسے مقصورہ کہا جاتا ہے۔خیال رہے کہ جب سے حضرت عمر فاروق کو نماز میں شہید کیا گیا تب سے بادشاہوں کے لیئے مسجد میں خاص جگہ مقرر کی جانے لگی جہاں صرف وہی کھڑے ہوں آس پاس ان کے خاص آدمی پیچھے حفاظتی پولیس تاکہ نماز میں ان پر کوئی حملہ نہ کرسکے۔

۳؎ اور سنت ونفل وہاں ہی ادا کر لیئے جگہ نہ بدلی فرض وسنن میں فاصلہ بھی نہ کیا۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ فرائض ونوافل میں کچھ فاصلہ ضروری ہے جگہ کا فاصلہ ہو یادعا وظیفہ یا کلام کا،بلکہ بہتر یہ ہے کہ دعا بھی مانگے جگہ بھی قدرے بدل لے بلکہ مقتدی لوگ صفیں بھی توڑ دیں پھر سنتیں ادا کریں تاکہ آنے والے کو یہ شبہ نہ ہو کہ جماعت ہورہی ہے اسی لیئے بعد نماز جنازہ صفیں توڑ کر بلکہ بیٹھ کر دعامانگتے ہیں۔

۵؎ یعنی نوافل فرائض سے نہ ملاؤ یہ حکم استحبابی ہے نہ کہ وجوبی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عطاء سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر جب مکہ میں جمعہ پڑھتے تو آگے بڑھتے پھر دو رکعتیں پڑھتے پھر آگے بڑھتے تو چار پڑھتے۱؎ اور جب مدینہ میں ہوتے اور جمعہ پڑھتے تو اپنے گھر لوٹ جاتے دو رکعتیں پڑھتے اور مسجد میں نہ پڑھتے ان سے پوچھا گیا تو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی کرتے تھے ۲؎ (ابوداؤد) اور ترمذی کی روایت میں ہے فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عمر کو دیکھا کہ آپ نے جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھیں پھر اس کے بعد چار پڑھیں۔ |

۱؎ یعنی حضرت ابن عمر چونکہ مکہ معظّمہ میں مسافر ہوتے تھے اس لیئے جمعہ کی سنتیں مسجد ہی میں ادا کرتے مگر فرق کے لیئے جگہ بدل دیتے تاکہ فرائض ونفل میں جدائی بھی ہوجائے اور مسجد کے چند مقامات گواہ بھی بن جائیں۔یہ حدیث امام ابویوسف کی دلیل ہے کہ بعد جمعہ چھ سنت مؤکدہ ہیں مگر وہ فرماتے ہیں کہ پہلے چار پڑھے پھر دو اور یہاں ہے کہ آپ نے پہلے دو پڑھیں پھر چار۔

۲؎ یعنی سنت جمعہ مکہ معظّمہ میں مسجد ہی میں پڑھتے تھے اور مدینہ منورہ میں گھر میں اور بعد جمعہ چھ رکعتیں پڑھتے تھے۔خیال رہے کہ بعد جمعہ چار سنتیں بالاتفاق مؤکدہ ہیں اور دو کے مؤکدہ ہونے میں اختلاف ہے۔تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بعد جمعہ چار سنتیں پہلے پڑھے دو

بعد میں تاکہ فرض اور سنت مؤکدہ میں فاصلہ ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال مختلف رہے ہیں کبھی کسی طرح ادا فرمائیں، کبھی کسی طرح لہٰذا جائز ہر طرح ہیں صرف بہتر ہونے میں اختلاف ہے۔

## باب صلوۃ اللیل

### رات کی نماز کا باب ۱؎

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱؎ رات کی نماز سے تہجد مراد ہے۔یہ نماز اسلام میں اولًا سب پر فرض رہی،پھر امت سے فرضیت منسوخ ہوگئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آخر تک رہی۔(اشعہ)تہجد کم از کم دو رکعتیں ہیں زیادہ سے زیادہ بارہ،حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر آٹھ پڑھتے تھے کبھی کم و بیش۔حق یہ ہے کہ تہجد ہمارے لیئے سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے کہ اگر بستی میں کوئی نہ پڑھے تو سب تارک سنت ہوئے اور اگر ایک بھی پڑھ لے تو سب بری الذمہ ہوئے۔تہجد کا وقت رات میں سو کر جاگنے سے شروع ہوتا ہے صبح صادق پر ختم مگر آخری تہائی رات میں پڑھنا بہتر ہے اور قبل تہجد عشا پڑھ کر سونا شرط ہے اور بعد تہجد کچھ سونا یا لیٹ جانا سنت ہے۔چونکہ یہ بہترین نوافل ہیں اسی لیئے ان کا علیحدہ باب ہوا جو شخص تہجد پڑھنا شروع کردے پھر نہ چھوڑے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہے۔

**ضروری مسئلہ:** تہجد سے پہلے سولینا ضروری ہے اگر کوئی بالکل نہ سویا تو اس کے نوافل تہجد نہ ہوں گے۔جن بزرگوں سے منقول ہے کہ انہوں نے تیس یا چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی جیسے حضور غوث اعظم یا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما وہ حضرات رات میں اس قدر اونگھ لیتے تھے جس سے تہجد درست ہو جائے لہذا ان بزرگوں پر یہ اعتراض نہیں کہ انہوں نے تہجد کیوں نہ پڑھی حضرت ابوالدرداء،ابوذر غفاری وغیرہم صحابہ جو شب بیدار تھے ان کا بھی یہی عمل تھا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز سے فارغ ہونے سے فجر تک گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۱؎ کہ ہر دو رکعتوں میں سلام پھیرتے تھے۲؎ اور ایک رکعت سے وتر بناتے تھے۳؎ اس کا ایک سجدہ اس قدر دراز کرتے کہ تم میں سے کوئی پچاس آیتیں پڑھ لے اپنا سر اٹھانے سے پہلے پھر جب نماز فجر کا مؤذن خاموش ہوتا اور صبح چمک جاتی اور فجر ظاہر ہو جاتی تو پھر دو ہلکی رکعتیں پڑھتے۴؎ پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے حتی کہ آپ کے پاس تکبیر کی اجازت لینے مؤذن آتا تو تشریف لے جاتے۵؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ اس طرح کی آٹھ رکعت تہجد پڑھتے تھے تین رکعت وتر۔خیال رہے کہ بغیر عشاء پڑھے تہجد نہیں ہو سکتی۔

۲؎ اس آخری جملہ سے بہت لوگوں نے ٹھوکر کھائی ہے،بعض نے اس کے یہ معنی کیئے دس رکعتیں تہجد پڑھی ہر دو رکعت پر سلام اور ایک رکعت وتر پڑھی مگر اس بناء پر یہ روایت ان تمام روایات کے خلاف ہوگی جن میں تین رکعت وتر کی تصریح ہے یا جن میں یہ ہے کہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کی رکعت اول میں سورۂ اعلیٰ پڑھی دوسری میں "قُلْ یَاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ"، تیسری میں "قُلْ ھُوَ اللہُ اَحَدٌ"۔ بعض لوگوں نے یہ معنے کیئے کہ تہجد آٹھ رکعتیں پڑھیں اور وتر تین رکعتیں اگر اس طرح کہ وتر کی دو رکعت ایک سلام سے اور ایک رکعت ایک سلام سے مگر یہ معنی ان احادیث کے خلاف ہیں جن میں وارد ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سلام سے تین رکعت وتر پڑھے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقص نماز ایک رکعت والی نماز سے منع فرمایا،ارشاد فرمایا کہ مغرب دن کے وتر ہیں اور وتر رات کے وتر، لہذا اس حدیث کے معنی وہی درست ہیں جو احناف نے کیئے وہ یہ کہ دو دو رکعت پر سلام تو تہجد میں پھیرا اور وتر اس طرح پڑھے کہ دو رکعت کے ساتھ ایک رکعت اور ملالی جس سے یہ ساری نماز وتر یعنی طاق ہوگئی یعنی بِرَکْعَۃٍ کی ب تعدیہ کی نہیں بلکہ استعانت کی ہے اب یہ کسی حدیث سے متعارض نہیں۔

۳؎ یعنی نماز تہجد کا ہر سجدہ یا وتر کا ہر سجدہ یا تہجد سے فارغ ہو کر شکر کا ایک سجدہ اتنا دراز ادا کرتے کہ تم میں سے کوئی آدمی اتنی دیر میں پچاس آیات تلاوت کرے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ تہجد کے بعد اس کا شکریہ ادا کرنا کہ رب نے اس نماز کی توفیق بخشی بہتر ہے۔

۴؎ جب خوب روشنی ہوجاتی تو سنت فجر ادا فرماتے۔اس سے معلوم ہوا کہ فجر اجیالے میں پڑھنا سنت ہے اس طرح کہ سنتیں بھی بلکہ اذان فجر بھی اجیالے میں ہو ورنہ ام المؤمنین تَبَیَّنَ نہ فرماتیں۔

۵؎ یعنی حضرت بلال جماعت کے وقت در دولت پر حاضر ہو کر عرض کرتے کہ کیا تکبیر کہوں آپ اجازت دیتے تب وہ صف میں پہنچ کر تکبیر شروع کرتے جب "حی علی الفلاح" پر پہنچتے تو آپ دروازہ شریف سے مسجد میں داخل ہوتے۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ سنت فجر سے بعد داہنی کروٹ پر کچھ دیر لیٹ جانا سنت ہے بشرطیکہ نیند نہ آجائے ورنہ وضو جاتا رہے گا۔دوسرے یہ کہ سلطان اسلام عالم دین کو اذان کے علاوہ بھی نماز کی اطلاع دینا جائز ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی سنتیں پڑھ لیتے تو اگر میں بیدار ہوتی تو مجھ سے باتیں کرتے ورنہ لیٹ جاتے ۱؎(مسلم) |

۱؎ یہ حدیث بتارہی ہے کہ سنت وفرض کے درمیان گفتگو کرنے سے نہ نماز جاتی رہتی ہے نہ ثواب نماز،ہاں بہتر یہ ہے کہ دنیاوی گفتگو نہ کرے غالبًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ صدیقہ سے کلام فرمانا دینی امور کے متعلق ہوگا اور ام المؤمنین کا اس وقت سوتا رہنا یا نماز نہ پڑھنے کے زمانہ میں ہوگا یا آپ قدرے دیر سے اٹھتی ہوں گی کیونکہ آپ پر جماعت کی پابندی تو تھی نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنتیں پڑھ لیتے تو اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے ۱؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ سنت وفرض فجر کے درمیان قدرے لیٹنا خصوصًا جب کہ تہجد کی وجہ سے تھکن ہوگئی ہو بہت بہتر ہے اور داہنی کروٹ پر لیٹنا سنت ہے شب کو بھی اولًا داہنی کروٹ پر لیٹے قبلہ رو ہو کر پھر بائیں پھر اس ترتیب میں بہت حکمتیں ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات میں ۱۳ رکعتیں پڑھتے تھے جن میں وتر بھی ہیں اور فجر کی سنتیں بھی ۱؎(مسلم) |

۱؎ لہذا تہجد آٹھ رکعت پڑھتے تھے اور وتر تین رکعت پھر سنت فجر دو رکعت، تہجد کی آٹھ رکعتیں اکثری عمل تھا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت مسروق سے۱؎فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے متعلق پوچھاتوآپ نے فرمایا کہ سات نوگیارہ رکعتیں تھیں ۲؎سنت فجر کے علاوہ(بخاری) |

۱؎ آپ مسروق ابن اجدع ہمدانی کوفی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے اسلام لائے مگر زیارت نہ کرسکے،لہذا تابعی ہیں، بچپن میں آپ کو چرالیا گیا تھااس لیئے آپ کو مسروق کہتے ہیں،بڑے متقی عالم ہیں، ۲۶ھ مقام کوفہ وفات ہوئی وہیں مزار ہے۔(اکمال)

۲؎ یعنی کبھی تہجد چار رکعت اور وتر تین رکعت پڑھتے تھے اور کبھی تہجد چھ رکعت اور وتر تین رکعت اور کبھی تہجد آٹھ رکعت اور وتر تین رکعت پڑھتے تھے آخری عمل زیادہ تھا،چونکہ تہجد کی نماز سرکار گھرمیں ادا کرتے تھے اس لیئے اس سے ازواج پاک خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ زیادہ واقف تھیں اسی بناء پر آپ سے زیادہ پوچھا جاتا تھا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں نماز پڑھنے اٹھتے تو اپنی نماز دو ہلکی رکعتوں سے شروع فرماتے۱؎(مسلم) |

۱؎ یہ دو رکعتیں **تحیۃ الوضو** ہیں جو تہجد کے علاوہ ہیں ان کا پڑھنا اور ہلکا پڑھنا مسنون ہے بشرطیکہ کامل پڑھے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم سے کوئی رات میں کھڑا ہو تو نماز دو ہلکی رکعتوں سے شروع کرے۱؎(مسلم) |

۱؎ یہ امر استحبابی ہے لہذا مستحب یہ ہے کہ تہجد سے پہلے دو رکعت **تحیۃ الوضو** ہلکی مگر کامل پڑھے اور تہجد دراز۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ میمونہ کے پاس ایک رات گزاری جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تھے ۱؎تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دیر اپنے گھر والوں سے بات چیت کی پھر سوگئے ۲؎توجب آخری تہائی رات ہوئی یااس کا کچھ حصہ ۳؎تواٹھ بیٹھے آسمان کو دیکھااور یہ آیت پڑھی بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور دن رات کے بدلنے میں عقل والوں کے لیئے نشانیاں ہیں حتی کہ سورہ ختم کردی ۴؎پھر مشکیزے کی طرف کھڑے ہوئے تو اس کی ڈوری کھولی پھر پیالے میں پانی انڈیلا پھر بہت اچھا درمیانی وضو کیا جس میں پانی زیادہ خرچ نہ کیا مگر ہر عضو پر پہنچادیا۵؎ پھر کھڑے ہوئے تو نماز پڑھی میں بھی اٹھ |

| | |
|---|---|
| | بیٹھااور میں نے وضو کیااور آپ کی بائیں طرف کھڑا ہو گیاتوآپ نے میرا کان پکڑااور مجھے اپنی دائیں طرف گھمالیا۶؎ آپ کی نماز پوری تیرہ رکعتیں ہوئی، پھر لیٹ گئے سوگئے حتی کہ خراٹے لیئے اور آپ جب سوتے خراٹے لیتے تھے۷؎ پھر آپ کو حضرت بلال نے نماز کی اطلاع دی تو نماز پڑھی اور وضونہ کیا۸؎ اور آپ کی دعا میں یہ تھاالٰہی میرے دل میں نوراور میری آنکھوں میں نور میرے کانوں میں نور۹؎ میرے دائیں نور میرے بائیں نور، میرے اوپر نور میرے نیچے نور میرے آگے نور میرے پیچھے نور کردے اور مجھے نور بنادے۱۰؎ بعض محدثین نے یہ بھی زیادہ کیا کہ میری زبان میں نوراور پٹھے گوشت خون بال کھال کا بھی ذکر کیا۔(مسلم،بخاری)اوران کی ایک روایت میں ہے۱۱؎ کہ میرے دل میں نور کراور میرا نور بڑھااور مسلم کی دوسری روایت میں ہے الٰہی مجھے نور دے۔ |

۱؎ یعنی اس دن حضرت میمونہ رضی اللہ عنھا کی باری تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں قیام تھا،حضرت ابن عباس کا وہاں آج رات ٹھہرنا بھی اسی نیت سے تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کے اعمال کا نظارہ کرلیں(واہ رے قسمت والو)۔

۲؎ یہ گفتگو دینی تھی یا دنیاوی مگر مختصر تھی،جن روایات میں ہے کہ بعد عشاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو ناپسند فرماتے تھے وہ دراز گفتگو ہے جس سے نماز فجر میں خلل واقع ہو لہٰذا احادیث متعارض نہیں جو چیز فرض یاواجب میں حارج ہو وہ ممنوع ہے۔معلوم ہوا کہ بیوی سے کچھ بات چیت کرنا بھی حسن اخلاق سے ہے اس سے اس کا دل خوش ہوتا ہے۔

۳؎ یعنی رات کاآخری چھٹا حصہ،یہ وقت بہت برکت والااور قبولیت دعاوالا ہے۔

۴؎ بعض روایات میں ہے کہ پانچ آیات پڑھیں "اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ" تک ہوسکتا ہے کہ کبھی آخری سورۃ تک پڑھی ہوں اور کبھی پانچ آیات لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔

۵؎ یہ درمیانی وضو کی تفسیر ہے یعنی اگرچہ پانی کم خرچ کیا مگر ہر عضو پر پانی بہہ گیا کوئی جگہ خشک نہ رہی۔

۶؎ کیونکہ مقتدی اگر ایک ہو توامام کے برابر داہنی طرف کھڑا ہو۔خیال رہے کہ اس گھمانے کی شرح پہلے گزر چکی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ سے آپ کو اپنے پیچھے سے گھمایااس طرح کہ آپ کے اس گھومنے میں تین قدم متواتر نہ پڑے لہٰذا اس پر یہ سوال نہیں ہوسکتا کہ نماز میں گھمانااور گھومنا عمل کثیر ہے اور عمل کثیر سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔

۷؎ یہ خراٹے کسی عارضہ یا بیماری کی وجہ سے نہ تھے بلکہ عادت کریمہ تھی خراٹے نیند کامل ہونے کی علامت ہیں۔خیال رہے کہ یہ خراٹے ایسے سخت نہ تھے کہ دوسروں کو تکلیف ہو بلکہ بہت ہلکے تھے اسی لیئے **نفخ** فرمایا یعنی پھونکنا یا سانس بلند لیا۔

۸؎ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند وضو نہیں توڑتی۔وجہ ظاہر ہے کہ نیند وضو توڑتی ہے غفلت کی وجہ سے کہ خبر نہیں رہتی ہوا خارج ہوئی یا نہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند غفلت پیدا ہی نہیں کرتی پھر وضو توڑنے کا سوال ہی نہیں،یہ وضو نہ توڑنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے جیسے شہید کی موت غسل نہیں توڑتی یہ شہید کی خصوصیت ہے۔

9؎ یہ دعا یا تو سنت فجر کے بعد فرض سے پہلے پڑھی یا گھر سے مسجد تشریف لے جاتے ہوئے یا نماز تہجد سے پہلے شارحین نے تینوں احتمال لیئے۔

10؎ اسے دعائے تحویل بھی کہتے ہیں اور دعائے نور بھی۔ محدثین نے اس دعا کے بڑے فضائل بیان کیے ہیں حتی کہ شیخ شہاب الدین سہروردی نے فرمایا کہ جو شخص ہمیشہ تہجد میں یہ دعا پڑھا کرے اسے بہت برکتیں اور نورانیت نصیب ہوگی۔ (عوارف) خیال رہے کہ یہ دعا امت کی تعلیم کے لیئے ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود نور ہیں ایسے نور کہ جس پر نگاہ کرم فرمادیں اسے نورانی بنادیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: "قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ" اور فرماتا ہے: "وَسِرَاجًا مُّنِيۡرًا" یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نورانی بنانے والا سورج بنا کر رب نے بھیجا۔ جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کا انکار کرتے ہیں وہ اس دعا میں غور کریں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ضرور قبول ہوئی لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی نور ہیں اور ہر چھ طرف سے نور میں گھرے ہوئے یعنی نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٌ ہیں اگر یہ دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیئے مانگی ہے تو زیادتی نور مراد ہوگی، بعض روایت میں "وَاجۡعَلۡنِیۡ نُوۡرًا" ہے اور یہاں "وَاجۡعَلۡ لِیۡ نُوۡرًا" آیا دونوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی مجھے نور بنادے۔

11؎ یہ ساری دعا کی شرح ہے یعنی الٰہی تو نے مجھے اپنے کرم سے نور تو بنایا ہی ہے میرے نور میں اضافہ اور زیادتی فرمادے جیسے رب نے ارشاد فرمایا: "وَ قُلۡ رَّبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا" اے محبوب عرض کرو کہ میرا مولٰی میرے علم بڑھادے۔ خیال رہے کہ نور میں زیادتی کمی مقدار کی نہیں ہوتی کیفیت کی ہوتی ہے، چراغ کے نور سے گیس و بجلی کا نور زیادہ اور ان کے نور سے سورج کا نور کہیں زیادہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت سورج سے کہیں زیادہ کہ سورج صرف سامنے والے کے ظاہر کو چمکاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو غاروں پہاڑوں میں رہنے والوں کے دل و جگر کو بھی جگمگادیتے ہیں۔ کونسی وہ جگہ ہے جہاں اس آفتاب نبوت کا نور نہیں پہنچتا صلی اللہ علیہ وسلم۔ خیال رہے کہ پاور ہاؤس سے پاور یکساں آتی ہے مگر اس سے نور لینے والے قمقمے اپنی طاقت کی بقدر نور لیتے ہیں، سو واٹ کا قمقمہ زیادہ نور لیتا ہے، دس واٹ کا کم، ایسے ہی صحابہ، تابعین، اولیاء، علماء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف نوعیت کے نور لیئے یہ اختلاف ان کے لینے میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دین یکساں ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے انہی سے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سوئے تو آپ بیدار ہوئے مسواک کی اور وضو کیا1؎ حالانکہ آپ کہتے تھے بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں یہاں تک کہ سورہ ختم کی 2؎ پھر کھڑے ہوئے دو رکعتیں پڑھیں جن میں قیام رکوع سجدہ دراز کیا پھر فارغ ہوئے 3؎ تو سوگئے حتی کہ خراٹے لیئے پھر یہ تین بار کیا چھ رکعتیں پڑھیں 4؎ ہر بار مسواک و وضو کرتے تھے اور یہ آیتیں پڑھتے تھے 5؎ پھر تین رکعت وتر پڑھیں 6؎ (مسلم) | |

1؎ مرقاۃ میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وضو تجدید کے لیئے یعنی وضو پر وضو ورنہ آپ کی نیند وضو نہیں توڑتی ہوسکتا ہے کہ آپ کا وضو یہاں دوسری وجہ سے ٹوٹا ہو نہ کہ نیند سے اور مسواک سے مراد یا تو وضو کی مسواک ہے یا وضو سے پہلے کی یعنی جاگنے کی مسواک کیونکہ جاگنے پر مسواک کرنا بھی سنت ہے دوسرا احتمال قول ہے۔

۲؎ پچھلی حدیث سے معلوم ہوا کہ ان آیات کی تلاوت وضو سے پہلے کی اس میں ہے کہ دوران وضو میں کی، ہو سکتا ہے کہ واقعات چند ہوں، وہاں اور واقعہ کا ذکر تھا، یہاں دوسرے واقعہ کا یا وہاں عطف رتبی تراخی کے لیئے تھا نہ کہ زمانی تراخی کے لیئے۔

۳؎ صرف دو رکعتیں پڑھیں مگر دوسری نمازوں سے زیادہ دراز اور سوگئے۔

۴؎ یعنی ایک شب میں تین بار بیدار ہوئے ہر بار میں دو رکعتیں تو نماز تہجد کل چھ رکعتیں ہوئیں۔خیال رہے کہ کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی بار پوری تہجد پڑھی اور کبھی بار بار جاگ کر لہذا یہ حدیث پچھلی روایت کے خلاف نہیں۔

۵؎ اس کی تحقیق پہلے ہو چکی کہ یہ بار بار وضو فرمانا استحبابًا تھا یا وجوبًا دوسری وجہ سے ورنہ آپ کی نیند وضو نہیں توڑتی۔

۶؎ اور وتروں کے لیئے چوتھی بار نہ جاگے بلکہ تیسری بار میں ہی دو رکعتیں تہجد اور تین رکعت پڑھ لیئے اسی لیئے یہاں سونے اور جاگنے کا ذکر نہ فرمایا، یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ وتر تین رکعت ہیں نہ کہ۔ایک خیال رہے کہ یہاں ب صلہ کی ہے اور اَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ میں ب استعانت کی تھی۔یہاں یہ معنی ہیں کہ تین رکعت وتر پڑھیں وہاں یہ معنی تھا کہ ایک رکعت کے ذریعہ اپنی نماز کو وتر یعنی طاق بنایا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت زید ابن خالد جہنی سے ۱؎ کہ انہوں نے کہا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز دیکھوں گا ۲؎ تو آپ نے دو ہلکی رکعتیں پڑھیں پھر دو رکعتیں دراز دراز پڑھیں پھر دو رکعتیں پڑھیں جو پہلی دو سے ہلکی تھیں پھر دو رکعتیں پڑھیں جو پہلی دو سے ہلکی تھیں پھر دو رکعتیں پرھیں جو پہلی دو سے ہلکی تھیں پھر دو رکعتیں پڑھیں جو پہلی دو سے ہلکی تھیں پھر وتر پڑھے یہ تیرہ رکعتیں ہوئیں ۳؎ (مسلم) اس قول تک کہ پھر دو رکعتیں پڑھیں اور وہ دونوں اپنی پہلی سے کم تھیں، چار بار ۴؎ یوں ہی صحیح مسلم میں کتاب حمیدی کے افراد میں موطا امام مالک، سنن ابوداؤد اور جامع الاصول میں ہے۔ | |

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں، مدنی ہیں، آخر میں کوفہ قیام رہا اور وہیں ۷۸ھ میں وفات پائی۔

۲؎ کہنے سے مراد دل میں سوچنا ہے یا اپنے دوستوں سے کہنا۔غالبًا اس رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرے سے باہر نماز پڑھی ہوگی انہیں دن میں پتہ لگ گیا ہوگا اس لیئے یہ ارادہ کیا۔شمائل ترمذی میں ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ اس رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ عالیہ کی چوکھٹ پر سر رکھ کر سویا تا کہ جب آپ یہاں سے گزرے تو انہیں خبر ہو جائے اور ان کے سر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاؤں شریف لگ جائے۔شعر

کافی کشتہ دیدار کو زندہ کرتے بخت خوابیدہ کو ٹھوکر سے جگاتے جاتے　　مبارک ہے وہ سر جو ان کی ٹھوکروں میں رہے

۳؎ اس طرح کہ دو ہلکی رکعتیں **تحیۃ الوضو** اور بالترتیب آٹھ رکعتیں تہجد اور تین رکعتیں وتر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر تہجد آٹھ رکعت پڑھتے تھے کبھی کم کبھی زیادہ کیونکہ آپ پر نفس تہجد فرض تھی، رکعتوں کی تعداد میں اختیار تھا جیسے ہم پر نماز میں قرأت فرض ہے مگر آیتوں کی تعداد میں ہمیں اختیار ہے۔یہ حدیث بھی امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ وتر تین رکعت ہیں ایک سلام سے، اس حدیث کی

عبارت ایسی واضح ہے جس میں کوئی تاویل نہیں ہوسکتی کیونکہ پہلے ذکر ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ بار میں دس رکعتیں پڑھیں تو اب ایک بار میں تین ہی وتر پڑھے۔

۴؎ یعنی اس روایت میں ہے کہ بہت دراز رکعتیں ایک دفعہ پڑھیں اور اس سے کم چار بار میں آٹھ رکعتیں اس صورت میں تہجد کی رکعتیں دس ہوئیں اور وتر تین تو اب یہ نماز **تحیۃ الوضوء** کے علاوہ ۱۳ رکعتیں ہوئیں۔صاحب مشکوۃ کا منشا یہ ہے کہ صاحب مصابیح نے تین بار ذکر کیا حالانکہ ان کتب میں چار بار ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم جسیم اور بھاری ہوگئے تو آپ کی اکثر نماز بیٹھ کر ہوتی تھی ۱؎ (مسلم،بخاری) |

۱؎ یعنی آخر عمر شریف میں ضعف کا غلبہ جسم کی فربہی کی وجہ سے تہجد کی اکثر رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے تھے اور کم رکعتیں کھڑے ہو کر لیکن آپ کو بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی دگنا ثواب ملتا ہے۔خیال رہے کہ جس حدیث میں موٹاپے کی برائی آئی ہے وہاں وہ موٹاپا مراد ہے جو حرام خوری اور آرام طلبی کی وجہ سے ہو،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔مرقاۃ نے فرمایا کہ جو عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے اسے قیام ہی کا ثواب ملتا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ میں وہ یکساں سورتیں جانتا ہوں جنہیں آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ملا کر پڑھتے تھے ۱؎ تو آپ نے ابن مسعود کی ترتیب پر اول مفصل بیس سورتیں بیان کیں ہر رکعت میں دو دو سورتیں جن میں آخری حٰمٓ،الدخان اور عم یتساءلون ہیں ۲؎ (مسلم،بخاری) |

۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی ایک ایک رکعت میں دو دو سورتیں جو مقدار میں تقریبًا یکساں ہوتی تھیں پڑھا کرتے تھے دو رکعت **تحیۃ الوضو** آٹھ رکعت تہجد اور ہر رکعت میں دو سورتیں اس طرح دس رکعتوں میں بیس سورتیں ہوگئیں۔

۲؎ ترتیب ان کی اس طرح تھی کہ ایک رکعت میں سورۂ رَحْمٰن اور اَلنَّجْم دوسری میں اِقْتَرَبَتْ اور اَلْحَاقَّہ تیسری میں طُوْر اور ذَارِیَاتْ چوتھی میں اِذَاوَقَعَتِ اور نُوْن پانچویں میں سَاَلَ سَائِلٌ اور نَازِعَاتْ چھٹی میں وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ اور عَبَسَ ساتویں میں مُدَّثِّرْ اور مُزَّمِّلْ آٹھویں میں ھَلْ اَتٰی اور لَااُقْسِمُ نویں میں عَمَّ یَتَسَاءَلُوْنَ اور مُرْسَلَاتُ،دسویں میں دُخَانُ اور اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ ابن مسعود کی یہی ترتیب تھی۔(مرقاۃ) خیال رہے کہ حضرت ابن مسعود اور ابی ابن کعب وغیرہ صحابہ نے قرآن کی سورتیں نزول کے اعتبار سے ترتیب دی تھیں انہیں یہ پتہ نہ تھا کہ آیات قرآنی کی طرح ترتیب بھی آسمانی ہی ہے جو حضور حکمًا خود دے گئے ہیں اس لیئے وہ ترتیبیں ختم ہوگئیں اور موجودہ ترتیب جس پر سارے صحابہ اور امت کا اجماع ہوا ہے جو کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی تاقیامت باقی رہی۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت حذیفہ سے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رات میں نماز پڑھتے دیکھا آپ تین بار فرماتے تھے اللہ اکبر ملکوت جبروت کبریائی وعظمت والا۱ پھر نماز شروع کی ۲ سورۂ بقرہ پڑھی، پھر رکوع کیا تو آپ کا رکوع آپ کے قیام کی مثل تھا ۳ اپنے رکوع میں سبحان ربی العظیم کہتے رہے پھر رکوع سے سر اٹھایا آپ کا قومہ رکوع کی مثل تھا فرماتے تھے لربی الحمد پھر سجدہ کیا تو آپ کا سجدہ قومہ کی مثل تھا ۴ اپنے سجدہ میں فرماتے تھے سبحان اللہ ربی الاعلی پھر سجدے سے سر اٹھایا اور آپ دو سجدوں کے بیچ سجدے کی مثل ہی بیٹھتے تھے اور کہتے تھے مولیٰ مجھے بخش دے ۵ چار رکعتیں پڑھیں جن میں بقرہ،آل عمران،نساء مائدہ یا انعام پڑھیں،شک شعبہ کو ہے ۶ (ابوداؤد) |

۱ ملکوت مُلک کا مبالغہ ہے اور جبروت جبر کا بمعنی غلبہ۔اصطلاح میں ظاہری ملک کو ملک کہتے ہیں،باطنی کو ملکوت یعنی باطنی ملک اور پورے غلبہ والا۔علماء فرماتے ہیں کہ ملکوت،جبروت،کبریا صرف رب تعالٰی کے لیئے استعمال ہوسکتے ہیں کسی بندے کے لیئے ان کا استعمال جائز نہیں جیسے رحمان وغیرہ۔(از مرقاۃ)

۲ یعنی تکبیر تحریمہ سے پہلے وہ کلمات کہے پھر تکبیر تحریمہ کہی یا تکبیر کے بعد یہ کہے پھر ثنا شروع کی پہلا احتمال قوی ہے۔

۳ ظاہر یہ ہے کہ بقرہ سے مراد پوری سورۂ بقرہ ہے یعنی ایک رکعت میں پوری سورۂ بقرہ پڑھی،پھر رکوع بھی اس قدر دراز فرمایا۔اس سے معلوم ہوا کہ شبینہ کرنا جائز ہے کیونکہ شبینہ میں ایک رکعت میں ڈیڑھ پارہ آتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت میں ڈھائی پارہ پڑھے ہیں۔

۴ اس سے معلوم ہوا کہ دراز قیام زیادتی سجود سے افضل ہے،یہ ہی امام اعظم کا فرمان ہے۔یہ حدیث اس حدیث کی تفسیر ہے جس میں ارشاد ہوا کہ جو تنہا نماز پڑھے وہ جتنی چاہے دراز کرے۔

۵ یعنی دو سجدوں کے درمیان یہ کلمہ بار بار اس قدر پڑھا کہ آپ کا یہ جلسہ سجدے کے قریب دراز ہوگیا،یہ دعا تعلیم امت کے لیئے ہے۔

۶ یعنی شعبہ راوی کو اس میں شک ہوا کہ چوتھی رکعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ مائدہ پڑھی یا انعام،اگلی رکعتوں میں تردد نہیں کہ پہلی میں بقرہ دوسری میں آل عمران تیسری میں نساء پڑھی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو بن عاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو رات کھڑے ہو کر دس آیتیں پڑھے ۱ تو وہ غافلوں سے نہ لکھا جائے گا اور جو کھڑے ہو |

| | |
|---|---|
| | کر سو آیتیں پڑھے وہ مطیعون میں سے لکھا جائے گا۲ اور جو کھڑے ہو کر ہزار آیتیں پڑھے تو وہ بہت ثواب والوں میں لکھا جائے گا ۳ (ابوداؤد) |

۱؎ یعنی جو تہجد کی ایک یا دو رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد دس آیات تلاوت کرے تو اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ اس کا نام غافلوں کے رجسٹر میں نہ آئے گا ان شاء اللہ ذاکرین میں ہوگا۔

۲؎ یعنی جو تہجد کی ایک رکعت یا دو رکعت میں یا پوری تہجد میں سو آیات پڑھ لیا کرے تو اس کا شمار ان نیک بختوں کے زمرے میں ہوگا جنہوں نے ساری زندگی اطاعت الٰہی میں گزاری یا اللہ تعالٰی اس عبادت کی برکت سے اسے اپنی فرمانبرداری و اطاعت گزاری کی توفیق دے گا، بعض شارحین نے فرمایا کہ اس میں تہجد کی بھی قید نہیں جو روزانہ نمازوں میں یا خارج نماز سو آیات تلاوت کرلیا کرے اس کا یہ درجہ ہے مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں اس لیئے مولف یہ حدیث تہجد کے باب میں لائے۔

۳؎ **مقنطرین** **قنطار** سے بنا، بمعنی بہت مال۔ بعض نے فرمایا کہ بارہ ہزار اشرفیاں قنطار ہیں، بعض نے فرمایا کہ بیل کی کھال بھر سونا بعض کے نزدیک ستر ہزار دینار۔ حق یہ ہے کہ اس کی حد مقرر نہیں یہاں بے شمار ثواب والے مراد ہیں، حضرت معاذ ابن جبل فرماتے ہیں کہ قنطار بارہ سو اوقیہ ہیں۔ جن کا ایک اوقیہ زمین و آسمان سے بڑھ کر ہے۔ (ابن حبان و مرقاۃ)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت یوں تھی کہ کبھی بلند پڑھتے کبھی پست۱؎ (ابوداؤد) |

۱؎ یعنی تہجد میں کبھی بلند آواز سے قرأت کرتے تھے اور کبھی آہستہ آواز سے یعنی اگر تنہائی میں تہجد پڑھتے تو بلند آواز سے پڑھتے اور اگر وہاں سونے والے ہوتے تو آہستہ قرأت فرماتے تاکہ انہیں تکلیف نہ ہو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت اس قدر تھی کہ اسے صحن والے سن لیتے جب کہ آپ کوٹھڑی میں ہوتے۱؎ (ابوداؤد) |

۱؎ مرقاۃ و لمعات وغیرہ نے فرمایا کہ یہاں حجرے سے مراد گھر کا صحن ہے اور بیت سے مراد کوٹھڑی یعنی آپ کی تلاوت درمیانی تھی یہ عمومی حالات کا ذکر ہے ورنہ کبھی اس سے زیادہ آواز بھی ہوتی تھی اور کبھی کم بھی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات تشریف لے گئے۱؎ ابوبکر صدیق تک پہنچے وہ نماز پڑھ رہے تھے بہت پست آواز سے اور حضرت عمر پر گزرے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے بلند آواز سے راوی نے فرمایا کہ جب یہ دونوں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے تو فرمایا۲؎ اے ابوبکر ہم تم پر گزرے تو آواز پست کیے نماز پڑھ رہے |

| | |
|---|---|
| | تھے آپ نے عرض کیا یارسول اللہ جس سے مناجات کررہا تھا اسے سنالیا۳؎ حضرت عمر سے فرمایا کہ ہم تم پر گزرے تم بلند آواز سے نماز پڑھ رہے تھے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتوں کو جگاتا تھا شیطان کو بھگاتا تھا۴؎ فرمایا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اے ابو بکر تم اپنی آواز کچھ بلند کرو اور حضرت عمر سے فرمایا کہ تم اپنی آواز کچھ پست کرو۵؎(ابوداؤد)اور ترمذی نے اس کی مثل روایت کی۔ |

۱؎ اپنے صحابہ کے شب کے حالات ملاحظہ فرمانے کے لیئے۔معلوم ہوا کہ سلطان کا رات میں گشت لگانا تاکہ رعایا کے حالات معلوم کرے سنت ہے۔اسی طرح استاد و شیخ کا اپنے شاگردوں مریدوں کے حالات کی تفتیش کرنا مسنون ہے ان کا ماخذ یہ حدیث ہے اور حق یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گشت اب بھی جاری ہے اپنی امت کے حالات ملاحظہ فرمانے کے لیئے گشت فرماتے ہیں۔صوفیا نے بعض دفعہ مشاہدہ کیا ہے اور اس کا ذکر ہم نے اپنی کتاب "جاء الحق" حصہ اول میں کیا ہے۔

۲؎ یعنی ابو بکر صدیق تہجد میں قرأت نہایت آہستہ کررہے تھے اور حضرت فاروق خوب اونچی۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ صدیق پر طریقت کا غلبہ ہے اور حضرت فاروق اعظم پر شریعت کا غلبہ۔

۳؎ یعنی رب تعالٰی کو سنانا مقصود تھا وہ تو آہستہ آواز بھی سنتا ہے فرماتا ہے:"فَاِنَّهٗ یَعۡلَمُ السِّرَّ وَ اَخۡفٰی" پھر جہر کی کیا حاجت۔

۴؎ یعنی میں تہجد میں رب تعالٰی کو سنانے کے علاوہ دو کام اور بھی کررہا تھا سوتوں کو جگانا کہ میری آواز سن کر جاگ جاویں اور وہ بھی تہجد پڑھ لیں اور شیطان کو بھگانا کہ جہر کی برکت سے شیطان مجھے وسوسہ نہ دے سکے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان اذان کی طرح قرآن کریم کی آواز سے بھی بھاگتا ہے۔یہ حدیث ذکر بالجہر کرنے والے صوفیاء کی بھی دلیل ہے اور ذکر خفی والوں کی بھی دونوں اللہ کے پیارے ہیں نیت سب کی بخیر ہے۔

۵؎ یہ جملہ اس کی شرح ہے "خَیۡرُ الۡاُمُوۡرِ اَوۡسَطُهَا" یعنی نہ اتنی بلند قرأت کرو کہ دوسروں کو تکلیف ہو نہ اتنی آہستہ کہ بالکل پتہ ہی نہ لگے درمیانی روش دونوں صاحب اختیار فرماؤ،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَابۡتَغِ بَیۡنَ ذٰلِكَ سَبِیۡلًا"اے صدیق خالق کو سنانے کے ساتھ مخلوق کو اپنی قرأت سے فائدہ پہنچاؤ اور اے عمر مخلوق پر کچھ نرمی کرتے ہوئے اپنے نفس پر بھی زیادہ مشقت نہ ڈالو سبحان اللہ!کیسی پیاری تعلیم ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا حتی کہ ایک آیت پر صبح ہوگئی ۱؎ یہ آیت تھی اگر تو اسے عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو غالب حکمت والا ہے ۲؎(نسائی۔ابن ماجہ) |

۱؎ یعنی جب نماز تہجد کے لیئے جاگے اور سورۂ فاتحہ سے فارغ ہو کر یہ رکوع پڑھا تو اس آیت کو سینکڑوں بار پڑھا حتی کہ وقت صبح بالکل ہی قریب آگیا کہ سلام پھیریں اور صبح ہو جائے لہذا اس حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ تمام رات جاگنا بہتر نہیں اور نہ یہ کہ طلوع فجر پر نفل منع ہیں۔

۲؎ یہ سورۂ مائدہ کی آیت ہے قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام بارگاہ الٰہی میں اپنی قوم کے متعلق یہ عرض کریں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ آیت بار بار پڑھنا اپنی امت کی شفاعت کے لیئے ہے یعنی عین نماز و مناجات میں ہی امت کی شفاعت بھی فرمارہے ہیں۔اس حدیث کی بنا پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ نماز میں آیت یا سورۃ کی تکرار بلا کراہت جائز ہے حتی کہ سورۂ فاتحہ کی تکرار بھی جائز ہے۔احناف کے ہاں سورۂ فاتحہ کی تکرار ممنوع ہے اگر اس کا اکثر حصہ مکرر کیا تو سجدۂ سہو واجب،مگر شیخ عبدالحق نے اشعہ میں فرمایا کہ میں نے شیخ سے پوچھا کہ اگر "اِهْدِ نَا الصِّرٰطَ الْمُسْتَقِیْمَ" پر لطف آجاوے اور اسے مکرر پڑھے تو کیا حکم ہے فرمایا فرائض میں نہ کرے نوافل میں کر سکتے ہو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی فجر کی سنتیں پڑھ لے تو داہنی کروٹ پر لیٹ جائے۱؎(ترمذی،ابوداؤد) |

۱؎ یہ حکم استحبابی ہے اور اس کے لیئے ہے جو تہجد میں جاگتا رہا ہو تاکہ کچھ آرام کر کے فرض فجر بہ آسانی ادا کرے۔اسی لیئے علماء فرماتے ہیں کہ یہ عمل گھر میں کرے مسجد میں نہ کرے تاکہ لوگوں کو اپنی تہجد پر مطلع نہ کرے مگر خیال رہے کہ اس طرح لیٹے کہ نیند یا اونگھ نہ آنے پائے ورنہ وضو جاتا رہے گا اور سنت یہ ہے کہ فجر کی سنتیں و فرض ایک وضو سے پڑھے اگر تہجد نہ پڑھنے والا بھی سنت پر عمل کرنے کی نیت سے اس وقت کچھ لیٹ جائے تو حرج نہیں۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت مسروق سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کون سا عمل زیادہ پیارا تھا فرمایا ہمیشہ کا۱؎ میں نے کہا کہ رات میں کس وقت اٹھتے تھے فرمایا جب مرغ کی اذان سنتے تھے۲؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ اسی لیئے دوسری روایت میں آیا کہ پیارا عمل وہ ہے جو ہمیشہ ہو اگرچہ تھوڑا ہو،ہمیشگی دین و دنیا کی کامیابی کا ذریعہ ہے،استقامت ہزار کرامت سے افضل ہے،اتنا کام شروع کرو جو نبھا سکو۔

۲؎ یہاں مرغ کی پہلی بانگ مراد ہے جو تہائی رات باقی رہے تو ہوتی ہے،دوسری بانگ مراد نہیں وہ صبح صادق پر ہوتی ہے اس وقت تہجد نہیں ہوسکتی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رات میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا نہ چاہتے تھے مگر |

| | |
|---|---|
| دیکھ لیتے تھے اور سوتے ہوئے دیکھنا نہ چاہتے تھے مگر دیکھ لیتے تھے ا (نسائی) | |

ا یعنی آپ نہ تو تمام رات سوتے تھے نہ تمام رات جاگتے تھے کچھ حصہ سوتے کچھ حصہ میں جاگتے لہذا آپ کا ہر حال دیکھا جاتا تھا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت حمید ابن عبدالرحمٰن ابن عوف سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں نے سوچا حالانکہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھا کہ قسم خدا کی میں نماز کے لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکوں گا ا حتی کہ آپ کا عمل دیکھ لوں تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء یعنی عتمہ پڑھ لی تو کافی رات لیٹے رہے ۲ پھر جاگے تو کنارہ آسمان میں نظر فرمائی، پھر کہا مولا تو نے اسے بے کار نہ بنایا حتی کہ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ تک پہنچ گئے ۳ پھر اپنے بستر کی طرف جھکے وہاں سے مسواک نکالی پھر اسے برتن سے جو آپ کے پاس رکھا تھا پانی پیالے میں انڈیلا ۴ پھر مسواک کی پھر کھڑے ہوئے نماز پڑھتے رہے ۵ حتی کہ میں نے سوچا کہ آپ نے سونے کی بقدر نماز پڑھ لی پھر لیٹ گئے حتی کہ میں نے کہا آپ بقدر نماز سو لیئے پھر بیدار ہوئے تو جیسا پہلی بار کیا تھا ویسا ہی کیا اور جو پہلے فرمایا تھا ویسا ہی فرمایا ۶ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر سے پہلے یہ کام تین بار کیا۔ (نسائی) | |

ا ظاہر یہ ہے کہ یہاں نماز تہجد مراد ہے کیونکہ پنجگانہ نمازیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باجماعت پڑھتے تھے ان میں تحقیقات کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی یہ صحابہ کا جذبہ عشق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کو آنکھوں دیکھنا چاہتے ہیں۔

۲ اس طرح کہ دو تہائی رات سو لیئے یہ عمل وہاں کا ہے جہاں راستہ میں کسی جگہ رات گزارنے کے لیئے سفر منقطع فرما کر نزول فرمایا ورنہ اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات میں سفر طے کرتے تھے سواری پر ہی کچھ نیند فرما کر تہجد ادا کرتے۔

۳ یعنی یہ آیات یہاں تک پڑھیں بعض اوقات آخر سورت تک بھی تلاوت کرتے تھے۔

۴ سرہانے مسواک تکیہ کے نیچے رکھنا اور وضو کا پانی رکھنا سنت۔ صوفیائے کرام کا اس پر عمل ہے اس کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔

۵ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے صرف مسواک کی وضو نہ کیا کیونکہ آپ کی نیند وضو نہیں توڑتی کلی مسواک کے لیئے ہی پانی انڈیلا تھا اور اگر وضو بھی کیا ہو تو وضو پر کیا یا کوئی اور حدث ہوا ہو گا مگر پہلا احتمال قوی ہے۔

۶ یعنی رات میں کئی بار بیدار ہوئے اور ہر دفعہ یہ ہی آیات تلاوت کیں اور مسواک و نماز ادا کی تین بار ایسا ہی عمل کیا، تہجد کا یہ عمل بہت ہی افضل ہے کہ گراں ہے بار بار جاگنا سونا آسان نہیں مگر جس پر اللہ آسان کرے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت یعلی ابن مملک سے کہ انہوں نے حضور صلی | |

| | |
|---|---|
| | اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام سلمہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت اور نماز کے بارے میں پوچھا انہوں نے فرمایا کہ تمہیں ان کی نماز سے کیا نسبت ۱؎ آپ نماز پڑھتے تھے پھر نماز کے بقدر سوتے تھے پھر سونے کے بعد بقدر نماز پڑھتے تھے پھر نماز کے بقدر سوتے تھے حتی کہ صبح کرتے ۲؎ پھر آپ کی قرأت بیان کی تو ایسی قرأت بیان کرنے لگیں ایک ایک حرف صاف جدا ۳؎ (ابوداؤد،ترمذی،نسائی) |

۱؎ یعنی تم میں یہ ہمت وجرات کہاں جو رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نماز پڑھ سکو اس فرمان کا مقصد یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی عظمت دکھانا ہے یا موجودہ حضرات پر حسرت کا اظہار ہے کہ ان کی ہمت پہلے کی سی نہ رہی یا پوچھنے والے کو اس پر دلیر کرنا منظور ہے کہ وہ یہ بات سن کر جوش میں آئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کی کوششیں کریں لہذا یہ حدیث روافض کی دلیل نہیں کہ صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے چھوڑ دیئے تھے۔

۲؎ تہجد سے پہلے سونا تہجد کے لیئے شرط ہے کہ اس کی بغیر نماز تہجد نہ کہلائے گی اور بعد تہجد سونا سنت ہے۔بہتر یہ ہے کہ سویرا سوتے ہوئے نمودار ہو۔

۳؎ یعنی آپ کی قرأت نہایت آہستگی سے اور صاف تھی جس سے ہر کلمہ جداگانہ سمجھ میں آتا تھا اور ہر کلمہ کے حروف ح،ع،ز،ذ،ط،ض،واضح طور پر سمجھ لیئے جاتے تھے،ایک کلمہ دوسرے سے مخلوط نہ ہوتا تھا تلاوت قرآن کریم کا یہ ہی طریقہ چاہیے زیادہ پڑھنے کی کوشش نہ کرو درست پڑھنے کی کوشش کرو۔

## باب مایقول اذا قام من اللیل

### باب جب رات میں اٹھے تو کیا کہے ۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱؎ اگرچہ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سانس اللہ کے ذکر میں نکلتی تھی مگر تہجد کو اٹھتے وقت بڑے پیارے پیارے ذکر فرماتے تھے کہ وہ وقت خصوصیت سے قبولیت کا ہے اور رحمت الٰہی کے ظہور کا،یہاں وہ ذکر و دعائیں بیان ہوں گی جو نماز تہجد سے پہلے پڑھتے تھے ان کا کچھ ذکر پہلے باب میں بھی ہوچکا ہے اس باب میں تفصیلاً ذکر ہوگا لہذا یہ مکرر نہیں کہ وہاں اجمالی تھا،یہاں تفصیلی وہاں تبعًا تھا یہاں قصدًا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں تہجد پڑھنے اٹھتے تو کہتے الٰہی تیرے لیئے حمد ہے تو آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر والوں کا قائم رکھنے والا ہے۱؎ تیرے ہی لیئے حمد ہے توآسمانوں اور زمین اور ان کے اندر والوں کا نور ہے ۲؎ اور تیری ہی حمد ہے تو آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر والوں کا بادشاہ ہے ۳؎ اور تیری ہی حمد ہے تو حق ہے ۴؎ تیرا وعدہ حق ہے،تجھ سے ملنا حق ہے اور تیری بات حق ہے ۵؎ جنت حق ہے آگ حق ہے،نبی حق ہیں،جناب محمد حق ہیں ۶؎ قیامت حق ہے،اے اللہ تیرے لیئے میں اسلام لایا تجھ پر ایمان لایا ۷؎ اور تجھ پر میں نے بھروسہ کیا اور تیری طرف میں نے رجوع کیا ۸؎ تیرے بھروسے پر میں کفار سے لڑتا ہوں اور تجھ سے فیصلہ چاہتا ہوں ۹؎ میرے اگلے پچھلے چھپے کھلے بخش دے اور وہ بخش جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے تو ہی آگے بڑھانے والا ہے ۱۰؎ اور تو ہی پیچھے ہٹانے والا ہے ۱۱؎ تو ہی معبود ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ۱۲؎ (مسلم،بخاری) |

۱؎ یہ دعائیں نماز تہجد شروع کرنے سے پہلے ہیں وضو مسواک کے بعد یا ان سے بھی پہلے۔**قیم قیوم** مبالغہ کے صیغے ہیں یعنی آسمان وزمین اور ان کی مخلوق،جن وانس وفرشتوں وغیرہ کو قائم رکھتا ہے کہ ان سب کی بقا تیرے کرم سے ہے یعنی ان کا موجب بھی تو،باقی رکھنے والا بھی تو،اب ورب میں یہ فرق ہے۔

۲؎ یعنی ان کو عدم کی تاریکی سے وجود کا نور دینے والا تو، یا چاند و سورج اور تاروں کے ذریعے انہیں ظاہری نور دینے والا بھی تو ہے اور انبیاء اولیاء اور علماء کے ذریعہ باطنی نور دینے والا بھی تو ہے یہاں نور بمعنی منور ہے،رب فرماتا ہے: "اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ"۔

۳؎ حقیقی و دائمی بادشاہی ہے تیری عطا سے عارضی و چند روزہ بادشاہ تیرے بعض بندے ہیں چنانچہ دنیامیں صدہا بادشاہ گزرے جن کے نام و نشان نہ رہے۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری خلق کا دائمی سلطان بنایا مگر یہ سلطنت عارضی و عطائی ہے رب تعالٰی کی حقیقی و ذاتی۔

۴؎ یعنی تو ثابت ہے دائم ہے تیرے لیئے فنا نہیں کہ حق کے ایک معنے یہ بھی ہیں یعنی زائل وفانی کا مقابل دوسرے معنے ہیں باطل و غلط کا مقابل یہاں پہلے معنے مراد ہیں۔

۵؎ یہاں حق باطل کے مقابل ہے یعنی تیرا وعدہ اور وعید سچے ہیں اور ہم سب کا تیری بارگاہ میں حاضر ہو کر حساب دینا برحق ہے،تیرے سارے فرمان سچے ہیں تیرے کلام میں جھوٹ کا احتمال نہیں۔خیال رہے کہ صادق وہ کلام ہے جو واقعہ کے مطابق ہو اور حق وہ کلام کہ واقعہ اس کے مطابق ہو،بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں لقا سے مراد دیدار الٰہی ہے۔

۶؎ اگرچہ نبیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل ہیں،نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت پر سارے نبیوں کی حقانیت موقوف ہیں کیونکہ ان سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور حقانیت کی بشارتیں دی تھیں،نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا بھر سے ان سب کی حقانیت کا اقرار کرالیا اس لیئے خصوصیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علیحدہ ذکر ہوا۔خیال رہے کہ نبیوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ان کی ذات ان کی صفات اور سارے حالات حتی کہ ان کی خطائیں ولغزشیں بھی حق ہیں کہ اس پر ہزارہا حق مرتب ہوتے ہیں۔

۷؎ یعنی ظاہر و باطن میں تیرا مطیع ہوں اور تیرے سارے احکام کو حق سمجھتا ہوں،ایمان و سلام کا فرق کتاب الایمان کے شروع میں بیان ہوچکا۔

۸؎ صوفیا فرماتے ہیں کہ گناہوں سے باز آجانا توبہ ہے اور غفلت سے باز آکر بیدار ہوجانا انابت،شریعت والوں کا توکل یہ ہے کہ اسباب پر عمل اور "مُسَبِّبَ الۡاَسۡبَابْ" پر نظر طریقت والوں کا توکل یہ ہے اسباب کی آڑ کو پھاڑ دینا اور یار تک پہنچ جانا۔

۹؎ یعنی تیرے لیئے میرا جہاد ہے اور جہاد میں تیری مدد پر نظر ہے میرا اور کفار کا فیصلہ تو فرما کر میرا سچ اور ان کا جھوٹ ظاہر فرمادے۔

۱۰؎ نہایت جامع استغفار ہے جس میں ہر قسم کی غلطیوں گناہوں کا ذکر آگیا،یہ سب کچھ ہماری تعلیم کے لیئے ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک گناہوں کی رسائی نہیں وہ گناہ کرنیکے لیئے پیدا نہیں ہوئے بلکہ گنہگاروں کی دستگیری کرنے کے لیئے تشریف لائے۔

۱۱؎ تونے اپنے فضل و کرم سے مجھے درجہ میں سب سے آگے رکھا اور زمانہ میں سب نبیوں سے پیچھے یا آخرت میں تونے مجھے سب سے آگے رکھا اور دنیاوی ظہور میں سب سے پیچھے یا تونے میری امت کو ساری امتوں سے درجوں میں آگے بڑھادیا اور دنیوی ظہور میں سے پیچھے رکھا اس کی تفسیر وہ حدیث ہے "نَحۡنُ الۡاٰخِرُوۡنَ السَّابِقُوۡنَ"۔(از مرقات)اس جملہ کی اور بہت تفسیریں ہیں۔

۱۲؎ اس کے پہلے جملہ میں غیر سے الوہیت کی نفی ضمنًا ہے دوسرے میں صراحتًا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ |

| | |
|---|---|
| وسلم جب رات میں اٹھتے نماز شروع کرتے تو کہتے اے اللہ اے جبرئیل اے میکائیل اور اسرافیل کے رب۱؎ آسمانوں اور زمین کے بنانے والے چھپے کھلے کے جاننے والے۲؎ تو ہی اپنے بندوں کا ان چیزوں میں فیصلہ کرے گا جس میں وہ جھگڑتے ہیں۳؎ مجھے اپنے کرم سے اس حق کی ہدایت دے جس میں اختلاف ہے تو جسے چاہے سیدھے رستے کی ہدایت دے۴؎(مسلم) | |

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ کلمات نماز تہجد کی تکبیر تحریمہ سے پہلے فرماتے تھے اللہ تعالٰی ساری مخلوق کا رب ہے مگر خصوصیت سے ان تینوں فرشتوں کا ذکر ان کے اشرف ہونے کی بناپر کیا گیا۔اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ تمام فرشتوں میں افضل حضرت جبریل ہیں کیونکہ خادم انبیاء ہیں اور حامل وحی ہیں،پھر میکائیل کیونکہ رزق جسمانی کا تعلق ان سے ہے،پھر اسرافیل کیونکہ آپ لوح محفوظ کے امین اور صور کے محافظ،پھر عزرائیل علیہم الصلوۃ والسلام اس ترتیب میں اور بھی قول ہیں۔

۲؎ خالق بمعنی پیدا کرنے والا،فاطر بمعنی ایجاد کرنے والا،چونکہ آسمان فیض دینے والے ہیں اور زمین فیض لینے والی،نیز آسمان کفر و شرک وگناہ سے محفوظ ہے اور زمین میں یہ سب کچھ موجود اس لیئے آسمانوں کا ذکر پہلے کیا زمین کا بعد،ورنہ زمین آسمان سے افضل بھی ہے اور پہلے بھی۔غیب اور غائب کا فرق پہلے بیان کیا جاچکا ہے،رب تعالٰی کے لیئے کوئی شے غیب نہیں ہمارے لیئے بعض چیزیں غیب ہیں اور بعض شہادت۔

۳؎ قیامت کے دن عملی فیصلہ اس طرح کہ اچھوں وبروں میں فاصلہ فرمادے گا،قولی فیصلہ تو یہ بھی ہوچکا لہذا اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۴؎ یہ دعا ہماری تعلیم کے لیئے ہے ورنہ اللہ تعالٰی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح کی ہدایت ازل میں ہی دے چکا اب تمام عالم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت بٹ رہی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرٰطٍ مُّسْتَقِیْمٍ"۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو رات میں جاگے تو کہے کہ اللہ اکیلے کے سوا کوائی معبود نہیں،اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک ہے اور اسی کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۱؎ پاک ہے اللہ،اللہ کی حمد ہے،اس کے سوا کوئی معبود نہیں،اللہ بڑا ہے اللہ کے بغیر طاقت و قوت نہیں،پھر کہے اے رب مجھے بخش دے یا فرمایا کہ پھر دعا مانگے تو اس کی قبول ہو گی۲؎ پھر اگر وضو کرے اور نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول ہو گی۳؎(بخاری) | |

۱؎ یہ دعا تہجد کے لیئے اٹھتے ہی پڑھنی چاہیئے۔تَعَارَّ عرار سے بنا،بمعنی ہلکی آواز،چونکہ مسلمان جاگتے ہی کچھ ذکر الٰہی کرتا ہے اس لیئے یہاں یہ لفظ جاگنے کے معنی میں استعمال ہوا۔ملک اور ملکوت کا فرق بارہا بیان کیا جاچکا ہے،حقیقی ملک اللہ کا ہے مجازًا بندوں کا بھی مگر ملکوت خدا کے سوا کسی کا نہیں۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ پہلے خدا کی حمد کرے پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہے پھر دعا مانگے،ان شاء اللہ بالضرور قبول ہوگی خصوصًا تہجد کے وقت کی دعا کہ وہ تیر بہدف ہے،حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس دعا کا نام دعائے درھم الکیس ہے یعنی تھیلی کی نقدی۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آخر رات میں جاگ کر تہجد نہ بھی پڑھے مگر یہ دعا مانگ لے تو ان شاء اللہ تعالٰی فائدے میں رہے گا،معذور لوگ جو نماز نہیں پڑھ سکتے وہ دعا ضرور پڑھ لیا کریں۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں جاگتے تو کہتے تیرے سوا کوئی معبود نہیں،الٰہی تو پاک ہے،تیری حمد ہے اپنے گناہوں کی تجھ سے معافی چاہتا ہوں،تجھ سے تیری رحمت مانگتا ہوں،الٰہی میرا علم بڑھادے اور ہدایت کے بعد دل ٹیڑھا نہ کردے ۱؎ مجھے اپنی طرف سے رحمت دے،بے شک تو ہی دینے والا ہے ۲؎(ابوداؤد) |

۱؎ اگرچہ یہ دونوں چیزیں بھی رحمت میں شامل تھیں لیکن چونکہ بہت شاندار نعمتیں ہیں اس لیئے ان کا علیحدہ ذکر کیا اس سے معلوم ہوا کہ علم کی انتہا نہیں اور کوئی شخص علم پر قناعت نہ کرے بلکہ ہمیشہ طالب علم رہے اور اپنے کو شیطان سے محفوظ نہ سمجھے دل بدلتے دیر نہیں لگتی یہ دعائیں ہماری تعلیم کے لیئے ہیں۔

۲؎ یہاں رحمت سے مراد ایمان وہدایت پر ثابت قدمی اور نیک اعمال کی توفیق ملنا ہے۔(مرقات)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی مسلمان نہیں جو رات گزارے ذکر الٰہی پر پاک رہ کر ۱؎ پھر رات کو اٹھے اللہ سے خیر مانگے مگر اللہ اسے وہ دے دیتا ہے ۲؎(احمد وابوداؤد) |

۱؎ یعنی باوضو سوئے اور اللہ کا ذکر آیۃ الکرسی وغیرہ پڑھ کر سوئے،بعض صوفیاء سوتے وقت پاس انفاس کرتے ہیں اور اسی حالت میں سوجاتے ہیں اس طرح کہ لَآ اِلٰہ پر سانس کھینچتے ہیں اور اِلَّا اللہ پر نکالتے ہیں یا صَلَّے اللہُ عَلَیْكَ سے سانس کھینچتے ہیں اور یَا رَسُولَ

اللہ پر سانس باہر نکالتے ہیں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے اگر آخری نیند یعنی موت پر یہ عمل نصیب ہو جائے تو زہے نصیب۔ مرقات نے فرمایا کہ اس وقت تیمّم ہی کر کے سوجائے یا طہارت سے مراد دل کا حسد اور کینہ وغیرہ سے پاک ہونا ہے۔
۲؎ اور ایسا شخص تمام رات کا عابد مانا جاتا ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت شریق ہوزنی ۱؎ سے فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ کے پاس گیا میں نے ان سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں جاگتے تھے تو ابتداء کس چیز سے کرتے تھے فرمایا کہ تم نے مجھ سے وہ چیز پوچھی جو تم سے پہلے مجھ سے کسی نے نہ پوچھی ۲؎ جب حضور رات میں جاگتے تو دس بار تکبیر دس بار حمد کہتے اور دس بار "سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" دس بار "سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوس" کہتے دس بار استغفار پڑھتے اور دس بار کلمہ پھر دس بار کہتے الٰہی میں دنیا اور قیامت کی تنگی سے تیری پناہ مانگتا ہوں ۳؎ پھر نماز شروع کرتے۔ (ابوداؤد) | |

۱؎ آپ بڑے پائے کے تابعی ہیں، ہوزن جو قبیلہ ذی کلاع کا بطن ہے اس کی طرف منسوب ہیں۔
۲؎ اس میں سوال کی تعریف ہے کہ رب تعالٰی نے تمہیں اچھی بات پوچھنے کی توفیق دی اس سوال سے صحابہ کرام کا عشق رسول ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اندرونی و بیرونی زندگی معلوم کرکے اس کی نقل کرنا چاہتے تھے۔
۳؎ دنیا کی تنگی میں یہاں کی آفتیں بیماری اور قرض کی مصیبتیں وغیرہ سب داخل ہیں اور قیامت کی تنگی میں وہاں کی دھوپ اور گرمی حساب میں ناکامی وغیرہ شامل ہے یہ کل ستر کلمات ہوئے قربان جاؤں اس سونے اور جاگنے پر۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں اٹھتے تو تکبیر کہتے، پھر کہتے الٰہی تو پاک ہے، تیری حمد ہے، تیرا نام برکت والا ہے، تیری شان اونچی ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ۱؎ پھر کہتے اللہ بہت ہی بڑا ہے پھر کہتے مردود شیطان سے سننے والے، جاننے والے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس کے وسوسوں سے اس کی پھونک سے اس کے تکبر سے ۲؎ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) اور ابوداؤد نے غیرك کے بعد یہ بھی زیادہ کیا کہ پھر تین بار لا الہ الا اللہ کہتے اور آخر حدیث میں ہے | |

| | |
|---|---|
| | پھر قرأت کرتے۔ |

۱؎ یہاں تکبیر سے مراد تکبیر تحریمہ ہے یعنی آپ تہجد کی نماز شروع فرما کر قرأت سے پہلے یہ ذکر کرتے جیسے اور نمازوں میں کیا جاتا ہے مگر اس نماز میں آیندہ کلمات اور زیادہ فرماتے۔خیال رہے کہ جد کے معنی عظمت ہیں یا جائے پناہ اسی لیئے مال کو بھی جد کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو عظمت ملتی ہے اور دادا کو بھی اس سے خاندانی عظمتیں قائم ہوتی ہیں۔

۲؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان بہکاتے وقت انسان پر پھونکیں مارتا ہے جس سے وسوسے اور ناجائز تکبر پیدا ہوتے ہیں کیونکہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے اور پھونک کو پھونک مٹاتی ہے اس لیئے مشائخ بھی شیطان وغیرہ کو دفع کرنے کے لیئے دم ہی کرتے ہیں۔پھونک کی تاثیریں اور فوائد ہماری کتاب "اسرار الاحکام" میں دیکھو

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی سے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے کے پاس میں رات گزارتا تھا،میں آپ کو سنتا تھا کہ جب آپ رات میں اٹھتے تو بہت دیر تک کہتے جہانوں کا پالنے والا پاک ہے پھر بہت دیر تک کہتے اللہ پاک ہے اس کی حمد ہے۱؎(نسائی)ترمذی میں اس کی مثل ہے،اور انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ |

۱؎ یعنی ربیعہ اپنے گھر کی بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے کے پاس رات گزارتے اور چوکھٹ شریف پر سر رکھ کر آرام کرتے تاکہ رات میں بوقت ضرورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کریں اور آپ کے اعمال واقوال شریفہ یاد کریں،اسی خدمت کا صلہ انہیں وہ ملا جو باب السجود میں گزر چکا یعنی جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی کریم کے دروازہ سے سب کچھ ملتا ہے۔غالب یہ ہے کہ یہ ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اندر حجرے میں کرتے تھے اور آپ باہر سنتے تھے۔

## باب التحریض علی قیام اللیل

## باب رات میں اٹھنے کی ترغیب ۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱؎ نماز تہجد کے فضائل بے شمار ہیں وہ وقت رب تعالٰی کی خاص رحمتیں اترنے کا ہے۔صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ نماز تہجد میں جنت کی لذتیں ہوتی ہیں۔(اشعہ)ایک دور تھا کہ جب مسلمان اپنے مفاد کو دوسروں کو ترجیح دیتے تھے اور آج وہ وقت ہے کہ لوگ دوسروں کے مفاد کو بھی اپنا بنانا چاہتے ہیں یہ ہے ہمارے معاشرے کی کمزوری اور اسکا سب سے بڑا سبب ہے روپیہ،پیسہ،بھوک،غریبی،مفلسی،محتاجی،

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی سوتا ہے تو شیطان اس کے سر کی گدی پر تین گرہیں لگادیتا ہے ۱؎ ہر گرہ پر یہ ڈالتا ہے کہ ابھی رات بہت ہے سو جا۲؎ پھر اگر بندہ بیدار ہوجائے تو اللہ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے ۳؎ پھر اگر وضو کرے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے پھر اگر نماز پڑھ لے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے ۴؎ اور وہ خوش دل پاک نفس صبح کرتا ہے ورنہ پلید طبیعت اور سست صبح پاتا ہے ۵؎(مسلم،بخاری) | |

۱؎ یہاں گرہ کے ظاہری معنی ہی مراد ہیں بلاوجہ تاویل کی ضرورت نہیں جادو گر دھاگے یا بالوں میں کچھ دم کرکے گرہ لگادیتے ہیں جس کا اثر مسحور پر ہوجاتا ہے ایسے ہی شیطان انسان کے بالوں میں یا دھاگے میں صبح کے وقت غفلت کی تین گرہیں لگادیتا ہے اسی لیئے صبح کے وقت بڑے مزے کی نیند آتی ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین گرہوں کے کھولنے کے لیئے تین عمل ارشاد فرمائے۔

۲؎ یعنی یہ لفظ کہہ کر دم کرتا ہے اور گرہ لگادیتا ہے جس کے اثر سے انسان پر غفلت طاری ہوجاتی ہے۔مشائخ اللہ کا ذکر کرکے دھاگے پر پھونکتے اور گرہ لگاتے ہیں پھر مریض کے گلے میں ڈال دیتے ہیں اس کا ماخذ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے۔معلوم ہوا کہ گنڈا حق ہے جس گنڈے کی حدیث شریف میں برائی آئی ہے وہ وہ گنڈا ہے جس پر شرکیہ الفاظ پڑھ کر دم کیا جائے۔

۳؎ یہاں اللہ کے ذکر سے وہ ذکر مراد ہے جو اٹھتے ہی مومن کرتا ہے جن کا ذکر پہلے ہوچکا یہ ذکر اس جادو کا اتار ہے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور آپ پر درود شریف بھی اللہ کا ذکر ہے اگر درود پر آنکھ کھلے تب بھی یہ ہی فائدہ ہوگا۔

۴؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں نماز سے تہجد کی نماز مراد ہے اسی لیئے صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث تہجد کے باب میں لائے اور اگر کوئی نماز فجر کے لیئے اٹھے اور یہ عمل کرے تب بھی ان شاء اللہ یہ فوائد ہوں گے۔بعض روایات میں اسی جگہ عُقَدٌ ہے عُقْدَہ کی جمع معنی یہ ہوئے کہ اگر نماز پڑھ لے تو ساری گرہیں کھل جاتی ہیں کیونکہ جب تیسری گرہ کھل گئی تو سب ہی کھل گئی یا چونکہ نمازی آدمی وضو بھی کرتا ہے ذکر اللہ

بھی لہذا نماز میں وہ دونوں چیزیں آگئیں۔خیال رہے کہ جن عورتوں کی نماز معاف ہے وہ بھی معافی کے زمانہ میں جلد جاگیں،اللہ کا ذکر کریں،وضو کرلیں تو بہت اچھا ورنہ تڑکے ہی منہ ہاتھ دھولیں۔

۵؎ یعنی نماز تہجد کی برکت سے دل میں خوشی،نفس میں پاکی نصیب ہوتی ہے جو اس سے محروم ہے وہ ان دونوں کے کمال سے محروم ہے۔(مرقاۃ)اور جو نماز فجر سے غافل رہا اسے سستی بہت ہی ہوتی ہے،صبح کا اٹھنا تندرستی کی اصل ہے صبح سوتے رہنا بیماریوں کی جڑ ہے اسی لیئے سمجھ دار کفار بھی اندھیرے منہ جاگتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت مغیرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک قیام فرمایا کہ آپ کے قدم سوج گئے ۱؎ آپ سے عرض کیا گیا کہ ایسا کیوں کرتے ہیں آپ کے تو اگلے پچھلے بخش دیئے گئے ۲؎ تو فرمایا کیا میں بندہ شاکر نہ ہوؤں ۳؎(مسلم،بخاری) | |

۱؎ دراز قیام کے باعث یعنی تہجد میں اتنا دراز قیام فرمایا کہ کھڑے کھڑے قدم پر ورم آگیا یہ حدیث شبینہ پڑھنے والوں اور ان صوفیا کی دلیل ہے جو تمام رات نماز پڑھتے ہیں جیسے حضور غوث پاک اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم اجمعین ان بزرگوں پر اعتراض نہ کرو۔

۲؎ یعنی یا حبیب اللہ اتنا لمبا قیام ہم لوگ کریں تو مناسب ہے کہ ہم گنہگار ہیں اللہ تعالٰی اس کی برکت سے ہمارے گناہ بخش دے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے پھر اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ بخشنے کی بہت توجیہیں عرض کی جاچکی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے جو ابھی عرض کی گئی۔

۳؎ یعنی میری یہ نماز مغفرت کے لیئے نہیں بلکہ مغفرت کے شکریہ کے لیئے ہے۔خیال رہے کہ ہم لوگ عبد ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبدہٗ ہیں،ہم لوگ شاکر ہوسکتے ہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم شکور ہیں یعنی ہر طرح ہر وقت ہر قسم کا اعلی شکر نے والے مقبول بندے۔حضرت علی فرماتے ہیں کہ جنت کی لالچ میں عبادت کرنے والے تاجر ہیں،دوزخ کے خوف سے عبادت کرنے والے عبد ہیں مگر شکر کی عبادت کرنے والے احرار ہیں۔(ربیع الابرار ومرقاۃ)

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کا ذکر کیا گیا آپ سے عرض کیا گیا وہ صبح تک سوتا رہا نماز کے لیئے نہ اٹھا ۱؎ آپ نے فرمایا کہ اس شخص کے کان میں شیطان نے پیشاب کردیا فرمایا دونوں کانوں میں ۲؎ (مسلم،بخاری) | |

۱؎ نماز تہجد کے لیئے یا نمازِ فجر کے لیئے پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں کیونکہ صحابہ کرام فجر ہرگز قضاء نہ کرتے تھے اور ممکن ہے کسی منافق کا واقعہ ہو جو فجر میں نہ آتے تھے۔معلوم ہوا کہ نماز فجر میں نہ جاگنا بڑی نحوست ہے،نیز کوتاہی کرنے والوں کی شکایت اصلاح کی غرض سے کرنا جائز ہے غیبت نہیں۔

۲؎ حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے تاویل کی کوئی ضرورت نہیں۔شیطان کھاتا بھی ہے،پیتا بھی ہے،قے بھی کرتا ہے گوز بھی مارتا ہے لہذا پیشاب بھی کرتا ہے چونکہ کان ہی سے اذان کی آواز سنی جاتی ہے اس لیئے وہ خبیث غافل کے کان ہی میں موتتا ہے یعنی اسے ذلیل بھی کرتا

ہے اور غافل بھی۔(لمعات)خیال رہے کہ یہ حکم ان لوگوں کے لیئے ہے جو اپنی کوتاہی کی وجہ سے صبح کو نہ جاگیں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اورآپ کے صحابہ کا تعریس کی رات صبح کو نہ جاگنا رب کی طرف سے تھاتاکہ امت کو نماز فجر قضاء پڑھنے کے احکام معلوم ہوں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے بیدار ہوئے کہ فرماتے تھے سبحان اللہ اس رات کتنے خزانے اتر رہے ہیں اور کتنے فتنے نازل ہو رہے ہیں ۱؎ ان حجرے والیوں کو کون اٹھائے ۲؎(آپ کی بیویوں کو) کہ نماز پڑھ لیں بہت سی دنیا میں ڈھکی ہوئی آخرت میں ننگی ہوں گی ۳؎(بخاری) | |

۱؎ یعنی اس رات غافلوں کے لیئے فتنے اتر رہے ہیں اور عابدوں کے لیئے اللہ کی رحمتیں۔مرقاۃ نے فرمایا کہ فتنوں سے مراد صحابہ کرام کی آپس کی جنگیں ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمائیں اور ہو سکتا ہے کہ قیامت تک جو فتنے اور رحمتیں دنیا میں آئیں گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آج ہی اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمالیں جیسے ہم خواب یا خیال میں آیندہ واقعات دیکھ لیتے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ ہمارے خواب وخیال سے زیادہ تیز ہے۔

۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات اتنی آواز سے فرمائے کہ ازواج مطہرات نے بھی سن لیئے اور تمام تہجد کے لیئے اٹھ بیٹھیں آپ کا فرمانا کہ کون اٹھائے احسن طریقے سے اٹھانے ہی کے لیئے تھا۔

۳؎ یعنی جسم کا لباس کپڑا ہے روح کا لباس اعمال بہت سی مالدار اور عیاش عورتیں جو یہاں لباس فاخرہ پہنتی تھیں وہ قیامت میں اعمال سے خالی ہوں گی لہذا اے بیبیوں وہاں کے لباس کی تیاری کرو۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر رات جب آخری تہائی رات رہتی ہے تو ہمارا رب تعالٰی دنیا کے آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے ۱؎ ارشاد فرماتا ہے کہ کون ہے جو مجھ سے دعا کرے کہ میں قبول کروں کون مجھ سے مانگتا ہے کہ میں اسے دوں کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے کہ میں اسے بخش دوں ۲؎(مسلم،بخاری)اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ پھر اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے ۳؎ اور فرماتا ہے کہ کون قرض دیتا ہے اسے جو نہ فقیر ہے نہ ظالم ۴؎ حتی کہ فجر چمک جاتی ہے۔ | |

۱؎ یعنی اس کی رحمت اس کا کرم ادھر توجہ فرماتا ہے کیونکہ اللہ تعالٰی اترنے چڑھنے سے پاک ہے۔(لمعات)اس سے معلوم ہوا کہ رات دن سے افضل ہے کیونکہ قبولیت کی ساعت ہفتے میں ایک دن یعنی جمعہ میں آتی ہے اور وہ بھی ہم سے چھپی ہوتی ہے مگر رات میں روزانہ قبولیت کی ایک ساعت نہیں بلکہ بہت سی ساعتیں ہوتی ہیں رب اس وقت مانگنے کی توفیق دے۔

۲؎ اگرچہ رب کا یہ فرمان براہ راست ہم نہیں سنتے لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمان ہم تک پہنچادیا تو گویا ہم نے سن ہی لیا لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ اس فرمانے سے فائدہ کیا۔خیال رہے کہ رات کا آخری تہائی دنیا کے ہر حصے میں مختلف اوقات میں ہے۔مثلًا

ہندوستان میں رات کے نو بجے ہوں تو مکہ معظّمہ میں رات کے تین جس حصے میں جس وقت تہائی رات باقی رہے گی اس حصے میں اسی وقت یہ توجہ کرم ہوگی۔

۳؎ یہ جملہ متشابہات میں سے ہے اللہ تعالٰی ہاتھ اور ہاتھ پھیلانے سے پاک ہے لہذااس سے مراد اپنی رحمت و کرم کا وسیع فرمانا ہے۔

۴؎ یعنی تمہاری نیکیاں ہم پر گویا قرض ہوں گی جن کا عوض تمہیں ضرور ملے گا جیسے قرض خواہ کو غنی عادل مقروض کی طرف سے قرضہ ضرور واپس مل جاتا ہے۔خیال رہے کہ فقیر تو اپنی حاجت روائی کے لیئے قرض لیتے ہیں اور غنی و سلاطین رعایا کی حاجت روائی کے لیئے قرض لیتے ہیں،شاہی بینک پبلک کا روپیہ اس لیئے اپنے پاس رکھتے ہیں یا ملازمین کا فنڈ کاٹتے ہیں تاکہ یہ لوگ اپنی کمائی برباد نہ کرلیں پھر اسے قرض کہتے ہیں اور بوقت ضرورت مع سود واپس کرتے ہیں رب تعالٰی کا یہ قرضہ طلب فرمانا دوسری قسم کا ہے اور اسے قرض کہنا اظہار کرم اور ہمارے اطمینان کے لیئے ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ رات میں ایک گھڑی ہے نہیں پاتا اسے کوئی مسلمان کہ اللہ سے اس میں دنیاو آخرت کی بھلائی مانگے مگر رب اسے دیتا ہے اور یہ گھڑی ہر رات میں ہے ۱؎(مسلم) | |

۱؎ بعض علماء نے فرمایا کہ روزانہ شب کی یہ ساعت قبولیت پوشیدہ ہے جیسے جمعہ کی ساعت مگر حق یہ ہے کہ پوشیدہ نہیں گزشتہ حدیثوں میں بتادی گئی ہے یعنی رات کا آخری تہائی خصوصًا اس تہائی کا آخری حصہ جو ساری رات کا آخری چھٹا حصہ ہے جو صبح صادق سے متصل ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس وقت مومن کی دعا قبول ہوتی ہے نہ کہ کافر کی اگر قبولیت چاہتے ہو تو ایمان کامل کرو۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کو پیاری نماز داؤد علیہ السلام کی ہے اور اللہ کو پیارے روزے داؤد علیہ السلام کے ہیں ۱؎ کہ آپ آدھی رات سوتے تھے اور تہائی رات کھڑے رہتے پھر چھٹا حصہ سوتے ۲؎ اور ایک دن روزہ رکھتے ایک دن افطار کرتے ۳؎(مسلم،بخاری) | |

۱؎ یہاں نماز سے تہجد کی نماز مراد ہے اور روزے سے نفلی روزے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیگر انبیائے کرام بھی تہجد اور نفلی روزے ادا کرتے تھے مگر ان کے طریقے اور تھے۔حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ طریقہ تھا جو یہاں مذکور ہے۔

۲؎ یعنی دو تہائی رات سوتے اور ایک تہائی رات جاگتے تھے اور اس جاگنے اور نماز کو دو نیندوں کے درمیان کرتے اب بھی یہی چاہیئے۔

۳؎ اسی طرح نوافل تہجد اور نفلی روزوں کی محبوبیت کی چندہ وجوہ ہیں:ایک یہ کہ اس میں روح کا حق بھی ادا ہوتا ہے اور نفس کا حق بھی،تمام رات سونے ہمیشہ افطار کرنے سے روح کا حق رہ گیا۔اور رات بھر جاگنے،ہمیشہ روزے میں نفس کا حق مارا گیا۔دوسرے یہ کہ اس طرح تہجد،روزے نفس پر بھاری ہیں لہذا رب کو پیارے ہیں کیونکہ ہمیشہ روزے رکھنے میں روزہ عادت بن کر آسان معلوم ہونے لگتا ہے مگر اس طرح ہر روزے میں نئی لذّت محسوس ہوتی ہے۔تیسرے یہ کہ اس میں جسمانی طاقت بحال رہتی ہے گھٹتی نہیں طاقت ہی سے ساری عبادتیں ہوتی ہیں۔خیال رہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تیرھویں،چودھویں،پندرھویں روزے رکھے کبھی،یہ

بھی کیا کچھ تاریخوں میں مسلسل روزے،کچھ میں مسلسل افطار تاکہ امت پر آسانی ہو،نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوالوقت ہیں جو عمل کریں وہ افضل ہے۔رات کی ہر ساعت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نفل سے شرف حاصل ہوا اور مہینہ کی ہر تاریخ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے سے عزت ملی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اول رات سوتے تھے اور آخر رات جاگتے تھے پھر اگر آپ کو اپنے اہل سے حاجت ہوتی تو حاجت پوری فرماتے پھر سو جاتے ۱؎ پھر اگر پہلی اذان کے وقت جنابت میں ہوتے جلدی کھڑے ہو کر اپنے پر پانی بہاتے اور اگر جنبی نہ ہوتے تو نماز کے لیئے وضو کرتے پھر دو رکعتیں پڑھتے ۲؎ (مسلم،بخاری) |

۱؎ اس سے معلوم ہوا بیوی سے قربت کا بہترین وقت آخری رات ہے یعنی بعد تہجد کہ اس وقت معدہ خالی ہوتا ہے بھرے پیٹ صحبت نقصان دہ ہے اور اس وقت کی قربت سے جو اولاد ہوگی وہ ان شاءاللہ نیک و صالح ہوگی خصوصًا جب تہجد کے بعد قربت ہو صحبت صرف شہوت پوری کرنے کے لیئے نہیں بلکہ اس میں اور بھی مصلحتیں ہیں۔ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرکے سوتے تھے جیسا کہ دیگر روایات میں ہے اور یہ عمل بھی دائمی نہ تھا بلکہ کبھی غسل کرکے سوتے تھے یہ عمل بیان جواز کے لیئے ہے اور وہ عمل بیان استحباب کے لیئے۔

۲؎ یہ سنت فجر کی رکعتیں تھیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں ادا فرماتے تھے اور فجر کے فرض باجماعت مسجد میں یہ ہی سنت ہے اور اگر بعد سنت فجر ستر بار استغفار پڑھ لی جائے تو بہت ہی بہتر ہے۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم رات میں اٹھنا لازم پکڑ لو ۱؎ کیونکہ یہ تم سے پہلے نیکوں کا طریقہ ہے ۲؎ اور رب کی طرف قربت کا ذریعہ،گناہوں کو مٹانے والا اور آیندہ گناہوں سے بچانے والا ۳؎ (ترمذی) |

۱؎ یہ امر وجوب کے لیئے نہیں بلکہ تاکید کے لیئے ہے تہجد واجب یا فرض نہیں بلکہ سنت مؤکدہ ہے وہ بھی علی الکفایہ۔

۲؎ یعنی گزشتہ انبیاء و اولیاء کا طریقہ ہے لہذا یہ فطرت ہے۔معلوم ہوا کہ سارے انبیاء و اولیاء نے تہجد پڑھی اور خاص دعائیں اس وقت مانگیں،دیکھو یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزندوں سے کہا کہ ابھی نہیں بلکہ اور وقت تمہاری مغفرت کی دعا کروں گا یعنی تہجد پڑھ کر۔اس حدیث میں اشارۃً فرمایا گیا کہ جو تہجد نہ پڑھے وہ کامل صالح نہیں۔خیال رہے کہ ہم کیا اور ہماری تہجد کیا ہاں اس میں اچھوں کی نقل ہے اللہ

تعالٰی اس اصل کی طفیل نقل کو بھی قبول کرلیتا ہے۔جو صاحب تہجد پڑھیں انہیں فقیر کی وصیت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پڑھا کریں وہاں سے بہت ملے گا۔

۳؎ اس پر تجربہ بھی گواہ ہے کہ تہجد کی برکت سے گناہوں کی عادت چھوٹ جاتی ہے حضور سچے ان کی ہر بات سچی صلی اللہ علیہ وسلم۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین شخص ہیں جن سے اللہ راضی ہوتا ہے آدمی جب رات میں نماز پڑھنے کھڑا ہو اور قوم جب کہ نماز میں صف باندھیں اور قوم جب کہ دشمن کی جنگ میں صف آرا ہوں ۱؎ (شرح سنہ) |

۱؎ اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ تہجد تنہا پڑھنا چاہیے اور فرائض نماز و جہاد جماعت سے،چونکہ یہ کام اللہ کو پیارے ہیں لہذا ان کے لیئے اٹھنا بھی اسے پیارا اور اٹھنے والے بھی۔ظاہر یہ ہے کہ یہاں قیام سے مراد تہجد کے لیئے اٹھنا ہے لہذا اس وقت جاگنا،ضروریات سے فارغ ہونا،وضو وغیرہ کرنا سبھی خدا کو پیارا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عمرو ابن عبسہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رب بندے سے آخری رات کے وسط میں بہت قریب ہوتا ہے ۱؎ اگر تم یہ کرسکو کہ اس وقت اللہ کے ذاکرین میں سے بنو تو بن جاؤ ۲؎ (ترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث اسناد میں حسن صحیح غریب ہے ۳؎ |

۱؎ یعنی رب کی رحمت اور اس کی رضارات کے آخری چھٹے حصے میں بندے سے بہت قریب ہوتی ہے۔خیال رہے کہ یہاں قربت اوقات مراد ہے اور سجدے سے قرب احوال مرقاۃ۔لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ رب بندے سے سجدے میں زیادہ قریب ہوتا ہے اگر اس وقت بندہ سجدے میں گرا ہو تو اسے وقت کا قرب بھی حاصل ہوگا اور حال کا بھی۔

۲؎ اس میں خطاب حضرت عمرو ابن عبسہ سے ہے اور ان کے ذریعہ ہم سب لوگوں سے۔شیخ نے اشعۃ اللمعات میں لکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان عمرو ابن عبسہ کے ایمان لانے کے وقت تھا،آپ بیت اللہ شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد دیکھ کر فدا ہوگئے تھے اور اسی دم ایمان لے آئے آپ چوتھے مومن ہیں شعر۔

دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی　　　　دیوانہ تو ہر دو جہاں راچہ کند

۳؎ یعنی اس حدیث کی چند اسنادیں ہیں:بعض اسنادوں میں غریب ہے،بعض میں حسن،بعض میں صحیح،مرقاۃ نے یہاں فرمایا کہ غرابت اور صحت میں منافات نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ اس شخص پر رحم کرے جو رات میں اٹھ کر نماز پڑھے اور اپنی بیوی کو بھی جگائے کہ وہ بھی پڑھ لے اگر وہ انکار کرے تو اس کے منہ پر پانی چھڑک دے اللہ اس عورت پر رحم |

| | |
|---|---|
| | کرے جو رات میں اٹھ کر نماز پڑھے اور اپنے خاوند کو بھی جگائے کہ وہ بھی پڑھ لے اگر وہ نہ مانے تو اس کے منہ پر پانی چھڑک دے ا؎(ابوداؤد،نسائی) |

ا؎ بیوی کا یہ پانی چھڑکنا خاوند کی نافرمانی یا اس کی بے ادبی نہیں بلکہ اسے نیکی کی رغبت دینا اور اس پر امداد کرنا رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی"۔اس سے معلوم ہوا کہ کسی سے جبرًا نیکی کرانا ممنوع نہیں بلکہ مستحب ہے۔(مرقاۃ) خیال رہے کہ لوگ عوام کی بزرگوں کی مشائخ کی دعا لینے کے لیئے بڑے بڑے پاپڑ بیلتے ہیں۔دوستو اگر جناب مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا لینی ہے تو خود بھی تہجد پڑھو اور اپنی بیویوں کو بھی پڑھاؤ۔بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اس جوڑے کو ہرا بھرا رکھے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے فرمایا آخری رات کے درمیان کی اور فرض نمازوں کے پیچھے ا؎(ترمذی) |

ا؎ آخر صفت لیل کی ہے نہ کہ جوف کی آخری تہائی حصہ اس تہائی کا درمیانی وقت یعنی رات کا چھٹا حصہ فرض نمازوں سے مراد نماز پنجگانہ ہے خواہ ان میں فرضوں کے بعد دعا کرے یا سنتوں اور نوافل سے فارغ ہو کر،بعض بزرگ اہم دعائیں فرضوں کے بعد ہی مانگ لیتے ہیں پھر سنتیں و نفل پڑھتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابومالک اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں ایسے دریچے ہیں کہ جن کا باہر اندر سے اور اندر باہر سے دیکھا جاتا ہے ا؎یہ اللہ نے ان کے لیئے بنائے جو بات نرم کریں اور کھانا کھلائیں ۲؎اور متواتر روزے رکھیں اور جب لوگ سوتے ہوں تو رات میں نماز پڑھیں ۳؎(بیہقی شعب الایمان) |

ا؎ یعنی ان کی دیواریں اور کواڑ ایسے صاف اور شفاف کہ نگاہ کو نہیں روکتے جس کا نمونہ کچھ دنیا میں شیشے کی دیواروں اور کواڑوں میں نظر آتا ہے،اس شفافی میں اس کے حسن و خوبی کی طرف اشارہ ہے۔

۲؎ یعنی وہ دریچے ان لوگوں کے لیئے ہیں جن میں یہ چار صفات جمع ہوں ہر مسلمان دوست یا دشمن سے نرمی سے بات کرنا،کفار سے سخت کلامی بھی عبادت ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ"اور فرماتا ہے:"وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً"ہر خاص و عام کو کھانا کھلانا اس میں مشائخ کے لنگروں کا ثبوت ہے،بعض بزرگوں کے ہاں چرندوں پرندوں کو بھی دانا پانی دیا جاتا ہے وہ طعام کو بہت عام کرتے ہیں۔

۳؎ یعنی ہمیشہ روزے رکھیں سوا ان پانچ دنوں کے جن میں روزہ حرام ہے یعنی شوال کی یکم اور ذی الحجہ کی دسویں تا تیرھویں یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو ہمیشہ روزے رکھتے ہیں،بعض نے فرمایا کہ اس کے معنی ہیں ہر مہینہ میں مسلسل تین روزے رکھے،چونکہ نماز تہجد ریاء سے دور ہے اور تمام نمازوں کی زینت اس لیئے اس کے پڑھنے والے کو مزین دریچے دیئے گئے۔خلاصہ یہ ہے کہ جودو سجود کا اجتماع بہترین وصف ہے۔شعر

شرف مرد بجود است و کرامت بسجود | ہر کہ ایں ہر دو ندارد عدمش بہ ز وجود

| | |
|---|---|
| | اور ترمذی نے حضرت علی سے اس کی مثل روایت کی اور ایک روایت میں ہے جو اچھا کلام کرے۔ |

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ فلاں کی طرح نہ ہونا جو رات کو اٹھتا تھا پھر رات کا اٹھنا چھوڑ دیا ۱؎ (مسلم،بخاری) |

۱؎ بلاعذر محض سستی کی وجہ سے۔اس سے معلوم ہوا کہ تہجد گزار کو تہجد چھوڑنا بہت برا ہے۔اشعۃ اللمعات میں ہے کہ عبداللہ ابن عمرو تمام رات عبادت کرتے تھے ان کے والد اس سے منع کرتے تھے مگر نہ مانتے تھے۔چنانچہ ان کے والد نے بارگاہ رسالت میں ان کی شکایت کی تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔مقصد یہ ہے کہ تم سے یہ عبادت نبھ نہ سکے گی اور تم اصل تہجد بھی چھوڑ بیٹھو گے۔شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بہت تلاش کے باوجود ان صاحب کا نام نہ ملا جو یہ قیام چھوڑ بیٹھے تھے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عثمان ابن ابوالعاص سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ داؤد علیہ السلام کی رات میں ایک گھڑی ایسی تھی جس میں اپنے گھر والوں کو جگاتے تھے ۱؎ فرماتے تھے اے داؤد کے گھر والو اٹھو نماز پڑھ لو کیونکہ یہ وہ گھڑی ہے جس میں اللہ تعالٰی جادوگر یا محصولیوں کے سوا سب کی دعا قبول فرماتا ہے ۲؎ (احمد) |

۱؎ یعنی ساری بیویوں اور سارے بچوں کو کیونکہ لفظ اہل ان سب کو شامل ہے۔

۲؎ چونکہ یہ دونوں بڑے ظالم ہوتے ہیں کہ جادوگر لوگوں پر جانی ظلم کرتا ہے اور چنگی والے ٹیکس وصول کرنے والے مالی ظلم بہت کرتے ہیں اور ان کے ذمہ حقوق العباد بہت ہوتے ہیں اس لیئے ان کی تہجد کے وقت مانگی ہوئی دعا بھی قبول نہیں ہوتی کیونکہ لوگوں کی بددعائیں ان کے پیچھے پڑی ہوتی ہیں۔صوفیاء فرماتے ہیں دعا کی قبولیت چاہتے ہو تو بددعائیں نہ لو،عُشّار عشر سے بنا،بمعنی پیداوار کا دسواں حصہ جو حکومت لیتی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ فرائض کے بعد بہترین نماز درمیانی رات کی ہے ۱؎(احمد) |

۱؎اس حدیث کی بناپر بعض علماء نے فرمایا کہ سنن مؤکدہ سے نماز تہجد افضل ہے۔کسی نے جنید بغدادی کو بعد وفات خواب میں دیکھا پوچھا کیا گزری فرمایا عبادات ضائع ہو گئیں،اشارات فنا ہوگئے تہجد کی رکعات کام آئیں۔(اشعہ)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا فلاں شخص رات میں تو نماز پڑھتا ہے جب صبح ہوتی ہے چوری کرتا ہے ۱؎فرمایا کہ اسے نماز اس چیز سے روک دے گی جو تو کہہ رہا ہے ۲؎(احمد، بیہقی، شعب الایمان) |

۱؎یعنی رات کے آخری حصہ میں چوری کرتا ہے یا دن میں کم تولتا ہے یہ بھی ایک قسم کی چوری ہے۔

۲؎یعنی نماز کی برکت سے وہ ان عیوب سے توبہ کرے گا یہ حدیث اس آیت کی شرح ہے"اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ"۔خیال رہے کہ سارے صحابہ عادل ہیں کوئی فاسق نہیں یعنی گناہ پر قائم کوئی نہ رہا،بعض تو پہلے ہی سے گناہوں سے محفوظ تھے جیسے ابو بکر صدیق اور بعض سے گناہ سرزد ہوئے اور بعد میں تائب ہوگئے جیسے یہ شخص جس کی شکایت ہوئی۔یہ بھی خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو اس چور کے ہاتھ اس وقت کٹوائے کیونکہ چوری کا ثبوت شرعی نہ ہوا،نہ شکایت کرنے والے کو غیبت پر کوئی تنبیہ فرمائی کیونکہ وہ غیبت نہ کررہے تھے بلکہ ان کی اصلاح کے خواہاں تھے،جیسے شاگرد کی شکایت استاد سے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب تم فلاں گناہ کرتے ہو تو تمہیں داڑھی رکھنے یا نماز پڑھنے سے کیا فائدہ سخت غلط ہے ان شاء اللہ یہ نیکیاں گناہ چھڑادیں گی۔گناہ کی وجہ سے نیکیوں کو نہ چھوڑو بلکہ نیکیوں کی وجہ سے گناہ چھوڑ دو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوسعید و ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی شخص رات میں اپنے گھر والوں کو جگائے پھر وہ دونوں یا وہ اکیلا دو رکعتیں پڑھ لے تو وہ ذکر کرنے والوں یا والیوں میں لکھے جائیں گے ۱؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ) |

۱؎یعنی تہجد کی دو رکعتیں پڑھنے کی برکت سے تمام رات کی عبادت کا ثواب ملتا ہے اور اس وقت تھوڑے ذکر کی برکت سے انسان ہمیشہ ذکر کرنے والوں کے زمرے میں آجاتا ہے۔حدیث شریف میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے"وَالذّٰکِرِیْنَ اللہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللہُ لَھُمۡ" الآیہ۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت کے بہترین لوگ قرآن |

| | |
|---|---|
| | اٹھانے والے اور شب بیداری کرنے والے ہیں ۱؎(بیہقی،شعب الایمان) |

۱؎ قرآن اٹھانے والوں سے مراد قرآن کے حافظ ہیں یا اس کے محافظ ہیں یعنی حفاظ یا علمائے کرام کہ ان دونوں کے بڑے درجے ہیں۔حدیث شریف میں ہے جس نے قرآن حفظ کیا اس نے نبوت کو اپنے دو پہلوؤں میں کے درمیان لے لیا۔حافظ الفاظ قرآن کی بقا کا ذریعہ ہیں،علماء معانی و مسائل قرآن کی بقا کا ذریعہ اور صوفیاء اسرار رموز قرآنی کے بقاء کا۔رات والوں سے مراد تہجد گزار ہیں۔سبحان اللہ!جس شخص میں علم و عمل دونوں جمع ہو جائیں اس پر خدا کی خاص مہربانی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ ان کے والد عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ رات میں جس قدر رب چاہتا نماز پڑھتے رہتے تھے حتی کہ جب آخری رات ہوتی تو اپنے گھر والوں کو نماز کے لیئے جگاتے ۱؎ اور ان سے فرماتے نماز پھر یہ آیت تلاوت فرماتے کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اس پر قائم رہو ہم تم سے رزق نہیں مانگتے ہم تمہیں روزی دیں گے ۲؎ انجام پرہیزگاری کا ہے۔(مالک) |

۱؎ یعنی خود تو تہائی رات سے ہی نماز شروع کردیتے ہیں مگر بال بچے کو پچھلے حصے میں جگاتے۔اس سے معلوم ہوا کہ گھر کے بڑے کو بہت نیک ہونا چاہیے تاکہ چھوٹے بھی نیک بنیں پیر عالم اور بادشاہ وآفیسران اگر نیک ہوں تو ان کے ماتحت شاگرد و عوام و مرید بھی نیک ہوجائیں گے۔

۲؎ یعنی نماز خصوصًا تہجد کی برکت سے روزی میں برکت ہوتی ہے۔بعض صالحین کو جب کبھی فقروفاقہ پہنچتا تو گھر والوں سے کہتے نوافل شروع کرو اللہ رسول نے یہی حکم دیا ہے پھر یہ آیت پڑھتے۔(مرقاۃ)

## باب القصد فی العمل

## عمل میں میانہ روی کا باب ۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱ قصد کے معنی ارادہ بھی ہیں اور درمیانی رفتار بھی یہاں دوسرے معنی میں ہے۔خیال رہے کہ فرائض وواجبات تورب تعالٰی کی طرف سے مقرر ہیں ان میں زیادتی یا کمی ہوسکتی ہی نہیں نوافل میں بندے کو اختیار دیا گیاہے چاہیئے کہ بندہ اتنے نفل اختیار کرے جو نباہ سکے نہ ایک دم زیادہ نہ بالکل کم اسی کا نام قصد ہے اور یہاں عمل سے مراد نفلی عمل ہیں،درمیانی چال دین ودنیا میں مفید ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہینے میں اتنا افطار فرماتے کہ گمان ہوتا آپ اس میں کوئی روزہ نہ رکھیں گے اور روزے رکھتے حتی کہ گمان ہوتا کہ آپ اس میں بالکل افطار نہ کریں گے ۱ تم رات میں آپ کو نماز پڑھتا دیکھنا چاہتے مگر دیکھ لیتے اور سوتا دیکھنا چاہتے مگر دیکھ لیتے ۲(بخاری) | |

۱یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف کے سوا کسی مہینہ میں سارا ماہ روزے نہ رکھتے تھے بلکہ کچھ تاریخوں میں مسلسل روزے اور کچھ مسلسل افطار۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ داؤدی کی تعریف فرمائی یعنی ہمیشہ ایک دن روزہ ایک دن افطار مگر خود اپنا یہ عمل ہے۔معلوم ہوا کہ روزہ داؤدی سنت قولی ہے اور اس طرح روزے سنت فعلی اس کا ثواب زیادہ اس عمل کا قرب زیادہ جیسے بعد وتر نفل کھڑے ہوکر پڑھنے کا ثواب زیادہ بیٹھ کر پڑھنے کا قرب زیادہ کہ یہ عملی ہے۔

۲یعنی نہ تمام رات سوتے تھے نہ تمام رات جاگتے تھے اول رات سوتے اور آخر رات جاگتے اور بعد تہجد پھر سوجاتے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو پیارا عمل دائمی ہے اگرچہ تھوڑا ہو ۱(مسلم،بخاری) | |

۱دائمی عمل اگرچہ تھوڑا ہو اچھا ہے اور عارضی عمل اگرچہ زیادہ ہو اتنا اچھا نہیں۔صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ درود و وظائف شروع کرکے چھوڑے نہیں جب زبان بند ہو اور موت آئے تب یہ اعمال بند ہوں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقدر طاقت اعمال اختیار کرو ۱کیونکہ اللہ ملال نہیں ڈالتا حتی کہ تم خود ملال میں پڑو ۲(مسلم) | |

۱؎ خیال رہے کہ یہ تمام کلام نفلی عبادات کے لیئے ہے کہ بقدر طاقت شروع کرو جو نبھا سکو،فرائض تو پورے ہی پڑھنے ہوں گے لہذا احدیث کا یہ مطلب نہیں کہ اگر دو وقت کی نماز ہی پڑھ سکو تو اتنی ہی پڑھ لیا کرو لہذا حدیث صاف ہے،واجبات و سنن فرائض کے تابع ہیں ان کی پابندی لازم ہے۔

۲؎ یہ ترجمہ نہایت موزوں ہے یعنی اگر تم خود ملال و مشقت والے کاموں کو اپنے اوپر لازم کرلو کہ روزانہ سو رکعت پڑھنے یا ہمیشہ روزہ رکھنے کی نذر مان لو تو تم پر یہ چیزیں واجب ہو جائیں گی،پھر تم مشقت میں پڑھ جاؤ گے مگر یہ مشقت رب نے نہ ڈالی تم نے خود اپنے پر ڈالی یہ معنی نہیں کہ اللہ ملال میں نہیں پڑتا حتی کہ تم ملال میں پڑو رب تعالٰی ملال کرنے سے پاک ہے۔پہلا تملوا باب افعال سے ہے،دوسرا نصر سے یہ حدیث دین و دنیا کے مشاغل کو شامل ہے درمیانی محنت کرنے والے ہمیشہ کامیاب ہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے ہر شخص بقدر ذوق نماز پڑھے جب تھک جائے تو بیٹھ جائے ۱؎(مسلم بخاری) | |

۱؎ یعنی اگر کھڑے کھڑے نوافل پڑھتے تھک گیا ہے تو بیٹھ کر پڑھے اس بیٹھنے میں ان شاءاللہ قیام کا ثواب ملے گا یا اگر نماز نفل سے تھک گیا ہے تو کچھ دیر آرام کے لیئے بیٹھ جائے اس آرام میں نفل کا ثواب ملے گا کیونکہ یہ آرام آیندہ نفل کی تیاری کے لیئے ہے،جو عادت عبادت کی تیاری کے لیئے وہ عبادت ہے اس لیئے کہا جاتا ہے کہ عالم کی نیند عبادت ہے کہ اس کے ذریعہ وہ بہت سے کام کرے گا۔(مرقاۃ)

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھتے ہوئے اونگھے تو سولے ۱؎ حتی کہ نیند جاتی رہے کیونکہ جب کوئی اونگھتے نماز پڑھے گا تو نہیں جانے گا کہ شاید دعائے مغفرت کرے تو اپنے کو بد دعا دے لے ۲؎(مسلم،بخاری) | |

۱؎ معلوم ہوا کہ اونگھتے ہوئے نماز پڑھنا مکروہ و ممنوع ہے کہ جس کی وجہ آگے آرہی ہے۔

۲؎ مثلًا اونگھتے ہوئے بجائے اِغْفِرْلِیْ کے اِعْفِرْلِیْ کہہ جائے غفر کے معنی ہیں بخشنا،عفر کے معنی ہیں مٹی میں ملانا،ذلیل و خوار کرنا اور بعض ساعتیں قبولیت کی ہوتی ہیں کہ جو زبان سے نکلے وہ ہو جاتا ہے اس لیئے بہت احتیاط چاہیئے۔خیال رہے کہ بعض دفعہ مقتدی امام کے پیچھے اونگھ جاتے ہیں انہیں منہ دھو کر کھڑا ہونا چاہیے مگر اس اونگھ کی وجہ سے نماز باجماعت نہ چھوڑنی چاہیئے،یہاں تہجد وغیرہ نوافل کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دین آسان ہے ۱؎ اور کوئی دین کو سخت نہ بنائے گا مگر دین اس پر غالب آجائے گا ۲؎ لہذا ٹھیک رہو خوش خبریاں دو ۳؎ اور صبح شام اندھیری رات کی نمازوں سے مدد لو ۴؎(بخاری) | |

۱؎ یعنی اسلام آسان دین ہے اس میں یہودیت کی طرح سختیاں نہیں کہ ان کے ہاں ترک دنیا عبادت تھی ہمارے ہاں دنیاداری بھی عبادت ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے،رب فرماتا ہے:"یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ"۔

۲؎ یعنی جو شخص غیر ضروری عبادت کو اپنے لیئے ضروری بنالے وہ مغلوب ہو کر تھک کر رہ جاوے گا اور پھر گنہگار ہوگا مثلًا کوئی عمر بھر روزے رکھنے کی نذر مان لے تو نہ کرسکے گا پھر اپنی نذر کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔

۳؎ یعنی نیک اعمال کیئے جاؤ اللہ سے قرب اختیار کرو اور لوگوں کو دین سے ڈراؤ نہیں بلکہ خوشخبریاں دے کر ادھر مائل کرو یا خود خوش و خرم رہو کہ اللہ تعالٰی ہماری کوتاہیوں سے در گزر فرمائے گا،ہمیں اپنے فضل سے بخش دے گا،یعنی دوسروں کو خوشخبریاں دو یا خود خوشخبریاں لو۔

۴؎ اس طرح کہ صبح کو اشراق،شام کو اوابین،شب میں تہجد پڑھ لیا کرو اس سے سیر الی اللہ میں تمہیں مدد ملے گی۔سالک کے لیئے یہ عمل اچھے معاون ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اپنے وظیفے یا اس کے کچھ حصے سے سو جائے پھر فجر و ظہر کے درمیان پڑھ لے تو ایسا ہی لکھا جائے گا گویا اس نے رات میں پڑھا ۱؎ (مسلم) |

۱؎ اس سے بعض علماء نے فرمایا کہ تہجد رہ گئی ہو تو دوپہر سے پہلے اتنے نفل پڑھ لے تو ان شاءاللہ تہجد کا ثواب مل جائے گا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ رات کا خلیفہ دن ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:"جَعَلَ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ خِلۡفَۃً"لہذا رات کے اعمال دن میں ہوسکتے ہیں،نیز دن کے اول حصہ پر رات کے بعض احکام جاری ہیں اسی لیئے نفل اور رمضان کے روزے کی نیت ضحوہ کبرٰی سے پہلے ہوسکتی ہے گویا اس نے رات سے ہی نیت کی۔(از مرقاۃ وغیرہ)اسی طرح اگر دن کا وظیفہ رہ جائے تو رات میں ادا کرلے کیونکہ دن کا خلیفہ رات ہے۔(لمعات وغیرہ)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز کھڑے ہو کر پڑھو اگر طاقت نہ رکھو تو بیٹھ کر اگر طاقت نہ رکھو تو کروٹ پر ۱؎ (بخاری) |

۱؎ حضرت عمران ابن حصین کو سخت بواسیر کا مرض تھا جس سے وہ بعض اوقات نہ تو کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے تھے نہ بیٹھ کر انہوں نے اپنے لیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا آپ نے یہ جواب فرمایا جیسا کہ مسلم کے سوا تمام صحاح میں ہے۔خیال رہے کہ یہاں نماز سے فرض واجب وغیرہ تمام نمازیں مراد ہیں مجبور کے یہ ہی احکام ہیں۔یہ بھی خیال رہے لیٹ کر نماز پڑھنے والے کے لیئے بہتر یہ ہے کہ چت لیٹے،روبقبلہ ہو،اس طرح کہ پاؤں بھی قبلہ کی طرف ہوں تاکہ اس کا رکوع وسجدہ بھی قبلہ رخ ہو حضرت عمران ابن حصین کو بواسیر تھی جس سے وہ چت بھی نہیں لیٹ سکتے تھے اس لیئے انہیں داہنی کروٹ پر لیٹنے کا حکم دیا گیا۔(فتح القدیر)لہذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں دارقطنی کی حدیث میں ہے"فَاِنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ صَلّٰی مُسۡتَلۡقِیًا رِجۡلَاہُ مِمَّا یَلِی الۡقِبۡلَۃَ"یعنی اگر بیٹھ کر نماز نہ پڑھ سکے تو چت لیٹ کر پڑھے قبلہ کی طرف پاؤں کرکے یہ حدیث احناف کی دلیل ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے انہی سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیٹھ کر نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا آپ نے فرمایا اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھو تو افضل ہے اور جو بیٹھ کر نماز پڑھے تو اسے کھڑے ہونے والے سے آدھا ثواب ہے ۱؎ اور جو لیٹ کر نماز پڑھے تو اسے بیٹھنے سے آدھا ثواب ۲؎ (بخاری) | |

۱؎ یہاں سوال نفل نماز کے بارے میں تھا۔جواب کاخلاصہ یہ ہے کہ جو شخص نفلی نماز قیام پر قادر ہوتے ہوئے بیٹھ کر پڑھے تو اسے آدھا ثواب ملے گا،فرض نماز بلاعذر بیٹھ کر نہیں ہوگی بلکہ جو فرض میں قیام فرض نہ مانے وہ کافر ہے کیونکہ اس کی فرضیت ضروریات دین سے ہے۔

۲؎ اس حدیث کی بناپر خواجہ حسن بصری وغیرہ علماء نے فرمایا کہ نفلی نماز باوجود قیام پر قدرت ہونے کے لیٹ کر بھی جائز ہے مگر اسے ثواب بیٹھنے سے آدھا ملے گا یعنی قیام سے چہارم۔احناف کے نزدیک نفلی نماز بھی بلاعذر لیٹ کر جائز نہیں،اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو بیمار فرضی نماز بہ تکلف کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر پڑھ سکے مگر پھر لیٹ کر پڑھ لے تو اگرچہ بیماری کی وجہ سے نماز تو ہوجائے گی لیکن قیام جیسا ثواب نہ ملے گا کیونکہ یہ مریض بہ تکلف قیام یا قعود پر قادر تھا۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابی امامہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اپنے بستر پر پاک ہو کر لیٹے ۱؎ اور اللہ کا ذکر کرتا رہے حتی کہ اسے نیند آجائے ۲؎ تو رات کی کسی گھڑی میں کروٹ نہ لیگا جس میں اللہ سے دنیا اور آخرت کی خیر مانگے مگر رب اسے یہ دے گا۔ ۳؎ اسے نووی نے کتاب الاذکار میں ابن سنی کی روایت سے ذکر کیا ۴؎ | |

۱؎ گناہوں سے پاک ہو کر توبہ واستغفار کرے یا ظاہر نجاستوں سے پاک ہو کر کہ جسم،کپڑے،بستر سب پاک ہوں یا باطنی نجاست سے پاک ہو کر وضو یا تیمّم کر کے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

۲؎ زبان سے ذکر کرتا ہوا سوئے یا دل سے یا سانس سے پاس انفاس کرتا ہوا تیسرے معنی زیادہ موزوں ہیں۔

۳؎ یعنی ایسا آدمی اگر شب میں کروٹ لیتے ہوئے بھی دعا مانگ لے گا تو قبول ہوگی اگر تہجد کے لیئے اٹھ بیٹھے اور پھر دعا کرے تو سبحان اللہ!

۴؎ اور ترمذی نے شہر ابن حوشب سے اور فرمایا کہ حدیث حسن ہے۔(مرقاۃ)

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہمارا رب دو شخصوں سے بہت راضی | |

| | |
|---|---|
| | ہوتا ہے ایک وہ شخص جو اپنے بستر اپنے لحاف اپنے پیاروں اپنے گھروں کے درمیان سے کود کرا۱ نماز کے لیئے کھڑا ہو رب اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے اس بندے کو دیکھو کہ اپنے بستر اور لحاف سے اپنے پیاروں اور گھروالوں کے درمیان سے نماز کے لیئے اٹھ کھڑا ہوا میری رحمت کی رغبت اور میرے عذاب کے خوف سے ۲ اور ایک وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ جائے پھر غور کرے کہ اس پر بھاگنے میں کیا عذاب ہے اور لوٹنے میں کیا ثواب ہے تو لوٹ پڑے حتی کہ اس کا خون بہادیا جائے ۳ تو رب تعالٰی فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کو دیکھو میرے ثواب میں رغبت میرے عذاب سے خوف کرتے ہوا لوٹ پڑا حتی کہ اس کا خون بہادیا گیا ۴ (شرح سنہ) |

۱ یعنی نماز تہجد کے لیئے اپنا گرم و نرم بستر چھوڑے بال بچوں سے منہ موڑے مصلے پر آجائے۔ کود کر کھڑے ہونے میں اس جانب اشارہ ہے کہ اونگھتا ہوا سستی سے نہ اٹھے بلکہ شکر کرتے ہوئے خوشی اور پھرتی سے اٹھے اور خدا کی توفیق کو غنیمت سمجھے، سبحان اللہ! یہاں جوش محبت دیکھا جاتا ہے افعال نماز کا پاور دلی جوش ہے۔

۲ یعنی نہ مجھ سے ناامید ہے نہ مطمئن بلکہ کرتا ہے اور پھر ڈرتا ہے۔ مرقاۃ نے فرمایا ایسے شخص کی ملکیت بشریت پر غالب ہے کہ باوجود نفس اور شیطان کے بہکانے کے پھر ایسے وقت نیند چھوڑ دیتا ہے جب کہ نیند بڑی پیاری ہوتی ہے۔

۳ خیال رہے کہ ایسی حالت میں جب سارے مجاہد میدان چھوڑ گئے ہوں اسے بھی بھاگ جانا رخصت تھا مگر ڈٹ کر لڑنا اور جان دے دینا عزیمت جس کا بڑا اجر ہے اور اگر مسلمان بزدلی کی وجہ سے بلا عذر بھاگے ہوں تو سب گنہگار سب پر جم کر لڑنا ایسی حالت میں فرض ہے یہاں شاید دوسری صورت مراد ہے جیسا کہ مَاعَلَیۡہِ سے معلوم ہو رہا ہے۔

۴ یعنی یہ لوٹ پڑنا گزشتہ بھاگنے کے گناہ کا کفارہ بھی ہوگیا اور بلندئ درجات کا ذریعہ بھی۔ خیال رہے کہ عذاب کا خوف اور رحمت کی امید مومن کے لیئے عبادت کا باعث تو ہے اس کی علت نہیں لہذا یہ حدیث صوفیاء کے اس قول کے خلاف نہیں کہ عبادت محض جنت حاصل کرنے یا جہنم سے بچنے کے لیئے نہ کرو بلکہ اللہ کے لیئے کرو۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں مجھے خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد کی نماز بیٹھ کر آدھی نماز ہے فرماتے ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے پایا تو میں نے اپنا ہاتھ آپ کے سر پر رکھا فرمایا |

| | |
|---|---|
| | اے عبداللہ ابن عمر کیا ہے میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے فرمایا مرد کی نماز بیٹھ کر آدھی نماز ہے ا؎ اور آپ خود بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں فرمایا ہاں لیکن میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں ہوں ۲؎ (مسلم) |

ا؎ اس ساری حدیث میں نماز سے مراد نماز نفل ہے مرد کا ذکر اتفاقاً ہے ورنہ عورت کا بھی حکم یہی ہے۔خیال رہے کہ یہاں حضرت عبداللہ کسی مجبوری سے سامنے حاضر نہ ہوسکے اور کچھ عرض نہ کرسکے اس لیئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیئے یہ عمل کیا لہذا یہ بے ادبی میں شمار نہیں یا یہ حضرت اس وقت آداب بارگاہ سے پورے واقف نہ تھے جیسے کہ بعض ناواقفوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک پر ہاتھ رکھ دیا ایسے ناواقفوں کی بے ادبی معاف ہوتی ہے۔

موسیا آداب دانا دیگر اند　　　　سوختہ جان ور دانا دیگر اند

۲؎ یعنی ثواب کی کانٹ چھانٹ تمہارے لیئے ہے ہم کو بیٹھ کر نفل پڑھنے میں وہ ثواب ملتا ہے جو تمہیں کھڑے ہو کر پڑھنے میں نہیں ملتا یا یہ معنی ہیں کہ ہمیں جتنا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے میں ملتا ہے اتنا ہی بیٹھ کر یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" وہاں ظاہر کا ذکر ہے یہاں حقیقت کا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری چہرے مہرے میں شکل انسانی میں ہیں اور حقیقت و مراتب میں فرشتے گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتے اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو اس آیت کو آڑ بنا کر اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل اور حضور کو اپنی مثل سمجھتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) جب یہ لوگ ایمان کی وجہ سے ابوجہل کی مثل نہیں ہوسکتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے ہوتے ہوئے ہماری مثل کیسے ہوسکتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت سالم ابن ابی الجعد سے فرماتے ہیں کہ خزاعہ کے ایک آدمی نے کہا کاش میں نماز پڑھ لیتا تو راحت پا جاتا،شاید لوگوں نے اس بات کو معیوب سمجھا ا؎ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اے بلال نماز کی تکبیر کہو ہمیں اس سے راحت پہنچاؤ ۲؎ (ابوداؤد) |

ا؎ وہ یہ سمجھے کہ نماز انہیں بوجھ ہے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ میں نماز سے ہلکا ہو کر سو رہتا یہ معنی واقعی برے ہیں۔

۲؎ یعنی نماز ہماری راحت کا ذریعہ ہے اس میں مشغول ہو کر چین ملتا ہے اسی لیئے بِهَا فرمایا منہانہ فرمایا،اس کی شرح وہ حدیث ہے کہ فرماتے ہیں کہ نماز میں میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے،یہی مطلب ان صحابی کا تھا۔

## باب الوتر

### وتر کا باب ١

### الفصل الاول

### پہلی فصل

١ وتر کے لغوی معنی ہیں طاق عدد جفت یعنی شفع کا مقابل،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَّ الشَّفۡعِ وَ الۡوَتۡرِ "۔شریعت میں وتر خاص نماز کا نام ہے جو عشاء کے بعد متصل یا تہجد کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔وتر میں علماء کے پانچ اختلاف ہیں:ایک یہ کہ وتر سنت ہیں یا واجب؟ہمارے ہاں واجب ہیں۔دوسرے یہ کہ وتر ایک رکعت ہے یا تین؟ہمارے ہاں تین رکعت۔تیسرے یہ کہ اگر تین رکعت ہے تو دو سلام سے یا ایک سلام سے؟ہمارے ہاں ایک سلام سے ہے۔چوتھے یہ کہ وتر میں دعائے قنوت ہمیشہ پڑھی جائے گی یا صرف رمضان کے آخری پندرہ دن میں؟ہمارے ہاں ہمیشہ پڑھی جائے گی۔خیال رہے کہ اس باب میں وتر کبھی صرف اس ایک رکعت کو کہا جائے گا جو وتر کے آخر میں ہوتی ہے،کبھی پوری تین رکعتوں،کبھی پوری تہجد کو،جہاں ارشاد ہوگا کہ وتر سات یا نو یا گیارہ رکعتیں پڑھیں وہاں پوری تہجد مراد ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں وتر کی پوری بحث ہماری کتاب "جاء الحق"حصہ دوم میں مطالعہ فرماؤ۔یہاں بھی احادیث کی شرح میں کچھ عرض کیا جائے گا۔ان شاءاللہ!

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں١ پھر جب تم میں سے کوئی صبح کا خوف کرے٢ تو ایک رکعت اور پڑھ لے جو اس کی پڑھی ہوئی نماز کو طاق بنادے گی٣(مسلم،بخاری) |

١ یعنی بہتر یہ ہے کہ نماز تہجد دو۲ دو۲ رکعتیں پڑھے،چار چار یا زیادہ کی نیت نہ باندھے یہ حدیث صاحبین اور امام شافعی کی دلیل ہے کہ رات کے نوافل دو دو کرکے پڑھنا افضل ہے۔

٢ یعنی تہجد پڑھنے والے وتر تہجد کے بعد پڑھیں مگر صبح صادق سے پہلے پہلے پڑھ لیں۔اس حدیث میں اشارۃً ارشاد ہوا کہ تہجد کی نماز دراز پڑھے حتی کہ صبح کے وقت ختم کرے۔

٣ اس کے معنے یہ ہیں کہ ایک رکعت دو رکعتوں کے ساتھ پڑھے یہ ایک رکعت تمام نماز کو طاق بنادے گی یہ مطلب نہیں کہ علیحدہ ایک رکعت پڑھے ورنہ یہ حدیث تین رکعت والی احادیث کے خلاف ہوگی جو آگے آرہی ہیں اور احادیث میں سخت تعارض ہوگا لہذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وتر آخری رات میں ایک رکعت ہے١(مسلم) |

۱؎ یہاں وتر لغوی معنے میں ہے یعنی ساری تہجد کو وتر(طاق) بنانے والی وہ ایک رکعت ہے جو دو کے ساتھ ملادی جائے یہ مطلب نہیں کہ وتر کی ایک ہی رکعت ہوتی ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بُتَیْرَا یعنی ناقص نماز سے منع فرمایا،ایک رکعت ناقص ہی ہے،نیز کوئی فرض نماز ایک رکعت نہیں یا دو رکعت ہیں یا چار یا تین،وتر دو یا چار رکعت تو ہو نہیں سکتی لہذا صرف تین ہی ہوگی،آخری رات فرما کر یہ بتایا کہ وتر کا وقت مستحب آخر شب ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے ان میں سے پانچ رکعت وتر پڑھتے جن میں آخر کے سوا کہیں نہ بیٹھتے ۱؎(مسلم،بخاری) | |

۱؎ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم شب میں آٹھ رکعت تہجد اور پانچ رکعت وتر پڑھتے تھے،اس طرح کہ ان پانچ رکعتوں میں درمیان میں سلام کے لیئے نہ بیٹھتے بلکہ سلام آخر میں ایک بار پھیرتے تھے،یہاں بیٹھنے سے مراد سلام کے لیئے بیٹھنا ہے نہ کہ **التحیات** کے لیئے بیٹھنا کیونکہ ہر وقت نماز میں ہر دو رکعت پر بیٹھنا **التحیات** پڑھنا تمام آئمہ کے ہاں واجب ہے۔خیال رہے کہ پانچ رکعت وتر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا فعل شریف تھا جو بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ دیا۔چنانچہ ان ہی عائشہ صدیقہ کی روایات اسی باب میں تین رکعت وتر کی آرہی ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ہے جو اس عمل کا ناسخ ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن ہشام ۱؎ سے فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ کے پاس گیا عرض کیا اے ام المؤمنین مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی خبر دیجئے آپ نے فرمایا کہ کیا تم قرآن نہیں پڑھتے میں نے کہا ہاں بولیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا ۲؎ میں نے عرض کیا اے ام المؤمنین مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کی خبر دیجئے فرمایا ہم آپ کی مسواک اور طہارت کا پانی تیار کردیتے تھے ۳؎ تو رات میں جب اللہ چاہتا انہیں اٹھاتا تو آپ مسواک کرتے اور وضو کرتے اور نو رکعتیں پڑھتے جن میں آٹھویں کے سوا کہیں نہ بیٹھتے ۴؎ پھر اللہ کا ذکر کرتے اور اس کی حمد کرتے اس سے دعا مانگتے پھر بغیر سلام پھیرے کھڑے ہوتے ۵؎ تو نویں رکعت پڑھ لیتے پھر بیٹھتے پھر اللہ کا ذکر کرتے اور اس کی حمد کرتے اور اس سے دعا مانگتے پھر اس طرح سلام پھیرتے کہ ہمیں سنادیتے پھر سلام کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے اے بچے یہ گیارہ رکعتیں ہوئیں ۶؎ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سن رسیدہ اور کمزور ہوگئے تو سات رکعتیں وتر پڑھنے لگے ۷؎ اور دو رکعتوں میں پہلی رکعتوں کا سا عمل کرتے ۸؎ اے بچے یہ نو ہوئیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نماز پڑھتے تو اس پر ہمیشگی کو | |

| | |
|---|---|
| | پسند فرماتے اور جب آپ کو نیند یا تکلیف رات کو اٹھنے سے مانع ہوتی تو دن میں بارہ رکعتیں پڑھ لیتے۹ اور مجھے خبر نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا قرآن ایک رات میں پڑھا ہو اور نہ یہ کہ ساری رات صبح تک نماز پڑھی ہو اور نہ یہ کہ رمضان کے سوا کسی مہینے کا پورا روزہ رکھا ہو ۱۰ (مسلم) |

۱؎ آپ انصاری ہیں، تابعی ہیں، حضرت انس ابن مالک کے چچازاد بھائی ہیں، غزوہ ہند میں شریک ہوئے اور مکران میں شہید ہوئے، خواجہ حسن بصری نے آپ سے روایات لیں۔ (اشعہ)

۲؎ یعنی قرآن کریم پر عمل آپ کی جبلی عادات کریمہ تھیں، یہ خاموش قرآن ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بولتا ہوا قرآن، آپ کا ہر عمل قرآن کریم کی تفسیر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچپن شریف سے ہی قدرتی طور پر قرآن پر عامل تھے، قرآن ہماری ہدایت کے لیئے آیا نہ کہ حضور کی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسی لیئے فرمایا گیا "هُدًى لِّلنَّاسِ" اور فرمایا "هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ" قرآن لوگوں کا یا متقین کا ہادی ہے نہ کہ آپ کا، آپ تو اول ہی سے ہدایت یافتہ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳؎ یعنی ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسواک اور وضو کا پانی آپ کے سرہانے اول رات ہی میں رکھ دیتے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ دونوں چیزیں سرہانے رکھ کر سونا سنت ہے اور یہ خدمت بیوی کے ذمہ ہے۔

۴؎ نہ سلام کے لیئے نہ التحیات کے لیئے بلکہ مسلسل آٹھ رکعتیں پڑھتے جیسا کہ اگلی عبارت سے معلوم ہورہا ہے۔

۵؎ یعنی آٹھویں رکعت پر بیٹھتے تو مگر التحیات وغیرہ پڑھنے کے لیئے نہ کہ سلام پھیرنے کے لیئے۔ خیال رہے کہ ام المؤمنین نے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تہجد بیان فرمائی نہ کہ صرف وتر اور یہ حدیث بالاتفاق منسوخ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پہلا عمل تھا اب کسی کے نزدیک وتر تہجد سے ملا کر پڑھنا جائز نہیں اور کسی کے ہاں آٹھ رکعتیں مسلسل پڑھنا درست نہیں اگر آٹھ کی نیت باندھے تو ہر دو رکعت میں بیٹھنا اور التحیات پڑھنا واجب ہے لہذا یہ حدیث عائشہ صدیقہ کی تین رکعت والی وتر کی حدیث کے خلاف نہیں کہ یہاں پہلے عمل کا ذکر ہے اور وہاں آخری کا۔

۶؎ اس سے معلوم ہوا کہ وتر کے بعد دو نفل پڑھنا مستحب ہے کھڑے ہو کر پڑھنا ثواب کی زیادتی کا باعث ہے اور بیٹھ کر قرب زیادہ کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف ہے۔ وہ جو حدیث شریف میں آیا کہ رات میں وتر کو آخری نماز بناؤ وہاں تہجد سے مراد آخر ہے یعنی تہجد پہلے پڑھو وتر بعد میں یہ دو نفل تہجد نہیں۔

۷؎ اس طرح کہ چار رکعت تہجد اور تین رکعت وتر علیحدہ تحریمہ اور سلام سے جیسا کہ آگے انہیں کی روایت میں آرہا ہے۔ اس جملہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا والا عمل بالکل منسوخ ہے۔

۸؎ یعنی آخر عمر شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد و وتر میں تو تبدیلی واقع ہوگئی مگر وتر کے بعد نفلوں میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی اسی طرح بیٹھ کر پڑھتے رہے اولیٰ سے مراد پہلی حالت ہے۔

۹؎ زوال سے پہلے پہلے یا اس لیئے پڑھتے کہ آپ پر نماز تہجد فرض تھی اور فرض کی قضا ضروری ہے تب تو یہ قضا آپ کی خصوصیت ہے یہ اس لیئے کہ جس کی تہجد رہ جائے اور وہ زوال سے پہلے بارہ رکعتیں پڑھ لے تو تہجد کا ثواب پائے گا۔

۱؎ سبحان اللہ! یہ عائشہ صدیقہ کی انتہائی احتیاط ہے کہ اپنے علم کی نفی فرمارہی ہیں یعنی ممکن ہے کہ آپ نے سفر میں یا دوسری بیوی کے ہاں یہ عمل کیے ہوں مگر میرے علم میں یہ بات نہ آئی۔عائشہ صدیقہ کی وہ روایت کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے شعبان کے روزے رکھتے تھے اس حدیث کے خلاف نہیں کیونکہ وہاں سارے ماہ سے اکثر مراد ہے یعنی قریبًا سارا مہینہ۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پورا قرآن پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ نزول قرآن کی تکمیل وفات شریف سے چندروز پہلے ہی ہوئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل امت کی آسانی کے لئے نہ کیئے تاکہ ساری رات نماز اور سارے مہینوں کے روزے سنت نہ ہو جائیں،چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی خدشہ نہ تھا اس لیئے بعض صحابہ نے کبھی تمام رات بھی نمازیں پڑھی ہیں اور ایک رکعت میں ختم قرآن بھی کیا ہے اور ہمیشہ صائم بھی رہے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | ۱؎ روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا اپنی رات کی آخری نماز وتر بناؤ ۱؎(مسلم) |

۱؎ اس کی شرح ابھی عرض کی جاچکی ہے کہ یہ حدیث تہجد والوں کے لیئے تہجد کے اعتبار سے ہے اور تہجد نہ پڑھنے والوں کے لیئے عشاء کے اعتبار سے یعنی تہجد والے وتر تہجد سے پہلے نہ پڑھیں اور دوسرے لوگ وتر عشاء سے پہلے نہ پڑھیں لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو نفل پڑھتے تھے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا صبح سے پہلے وتر پڑھ لو۱؎ (مسلم) |

۱؎ یہ حکم وجوبی ہے کیونکہ وتر کا وقت عشاء کے بعد صبح تک ہے۔بعض علماء نے اس حدیث کی بناء پر فرمایا کہ وتر کی قضا نہیں مگر صحیح یہ ہے کہ قضا ہے حتی کہ اگر صاحب ترتیب کے وتر رہ گئے ہوں اور وہ عمدًا وتر بغیر قضاء کیئے فجر پڑھے تو اس کی فجر نہ ہوگی یہی امام اعظم کا قول ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ جو وتر سے سو جائے وہ صبح کے بعد پڑھ لے اس لیئے امام شافعی بھی قضاء وتر کے قائل ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو آخر رات میں نہ اٹھنے کا خوف کرے وہ اول رات میں وتر پڑھ لے ۱؎ اور جسے آخر شب میں اٹھنے کی امید ہو وہ آخر شب میں وتر پڑھے کیونکہ آخر شب کی نماز حاضری ملائکہ سے مشرف ہے اور یہ بہتر ہے ۲؎(مسلم) |

۱؎ یہ امر وجوبی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر واجب ہیں۔

۲؎ حضرت ابو بکر صدیق اول شب میں وتر پڑھ لیتے تھے اور حضرت عمر فاروق آخر شب میں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابو بکر تم احتیاط پر عمل کرتے ہو اور اے عمر تم قوت واجتہاد پر۔خیال رہے کہ یہاں فرشتوں سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں جو آخر شب میں اللہ کی رحمتیں لے کر اترتے ہیں،بعض شارحین نے فرمایا کہ مشہود کے معنی ہیں عظمت کی گواہی دی ہوئی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے ہر حصہ میں وتر پڑھی ہے اول شب میں درمیانی میں آخری میں اور آپ کے وتر سحر پر منتہی ہوئے ۱؎ |

| | |
|---|---|
| | (مسلم،بخاری) |

۱؎ سحر سے مراد رات کاآخری چھٹاحصہ ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی عشاء کے وقت وتر پڑھ لیئے اور کبھی عشاء پڑھ کر سوئے اور درمیان رات جاگ کر تہجد ووتر پڑھے مگر آخری عمل یہ رہاکہ صبح صادق کے قریب تہجد کے بعد وتر پڑھے،مسلمان جس پر عمل کرے سنت کاثواب پائے گااگرچہ آخر رات میں پڑھناافضل ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں مجھے میرے محبوب نے تین چیزوں کی وصیت کی ہر ماہ میں تین روزوں کی ۱؎ چاشت کی دو رکعتوں کی اور یہ کہ سونے سے پہلے وتر پڑھاکروں ۲؎ (مسلم،بخاری) |

۱؎ شروع مہینہ میں ایک روزہ،درمیان میں ایک،آخر میں ایک،یاہر عشرہ کے شروع میں ایک روزہ یا ہر مہینہ کی تیرھویں چودھویں پندرھویں کے روزے تیسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔

۲؎ اس لیئے کہ آپ بہت رات گئے تک دن کی سنی ہوئی حدیثیں یاد کرتے تھے۔دیر میں سوتے اس لیئے تہجد کواٹھنامشکل ہوتا۔(مرقاۃو اشعہ)اس سے معلوم ہواکہ دینی طلبہ کے لیئے یہی بہتر ہے کہ رات گئے تک علم میں محنت کریں اور وتر عشاء کے ساتھ پڑھ لیاکریں ان کے لیئے سبق یاد کرنا تہجد سے افضل ہے۔خیال رہے کہ بعض صحابہ کرام خصوصًاابوہریرہ قرآن کی طرح احادیث یاد کرتے تھے۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت غضیف ابن حارث سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ سے عرض کیاکہ فرمایئے تورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت اول شب میں کرتے تھے یاآخر میں فرمایااکثر اول شب میں غسل کرتے تھے اوراکثر آخر میں ۲؎ میں نے کہااللہ اکبر خداکاشکر ہے اس کام میں گنجائش رکھی میں نے عرض کیاکہ اول رات میں وتر پڑھتے تھے یاآخر میں فرمایا بارہااول رات میں وتر پڑھتے تھے بارہاآخر میں ۳؎ میں نے کہااللہ اکبر خداکاشکر ہے جس نے اس معاملہ میں گنجائش دی میں نے عرض کیاکہ بلند قرأت کرتے تھے یاآہستہ فرمایا بارہابلند کرتے تھے بارہاآہستہ ۴؎ میں نے کہااللہ اکبر خداکاشکر ہے جس نے اس میں گنجائش دی۔(ابوداؤد)اور ابن ماجہ نے آخری بات روایت کی۔ |

۱؎ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ شریف پایا مگر صحبت پاک پانے میں اختلاف ہے،اسی لیئے بعض محدثین نے آپ کو صحابی کہا ہے اور بعض نے تابعی۔

۲؎ یہ اکثریت اضافی نہیں بلکہ حقیقی ہے یعنی اول شب میں غسل کرلینا بھی بارہا تھا اور آخر میں بھی یعنی یہ بھی جائز ہے کہ جنبی ہوتے ہی غسل کرے اور یہ بھی کہ رات بھر جنابت میں گزارے تہجد یا صبح کے وقت غسل کرلے مگر ایسی صورت میں مستحب یہ ہے کہ وضو کرکے سوئے۔

۳؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اول شب میں وتر پڑھنا بیان جواز کے لیئے تھا اور آخر شب میں وتر پڑھنا بھی بیان جواز کے لیئے،اول شب میں وتر پڑھنے کی وجہ یہ نہ تھی کہ آپ کو اپنے جاگنے پر بھروسہ نہ تھا بلکہ امت کی آسانی کے لیئے۔

۴؎ یعنی تہجد میں۔علماء فرماتے ہیں کہ جہاں لوگوں کو تہجد کے لیئے اٹھانا ہو وہاں قدرے بلند قرأت کرے اور جہاں سونے والوں کو تکلیف سے بچانا مقصود ہو وہاں آہستہ کرے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خوشی کے موقع پر نعرہ تکبیر لگانا اور سبحان اللہ وغیرہ کہنا سنت صحابہ ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی قیس سے۱؎ فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کتنے وتر پڑھتے تھے فرمایا چار اور تین،چھ اور تین،آٹھ اور تین،دس اور تین پڑھتے تھے ۲؎ سات سے کم نہ پڑھتے تھے اور تیرہ سے زیادہ نہ پڑھتے ۳؎(ابوداؤد) | |

۱؎ عجیب لطف ہے کہ آپ کو مرقاۃ نے تابعی لکھا اور اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کا نام ہے جو جلیل القدر صحابی ہیں یہ اپنی کنیت میں مشہور ہوگئے۔

۲؎ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی تفسیر ہے جس میں حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سات وتر اور دو نفل پڑھتے تھے۔اس حدیث نے بتایا کہ وہاں بھی یہی مراد تھی کہ چار رکعت تہجد اور تین رکعت وتر۔

۳؎ یعنی تہجد کم سے کم چار رکعت پڑھتے تھے اور زیادہ سے زیادہ دس رکعت یہ آپ کے علم کے لحاظ سے ہے ورنہ دو رکعت بھی تہجد ثابت ہے اور بارہ رکعت بھی۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوایوب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر مسلمان پر وتر لازم ہیں۱؎ جو پانچ وتر پڑھنا چاہے وہ پانچ پڑھے ۲؎ جو تین پڑھنا چاہے وہ ایسا ہی کرے ۳؎ جو ایک پڑھنا چاہے وہ ایسا ہی کرے ۴؎ (ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ) | |

۱؎ یہ جملہ امام اعظم کی دلیل ہے کہ وتر واجب ہے جس کے چھوڑنے کا اختیار نہیں،اس کی تائید اور احادیث سے بھی ہوتی ہے جو آیندہ آرہی ہے۔

۲؎ اس طرح کہ دو رکعت تہجد اور تین رکعت وتر۔

۳؎ اس طرح کہ تہجد نہ پڑھے صرف وتر ہی تین رکعت پڑھے۔

۴؎ یہ جملہ ہمارے مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ ایک رکعت وتر پڑھنے والے یہ نہیں کہتے کہ ایک پڑھے یا تین یا پانچ وہ ایک ہی کو واجب کہتے ہیں اور حدیث سے اختیار ثابت ہو رہا ہے لہذا یہ جملہ تین والی احادیث کے مخالف ہے اور نا قابل عمل۔خیال رہے کہ یہاں اس جملہ کے یہ معنی نہیں ہوسکتے کہ ایک رکعت دوسے ملا کر وتر بناؤ کیونکہ یہ صورت تو پہلے بیان ہوچکی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ وتر ہے۱؎ وتر کو پسند فرماتا ہے۲؎ تو اے قرآن والو وتر پڑھا کرو۳؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی) |

۱؎ عربی میں وتر فرد عدد کو کہتے ہیں جو تقسیم نہ ہوسکے اکیلا ہو،رب تعالٰی عدد سے پاک ہے۔اس کے وتر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ ذات و صفات اور افعال میں اکیلا ہے،نہ اس کا کوئی شریک ہے،نہ اس کے صفات افعال قابل تقسیم،اسی معنی سے اسے واحد اور احد کہتے ہیں لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ وتر و شفع ہونا عدد کے حالات ہیں اللہ تعالٰی عدد سے پاک ہے۔

۲؎ وتر نماز کو پسند کرتا ہے کہ وتر ہونے میں اسے رب تعالٰی سے نسبت ہے،لہذا اس پر ثواب دے گا یا اس شخص کو پسند کرتا ہے جو دنیا سے اکیلا ہو کر رب کا ہو رہے جب رب تمہارا ہے تو تم بھی رب کے ہوجاؤ۔(از مرقات)

۳؎ یعنی اے قرآن ماننے والو مسلمانو! نماز وتر پڑھا کرو اس پر بہت ثواب ہے یا اے قرآن ماننے والو دنیا سے منقطع ہو کر رب کے ہو رہو۔بعض لوگوں نے اس حدیث کی بنا پر کہا کہ وتر ایک رکعت ہے کیونکہ یہاں وتر کو اللہ تعالٰی سے نسبت دی گئی اللہ تو ایک ہے وتر بھی ایک ہونی چاہیے مگر یہ بات بہت کمزور ہے کیونکہ یہاں مناسبت صرف وتر یعنی طاق ہونے میں ہے اور طاق تو تین بھی ہیں ایک ہونے میں نسبت نہیں،ورنہ رب تعالٰی اجزا سے پاک ہے اور وتر نماز اگرچہ ایک رکعت ہی ہو اجزا والی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت خارجہ ابن حذافہ سے فرماتے ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ نے ایک نماز سے تمہاری مدد فرمائی۱؎ جو تمہارے لیئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے ۲؎(وتر) اسے اللہ نے تمہارے لیئے نماز عشاء و طلوع فجر کے درمیان رکھا ہے ۳؎(ترمذی،ابوداؤد) |

۱؎ آپ صحابی،قرشی،بڑے بہادر جنگجو مجاہد ہیں،قریش کے سواروں میں آپ کو ایک ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا،ایک بار حضرت عمرو ابن عاص نے حضرت عمر سے تین ہزار سواروں کی کمک مانگی تو آپ نے تین شخص بھیجے حضرت خارجہ،زبیر ابن عوام مقداد ابن اسود رضی اللہ عنہم،آپ ۴۰ھ میں خوارج کے ہاتھوں عمرو ابن عاص کے دھوکہ میں قتل ہوئے کہ خوارج نے امیر معاویہ،علی مرتضی،عمرو ابن عاص کے قتل کی سازش کی تھی تو علی مرتضٰی شہید کردیئے گئے،عمرو ابن عاص کے دھوکہ میں آپ شہید کردیئے گئے اور امیر معاویہ بچ گئے۔

۲؎ یعنی نماز پنجگانہ کے علاوہ تمہیں نماز وتر اور دی جو ان نمازوں کا تمتہ اور تکملہ ہے اور تمہارے لیئے دنیا کی تمام چیزوں حتی کہ سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ بہتر ہے۔اہل عرب سرخ اونٹ کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ وتر واجب ہیں اَمَدَّکُمۡ کے ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ رب نے تمہیں ایک نماز یعنی وتر اور بھی زیادہ دی۔

۳؎ یعنی وتر کا وقت عشاء کا وقت ہے مگر اس کے لیئے شرط ہے کہ عشاء کے فرض کے بعد پڑھی جائے۔خیال رہے کہ بعض محدثین نے اس حدیث کو ضعیف کہا لیکن حاکم اور ابن سکن نے اس کی تصحیح کی ہے،ترمذی نے اسے غریب فرمایا مگر یہ ضعیف یا غرابت امام ابوحنیفہ کو مضر نہیں کیونکہ یہ چیزیں امام صاحب کے بعد پیدا ہوئیں،بہرحال حدیث صحیح اور اس سے وتر کا وجوب ثابت ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت زید ابن اسلم سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو وتر کے بغیر سوجائے وہ صبح ہونے پر پڑھ لے۱؎(ترمذی مرسلًا) |

۱؎ یعنی اگر عشاء پڑھ لی ہو تہجد کے وقت آنکھ نہ کھلے تو صبح کے بعد نماز فجر سے پہلے وتر قضاء کرے،پھر فجر پڑھے،صاحب ترتیب کے لیئے وتر پہلے پڑھنا فرض ہے دوسرے کے لیئے بہتر۔اس سے معلوم ہوا کہ وتر محض سنت نہیں بلکہ واجب ہیں کہ صرف سنتوں کی قضا نہیں پڑھی جاتی،یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے اگرچہ مرسل ہے کیونکہ زید ابن اسلم تابعی ہیں،عمر فاروق کے غلام ہیں مگر چونکہ آپ بڑے ثقہ عالم فقیہ تھے،آپ کی مجلس علم میں چالیس سے زیادہ فقہاء بیٹھتے تھے حتی کہ امام زین العابدین بھی آپ کے شاگرد ہیں اور امام مالک،سفیان ثوری وغیرہ محدثین کے آپ شیخ ہیں اس لیئے آپ کی مرسل یقینًا قبول ہے۔(از اشعۃ اللمعات)آپ کی وفات ۱۳۶ھ ہجری میں ہوئی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبدالعزیز ابن جریج سے فرماتے ہیں ہم نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کن سورتوں سے وتر پڑھتے تھے فرمایا پہلی رکعت میں "سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی" دوسری میں "قُلۡ یٰۤاَیُّہَا الۡکٰفِرُوۡنَ" اور تیسری میں "قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ" اور فلق والناس سے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد) |

۱؎ یعنی تیسری رکعت میں یہ تینوں سورتیں پڑھتے تھے۔خیال رہے کہ یہ حدیث امام اعظم نے اپنی مسند میں یوں نقل کی ہے "عَنۡ حَمَّادٍ عَنۡ اِبۡرَاھِیۡمَ عَنۡ اَسۡوَدٍ عَنۡ عَائِشَۃَ صِدِّیۡقَۃَ"۔اس میں صرف قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ کا ذکر ہے اور حاکم نے بشرط مسلم،بخاری حضرت عائشہ سے یہ حدیث نقل کی جس کے آخر میں ہے کہ آپ تین رکعت کے بعد ہی سلام پھیرتے تھے۔نسائی نے حضرت عائشہ سے روایت کی جس کے آخر میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔امام طحاوی نے حضرت ابوالعالیہ سے روایت کی کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر مغرب کے فرضوں کی طرح پڑھتے تھے اور امام حسن نے فرمایا کہ اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ وتر تین رکعت ہیں ایک سلام سے۔غرضکہ یہ احادیث امام اعظم وغیرہم کے قوی دلائل ہیں کہ وتر تین رکعت ہیں اور ایک سلام سے۔اس کی پوری تحقیق اسی مقام پر مرقاۃ میں دیکھو یا ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں۔

| | |
|---|---|
| | اور نسائی نے عبدالرحمان بن ابزی سے روایت کی |

| | |
|---|---|
| | اور احمد نے ابی ابن کعب سے |

| | |
|---|---|
| | اور دارمی نے ابن عباس سے اور انہوں نے فلق و ناس کا ذکر نہ کیا۱ |

۱ یہی امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ وتر کی تیسری رکعت میں صرف "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھے۔خیال رہے کہ یہ حدیث تین رکعت کے متعلق ایسی واضح اور صاف ہے جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت حسن ابن علی سے فرماتے ہیں ۱مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کلمات سکھائے جنہیں میں وتر کے قنوت میں پڑھا کروں الٰہی مجھے ان میں ہدایت دے جنہیں تو نے ہدایت دی اور عافیت والوں میں عافیت دے جن کا تو والی بنا ان میں میرا والی ہو۲ اپنے دیئے میں مجھے برکت دے اور قضاء قدر کی برائی سے مجھے بچا۳ کہ تو فیصلہ کرتا ہے تجھ پر فیصلہ نہیں کیا جاتا جس کا تو والی ہو وہ ذلیل نہیں ہوتا اے رب تو برکت و بلندی والا ہے ۴(ترمذی وابوداؤد،نسائی ابن ماجہ،دارمی) |

۱ ہمیشہ سارا سال نہ کہ صرف نصف آخر رمضان میں لہذا یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ دعائے قنوت وتر میں ہمیشہ پڑھی جائے۔خیال رہے کہ امام حسن کی پیدائش رمضان ۳ھ میں ہے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ سات برس کے تھے اس عمر میں کی ہوئی روایت معتبر ہے۔

۲ یعنی مجھے اس جماعت میں والی بنا جنہیں تو نے ہدایت عافیت اور ولایت بخشی۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ ہدایت سے مراد ہے نیک اعمال کی رہبری اور عافیت سے مراد ہے بری بیماریوں،برے اخلاق اور بری خواہشات سے حفاظت۔ولایت سے مراد ہے اپنی امن میں لینا اور ہمیں نفس و شیطان کے حوالے نہ کردینا۔

۳ یعنی میرے متعلق برے فیصلے نہ فرما اچھے فیصلے کر۔

۴ سبحان اللہ! نہایت جامع دعا ہے اگر وتروں میں یہ پڑھی جائے تب بھی جائز و بہتر ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وتر کا سلام پھیرتے تو فرماتے "سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْس" (ابوداؤد) اور نسائی نے زیادہ کیا کہ تین بار دراز کرکے ۱ |

۱ اس طرح کہ قدوس کی دال کو خوب کھینچتے مگر آخری بار میں جیسا کہ آئندہ کلام سے معلوم ہورہا ہے۔بعض روایات میں ہے کہ اس کے بعد یہ بھی فرماتے "رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ" اور روح کی ر کو بھی کھینچتے جیسا کہ دار قطنی اور ابن شیبہ کی احادیث میں ہے اور مسلمانوں کا اس پر عمل ہے۔

| | |
|---|---|
| | اور نسائی کی عبدالرحمٰن ابن ابزی کی روایت میں ہے جو انہوں نے اپنے والد سے کی فرمایا کہ جب سلام پھیرتے تو تین بار فرماتے "سبحان الملك القدوس" تیسری بار میں آواز کھینچتے ۱؎ |

۱؎ یعنی بلند آواز سے کہتے اور دراز کرتے۔اس حدیث کے ماتحت لمعات و مرقاۃ وغیرہ میں ہے کہ ذکر بالجہر بہت اعلٰی چیز ہے بشرطیکہ ریاء سے خالی ہو کہ اس میں غافلوں کو ہوشیار کرنا ہے،سوتوں کو جگانا ہے،شیطان کو بھگانا ہے اور جہاں تک آواز پہنچے وہاں تک کے جانوروں درختوں اینٹ پتھروں کو اپنے ایمان پر گواہ بنانا ہے۔جن احادیث میں ذکر بالجہر سے ممانعت آئی ہے اس سے وہ جہر مراد ہے جس سے دوسروں کو تکلیف ہو یا ذاکر میں ریا ہو۔خیال رہے کہ بعض ذکروں میں جہر شرط ہے جیسا اذان تلبیہ اور بقرعید کے زمانہ میں نمازوں کے بعد تکبیر تشریق وغیرہ۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت علی سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری وتر میں فرماتے ۱؎ الٰہی میں تیری ناراضی سے تیری رضا کی اور تیری سزا سے تیری عافیت کی پناہ مانگتا ہوں،تیری تجھ سے پناہ مانگتا ہوں ۲؎ تیری حمد میں نہیں کرسکتا تو ایسا ہی ہے جیسی تو نے خود اپنی احمد کی ۳؎ (ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ) |

۱؎ یعنی وتر سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا پڑھتے،بعض نے فرمایا کہ آخری التحیات میں سلام سے پہلے بعض کے نزدیک آخری سجدہ میں،امام احمد ابن حنبل کے نزدیک تیسری رکعت کے قومہ میں یعنی رکوع سے اٹھ کر۔چنانچہ ان کے ہاں اس وقت یہ دعا پڑھی جاتی ہے۔

۲؎ یعنی تیری ذات سے تیری صفات کی پناہ یا تیرے غضب سے تیرے رحم کی پناہ،صوفیاء فرماتے ہیں کہ ان تین پناہوں میں سے پہلی پناہ میں توحید صفات اور دوسری میں توحید افعال تیسری میں توحید ذات کی طرف اشارہ ہے۔

۳؎ کیونکہ بندہ محدود،بندے کے الفاظ محدود،بندے کی طاقتیں محدود،خدا کے محامد غیر محدود شعر۔

دفتر تمام گشت بپایاں رسید عمر ماہمچناں دراول وصف توماندہ ایم

**نوٹ:** جسے یاد نہ ہو وہ "رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا" الخ پڑھ لیا کرے بلکہ تین بار "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ" کہہ دے تو بھی جائز ہے۔(مرقاۃ)

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ ان سے کہا گیا آپ کو امیر المؤمنین معاویہ میں میلان ہے کہ وہ تو ایک ہی رکعت وتر پڑھتے ہیں ۱؎ تو آپ نے فرمایا ٹھیک کرتے ہیں وہ فقیہ عالم ہیں ۲؎ اور ایک روایت میں ہے کہ ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں امیر معاویہ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھی ان کے پاس حضرت ابن عباس کے غلام |

| | |
|---|---|
| | تھے انہیں وہ حضرت ابن عباس کے پاس گئے انہیں یہ خبر دی فرمایا انہیں چھوڑ دو وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہیں ۳؎ (بخاری) |

۱؎ یعنی امیر معاویہ اتنی بڑی غلطی کرتے ہیں کہ وتر تین رکعت کے بجائے ایک رکعت ہی پڑھتے ہیں پھر بھی آپ کو ان سے محبت ہے آپ انہیں سمجھاتے نہیں۔

۲؎ یعنی ایک رکعت وتر پڑھنا ہے مگر امیر معاویہ عالم ہیں، فقیہ ہیں، مجتہد کو غلطی پر ثواب بھی ملتا ہے لہذا نہ میں انہیں سمجھا سکتا ہوں اور نہ تم ان پر اعتراض کرو۔

۳؎ یعنی اگرچہ ان کا یہ عمل غلط ہے لیکن بزرگوں خصوصًا صحابہ کی غلطی پکڑنا اور ان پر زبان طعن دراز کرنا سخت غلطی ہے، یہ حدیث امام اعظم کی بہت قوی دلیل ہے کہ وتر تین رکعت ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ تین رکعت وتر پر صحابہ کا اجماع ہوچکا تھا صرف امیر معاویہ کسی غلط فہمی سے یا بے خبری سے ایک رکعت وتر پڑھتے تھے اسی لیئے حضرت ابن عباس کے خادم کو اس پر تعجب ہوا اور انہوں نے حضرت ابن عباس سے شکایت کی اور حیرت کی کہ آپ انہیں مسئلہ بتاتے کیوں نہیں۔ حضرت ابن عباس نے یہ نہ کہا کہ مسئلہ یا ان کا فعل صحیح ہے بلکہ صرف یہ فرمایا کہ وہ بوجہ صحابی اور مجتہد ہونے کے ملامت کے لائق نہیں اور نہ اس بنا پر ان سے قطع تعلق کرنا جائز۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ وتر لازم ہیں تو جو وتر نہ پڑھے وہ ہم سے نہیں وتر لازم ہیں جو وتر نہ پڑھے وہ ہم سے نہیں وتر لازم ہیں تو جو وتر نہ پڑھے وہ ہم سے نہیں ۱؎ (ابوداؤد) |

۱؎ یعنی وتر فرض عملی اور واجب اعتقادی ہیں۔(مرقاۃ) لہذا جو اس کے وجوب کا عنادًا انکار کرے وہ ہمارے طریقہ سے خارج یعنی گمراہ ہے اور جو اسے واجب جانتے ہوئے نہ پڑھے وہ جماعت صالحین سے خارج ہے اور سخت گنہگار ہے، یہ امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ وتر واجب ہیں۔ خیال رہے کہ جو مجتہد تاویل سے اس کے وجوب کا انکار کرے ان کا یہ حکم نہیں جیسا کہ تمام فرائض عملی اور واجبات کا حال ہے۔ہم امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کو سخت منع کرتے ہیں، امام شافعی واجب فرماتے ہیں مگر کوئی کسی کو گمراہ نہیں کہہ سکتا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو وتر سے سوجائے یا اسے بھول جائے تو جب یاد آئے یا جب بیدار ہو تو پڑھ لے ۱؎ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) |

۱؎ یعنی ان کی قضا واجب ہے، یہ امر وجوب کے لیئے ہے یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ وتر واجب ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت مالک سے انہیں خبر پہنچی کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر سے وتر کے متعلق پوچھا کہ کیا وہ واجب ہیں تو حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر پڑھے اور مسلمانوں نے وتر پڑھے تو وہ شخص آپ پر بار بار یہ سوال کرنے لگا اور عبداللہ یہی کہتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ |

| | |
|---|---|
| | وسلم نے وتر پڑھے اور مسلمانوں نے وتر پڑھے ا(مؤطا) |

ا سبحان الله! کیسی احتیاط ہے کہ آپ نے وتر کے وجوب کا نہ اقرار کیا نہ انکار کیونکہ آپ نے ہمیشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے صحابہ کو وتر پڑھتے دیکھا مگر وجوب کی احادیث آپ تک نہ پہنچیں اس لیئے فرمایا میں اس سے بحث نہیں کرتا، پڑھوں گا۔ہمیشہ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل پر بحث نہ کرو عمل کرو۔ شعر

عاشقانِ راچہ کار با تحقیق ہر کجا نام اوست قربانیم

خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ ہر عمل کو صراحۃً نہ فرماتے کہ یہ فرض ہے یہ واجب ہے یہ سنت ہے علما نے علامات سے فرضیت وغیرہ ثابت کی تاکہ امت کے لیئے گنجائش رہے اور علماء کا اختلاف رحمت بنے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے جن میں مفصل کی نو سورتیں پڑھتے تھے ہر رکعت میں تین تین سورتیں پڑھتے تھے جن کے آخر میں قل ھو اللہ احد تھی ا(ترمذی) |

ا یعنی آپ وتر تین رکعت ایک سلام سے پڑھتے تھے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ان تینوں رکعتوں میں قصار و مفصل کی نو سورتیں اس طرح پڑھتے تھے کہ ہر رکعت میں تین سورتیں یہ معنی ظاہر ہیں تیسری رکعت میں جو تین سورتیں پڑھتے ان میں آخری سورت "قُلْ هُوَ اللّٰهُ" ہوتی تھی۔شارحین نے اس حدیث کے اور بھی مطلب بیان کیے مگر یہ مطلب زیادہ ظاہر ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ میں مکہ معظّمہ میں حضرت ابن عمر کے ساتھ تھا آسمان ابر آلود تھا آپ نے صبح کا خوف کیا تو ایک رکعت سے وتر پڑھی ا پھر بادل کھل گیا تو دیکھا کہ ابھی آپ پر رات ہے تو ایک رکعت سے شفعہ بنادیا ۲ پھر دو رکعتیں پڑھتے رہے جب صبح کا خوف ہوا تو ایک رکعت سے وتر پڑھی ۳(مالک) |

ا اس طرح کہ دو رکعت سے ایک رکعت ملادی جس سے وہ نماز وتر بن گئی اور اگر یہ معنی ہیں کہ ایک رکعت وتر پڑھی تو یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو ان سے زیادہ فقیہ ہیں تین وتر پڑھتے تھے۔

۲ یعنی تیسری رکعت میں انہیں پتہ لگا کہ ابھی رات زیادہ ہے تو اس ہی میں ایک رکعت اور ملاکر چار رکعت پڑھ لیں جو تہجد کے نفل ہوگئے یہ بھی حضرت ابن عمر کا اجتہاد ہے ورنہ وتر واجب ہیں انہیں شروع کرکے دیدہ ودانستہ نفل نہیں بنایا جاسکتا آپ نے یہ عمل کیا اس لیئے تاکہ وتر آخری نماز رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل ہوجاوے۔

۳ یہاں ایک شب میں دو وتر نہ ہوئے جو ممنوع ہے بلکہ پہلی بار کے وتر تو نفل بنادیئے تھے اب یہ نماز وتر ہوئی اور اس کے معنی یہ ہی ہیں کہ آپ نے ایک رکعت دو سے ملاکر تین وتر پڑھے،ب استعانت کی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم |

| | |
|---|---|
| | بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے تو بیٹھے ہوئے پڑھتے رہتے جب آپ کی قرأت سے تیس چالیس آیتوں کی بقدر رہ جاتی تو کھڑے ہو کر قرأت کرتے پھر رکوع کرتے پھر سجدہ کرتے پھر دوسری رکعت میں اسی طرح کرتے۱(مسلم) |

۱؎ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر حیات شریف کا ذکر ہے جب آپ پر ضعف غالب ہو گیا تھا تہجد میں دراز قرأت کرنا چاہتے تھے مگر دراز قیام پر قوت نہ تھی اس لیئے یہ عمل فرماتے۔خیال رہے کہ نفل بیٹھ کر شروع کرنا اور کھڑے ہو کر رکوع سجود کرنا تمام کے نزدیک بلاکراہت جائز ہے اسی حدیث کی وجہ سے مگر اس کے برعکس یعنی کھڑے ہو کر شروع کرنا پھر بلاعذر بیٹھ جانا یہ امام اعظم کے نزدیک بلاکراہت جائز ہے،صاحبین کے ہاں مکروہ۔(کتب فقہ و مرقاۃ)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے۱ترمذی،ابن ماجہ نے زیادہ کیا کہ ہلکی پڑھتے تھے بیٹھ کر۔ |

۱؎ اس کی تحقیق پہلے ہو چکی یہ نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت سے وتر پڑھتے تھے۱پھر دو رکعتیں پڑھتے جن میں قرأت بیٹھے ہوئے کرتے جب رکوع کرنا چاہتے تو کھڑے ہو جاتے پھر رکوع کرتے۲(ابن ماجہ) |

۱؎ اس کی شرح خود ام المؤمنین کی دوسری روایات میں گزر چکی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے لہذا اس کے معنی بھی وہ ہی ہیں کہ ایک رکعت سے گزشتہ شفع کو وتر بناتے تھے تاکہ احادیث متعارض نہ ہوں۔

۲؎ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد کے نفلوں میں کبھی قرأت مختصر کرتے تھے،کبھی دراز۔مختصر کی حدیث حضرت ام سلمہ نے روایت کی اور دراز کی روایت حضرت عائشہ صدیقہ نے لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں،مختصر قرأت میں رکوع بیٹھ کر ہی کرتے تھے اور دراز قرأت میں کھڑے ہو کر کبھی کبھی بیٹھے بیٹھے۔(مرقات)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ثوبان سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا یہ جاگنا مشقت اور بوجھ ہے جب تم میں سے کوئی وتر پڑھے تو دو رکعتیں پڑھ لے اگر رات میں اٹھ بیٹھا تو خیر ورنہ یہ رکعتیں اسے کافی ہیں۱(دارمی) |

۱؎ یعنی جسے تہجد میں جاگنے کی امید نہ ہو وہ سونے سے پہلے وتر پڑھ لے،اگر تہجد کے لیئے جاگ گیا تو تہجد بھی پڑھ لے ورنہ ان شاءاللہ ان دو نفلوں کا ثواب تہجد کے برابر ہو جائے گا۔یہ رب تعالٰی کی اس امت مرحومہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ کرم نوازی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوامامہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ |

| | |
|---|---|
| | دو رکعتیں وتر کے بعد بیٹھ کر پڑھتے تھے جن میں "اِذَا زُلْزِلَتِ" و "قُلْ یَاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ" پڑھتے تھے[1] (احمد) |

[1] ظاہر یہ ہے کہ یہ نفل وتروں سے متصل ہوتے تھے صبح کی نماز سے پہلے جن کی پہلی رکعت میں "اِذَا زُلْزِلَتِ" اور دوسری میں "قُلْ یَاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ" پڑھتے تھے۔

## باب القنوت

## قنوت کا باب ۱

## الفصل الاول

## پہلی فصل

۱ عربی میں قنوت کے معنی اطاعت، خاموشی، دعا، نماز کا قیام ہیں، یہاں اس سے خاص دعا مراد ہے۔قنوتین دو ہیں: وتر کے قنوت جو ہمیشہ وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے پڑھے جاتے ہیں اور قنوت نازلہ جو کسی خاص مصیبت میں، وبائی امراض اور کفار سے جہاد کے موقعہ پر فجر کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد آہستہ پڑھے جاتے ہیں،اس باب میں دونوں قنوتوں کا ذکر آئے گا۔احناف کے ہاں وتر کی دعائے قنوت مقرر ہے "اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُكَ "الخ جیسا کہ طبرانی وغیرہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اولًا نماز میں قبیلہ مضر پر بددعا کرتے تھے تو جبریل امین نے عرض کیا کہ رب نے آپ کو دعا کرنے کے لیئے پیدا کیااور پھر یہ دعا سکھائی "اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُكَ "الخ۔یہ روایت جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب "عمل الیوم واللیله" میں بھی نقل کی ہے، نیز فتح القدیر نے ابوداؤد سے بھی روایت کی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی پر بددعا یا دعا کرنے کا ارادہ کرتے تو رکوع کے بعد قنوت پڑھتے ۱ بارہا جب "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" کہتے تو کہتے الٰہی ولید ابن ولید سلمہ ابن ہشام عیاش ابن ربیعہ کو نجات دے ۲ الٰہی سخت پامالی ڈال مضر پر اور اسے یوسف علیہ السلام کی قحط سالیوں کی طرح قحط سالی بنا ۳ یہ بآواز بلند کہتے ۴ اور اپنی بعض نمازوں میں فرماتے الٰہی فلاں فلاں عربی قبیلوں پر لعنت کر ۵ حتی کہ رب نے یہ آیت نازل فرمائی "لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ" ۶ (مسلم،بخاری) |

۱ قنوت نازلہ جو فجر کے دوسرے رکوع کے بعد کسی خاص مصیبت کے موقع پر پڑھی جاتی ہے احناف بھی اسے ضرورۃً جائز کہتے ہیں۔

۲ اس جملہ میں دعا کا ذکر ہے اگلے میں بددعا کا یہ چاروں صحابہ مکہ معظّمہ میں کفار کے ہاتھوں قید تھے،ولید ابن ولید مخزومی قرشی تھے،خالد ابن ولید کے بھائی جنگ بدر میں مسلمانوں کی قید میں آگئے تو حضرت خالد اور ہشام نے چار ہزار درہم دے کر چھڑالیا جب سب چھوٹ کر مکہ معظّمہ پہنچے تو اسلام لائے اور فرمایا کہ میں قید میں اسلام اس واسطے نہ لایا کہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ میں قید سے ڈر کر اسلام لایا اس بنا پر ان کے

بھائیوں نے انہیں قید کردیااور سخت ایذائیں دیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیئے دعا کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے یہ چھوٹ کر مدینہ منورہ آگئے، سلمہ ابن ہشام ابن مغیرہ ابوجہل کے حقیقی بھائی تھے جو قدیم الاسلام صحابی تھے اور اسلام کی وجہ سے مکہ معظّمہ میں سخت مصیبت میں گرفتار تھے آخر کار بھاگ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے اور عہدِ فاروقی میں جہاد میں شہید ہوئے، عیاش ابن ابی ربیعہ ابوجہل کے سوتیلے بھائی تھے، پرانے مومن تھے، پہلے حبشہ، پھر مدینہ پاک کی طرف ہجرت کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے ابوجہل ماں کی بیماری کا بہانہ بنا کر دھوکہ سے انہیں مکہ معظّمہ لے گیااور وہاں بھاری قیدوں میں گرفتار کردیا، آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے یہ بھاگ کر مدینہ پہنچے اور غزوہ تبوک میں شہید ہوئے۔(لمعات)

۳؎ یہ پکڑ کی تفسیر ہے، یعنی انہیں یوں پکڑ کر ان پر قحط سالی مسلّط کردے تاکہ تنگ آکر اسلام لے آئیں اور مشرکین مکہ اس بدعا کی وجہ سے سخت قحط سالی میں گرفتار ہوئے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنی نفسیاتی وجہ سے بددعا نہ دی، اپنے ظالموں کو معاف کیااور دعائیں دیں، ہاں دینی دشمنوں کو بددعائیں دی ہیں، یہاں اسی ہی بددعا کا ذکر ہے لہذا یہ حدیث نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃًاللعالمین ہونے کے خلاف ہے اور نہ ان احادیث کے جن میں ارشاد ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو بددعا نہ کرتے تھے۔

۴؎ قنوت نازلہ کا بلند آواز سے پڑھنا منسوخ ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے اب اگر پڑھنا پڑے تو آہستہ پڑھے۔

۵؎ یعنی آپ بعض قبیلوں رعل وذکوان وغیرہم کا نام لے کر ان پر لعنت فرماتے تھے، بعض نمازوں سے مراد نماز فجر ہے جیسا کہ دوسری روایات میں ہے اور اگر فجر کے سوااور نمازیں مراد ہیں تو یہ بھی منسوخ ہیں۔

۶؎ یعنی اس آیت کے نزول سے قنوت نازلہ منسوخ ہوگئی۔معلوم ہوا کہ قرآن شریف سے حدیث منسوخ ہوسکتی ہے۔خیال رہے کہ قنوت نازلہ کا یا تو جہر منسوخ ہے یا ہمیشہ پڑھنا منسوخ، ورنہ ضرورت پر اب بھی آہستہ پڑھی جاسکتی ہے۔اس آیت کی تفسیر اور نسخ کی وجہ ہماری تفسیر حاشیۃ القرآن "نورالعرفان" میں ملاحظہ فرماؤ۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عاصم احول سے فرماتے ہیں میں نے انس ابن مالک سے نماز میں قنوت کے متعلق پوچھا کہ رکوع سے پہلے تھی یا بعد میں تو فرمایا پہلے تھی ۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد تو صرف ایک ماہ قنوت پڑھی کہ آپ نے ایک لشکر بھیجا تھا جنہیں قراء کہا جاتا تھا ستر مرد تھے وہ شہید کردیئے گئے ۲؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد ایک ماہ قنوت پڑھی ان پر بددعا کرتے ہوئے۔(مسلم، بخاری) |

۱؎ یعنی وتر کی دعا قنوت ہمیشہ رکوع سے پہلے رہی کبھی رکوع کے بعد نہ پڑھی گئی، رکوع کے بعد والی قنوت یعنی قنوت نازلہ جو فجر میں تھی وہ صرف ایک ماہ رہی پھر منسوخ ہوگئی، لہذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے۔

۲؎ یعنی قنوت نازلہ کی وجہ ان ستر قاریوں کی شہادت تھی جو نہایت بیدردی سے قتل کیئے گئے تھے، یہ حضرات فقراء صحابہ تھے جو دن کو لکڑیاں جمع کرکے فروخت کرتے اور اس سے اصحاب صفہ کے لیئے کھانا تیار کرتے تھے، رات عبادت میں گزارتے۔انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجدیوں کی تبلیغ کے لیئے بھیجا جب یہ بئر معونہ پر پہنچے جو کہ مکہ معظّمہ وعسفان کے درمیان ہے جہاں بنی ہزیل رہتے تھے تو عامر بن طفیل نے قبیلہ بنی سلیم، عصیب، رعل، ذکوان، قعرہ کے ساتھ ان لوگوں کو گھیر لیااور سب کو شہید کردیا، صرف حضرت کعب

ابن زید انصاری بچے جنہیں وہ مُردہ سمجھ کر سخت زخمی حالت میں چھوڑ گئے، پھر یہ غزوہ خندق میں شہید ہوئے، یہ واقعہ قتل ۴ھ میں ہوا، انہیں شہدا میں عامر ابن فہیرہ بھی تھے جنہیں فرشتوں نے دفن کیا، کسی کو ان کی نعش نہ ملی، اس واقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا جس پر آپ نے ایک ماہ تک قنوت نازلہ پڑھی۔ (مرقاۃ) اسی مواقعہ پر ایک واقعہ یہ بھی ہوا کہ قبیلہ عضل اور قعرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا ہم مسلمان ہو چکے ہیں، ہماری تعلیم کے لیئے کچھ علماء دیجئے تو آپ نے چھ صحابہ کو ان کے ساتھ بھیج دیا جن کا امیر حضرت عاصم ابن ثابت کو بنایا، ان کفار نے مقام رجیع میں پہنچ کر حضرت عاصم کو قتل کر دیا اور حضرت خبیب و زید ابن سدانہ کو قید کر کے مکہ معظّمہ فروخت کر دیا۔ پہلے واقعہ کا نام بیرٔ معونہ ہے اور اس کا نام واقعہ رجیع۔ یہ دونوں واقعات ایک ہی مہینہ میں ہوئے یعنی ماہ صفر ہجرت سے ۳۶ ماہ بعد، ان دونوں واقعات کی بنا پر قنوت نازلہ پڑھی گئی اسی وجہ سے بعض احادیث میں بیر معونہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور بعض میں رجیع کا مگر ان دونوں میں تعارض نہیں۔ بعض شارحین کو دھوکا لگا اور احادیث میں تعارض مان بیٹھے۔ (مرقاۃ)

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ مسلسل ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور نماز فجر میں قنوت پڑھی ا جب آخری رکعت میں سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے تو بنی سلیم کے کچھ قبیلوں رعل وذکوان اور عصیہ پر بددعا کرتے اور پیچھے والے آمین کہتے ۲ (ابوداؤد) | |

ا یعنی پانچوں نمازوں میں آخری رکعت کے رکوع کے بعد قنوت نازلہ پڑھی۔ غالب یہ ہے کہ جہری نمازوں میں قنوت نازلہ بھی آواز سے پڑھی اور آہستہ نمازوں میں قنوت نازلہ بھی آہستہ مگر یہ سب کچھ منسوخ ہو چکا۔

۲ معلوم ہوا کہ قنوت نازلہ صرف امام پڑھتا تھا، مقتدی صرف آمین ہی کہتے تھے، اب بھی اگر پڑھنا پڑ جائے تو یہی ہوگا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ قنوت پڑھی پھر چھوڑ دی ا (ابوداؤد) | |

ا یعنی ساری نمازوں میں ترک کر دی۔ شوافع کے ہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ فجر کے سوا باقی چار نمازوں میں چھوڑ دی۔ بہر حال چار نمازوں میں قنوت نازلہ بالاتفاق منسوخ ہے اور فجر میں اختلاف ہے، ہمارے ہاں منسوخ ہے، شوافع کے ہاں نہیں اس لیئے اگر کوئی ان چار نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھ لے تو بالاتفاق فاسد ہوگی۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابو مالک اشجعی ا سے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے کہا ابا جان آپ نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | |

| | |
|---|---|
| | ابو بکر، عمر، عثمان،اور علی کے پیچھے اور یہاں کوفے میں حضرت علی کے پیچھے قریبًا پانچ سال ۲؎ نمازیں پڑھیں ہیں کیا یہ لوگ قنوت پڑھتے تھے فرمایا بیٹے یہ بدعت ہے ۳؎(ترمذی،نسائی،ابن ماجہ) |

۱؎ آپ کا نام سعد ابن طارق ابن اشیم ہے،خود تابعی ہیں والد صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی چار سال کچھ مہینے آپ کی خلافت کے بقدر۔

۳؎ یہ حدیث حنفیوں کی قوی دلیل ہے یعنی ہمیشہ قنوت نازلہ کسی نماز میں پڑھنا بدعت سیئہ ہے،نہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل نہ کسی صحابی کا۔خیال رہے کہ یہاں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھنا مراد ہے ورنہ علی مرتضٰی نے جنگ صفین کے موقعہ پر قنوت نازلہ پڑھی ہے۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت حسن سے کہ حضرت عمر ابن خطاب نے لوگوں کو ابن ابی کعب پر جمع کیا ۱؎ کہ آپ انہیں بیس راتیں نماز پڑھاتے جن میں باقی آدھے کے علاوہ دعا قنوت نہ پڑھتے ۲؎ جب آخری عشرہ ہوتا تو رہ جاتے اپنے گھر میں پڑھ لیا کرتے ۳؎ لوگ کہتے ابی بھاگ گئے ۴؎ ابوداؤد اور حضرت انس ابن مالک سے قنوت کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی اور ایک روایت میں کہ رکوع سے پہلے اور اس کے بعد ۵؎(ابن ماجہ) |

۱؎ کیونکہ ابی ابن کعب ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے سارا قرآن شریف حفظ کیا تھا اور آپ سید القراء ہیں اسی لیئے تراویح کی جماعت کے لیئے آپ کا ہی انتخاب ہوا،آپ زمانۂ رسالت میں پورے قرآن کے حافظ تھے۔(مرقاۃ)

۲؎ اس حدیث کی بنا پر بعض بزرگ آئمہ فرماتے ہیں کہ وتر میں دعائے قنوت صرف آخری پندرہ رمضان میں پڑھی جائے،مگر امام اعظم کے ہاں سارا سال پڑھنی چاہیئے،یہاں قنوت سے مراد وتر کی دعائے قنوت نہیں بلکہ کفار پر کوئی خاص بد دعا مراد ہے،چونکہ اس زمانہ میں جہاد بہت ہوتے تھے اس لیئے رمضان کے آخر نصف میں جس میں شب قدر بھی ہے مسلمان وتروں میں کفار کے لیئے خاص بد دعا کرتے تھے۔اگر یہاں وتر کے قنوت مراد ہوں تو اس میں حسب ذیل خرابیاں لازم ہوں گی:ایک یہ کہ یہ حدیث ان تمام احادیث کے خلاف ہوگی جن میں پورا سال قنوت پڑھنے کا ذکر ہے جیسا کہ ہم پہلے عرض کرچکے۔امام محمد نے کتاب الاثار میں بروایت امام ابو حنیفہ **عن حماد عن ابراھیم النخعی عن ابن مسعود** روایت کی کہ آپ ہمیشہ وتر میں ہمیشہ رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے،نیز دار قطنی اور بیہقی نے سوید ابن غفلہ سے روایت کی کہ حضرات خلفائے راشدین آخر وتر میں قنوت پڑھا کرتے تھے،نیز ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ نے حضرت علی سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخر وتر میں قنوت پڑھا کرتے تھے،امام حسن کی روایت پہلے ہی گزر چکی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وتر پڑھنے کے لیئے دعائے قنوت سکھائی۔دوسرے یہ کہ اس حدیث سے دعائے قنوت صرف پانچ دن ثابت ہوگی کیونکہ

حضرت ابی ابن کعب پندرھویں رمضان سے جماعت میں قنوت شروع کرتے تھے اور بیسویں کے بعد یہ جماعت چھوڑ دیتے تھے تو پانچ ہی دن قنوت رہی۔

۳؎ یااس لیئے کہ تراویح چند روز جماعت سے پڑھنا پھر اکیلے پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف تھا،آپ اس سنت پر عمل کرتے تھے یااس لیئے کہ رمضان کے آخری عشرہ میں خلوت میں عبادات کرتے تھے۔بعض خلوتیں جلوت سے افضل ہوتی ہیں یا کسی اور عذر کی وجہ سے۔خیال رہے کہ حضرت ابی کا یہ پہلا عمل تھا،جب حضرت عمر نے آپ کو تراویح پڑھانے کا باقاعدہ حکم دے دیا تو پورا مہینہ پڑھاتے تھے،لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

۴؎ یہ لفظ حضرت ابی کی شان میں گستاخی کی نیت میں نہ تھا بلکہ افسوس کے لیئے تھا یعنی افسوس کہ ہمیں چھوڑ گئے،رب تعالٰی حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے:"اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ"۔(لمعات)ورنہ امام کا احترام لازم ہے۔

۵؎ یعنی قنوت نازلہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ پڑھی اور بعد میں چھوڑ دی،قنوت وتر مراد نہیں۔

## باب قيام شهر رمضان

### ماہ رمضان میں قیام کا باب ۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱ یعنی تراویح کا باب اس میں پندرھویں شعبان کی عبادت کا ذکر بھی ہوگا۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح پڑھی بھی ہیں اور اس کا حکم بھی دیا ہے مگر تعداد رکعات کے متعلق کوئی یقینی روایت نہ مل سکی،اس لیئے کہا جائے گا کہ اصل تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور بیس رکعت پڑھنا،ہمیشہ پڑھنا،باجماعت پڑھنا سنتِ صحابہ ہے۔اس کی پوری بحث ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ دوم میں دیکھو۔اور اس باب میں بھی کچھ عرض کیا جائے گا۔ہم نے بیس تراویح پر ایک مستقل رسالہ "لمعات المصابیح" بھی لکھا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے زید ابن ثابت سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں چٹائی کا حجرہ بنایا ۱ اس میں چند راتیں نماز پڑھی حتی کہ آپ پر لوگ جمع ہوگئے ۲ پھر ایک شب لوگوں نے آپ کی آواز نہ پائی سمجھے کہ آپ سو گئے تو بعض لوگ کھنکارنے لگے تاکہ آپ تشریف لے آئیں ۳ حضور نے ارشاد فرمایا میں نے جو تمہارا کام دیکھا وہ تم پر دائمی رہا ۴ حتی کہ میں نے یہ خوف کیا کہ تم پر یہ نماز فرض کردی جائے گی اور اگر تم پر فرض کردی جاتی تو تم قائم نہ کرسکتے ۵ اے لوگو اپنے گھروں میں نماز پڑھو کیونکہ مرد کی نماز فرائض کے سوا گھر میں بہتر ہے ۶ (مسلم،بخاری) |

۱ ماہ رمضان میں بحالت اعتکاف اس طرح کہ اپنے ارد گرد مسجد کے ایک گوشہ میں چٹائی کھڑی کرلی تاکہ خلوت میں خاص عبادتیں کریں۔اس سے معلوم ہوا کہ معتکف مسجد میں چادر ٹاٹ وغیرہ کا عارضی حجرہ اپنے لیئے بناسکتا ہے مگر اتنا وسیع نہ بنائے کہ نمازیوں پر جگہ تنگ ہوجائے۔(مرقاۃ وغیرہ)

۲ حق یہ ہے کہ یہ نماز تراویح تھی اور اس طرح ادا ہوتی تھی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس حجرے کے اندر سے امامت فرماتے اور صحابہ اس حجرے کے باہر آپ کی اقتداء کرتے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ نماز تہجد ہی تھی۔وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تراویح پڑھی ہی نہیں،تراویح سنت صحابہ ہے مگر پہلی بات زیادہ قوی ہے۔

۳ روش کلام سے معلوم ہورہا ہے کہ گزشتہ راتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت اور تکبیریں بآواز بلند ادا کیں جس پر صحابہ نے اقتدا کی آج چونکہ آواز نہ تھی لہذا اقتدا نہ کرسکے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے لیئے جگاتے نہ تھے،بے ادبی سمجھتے تھے اور اکیلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر پڑھتے بھی نہ تھے کہ اسے محرومی جانتے تھے۔

۴؎ یعنی تمہارا نماز کا شوق اور ہمارے باہر تشریف لانے کی رغبت کا اظہار اور اس کے لیئے کھانسنا کھکارنا کافی دیر تک رہا ہم سو نہ رہے تھے سن رہے تھے۔

۵؎ اس فرمان سے چند اہم باتیں معلوم ہوئیں:ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اگر آج جماعت سے تراویح پڑھادی گئی تو تراویح بھی پنجوقتی نمازوں کی طرح فرض ہوجائیں گی۔دوسرے یہ کہ آپ کو یہ بھی خبر تھی کہ اگر تراویح فرض کردی گئی تو میری امت پر بھاری پڑے گی وہ اس پر پابندی نہ کرسکیں گے۔یہ دونوں چیزیں علوم غیبیہ میں سے ہیں۔تیسرے یہ کہ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اوروں پر شرعی احکام مرتب ہوجاتے ہیں کہ ہاں فرمادیں تو شے فرض ہوجائے نہ فرمادیں تو فرض نہ ہو جیسا کہ "**کتاب الحج**" میں آئے گا کہ اگر ہم ہاں کہہ دیتے تو حج ہر سال فرض ہوجاتا،ایسے ہی کبھی آپ کے عمل پر بھی شرعی احکام مرتب ہوجاتے ہیں کہ اگر آج تراویح پڑھادیتے تو فرض ہوجاتیں نہ پڑھائیں فرض نہ ہوئیں۔یہ ہے میری سرکار کی سلطنت خداداد۔اس کی پوری بحث ہماری کتاب "سلطنت مصطفٰی" میں دیکھو۔چوتھے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر رحیم وکریم ہیں اس رحمت کی وجہ سے آج تراویح نہ پڑھائیں۔پانچویں یہ کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے کیونکہ صحابہ نے ہمیشہ پڑھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ نہ پڑھنے کا عذر بیان فرمادیا،اس عذر سے ہمیشہ نہ پڑھنا تراویح کو غیر مؤکدہ نہ بنادے گا،ہاں تراویح کی جماعت سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔

۶؎ یہاں عام نوافل کا ذکر ہے ورنہ نماز اشراق،نماز سفر،نماز کسوف،نماز استسقاء وغیرہ نوافل مسجد میں افضل ہیں اور اب تراویح بھی مسجد میں افضل کیونکہ اس کی جماعت سے اب کوئی مانع نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام رمضان کی ترغیب دیتے انہیں اس کا تاکیدی حکم نہ فرماتے ۱؎ فرماتے تھے کہ جو رمضان میں ایمان کے ساتھ طلب اجر کے لیئے قیام کرے تو اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے ۲؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور معاملہ یوں ہی رہا،پھر خلافت صدیقی اور شروع خلافت فاروقی میں یہ معاملہ اسی طرح رہا ۳؎(مسلم) |

۱؎ یعنی تراویح کو فرض یا واجب نہ قرار دیا لہذا اس سے یہ لازم نہیں کہ یہ سنت مؤکدہ بھی نہ ہوں۔

۲؎ یعنی تراویح کی پابندی کی برکت سے سارے صغیرہ گناہ معاف ہوجائیں گے کیونکہ گناہ کبیرہ توبہ سے اور حقوق العباد حق والے کے معاف کرنے سے معاف ہوتے ہیں،اس کا ذکر بارہا گزر چکا۔

۳؎ کہ لوگ باقاعدہ پابندی سے تراویح کی جماعت نہ کرتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عذر تو معلوم ہوچکا۔صدیق اکبر نے مختصر سے زمانۂ خلافت میں جہادوں سے فراغت نہ پائی،عہدِ فاروقی میں اس کا باقاعدہ انتظام ہوگیا جیسا کہ آئندہ آرہا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں نماز پڑھ لے تو اپنی نماز کا کچھ حصہ اپنے گھر کے لیئے بھی رکھے کہ اللہ اس کی نماز کی برکت سے اس کے گھر میں خیر وبرکت رکھے گا ۱؎ (مسلم) |

| | |
|---|---|
| | |

۱؎ مصنف یہ حدیث تراویح کے باب میں اس لیئے لائے کہ اس حکم میں تراویح بھی داخل ہے لہٰذا تراویح گھر میں پڑھنا افضل۔مرقاۃ نے فرمایا کہ تراویح اس حکم سے خارج ہے۔صحابہ کا اس پر اجماع ہوگیا کہ تراویح مسجد میں اور جماعت سے پڑھنا افضل ہے۔زمانۂ نبوی میں گھر میں پڑھنا افضل تھا جس کی وجہ پہلے گزر چکی۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روزے رکھے آپ نے مہینے میں ہمارے ساتھ بالکل قیام نہ فرمایا ۱؎ حتی کہ سات دن باقی رہ گئے تب ہمارے ساتھ قیام کیا یہاں تک کہ تہائی رات گزر گئی پھر جب چھٹی رات ہوئی تو ہمارے ساتھ قیام نہ کیا پھر جب پانچویں رات ہوئی تو ہم کو نماز پڑھائی حتی کہ رات آدھی گزر گئی ۲؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ کاش کہ آپ ان راتوں کا قیام ہمارے لیئے زائد فرمادیتے ۳؎ حضور نے فرمایا کہ انسان جب امام کے ساتھ نماز پڑھے حتی کہ فارغ ہوجائے تو اس کے لیئے ساری رات قیام شمار کیا جاتا ہے ۴؎ پھر جب چوتھی رات ہوئی تو ہمیں نماز نہ پڑھائی حتی کہ رات تہائی باقی رہ گئی ۵؎ پھر جب تیسری رات ہوئی تو اپنے گھر والوں اپنے بیویوں اور لوگوں کو جمع فرمایا ہمیں نماز پڑھائی حتی کہ ہم نے خوف کیا کہ ہماری فلاں جاتی رہے گی میں نے کہا فلاں کیا چیز ہے فرمایا سحری ۶؎ پھر بقیہ مہینہ نماز نہ پڑھائی (ابوداؤد،ترمذی) نسائی اور ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت کی مگر ترمذی نے "لَمْ یَقُمْ "الخ کا ذکر نہ کیا۔ |

۱؎ یعنی خود تو تراویح پڑھتے رہے ہمیں جماعت سے نہ پڑھائیں جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے۔

۲؎ یعنی آپ نے تئیسویں رمضان کو ہمیں تہائی رات تک تراویح پڑھائیں اور پچیسویں کو آدھی رات تک۔

۳؎ یعنی رمضان میں ہم پر تراویح فرض فرمادیتے۔معلوم ہوا کہ صحابہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مالک احکام جانتے تھے۔

۴؎ یعنی عشاء جماعت سے پڑھ لینے سے تمام رات نوافل پڑھنے کا ثواب ہے لہٰذا تم تراویح نہ پڑھنے پر غم نہ کرو۔اس کی بحث پوری گزر چکی کہ اب تراویح سنت مؤکدہ ہے۔

۵؎ یعنی چھبیسویں رمضان ہم نے دو تہائی رات تک آپ کی تشریف آوری کا انتظار کیا لیکن آپ تشریف نہ لائے اور ہم کو تراویح نہ پڑھائیں۔اس کے سوااس جملے کااور مطلب نہیں بن سکتا۔

۶؎ یعنی ستائیسویں رات چونکہ غالبًا شب قدر ہے،اسی لئے آپ نے خود بھی اس رات تمام رات عبادت کی اور اپنے گھروالوں وصحابہ کرام کو بھی جگایااور اتنی دراز تراویح پڑھی کہ صبح کے قریب ہی ختم کیں۔خیال رہے کہ جمع کے معنی یہ ہیں کہ مسجد میں ان سب کو جمع کیا اس طرح کہ عورتیں علیحدہ،عورتوں کی صفیں علیحدہ اور مردوں کی علیحدہ اگرچہ اہل میں بیویاں بھی داخل تھیں مگر اظہار خصوصیت کے لیئے ان کا ذکر علیحدہ ہوا،بعض شارحین نے اسے نماز تہجد سمجھاہے مگر صحیح یہ ہی ہے کہ یہ نماز تراویح تھی۔ان تمام احادیث میں تراویح کی رکعات کا ذکر نہیں۔اس کا ذکر اشارۃً تیسری فصل میں آرہاہے ان شاءاللہ وہاں ہی ذکر کیا جائے گا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گم پایا دیکھا کہ آپ جنت البقیع میں تھے ۱؎ تو آپ نے فرمایا کیاتم اس سے خوف کرتی تھیں کہ تم پر اللہ ورسول ظلم کریں گے ۲؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے خیال ہوا کہ آپ اپنی کسی اور بیوی کے پاس تشریف لے گئے ۳؎ توفرمایا کہ اللہ تعالٰی پندرھویں شعبان کی رات آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتاہے تو قبیلہ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ کو بخش دیتا ہے ۴؎(ترمذی،ابن ماجہ)رزین نے یہ بھی زیادہ کیا کہ جوآگ کے مستحق ہوچکے ہیں ۵؎ ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے محمد امام بخاری کو سنا کہ اس حدیث کو ضعیف کہتے تھے ۶؎ | |

۱؎ یعنی ایک دفعہ شعبان کی پندرہ تاریخ تھی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باری میرے مکان پر تھی اور آپ میرے ہاں تشریف فرماتھے میں رات کو اٹھی تو آپ کا بستر خالی پایا،آپ کو ڈھونڈنے مدینہ کے گلی کوچوں میں نکلی حتی کہ بستی سے باہر گئی تو مدینہ کے قبرستان میں آپ کو ذکر ودعا میں مشغول پایا۔

۲؎ اس طرح کہ ہم تمہاری باری میں کسی اور بیوی کے ہاں رات کو قیام فرمائیں جو بظاہر حق تلفی اور تم پر ظلم ہے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ازواج کی باری اور مہر شرعًا واجب نہ تھا مگر آپ نے خود اپنے کرم سے ان کی باریاں مقرر فرمادی تھیں،اب اس کے خلاف کرنا اپنے وعدہ کے خلاف ہوگا اس لیئے اسے ظلم فرمایا،نیز چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل رب کی طرف سے ہے اس لیئے اس ظلم کو رب کی طرف بھی منسوب کیا لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۳؎ کیونکہ آپ پر باری فرض نہیں اور آپ اس معاملہ میں مختار ہیں،ہاں مجھے غیرت ضرور تھی کہ میری باری اور بیوی نے کیوں لے لی۔اس غیرت میں کئی علماء فرماتے ہیں کہ غیرت عورتوں کی فطری چیز ہے جس پر کوئی پکڑ نہیں۔

۴؎ یعنی اس رات رب کی رحمت خاص دنیا کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور قبیلہ بنی کلب جن کے پاس بہت بکریاں ہیں ان بکریوں کے جسم پر جس قدر بال ہیں اتنے گناہ گاروں کی مغفرت ہوتی ہے۔اسی سے معلوم ہوا کہ شب برات میں عبادات کرنا،قبرستان جانا سنت ہے۔خیال رہے کہ اس رات کو بھی شبِ قدر کہتے ہیں یعنی تمام سال کے انتظامی امور کے فیصلے کی رات۔قدر بمعنی اندازہ،رب تعالٰی فرماتا

ہے:"فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ"۔اور ستائیسویں رمضان کو بھی شبِ قدر کہتے ہیں یعنی تنگی کی رات،قدر بمعنی تنگی،اس میں فرشتے اتنے نازل ہوتے ہیں کہ زمین تنگ ہوجاتی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا"۔شب برات کے فضائل واعمال ہماری کتاب"مواعظ نعیمیہ"اور"اسلامی زندگی"میں دیکھو۔

۵؎ یعنی مومن گنہگار نہ کہ کفار ان کی بخشش ناممکن اگر کفر پر مرجائیں۔

۶؎ کوئی حرج نہیں کیونکہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف قبول ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت زید ابن ثابت سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مرد کی نماز اپنے گھر میں میری اس مسجد میں نماز سے افضل ہے سوائے فرائض کے ۱؎ (ابوداؤد،ترمذی) | |

۱؎ اس کی بحث ابھی گزرچکی کہ اس حکم سے نماز عیدین،تحیۃ المسجد وغیرہ بہت سے نوافل مستثنٰی ہیں۔شیخ نے لمعات میں فرمایا کہ یہ حکم گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب کے لیئے مبالغۃً ہے تاکہ لوگ مسجد نبوی میں نوافل کے لیئے ہجوم نہ کیا کریں،نیز گھر کی نماز میں ریاء کا احتمال کم ہے۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن عبدالقاری سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات حضرت عمر ابن خطاب کے ساتھ مسجد کو گیا لوگ متفرق طور پر الگ الگ تھے کوئی اکیلے نماز پڑھ رہا تھا اور کسی کے ساتھ کچھ جماعت پڑھ رہی تھی ۲؎ حضرت عمر نے فرمایا اگر میں ان لوگوں کو ایک قاری پر جمع کردیتا تو بہتر تھا پھر آپ نے ارادہ کرہی لیا تو انہیں ابی ابن کعب پر جمع کردیا ۳؎ فرماتے ہیں کہ پھر میں دوسری رات آپ کے ساتھ گیا تو لوگ اپنے قاری کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے حضرت عمر نے فرمایا یہ بڑی اچھی بدعت ہے ۴؎ اور وہ نماز جس سے تم سورہتے ہو اس سے افضل ہے جس کو تم قائم کرتے ہو یعنی آخر رات کی ۵؎ اور لوگ اول رات میں پڑھتے تھے ۶؎ (بخاری) | |

۱؎ قاری عبدالرحمٰن کی صفت ہے نہ کہ عبد کا مضاف الیہ اور یہ قبیلہ قارہ کی طرف منسوب ہے،آپ تابعی ہیں،حضرت عمر فاروق کی طرف سے بیت المال پر عامل تھے۔

۲؎ یعنی رمضان کی راتوں میں سے ایک رات میں مسجد نبوی میں داخل ہوا تو لوگوں کو اس طرح متفرق طور پر تراویح پڑھتے دیکھا کہ کوئی جماعت سے پڑھ رہا ہے کوئی اکیلے۔خیال رہے کہ فرائض کی جماعت اولی کے وقت مسجد میں علیحدہ نماز پڑھنا منع ہے۔تراویح کا یہ حکم نہیں اب بھی پیچھے آنے والے تراویح کی جماعت کے وقت فرائض اور بقیہ تراویح پڑھتے رہتے ہیں۔

۳؎ اس طرح کہ حضرت ابی ابن کعب کو حکم دیا کہ صحابہ کو تراویح پڑھایا کریں اور صحابہ کو حکم دیا کہ ان کے پیچھے جمع ہو کر تراویح پڑھا کریں۔خیال رہے کہ فرائض کے امام خود عمر فاروق تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر فرائض اور امام پڑھائے اور تراویح دوسرا تو جائز ہے،ہاں جس نے فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں وہ وتر نہیں پڑھا سکتا بلکہ جماعت سے پڑھ بھی نہیں سکتا۔

۴؎ یعنی تراویح کی بیس رکعت اور باجماعت ہمیشہ اہتمام سے قائم کرنا میری ایجاد ہے اور بدعت حسنہ ہے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نفس تراویح سنتِ رسول اللہ ہے مگر اس پر ہیشگی،باجماعت اور اہتمام سے ادا کرنا سنتِ فاروقی ہے یعنی بدعت حسنہ ہے۔دوسرے یہ کہ ایجادات صحابہ شرعًا بدعت ہیں اگرچہ انہیں لغۃً سنت کہا جاتا ہے،اسی لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "عَلَیۡکُمۡ بِسُنَّتِیۡ وَسُنَّۃِ الۡخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیۡنَ" لہذا یہ دونوں حدیثیں متعارض نہیں۔تیسرے یہ کہ ہر بدعت بری نہیں،بعض اچھی بھی ہوتی ہیں،مگر فرضی قرآن کریم کے اعراب اور سیپارے حدیثوں کو کتابی شکل میں جمع کرنا بدعت ہے مگر فرض۔چوتھے یہ کہ قیامت تک تراویح کی دھوم دھام عمر فاروق کی یادگار ہے۔

۵؎ یعنی تم لوگ تراویح تو پڑھ لیتے ہو مگر تہجد چھوڑ دیتے ہو حالانکہ وہ بہت افضل ہے وہ بھی پڑھا کرو یا یہ مطلب ہے کہ میں کسی عذر کی وجہ سے تمہارے ساتھ تراویح میں شریک نہیں ہوتا مگر تہجد پڑھتا ہوں جو اس جماعت سے افضل ہے۔خیال رہے کہ تراویح کی جماعت سنت علی الکفایہ ہے۔

۶؎ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کا عمل تراویح اول رات میں پڑھنے کا تھا۔خیال رہے کہ تراویح سو کر اٹھ کر نہ پڑھے بلکہ سونے سے پہلے پڑھے خواہ آخری رات تک پڑھتا رہے جیسا کہ شبینہ میں ہوتا ہے اور صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمل کیا یا پڑھ کر سوئے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت سائب ابن یزید سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے ابی کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو رمضان میں گیارہ رکعتیں پڑھائیں ۱؎ تو امام مئین سورتیں پڑھتا تھا حتی کہ ہم درازئ قیام کی وجہ سے لاٹھی پر ٹیک لگا لیتے تھے تو شروع فجر سے پہلے فارغ نہ ہوتے تھے ۲؎ (مالک) |

۱؎ آٹھ رکعتیں تراویح اور تین وتر کبھی ابی ابن کعب نے پڑھائیں اور کبھی تمیم داری یا تراویح ابی ابن کعب نے پڑھائیں اور وتر تمیم داری نے۔اس حدیث سے غیر مقلد آٹھ تراویح پر دلیل پکڑتے ہیں مگر یہ ان کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ وتر ایک رکعت پڑھتے ہیں اور اس میں تین کا ثبوت ہے۔اس حدیث میں چند طرح گفتگو ہے:ایک یہ کہ حدیث صحیح نہیں بلکہ مضطرب ہے،اس کے راوی محمد ابن یوسف ہیں انہوں نے یہاں گیارہ کی روایت کی اور محمد ابن نصر سے تیرہ کی،عبدالرزاق نے انہیں سے اکیس رکعتیں نقل کیں۔(فتح الباری)ابن عبدالبر نے فرمایا کہ یہ روایت وہم ہے۔صحیح یہ ہے کہ آپ نے لوگوں کو بیس رکعت کا حکم دیا۔(مرقاۃ)دوسرے یہ کہ ہو سکتا ہے کہ اولًا آٹھ تراویح پڑھی گئی ہوں،پھر بارہ،پھر بیس یہ دونوں منسوخ ہوں،لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔اس کی پوری بحث ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

۲؎ مئین: وہ سورتیں کہلاتی ہیں جن کی آیات سو سے زیادہ ہوں جیسے سورۂ بقر،آل عمران یعنی آٹھ رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھی جاتی تھی توہم تھک کر اپنی بغل میں لاٹھی دبا کر ٹیک لگا لیتے تھے۔اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس سے معلوم ہوگا کہ لاٹھی پر ٹیک لگا کر نماز پڑھنا جائز ہے اور شبینہ سنت ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت اعرج سے فرماتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کو رمضان میں کافروں پر لعنت ہی کرتے پایا ۱؎ فرماتے ہیں کہ قاری آٹھ رکعتوں میں سورۂ بقر پڑھتا تھا اور جب وہ بارہ رکعتوں میں پڑھنے لگا تو لوگوں نے سمجھا کہ آسانی ہوگئی ۲؎(مالک) | |

۱؎ یہ حدیث گزشتہ اس حدیث کی شرح ہے جس میں فرمایا گیا تھا کہ صحابہ آخر پندرہ رمضان میں وتر میں قنوت پڑھتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ وہ قنوت قنوت نازلہ تھی جیسا ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔وتر کی قنوت تو ہمیشہ پڑھی جائے گی۔اعرج کا نام عبدالرحمان ہے جو مشہور ثقہ تابعی ہیں اور لوگوں سے مراد صحابہ ہیں۔

۲؎ خیال رہے کہ صحابہ کرام نے اولًا آٹھ تراویح پڑھی پھر بارہ جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا،پھر بیس تراویح پر تمام صحابہ کا اتفاق ہوگیا جیسا کہ مرقاۃ،لمعات وغیرہ میں ہے،نیز طبرانی،بیہقی،ابن شیبہ،امام بغوی،مالک،ابن یضع وغیرہ میں حضرت ابن عباس،سائب،ابن یزید،یزید ابن رومان،ابی ابن کعب،ابو عبدالرحمان،سلمٰی وغیرھم سے روایتیں کیں۔بلکہ طبرانی،بیہقی،عبد ابن حمید،ابن ابی شیبہ وغیرہم نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سوائے وتر کے بیس رکعت پڑھتے تھے،اگرچہ ان کی اسنادوں میں عثمان ابن ابراہیم راوی غیر ثقہ ہے مگر چونکہ عثمان امام اعظم سے بہت عرصہ بعد پیدا ہوا لہذا یہ حدیث امام اعظم کو صحیح ہو کر ملی،بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں۔طبرانی،ابن حبان میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں آٹھ رکعت پڑھتے تھے۔اس میں اولًا تو عیسیٰ ابن جاریہ راوی سخت ضعیف ہے لہذا حدیث ناقابل عمل اور اگر صحیح بھی ہو تو وہاں نماز تہجد مراد ہے نہ کہ تراویح۔اسی لیئے طبرانی نے یہ حدیث باب قیام اللیل یعنی تہجد کے باب میں نقل کی۔غرض کہ بیس والی روایتوں میں تراویح ہی مراد ہے اور آٹھ والی میں تہجد کا احتمال،اسی لیئے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اہل مکہ بیس تراویح پڑھتے تھے اور اہل مدینہ چالیس،آٹھ تراویح پر کبھی کسی کا عمل نہیں ہوا اب تو سارے عرب و عجم میں بیس تراویح پڑھی جاتی ہیں بلکہ بیس تراویح کے حساب سے قرآن کریم کے رکوع پانچ سو ستاون (۵۵۷) صحیح ہوتے ہیں۔کہ رکوع اس کو کہتے ہیں جسے پڑھ کر صحابہ تراویح میں رکوع کرتے تھے اگر تراویح آٹھ ہوتیں تو قرآن کے رکوع ۲۱۶ ہوتے ہیں۔اس کی پوری تحقیق "جاء الحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی بکر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی کو فرماتے سنا کہ ہم رمضان میں نماز سے فارغ ہوتے تھے تو خدام سے جلد کھانا مانگتے تھے سحری جاتے رہنے کے خوف سے۔دوسری روایت میں ہے فجر کے خوف سے ۲؎(مالک) | |

۱؎ آپ عبداللہ ابن ابی بکر ابن محمد ابن عمر ابن حزم انصاری مدنی ہیں،آپ علمائے مدینہ میں سے تھے،ستر سال کی عمر ہوئی ۱۳۵ھ میں وفات پائی۔(مرقاۃ،اکمال)انہیں حضرت شیخ نے اشعۃ اللمعات میں صدیق اکبر کا بڑا فرزند عطا فرمایا،خطا ہوگئی کہ وہ تو جنگ طائف میں شہید ہوگئے۔

۲؎ یعنی اول شب سے تراویح شروع کرتے تو سحری تک پڑھتے ہی رہتے۔ سو کر پھر اٹھ کر نہیں پڑھتے تھے، اب شبینہ میں یہی ہوتا ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا کیا تم جانتی ہو کہ اس رات یعنی پندھوریں شعبان میں کیا ہے عرض کیا یارسول اللہ اس میں کیا ہے تو فرمایا اس رات میں اس سال پیدا ہونے والے انسان کے بچے لکھ دیئے جاتے ہیں اور اس سال مرنے والے سارے انسان لکھ دیئے جاتے ہیں ۱؎ اور اس رات میں ان کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور ان کے رزق اتارے جاتے ہیں ۲؎ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا کوئی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جائے گا تو آپ نے تین بار فرمایا کہ کوئی اللہ تعالٰی کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جاسکتا ۳؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ بھی نہیں تو آپ نے اپنا ہاتھ شریف اپنے سر پر رکھا اور فرمایا میں بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت میں چھپالے تین بار فرمایا ۴؎ (بیہقی، دعوات کبیر) | |

۱؎ اس طرح کہ فرشتے لوح محفوظ سے سال بھر کے ہونے والے واقعات اس رات صحیفوں میں نقل کردیتے ہیں اور ہر صحیفہ ان فرشتوں کے حوالے کرتے ہیں جن کے ذمہ یہ کام ہے۔ چنانچہ مرنے والوں کی فہرست ملک الموت کو اور پیدا کرنے والوں کی فہرست بچہ بنانے والے فرشتے کو، رزقوں کی فہرست حضرت میکائیل کو دے دی جاتی ہے اسی لیئے اسے شب قدر کہتے ہیں یعنی اندازے کی رات۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان فرشتوں کو سال میں پیدا ہونے والے، مرنے والوں لوگوں کا اور گرنے والے بارش کے قطرات اور ملنے والی روزیوں کا پورا علم ہوتا ہے۔ یہ علوم خمسہ ہیں جو ان فرشتوں کو دیئے گئے ہیں تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا پوچھنا۔

۲؎ یعنی سال بھر کے اعمال جو روزانہ صحیفوں میں لکھے جاتے رہے وہ تمام مع ٹوٹل ایک جگہ لکھ کر رب تعالٰی کی بارگاہ میں پیش کیے جاتے ہیں اور اگلے سال میں جس کو جتنی روزی ملنے والی ہے، دانے، پھل، پانی کے قطرے، سانسیں وغیرہ سب کا ٹوٹل لگادیا جاتا ہے۔ نزول سے مراد اس کا معین کرنا ہے۔ (مرقاۃ) اس حدیث میں وہ لوگ غور کریں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے انکاری ہیں۔ لوح محفوظ کے فرشتوں کو ذرہ ذرہ کی خبر ہے۔

۳؎ خیال رہے کہ نیک اعمال جنت ملنے کا سبب ظاہری ہیں اور اللہ تعالٰی کی رحمت سبب حقیقی لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں "تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ" بلکہ نیک اعمال کی توفیق اور ان کی قبولیت اللہ کی رحمت سے ہے، عمل تخم ہیں اور رب تعالٰی کا فضل بارش اور دھوپ۔

۴؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر پر ہاتھ رکھنا تواضع کے لیئے تھا۔ اس میں فرمایا یہ گیا کہ جب میں سید الانبیاء ہونے کے باوجود اللہ کی رحمت سے بے نیاز نہیں پھر ان سے کون بے نیاز ہوسکتا ہے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب کچھ رب تعالٰی کے لحاظ سے فرمایا، امت کے لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کی پناہ ہیں۔ سب کو اللہ کی رحمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابر رحمت ہیں جس میں پانی رب کے حکم سے آتا ہے مگر تمام جہان کو پانی اس بادل سے ملتا ہے، اس بادل

کے فیض سے سمندر میں موتی ہوتے ہیں اور خشکی میں دانے و پھل وغیرہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے صحابہ کے سینوں میں معرفت کے موتی پیدا ہوئے، عام مسلمانوں کے سینوں میں ایمان و تقویٰ۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالٰی پندرھویں شعبان کی شب میں توجہ کرم فرماتا ہے تو کافر یا کینہ والے کے سوا اپنی سب مخلوق کو بخش دیتا ہے۔ (ابن ماجہ) | |

| | |
|---|---|
| اور احمد نے عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے روایت کی اور ان کی روایت میں ہے دو کے سوا کینہ پرور اور قاتل نفس ۱؎ | |

۱؎ کینہ سے مراد دنیوی کینے اور عداوتیں ہیں اور قتل سے مراد ظلمًا قتل ہے، ورنہ کفار سے کینہ رکھنا اور جہاد میں کفار کا قتل، ڈاکو، زانی اور قاتلِ نفس کا قتل عبادت ہے۔ بعض جگہ شب برات کے دن ایک دوسرے کو حلوے وغیرہ کے تحفے بھیجتے ہیں اپنے قصوروں کی آپس میں معافی چاہ لیتے ہیں، ان سب کی اصل یہ حدیث ہے کہ عداوت و کینہ والا اس رات کی رحمتوں سے محروم ہے اور یہ تحفہ کینے دفع کرنے کا ذریعہ ہے، نیز یہ رات عبادتوں کی اور خیرات ہدایا وغیرہ بھی عبادت ہیں، ان خیراتوں کو روکنا اور شرک کہنا بڑی جہالت۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب پندھویں شعبان کی رات ہو تو رات میں قیام کرو، دن میں روزہ رکھو ۱؎ کیونکہ اس رات میں اللہ تعالٰی سورج ڈوبتے ہی آسمان دنیا کی طرف نزول رحمت فرماتا ہے کہتا ہے کہ کوئی معافی مانگنے والا ہے کہ میں اسے بخش دوں کہ کیا کوئی روزی مانگنے والا ہے کہ میں اسے روزی دوں کیا کوئی بیمار ہے کہ میں اسے آرام دوں کیا کوئی ایسا ہے کیا کوئی ایسا ہے طلوع فجر تک ۲؎ (ابن ماجہ) | |

۱؎ بہتر یہ ہے کہ ساری رات ہی جاگ کر عبادت کرے اور اگر نہ ہوسکے تو اول رات سوئے آخر رات میں تہجد پڑھے اور زیارت قبور کرے اور تین دن روزے رکھے۔ تیرھویں، چودھویں، پندرھویں کہ ایک نفلی روزہ رکھنا بہتر نہیں۔ تمام افضل راتوں کے اعمال ہماری کتاب "اسلامی زندگی" میں دیکھو۔

۲؎ یعنی اور راتوں کے آخری حصوں میں یہ کرم نوازی ہوتی ہے مگر اس رات شروع سے ہی۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس رات عبادتیں کرلیں اور بدنصیب ہیں وہ جو یہ رات آتشبازیوں اور سینماؤں میں گزاریں۔

## باب صلوة الضحی

### چاشت کی نماز کا باب ۱؎

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱؎ ضُحٰے ضَحْوٌ سے بنا،بمعنی دن کی بلندی یا آفتاب کی شعاع،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَالشَّمۡسِ وَضُحٰىهَا"۔عرف میں نماز اشراق اور نماز چاشت دونوں کو نماز اشراق کہا جاتا ہے۔نماز اشراق کا وقت سورج کے چمکنے کے بیس ۲۰ منٹ بعد سے سورج کے چہارم کے چہارم آسمان پر پہنچنے تک اور نماز چاشت کا وقت چہارم دن سے دوپہر یعنی نصف النہار تک ہے،کبھی نماز اشراق کو بھی نماز چاشت کہہ دیا جاتا ہے۔حق یہ ہے کہ یہ دونوں نمازیں سنت مستحبہ ہیں،نماز اشراق مسجد میں ادا کرنا بہتر ہے اور چاشت گھر میں،اشراق کی دو رکعتیں ہیں اور چاشت کی چار۔

| | |
|---|---|
| 1309 - [ 1 ](متفق علیہ)<br>عن اِم ہانئ قالت:اِن النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل بیتہا یوم فتح مکۃ فاغتسل وصلی ثمانی رکعات فلم اِر صلاۃ قط اِخف منہا غیر اِنہ یتم الرکوع والسجود . وقالت فی روایۃ اِخری:وذلک ضحیً | روایت ہے حضرت ام ہانی سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن ان کے گھر میں تشریف لائے آپ نے غسل کیا اور آٹھ رکعتیں پڑھیں ۱؎ میں نے اس سے زیادہ ہلکی نماز کوئی نہ دیکھی بجز اس کے کہ آپ رکوع اور سجدہ پورا کرتے تھے ۲؎ اور دوسری روایت میں فرمایا یہ چاشت کا وقت تھا ۳؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ یہ حدیث نماز چاشت کی بڑی قوی دلیل ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ نماز گھر میں پڑھنا بہتر ہے۔خیال رہے کہ ام ہانی کا نام فاختہ یا عاتکہ بنت ابی طالب ہے،علی مرتضٰی کی حقیقی بہن ہیں،آپ مجبورًا مکہ معظّمہ سے ہجرت نہ کرسکی تھیں۔

۲؎ یعنی یہ نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری نمازوں سے ہلکی،رکوع سجدے تو ویسے ہی دراز تھے مگر قیام اور قعدہ ہلکا تھا لہذا اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ آپ نے قیام و قعدہ پورا نہ کیا۔

۳؎ یعنی یہ نماز شکرانہ وغیرہ کی نہ تھی بلکہ چاشت کی تھی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت معاذہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز چاشت کتنی پڑھتے تھے فرمایا چار رکعتیں اور جو اللہ چاہتا وہ پڑھتے تھے ۱؎(مسلم) |

۱؎ یعنی آپ نے نماز چار رکعت سے کبھی کم نہ پڑھی،ہاں کبھی زیادہ کردیتے۔امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا کہ ان رکعتوں میں والشمس،واللیل،والضحٰی،الم نشرح پڑھے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ |

| | |
|---|---|
| | علیہ وسلم نے تم میں سے ہر ایک کے ہر جوڑ پر صدقہ ہوتا ہے پس ہر تسبیح صدقہ ہے اور ہر حمد صدقہ ہے اور ہر تکبیر صدقہ ہے ۱؎ اچھی بات کا حکم دینا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے اور ان سب کی طرف سے چاشت کی دو رکعتیں کافی ہیں جسے انسان پڑھ لے ۲؎(مسلم) |

۱؎ یعنی ان سب میں صدقہ نفلی کا ثواب ہے اور یہ بدن کے جوڑوں کی سلامتی کا شکریہ بھی ہے لہذا اگر کوئی انسان روزانہ تین سو ساٹھ نفلی نیکیاں کرے تو محض جوڑوں کا شکریہ ادا کرے گا باقی نعمتیں بہت دور ہیں۔

۲؎ یہاں چاشت سے مراد اشراق ہی ہے،اس نماز کے بڑے فضائل ہیں۔بہتر یہ ہے کہ نماز فجر پڑھ کر مصلے پر ہی بیٹھا رہے،تلاوت یا ذکر خیر ہی کرتا رہے،یہ رکعتیں پڑھ کر مسجد سے نکلے ان شاءاللہ عمرہ کا ثواب پائے گا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت زید ابن ارقم سے کہ انہوں نے ایک قوم کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا ۱؎ توفرمایا کہ یہ حضرات جانتے ہیں کہ اس کے علاوہ دوسری گھڑی(ساعت) میں یہ نماز افضل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مقربین کی نماز جب ہے جب کہ اونٹنی کا بچہ گرم ہوجاتا ہے ۲؎(مسلم) |

۱؎ اشراق سے متصل چہارم دن گزرنے سے پہلے جیسا کہ اگلی عبارت سے معلوم ہورہا ہے۔

۲؎ بعض علماء نے فرمایا کہ چاشت کا وقت بھی طلوع آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور نصف النہار پر ختم ہوتا ہے مگر بہتر یہ ہے کہ چہارم دن گزرنے پر پڑھے،ان کا ماخذ یہ حدیث ہے کیونکہ زید ابن ارقم نے افضل فرمایا،یہ نہ کہا کہ یہ نماز وقت سے پہلے پڑھ رہے ہیں،چونکہ اس زمانہ میں گھڑی نہ تھی اس لیے اوقات کا ذکر علامت سے ہوتا تھا آپ نے دوپہر کو اسی علامت سے بیان فرمایا کہ اونٹ کے بچے اون کی وجہ سے جب گرم ہوجائیں یعنی خوب دن چڑھ جائے وقت گرم ہوجائے،چونکہ اس وقت دل آرام کرنا چاہتا ہے اس لیے اسوقت نماز بہتر ہے۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابودرداء اور ابوذر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالٰی سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ رب فرماتا ہے کہ اے انسان تو شروع دن میں میرے لیئے چار رکعتیں پڑھ لے ۱؎ میں آخر دن تک تیرے لیئے کافی ہوں |

| | |
|---|---|
| | گا۲؎(ترمذی،ابوداؤد) |

۱؎ فجر کی یا چاشت کی،دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں اسی لیے مؤلف اس کو نوافل کے باب میں لائے یعنی میری رضا کے لیے یہ نماز پڑھ لے۔

۲؎ یعنی شام تک تیری حاجتیں پوری کروں گا،تیری مصیبتیں دفع کروں گا۔خلاصہ یہ کہ تو اول دن میں اپنا دل میرے لیئے فارغ کردے میں آخر دن تک تیرا دل غموں سے فارغ رکھوں گا۔سبحان اللہ! دل کی فراغت بڑی نعمت ہے۔دوسری روایت میں ہے کہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے،یہ حدیث اس کی شرح ہے۔

| | |
|---|---|
| | اور دارمی نے نعیم ابن ہمار غطفانی سے روایت کی اور احمد نے ان سب سے۔ |
| | روایت ہے حضرت بریدہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ انسان میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں ۲؎ اس پر لازم ہے کہ ہر جوڑ کی طرف سے ایک صدقہ دے لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ طاقت کس میں ہے ۳؎ فرمایا مسجد کا تھوک دفن کردو،تکلیف دہ چیز رستے سے ہٹادو ۴؎ اگر یہ نہ پاؤ تو چاشت کی دو رکعتیں تمہیں کافی ہیں ۵؎(ابوداؤد) |

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،آپ کا نام بریدہ ابن حصیب اسلمی ہے۔حق یہ ہے کہ عین ہجرت کی حالت میں راستہ میں ایمان لائے،بصرہ میں قیام رہا،خراساں کے جہادوں میں شریک رہے،یزید ابن معاویہ کے زمانہ میں مقام مرو میں ۶۲ھ؁ میں وفات پائی۔شیخ فرماتے ہیں کہ مرو میں آپ کی قبر کی زیارت ہوتی ہے،برکتیں حاصل کی جاتیں ہیں۔

۲؎ ان میں سے آدھے جوڑ حرکت کرتے رہتے ہیں،آدھے ساکن رہتے ہیں اگر حرکت والے ساکن ہوجائیں یا ساکن متحرک ہوجائیں تو جسم کا نظام بگڑ جائے،انسان کی زندگی دشوار ہوجائے۔(مرقاۃ)

۳؎ یعنی روزانہ تین سو ساٹھ صدقے کرنا عوام تو کیا خاص کی طاقت سے باہر ہے لہذا یہ شکریہ قریبًا ناممکن ہے اور رب تعالٰی فرماتا ہے کہ ہم طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔

۴؎ یعنی صدقے سے مراد مالی خیرات ہی نہیں بلکہ نفلی نیکیاں مراد ہیں کیونکہ ہر نیکی پر صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حدیث میں علیہ وجوب یا لزوم کے لیئے نہیں،چونکہ مسجد کی صفائی راستہ کی صفائی سے افضل ہے اس لیے پہلے اس کا ذکر فرمایا۔ہر مسلمان کو یہ کام کرنے چاہیں کام معمولی ہیں مگر ان پر ثواب بڑا ہے۔

۵؎ یہاں ضحیٰ سے مراد چاشت کے نفل ہیں یعنی دو رکعت پڑھ لینے سے تین سو ساٹھ جوڑوں کا شکریہ ادا ہوجاتا ہے۔اس روشن کلام سے معلوم ہورہا ہے کہ مسجد کی صفائی،راستوں سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹانا ان نوافل سے افضل ہے کیونکہ دو نفل پڑھنا آسان ہیں مگر وہ کام نفس پر گراں ہیں اور اگر کوئی یہ نفل بھی پڑھا کرے اور یہ کام بھی کیا کرے تو زہے نصیب۔امام جعفر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے آنکھ

میں کھاری پانی رکھا ہے تاکہ آنکھ کی چربی محفوظ رہے پگھل نہ جائے،کان کے پردے میں کڑواپن رکھا تاکہ کوئی کیڑا اس راستہ سے دماغ میں نہ جائے،ناک کے نتھنوں میں گرمی رکھی تاکہ ہوا صاف ہو کر دماغ میں پہنچے۔(مرقاۃ)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو چاشت کی بارہ رکعتیں پڑھ لے تو اللہ اس کے لیئے جنت میں سونے کا محل بنائے گا ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے جسے ہم صرف اس اسناد سے پہنچانتے ہیں ۲؎ |

۱؎ یعنی جو بارہ رکعت چاشت پڑھنے کا عادی ہو تو اللہ تعالٰی اس کے نام جنت میں ایک سونے کا بے نظیر محل کردے گا کیونکہ وہاں مکانات تو پہلے بنے ہوئے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ جنت کے میدانی علاقہ میں اس کے لیے سونے کا محل بنادے گا کیونکہ جنت میں کچھ علاقہ خالی بھی ہے جس میں باغ و مکانات انسان کے اعمال کے بعد بنائے جاتے ہیں۔

۲؎ اسی لیئے علماء فرماتے ہیں کہ چاشت کی نماز آٹھ رکعت تک ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف ہے،نیز آٹھ کی حدیث بروایت صحیح منقول ہے،بارہ کی روایت غریب۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت معاذ ابن انس جہنی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص جب نماز فجر سے فارغ ہو تو اپنے مصلےٰ میں بیٹھا رہے حتی کہ اشراق کے نفل پڑھ لے صرف خیر ہی بولے ۱؎ تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگ سے زیادہ ہوں ۲؎(ابوداؤد) |

۱؎ یعنی جہاں فجر کے فرض پڑھے مسجد میں یا گھر تو بعد فرض مصلےٰ پر ہی بیٹھا رہے خواہ خاموش بیٹھے یا تلاوت و ذکر کرے۔

۲؎ یعنی اس کے گناہ صغیرہ کتنے بھی ہوں اس نماز اشراق پڑھنے اور مصلےٰ پر رہنے کی برکت سے معاف ہوجائیں گے۔شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ اس نماز سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔جو دل کا نور چاہے وہ اشراق کی پابندی کرے۔(اشعہ)بعض روایات میں ہے کہ اسے حج کامل و مقبول کا ثواب ملتا ہے۔(مرقاۃ)یہ احادیث اگرچہ ضعیف ہیں مگر فضائل اعمال میں ضعیف حدیث مقبول ہے،نیز ضعیف حدیث جب بہت اسنادوں سے روایت ہوجائے تو حسن بن جاتی ہے۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اشراق کی دو رکعتوں پر پابندی کرے تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر جھاگ جتنے ہوں |

| | |
|---|---|
| | ۱؎(احمد،ترمذی،ابن ماجہ) |

۱؎ یہاں بھی ضحٰی سے مراد اشراق کے نفل ہیں،حفاظت سے مراد انہیں ہمیشہ پڑھنا ہے۔بحالت سفر اگر اتنی دیر مصلے پر نہ بیٹھ سکے تو سفر جاری کردے اور سورج چڑھ جانے پر یہ نفل پڑھ لے اللہ تعالٰی اس پابندی کی برکت سے گناہ بخش دے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ نفل پر ہیشگی کرنا منع نہیں ہاں انہیں فرض وواجب سمجھ کر ہیشگی کرنا ممنوع ہے،لہذا جو لوگ بارھویں تاریخ کو روزہ رکھتے ہیں یا ہمیشہ گیارھویں کو فاتحہ کرتی ہیں وہ اس ہیشگی کی وجہ سے گنہگار نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ آپ چاشت کی آٹھ رکعتیں پڑھتی تھیں پھر فرماتیں کہ اگر میرے ماں باپ اٹھا بھی دیئے جائیں تو میں یہ رکعتیں نہ چھوڑوں ۱؎(مالک) |

۱؎ یعنی اگر اشراق کے وقت مجھے خبر ملے کہ میرے والدین زندہ ہو کر آگئے ہیں تو میں ان کی ملاقات کے لیئے یہ نفل نہ چھوڑوں بلکہ پہلے یہ نفل پڑھوں پھر ان کی قدم بوسی کروں۔اس کی اور بھی شرحیں کی گئی ہیں مگر یہ زیادہ مناسب ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت پڑھتے رہتے حتی کہ ہم کہتے اب چھوڑیں گے ہی نہیں اور چھوڑے رہتے حتی کہ ہم کہتے کہ اب آپ پڑھیں گے ہی نہیں ۱؎(ترمذی) |

۱؎ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نماز چاشت کی احادیث بہت ہیں اس کی راوی صرف ام ہانی نہیں۔حضرت عائشہ صدیقہ سے جو منقول ہے کہ آپ چاشت نہیں پڑھتے تھے اس سے مراد ہے کہ ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے کبھی کبھی پڑھتے تھے یا مسجد میں نہیں پڑھتے تھے۔خیال رہے کہ ہم کو نوافل پر ہیشگی چاہیے،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نوافل پر ہیشگی نہ فرماتے تھے تاکہ امت اسے واجب نہ سمجھ لے یا امت کے لیئے سنت مؤکدہ نہ بن جائے،آپ کے اور احکام ہیں ہمارے کچھ اور۔مرقاۃ نے فرمایا کہ چاشت کی نماز آپ پر واجب تھی مگر ہر دن نہیں کبھی کبھی۔واللہ اعلم!

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت مورق عجلی سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر سے عرض کیا کہ کیا آپ چاشت پڑھتے ہیں فرمایا نہیں میں نے عرض کیا عمر فاروق فرمایا نہیں میں نے عرض کیا اچھا ابو بکر صدیق فرمایا نہیں ۱؎میں نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا مجھے آپ کا خیال نہیں ۲؎(بخاری) |

۱؎ یہاں ہیشگی کی نفی ہے یا مسجد میں ادا کرنے کی،ورنہ یہ حضرات چاشت پڑھتے تھے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

۲؎ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابن عمر نے نماز چاشت کو بدعت فرمایا وہاں اور مسجد میں لوگوں میں اعلان کرکے ادا کرنا مراد ہے اس نماز کا گھر میں ادا کرنا مستحب ہے اور ممکن ہے کہ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چاشت پڑھنے کی خبر نہ ہوئی ہو اپنے گمان پر اسے بدعت فرمادیا ہو۔حق یہ ہے کہ چاشت سنت ہے اور اس پر ہیشگی مستحب ہے۔(مرقاۃ)

## باب التطوع

## نوافل کا باب ۱

## الفصل الاول

## پہلی فصل

۱ تطوع طوع یاطاعةٌ سے بنا، بمعنی فرمانبرداری۔اب اصطلاح میں نفلی عبادت کو تطوع کہا جاتا ہے،یعنی جس عبادت کا شریعت نے مکلّف نہ کیا ہو بندہ اپنی خوشی سے کرے۔یہ لفظ ہر نفلی عبادت پر بولا جاتا ہے مگر یہاں نفل نماز مراد ہے کیونکہ مؤلف اسے "کتاب الصلوۃ" میں لائے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کے وقت بلال سے فرمایا ۱ کہ اے بلال مجھے اپنے امید افزا کام کی خبر دو جو تم نے اسلام میں کیا کیونکہ میں نے تمہارے نعلین کی آہٹ جنت میں اپنے آگے سنی ۲ فرمایا میں نے اپنے نزدیک کوئی امید افزا کام نہیں کیا بجز اس کے کہ دن اور رات کی کسی گھڑی میں وضو نہیں کیا مگر اس وضو سے اس قدر نماز پڑھ لی جو میرے مقدر میں تھی ۳ (مسلم،بخاری) |

۱ غالب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی شب خواب میں معراج ہوئی تب اس کے سویرے کو حضرت بلال سے یہ سوال فرمایا کیونکہ جسمانی معراج کے سویرے تو فجر جماعت سے پڑھی نہ تھی یا یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جسمانی معراج میں ملاحظہ فرمایا تھا مگر یہ سوال کسی اور دن فجر کی نماز کے بعد فرمایا،یہ ہی معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

۲ حضرت بلال کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے جنت میں جانا ایسا ہے جیسے نوکر چاکر بادشاہوں کے آگے ہٹو بچو کرتے ہوئے چلتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ اے بلال! تم نے ایسا کون سا کام کیا جس سے تم کو میری یہ خدمت میسر ہوئی۔خیال رہے کہ معراج کی رات نہ تو حضرت بلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں گئے نہ آپ کو معراج ہوئی بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات وہ واقعہ ملاحظہ فرمایا جو قیامت کے بعد ہوگا کہ تمام خلق سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں داخل ہوں گے اس طرح کہ حضرت بلال خادمانہ حیثیت سے آگے آگے ہوں گے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اللہ تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے انجام پر خبردار کیا کہ کون جنتی ہے اور کون دوزخی اور کون کس درجہ کا جنتی دوزخی ہے،یہ علوم خمسہ میں سے ہیں اور دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کان وآنکھ لاکھوں برس بعد ہونے والے واقعات کو سن لیتے ہیں،دیکھ لیتے ہیں۔یہ واقعہ اس تاریخ سے کئی لاکھ سال بعد ہوگا مگر قربان ان کانوں کے آج ہی سن رہے ہیں۔تیسرے یہ کہ انسان جس حال میں زندگی گزارے گا اسی حال میں وہاں

ہو گا۔ حضرت بلال نے اپنی زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزاری وہاں بھی خادم ہو کر ہی اٹھے۔ اللہ تعالٰی حضرت بلال کے صدقے مجھے نصیب کرے کہ وہاں بھی اپنے پیارے محبوب کے گن گاؤں، ان کی نعتیں لکھوں اور پڑھوں۔ شعر

صبا وہ چلے کہ باغ پھلے وپھول کھلے کہ دن ہوں بھلے

لواء کے تلے ثناء میں کھلے رضا کی زبان تمہارے لیے

۳؎ یعنی دن رات میں جب بھی میں نے وضو یا غسل کیا تو دو نفل تحیۃ الوضو پڑھ لیے مگر یہاں اوقات غیر مکروہ میں پڑھنا مراد ہے تاکہ یہ حدیث ممانعت کی احادیث کے خلاف نہ ہو۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت بلال سے یہ پوچھنا اسی لیے تھا تاکہ آپ یہ جواب دیں اور امت اس پر عمل کرے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر شخص کے ہر چھپے کھلے عمل سے واقف ہیں، نیز یہ درجہ صرف حضرت بلال کو ان نوافل کا ہے۔ ہزارہا آدمی یہ نوافل پڑھیں گے یا پابندی کریں گے مگر انہیں یہ خدمت نصیب نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سارے کاموں میں استخارہ اس طرح سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورۃ سکھاتے تھے ۱؎ فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے ۲؎ تو فرض کے سوا دو رکعتیں پڑھے ۳؎ پھر کہے الٰہی میں تیرے علم کی مدد سے تجھ سے خیرات مانگتا ہوں اور تیری قدرت کے وسیلہ سے تجھ سے قدرت مانگتا ہوں ۴؎ اور تیرا بڑا فضل مانگتا ہوں تو قادر ہے اور میں قادر نہیں تو جانتا ہے میں نہیں جانتا ۵؎ تو غیبوں کا جاننے والا ہے، الٰہی اگر تو جانتا ہو کہ یہ کام میرے لیے دین و دنیا اور انجام کار میں یا فرمایا میرے لیے اس جہاں اور اس جہاں میں بہتر ہو ۶؎ تو اسے میرے لیے مقدر فرمادے اور مجھ پر آسان کردے پھر مجھے برکت دے ۷؎ اور اگر تو جانتا ہو کہ یہ کام میرے دین و دنیا میں اور انجام کار میں یا فرمایا کہ میرے لیے اس جہاں اور اس جہاں میں شر ہو تو اسے مجھ سے پھیر دے اور مجھے اس سے ۸؎ اور میرے لیے بھلائی مقدر کر جہاں ہو ۹؎ پھر مجھے اس پر راضی کردے فرمایا اور اپنی حاجت کا نام لے ۱۰؎ (بخاری) |

۱؎ یعنی نماز استخارہ ایسے اہتمام سے سکھاتے تھے جیسے قرآن مجید کی سورت۔ استخارہ کے معنی ہیں خیر مانگنا یا کسی سے بھلائی کا مشورہ کرنا، چونکہ اس دعا و نماز میں بندہ اللہ سے گویا مشورہ کرتا ہے کہ فلاں کام کروں یا نہ کروں اسی لیئے اسے استخارہ کرتے ہیں۔

۲؎ بشرطیکہ وہ کام نہ حرام ہو نہ فرض و واجب اور نہ روزمرہ کا عادی کام۔ لہذا نماز پڑھنے، حج کرنے یا کھانا کھانے، پانی پینے پر استخارہ نہیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کام کا پورا ارادہ نہ کیا ہو صرف خیال ہو جیسے کوئی کاروبار، شادی بیاہ، مکان کی تعمیر وغیرہ کا معمولی ارادہ ہو اور تردد ہو کہ نہ معلوم اس میں بھلائی ہو گی یا نہیں تو استخارہ کرے۔ (لمعات)

۳؎ خاص استخارہ کے لیئے دن میں یا رات میں مکروہ اوقات کے علاوہ میں۔پہلی رکعت میں "قُلۡ یٰۤاَیُّہَا الۡکٰفِرُوۡنَ" پڑھے دوسری میں "قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ" کہ یہ ہی آسان ہے۔(مرقاۃ)

۴؎ یعنی اپنی علم وقدرت کے صدقے مجھے اس کام کے انجام سے بھی خبردار کرے اور اگر خیر ہو تو مجھے اس پر قادر بھی کردے۔معلوم ہوا کہ اللہ کے صفات سے امداد طلب کرنا جائز ہے۔

۵؎ مگر تیرے بتانے سے جانتا ہوں۔(مرقاۃ)یعنی اگر تو مجھے اس کام کا انجام بتادے تو میں بھی جان لوں۔

۶؎ خیال رہے کہ یہاں اللہ کے علم میں شک نہیں کہ یہ تو کفر ہے،بلکہ شک وتردد اس میں ہے کہ اس کام کی بہتری اللہ کے علم میں ہے یا بدتری لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں اور الفاظ میں شک راوی کی طرف سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں یہ الفاظ فرمائے یا وہ۔اب بہتر یہ ہے کہ پڑھنے والا دونوں الفاظ پڑھ لیا کرے۔

۷؎ یعنی مجھے اس کام پر قدرت بھی دے،اسے آسان بھی کردے اور انجام کار برکت بھی نصیب کر،یہ معنی نہیں کہ میری تقدیر میں لکھ دے کہ تقدیر کی تحریر تو پہلے ہو چکی ہے۔

۸؎ یعنی مجھے اس کام پر قدرت بھی نہ دے اور میرے دل میں اس سے نفرت بھی پیدا فرمادے کہ چھوٹ جانے پر مجھے رنج وغم بھی نہ ہو،پھیرنے کے یہ معنی بہت مناسب ہیں،اس جملے کے اور معانی بھی ہوسکتے ہیں۔

۹؎ یعنی اس شر کام سے بچاکر اس کے عوض کوئی اور خیر کام عطا فرمادے اور اس نکاح یا تجارت سے بچاکر دوسری جگہ نکاح یا دوسرا کاروبار عطا فرما۔

۱۰؎ یعنی ھذا الامر کی جگہ اپنے کام کا نام لے ھذا النکاح یا ھذہ التجارۃ یا ھذہ التعمیر کہے۔حدیث شریف میں ہے جو استخارہ کرلیا کرے وہ نقصان میں نہ رہے گا اور جو استخارہ کرلیا کرے وہ نادم نہ ہوگا۔اس استخارہ کے بعد پھر جدھر دل متوجہ ہو وہ کرے ان شاءاللہ کامیابی ہوگی۔بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ اگر سوتے وقت دو رکعتیں پڑھ کر یہ دعا پڑھے،پھر باوضو قبلہ رو ہوجائے تو اگر خواب میں سبزی یا سفیدی جاری پانی یا روشنی دیکھے تو کامیابی کی علامت ہے اور اگر سیاہی یا گدلا پانی یا اندھیرا دیکھے تو ناکامی اور نامرادی کی علامت ہے سات روز یہ عمل کرے ان شاءاللہ اس دوران میں خواب میں اشارہ ہوجائے گا۔استخارہ کے اور بہت طریقے اس جگہ مرقاۃ نے بیان کیئے فرمایا کہ جسے بہت جلدی ہے تو وہ صرف یہ کہہ لے "اَللّٰھُمَّ خِرۡلِیۡ وَاخۡتَرۡلِیۡ وَاجۡعَلۡ لِّیَ الۡخَیۡرَ" ان شاءاللہ اس کام میں خیر و برکت ہوگی۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابوبکر نے خبر دی اور ابوبکر سچے ہیں ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ایسا کوئی شخص نہیں جو گناہ کرے پھر اٹھے وضو کرلے پھر نماز پڑھے پھر اللہ سے معافی چاہے مگر اللہ |

| | |
|---|---|
| | اسے بخش دیتا ہے ۲؎ پھر یہ آیت پڑھی اور وہ لوگ کہ جب برائی کرلیں یا اپنی جانوں پر ظلم کرڈالیں تو اللہ کو یاد کریں اور اپنے گناہوں کی معافی چاہیں ۳؎ (ترمذی،ابن ماجہ) ابن ماجہ نے آیت کا ذکر نہیں کیا۔ |

۱؎ حضرت علی جب کسی صحابی سے کوئی حدیث سنتے تو ان سے قسم لیتے تھے کہ واقعی تم نے یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے سوائے ابو بکر صدیق کے ان کے کلام، حافظہ تعبیر و طریقہ ادا پر آپ کو پورا اعتماد تھا، نیز حضرت ابو بکر روایت حدیث میں بہت ہی محتاط تھے اسی لیئے آپ سے روایات بہت کم منقول ہیں اور اسی لیئے فرماتے ہیں کہ ابو بکر سچے ہیں۔

۲؎ اس نماز کا نام نماز توبہ ہے۔بہتر یہ ہے کہ اس کی پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھے یا پہلی رکعت "وَالَّذِیۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فٰحِشَۃً" اور دوسری میں "وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ یَظۡلِمۡ نَفۡسَہٗ" الایہ پڑھے۔بہتر ہے کہ نماز سے پہلے غسل کرلے اور دھلے کپڑے پہن لے۔

۳؎ یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی یا صدیق اکبر نے حدیث کی تائید کے لیئے۔فاحشہ سے مراد گناہ کبیرہ ہیں جیسے کفر وزنا وغیرہ۔اور ظلم سے مراد چھوٹے گناہ جیسے عام جھوٹ اور غیبت وغیرہ۔ذکر اللہ سے مراد اللہ کے عذاب اور اس کی پکڑ کو یاد کرنا ہے یا نماز توبہ دوسرے معنی ظاہر ہیں کیونکہ نماز توبہ کے موقع پر یہ آیت ارشاد فرمائی گئی۔استغفار کی حقیقت یہ ہے کہ مجرم گزشتہ پر نادم ہو اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرے،اگر حقوق سے توبہ کرتا ہے تو ادا کردے،گناہ پر قائم رہتے ہوئے منہ سے توبہ توبہ کرنا استغفار کی حقیقت نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی معاملہ پیش آتا تو نماز پڑھتے ۱؎ (ابوداؤد) |

۱؎ یعنی جب کوئی سختی تنگی،مصیبت پیش آتی تو نماز استعانت ادا فرماتے اس نماز کا نام نماز التجا بھی ہے۔اس آیت کریمہ پر عمل ہے "اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَ الصَّلٰوۃِ"۔اس سے معلوم ہوا کہ نماز رفع حاجات،حل مشکلات اور دفع بلیات کے لیئے اکسیر ہے اسی لیئے چاند،سورج کے گرہن پر نماز خسوف،بارش بند ہوجانے پر نماز استسقاء پڑھی جاتی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی تو بلال کو بلایا فرمایا کہ تم کس وجہ سے جنت میں مجھ پر سبقت لے گئے میں جنت میں کبھی بھی نہ گیا مگر اپنے سامنے تمہاری آہٹ سنی ۱؎ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے کبھی اذان نہ کہی مگر دو رکعتیں پڑھ لیں اور مجھے کبھی حدث نہ ہوا مگر اسی وقت میں نے وضو کرلیا ۲؎ اور میں نے سمجھ لیا کہ مجھ پر اللہ کے لیئے دو رکعتیں لازم ہیں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہی کی وجہ سے ۳؎ (ترمذی) |

۱؎ اس کی نہایت نفیس شرح ابھی پہلی فصل میں گزر چکی۔اس لفظ سے معلوم ہورہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں بارہا تشریف لے گئے،شب معراج میں جسمانی طور پر اس کے علاوہ روحانی طور پر۔(لمعات)مگر جب بھی تشریف لے گئے حضرت بلال کو خادمانہ طور پر اپنے آگے پایا ایسا ہی ان شاء اللہ بعد قیامت جنت میں داخلے کے وقت ہوگا۔

۲؎ یعنی میں ہمیشہ باوضو رہتا ہوں اور ہر وضو کے بعد دو نفل تحیۃ الوضو اور ہر اذان کے بعد دو رکعتیں تحیۃ المسجد پڑھ لیتا ہوں مگر اس سے مکروہ وقت علیحدہ ہیں جیسے اذان مغرب وغیرہ۔

۳؎ یعنی ان دو رکعتوں یا ان دو عملوں کی وجہ سے تم نے یہ درجہ پایا۔اس سے معلوم ہوا کہ جو کوئی نفلی عبادت کو واجب کی طرح ہمیشہ ادا کرے تو اس سے نفل حرام نہیں ہوجاتے جیسے کہ علمائے دیوبند سمجھے۔ہم ہمیشہ جمعہ کے دن کپڑے تبدیل کرتے ہیں،رمضان میں مدارس کا امتحان لیتے ہیں وغیرہ۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کو اللہ سے یا کسی انسان سے حاجت ہو ۱؎ تو وہ اچھی طرح وضو کرے پھر دو رکعتیں پڑھ لے پھر اللہ کی حمد کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے ۲؎ پھر کہے رب کے سوا کوئی معبود نہیں،حلم والا ہے،کرم والا ہے،اللہ پاک ہے،بڑے عرش کا مالک ہے ۳؎ سب تعریفیں جہانوں کے مالک اللہ کی ہیں الٰہی میں تجھ سے تیری رحمت کے اسباب اور تیری بخشش کے اعمال اور ہر نیکی میں سے غنیمت اور ہر گناہ سے سلامتی مانگتا ہوں ۴؎ میرا کوئی گناہ بغیر بخشے اور کوئی غم بغیر دور کیے نہ چھوڑ جو تیری رضا کا باعث ہے مگر اسے پوری کردے اے رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والے۔(ترمذی وابن ماجہ)ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے ۵؎ |

۱؎ خیال رہے کہ حقیقتًا حاجت روا اللہ تعالٰی ہی ہے لیکن بعض حاجتیں براہ راست اس سے مانگی جاتی ہیں اور بعض کسی مخلوق کے ذریعہ سے۔اس سے معلوم ہوا کہ بعض بندے حاجت روا ہوتے ہیں اور انہیں مجازی حاجت روا جان کر مشکل کشائی کے لیئے ان کے پاس جانا شرک نہیں۔مرقاۃ نے یہاں فرمایا کہ حاجت سے مراد دینی دنیاوی ساری حاجتیں ہیں۔

۲؎ اس نماز کا نام نماز حاجت ہے اس کی ترکیب ادا اور بھی وارد ہیں۔

۳؎ **عظیم** کو کسرہ یعنی زیر بھی پڑھا گیا ہے اور پیش بھی،یعنی اللہ عظمت والے عرش کا مالک ہے یا عرش کا مالک ہے اور عظمت والا ہے۔

۴؎ یعنی مجھے ایسے اعمال کی توفیق دے جو تیری رحمت کے ملنے کا ذریعہ ہیں اور ایسی توبہ کی ہدایت دے جو تیری مغفرت کا سبب ہے اور مجھے توفیق دے کہ ہر نیک عمل کرسکوں،چونکہ نیکی میں روح اور روح کا شکر،نفس اور نفس کے شکر پر غالب آتا ہے،پھر بندہ نیکی کرتا ہے اس لیئے اسے غنیمت فرمایا گیا کہ اس سے گناہ صغیرہ مراد ہیں کیونکہ گناہ کبیرہ اور حقوق العباد بغیر توبہ اور حق ادا کیئے معاف نہیں ہوتے اور کبیرہ

سے مراد اضافی کبیرہ ہیں کیوں کہ گناہ صغیرہ میں بھی بعض گناہ بعض سے بڑے ہوتے ہیں۔اور ممکن ہے اس سے مراد ہو کہ نماز تسبیح کی برکت سے اللہ تعالٰی اسے گناہ کبیرہ سے توبہ کی توفیق عطافرمادے گا جس سے وہ بھی معاف ہو جائیں گے۔

۵؎ کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ فضائل اعمال اور دعاؤں میں حدیث ضعیف بھی قبول ہے۔

## صلوۃ التسبیح

### تسبیح کی نماز۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱؎ یعنی یہ تسبیح کی نماز کا بیان ہے۔چونکہ اس نماز میں ہر رکن میں تیسرا کلمہ "سبحان اللہ والحمد للہ"پڑھا جاتا ہے اس لیئے اس صلوۃ التسبیح کہتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس ابن عبدالمطلب سے فرمایا کہ اے عباس اے چچا کیا میں تمہیں کچھ نہ دوں کچھ عطا نہ کروں کچھ نہ بتاؤں کیا تمہارے ساتھ دس بھلائیاں نہ کروں۱؎ جب تم وہ کرلو تو اللہ تمہارے اگلے پچھلے نئے پرانے دانستہ یا نادانستہ چھوٹے بڑے چھپے کھلے گناہ معاف کردے۲؎ تم چار رکعتیں پڑھو ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھ لو۳؎ جب تم پہلی رکعت میں قرأت سے فارغ ہو تو کھڑے ہوکر پندرہ بار کہو"سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر"۴؎ پھر رکوع کرو تو رکوع میں دس بار یہ کہہ لو پھر رکوع سے سر اٹھاؤ تو دس بار کہہ لو پھر سجدہ میں جاؤ تو دس بار سجدہ میں کہہ لو پھر سجدہ سے اپنا سر اٹھاؤ تو دس بار کہہ لو پھر سجدہ کرو تو دس بار کہہ لو پھر سجدہ سے اپنا سر اٹھاؤ تو دس بار کہہ لو۵؎ یہ ایک رکعت میں پچھتّر بار ہوئے ایسا چار رکعتوں میں کرلو۶؎ اگر کرسکو تو ہر دن میں یہ نماز ایک بار پڑھ لو۷؎ اگر نہ کرسکو تو ہر ہفتہ میں ایک بار۸؎ اگر یہ بھی نہ کرسکو تو ہر سال میں ایک بار۹؎ اگر یہ بھی نہ کرسکو تو عمر میں ایک بار۔(ابوداؤد،ابن ماجہ،بیہقی،دعوات کبیر) |

۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چند الفاظ جو قریبًا ہم معنی ہیں انہیں شوق دلانے کے لیئے ارشاد فرمائے تاکہ غور سے سنیں اور اس پر عمل کریں۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ اس سے گناہ صغیرہ مراد ہیں کیونکہ گناہ کبیرہ اور حقوق العباد بغیر توبہ اور حق ادا کیئے معاف نہیں ہوتے اور کبیرہ سے مراد اضافی کبیرہ ہیں کیونکہ صغیرہ میں بھی بعض گناہ بعض سے بڑے ہوتے ہیں اور ممکن ہے اس سے یہ مراد ہو کہ نماز تسبیح کی برکت سے اللہ تعالٰی اسے گناہ کبیرہ سے توبہ کی توفیق عطافرمادے گا جس سے وہ بھی معاف ہو جائیں گے۔

۳؎ حضرت ابن عباس سے پوچھا گیا کہ اس نماز میں کون سی سورتیں پڑھنا افضل ہیں؟ تو فرمایا تَکَاثُرْ،عَصْر،قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔(ردالمحتار)

۴؎ ترمذی شریف میں بروایت عبداللہ ابن مبارک یوں ہے کہ سبحان اللہ پڑھ کر پندرہ بار یہ تسبیح کہے اور قرأت سے فارغ ہو کر دس بار یعنی قیام میں پچیس بار کہے پندرہ بار قرأت سے پہلے اور دس بار اس کے بعد ہر رکعت میں یوں ہی کرے۔احناف کے نزدیک اسی پر عمل ہے۔دوسرے سجدے سے اٹھتے وقت دس بار نہ کہے تاکہ رکن میں تاخیر نہ ہو۔

۵؎ یعنی دوسرے سجدے کے بعد قیام سے پہلے،مگر احناف کے ہاں اس موقعہ پر نہ پڑھے۔یہ دس بار قیام میں ادا ہو چکے۔اس طریقہ کی حدیث ترمذی شریف میں موجود ہے۔

۶؎ تاکہ کل تین سو بار ہو جائیں۔اگر کسی رکن میں تسبیح پڑھنا بھول گیا یا کم پڑھیں تو اس سے متصل دوسرے رکن میں تعداد پوری کردے اور اگر اس نماز میں سجدہ سہو کرنا پڑ گیا تو اس سجدے میں تسبیح نہ پڑھے۔(ردالمحتار)

۷؎ جس وقت چاہو غیر مکروہ وقت میں ادا کرو۔بہتر ہے کہ ظہر سے پہلے پڑھو۔

۸؎ جس دن چاہو،مگر بہتر یہ ہے کہ جمعہ کے دن بعد زوال نماز سے پہلے پڑھے کیونکہ اس دن کی ایک نیکی ستر گناہ ہوتی ہے۔سیدنا عبداللہ ابن عباس کا یہی قول ہے اور آپ کا اس پر عمل بھی تھا۔

۹؎ جب چاہو لیکن اگر ماہ رمضان میں خصوصًا جمعہ کے دن یا ستائیسویں رمضان پڑھے تو بہتر ہے۔

| | |
|---|---|
| | اور ترمذی نے ابورافع سے اس کی مثل روایت کی۱؎ |

۱؎ بعض لوگوں نے اس حدیث کو موضوع بتایا مگر یہ غلط ہے اسے ابن خزیمہ اور حاکم نے صحیح کہا،امام عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے،دار قطنی نے فرمایا کہ سورتوں کے فضائل میں یہ حدیث صحیح ترین ہے،عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ نماز تسبیح رغبت کی بہترین نماز ہے اس پر عمل چاہیے،شیخ فرماتے ہیں کہ ابن جوزی اس حدیث کو ضعیف یا موضوع کہتے ہیں،جلد باز ہیں انہوں نے اسے ضعیف کہا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بندے کا وہ عمل جس کا قیامت کے دن پہلے حساب ہوگا وہ اس کی نماز ہے۱؎ اگر نماز ٹھیک ہو گئی تو بندہ کامیاب ہو گیا اور نجات پا گیا اور اگر نماز بگڑ گئی تو محروم رہ گیا اور نقصان پا گیا اگر بندے کے فرضوں میں کمی ہوگی تو رب تعالٰی فرمائے گا کہ دیکھو کیا میرے بندے کے پاس کچھ نفل ہیں ان سے فرض کی کمی پوری کردی جائے گی۲؎ پھر بقیہ اعمال اسی طرح ہوں گے اور ایک روایت میں ہے کہ پھر زکوۃ اسی طرح ہے پھر دوسرے |

| | |
|---|---|
| | اعمال اسی طرح کیے جائیں گے ۳؎(ابوداؤد) |

۱؎خیال رہے کہ عبادات میں پہلے نماز کا حساب ہوگا اور حقوق العباد میں پہلے قتل وخون کا یا نیکیوں میں پہلے نماز کا حساب ہے اور گناہوں میں پہلے قتل کا،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا کہ پہلے قتل اور خون کا حساب ہوگا یعنی اگر نماز کے حساب میں بندہ ٹھیک نکلا تو اگلے حساب ان شاء اللہ آسان ہوں گے،اور اگر ان میں بندہ پھنس بھی جائے گا تو رب تعالٰی نمازوں کی برکتوں سے اس کے چھٹکارے کی سبیل پیدا فرمادے گا،مثلًا اگر اس کے ذمہ حقوق العباد ہیں تو حق والے کو جنت دے کر اسے معاف کرادے گا اور اگر حقوق اللہ ہیں تو انہیں رحم خسروانہ اور الطاف شاہانہ سے خود بخش دے گا۔یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ نماز کے پابند کو گناہوں سے بچنے اور دوسری نیکیاں کرنے کی دنیا ہی میں توفیق مل جاتی ہے لہذا وہاں جس کی نمازیں ٹھیک نکلیں اس کے دوسرے اعمال خود بخود ٹھیک نکلیں گے۔غرض کہ حدیث بالکل صاف ہے اس پر چکڑالویوں کو کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔

۲؎یہاں کمی سے ادا میں کمی مراد نہیں بلکہ طریقۂ ادا میں کمی مراد ہے یعنی اگر کسی نے فرائض ناقص طریقہ سے ادا کیئے ہوں گے تو وہ کمی نوافل سے پوری کردی جائے گی۔یہ مطلب نہیں کہ وہ بندہ فرض نماز نہ پڑھے نفل پڑھتا رہے اور وہاں نفل فرض بن جائیں۔(از لمعات)لہذا حدیث پر چکڑالویوں کا اعتراض نہیں پڑ سکتا۔

۳؎ کہ فرائض کی کمی سنتوں اور نوافل سے پوری کی جائے گی،کمی کے معنی ابھی عرض کیئے جاچکے کیوں نہ ہو کہ وہ سنتوں والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہماری کمی پوری کرنے ہی تشریف لائے ہیں۔گرتوں کو اٹھانا اور بگڑتوں کا بنانا انہیں کا کام ہے۔

| | |
|---|---|
| | اور احمد نے ایک مرد سے۔ |

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے بندے کو دو رکعتوں سے جنہیں وہ ادا کرے زیادہ تاکیدی حکم کسی اور چیز کا نہ دیا۱؎اور جب تک بندہ نماز میں رہتا ہے بھلائی اس کے سر پر نثار ہوتی رہتی ہے۲؎اور بندہ رب کی طرف کسی چیز سے اتنا قرب حاصل نہیں کرتا جتنا اپنے منہ سے ادا کیئے ہوئے یعنی قرآن ۳؎(احمد وترمذی) |

۱؎یعنی سارے احکام الٰہیہ میں نماز سب سے افضل ہے کیوں نہ ہو کہ یہ تلاوت قرآن،تسبیحوں،تکبیروں وغیرہ کا مجموعہ ہے۔

۲؎خیال رہے کہ نماز کی تیاری،نماز کا انتظار،نماز کے بعد دعا اور وظیفے سب نماز ہی میں داخل ہیں،جیسا کہ گزشتہ روایات میں گزر چکا،لہذا ان تمام اوقات میں نمازی پر رحمتیں نچھاور ہوتی رہیں گی۔اس نچھاور میں لطیف اشارہ اس جانب ہورہا ہے کہ نمازی کے پاس بیٹھنے والے اور نمازی کے خدمت گار بھی محروم نہیں ہوتے،دولہا کی بکھیر براتی لوٹتے ہیں۔شعر

چراغے زندہ مے خواہی در شب زندہ داراں زن　　　　که بیداری بخت از بخت بیداراں شود پیدا

۳؎ یعنی بندے کے منہ سے جس طرح بھی قرآن ادا ہوجائے وہ قرب الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بغیر سمجھے ہوئے قرآن پڑھنا بھی ثواب ہے۔دوسرے یہ کہ اگر بلا ارادہ تلاوت الفاظ قرآن پاک منہ سے نکل جائیں تب بھی ثواب ملے گا اسی لیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مَاخَرَجَ فرمایا یعنی جیسے بھی ادا ہوجائیں۔

## باب صلوة السفر

## سفر کی نماز کا باب ۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱ سفر کے لغوی معنی ہیں کھلنا،ظاہر ہونا اسی لیئے اجیالے کو اسفار کہتے ہیں اور کتابوں کے ڈھیر کو اسفار۔اس کا مقلوب فسر ہے،اس کے معنی بھی یہی ہیں،اس سے تفسیر بنا،چونکہ سفر میں دوسرے مقامات کے حالات معلوم ہوتے ہیں اس لیئے اسے سفر کہتے ہے۔اصطلاح شریعت میں راستہ طے کرنے کی مخصوص صورت کا نام سفر ہے۔خیال رہے کہ سفر کے متعلق آئمہ دین میں چند اختلاف ہیں:ایک یہ کہ سفر کا فاصلہ کیا ہے؟ہمارے امام صاحب کے ہاں تین دن کی راہ یعنی ستاون میل۔دوسرے یہ کہ قصر واجب ہے یا جائز؟ہمارے ہاں واجب ہے۔تیسرے یہ کہ اقامت کی کم مدت کیا ہے جس سے مسافر مقیم بن جائے؟ہمارے یہاں تین دن۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ظہر چار رکعتیں پڑھیں اور ذوالحلیفہ میں عصر دو رکعتیں پڑھیں ۱(مسلم،بخاری) |

۱یہ حجۃ الوداع کے سفر کا واقعہ ہے،چونکہ آپ مکہ معظّمہ کے ارادے سے روانہ ہوئے تھے اس لیئے آبادئ مدینہ سے نکلتے ہی مسافر ہوگئے۔ذوالحلیفہ جو وہاں سے تین میل کے فاصلہ پر ہے وہاں قصر پڑھی۔اس زمانہ کے بعض عقلمندوں نے اس کا مطلب یوں سمجھا کہ انسان اگر سیر کرنے یا اپنا کھیت دیکھنے شہر سے باہر جائے تو مسافر ہے،یہ محض غلط ہے اس کی تردید آیندہ صفحات میں صراحۃً آرہی ہے۔خیال رہے کہ ذوالحلیفہ کا نام آج بیر علی ہے،یہ اہلِ مدینہ کا میقات ہے،فقیر نے اس کی زیارت کی ہے۔وہاں علی مرتضٰے کی مسجد آپ کا کنواں ہے اور چھوٹا سا کھجوروں کا باغ ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں حضرت علی نے جنات سے جنگ کی ہے اسی لیے اسے بیر علی کہتے ہیں مگر یہ غلط ہے۔(مرقاۃ)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت حارثہ ابن وہب خزاعی سے فرماتے ہیں کہ ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منٰی میں دو رکعتیں پڑھائیں حالانکہ ہم اتنے زیادہ اور اتنے امن میں تھے جتنے کبھی نہ ہوئے تھے ۱(مسلم،بخاری) |

۱یعنی حجۃ الوداع میں ہم مسلمان ایک لاکھ سے زیادہ تھے ہماری اپنی بادشاہت تھی مگر اس کے باوجود ہم نے قصر کیا لہٰذا قرآن شریف میں جو قصر کے لیئے خوف کفار کی قید ہے وہ اتفاقی ہے احترازی نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ

مہاجر اپنے چھوڑے ہوئے وطن میں پہنچ کر مسافر ہوگا اور قصر کرے گا،دیکھو مکہ معظّمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا وطن تھا مگر آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں مسافر ہیں اور قصر پڑھ رہے ہیں۔بعض عشاق کہتے ہیں کہ مکہ میں حاجیوں کو مسافر بن کر رہنا اور مدینہ طیبہ میں مقیم ہوکر رہنا سنت ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت یعلٰی ابن امیہ سے۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر ابن خطاب سے عرض کیا اللہ تعالٰی نے فرمایاہے کہ اگر تمہیں کفار کے فتنے کا خوف ہو تو نماز قصر پڑھو اب لوگ امن میں ہوگئے۲؎ حضرت عمر نے فرمایاکہ جس سے تمہیں تعجب ہے مجھے بھی ہوا تھا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا حضور نے فرمایاکہ یہ رب کا صدقہ ہے جو تم پر کیا لہٰذا اس کا صدقہ قبول کرو ۳؎(مسلم) |

۱؎ آپ صحابی ہیں،فتح مکہ کے دن ایمان لائے،غزوہ حنین و طائف میں شریک ہوئے،زمانہ فاروقی میں نجران کے گورنر رہے،حضرت علی مرتضٰی کے ساتھ جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

۲؎ یعنی قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف سفر قصر کا سبب نہیں بلکہ سفر میں کفار کا خوف قصر کا باعث ہے،اب خوف تو ہے نہیں تو چاہیئے کہ قصر بھی نہ ہو۔

۳؎ یعنی قرآن شریف میں خوف کفار کا ذکر اتفاقًا ہے کیونکہ اس زمانہ میں عمومًا سفروں میں خوف ہوتا تھا تم بہرحال ضرور قصر کرو خوف ہو یا نہ ہو۔یہ حدیث امام اعظم کی بہت قوی دلیل ہے کہ سفر میں قصر واجب ہے کیونکہ فَاقۡبِلُوا امر ہے امر وجوب کے لیئے ہوتا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ گئے تو آپ مدینہ منورہ لوٹنے تک دو رکعتیں پڑھتے رہے۱؎ ان سے کہا گیا کیا تم مکہ میں کچھ دیر ٹھہرے بھی تھے فرمایادس دن ٹھہرے تھے۲؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ یعنی جاتے آتے رستہ میں بھی اور مکہ مکرمہ میں بھی کیونکہ وہاں آپ نے مکہ معظّمہ میں پندرہ دن قیام کی نیت نہ فرمائی تھی۔اس سے معلوم ہوا کہ مسافر رستہ میں قصر ہی کرے گا اتمام نہیں کرسکتا،ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو سفر میں ایک آدھ بار اتمام کرکے دکھاتے۔سرکار ابدقرار صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم امت کے لیئے کبھی مکروہات پر بھی عمل کیا۔

۲؎ معلوم ہوا کہ دس دن کے قیام پر نماز پوری نہ کی جائے گی بلکہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت پر،جیسا کہ طحاوی شریف میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ اگر تم کہیں پندرہ دن قیام کی نیت کرو تو پوری پڑھو،ورنہ

قصر کرو،اس کی پوری بحث ہماری کتاب "**جاءالحق**"حصہ دوم میں دیکھو۔خیال رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چوتھی ذی الحجہ کی صبح کو حج سے فارغ ہو کر وہاں سے واپس ہوئے۔یہ حدیث امام شافعی کے بالکل خلاف ہے کیونکہ ان کے ہاں چار دن کے قیام پر نماز پوری پڑھی جاتی ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کیا تو انیس[19] دن ٹھہرے دو،دو رکعتیں پڑھتے رہے ۱؎حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہم اپنے اور مکے کے درمیان انیس دن تک دو دو رکعتیں پڑھتے رہے جب اس سے زیادہ ٹھہرتے ہیں تو چار پڑھتے ہیں۲؎(بخاری) | |

۱؎یہ سفر مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف فتح مکہ کے لیئے تھا۔(اشعۃ اللمعات)اورحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں پندرہ دن کی نیت سے مقیم نہ ہوئے تھے یہی ارادہ رہا کہ آج جائیں کل جائیں اور اتفاقًا انیس روز گزر گئے اس لیئے قصر ہی کرتے رہے۔چنانچہ عبدالرزاق نے اپنی مسند میں،امام محمد نے کتاب الاثار میں حضرت ابن عمر سے روایت کی کہ ہم ایک دفعہ آذربائیجان میں برف میں گھر گئے تو چھ ماہ وہاں ٹھہرے مگر قصر ہی پڑھتے رہے،نیز حضرت انس عبدالملک ابن مروان کے ساتھ شام میں ایک جگہ دو مہینہ تک ٹھہرے قصر ہی پڑھتے رہے۔خلاصہ یہ ہے کہ اگر مسافر بلا ارادہ کسی جگہ مہینوں ٹھہرجائے تو قصر ہی پڑھے گا۔

۲؎یہ حضرت ابن عباس کا اجتہاد ہے جو انہوں نے فتح مکہ کے واقعہ سے کیا۔ظاہر یہ ہے کہ بعد میں اس پر عمل چھوڑدیا کیونکہ طحاوی میں انہی سے روایت آتی ہے کہ اگر تم سفرمیں پندرہ دن قیام کی نیت کرو تو نماز پوری کرو ورنہ قصر۔ابن حجرشافعی فرماتے ہیں یہ انیس دن کا قول صرف ابن عباس کاہے اس میں کوئی فقیہ ان کے ساتھ نہیں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واقعہ غزوہ طائف یا غزوہ حنین میں تھا اور ظاہر ہے کہ غازی ہر وقت فتح کا منتظر رہتا ہے کہ کب فتح ہو اورکب لوٹوں،لہذا اس واقعہ سے استدلال قوی نہیں۔(مرقاۃ)

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت حفص ابن عاصم سے ۱؎فرماتے ہیں کہ میں مکہ معظّمہ کے راستے میں حضرت ابن عمر کے ساتھ تھا آپ نے ہمیں ظہر دورکعتیں پڑھائیں پھر اپنی منزل میں آئے اور بیٹھے تو کچھ لوگوں کو کھڑا دیکھا فرمایایہ لوگ کیا کررہے ہیں میں نے کہا نفل پڑھ رہے ہیں۲؎فرمایااگر میں نفل پڑھتا تو اپنی نماز ہی پوری کرلیتا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا تو آپ سفر میں دو رکعتوں پر زیادتی نہ کرتے تھے اور ابوبکر،عمر،عثمان کو ایسے ہی دیکھا ۳؎(مسلم،بخاری) | |

۱؎ آپ حفص ابن عاصم ابن عمر ابن خطاب ہیں،قرشی،عدوی،جلیل القدر تابعی ہیں،سیدنا عبداللہ ابن عمر کے بھتیجے ہیں،بہت احادیث کے راوی ہیں۔

۲؎ غالبًا یہ سفر سفر حج تھا۔کسی منزل میں سب نے جمع ہوکر باجماعت نماز پڑھی،پھر اپنے اپنے خیموں پر آگئے وہاں آپ نے لوگوں کو اہتمام کے ساتھ باقاعدہ کھڑے ہوکر اپنے ڈیروں پر نماز پڑھتے دیکھاسفر میں جلدی تھی۔یہ نوافل سواری پر بھی پڑھے جاسکتے تھے،ان حضرات کے ان نفلوں کی وجہ سے منزل کھوٹی ہورہی تھی تب آپ نے ناراض ہو کر یہ فرمایا۔

۳؎ یعنی یہ حضرات سفر میں اترکر اہتمام سے اور سفر روک کر صرف دو فرض ہی پڑھتے تھے۔نوافل کے لیئے اتنا اہتمام کرنا ہوتا تو فرض ہی پورے کیوں نہ پڑھے جاتے۔فقیر کی اس توجیہ سے یہ حدیث بالکل واضح اور صاف ہوگئی اورکسی آئندہ حدیث کے خلاف نہ رہی۔اگر یہ معنی کیئے جائیں کہ سفر میں نفل مطلقًا جائز نہیں تو مسلم،بخاری ترمذی وغیرہم نے انہی حضرت ابن عمر سے سفر میں نوافل کی بہت احادیث نقل کی ہیں جن میں سے کچھ اسی مشکوۃ شریف میں بھی آرہی ہیں۔بعض عقلمندوں نے اس حدیث کی بنا پر سفرمیں نفل بلکہ سنن وواجبات کو بھی منع کیا یہ سخت غلطی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سےفرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں چلتے ہوتے تو ظہر اورعصر جمع کرتے اورمغرب اورعشاء جمع فرماتے۱؎(بخاری) |

۱؎ یعنی سفر کرنے کی حالت میں ظہر اور عصر اسی طرح مغرب اورعشاء یوں جمع فرماتے کہ ظہر آخری وقت میں پڑھتے اور عصر اول وقت،یوں ہی مغرب آخری وقت ادا کرتے اور عشاء اول وقت یعنی ہرنماز اپنے وقت میں ادا ہوتی صورۃً جمع ہوتیں۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عصر ظہر کے وقت میں پڑھ لیتے اور عشاءمغرب کے وقت میں یعنی جمع حقیقی مراد نہیں،ورنہ یہ حدیث قرآن شریف کے بھی خلاف ہوگی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الْمُؤْمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوْقُوۡتًا"یعنی نمازمسلمانوں پر اپنے اپنے اوقات میں فرض ہے اور دیگر احادیث کے بھی مخالف۔چنانچہ طبرانی نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں مغرب اور عشاء اس طرح جمع فرماتےکہ مغرب اس کے آخر وقت میں پڑھتے اورعشاء اول وقت میں اور بخاری نے حضرت سالم سے ایک طویل حدیث نقل کی جس میں یہ ہے کہ حضرت ابن عمر کو جب سفر میں جلدی ہوتی تو مغرب پڑھتے پھر تھوڑی دیر ٹھہر کرعشاء پڑھتے،نسائی نےحضرت نافع سے طویل حدیث نقل کی کہ حضرت ابن عمر مغرب کی نماز کے لیئے جب اترے جب کہ شفق قریب غروب تھی،مغرب پڑھی تو شفق غائب ہوگئی،شفق غائب ہوتے ہی عشاء پڑھ لی۔وہ حدیثیں اس حدیث کی شرح ہیں اور احناف کے بالکل خلاف نہیں بلکہ حق میں ہیں۔اس کی پوری تحقیق "جاءالحق"حصہ دوم میں دیکھو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی |

| | |
|---|---|
| | اللہ علیہ وسلم سفر میں فرائض کے سواء رات کی نماز سواری پر پڑھتے جدھر بھی اس کا منہ ہوتا[1] (اشارہ سے پڑھتے تھے) وتر سواری پر پڑھتے تھے [2] (مسلم،بخاری) |

[1] یعنی سفر میں نوافل سواری پر ادا فرماتے،ان کے لیئے سفر نہ توڑتے اور اس کی پرواہ نہ کرتے کہ رخ قبلہ کو ہویا نہ ہو،وہاں اس آیت پر عمل تھا"فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ"۔یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہے جس میں حضرت ابن عمر نے سفر میں نفل پڑھنے والوں پر ناراضی کا اظہار کیا۔معلوم ہوا کہ وہاں مراد سفر توڑ کر نفل پڑھنا تھا۔

[2] یہ حکم اس وقت تھا جب وتر واجب نہ ہوئے تھے صرف سنت تھے،اب چونکہ وتر واجب ہیں لہذا وہ سواری پر نہیں پڑھے جاسکتے۔چنانچہ حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ آپ وتر کے لئے زمین پر اترتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا کیا کرتے تھے،یہ واقعہ وتر کے وجوب کے بعد کا ہے۔(مرقاۃ)

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا قصر اور اتمام سب کچھ کیا[1] (شرح سنہ)[2] |

[1] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں چار رکعت والی نمازوں میں قصر کیا اور دو رکعت والیوں میں اتمام یا بحالت سفر قصر کیا اور جہاں پندرہ روز قیام ہوا وہاں اتمام۔اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ سفر میں چار رکعت والی نمازوں میں کبھی قصر کرتے کبھی اتمام ورنہ یہ حدیث حضرت عائشہ کی اس روایت کے خلاف ہوگی جو بحوالہ مسلم،بخاری تیسری فصل میں آرہی ہے کہ سفر کی نماز پہلے فریضہ پر رکھی گئی۔

[2] نیز اسے شافعی اور بیہقی نے بھی روایت کیا مگر اسکی ساری اسنادوں میں ابراہیم ابن یحیٰی ہے جو سخت ضعیف ہے لہذا یہ حدیث قطعًا ضعیف ہے قابلِ حجت نہیں۔(لمعات و اشعۃ ومرقاۃ)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ کیا اور آپ کے ساتھ فتح مکہ میں حاضر ہوا تو آپ نے مکہ معظّمہ میں اٹھارہ شب قیام کیا دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے فرمادیتے تھے اے شہر والو تم چار پڑھ لو ہم مسافر ہیں[1] (ابوداؤد) |

۱؎اس کی شرح پہلے گزر چکی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھارہ روز کی مستقل نیت نہ کی تھی جیساکہ غازی جہاد میں مذبذب رہتے ہیں کہ کب لوٹیں،ایسے ہی آپ بھی تذبذب میں رہے۔خیال رہے کہ یہاں اٹھارہ دن کا ذکر ہے اور حدیث ابن عباس میں جو ابھی گزر گئی انیس[19] دن کا ذکر تھا،یعنی رات اٹھارہ اور دن انیس تھے یا وہاں غزوہ طائف وغیرہ کا ذکر ہے۔بہرحال حدیث میں تعارض نہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسافر امام کو چاہیئے بعد نماز اپنے مسافر ہونے کا اعلان کردے تاکہ مقیم مقتدی اپنی رکعتیں پوری کرلیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں ظہر دو رکعت پڑھیں اور اس کے بعد دو رکعتیں اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضروسفر میں نماز پڑھی آپ کے ساتھ حضر میں ظہر چار رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں اور آپ کے ساتھ سفر میں ظہر دو رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد دو رکعتیں ۱؎اور عصر دو رکعتیں پڑھیں اور پھراس کے بعد کچھ نہ پڑھا اور مغرب حضر و سفر میں برابر تین رکعتیں ہی پڑھیں نہ حضر میں کم کیں اور نہ سفر میں یہ دن کے وتر ہیں اور اس کے بعد دو رکعتیں ۲؎(ترمذی) |

۱؎اس سے صاف معلوم ہوا کہ سفرمیں صرف فرض میں قصر ہوگا سنتوں میں نہ قصر ہے نہ ان کے منافی۔یہ حدیث گزشتہ حدیث ابن عمر کی شرح ہے جس میں فرمایاگیا تھا کہ حضرت ابن عمر سفر میں نماز نفل پڑھنے والوں پر ناراض ہوئے۔

۲؎یعنی مغرب کے فرض دن کے وتر ہیں،ان میں قصرنہیں کہ قصر چار رکعت میں ہوتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ رات کے وتر بھی تین ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں تھے جب کوچ سے پہلے سورج ڈھل جاتا تو ظہر اورعصر جمع کرلیتے ۱؎اور اگر سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ کردیتے تو ظہر پیچھے کرتے حتی کہ عصر کے لیے اترتے ۲؎یونہی مغرب میں جب کوچ سے پہلے سورج چھپ جاتا تو مغرب اورعشاء جمع کرلیتے اور اگر سورج چھپنے سے پہلے کوچ کرتے تو مغرب میں دیر لگاتے حتی کہ عشاء کے لیئے اترتے پھر ان دونوں کو جمع |

| | |
|---|---|
| | فرمالیتے ۳؎(ابوداؤد،ترمذی) |

۱؎اس طرح کہ عصر کے وقت میں پڑھ لیتے،اس کا نام جمع تقدیم ہے یعنی نماز اپنے وقت سے پہلے ادا کرلینا۔
۲؎اور ظہرعصر کے وقت پڑھتے اس کا نام جمع تاخیر ہے یعنی نماز کا وقت کے بعد پڑھنا۔
۳؎یہاں جمع حقیقی ہی مراد ہے جمع صوری کا اس میں احتمال نہیں۔یہ حدیث امام شافعی کی انتہائی دلیل ہے کہ سفر میں جمع تقدیم بھی جائز ہے اور جمع تاخیر بھی۔اس کے متعلق چند طرح گفتگو ہے:اولًا یہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ابوداؤد نے فرمایاکہ جمع تقدیم کے بارے میں کوئی حدیث صحیح نہ ملی۔(میرک ازمرقاۃ)دوسرے یہ کہ مسلم،بخاری میں حضرت ابن مسعود کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوکبھی غیر وقت میں نماز پڑھتے نہ دیکھاحالانکہ آپ غزوہ تبوک میں حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ کے ساتھ باجماعت نمازیں اس موقعہ پر ادا کرتے رہے،چونکہ حضرت ابن مسعود معاذ ابن جبل سے زیادہ فقیہ بھی ہیں اور زیادہ حافظ بھی اس لیئے ان کی حدیث کو زیادہ ترجیح ہوگی۔تیسرے یہ کہ یہ حدیث آیت قرآنی جو ہم پیش کرچکے اور ان متواتر احادیث کے خلاف ہے جن میں نماز کے اوقات کا ذکر ہے لہذا یہ حدیث ہرگز قابل عمل نہیں۔خیال رہے کہ عرفہ اور مزدلفہ میں نمازیں اپنے وقت سے نہ ہٹیں بلکہ وقت اپنی حدود سے ہٹ گئے اس طرح کہ عرفہ میں وقت عصر ظہر میں آگیا نہ کہ نماز عصر وقت ظہر میں اور مزدلفہ میں وقت مغرب عشاء میں پہنچ گیا نہ کہ مغرب وقت عشاء میں حتی کہ اگر کوئی حاجی اس دن مغرب عشاء کے وقت سے پہلے پڑھ لے تو ہوگی ہی نہیں،نیز وہ احادیث متواتر المعنی ہیں۔یہ فرق خیال میں رہے بہت باریک ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کرتے اور نفل پڑھنا چاہتے تو اپنی اونٹنی پر قبلہ رو ہوجاتے پھر تکبیر کہتے پھر نماز پڑھتے رہتے اب آپ کو سواری جدھر بھی متوجہ کرتی ۱؎(ابوداؤد) |

۱؎یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت روبقبلہ ہوجاتے،پھر بعدمیں رخ بدل جانے کی پرواہ نہ کرتے،اب بھی سفر میں نوافل کا یہی حکم ہے۔خیال رہے کہ سرکار اونٹنی کو قبلہ کی طرف نہ پھیرتے تھے ورنہ سفر غلط ہوجاتا بلکہ اونٹنی کا رخ جانب سفر رہتا اپنا رخ جانب قبلہ۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی کام میں بھیجا جب میں آیاتو آپ اپنی سواری پرمشرق کی طرف نماز پڑھ رہے تھے اور سجدہ رکوع سے زیادہ پست کرتے تھے ۱؎(ابوداؤد) |

۱؎ یعنی قبلہ جانب جنوب تھا مگر آپ کی نماز جانب مشرق ادا ہورہی تھی اور رکوع،سجدہ اشارے سے کررہے تھےاس طرح کہ رکوع کے لیئے سرکم جھکاتے اور سجدے کے لیئے زیادہ۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منٰی میں دو رکعتیں پڑھیں آپ کے بعد ابوبکر نے اور حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر نے حضرت عثمان نے اپنی شروع خلافت میں۱؎ پھر اس کے بعد حضرت عثمان نے چار پڑھیں ۲؎ ابن عمر جب امام کے ساتھ نماز پڑھتے تو چار پڑھتے اور جب اکیلے نماز پڑھتے تو دو رکعتیں پڑھتے ۳؎ (مسلم،بخاری) |

۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین نے منٰی میں تشریف لاکر ہمیشہ نماز قصر ہی پڑھی کبھی پوری نہ پڑھی اور حضرت عثمان نے شروع خلافت میں ہمیشہ قصر ہی پڑھی کبھی پوری نہ پڑھی۔اس سے معلوم ہوا کہ مسافر کو قصر و اتمام کا اختیار نہیں بلکہ اس پر قصر پڑھنا ہی فرض ہے ورنہ وہ حضرات کبھی اتمام بھی کیا کرتے۔

۲؎ یعنی آخر خلافت میں حضرت عثمان صرف منٰی میں ہمیشہ چار پڑھنے لگے منٰی کے علاوہ اور سفر میں کبھی اتمام نہ کیا اور منٰی میں آکر کبھی قصر نہ کیا اگر آپ مسافر کو اختیار مانتے تو اس زمانہ میں کبھی قصر کرتے کبھی اتمام۔خیال رہے کہ آپ کے منٰی میں اتمام کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عہد عثمانی کے نو مسلموں نے آپ کو منٰی میں قصر کرتے دیکھا تو سمجھے کہ اسلام میں نماز کی دو ہی رکعتیں ہیں اسی وہم کو دور کرنے کے لیئے آپ نے مکہ معظّمہ میں اپنا ایک گھر بنایا وہاں اپنی ایک بیوی کو مقیم کرکے رکھا اب اگر ایک دن کے لیئے بھی آپ مکہ معظّمہ آتے تو نماز پوری کرتے تھے۔(مسند امام احمد،عبدالرزاق،دارقطنی،مرقاۃ،فتح القدیر وغیرہ)اس کی تحقیق ہماری کتاب "**جاءالحق**"حصہ دوم میں ملاحظہ کرو۔

۳؎ یعنی حضرت ابن عمر مکہ معظّمہ میں جب عثمان غنی یا کسی اور مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھتے تو پوری پڑھتے اکیلے پڑھتے تو قصر کرتے۔حکم بھی یہی ہے کہ مسافر مقیم امام کے پیچھے نماز پوری پڑھے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نماز دو دو رکعتیں فرض کی گئی تھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو چار رکعتیں فرض ہوگئیں اور نماز سفر پہلے ہی فریضے پر رکھی گئی ۱؎ زہری فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عروہ سے پوچھا کہ حضرت عائشہ کا کیا خیال ہے کہ پوری کرتی ہیں ۲؎ فرمایا کہ حضرت عثمان کی تاویل کی طرح انہوں نے بھی تاویل کرلی ۳؎ (مسلم،بخاری) |

۱یعنی ہجرت سے پہلے ہر نماز دو،دو رکعت تھی،بعد ہجرت فجر تو دو رکعت رکھی گئی،مغرب تین،باقی نمازیں سفر میں وہی دو رکعتیں رہیں اور حضر میں چار رکعتیں کردی گئیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اب سفر میں قصر کرنا اسی طرح فرض ہے جیسے اقامت میں پوری پڑھنا یہ حدیث وجوب قصر کی نہایت قوی دلیل ہے جس میں کوئی تاویل نہیں ہوسکتی اور مسلم،بخاری کی ہے اسے ضعیف نہیں کہا جاسکتا۔

۲یعنی حضرت عائشہ صرف منٰی و مکہ معظّمہ میں ہمیشہ پوری نماز پڑھتی ہیں کبھی قصر نہیں کرتیں،باقی سفروں میں ہمیشہ قصر کرتی ہیں اتمام نہیں کرتیں اس سفر منٰی میں کیا خصوصیت ہے۔

۳یعنی جیسے عثمان غنی نے اتمام کی کوئی وجہ نکال لی،ایسے ہی حضرت ام المؤمنین نے بھی کوئی وجہ اس اتمام کی نکالی ہوگی مجھے اس کی خبر نہیں۔امام نووی نے فرمایااس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان و حضرت عائشہ صدیقہ سفر میں قصرو اتمام دونوں جائز سمجھتے تھے لہٰذا یہ امام شافعی کی دلیل ہے۔فقیر کہتا ہے کہ یہ غلط ہے چند وجہ سے:ایک یہ کہ حضرت ام المؤمنین خود ہی تو روایت فرماتی ہیں کہ نماز سفر پہلے فریضہ پر رکھی گئی یعنی دو،دو رکعتیں تو خود اپنی روایت کے خلاف یہ رائے کیسے قائم کرسکتی ہیں۔دوسرے یہ کہ اگر آپ قصر و اتمام دونوں جائز سمجھتیں تو ہر سفر میں کبھی قصر کرتیں کبھی اتمام مگر ایسا نہ کیا صرف منٰی میں اتمام کیا اور ہمیشہ کیا یہاں کبھی قصر نہ پڑھا اور دوسرے سفروں میں ہمیشہ اتمام کیا۔تیسرے یہ کہ اگر انکا یہ مذہب ہوتا تو حضرت زہری اسے تاویل نہ فرماتے بلکہ اسے ان کا مذہب قرار دیتے۔معلوم ہوا کہ آپ کا مذہب تو وجوب قصر کا تھا مگر منٰی میں کسی تاویل کی بناء پر اتمام فرماتیں وہ تاویل کیا تھی رب جانے۔ظاہر یہ ہے کہ آپ مکہ معظّمہ میں پندرہ دن قیام کی نیت کرلیتیں ہوں گی اور آپ کا خیال یہ ہوگا کہ مہاجرین کو پندرہ دن مکہ معظّمہ میں ٹھہرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں منع تھا آپ کی وفات کے بعد جائز ہے،یہ ممانعت مہاجر مردوں کے لیئے تھی عورتوں کے لیئے نہیں یا ان کے لیئے تھی جو بوقت ہجرت بالغ تھے،میں اس وقت نابالغہ تھی۔وَاللہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ!

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ اللہ نے تمہارے نبی کی زبان پر(صلے اللہ علیہ وسلم)نماز حضر میں چار رکعتیں،سفر میں دو رکعتیں اور خوف میں ایک رکعت فرض کی۱(مسلم) | |

۱اس طرح کہ غازی مسافر سخت خوف کی حالت میں امام کے پیچھے صرف ایک رکعت پڑھے گااور ایک رکعت اکیلے جیساکہ قران شریف سے معلوم ہورہا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفرمیں قصر کرنا ایسے ہی فرض ہے جیسے حضر میں پوری پڑھنا،قصر و اتمام کا اختیار نہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے انہی سے اور حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کی نماز میں دو رکعتیں شروع کیں وہ دونوں پوری ہیں کوتاہ نہیں۱اور وتر سفر میں سنت اسلام ہے ۲(ابن ماجہ) | |

۱؎ یعنی سفر میں دو رکعتیں ہی مشروع ہیں چار رکعتیں غیر مشروع یعنی خلاف شرع اور یہ دو رکعتیں ایسی ہی مکمل ہیں جیسے حضر میں چار اور انہیں چار پڑھنا ایسا ہی بُرا ہے جیسے فجر کے چار فرض یا گھر میں ظہر کے چھ فرض پڑھنا یا یہ مطلب ہے کہ یہ دو رکعتیں تعداد میں قصر ہیں ثواب میں نہیں ان پر ثواب پوری چار رکعتوں کا ملے گا۔(لمعات)

۲؎ یہاں سنت سے مراد واجب کا مقابل نہیں۔یہ مطلب نہیں کہ سفرمیں وتر پڑھنا سنت ہے ورنہ وہاں نوافل اور دیگر سنن پڑھنا بھی سنت ہیں وتر کی کیا خصوصیت ہے،بلکہ مطلب یہ ہے کہ سفر میں وتر پڑھنا اسلام کا دائمی طریقہ ہے۔(لمعات)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت مالک سے انہیں خبر پہنچی کہ حضرت ابن عباس اس قدرمسافت میں نماز قصر کرتے تھے جو مکہ اور طائف،مکہ اورعسفان اور مکہ اور جدے کے درمیان ہے ۱؎ امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ مسافت چار برید ہے ۲؎(مؤطا) |

۱؎ یعنی اس سے کم مسافت میں قصر نہ کرتے تھے۔معلوم ہوا کہ سفرکے لیئے سفر کی حد مقرر ہے فقط گھر سے نکل جانے پر سفر نہیں ہوجاتا جیسا بعض عقلمندوں نے سمجھا۔خیال رہے کہ عسفان مکہ معظّمہ سے مدینہ کی راہ پر دو منزل ہے اور جدہ بڑا شہر ہے مکہ معظّمہ سے تقریبًا ۶۵ میل ہے،یہ فقط تشبیہ ہے تعین نہیں۔

۲؎ ایک برید چار کوس کا ہے لہذا چار برید سولہ کوس ہوئے اور عرب کا ایک کوس تین میل عربی ہے،لہذا سولہ کوس ۴۸ میل عربی ہوئے،ایک میل چھ ہزار گز کا ایک گزچوبیس انگل کا۔(لمعات)اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ انگریزی میل سے یہ مسافت ۵۷ میل بنتی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت براءسے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھارہ سفروں میں رہا میں نے آپ کو نہ دیکھا کہ آپ نے سورج ڈھلنے کے بعد ظہر کے پہلے کی دو رکعتیں چھوڑی ہوں ۱؎(ابوداؤد،ترمذی)اور ترمذی نے فرمایایہ حدیث غریب ہے۔ |

۱؎ یعنی تحیۃ الوضو کے نفل اور ظاہر ہے کہ جب حضورصلی اللہ علیہ وسلم سفرمیں نفل نہیں چھوڑتے تو سنت مؤکدہ کیسے چھوڑتے ہوں گے۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جوسفرمیں سنت ونفل پڑھنے کے سخت دشمن ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت نافع سےفرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر اپنے بیٹے عبیداللہ کو سفرمیں نفل پڑھتے دیکھتے تھے تو ان پر اعتراض نہ کرتے ۱؎(مالک) |

۱؎ کیونکہ سفر میں نفل پڑھنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے،آپ کے صاحبزادے سواری پر ہی نفل پڑھتے تھے یا زمین پر جب پڑھتے جب وقت میں گنجائش ہوتی اس لیئے آپ اعتراض نہ کرتے تھے،جن پر اعتراض کیا ہے وہ وہ حضرات تھے جو نفل کی وجہ سے منزل کھوٹی کررہے تھے۔**تتمہ**:نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کی مدت مسافر کے لیئے تین دن مقرر فرمائی،نیز عورت پر بغیر محرم تین دن کی مسافت پر جانا حرام کیا۔ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر کی مسافت تین دن کی راہ ہے،یہی احناف کا مذہب ہے۔

## باب الجمعۃ

### جمعہ کا باب ۱ؔ

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱ؔ جمعہ ج اور م کے پیش سے، جَمْعٌ سے بنا، بمعنی مجتمع ہونا، اکٹھا ہونا۔ چونکہ اس دن میں تمام مخلوقات وجود میں مجتمع ہوئی کہ تکمیلِ خلق اسی دن ہوئی، نیز حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی اس دن ہی جمع ہوئی، نیز اس دن میں لوگ نماز جمعہ جمع ہو کر ادا کرتے ہیں ان وجوہ سے اسے جمعہ کہتے ہیں۔ اسلام سے پہلے اہل عرب اسے عروبہ کہتے تھے۔ چنانچہ ان کے ہاں ہفتہ کے دنوں کے نام حسب ذیل تھے:
اوّل، اَہُوَن، جُبار، دبار، مونس، عروبہ، شیاء۔ (اشعہ) نماز جمعہ فرض ہے، شعار اسلام میں سے ہے، اس کی فرضیت کا منکر کافر ہے مگر اس کی فرضیت کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ چنانچہ یہ نماز مسلمان، مرد، عاقل، بالغ، آزاد، تندرست، شہری پر فرض ہے اس کی ادا کے لیئے جماعت، آزاد جگہ، شہر اور خطبہ شرط ہیں۔ نہ گاؤں والوں پر جمعہ فرض ہے اور نہ گاؤں میں جمعہ ادا ہو۔ اس کے مکمل دلائل ہمارے "فتاویٰ نعیمیہ" میں دیکھو۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہم دنیا میں پیچھے ہیں قیامت کے دن آگے ہوں گے ۱ؔ بجز اس کے کہ انہیں کتاب ہم سے پہلے دی گئی اور ہمیں ان کے بعد ۲ؔ پھر یہ یعنی جمعہ کا ان کا دن بھی تھا جو ان پر فرض کیا گیا تھا وہ اس میں اختلاف کر بیٹھے ہمیں اللہ نے اس کی ہدایت دے دی ۳ؔ اس میں لوگ ہمارے تابع ہیں یہودی کل ہیں عیسائی پرسوں ۴ؔ (مسلم، بخاری) مسلم کی روایت میں ہے کہ ہم پیچھے ہیں اور قیامت کے دن آگے جنت میں ہم ہی پہلے جائیں گے ۵ؔ اور اس کے سواء کہ انہیں الخ۔ | |

۱ؔ یعنی میں اور میری امت یہاں وجود میں پیچھے ہیں کہ ہم آخری نبی اور یہ امت آخری امت اور وہاں شہود میں پہلے ہوں گے کہ سب سے پہلے ہماری امت کا فیصلہ ہوگا اور ساری امتوں سے پہلے یہی جنت میں جائے گی۔
۲ؔ یعنی یہود و نصاریٰ کو توریت و انجیل ہم سے پہلے مل گئی، ہمیں قرآن بعد میں دیا گیا تاکہ قرآن ناسخ ہو وہ کتابیں منسوخ اور ان کے عیوب ہم کو معلوم ہوں اور اس امت کے عیوب پوشیدہ رہیں اس کے بعدیت میں بھی اللہ کی رحمت ہے۔
۳ؔ یعنی عظمت والا دن اللہ تعالٰی کے نزدیک جمعہ ہی ہے۔ رب تعالٰی چاہتا تھا کہ میرے بندے یہ دن میری عبادت کے لیئے خالی رکھیں مگر یہود و نصاریٰ کو بتایا نہ گیا بلکہ انہیں اختیار دیا گیا کہ تم جو دن چاہو اپنی عبادت کے لیئے چن لو۔ یہود نے ہفتہ منتخب کر لیا، نصاریٰ نے

اتوار، جمعہ کی طرف کسی کا خیال نہ گیا، اللہ تعالٰی نے یہ انتخاب ہم پر نہ چھوڑا بلکہ ہمیں خود جمعہ بتادیا گیا تاکہ ہم انتخاب میں غلطی نہ کریں، بلکہ مرقات نے ابن سیرین سے روایت فرمائی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے مدینہ کے انصار نے سوچا کہ جب یہودیوں اور عیسائیوں کا عبادت کا دن مقرر ہے تو ہم بھی کوئی دن کیوں نہ مقرر کرلیں۔انہوں نے جمعہ کے دن حضرت سعد ابن زرارہ کو امام بناکر ان کے پیچھے دو رکعتیں ادا کیں اور اس دن کا نام بجائے عروبہ کے جمعہ رکھا،اس کی تائید ابن خزیمہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ انصار کہتے ہیں سعد ابن زرارہ وہ ہیں جنہوں نے ہجرت سے پہلے ہمیں مدینہ میں جمعہ پڑھایا اس بناپر یہاں فَهَدٰنَا اللّٰهُ کے معنی یہ ہوں گے کہ رب تعالٰی نے میری امت کے خیال کو صحیح فرمایا۔خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سوموار کو پہنچے اور جمعرات تک بنی عمروابن عوف میں مقیم رہے، پھر وہاں سے جمعہ کے دن بنی سالم ابن عوف میں تشریف لائے اور اس مسجد میں جمعہ پڑھا جو بطن وادی میں ہے۔یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا جمعہ تھا جو اس مسجد میں ادا ہوا۔فقیر نے اس کی زیارت کی ہے اور وہاں دو نفل پڑھے ہیں، مسجد قبا کے راستہ میں ہے شکستہ حال ہے۔

۴؎ یعنی ہفتہ کا پہلا دن جمعہ ہمیں ملا اور دوسرا دن یعنی شنبہ یہودیوں کو اور تیسرا دن اتوار یہ عیسائیوں کو جیسے ہمارا دن ان کے دنوں سے پہلے ہے ایسے ہی ہم بھی ان پر مقدم۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہفتہ جمعہ سے شروع ہوتا ہے اور پنج شنبہ پر ختم۔

۵؎ اس طرح کہ نبیوں سے پہلے جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جائیں گے اور امتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پہلے جائے گی، پھر دوسری امتیں۔

| | |
|---|---|
| | اور اس کی دوسری روایت میں انہیں سے اور حضرت حذیفہ سے ہے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے آخر میں یہ ہے کہ ہم دنیاوالوں سے پیچھے ہیں اور قیامت کے دن پہلے ہوں گے کہ ہمارا فیصلہ مخلوق سے پہلے ہوگا ۱؎ |

۱؎ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہے جس نے بتایا کہ پیچھے ہونے سے یہ مراد اور پہلے ہونے سے یہ مطلب۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت قیامت میں ہر موقعہ پر آگے رہے گی کیوں نہ ہو کہ اصل مقصود یہ امت ہے باقی اس کے تابع۔(مرقاۃ)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین وہ دن جس میں سورج نکلے وہ جمعہ کا دن ہے اسی میں حضرت آدم پیدا ہوئے اسی دن جنت میں گئے اسی دن وہاں سے بھیجے گئے اور قیامت بھی جمعہ کے دن ہی ہوگی ۱؎ (مسلم) |

۱؎ یعنی پہلے بھی بڑے بڑے واقعات اس دن میں ہی ہوئے اور آئندہ نہایت اہم اور سنگین واقعہ وقوع قیامت کا اسی دن ہوگا اس لیئے یہ دن بڑی عظمت والا ہے۔خیال رہے کہ آدم علیہ السلام کا جنت میں جانا بھی اللہ کی رحمت تھی اور وہاں سے تشریف لانا بھی کیونکہ وہاں سیکھنے گئے تھے، یہاں سکھانے اور خلافت کرنے آئے۔اس سے معلوم ہوا کہ جس دن میں دینی اہم واقعات ہوچکے ہوں وہ دن تاقیامت افضل ہوجاتا ہے اور اس دن میں خوشیاں منانا، عبادتیں کرنا بہتر ہوتا ہے، دیکھو ماہ رمضان وشب قدر اس لیئے افضل ہیں کہ ان میں قرآن شریف

نازل ہوا۔مسلمان کاعقیدہ ہے کہ شب ولادت،شب معراج وغیرہ سب افضل راتیں ہیں۔ان میں عبادات کرنا،خوشیاں منانا بہتر ہے،اس کاماخذ یہ حدیث ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعہ میں ایک گھڑی ہے جسے بندہ مؤمن نہیں پاتا کہ اس میں اللہ سے خیر مانگے مگر اللہ اسے وہ ضرور دیتا ہے ا؎(مسلم،بخاری) مسلم نے زیادہ کیافرمایاوہ چھوٹی سی گھڑی ہے۔اور مسلم،بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا جمعہ میں ایک ساعت ہے جسے مسلمان نہیں پاتا کہ کھڑاہوا نماز پڑھتا ہو اللہ سے خیر مانگے مگر اللہ اسے ضرور دیتا ہے۲؎ |

ا؎ یعنی وہ ساعت قبولیت دعا کی ہے،رات میں روزانہ وہ ساعت آتی ہے مگر دنوں میں صرف جمعہ کے دن۔یقینًا نہیں معلوم کہ وہ ساعت کب ہے۔غالب یہ ہے کہ دوخطبوں کے درمیان یا مغرب سے کچھ پہلے۔

۲؎ یعنی اس ساعت میں مسلمان کی دعاقبول ہوتی ہے نہ کہ کافر کی۔نمازی متقی کی دعا قبول ہوتی ہے نہ کہ فساق وفجار کی جو جمعہ تک نہ پڑھیں صرف دعاؤں پر ہی زور دیں۔یُصَلِّی میں اسی جانب اشارہ ہے ورنہ نماز کی حالت میں دعا کیسے مانگی جائے گی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابو بردہ ابن ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو فرماتے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کی ساعت کے بارے میں فرماتے سنا کہ وہ امام کے بیٹھنے سے ادائے نماز کے درمیان ہے ا؎(مسلم) |

ا؎ یعنی جس وقت سے امام منبر پر خطبے کے لیئے بیٹھے اس وقت سے نماز جمعہ ختم ہونے تک قبولیت کاوقت ہے مگر اس وقت میں تیاریٔ نماز ہوتی ہے نہ کہ نماز،نیز دعا بزبان حال ہوگی نہ بزبان قال کیونکہ اس وقت نماز،کلام سب حرام۔خیال رہے کہ اس ساعت کے متعلق علماء کے چالیس قول ہیں جن میں دو قول زیادہ قوی ہیں:ایک اس وقت کا،دوسرے آفتاب ڈوبتے وقت کا۔حضرت فاطمہ زہراء اس وقت خود حجرے میں بیٹھتیں،اور اپنی خادمہ فضہ کو باہر کھڑا کرتیں،جب آفتاب ڈوبنے لگتا توخادمہ آپ کو خبر دیتیں اس کی خبر پر سرکار اپنے ہاتھ اٹھاتیں۔"صَلٰوتُ اللہِ وَسَلَامُہٗ عَلٰی اَبِیْھَاوَعَلَیْھَا وَعَلٰی سَآئِرِ اَھْلِ بَیْتِ النُّبُوَّۃِ"۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں طور کی طرف گیا ا؎ تو کعب احبار۲؎ سے ملا ان کے پاس بیٹھا انہوں نے مجھے تورات کی باتیں سنائیں اور میں نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں۳؎ |

جو حدیثیں میں نے انہیں سنائیں ان میں یہ بھی تھا کہ میں نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین وہ دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے جمعہ کا دن ہے اسی میں آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی میں اتارے گئے، اسی میں ان کی توبہ قبول ہوئی، اسی میں وفات پائی، اسی میں قیامت قائم ہوگی ۴؎ ایسا کوئی جانور نہیں جو جمعہ کے دن صبح سے آفتاب نکلنے تک قیامت کا ڈرتے ہوئے منتظر نہ ہو ۵؎ جن وانس کے سواء اور اس میں ایک ایسی ساعت ہے جسے کوئی مسلمان نماز پڑھتے ہوئے نہیں پاتا کہ اللہ سے کچھ مانگ لے مگر رب اسے دیتا ہے کعب بولے کہ یہ ہر سال میں ایک بار ہے میں نے کہا بلکہ ہر جمعہ میں ہے تو کعب نے توریت پڑھی تو بولے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ۶؎ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں عبداللہ ابن سلام سے ملا تو میں نے انہیں کعب کے پاس بیٹھنے اور جو کچھ میں نے ان سے جمعہ کے بارے میں گفتگو کی سنائی میں نے کہا کہ کعب بولے یہ ہر سال میں ایک دن ہے تو عبداللہ ابن سلام نے فرمایا کہ کعب نے غلط کہا ۷؎ تب میں نے ان سے کہا پھر کعب نے توریت پڑھی تو فرمایا بلکہ وہ ہر جمعہ میں ہے تب عبداللہ ابن سلام بولے کہ کعب نے سچ کہا ۸؎ پھر عبداللہ ابن سلام نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ وہ کون سی ساعت ہے ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا وہ مجھے بتادیجئے اور بخل نہ کیجئے ۹؎ عبداللہ ابن سلام نے فرمایا کہ وہ جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے ۱۰؎ ابوہریرہ فرماتے ہیں میں بولا کہ وہ جمعہ کی آخری ساعت کیسے ہوسکتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان بندہ اسے نماز پڑھتے ہوئے پائے ۱۱؎ عبداللہ ابن سلام بولے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جو کسی جگہ نماز کے انتظار میں بیٹھے تو وہ نماز پڑھنے تک نماز ہی میں ہے ابوہریرہ فرماتے ہیں میں نے کہا ہاں فرمایا وہ یہی ہے ۱۲؎ (مالک، ابوداؤد، ترمذی، نسائی) اور احمد نے صدق کعب تک روایت کی۔

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ طور سے مراد وہ مشہور طور پہاڑ ہی ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام رب تعالٰی سے ہم کلام ہوتے تھے۔

۲؎ آپ کا نام کعب ابن مانع، کنیت ابواسحاق، قبیلہ حمیر سے ہیں، یہود کے بڑے مشہور عالم تھے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر ملاقات نہ کرسکے، عہد فارقی میں ایمان لائے اور خلافت عثمانی ۳۲ھ مقام حمص میں وفات پائی لہذا آپ تابعین میں سے ہیں۔

۳؎ صحابہ کرام مؤمنین علمائے بنی اسرائیل سے توریت شریف کی وہ آیات سنا کرتے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں ہیں تاکہ ان سے ایمان تازہ اور دل روشن ہو۔جن احادیث میں توریت پڑھنے سے حضرت عمر کو منع فرمایا گیا وہ توریت کی وہ ایات مراد ہیں جو اسلام کے خلاف ہیں یا اس سے ہدایت لینے کے لیئے پڑھنا مراد ہے،اب ہدایت صرف قرآن وحدیث میں ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

۴؎ معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا علم دیا۔دوسری روایت میں ہے کہ عاشورہ کے دن ہوگی مگر اس کا سنہ بتانے کی اجازت نہ تھی۔

۵؎ یعنی جمعہ کے دن ہر جانور منتظر ہوتا ہے کہ شاید آج قیامت ہو،جب بخیریت سورج نکل آتا ہی تب سمجھتا ہے کہ آج قیامت نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ جانوروں کو بھی یہ معلوم ہے کہ قیامت جمعہ کو آوے گی اور انہیں ہمارے دنوں کی بہت خبر رہتی ہے کہ آج فلاں دن ہے۔

۶؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بگڑی ہوئی توریت میں بھی جمعہ کے فضائل اور اس میں قبولیت کی ساعت کا ذکر تھا مگر حضرت کعب کی یاد نے غلطی کی کہ وہ سمجھے توریت میں یہ ہے کہ سال کے ایک جمعہ میں قبولیت کی ساعت ہوتی ہے،یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا معجزہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چیزوں کی خبر دی تو جو توریت کے چوٹی کے عالم پر چھپی رہیں اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے بتادیں۔

۷؎ یہاں کذب بمعنی جھوٹ نہیں بلکہ بمعنی بھول جانا یا غلطی کرنا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ایک عالم کے غلط فتوے کو دوسرا عالم درست کرکے سائل کو بتاسکتا ہے کہ وہ غلط تھا۔

۸؎ سبحان اللہ! یہ حضرات بالکل بے نفس تھے انہیں کسی کی ذات سے عناد نہ تھا اصل مسئلے سے بحث تھی۔امام بخاری نے بخاری شریف میں جو امام ابوحنیفہ پر سخت لہجہ میں اعتراضات کیئے ہیں انہیں بھی امام اعظم سے عناد نہ تھا وہ سمجھے کہ یہ مسائل غلط ہیں اور حدیث کے خلاف ہیں اسی لئے اس طرح اعتراضات کرگئے،ان کا ماخذ یہ حدیث ہے لہذا اب ہم امام بخاری کو برا نہیں کہہ سکتے۔

۹؎ تَضَنَّ ضَنٌّ سے بنا،بمعنی بخل،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَمَاهُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ"۔خیال رہے کہ مال کے بخل سے علم کا بخل زیادہ برا کیونکہ علم خرچ کرنے سے گھٹتا نہیں،ہاں یہ ضروری ہے کہ نااہل سے علم کے اسرار چھپاؤ کہ وہ غلط فہمی میں مبتلا ہوجائے گا۔

۱۰؎ غالب یہ ہے کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یہ فرمایا ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ توریت میں دیکھ کر یا اپنے بزرگوں سے سن کر فرمایا ہو مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے کیونکہ آپ کو اسلام لانے کے بعد توریت پر اعتماد نہ رہا تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر ایسا جرم کرسکتے تھے۔

۱۱؎ یعنی اس وقت نماز مکروہ ہے کہ نہ فرض جائز نہ نفل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بندہ اسے نماز پڑھتا ہوا پاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقت نماز کا ہے،لہذا آپ کا قول اس حدیث کے مخالف معلوم ہوتا ہے۔

۱۲؎ یعنی تمہاری حدیث میں نماز سے حقیقی نماز مراد نہیں بلکہ حکمی نماز مراد ہے،چونکہ اس وقت مغرب قریب ہوتی ہے،لوگ مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھتے ہیں تو نماز ہی میں ہوتے ہیں،اب اگر دعا مانگ لیں تو نماز میں بھی ہیں اور دعا بھی مانگ رہے ہیں۔خیال رہے کہ اکثر علماء کا یہی قول ہے کہ یہ ساعت مغرب کے قریب ہوتی ہے۔بہتر یہ ہے کہ دو خطبوں کے درمیان بھی دعا مانگ لے اور خطبہ اور نماز کے درمیان بھی اور اس وقت بھی۔ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ اس ساعت کے بارے میں چالیس قول ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ |

| | |
|---|---|
| | علیہ وسلم نے کہ وہ ساعت جس کی جمعہ کے دن امید کی جاتی ہے وہ عصر کے بعد سے آفتاب ڈوبنے تک ڈھونڈو ۱؎(ترمذی) |

۱؎خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس ساعت سے خبر دار ہیں آپ پر کون سی چیز چھپے گی۔یہ ساعت بلکہ ساری ساعتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ سے بنیں،چونکہ یہ اسرار الٰہیہ میں سے ہے اس لیئے اس کا اظہار نہ فرمایا جیسے شب قدر تاکہ لوگ اس کی تلاشی میں عبادتیں زیادہ کریں۔مرقاۃ نے فرمایا کہ شاید جمعہ میں قبولیت کی ساعتیں بہت ہیں مگر شاندار ساعت پوشیدہ ہے یا گھومتی رہتی ہے کسی جمعہ میں کسی وقت اور کسی جمعہ میں دوسرے وقت۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت اوس ابن اوس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے بہترین دنوں میں سے جمعہ کا دن ہے اس میں حضرت آدم پیدا ہوئے اور اسی میں وفات دیئے گئے اور اسی میں صور پھونکنا ہے اور اسی میں بے ہوشی ہے لہذا اس دن میں مجھ پر درود زیادہ پڑھو ۱؎کیونکہ تمہارے درود مجھ پر پیش ہوتے ہیں ۲؎لوگ بولے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درود آپ پر کیسے پیش ہوں گے آپ تو رمیم ہوچکے ہوں گے (یعنی گلی ہڈی) ۳؎ فرمایا کہ اللہ نے زمین پر انبیاء کے جسم حرام کردیئے ۴؎(ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،دارمی۔بیہقی،دعوات کبیر)۵؎ |

۱؎اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جس تاریخ اور جس دن میں کوئی اہم واقعہ کبھی ہوجائے وہ دن اور تاریخ تاقیامت اہم بن جاتی ہے۔دوسرے یہ کہ اس دن اور اس تاریخ میں ان واقعات کی یادگاریں قائم کرنا بہتر ہے۔تیسرے یہ کہ وہ یادگاریں عبادات سے قائم کی جائیں نہ کہ لہو اور کھیل کود سے،یعنی اس دن زیادہ عبادتیں کی جائیں۔میلاد شریف،گیارھویں شریف،عید معراج،عرس بزرگاں کا یہی مقصد ہے اور ان سب کی اصل یہ حدیث اور قرآن شریف کی یہ آیتیں ہیں،دیکھو "جاءالحق" حصہ اول۔

۲؎یعنی جمعہ کا دن تمام دنوں سے افضل کہ اس میں ایک نیکی کا ثواب ستر گنا ہے اور درود دوسری عبادتوں سے افضل،لہذا افضل دن میں افضل عبادت کرو کیونکہ اس دن کا درود خصوصی طور پر ہماری بارگاہ میں پیش ہوتا ہے اور ہم قبول فرماتے ہیں۔خیال رہے کہ ہمیشہ ہی درود شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہوتا ہے مگر جمعہ کے دن خصوصی پیشی ہوتی ہے،خصوصی قبولیت۔(مرقاۃ)

۳؎یہ سوال انکار کے لیئے نہیں بلکہ کیفیت پوچھنے کے لیئے ہے،یعنی آپ کی وفات کے بعد ہمارے درودوں کی پیشی فقط آپ کی روح شریف پر ہوگی یا روح مع الجسم پر جیسے زکریا علیہ السلام نے رب تعالٰی کی طرف سے بیٹے کی خوش خبری پاکر عرض کیا تھا خدایا میرے بیٹا کیسے ہوگا؟میں بوڑھا ہوں،میری بیوی بانجھ۔یہ سوال بھی کیفیت پوچھنے کے لیئے ہے نہ کہ انکارًا،لہذا اس پر روافض کوئی اعتراض نہیں کرسکتے۔خیال رہے کہ اولاد کے اعمال ماں باپ پر پیش ہوتے ہیں،مرید کے شیخ پر مگر وہاں پیشی کبھی کبھی ہوتی ہے وہ بھی فقط روح پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ پیشی ہر وقت ہوتی ہے اور روح مع الجسم پر۔(مرقاۃ)

۴؎لہذا ان کے اجسام زمین کھاسکتی ہی نہیں اور وہ گلنے سے محفوظ ہیں۔قرآن کریم فرمارہا ہے کہ حضرت سلیمان بعد وفات چھ ماہ یا ایک سال نماز کی ہیئت پر لکڑی کے سہارے کھڑے رہے پھر دیمک نے آپ کی لاٹھی تو کھائی لیکن آپ کا پاؤں شریف نہ کھایا۔اس حدیث کی بنا

پر بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایوب علیہ السلام کے زخموں پر جراثیم نہ تھے اور نہ انہوں نے آپ کا گوشت کھایا کوئی اور بیماری تھی کیونکہ پیغمبر کا جسم کیڑا نہیں کھا سکتا۔ جنہوں نے یہ واقعہ درست مانا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم بعد وفات ہے،زندگی میں امتحانًا یہ ہوسکتا ہے جیسے تلوار جادو اور ڈنگ ان پر اثر کردیتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا اس جملہ کے معنی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں،وہ زندگی بھی دنیاوی جسمانی اور حقیقی ہے نہ کہ شہیدوں کی طرح صرف معنوی اور روحانی۔اس کی پوری تحقیق جَذْبُ الْقُلُوْب اور تَارِیْخ مَدِیْنَۃ میں ملاحظہ کیجئے۔(اشعۃ) اور علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب شَرْحُ الصُّدُوْرِ فِیْ اَحْوَالِ الْقُبُوْرِ میں حیات انبیاء پر بہت ہی نفیس بحث فرمائی ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ یہ حضرات اپنی قبروں میں فرشتوں کی طرح کھانے پینے سے بے نیاز ہیں مگر نمازیں پڑھتے ہیں،قرآن کی تلاوت کرتے ہیں،ذکر اللہ کی لذت پاتے ہیں۔(مرقاۃ)

۵؎ اس روایت کو ابن حبان،ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں نقل کیا،حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے،علی شرط بخاری ہے،نووی کہتے ہیں کہ اس کی اسناد صحیح ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یوم موعود قیامت کا دن ہے اور یوم مشہود عرفے کا دن ہے اور شاہد جمعے کا دن۱؎ جمعہ سے بہتر کسی دن پر آفتاب طلوع نہیں ہوا۲؎ اس میں ایک ایسی ساعت ہے جسے کوئی مؤمن اللہ سے دعائے خیر کرتے ہوئے نہیں پاتا مگر اللہ اسے قبول کرتا ہے اور کسی چیز سے پناہ نہیں مانگتا مگر اللہ اسے پناہ دیتا ہے ۳؎(احمد،ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔موسیٰ ابن عبیدہ کے سوا کسی حدیث سے پہچانی نہ گئی اور وہ ضعیف مانے جاتے ہیں۴؎ |

۱؎ یعنی سورۂ بروج میں جو فرمایا گیا کہ "وَالْیَوْمِ الْمَوْعُوْدِ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ"۔اس میں یہ تین دن مراد ہیں کہ قیامت مومنوں کے وعدوں کا دن ہے اور کافروں کی وعیدوں کا اور بقر عید کی نویں یعنی عرفہ وہ دن ہے جو سب مسلمانوں کو عرفات میں بلاتا ہے اور جمعہ خود مومنوں کے گھروں میں پہنچ جاتا ہے لہذا عرفہ مشہود ہوا اور جمعہ شاہد۔اس کی اور بہت تفسیریں ہیں جو ہم نے اپنی تفسیر "نورالعرفان" میں بیان کی ہیں،وہاں مطالعہ کیجئے۔

۲؎ یعنی تمام دنوں سے جمعہ بہتر ہے۔حضرت امام مالک جو فرماتے ہیں کہ سوموار افضل ہے ان کی مراد جزئی فضیلت ہے لہذا ان کا وہ فرمان اس حدیث کے خلاف نہیں،ان کا مطلب یہ ہے کہ دوشنبہ کے طفیل ہمیں جمعہ ملا۔

۳؎ یہاں مؤمن فرمایا گیا پچھلی احادیث میں مسلم،پتہ لگا کہ یہ دونوں لفظ یہاں ہم معنی ہیں۔

۴؎ مگر چونکہ اس کو گزشتہ احادیث سے قوت پہنچ گئی لہذا اب یہ حسن لغیرہ ہے،نیز فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بھی قبول ہوتی ہے۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابولبابہ ابن عبدالمنذر سے[1] فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعہ کا دن اللہ کے نزدیک تمام دنوں کا سردار اور تمام سے بڑا ہے اور وہ اللہ کے نزدیک عید بقر اور عیدالفطر کے دنوں سے بھی بڑا ہے[2] اس میں پانچ اوصاف ہیں اللہ نے حضرت آدم کو اس میں پیدا کیا اور اللہ نے اس میں حضرت آدم کو زمین کی طرف اتارا اسی میں اللہ نے حضرت آدم کو وفات دی اور اس میں ایک ساعت ایسی ہے جس میں بندہ کوئی شے نہیں مانگتا مگر رب اسے دیتا ہے جب تک کہ حرام چیز نہ مانگے[3] اسی میں قیامت قائم ہوگی کوئی مقرب فرشتہ آسمان، زمین، ہوائیں، پہاڑ، دریا ایسے نہیں جو جمعے کے دن سے خوف نہ کرتے ہوں[4] (ابن ماجہ) |

[1] آپ کا نام رفاعہ ہے، انصاری ہیں، اوسی ہیں، بیعت العقبہ میں حاضر ہوئے، بدر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مدینہ میں رہے، غنیمت میں آپ کا حصہ رکھا گیا، خلافت مرتضوی میں وفات پائی۔ (اکمال)

[2] چنانچہ اگر حج جمعہ کو ہو تو اس کا ثواب ستر حجوں کا ہے اور حج اکبر کہلاتا ہے اور اگر شب قدر جمعہ کی شب میں ہو تو بہت برتر ہے۔ خیال رہے کہ یہاں کلی فضیلت کا ذکر ہے، جزئی فضیلت عیدین کو اس پر حاصل ہے۔ خیال رہے کہ یہاں دنوں کا مقابلہ ہے ورنہ شبِ قدر تمام دن راتوں سے بہت بہتر ہے یعنی دن جمعہ سب دنوں سے افضل ہے، لہٰذا یہ حدیث قرآن کے خلاف نہیں۔

[3] حرام یا تو حلال کا مقابل ہے یعنی اس ساعت میں ناجائز دعائیں قبول نہیں ہوتیں یا بمعنی ممنوع اور ناممکن ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ" یعنی ناممکن دعا قبول نہیں ہوتی بلکہ ناممکن دعا مانگنا بھی جائز نہیں جیسے کوئی کہے خدایا تو مجھے نبی یا فرشتہ بنادے۔ (مرقاۃ) بہتر ہے کہ اس ساعت میں جامع دعا مانگے جیسے "رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ"۔

[4] اس کے فوائد پہلے بیان کیئے جاچکے ہیں۔ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ غافل انسان حیوانات، جمادات سے بھی بدتر ہے کہ وہ جمعہ جیسا برکت والا دن غفلت میں گزارتا ہے۔ مقرب فرشتوں کو اس دن خوف طبعی ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں پانچ کا ذکر حصر کے لیئے نہیں۔ جمعہ کے فضائل بے شمار ہیں جن میں سے بہت کچھ ہم نے اپنی تفسیر میں بیان کیئے۔ اس جگہ مرقاۃ نے بھی بہت کچھ بیان کیا۔

| | |
|---|---|
| | اور احمد نے سعد ابن معاذ سے یوں روایت کی کہ ایک انصاری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا ہمیں جمعہ کے دن کے بارے میں خبر دیجئے کہ اس میں کیا خوبیاں ہیں[1] تو فرمایا اس میں پانچ صفتیں ہیں اور آخر حدیث تک نقل کی۔ |

۱؎ اس سوال وجواب سے معلوم ہورہاہے کہ فتویٰ لینااور دیناصرف فقہی احکام کا ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے علاوہ اور امور کا بھی ہوتا ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم صرف مسائل میں محدود نہیں۔اللہ نے آپ کو سارے علوم بخشے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں عرض کیا گیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ کس وجہ سے اس دن کا نام جمعہ رکھا گیا فرمایا اس لیئے کہ اس میں تمہارے والد حضرت آدم کی مٹی جمع کی گئی۱؎ اسی میں بے ہوشی اور اٹھنا ہے اسی میں پکڑ ہے۲؎ اور اس کی آخری تین گھڑیوں میں ایسی گھڑی ہے جو اس میں اللہ سے دعا مانگے اس کی قبول ہو۳؎(احمد) |

۱؎ اس طرح کہ حضرت ملک الموت نے ہر قسم کی مٹی میں سے ایک ایک مٹھی لی اور اسے ہر قسم کے پانی سے گوندھا،جس دن اس گوندھنے اور خمیر کرنے سے آپ فارغ ہوئے وہ دن جمعہ تھا اسی لیئے بعض شارحین نے طُبِعَتْ کے معنی خُمِّرَتْ کیئے ہیں اور بعض نے جُمِعَتْ،دونوں درست ہیں۔خیال رہے کہ یہ سارے واقعات بعد میں ہونے والے تھے مگر رب تعالٰی نے اول ہی سے اس کا نام جمعہ رکھا۔چنانچہ قرآن کریم نے فرمایا:"لِلصَّلٰوةِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَةِ" جیسے کہ ہمارے حضور کی تعریفیں آیندہ ہونے والی تھیں تو رب تعالٰی نے اول ہی سے آپ کا نام محمد اور احمد رکھا۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت آدم کی پیدائش کے بعد اس کا نام جمعہ ہوا۔لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں فرمایا گیا کہ اس دن میں تمام چیزیں خلقت میں جمع ہوئیں۔

۲؎ یعنی قیامت کا پہلا نفخہ بھی جمعہ کو ہوگا جس پر سب فنا یا بے ہوش ہوں گے اور دوسرا نفخہ بھی جمعہ کو ہوگا جس میں سب اٹھیں گے اور رب تعالٰی کا غضب والا فیصلہ کفار کے جہنم میں جانے کا بھی جمعہ کو ہی ہوگا۔پکڑ سے یہ مراد ہے یا جنگ بدر جمعہ کو ہوئی جو کفار کی پکڑ تھی۔خیال رہے کہ قیامت میں نہ سورج ہوگا نہ دن رات لیکن اگر یہ ہوتا اور دن رات ہوتے رہتے تو یہ اٹھنا اور پکڑ وغیرہ جمعہ کو ہوتی،لہذا حدیث پر چکڑالوی اعتراض نہیں کرسکتے۔

۳؎ یہاں صاف فرمادیا گیا کہ قبولیت کی گھڑی مغرب سے کچھ پہلے ہے۔تین گھڑیاں فرمانے کا منشایہ ہے کہ انسان پہلے سے دعا کی تیاری کرے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابودرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھ پر جمعہ کے دن درود زیادہ پڑھو کیونکہ یہ حاضری کا دن ہے جس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۱؎ اور مجھ پر کوئی درود نہیں پڑھتا مگر اس کا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے حتی کہ اس سے فارغ ہوجائے۲؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کیا موت کے بعد بھی فرمایا کہ اللہ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کا کھانا حرام کردیا ہے۳؎ لہذا اللہ کے نبی زندہ ہیں روزی دیئے جاتے ہیں۴؎(ابن ماجہ)۵؎ |

۱؎ یعنی اس دن میں رحمت اور برکت کے فرشتے اترتے ہیں اور مسلمانوں کے گھروں، ان کی مجلسوں میں پہنچتے ہیں تاکہ ان کے ساتھ ذکر میں مشغول ہوں اور قیامت میں ان کے ایمان اور تقویٰ کی گواہی دیں۔

۲؎ یعنی یہ نہیں ہوتا کہ درود پہنچانے والا فرشتہ سارے درودوں کا تھیلا ایک دم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچائے بلکہ اگر کوئی سو بار درود شریف پڑھے تو یہ فرشتہ سو بار اس کے اور گنبدِ خضریٰ کے درمیان چکر لگائے گا اور ہر درود علیحدہ علیحدہ پیش کرے گا۔(مرقاۃ) اس سے اس فرشتے کی قوت رفتار معلوم ہوئی۔

۳؎ اس جواب سے معلوم ہورہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیات النبی بیان فرمارہے ہیں، یعنی انبیاء بعد وفات زندہ ہی رہتے ہیں لہذا تمہارے درود مجھ پر جیسے اب پیش ہورہے ہیں پھر بھی پیش ہوتے رہیں گے۔ یہاں مرقاۃ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں اسی لیئے ان کی موت کو انتقال یا وفات کہتے ہیں اور ان کی موت کے دن کو عرس، کہ وہ دولہا کی طرح یہاں سے وہاں منتقل ہوجاتے ہیں۔ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ نبی کے جسم کو نہ مٹی کھاسکتی ہے نہ کوئی جانور۔ یعقوب علیہ السلام کا فرمانا میں ڈرتا ہوں کہ یوسف کو بھیڑیا کھاجائے گا ظاہر یہ ہے کہ وہاں بھیڑئے سے مراد خود ان کے بھائی ہیں ورنہ پیغمبر کے جسم کو مٹی نہیں کھاتی۔

۴؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ہے اور نبی سے مراد جنس نبی ہیں۔ مرقاۃ نے یہاں فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ حضرات بعد وفات مختلف وقتوں میں مختلف جگہ تشریف فرماتے ہیں یہ عقلاً نقلاً ہر طرح ثابت ہے۔(۱) رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ" یعنی اے محبوب! اپنے سے پہلے انبیاء سے یہ مسئلہ پوچھو۔ معلوم ہوا کہ گزشتہ انبیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زندہ ہیں کہ آپ ان سے بات چیت و سوال و جواب بھی کرسکتے ہیں۔(۲) اور فرمایا ہے: "وَلَآ اَنْ تَنْکِحُوْٓا اَزْوٰجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں سے ان کی وفات کے بعد کبھی نکاح نہ کرو۔ اس آیت نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کی بیویاں بدستور ان کے نکاح میں رہتی ہیں بیوہ نہیں ہوتیں، ورنہ اَزْوٰجَهٗ نہ فرمایا جاتا، نیز ان سے نکاح کی حرمت ماں ہونے کی وجہ سے نہیں وہ بیویاں احترام میں مائیں ہیں نہ کہ احکام میں ورنہ ان کی میراث امت کو ملتی۔ ان کی اولاد سے نکاح حرام ہوتا ہے یہ آیت حیات النبی کی کھلی دلیل ہے۔(۳) شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ جب سرکار بیت المقدس پہنچے تو انہیں اور سارے پیغمبروں کو وہاں نماز کا منتظر پایا اور پھر جب آسمانوں پر تشریف لے گئے تو چوتھے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام کو اور مختلف آسمانوں پر دیگر انبیاء کو اپنا منتظر دیکھا۔ ان قرآنی آیات اور احادیث سے پتہ چلا کہ انبیائے کرام بعد وفات زندہ ہوتے ہیں بلکہ ان پر زندوں کے بعض احکام جاری ہوتے ہیں۔(۴) کہ ان کی بیویاں اور دوسرا نکاح نہیں کرسکتیں۔(۵) ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔(۶) حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر نمازی سلام عرض کرتا۔(۷) ہم کلمے میں پڑھتے ہیں محمد رسول اللہ (محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں) اگر وہ زندہ نہ ہوتے تو کہا جاتا کہ اللہ کے رسول تھے۔ غرضکہ اس حدیث کی تائید قرآنی آیات سے بھی ہے اور دیگر عقلی و نقلی دلائل سے بھی۔ خیال رہے کہ آیت کریمہ "اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ" اس حدیث کے خلاف نہیں کیونکہ وہاں موت سے مراد حسی موت ہے جس پر بعض احکام موت کے جاری ہوجاتے ہیں جیسے غسل، کفن، دفن، وغیرہ اور یہاں زندگی سے حقیقی زندگی مراد ہے، نیز

وہاں آیات میں موت سے مراد ہے روح کا جسم سے علیحدہ ہو جانا اور یہاں زندگی سے مراد ہے روح کا جسم وغیرہ میں تصرف کرنا، جیسے ہماری سیلانی روح نیند میں جسم سے نکل کر جسم کو زندہ رکھتی ہے یوں ہی ان کی مقامی روح بوقت وفات جسم سے نکل کر بھی زندگی باقی رکھتی ہے۔لہٰذا نہ تو آیات متعارض ہیں اور نہ حدیث و قرآن میں کچھ تعارض اس لیئے اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے میت الگ بولا گیا اور دوسرے کے لیئے میتون علیحدہ،اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بھی دوسروں کی طرح ہوتی تو یوں فرمایا جاتا "اِنَّكَ وَاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ"۔اس حیات کی مفصل تحقیق ہماری "تفسیر نعیمی" پارہ دوم میں دیکھیں۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم روح ہیں سارا عالم جسم ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جڑ ہیں سارا عالم درخت ہے،اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فنا ہوگئے ہوتے تو عالَم بھی ختم تھا۔جیسے درخت کی سبز شاخیں جڑ کی زندگی کا پتہ دیتی ہیں اور جسم کی حس و حرکت روح کا پتہ دیتی ہے ایسے عالَم کا قیام و بقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا پتہ دے رہا ہے۔دیکھو جسم کا سوکھا ہوا عضو سڑتا گلتا نہیں کہ ابھی روح سے وابستہ ہے اگرچہ بے کار ہو گیا ہے،ایسے ہی ہم گنہگاروں پر عذابِ الٰہی نہیں آتا کہ اگرچہ ہم بے کار ہیں مگر دامن مصطفٰے پاک سے وابستہ ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ"۔اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں نہ رہے ہوتے تو ہم پر عذاب آجانا چاہیئے تھا ہماری بدکاریوں کے سبب۔(۸) حضرت سلیمان کے متعلق رب فرماتا ہے:"مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ"یعنی حضرت سلیمان بعد وفات عصا پر ٹیک لگائے کھڑے رہے بہت عرصہ کے بعد دیمک نے لاٹھی کھائی تب آپ کا جسم زمین پر آیا اسی عرصہ میں نہ جسم بگڑا نہ دیمک نے کھایا۔(۹) وہ شہدا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامانِ غلام ہیں جب ان پر فدا ہو کر زندہ جاوید ہوگئے تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کیسی اہم ہے۔رزق سے مراد رزق حسی ہے یعنی جنّتی میوے ان کی خدمت میں پیش ہوتے ہیں جس سے وہ بہرامند رہتے ہیں،جب ان کے غلام یعنی شہداء کی روحیں جنت میں پہنچتی ہیں،وہاں کے پھل کھاتی ہیں اور جب مریم کو دنیا میں جنت کے پھل دیئے گئے اور انہوں نے کھائے (قرآن مجید) تو انبیائے کرام خصوصًا سید الانبیاء کے رزق کا کیا پوچھنا۔اصحاب کہف اور ان کا کتا صدہا سال سے سو رہے ہیں،انہیں غیبی رزق بھی برابر پہنچ رہا ہے،سورج ان پر دھوپ نہیں ڈالتا۔دسمبر، جنوری،اور جون و جولائی ان پر سردی گرمی نہیں پہنچاتے،حضرات انبیاء بعد وفات ان سے اعلٰی حسن والی زندگی رکھتے ہیں۔(۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بعد وفات اپنی ازواج کا نان نفقہ واجب ہے جیسے زندگی شریف میں تھا۔چنانچہ بخاری وغیرہ کتب احادیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ ہم کسی کے وارث نہ کوئی ہمارا وارث،ہمارے بعد ہماری ازواج کے نفقہ اور عُمّال کی تنخواہوں سے جو بچے وہ صدقہ ہے۔(۱۱) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب تک میرے حجرے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق دفن رہے میں بے حجاب وہاں جاتی تھی مگر جب سے جناب عمر دفن ہوئے میں بے حجاب جاتے عمر سے شرماتی ہوں،اگر وہ حضرات زندہ نہیں تو یہ شرم کس سے ہے۔(۱۲) بعض اولیاء کے اجسام صدہا برس کے بعد اب بھی درست دیکھے جاتے ہیں۔اگر وہ بالکل مردے ہیں تو جسم گلتا کیوں نہیں۔حیات نبی پر یہ بارہ دلائل ہیں۔اس کی تحقیق ہماری کتاب "درس القرآن" میں دیکھو۔

۵؎ مرقاۃ نے فرمایا کہ اس کی اسناد نہایت صحیح اور قوی ہے اور یہ حدیث بہت اسنادوں سے مختلف الفاظ میں منقول ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی مسلمان نہیں کہ جو جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات فوت ہو مگر اسے اللہ عذاب قبر سے محفوظ رکھتا ہے | |

| | |
|---|---|
| | ۱؎(احمد وترمذی)ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے کہ اس کی اسناد متصل نہیں۲؎ |

۱؎یعنی جمعہ کی شب یا جمعہ کے دن مرنے والے مؤمن سے نہ حساب قبر ہو نہ عذاب قبر کیونکہ اس دن کی موت شہادت کی موت ہے اور شہید حساب وعذاب سے محفوظ ہے جیساکہ دیگر روایات میں ہے۔ہم پہلے بتاچکے ہیں کہ آٹھ شخصوں سے حساب قبر نہیں ہوتا جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔

۲؎امام جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب جمع الجوامع میں اس حدیث کو بہت اسنادوں سے نقل فرمایا اور فرمایا کہ اسے احمد،ترمذی،ابن ابی الدنیا،ابن وہب،بیہقی نے قوی اسنادوں سے نقل کیا،ابونعیم نے حلیہ میں حضرت جابر سے کچھ تھوڑے اختلاف کے ساتھ روایت کیا اور حمید نے کتاب الترغیب میں ایاس ابن بکیر سے مرفوعًا روایت کیا کہ جو جمعہ کے دن فوت ہوجائے اسے شہید کا ثواب ہے اور عذاب قبر سے نجات ہے۔ابن جریج نے عطا سے مرفوعًا روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو مسلمان جمعہ کے دن یا رات میں وفات پائے وہ عذاب قبر اور فتنۂ قبر سے محفوظ رہے گا۔رب تعالٰی سے اس طرح ملے گا کہ اس کے ذمہ کوئی حساب نہ ہوگا اور قیامت میں ایسے آئے گا کہ اس کے ساتھ گواہ ہوں گے اور اس کے چہرے پر نورانی مہر ہوگی۔(از مرقاۃ ولمعات واشعتہ)لہذا یہ حدیث نہایت قوی ہے اور دوسری اسنادوں سے اسے قوت حاصل ہے،امام ترمذی کو جو اسناد ملی وہ متصل نہ ہوگی اور اگر حدیث ضعیف بھی ہوتی تو بھی فضائل میں قبول تھی چہ جائے کہ یہ حدیث تو بہت قوی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ آپ نے یہ آیت پڑھی "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ"الایۃ آپ کے پاس ایک یہودی تھا وہ بولا اگر یہ آیت ہم پر اترتی تو ہم اسے عید بنالیتے حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ یہ آیت دو عیدوں کے دن میں اتری یعنی جمعہ اور عرفہ کے دن۱؎(ترمذی)اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔ |

۱؎یہودی نے یہ اعتراض کیا کہ مسلمان ناقدرے ہیں اور ہم قدر دان ہیں کہ ان کے قرآن میں ایسی عظیم الشان آیت ہے جس میں اسلام کے مکمل اور غیر منسوخ ہونے کی خبر دی گئی،لیکن انہوں نے اس کے نزول پر کوئی خوشی نہ منائی،ہم ایسے قدر دان ہیں کہ اگر یہ آیت ہماری توریت میں ہوتی تو ہم اس کے نزول کے دن تاقیامت عید مناتے۔آپ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بے وقوف جس دن یہ آیت اتری ہے اس دن قدرتی طور پر اسلام کی دو عیدیں جمع تھیں۔عرفہ کا دن وہ عید اور جمعہ بھی عید۔خیال رہے کہ یہ آیت حج اکبر کے دن عرفات کے میدان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری۔اس سے معلوم ہوا کہ جن تاریخوں میں اللہ کی نعمت ملے انہیں عید بنانا شرعًا اچھا ہے۔مرقاۃ نے فرمایا کہ یہ سوال کرنے والے حضرت کعب احبار اور ان کی جماعت تھی جنہوں نے قبول اسلام سے پہلے یہ سوال کیا تھا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ جب رجب آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے الٰہی ہمیں رجب اور شعبان میں برکت دے اور ہمیں رمضان تک پہنچا۱؎فرماتے ہیں کہ حضور فرماتے تھے جمعہ کی رات روشن رات ہے اور جمعہ کا دن چمک دار دن |

| | |
|---|---|
| | ہے ۲؎(بیہقی،دعوات کبیر) |

۱؎ صوفیائے کرام فرماتے کہ رجب تخم بونے کا مہینہ ہے،شعبان پانی دینے اور رمضان کاٹنے کا،کہ رجب میں نوافل میں خوب کوشش کرو،شعبان میں اپنے گناہوں پر روؤ اور رمضان میں رب تعالٰی کو راضی کرکے اس کھیت کو خیریت سے کاٹو۔ان کے اس قول کا ماخذ یہ حدیث ہے یعنی رجب میں ہماری عبادتوں میں برکت دے اور شعبان میں خشوع وخضوع دے،اور رمضان کا پانا اس میں روزے اور قیام نصیب کر۔

۲؎ لہذا اس رات میں بھی خوب عبادت کرو اور دن میں بھی۔

## باب وجوبها

### جمعہ واجب ہونے کا باب۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱؎ واجب سے مراد فرض ہے ۔فتح القدیر نے فرمایا کہ جمعہ دائمی فریضۂ اسلام ہےاور اس کی فرضیت ظہر سے زیادہ تاکیدی،جس کا منکر بالاتفاق کافر ہے،بعض بیوقوفوں نے اسے فرض کفایہ کہا یہ غلط محض ہے۔فرض کفایہ وہ ہے کہ سب پر فرض ہو مگر بعض کی ادا سے سب بری الذمہ ہوجائیں،جمعہ میں یہ بات نہیں،جمعہ دیہاتیوں وغیرہ پر فرض ہی نہیں اور جن پر فرض ہے ان سب کو پڑھنا پڑے گا۔جیسے نماز پنجگانہ حائضہ اور نفاس والی عورتوں پر فرض ہی نہیں مگر جن پر فرض ہے وہ سب پڑھیں،لہذا نہ نماز پنجگانہ کو فرض کفایہ کہہ سکتے ہیں اور نہ جمعہ کو۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عمر وابوہریرہ سے وہ دونوں فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منبر کی لکڑیوں پر فرماتے سنا کہ لوگ جمعہ چھوڑنے سے باز رہیں ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر کردے گا پھر وہ غافلوں سے ہوجائیں گے ۱؎(مسلم) | |

۱؎یعنی جوسستی سے جمعہ ادا نہ کرے اس کے دل پر غفلت کی مہر لگ جائے گی جس کی وجہ سے ان کے دل گناہ پر دلیر ہوں گے اور نیکیوں میں سست۔خیال رہے کہ یہاں روئے سخن یا تو ان منافقوں کی طرف ہے جو جمعہ میں حاضر نہ ہوتے تھے یا آیندہ آنےوالے مسلمانوں کی طرف ہے ورنہ کوئی صحابی تارک جمعہ نہ تھے۔

### الفصل الثانی

### دوسری فصل

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوالجعد ضمری سے ۱؎فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو تین جمعے سستی سے چھوڑ دے اللہ اس کے دل پر مہر کردے گا۲؎(ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،دارمی) | |

۱؎بعض لوگوں نے کہا کہ آپ کا نام وہب ہے،کنیت ابوجعد قبیلہ بنی ضمرہ ابن بکر ابن عبد مناف سے ہیں۔ان کے نام میں بڑا اختلاف ہے،آپ صحابی ہیں اور آپ سے ایک ہی حدیث منقول ہے،جنگ جمل میں شہید ہوئے۔
۲؎سستی کی قید سے معلوم ہوا کہ معذور کا یہ حکم نہیں،مہر سے مراد غفلت کی مہر ہے نہ کہ کفر کی کیونکہ جمعہ چھوڑنا فسق ہے،کفر نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ بعض گناہ دل کی سختی کا باعث ہیں اور گناہ صغیرہ بار بار کرنے سے گناہ کبیرہ بن جاتاہے۔

| | |
|---|---|
| | اور مالک نے صفوان ابن سلیم سے،احمد نے ابوقتادہ سے روایت کی۔ |

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو بلاوجہ جمعہ چھوڑ دے تو ایک دینار خیرات کرے اور اگر نہ پائے تو آدھا دینار ۱؎(احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ) |

۱؎اس کی اصل یہ ہے کہ صدقہ کی برکت سے غضب الٰہی کی آگ بجھ جاتی ہے،ورنہ اس صدقہ سے جمعہ کا ثواب نہیں مل سکتا،اس زمانہ میں بعض مفتی مجرموں پر کچھ کفارے کا فتویٰ دیتے ہیں ان کی اصل یہ حدیث ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا جمعہ اس پر ہے جو اذان سنے ۱؎(ابوداؤد)۲؎ |

۱؎یعنی مضافات شہر میں جہاں تک اذان کی آواز پہنچے ان پر جمعہ فرض ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ شہر کے آس پاس رہنے والوں پر بھی جمعہ فرض ہے جسے فناء شہر کہتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ جس شہری نے جمعہ کی اذان سن لی وہ اب بغیر جمعہ پڑھے سفر کو نہ جائے یا یہ مطلب ہے کہ اذان سنتے ہی دنیوی کاروبار چھوڑ دو،جمعہ کی تیاری کرو۔یہاں اذان سے دوسری اذان مراد ہے کیونکہ پہلی اذان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی ہی نہیں،بعض نے فرمایا کہ اس سے اذان اول مراد ہے جو زمانہ عثمانی میں پیدا ہونے والی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے احکام آج بیان فرمادیئے۔
۲؎شیخ ابن حجر فرماتے ہیں یہ حدیث ضعیف ہے مگر بیہقی نے اس کی تائید دوسری حدیث سے کی لہذا اب یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا جمعہ اس پر ہے جسے رات اس کے گھر میں جگہ دیدے۱؎(ترمذی)اور فرمایا کہ اس حدیث |

| | |
|---|---|
| | کی اسناد ضعیف ہے۔ |

۱؎ یعنی جو لوگ شہر سے اتنے فاصلہ پر ہوں کہ صبح اپنے وطن سے جائیں،شہر پہنچیں،پھر وہاں جمعہ پڑھ کر چلیں اور شام سے پہلے اپنے گھر آجائیں،چونکہ یہ حدیث ضعیف ہے اس لیے اس کے اطلاق پر ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ نے عمل نہ کیا صرف شہر والوں اور مضافات شہروالوں پر جمعہ فرض مانا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت طارق ابن شہاب سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعہ ہر مسلمان پر باجماعت حق ہے فرض ہے سوائے چار شخصوں کے مملوک غلام،عورت،بچہ،بیمار ۲؎ (ابوداؤد)اور شرح سنہ میں بالفاظ مصابیح بنی وائل کے ایک شخص سے۔ |

۱؎ آپ قبیلہ احمس سے ہیں،کوفی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے مگر فرمان بہت کم سنے،زمانہ صدیقی و فارقی میں ۳۴ غزوؤں میں شریک ہوئے ۸۲ھ میں وفات پائی۔

۲؎ بیمار سے وہ بیمار مراد ہے جسے مسجد میں آنے میں حرج ہو،یہ مطلب نہیں کہ سر میں درد ہو جمعہ چھوڑ دو۔خیال رہے کہ حصر اضافی ہے ورنہ مجنون،مسافر،نابینا اور گاؤں والوں پر بھی جمعہ فرض نہیں لیکن اگر یہ لوگ جمعہ پڑھ لیں تو ان کا فرض ادا ہوجائے گا اور ظہر واجب نہ ہوگی۔خیال رہے کہ جمعہ کے لیے جماعت شرط ہے یعنی امام کے علاوہ تین آدمی۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن مسعود سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قوم کے متعلق فرمایا جو جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ کسی شخص کو حکم دوں وہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھر ان لوگوں پر جو جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں ان کے گھروں میں آگ لگا دوں ۱؎ (مسلم) |

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ فرض ہے۔یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو بلاعذر جمعہ نہیں پڑھتے جیسے اس زمانہ کے منافقین اور آج کل کے بہت سے غافل مسلمان۔اس حدیث کی شرح جماعت کے بیان میں گزرچکی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بلاعذر جمعہ چھوڑ دے وہ اس کتاب میں منافق لکھا جائے گا جس میں نہ محو ہے نہ تبدیلی اور بعض |

| | |
|---|---|
| | روایات میں ہے کہ تین فرمایا ۱؎ (شافعی) |

۱؎ یعنی جو تین جمعے بلاعذر چھوڑے وہ منافق عمل ہوگا اور یہ نفاق اس پر ایسا لازم ہوگا کہ پھر اس سے نکلنا مشکل ہوگا۔اس حدیث کا مطلب ہے کیونکہ جمعہ چھوڑنا منافقوں کا سا کام ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اس پر جمعہ کے دن نماز فرض ہے سواء بیمار یا مسافر یا عورت یا بچہ یا غلام کے ۱؎ جو کھیل کود یا تجارت کی وجہ سے لاپرواہ ہوجائے تو اللہ اس سے لاپرواہ ہوجائے گا اللہ بے پرواہ لائق حمد ہے ۲؎ (دارقطنی) |

۱؎ یہاں مسافر کا ذکر بھی آگیا،مسافر خواہ سفر کررہا ہو یا سفر میں کسی جگہ عارضی طور پر ٹھہرا ہوا،دونوں کا یہی حکم ہے ہاں جمعہ کے دن نماز سے پہلے سفر کرنا مکروہ ہے۔

۲؎ جو کام نماز سے روکے وہ کھیل کود ہے خواہ بظاہر کتنا ہی اہم ہو اسی لیے اسلام میں جمعہ کے دن دفتر کاروبار،بازار بند رہتے ہیں تاکہ ان میں مشغولیت کی وجہ سے لوگ نماز سے غافل نہ ہوجائیں۔

## باب التنظیف والتبکیر

### صفائی کرنے اور جلدی جانے کا باب ۱؎

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱؎تنظیف نظافت سے بنا،بمعنی صفائی وپاکیزگی،اس میں بدن و کپڑا دونوں کی صفائی داخل ہے اور بدن کی صفائی سے مراد غسل،مسواک،حجامت،زیر ناف کے بال لینا،خوشبو استعمال کرنا وغیرہ ہے کہ یہ تمام کام جمعہ کے دن سنت ہیں۔تبکیر یا باکورہ سے بنا،بمعنی ہر چیز کا اگلا حصہ۔اسی لیئے شروع دن کو بکرہ اور کنواری لڑکی کو باکرہ کہتے ہیں۔یہاں مراد ہے نماز جمعہ کے اول وقت سے مسجد میں پہنچ جانا،بعض صوفیا جمعہ کے دن فجر سے ہی مسجد سے نہ آتے تھے یہ تبکیر کا افضل درجہ ہے۔یہ حضرات غسل و حجامت وغیرہ نماز فجر سے پہلے کرلیتے تھے۔علماء فرماتے ہیں کہ جو اول خطبہ پالے اس نے تبکیر پر عمل کرلیا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت سلمان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص ۱؎جمعہ کے دن غسل کرے اور بقدر طاقت صفائی کرے اور اپنے تیل میں سے کچھ لگالے یا اپنے گھر کی خوشبو مل لے ۲؎پھر مسجد جائے تو دو شخصوں کو الگ نہ کرے ۳؎پھر جو تقدیر میں لکھی ہے وہ نماز پڑھے ۴؎پھر جب امام خطبہ پڑھے تو خاموش رہے ۵؎اور اب سے دوسرے جمعہ تک اس کے گناہ بخشے نہ جائیں ۶؎(بخاری) | |

۱؎ یہاں صرف مرد کا ذکر ہوا کیونکہ نماز جمعہ صرف مردوں پر فرض ہے عورتوں پر نہیں اور بعض احادیث میں عورتوں کا ذکر ہے وہاں عبارت یہ ہے "مَنْ اَتَی الْجُمُعَۃَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ "اس لیئے جمعہ میں عورتوں کو آنا بھی مستحب ہے،مگر اب زمانہ خراب ہے عورتیں مسجدوں میں نہ آئیں۔(مرقاۃ)اس کا مطلب یہ نہیں کہ عورتیں سینماؤں،بازاروں،کھیل تماشوں،اسکولوں،کالجوں میں جائیں،صرف مسجد میں نہ جائیں گھروں میں رہیں،بلاضرورت شرعیہ گھر سے باہر نہ نکلیں۔اسی لیئے فقیر کا یہ فتویٰ ہے کہ اب عورتوں کو باپردہ مسجدوں میں آنے سے نہ روکو اگر ہم انہیں روکیں تو یہ وہابیوں،مرزائیوں،دیوبندیوں کی مساجد میں پہنچتی ہیں جیساکہ تجربہ ہوا۔ان لوگوں نے عورتوں کے لیئے بڑے بڑے انتظامات اپنی اپنی مسجدوں میں کیئے ہوئے ہیں عورتوں کو گمراہ کرکے ان کے خاوندوں اور بچوں کو بہکاتے ہیں۔

۲؎اس سے معلوم ہوا کہ گھر میں خوشبو عطر وغیرہ رکھنا اور کبھی ملتے رہنا خصوصًا جمعہ کو ملنا سنت ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو بہت پسند تھی۔

۳؎ اس طرح کہ نہ تو لوگوں کی گردنیں پھلانگے اور نہ ساتھیوں کو چیر کر ان کے درمیان بیٹھے بلکہ جہاں جگہ ملے وہاں بیٹھ جائے۔ بعض لوگ مسجد میں پیچھے پہنچتے ہیں اور پہلی صف میں پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اس سے سبق لیں۔

۴؎ تحیۃ المسجد کے نفل یا سنت جمعہ، پہلے معنی زیادہ قوی ہیں کیونکہ جمعہ کی پہلی چار سنتیں گھر میں پڑھنا بہتر ہے۔ غرضکہ اس سے جمعہ کے فرض مراد نہیں کیونکہ آیندہ خطبہ سننے کا ذکر ہے فرض جمعہ خطبہ کے بعد ہوتے ہیں۔

۵؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ خطبہ کے وقت خاموش رہنا فرض ہے، لہذا اس وقت نفل پڑھنا، بات کرنا، کھانا پینا سب حرام ہے۔ دوسرے یہ کہ جس تک خطبہ کی آواز نہ پہنچتی ہو وہ بھی خاموش رہے کیونکہ یہاں خاموشی کو سننے پر موقوف نہ فرمایا۔

۶؎ دوسرے جمعہ سے مراد آیندہ جمعہ ہے یا گزشتہ، دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں جیسا کہ ابن خزیمہ بلکہ ابوداؤد کی روایات میں ہے۔ معلوم ہوا کہ بعض نیکیاں گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: "اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ"۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جو غسل کرے پھر جمعہ کو آئے ۱؎ پھر جو مقدر میں ہے وہ نماز پڑھے پھر خاموش بیٹھے حتی کہ امام خطبہ سے فارغ ہو جائے پھر اس کے ساتھ نماز پڑھے تو اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان اور تین دن زیادہ اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے ۲؎ (مسلم) | |

۱؎ بعض علماء فرماتے ہیں کہ غسل جمعہ نماز کے لیئے مسنون ہے نہ کہ دن جمعہ کے لیئے لہذا جس پر جمعہ کی نماز نہیں ان کے لیئے غسل سنت نہیں، ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ جمعہ کا غسل نماز جمعہ سے قریب کرو حتی کہ اس کے وضو سے جمعہ پڑھو۔ مگر حق یہ ہے کہ غسل جمعہ کا وقت طلوع فجر سے شروع ہو جاتا ہے۔

۲؎ یعنی دس دن کے گناہ کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہوتا ہے، پچھلی حدیث میں آٹھ دن کا ذکر تھا یہاں دس کا مگر دونوں درست ہیں۔ جتنا خشوع زیادہ اتنا ثواب زیادہ یا اولًا آٹھ دن کی بخشش کا وعدہ تھا پھر دس دن کا وعدہ ہوا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وضو کرے تو اچھا کرے ۱؎ پھر جمعہ میں آوے تو خاموش رہے اور کان لگا کر سنے ۲؎ تو اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان کے گناہ مع تین دن کی زیادتی کے بخش دیئے جائیں گے جس نے کنکر پکڑے اس نے لغو کیا ۳؎ (مسلم) | |

۱؎ اس طرح کہ وضو کے فرائض، سنتیں، مستحبات سب ادا کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کا غسل واجب نہیں، سنت ہے۔ جو صرف وضو ہی کرے وہ گنہگار نہیں۔ امام مالک کے ہاں یہ غسل واجب ہے، یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔

۲؎ اس طرح کہ اگر دور ہو تو صرف خاموش رہے اور اگر امام سے قریب ہو کہ خطبہ کی آواز آ رہی ہو تو کان لگا کر سنے۔

۳؎ یعنی خطبہ کے وقت صرف زبان سے خاموشی کافی نہیں بلکہ سکون و اطمینان سے بیٹھنا بھی ضروری ہے، کنکر پتھروں سے کھیلنا بھی ممنوع ہے۔اسی لیئے علماء فرماتے ہیں کہ خطبہ کے وقت دامن یا پنکھے سے ہوا کرنا بھی منع ہے اگرچہ گرمی ہو،اس وقت ہمہ تن خطبہ کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوجاتے ہیں ۱؎ آگے پیچھے آنے والوں کو لکھتے ہیں ۲؎ اور دوپہری میں وہاں پہنچنے والے کی مثال اس کی سی ہے جو اونٹ کی ہدی بھیجے ۳؎ پھر اس کی سی جو گائے کی ہدی بھیجے پھر دنبے کی پھر مرغی کی پھر انڈے کی خیرات کرے ۴؎ پھر جب امام نکلتا ہے تو فرشتے اپنے رجسٹر لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ غور سے سنتے ہیں ۵؎ (مسلم،بخاری) | |

۱؎ یہ فرشتے مخصوص ہیں جن کی ڈیوٹی جمعہ کو لگتی ہے،اعمال لکھنے والے نہیں،بعض نے فرمایا کہ جمعہ کی طلوع فجر سے کھڑے ہوتے ہیں،بعض کے نزدیک آفتاب چمکنے سے،مگر حق یہ ہے کہ سورج ڈھلنے سے شروع ہوتے ہیں کیونکہ اسی وقت سے وقت جمعہ شروع ہوتا ہے۔

۲؎ معلوم ہوا کہ وہ فرشتے سب آنے والوں کے نام جانتے ہیں۔خیال رہے کہ اگر اوگا سو آدمی ایک ساتھ مسجد میں آئیں تو وہ سب اول ہیں۔

۳؎ یعنی جو سورج ڈھلتے ہی وقت جمعہ داخل ہوتے ہی مسجد میں آجائے اسے مکہ معظّمہ اونٹ،گائے کہ ہدی بھیجنے والے کا ثواب ہے۔

۴؎ اس میں اشارۃً بتایا گیا کہ حج صرف امیروں پر فرض ہے اسی لیئے ان کی ہدی صرف اونٹ،گائے کی ہوگی مگر جمعہ غریبوں پر بھی فرض ہے اسی لیئے ان کی یہ ہدی مرغی کے انڈے کی بھی قبول ہے،لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ہدی تو صرف اونٹ،گائے،بکری کی ہوتی ہے یہاں مرغی،انڈے کا ذکر کیوں ہوا۔خیال رہے کہ ہدی قربانی کا وہ جانور ہے جو مکہ معظّمہ ذبحہ کے لیئے بھیجا جائے گا کہ وہاں ثواب زیادہ ملتا ہے۔

۵؎ یعنی جب امام خطبہ کے لیئے منبر پر آتا ہے تو یہ فرشتے اپنے دفتر لپیٹ کر انسانوں کے ساتھ خطبہ سننے لگتے ہیں،اب جو اس وقت آئے گا نہ اس کا نام ان کے دفتر میں لکھا جائے گا نہ اسے جلد آنے کا ثواب ملے گا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر جمعہ کے دن تو اپنے ساتھی سے کہے کہ چپ رہو جب کہ امام خطبہ پڑھتا ہو تب بھی تم نے بیہودہ کام کیا ۱؎ (مسلم،بخاری) | |

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے وقت دینی بات کرنا بھی منع ہے۔دیکھو اس وقت خاموشی کا حکم دینا **امر بالمعروف** ہے مگر منع ہے لہذا اس وقت تلاوتِ قرآن،سنت و نفل نماز سب ہی منع ہے کہ یہ چیزیں **امر بالمعروف** سے کم ہیں۔علماء فرماتے ہیں کہ اس حالت میں بولنے والوں کو ہاتھ سے خاموشی کا اشارہ کرے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت خطبہ ایک شخص کو سنتیں پڑھنے کا حکم دیا وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دیر خاموش رہے جیسے حضرات حسنین کی آمد پر آپ نے خطبہ بند کردیا انہیں گود میں لے

لیا لہذا وہ احادیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ یہاں خطبہ جاری رہنے کی حالت مراد ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ خطیب خطبہ روک کر کسی سے کلام کر سکتا ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق نے حضرت عثمان سے خطبہ کی حالت میں پوچھا کہ دیر میں کیوں پہنچے اور صرف وضو کرکے کیوں آئے، غسل کیوں نہیں کیا۔ غرضکہ سامعین کا اور حکم ہے خطیب کا اور حکم اور خطیب بھی تبلیغی کام کر سکتا ہے دینوی نہیں۔ مرقات نے فرمایا کہ خطبہ سے پہلے مؤذن کا لوگوں کو یہ حدیث پڑھ کر سنانا بدعت حسنہ ہے لیکن خطیب کا منبر پر پہنچ کر لوگوں کو سلام کرنا ناجائز۔ یونہی خطبے کے دوران میں دعائیہ کلمات پر مؤذن کا اونچی آواز سے آمین کہنا منع۔ خیال رہے کہ روافض اپنے خطبوں میں خلفائے راشدین کو گالیاں دیا کرتے تھے ان کے مقابلے میں اہل سنت ان کے نام لے کر ان پر درود بھیجتے ہیں۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ وہ اہل بیت اطہار کو خطبہ میں گالیاں دیتے تھے تو انہوں نے یہ تلاوت فرمائی: "اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسٰنِ "الخ۔ یہ سب بدعتیں ہیں مگر چونکہ انہیں مسلمان اچھا جانتے ہیں اس لیئے اچھی ہیں۔ (مرقاۃ) اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو ہر بدعت کو حرام کہتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعہ کے دن تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو نہ اٹھائے کہ پھر اس کی جگہ جاکر بیٹھ جائے ہاں یہ کہہ دے کہ جگہ میں گنجائش کرو[1] (مسلم) |

[1] کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنا ہمیشہ ہی منع ہے خصوصًا جمعہ میں زیادہ منع کہ اس دن ایک گناہ کا عذاب بھی ستر گناہ ہے، ہاں اگر کوئی خود ہی اپنے استاد یا شیخ کے لیئے جگہ چھوڑ دے تو ثواب کا مستحق ہے کہ دینی پیشوا کا احترام عبادت ہے۔ حضرت صدیق اکبر نے عین نماز کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے مصلی چھوڑ دیا اور مقتدی بن گئے۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابو سعید و ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو جمعہ کے دن غسل کرے وہ اپنے بہترین کپڑے پہنے[1] اور اگر اس کے پاس خوشبو ہو لگائے[2] پھر جمعہ میں آئے تو لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے پھر جو اس کے مقدر میں لکھا ہے نماز پڑھ لے پھر جب امام نکلے تو خاموش رہے حتی کہ نماز سے فارغ ہو جائے[3] تو اس جمعے اور اگلے جمعہ کے درمیان کا کفارہ ہوگا۔ (ابوداؤد) |

[1] بعض علماء فرماتے ہیں کہ مرد کے لیئے سفید کپڑے بہتر ہیں عورت کے لیئے رنگین، مرد کے لیئے سرخ و پیلے کپڑے منع ہیں خواہ بننے کے بعد رنگے گئے ہوں یا رنگے ہوئے سوت سے بنے گئے ہوں۔ (مرقاۃ)

۲؎ صرف مرد لگائے،عورتوں کو خوشبو لگا کر نکلنا منع ہے۔اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ یہ خوشبو لوگوں سے مانگے نہیں کہ سوال منع ہے۔
۳؎ صاحبین کے ہاں خطبہ شروع ہونے سے کلام سلام منع ہے،ان کی دلیل پچھلی حدیثیں تھیں۔امام اعظم کے نزدیک امام کے خطبے کے لیئے نکلنے سے کلام وسلام حرام ہو جاتا ہے،ان کی دلیل یہ حدیث ہے مگر مذہب امام اعظم قوی ہے کہ اس میں احتیاط بھی ہے اور دونوں حدیثوں پر عمل بھی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت اوس ابن اوس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جمعہ کے دن نہلائے اور نہائے۱؎ اور جلدی آئے اور جلدی کام کرے۲؎ اور پیدل آئے سوار نہ ہو۳؎ اور امام سے قریب بیٹھے اور کان لگا کر سنے۴؎ اور کوئی بیہودگی نہ کرے تو اسے ہر قدم کے عوض ایک سال کے عمل روزوں اور شب بیداریوں کا ثواب ملے گا۵؎ (ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ) |

۱؎ یعنی نماز سے پہلے بیوی سے صحبت کرے تاکہ وہ بھی نہائے اور یہ بھی نہائے اور جمعہ کے وقت دل میں سکون رہے،نگاہیں نیچی رہیں۔بعض نے فرمایا ان دو لفظوں کے معنی یہ ہیں کہ کپڑے دھوئے اور خود نہائے،بعض کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ خطمی وغیرہ سے سر دھوئے اور نہائے۔
۲؎ یعنی مسجد میں بھی جلد حاضر ہو اور جو نیکیاں کرنی ہوں ذکر،تلاوت،صدقہ،خیرات وہ سب کچھ جلدی کرے اسی لیئے بعض حضرات زیارت قبور بھی نماز سے پہلے ہی کرتے ہیں،ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔
۳؎ تاکہ ہر قدم پر نیکیاں ملیں عید کے دن عید گاہ کو پیدل جانا بھی بہتر ہے۔
۴؎ تاکہ خطبہ سنے بھی اور خاموش بھی رہے کیونکہ دور والا خاموش تو رہے گا سن نہ سکے گا،کوشش کرے کہ صف اول میں بیٹھے۔
۵؎ حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں،یہ مسجد میں آنے کا ثواب ہے پچھلی حدیثوں کا مضمون اس کے خلاف نہیں،اجر بقدر عمل ملتا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن سلام سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کسی پر کیا دشوار ہے کہ اگر ممکن ہو تو جمعہ کے دن کے لیئے دو کپڑے کام کاج کے کپڑوں کے سوا بنالے۱؎ (ابن ماجہ) |

۱؎ یہ بھی مستحب ہے کہ جمعہ کا جوڑا الگ رکھے جو بوقت نماز پہن لیا کرے اور بعد میں اتار دیا کرے،امام زین العابدین تو نماز پنجگانہ کے لئے جوڑا رکھتے تھے۔

| | |
|---|---|
| | اور مالک نے یحیٰی ابن سعید سے روایت کی۔ |

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خطبے میں حاضر رہو امام کے قریب |

| | |
|---|---|
| | بیٹھو کیونکہ انسان دور ہوتا رہتا ہے حتی کہ جنت میں پیچھے بھیجا جائے گا اگرچہ داخل ہو جائے ۱؎(ابوداؤد) |

۱؎خیال رہے کہ بارگاہ الٰہی میں اخلاص اور اس کا جوش مقبول ہے نہ کہ فقط ظاہری عمل لہذا جو جمعہ میں سستی سے آئے اور دیر میں پہنچے اگرچہ اس کا جمعہ تو ہو جائے گا مگر وہ ثواب نہ ملے گا جو جلدی پہنچنے والے کو ملتا ہے۔اس افصح الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم نے کس نفیس طریقہ سے سمجھایا کہ ایسا آدمی اگرچہ جنت میں جائے گا مگر جلدی حاضر ہونے والوں سے پیچھے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت معاذ ابن انس جہنی سے وہ اپنے والد سے راوی۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگیں اس نے دوزخ کی طرف پل بنالیا۲؎(ترمذی)اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔ |

۱؎مرقاۃ میں ہے کہ مؤلف سے اس نام سے بھول ہوئی کیونکہ معاذ ابن انس کے والد یعنی انس جہنی صحابی نہیں۔حق یہ ہے کہ عبارت یوں ہے"عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ اَبِيْهِ"یا یہاں"عَنْ اَبِيْهِ"درست نہیں۔واللہ اعلم!

۲؎ یعنی یہ پھلانگنا سخت گناہ ہے اور دوزخ میں جانے کا ذریعہ کیونکہ اس میں مسلمانوں کی توہین بھی ہے اور ایذا بھی،ہاں اگر اگلی صفوں میں جگہ ہو اور لوگ سستی سے پیچھے بیٹھ گئے ہوں تو اس جگہ کو پُر کرنے کے لیئے آگے جاسکتا ہے کیونکہ یہاں قصور ان بیٹھنے والوں کا ہے نہ کہ اس کا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت معاذ ابن انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن اکڑوں بیٹھنے سے منع فرمایا جب کہ امام خطبہ پڑھتا ہو ۱؎(ترمذی،ابوداؤد) |

۱؎ کیونکہ اس بیٹھک میں نیند بھی آتی ہے اور ریح نکلنے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔بزرگانِ دین تو فرماتے ہیں کہ دوزانو بیٹھ کر خطبہ سنے پہلے خطبہ میں ہاتھ باندھے اور دوسرے میں زانوؤں پر ہاتھ رکھے تو ان شاءاللہ دو رکعت کا ثواب ملے گا کیونکہ خطبہ فرض ظہر کے دو رکعتوں کے قائم مقام ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن اونگھے تو اپنی جگہ سے ہٹ جائے۱؎(ترمذی) |

۱؎یہ حکم استحبابی ہے اونگھ دفع کرنے کے لیئے یا یہ مطلب ہے کہ یہاں سے اٹھ جائے دوسری جگہ جا کر بیٹھ جائے یا یہ مطلب ہے کہ وضو کی جگہ جا کر ہاتھ منہ دھوآئے،مقصود تو نیند دفع کرنا ہے جیسے بھی ہو جائے۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| 1395 - [ 15 ](متفق علیہ) | روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمر کو |

| | |
|---|---|
| عن نافع قال: سمعت ابن عمر یقول: نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إن یقیم الرجل الرجل من مقعدہ ویجلس فیہ . قیل لنافع: فی الجمعۃ قال: فی الجمعۃ وغیرہا | فرماتے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی کسی کو اس جگہ سے اٹھائے اور وہاں خود بیٹھ جائے۱ نافع سے کہا گیا کہ کیا جمعہ میں فرمایا جمعہ میں اور غیر جمعہ میں ۲(مسلم، بخاری) |

۱حدیث کی عبارت سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ دونوں کام الگ منع ہیں جو صرف اٹھائے مگر اس کی جگہ بیٹھے نہیں تو ایک گناہ کا مرتکب ہے اور جو بیٹھ بھی جائے وہ دوگنا کا۔اس حکم سے وہ صورتیں علیحدہ ہیں جہاں شرعًا اٹھانا جائز ہو۔امام اپنے مصلے سے مؤذن اپنی تکبیر کی جگہ سے دوسرے کو ہٹا سکتا ہے،ایسے ہی اگر یہ جگہ پہلے سے کسی اور آدمی کی تھی وہ اپنا رومال یا پگڑی رکھ کر وضو کرنے گیا دوسرا اس کی جگہ بیٹھ گیا وہ اسے اٹھا سکتا ہے

۲دوسری مجلسوں میں بھی۔خیال رہے کہ کسی کے گھر جا کر اس کی عزت کی جگہ نہ بیٹھو اگر تم بیٹھ گئے تو صاحبِ خانہ تمہیں وہاں سے اٹھا سکتا ہے کیونکہ یہ جگہ اس کی اپنی ہے اسی لیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے **مِنْ مَقْعَدِہٖ** فرمایا یعنی بیٹھے ہوئے کو اس کی اپنی جگہ سے نہ ہٹاؤ اور یہاں یہ جگہ اس کی تھی ہی نہیں۔

| | |
|---|---|
| 1396 - [ 16 ](حسن)<br>وعن عبد اللہ بن عمرو قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: " یحضر الجمعۃ ثلاثۃ نفر: فرجل حضرہا بلغو فذلک حظہ منہا . ورجل حضرہا بدعاء فہو رجل دعا اللہ إن شاء إعطاہ وإن شاء منعہ . ورجل حضرہ بإنصات وسکوت ولم یتخط رقبۃ مسلم ولم یؤذ إحدا فہی کفارۃ إلی الجمعۃ التی تلیہا وزیادۃ ثلاثۃ إیام وذلک بأن اللہ یقول: ( من جاء بالحسنۃ فلہ عشر إمثالہا . . )<br>رواہ إبو داود | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعہ میں تین طرح کے شخص آتے ہیں جو وہاں بیہودگی کے لیئے گیا تو اس کا یہی حصہ ہے۱ اور جو شخص وہاں دعا کے لیئے حاضر ہوا تو یہ ایسا شخص ہے جس نے اللہ سے دعا مانگی اگر چاہے دیدے چاہے منع کردے۲ اور وہ شخص جو وہاں سننے اور خاموشی کے لیئے گیا نہ کسی مسلمان کی گردن پھلانگی اور نہ کسی کو ایذاء دی تو یہ جمعہ اگلے جمعے اور تین دن زیادہ کے لیے کفارہ ۳یہ اس لیے ہے کہ رب تعالٰی فرماتا ہے کہ جو نیکی لایا اس کے لیئے دس گنا ہیں۔(ابوداؤد) |

۱یعنی بعض لوگ جمعہ میں محض شغل کے لیئے جاتے ہیں اور مسجد و نماز کے آداب کا لحاظ نہیں رکھتے وہ بجائے ثواب گنہگار ہو کر لوٹتے ہیں۔اس میں بہت صورتیں داخل ہیں: عورتوں کی تاک جھانک کرنے،جوتا چرانے، محض جلسہ و مجمع دیکھنے،مسجد میں دوستوں سے خوش گپیاں کرنے وغیرہ کے لیئے وہاں جانا یا نمازی حکام سے عرض معروض کرنے کہ یہاں بآسانی ان سے ملاقات ہوجائے گی یا مالداروں سے بھیک مانگنے۔غرضکہ کسی فاسد نیت سے جمعہ میں جانا محرومی کا ذریعہ ہے۔

۲یہ جملہ تصوف کی جڑ ہے کہ عبادات محض دعاؤں یا حاجت روائی یا مشکل کشائی کے لیئے نہ کرو،رب کو راضی کرنے کے لیئے کرو،اگر اس کی رضا نصیب ہوگئی سب کچھ مل جائے گا۔خیال رہے کہ خطبہ میں زبان سے دعا مانگنا حرام ہے۔

۳یعنی ان لوگوں کی نیت صرف اطاعت اور عبادت ہے نہ کہ محض دعا مانگنا،یہ دعا بھی مانگتے ہیں تو اس لیئے کہ رب کا حکم ہے،یہ لوگ بہت کامیاب لوٹتے ہیں۔خیال رہے کہ یہاں انصاف اور سکون علیحدہ معنی میں ہے امام سے دور فقط خاموش رہے،پاس والا بھی خاموش رہے اور سنے بھی۔

| | |
|---|---|
| 1397 - [ 17 ] (ضعیف)<br>وعن ابن عباس قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من تکلم یوم الجمعۃ والإمام یخطب فہو کمثل الحمار یحمل إسفارا والذی یقول لہ إنصت لیس لہ جمعۃ". رواہ احمد | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جمعہ کے دن امام کے خطبہ پڑھتے ہوئے باتیں کرے وہ اس گدھے کی طرح ہے جو کتابوں کا دفتر اٹھائے ۱؎ اور جو اس سے کہتا ہے خاموش رہو اس کا جمعہ نہیں ۲؎ (احمد) |

۱؎ جیسے یہ گدھا کتابوں کے علم سے فائدہ نہیں اٹھاتا صرف بوجھ میں دبتا ہے ایسے ہی یہ شخص خطبہ سے فائدہ نہیں اٹھاتا محض آنے جانے کی تکلیف برداشت کرتا ہے، یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ بحالت خطبہ دینی و دنیوی کوئی گفتگو جائز نہیں۔امام احمد نے دور والے سامعین کو جہاں خطبہ کی آواز نہ پہنچتی ہو ذکر کی اجازت دی، یہ حدیث ان کے خلاف ہے کیونکہ یہاں کلام مطلق ہے۔

۲؎ یعنی اس کا جمعہ کامل نہیں کیونکہ یہ اپنی نصیحت پر خود عامل نہیں کہ اوروں کو تو خاموش کررہا ہے خود بولتا ہے۔خیال رہے کہ بعض دفعہ صحابہ نے بحالت خطبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش کی دعا کرائی ہے، بعض نے قیامت کے بارے میں کچھ پوچھا ہے ان کی وہ عرض و معروض یا خطبہ شروع ہونے سے پہلے تھی یا ختم ہونے کے بعد یا وہ سب کچھ اس حدیث سے منسوخ ہے یا ان بزرگوں کی خصوصیات ہے، لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔ممانعتِ کلام کی حدیث کی تائید قرآن پاک سے ہورہی ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ"(ھٰکَذَا قَالُوْا)

| | |
|---|---|
| 1398 - [ 18 ] (صحیح) وعن عبید بن السباق مرسلا قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جمعۃ من الجمع: "یا معشر المسلمین إن ہذا یوم جعلہ اللہ عیدا فاغتسلوا ومن کان عندہ طیب فلا یضرہ إن یمس منہ وعلیکم بالسواک". رواہ مالک | روایت ہے حضرت عبید ابن سباق سے (ارسلًا)۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعوں میں سے ایک جمعہ میں فرمایا اے مسلمانوں کے گروہ یہ وہ دن ہے جسے اللہ نے عید بنایا لہذا نہاؤ اور جس کے پاس خوشبو ہو تو اسے لگانے میں ضرر نہیں ۲؎ اور مسواک لازم پکڑو ۳؎ (مالک) |

۱؎ کیونکہ عبید تابعی ہیں، وہ بغیر صحابی کا ذکر کیئے حدیث بیان فرمارہے ہیں، اسی کا نام ارسال ہے۔

۲؎ یعنی جمعہ ہفتہ کی عید ہے اس میں خوشی جشن اور مسلمانوں کا اجتماع ہوتا ہے اگر میلے کچیلے گئے تو کپڑوں اور جسم کی بدبو سے لوگوں کو تکلیف ہوگی، بعض حضرات عید میلاد، عرس بزرگان میں نہاکر، صاف کپڑے پہن کر جاتے ہیں، ان کی اصل یہ حدیث ہے۔جب مسلمانوں کے مجمع میں جانا ہو وہاں اچھے لباس اور پاکیزہ جسم سے جانا چاہیئے اسی لیئے عرفات میں غسل کرنا، صاف کپڑے پہننا سنت ہے۔نقصان نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عطر و خوشبو عورتوں کے لیئے خاص نہیں جیسا کہ اس زمانہ میں لوگوں کا خیال تھا اور اس سے بھوت پلید چمٹتے ہیں جیسا کہ مشرکینِ ہند کا عقیدہ ہے اسی لیئے پرانے ہندو عطر نہیں ملتے۔

۳؎ یعنی جمعہ کے وضو میں مسواک کرو۔یہ مطلب نہیں کہ نماز پڑھتے وقت مسواک کرو کیونکہ مسواک سنت وضو ہے نہ کہ سنت نماز جیسا کہ وضو کی بحث میں عرض کیا جاچکا۔

| | |
|---|---|
| 1399 - [ 19 ] (لم تتم دراستہ) ورواہ ابن ماجہ عنہ وہو عن ابن عباس متصلا | اور ابن ماجہ نے ان سے اور انہوں نے ابن عباس سے متصلًا روایت کی۔ |

| | |
|---|---|
| 1400 - [ 20 ](حسن)<br>وعن البراء قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: " حقا علی المسلمین ان یغتسلوا یوم الجمعۃ ولیمس احد ہم من طیب اہلہ فان لم یجد فالماء لہ طیب " . رواہ احمد والترمذی وقال: ہذا حدیث حسن | روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ جمعہ کے دن غسل کریں۱ اور اپنے گھر کی خوشبو سے لگائیں اگر نہ پائیں تو پانی ہی اس کے لیئے خوشبو ہے۲(احمد،ترمذی)اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے۔ |

۱؎ حقًا اگر وجوب کیلئے ہے تو منسوخ ہے کہ شروع میں جب مسلمانوں پر غریبی بہت تھی،موٹا پہنتے تھے،دھوپ میں کام کرتے تھے تب جمعہ کا غسل فرض تھا،پھر فرضیت منسوخ ہوگئی،سنت باقی ہے اور اگر سنت مراد ہے تو حدیث محکم،بعض علماء کے نزدیک غسل جمعہ ہر مسلمان کے لیئے سنت ہے نماز کو آئے یا نہ آئے،ان کا ماخذ یہ حدیث ہے مگر یہ دلیل کمزور ہے کیونکہ یہاں خطاب جمعہ پڑھنے والوں کے لیئے ہے،نیز ان کے ہاں بھی جمعہ نہ پڑھنے والوں کے لیئے خوشبو لگانا سنت نہیں۔

۲؎ یعنی اگر عطر خریدنے کی طاقت نہ ہو مگر اس کی تمنا ہو تو اسے غسل میں ہی اس کا ثواب بھی مل جائے گا۔مقصد یہ ہے کہ عطر کسی سے مانگو مت گھر میں ہو تو لگالو ورنہ خیر۔

## باب الخطبۃ والصلوۃ

### خطبےاور نماز کا باب ۱؎

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱؎ خطبہ کے لغوی معنی ہیں لوگوں سے خطاب کرنا۔شریعت میں اس کلام کو خطبہ کہا جاتا ہے جس میں شہادتیں،نصیحتیں وغیرہ ہوں۔خطبہ جمعہ کی نماز کے لیئے شرط ہے،عیدین کے لیئے سنت،نکاح وعظ سے پہلے بھی سنت ہے۔مسنون یہ ہے کہ خطبہ جمعہ نماز سے کم ہو،عربی کے سوا اور زبان میں اذان،تکبیر،خطبہ پڑھنا بدعت قبیحہ ہے کیونکہ خلفائے راشدین نے فارس،روم اورحبشہ وغیرہ ایسے ملک فتح کیئے جہاں کی زبان عربی نہ تھی لیکن کہیں ثابت نہیں کہ ان ملکوں میں یہ چیزیں غیرعربی میں پڑھی گئی ہوں۔خطبہ سے مراد صرف وعظ ونصیحت مرادنہیں تاکہ سامعین کا سمجھنا ضروری ہوبلکہ اس کا مقصود اللہ کا ذکرہے جس کے لیئے زبان عربی موزوں ہے۔قرآن کریم نے خطبہ کو ذکراللہ فرمایا وعظ نہیں کہا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ"۔سامعین کو وعظ خطبہ سے پہلے سنالو،خطبہ میں فارسی یا اردو داخل کرکے شعار اسلامی کیوں بگاڑتے ہو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب ڈھل جانے پر جمعہ پڑھتے تھے ۱؎(بخاری) |

۱؎ یعنی زوال سے پہلے یا زوال کے وقت جمعہ نہیں پڑھتے تھے بلکہ ظہر کے وقت میں ادا کرتے تھے،چونکہ جمعہ ظہر کا قائم مقام ہے اس لیئے اسی وقت میں ادا ہوگا۔یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ جمعہ آفتاب ڈھلنے سے پہلے جائزنہیں،امام احمد کے ہاں وقت جمعہ سورج نکلنے سے شروع ہوجاتا ہے،یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت سہل ابن سعدسے فرماتے ہیں ہم دوپہر کا کھانا اور آرام جمعہ کے بعد ہی کرتے تھے ۱؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ یعنی جمعہ کے دن ہم دوپہر کا آرام بھی نہ کرتے تھے اورکھانا بھی نہ کھاتے تھے،وہ وقت تیاریٔ جمعہ میں گزارتے تھے،یہ دونوں کام نماز جمعہ کے بعدکرتے تھے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ نماز جمعہ سویرے ہی پڑھ لیتے تھے جس کے بعدناشتہ اورقیلولہ کاوقت آتاتھا کہ یہ معنی گزشتہ حدیث کے خلاف ہیں لہذا یہ حدیث حنفیوں کے مخالف نہیں یعنی کھانے کی وجہ سے نماز آگے نہ کرتے تھے بلکہ نماز کی وجہ سے کھانا اور آرام پیچھے کردیتے تھے،چونکہ جمعہ کے بعد کا یہ کھانا اور آرام ناشتہ اورقیلولہ کا قائم قام تھا اس لیئے اسے ناشتہ اور قیلولہ کہہ دیا گیا ورنہ لغۃً نہ یہ آرام

قیلولہ ہے اور نہ یہ کھانا ناشتہ۔خیال رہے کہ یہ حدیث ان بزرگوں کی انتہائی دلیل ہے جو زوال سے پہلے نماز جمعہ جائز مانتے ہیں۔فقیر کی اس تقریر سے حدیث واضح ہوگئی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سخت سردی ہوتی تو نماز جلدی پڑھ لیتے اور جب سخت گرمی ہوتی تو نماز ٹھنڈی کرتے یعنی جمعہ کی ۱؎(بخاری) |

۱؎یہ حدیث امام اعظم کی بہت قوی دلیل ہے کہ نماز جمعہ ظہر کی طرح سردیوں میں جلدی پڑھو اور گرمیوں میں دیر سے۔امام شافعی کے ہاں جمعہ ہمیشہ جلدی پڑھنا سنت ہے لیکن یہ حدیث ان کے سخت خلاف ہے،اس کی کوئی تاویل بھی نہیں ہوسکتی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت سائب ابن یزید سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق وعمر فاروق کے زمانہ میں جمعہ کی پہلی اذان جب ہوتی تھی جب امام ممبر پر بیٹھتا ۱؎ جب حضرت عثمان کا زمانہ ہوا اورلوگ بڑھ گئے تو آپ نے مقام زوراء پر تیسری اذان زیادہ کی ۲؎(بخاری) |

۱؎یعنی پہلی اذان خطبے کی ہوتی ہے اور دوسری اذان خطبہ کے بعد یعنی تکبیر۔شریعت میں تکبیر کو بھی اذان کہاجاتاہے اس حدیث کی بنا پر بعض لوگوں نے کہا کہ خطبہ کی اذان سے تجارتیں اور دنیاوی کاروبار حرام ہوتے ہیں کیونکہ آیت کریمہ "اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ"الخ جب نازل ہوئی تو پہلی اذان تھی ہی نہیں۔

۲؎زوراء کے معنی دور بھی ہیں اورٹیڑھا بھی۔اہل عرب کہتے ہیں قَوْسٌ زَوْرَآءُ ٹیڑھی کمان اور کہتے ہیں اَرْضٌ زَوْرَاءٌ دور کی زمین۔یہاں مدینہ منورہ کی وہ جگہ مرادہے جو مسجد سے دور اور مسجد کے مقابل سے ہٹی ہوئی بازار میں تھی،چونکہ یہ اذان ایجاد کے لحاظ سے تیسری ہے اس لیئے اسے ثالث فرمایا گیا۔ہشام ابن عبدالملک کے زمانہ تک یہ اذان مسجد سے دور ہوتی رہی،ہشام نے اسے داخل مسجد کیا۔(مرقاۃ)اب تک یہی رواج ہے اسی لیئے اس اذان کو حضرت ابن عمر بدعت فرماتے ہیں یعنی بدعت حسنہ۔اس حدیث سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کی اذان بھی مسجد سے باہر ہو مگر امام کے مقابل کیونکہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پہلی اذان تھی ہی نہیں تو اگر یہ اذان بھی تکبیر کی طرح اندرون مسجد آہستہ آہستہ ہوجاتی ہو تو باہر والوں کو نماز کی اطلاع کیسے ہوسکتی تھی۔خیال رہے فتویٰ اس پر ہے کہ تجارتیں اور کاروبار بندکرنا اذان اول پر فرض ہے کیونکہ اِذَا نُوْدِیَ مطلق ہے آیت کے معنے یہ ہیں کہ جب جمعہ کی ندا ہوجائے کاروبار چھوڑدو خواہ خطبہ کے وقت ہو یا اس سے پہلے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو خطبے تھے جن کے درمیان آپ |

| | |
|---|---|
| | بیٹھتے تھے ۱؎قرآن پڑھتے تھے اور لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے آپ کی نماز بھی درمیانی تھی اور خطبہ بھی درمیانی۔(مسلم) |

۱؎اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جمعہ کے لیئے خطبے دو پڑھے جائیں۔دوسرے یہ کہ خطبہ میں قرآن کریم کی آیت بھی تلاوت کی جائے۔تیسرے یہ کہ خطبے میں وعظ و نصیحت کے الفاظ بھی ہوں۔چوتھے یہ کہ خطبہ نہ بہت دراز ہو نہ بہت مختصر۔پانچویں یہ کہ دوخطبوں کے درمیان منبر پر بیٹھ کر فاصلہ کرے۔خیال رہے کہ خلفاء اورصحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم کا ذکر نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے نہ سنت صحابہ،بلکہ بدعت حسنہ ہےجس کی وجہ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں یہ ضرور کی جائے۔جو لوگ ہر بدعت کو حرام کہتے ہیں وہ اس کو کیا کہیں گے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عمار سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سناکہ مرد کا نماز کو لمبا کرنا اور خطبے کو مختصرکرنا اس کے عالم ہونے کی علامت ہے لہذا نماز دراز کرو اور خطبہ مختصر۱؎اور بعض بیان جادو ہیں ۲؎(مسلم) |

۱؎یعنی فرض جمعہ خطبہ جمعہ سے بڑے ہوں کیونکہ نمازمقصود ہے،خطبہ اس کے تابع،نیزخطبہ میں خلق سے خطاب ہے اور نماز میں خالق سے عرض و معروض لہذا یہ دراز چاہیئے،مگر خطبہ اتنا مختصر بھی نہ ہوکہ اس کی سنتیں رہ جائیں۔

۲؎یعنی بعض خطبے اور وعظ دلوں پر جادو سا اثر رکھتے ہیں لہذا اسے دراز نہ کرو تاکہ ریاوفخر پیدا نہ ہویا یہ مطلب ہے کہ بعض بیان جادو کا اثر رکھتے ہیں کہ پڑھنے میں تھوڑے اور اثر میں زیادہ لہذا خطبہ چھوٹا ہومگر مؤثر ہو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہےحضرت جابر سےفرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ پڑھتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہوجاتیں اور آوازشریف بلندہوجاتی اور آپ کا غضب سخت ہوجاتا(ایسا معلوم ہوتا)کہ آپ کسی لشکر سے ڈرا رہے ہیں فرماتے ہیں کہ صبح کو تم پر آن پڑے گایا شام کو۱؎اور فرماتے ہیں کہ میں اورقیامت اِن دوکی طرح بھیجا گیا ہوں اپنی کلمے اور بیچ کی انگلی کو ملاتے۲؎(مسلم) |

۱؎یعنی خطبہ کی نصائح کا اثر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے قلب شریف پرہوتاتھا جس کی علامتیں آپ کی آواز اور آنکھوں سے نمودار ہوتی تھیں۔تبلیغ وہی مؤثر ہوتی ہے جس کا اثر مبلغ کے دل میں ہو۔خیال رہے کہ یہاں غصہ سے مراد جلال الٰہی اورعظمت ربانی کی تجلیات کا آپ کے چہرے پرظاہرہوناہے نہ کسی پر ناراض ہونا۔لشکروں سے مراد

حضرت ملک الموت کالشکر ہے،یعنی موت قریب ہے تیاری کرو،صبح کے وقت شام کی امید نہ کرو اور شام کے وقت صبح کی۔

۲؎یعنی جیسے ان دو انگلیوں کے درمیان فاصلہ نہیں ایسے ہی میرے اور قیامت کے درمیان کسی نبی کا فاصلہ نہیں مرادین تاقیامت ہے یا جیسے یہ دوانگلیاں بہت ہی قریب ہیں ایسے ہی قیامت اب بہت ہی قریب ہے دنیا کی عمر کا بہت حصہ گزر چکا تھوڑا باقی ہے یا جیسے یہ دو انگلیاں ایک دوسرے پر ظاہر ہیں ایسے ہی قیامت مجھ پر ظاہر ہے،میں اس کے حالات اور اس کے آنے کی تاریخ سے خبردار ہوں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت یعلٰی ابن امیہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ آیت پڑھتے سنا"وَ نَادَوۡا یٰمٰلِكُ"الخ۱؎(مسلم،بخاری) |

۱؎اس آیت میں اس پکار کا ذکر ہے جو جہنمی عذاب سے تنگ آکر مالک سے فریاد کریں گے۔اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ میں ڈرانے والی آیتیں پڑھنا زیادہ بہتر ہے کہ ان سے دل نرم ہوتا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ام ہشام بنت حارثہ ابن النعمان سے فرماتی ہیں کہ میں نے سورۂ ق والقرآن المجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے ہی یاد کی جسے آپ ہر جمعہ کو منبر پر پڑھتے تھے جب کہ لوگوں کو خطبہ فرماتے ۱؎(مسلم) |

۱؎اس طرح کہ کسی خطبہ میں سورۂ قٓ کی کوئی آیت اور کسی میں دوسری آیت کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری سورۂ قٓ کسی خطبہ میں نہیں پڑھی یہ چونکہ جمعہ میں حاضر رہتی تھیں اس لیئے سنتے سنتے اس سورۃ کی حافظہ ہوگئیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عمرو ابن حریث سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن اس حال میں خطبہ دیا کہ آپ پر سیاہ عمامہ تھا جس کے دونوں کنارے اپنے دونوں کندھوں کے بیچے لٹکائے تھے ۱؎(مسلم) |

۱؎اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:کہ ایک یہ کہ خطبہ ونماز عمامہ سے بہتر ہے۔ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ عمامہ کی نماز ستر نمازوں سے افضل ہے۔دوسرے یہ کہ سیاہ عمامہ بھی سنت ہے۔تیسرے یہ کہ بغیر شملہ کا عمامہ سنت کے خلاف ہے،شملہ ضرور چاہیئے۔چوتھے یہ کہ عمامہ کے دو شملے ہونا افضل ہیں اور دونوں پشت پر پڑے ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ سات ہاتھ کا تھا اور شملہ ایک بالشت سے کچھ زیادہ،امیر معاویہ اور حضرت

ابودرداء اکثر سیاہ عمامہ باندھتے تھے،اسی سنت کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمان ابن عوف کے سیاہ عمامہ باندھا تھا یہ واقعہ جو یہاں مذکور ہوا آپ کے مرض وفات کے خطبہ کا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھتے ہوئے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن اس حال میں آئے کہ امام خطبہ پڑھنا چاہتا ہو تو دو رکعتیں پڑھ لے اور ان میں اختصار کرے ۱؎(مسلم) |

۱؎ان دو رکعتوں سے مراد تحیۃ المسجد کے نفل ہیں۔یَخْطُبُ کے معنی ارادۂ خطبہ ہیں نہ کہ خطبہ پڑھنا کیونکہ خطبہ کی حالت میں کلام،وظیفہ،نماز نفل سب حرام ہیں۔چنانچہ مؤطا امام مالک میں حضرت زہری سے مروی ہے کہ امام کا نکلنا نماز کو ختم کردیتا ہے اور امام کا بولنا کلام کو بند کردیتا ہے اور ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت علی و ابن عمر امام کے نکلنے کے بعد نماز و کلام سب مکروہ کہتے تھے،نیز انہی ابن ابی شیبہ نے حضرت عروہ سے روایت کی کہ جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو نماز جائز نہیں،اور امام زہری سے روایت کی کہ جو جمعہ کے دن خطبہ کی حالت میں آئے وہ بیٹھ جائے،نماز نہ پڑھے،امام شافعی و امام احمد نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ جمعہ کے دن تحیۃ المسجد واجب ہے اور بحالت خطبہ پڑھی جائیں مگر یہ دلیل کمزو رہے،کیونکہ تحیۃ المسجد جب کبھی بھی واجب نہ ہوئیں تو جمعہ کے دن کیوں واجب ہوں گی،نیز اس معنے سے یہ حدیث ان تمام احادیث کے خلاف ہوجائے گی جو ہم نے عرض کیں،نیز جمہور صحابہ و تابعین اس وقت نفل ناجائز کہتے ہیں،لہذا وہی معنے حدیث کے لیئے جائیں جو ہم نے کیئے تاکہ یہ حدیث نہ آیت قرآنی کے خلاف ہو نہ دیگر احادیث کے۔(ماخذ از لمعات)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت نماز کی پائی اس نے نماز پالی ۱؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ظاہر یہ ہے کہ یہاں نماز سے مراد نماز جمعہ ہے اگرچہ الفاظِ حدیث میں جمعہ کا ذکر نہیں اور مطلب یہ ہے کہ جماعت کی ایک رکعت ملنے سے ثواب کامل ملتا ہے،ورنہ مسئلہ یہ ہے کہ جو امام کو التحیات یا سجدہ سہو میں پالے اس نے بھی جمعہ پالیا کیونکہ دوسری جگہ حدیث میں یہ ہے کہ جس قدر تمہیں امام کے ساتھ نماز مل جائے وہ پڑھ لو اور باقی قضا کرلو۔اسی لیئے اگر مسافر مقیم امام کے ساتھ آخری التحیات میں شریک ہو تو وہ چار رکعتیں پڑھے گا۔معلوم ہوا کہ اس نے جماعت پالی۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے پڑھتے تھے جب منبر پر چڑھتے تو اولًا بیٹھتے تھے۱ حتی کہ فارغ ہوجاتے یعنی مؤذن،پھر کھڑے ہوتے تو خطبہ پڑھتے پھر بیٹھتے اور کلام نہ کرتے پھر کھڑے ہوتے خطبہ پڑھتے۲(ابوداؤد) |

۱ مکہ معظّمہ کے علاوہ اور جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ پڑھتے تھے اور مکہ مکرمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے دروازہ کعبہ پر خطبہ پڑھا ہے۔وہاں منبر امیر معاویہ کی ایجاد ہے جسے صحابہ نے بغیر اعتراض منظور کیا اور جب سے اب تک وہاں بھی خطبہ منبر پر ہی ہورہاہے،وہاں منبر پر خطبہ سنتِ امیر معاویہ ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کی تین سیڑھیاں تھیں اور آپ تیسری پر کھڑے ہوتے تھے،یہی سنت ہے اب تو وہاں منبر کی بہت سیڑھیاں ہیں۔

۲ یہی سنت ہے کہ امام پہلے منبر پر بیٹھے پھر اس کے سینہ کے مقابل خارج مسجد مؤذن اذان کہے،پھر امام کھڑا ہوکر دو خطبے دے جن کے درمیان بیٹھے مگر اس حال میں بھی دنیوی کلام نہ کرے خاموش رہے یا دل میں کوئی قرآنی آیت پڑھے۔مرقات نے فرمایا کہ آج کل جو بادشاہوں کے نام لینے،انہیں عادل کہنے،ان کی تعریفیں کرنے کا خطیبوں میں رواج ہے یہ حرام ہے کیونکہ اب بادشاہ ظالم ہیں اور ظالم کو عادل کہنا کفر ہے اور ان کی تعریفیں کرنا جھوٹ اور خوشامد،حتی کہ بعض امام فرماتے ہیں کہ اب خطیب سے دور بیٹھے تاکہ یہ جھوٹ اور فاسقوں کی تعریف نہ سنے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر پر کھڑے ہوتے تو ہم آپ کی طرف اپنے منہ کرلیتے۱(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا کہ اس حدیث کو ہم صرف محمد ابن فضل کی حدیث سے ہی پہنچانتے ہیں اور وہ ضعیف ہے حدیث بھول جاتا ہے۔ |

۱ اس طرح کہ آپ کے سامنے والے تو روبقبلہ رہتے اور دائیں بائیں والے قبلہ سے کچھ پھر کر بیٹھتے تاکہ ان کا منہ امام کی طرف ہوجائے،لیکن اب سب ہی روبقبلہ بیٹھتے ہیں تاکہ صفیں سیدھی کرتے وقت دشواری نہ ہو۔

نوٹ:ہمارے ہاں امام کا منبر پر پہنچ کر مقتدیوں کو سلام کرنا منع ہے کیونکہ اس وقت مقتدی جواب نہ دے سکیں گے،امام شافعی کے ہاں جائز ہے۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوکر خطبہ پڑھتے تھے۱؎ پھر بیٹھ جاتے تھے پھر کھڑے ہوتے تو کھڑے کھڑے خطبہ پڑھتے جو تمہیں خبر دے کہ آپ بیٹھ کر خطبہ پڑھتے تھے وہ جھوٹا ہے خدا کی قسم میں نے تو آپ کے ساتھ دو ہزار نمازوں سے زیادہ نمازیں پڑھیں ۲؎(مسلم) |

۱؎ ہر خطبہ کے لیئے کھڑا ہونا سنت ہے خواہ خطبہ جمعہ وعیدین ہو یا خطبہ وعظ یا خطبہ نکاح۔جو شہر جہاد سے فتح ہوئے ہیں وہاں تلوار لے کر خطبہ پڑھے اور جو بخوشی مسلمان ہوگئے وہاں خالی ہاتھ پڑھے۔(مرقات)دوسرے خطبہ کی آواز پہلے خطبہ سے کچھ کم ہو۔

۲؎ یعنی نماز پنجگانہ اتنی پڑھیں نہ کہ نماز جمعہ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریبًا پانچ سو جمعے پڑھے ہیں اس لیئے کہ جمعہ بعد ہجرت شروع ہوا جس کے بعد دس سال آپ کی زندگی شریف رہی،اس عرصہ میں جمعے اتنے ہی ہوتے ہیں۔(لمعات)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت کعب ابن عجرہ سے کہ آپ مسجد میں آئے اور عبدالرحمان ابن ام حکم بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا تھا۱؎ فرمایا کہ اس خبیث کو دیکھو بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا ہے حالانکہ رب تعالٰی نے فرمایا کہ جب وہ تجارت یا کھیل کود دیکھتے ہیں تو ادھر دوڑ جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۲؎(مسلم) |

۱؎ یہ بنی امیہ میں سے تھا اور ان کی طرف سے مقرر کردہ خطیب۔(اشعہ)

۲؎ یعنی خطبہ کھڑے ہوکر پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ کا عمل شریف بھی ہے اور قرآن شریف سے بھی ثابت ہے اس لیئے کہ یہاں آیت میں **قَآئِمًا** سے مراد خطبہ کا قیام ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے کہ تجارتی قافلہ کی آمد کا اعلان ہوا سوائے بارہ صحابہ کے تمام لوگ خریداری کے لیئے چلے گئے جس کے متعلق یہ آیت کریمہ اتری لہذا یہ شخص قرآن و حدیث دونوں کی مخالفت کررہا ہے۔خیال رہے کہ علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں فرمایا کہ امیر معاویہ جب بہت بوڑھے اور کمزور ہوگئے تو پہلا خطبہ بیٹھ کر پڑھتے تھے اور دوسرا کھڑے ہوکر،نیز عثمان غنی کبھی دوران خطبہ میں تھک کر بیٹھ جاتے تھے کچھ دیر بیٹھ کر خطبہ دیتے،پھر کھڑے ہوجاتے ان دونوں بزرگوں کے یہ عمل مجبورًا تھے،اموی بادشاہوں نے ان دونوں کی دیکھا دیکھی بلاضرورت بیٹھ کر خطبہ دینا

شروع کردیا اس بنا پر یہ بزرگ ناراض ہوئے۔خطبہ میں قیام سنت ہے،فرض نہیں اسی لیئے انہوں نے خطبہ لوٹانے کا حکم نہ دیا۔(اشعہ)

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عمارہ ابن رویبہ سے کہ آپ نے بشر ابن مروان کو منبر پر اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو فرمایا کہ اللہ تعالٰی ان دونوں ہاتھوں کو خراب کرے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اس سے زیادہ نہ کرتے تھے کہ اپنے ہاتھ سے یوں اشارہ کریں اور اپنے کلمے کی انگلی سے اشارہ کیا۱؎(مسلم) | |

۱؎ اس حدیث سے موجودہ واعظین عبرت پکڑیں جو ہاتھ نچانچا کر بلکہ خود بھی گھوم ناچ کر وعظ کرتے ہیں صرف داہنے ہاتھ کی کلمے کی انگلی سے اشارہ کرنا چاہیے کہ یہ سنت ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے تو فرمایا صاحبو بیٹھ جاؤ۱؎ یہ حضرت ابن مسعود نے سن لیا تو آپ مسجد کے دروازے پر ہی بیٹھ گئے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ اے عبداللہ ابن مسعود آجاؤ ۲؎(ابوداؤد) | |

۱؎ اس وقت بعض حضرات سنتیں پڑھنے کھڑے ہوئے تھے،بعض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر تعظیمًا کھڑے ہوئے انہیں فرمایا بیٹھ جاؤ۔(مرقاۃ ولمعات)اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بوقت خطبہ سنتیں پڑھنا منع ہیں جیساکہ ہمارا مذہب ہے۔دوسرے یہ کہ مقتدی مسجد میں امام کی تعظیم کے لیئے اس کی آمد کے وقت کھڑے ہوسکتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بیٹھنے کا حکم دیا آئندہ قیام سے منع نہیں کیا۔تیسرے یہ کہ خطیب کا کھڑا ہونا سنت ہے اور سامعین کا بیٹھنا۔

۲؎ سبحان اللہ! یہ ہے صحابہ کی اطاعتِ نبی کہ حضرت ابن مسعود مسجد میں داخل ہورہے تھے دروازے پر یہ آواز سنی تو وہیں آپ جوتوں پر بیٹھ گئے تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کرم کریمانہ سے فرمایا کہ ہمارا روئے سخن اور لوگوں سے تھا نہ کہ تم سے۔اس ادب اور اطاعت کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے حق میں جس چیز سے ابن مسعود راضی اس سے میں راضی۔اسی لیئے ہمارے امام اعظم سراج الامت ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ خلفائے راشدین کے بعد آپ کے قول کو تمام صحابہ کے قول پر ترجیح دیتے ہیں۔صوفیا فرماتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ "تَعَالْ مِنْ صَفِّ النِّعَالِ اِلٰی مَقَامِ الرِّجَالِ"۔حضرت ابن مسعود اس اطاعت کی بنا پر اب تک حبیب تھے اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہوگئے،اب تک طالب تھے اب مطلوب ہوگئے۔شعر

ہر کہ او در عشق صادق آمدہ است　　　بر سرش معشوق عاشق آمدہ است

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو جمعے کی ایک رکعت پالے تو اس کے ساتھ دوسری ملالے اور جس کی دونوں رکعتیں جاتی رہیں وہ چار پڑھے یا فرمایا ظہر پڑھے ۱؎ (دارقطنی) |

۱؎ یہ حدیث امام محمد کی دلیل ہے کہ جسے جمعہ کی دوسری رکعت کا سجدہ نہ ملے بلکہ التحیات ملے وہ ظہر ادا کرلے،اس نے جمعہ نہیں پایا۔حضرات شیخین کے نزدیک جو سلام سے پہلے مل جائے وہ جمعہ ہی پڑھے،ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحاح ستہ نے بروایت ابوسلمہ وابوہریرہ نقل کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جماعت کھڑی ہو تو بھاگتے ہوئے نہ آؤ،اطمینان سے آؤ جو پالو وہ پڑھ لو جو رہ جائے پوری کرلو،اس میں نماز جمعہ وغیرہ سب داخل ہیں۔یہ حدیث اولًا ضعیف ہے جیساکہ امام نووی نے فرمایا اور اگر صحیح بھی ہو تو یہاں دو رکعتوں کے نہ پانے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کا کوئی حصہ نہ ملے سلام کے بعد یا سلام کی حالت میں پہنچے۔

**نوٹ:** نماز جمعہ صرف شہر یا اطراف شہر میں ہوسکتی ہے گاؤں یا جنگل میں ناجائز ہے یہ مسئلہ نہایت معرکہ کا ہے مگر چونکہ اس کے متعلق کوئی حدیث مشکوۃ شریف میں نہیں آئی اس لیئے ہم بھی چھوڑتے ہیں اگر کسی کو شوق ہو تو ہماری کتاب"فتاویٰ نعیمیہ"میں دیکھے جہاں ہم نے قرآن و احادیث سے اس کا نہایت نفیس ثبوت دیا ہے اور مخالفین کے تمام اعتراضات کے نہایت قوی جواب دیئے ہیں۔

# باب صلوۃ الخوف

## خوف کی نماز کا باب ۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱ یعنی جب بحالت جہاد یہ خوف ہوکہ اگر سب لشکر باجماعت نماز میں مشغول ہوا تو کفار ماردیں گے تب نماز باجماعت کس طرح پڑھی جائے اور اس پر قریبًا ساری امت کا اجماع ہے کہ صلوۃ خوف تاقیامت باقی ہے ہاں طریقۂ ادا میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف بھی افضلیت میں ہے ورنہ جتنے طریقے احادیث میں آئے ہیں جس طرح اداکرے گا ہوجائے گی۔(مرقاۃ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار موقعوں پر نماز خوف پڑھی:ذات الرقاع،بطن نخل،عسفان،ذی قروع۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت سالم ابن عبداللہ ابن عمر سے وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف غزوہ کیا۱ہم دشمن کے مقابل کھڑے ہوئے اور انکے سامنے صفیں بنائیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھانے کھڑے ہوئے ایک جماعت آپ کے ساتھ کھڑی ہوگئی اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل رہی۲رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ رکوع کیا اور دوسجدے کیئے پھر یہ لوگ اس جماعت کی جگہ سے چلے گئے جس نے نماز نہ پڑھی تھی وہ ادھر آگئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک رکعت پڑھادی اور دوسجدے کرلیئے پھر آپ نے سلام پھیر دیا پھر ان میں سے ہر ایک کھڑا ہوا اور اپنی ایک رکعت پڑھ لی۳ اور دوسجدے کرلیئے۴حضرت نافع نے یونہی روایت کی یہ زیادہ کیا کہ اگر خوف اس سے بھی زیادہ ہو تو غازی پیدل اپنے قدموں پر کھڑے کھڑے یا سوار نماز پڑھ لیں قبلے کو منہ ہو یا نہ ہو ۵ نافع کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ حضرت ابن عمر نے یہ |

| | |
|---|---|
| رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی روایت کی۶؎(بخاری) | |

۱؎نجد کے لغوی معنی ہیں اونچی جگہ،لیکن اصطلاح میں عرب کے ایک صوبہ کا نام ہے،شیخ نے فرمایا کہ یہاں نجد،عراق اور حجاز مراد ہے نہ کہ نجد یمن۔

۲؎یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر صحابہ کے دو حصے کردیئے ایک کو اپنے پیچھے کھڑا کیا ایک کو دشمن کے مقابل نہ کسی کو علیحدہ نماز پڑھنے کی اجازت دی نہ دوسری جماعت کرنے کی،نہ دوسرے امام کی اقتدا میں تاکہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کا فیض پالیں۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جماعت ایسی اہم چیز ہے جو ایسے نازک موقع پر بھی نہ چھوڑی گئی۔افسوس ان لوگوں پر جو بلاعذر نماز باجماعت چھوڑ دیں۔دوسرے یہ کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز جائز نہیں،ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو دوبارنماز پڑھا دیتے اول جماعت کو فرض کی نیت سے اور دوسری کو نفل کی نیت سے۔تیسرے یہ کہ جماعت واجب ہے محض سنت نہیں۔

۳؎خلاصہ یہ ہے کہ پہلی جماعت نے پہلی رکعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی اور دشمن کے مقابل ہوگئے اور دوسرے گروہ نے دوسری رکعت حضور کے ساتھ پڑھی اور دشمن کے مقابل کھڑے ہوگئے اب پہلی جماعت نے اپنی دوسری رکعت بطریق لاحق پوری کرلی پھر دوسری جماعت نے بطریق مسبوق رکعت اول پوری کی،یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۴؎اسی ترتیب سے جو ابھی فقیر نے عرض کی۔پہلے جماعت اول نے رکعت اپنی قضا کی پھر جماعت دوم نے جیساکہ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں یہ طریقہ قرآن کریم کی اس آیت کے بہت موافق ہے جو صلوۃ خوف کے بارے میں آئی۔

۵؎یعنی سخت خوف کے موقعہ پر جب اس طرح نماز پڑھنا بھی ممکن نہ ہو تو غازی نماز قضا نہ کریں بھاگتے دوڑتے،پیدل یا سوار جیسے ہوسکے پڑھ لیں مگر پڑھیں وقت میں۔خیال رہے کہ غزوہ خندق میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پانچ نمازیں قضاءفرما دینا اس خوف کی بنا پر نہ تھا کیونکہ وہاں اس وقت دشمن موجود ہی نہ تھا وقت تنگ تھا،کھدائی زیادہ تھی،نمازوں کاوقت کھدائی میں صرف ہوا،لہذا واقعہ خندق نہ منسوخ ہے نہ اس کے مخالف کیونکہ جنگ میں غازیوں کو صرف اپنی جانوں کا خطرہ ہوتا ہے اور جنگ خندق میں سارا مدینہ خطرے میں تھا۔

۶؎کیونکہ صحابی کا وہ قول جو عقل سے وراء ہو حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے،اس کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے بھی ہورہی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَاِنۡ خِفۡتُمۡ فَرِجَالًا اَوۡ رُكۡبَانًا"۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت یزید ابن رومان سے وہ صالح ابن خوات سے راوی۱؎وہ ان سے راوی جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذات الرقاع کے دن نماز خوف پڑھی ۲؎کہ ایک ٹولہ آپ کے ساتھ صف آراء ہوا اور دوسرا ٹولہ دشمن کے مقابل رہا آپ نے اپنے ساتھ والے ٹولے کو ایک رکعت پڑھائی پھر یوں ہی کھڑے رہے انہوں نے اپنی نماز پوری کرلی پھر چلے گئے ۳؎اور | |

| | |
|---|---|
| | دشمن کے مقابل صف بستہ ہوگئے پھر دوسرا ٹولہ آیا آپ نے انہیں رکعت پڑھائی جو آپ کی نماز سے باقی تھی پھر آپ یوں ہی بیٹھے رہے ان صاحبوں نے اپنی نماز پوری کرلی پھر حضور نے ان سب کے ساتھ سلام پھیرا ۴؎(مسلم،بخاری)بخاری نے دوسری اسناد سے قاسم سے انہوں نے صالح ابن خوات سے انہوں نے سہل ابن ابی حثمہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ |

۱؎یہ دونوں بزرگ تابعی ہیں،ثقہ ہیں،خوات صحابی ہیں،جنگ احد وغیرہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

۲؎غزوات ذات الرقاع ۵ھ؁ میں واقع ہوا،چونکہ اس غزوہ میں صحابہ پیدل اور ننگے پاؤں تھے،سفر کرتے کرتے ان کے ناخن جھڑگئے اور پاؤں پھٹ گئے انہوں نے پھٹے ہوئے پاؤں پر چیتھیڑے لپیٹے پھر یہ راہ طے کیا اس لیئے اس کا نام ذات الرقاع یعنی چیتھڑوں اور پیوندوں والا غزوہ ہوا،نیز اس کے رستہ میں ایک ایسا پہاڑ اور جنگل پڑا تھا جس میں رنگ برنگے پتھر اور رنگ برنگی زمینیں تھیں اس لیئے بھی ذات الرقاع کہا گیا۔

۳؎یعنی پہلی جماعت اپنی دو رکعتیں پوری کرکے ایک رکعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اور ایک رکعت تنہا پھر دشمن کے مقابل گئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دیر تک خاموش منتظر کھڑے رہے،یہ حدیث پہلی روایت کے مقابل مرجوع ہے کہ آیت قرآنیہ سے بعید ہے نیز امام کا مقتدیوں کے انتظار میں کھڑا رہنا خلاف اصول ہے اس لیئے امام اعظم نے پہلی روایت کو لیا۔

۴؎اس طرح کہ سلام میں صرف یہ دوسرا گروہ شریک ہوا تاکہ پہلے گروہ کو تحریمہ کی فضیلت مل جائے اوراس کو سلام کی۔نماز خوف کا یہ طریقہ امام شافعی و مالک نے اختیار کیا اور امام اعظم نے پہلا طریقہ اس کی وجہ ترجیح ہم پہلے عرض کرچکے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے حتی کہ جب ذات الرقاع میں پہنچے فرماتے ہیں کہ جب ہم کبھی کسی سایہ دار درخت پر پہنچتے تھے تو وہ درخت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے چھوڑ دیتے تھے ۱؎فرماتے ہیں کہ کفار کا ایک شخص آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار درخت سے لٹکی ہوئی تھی تو اسنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار سونت لی ۲؎اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا کیا آپ مجھ سے ڈرتے ہیں،فرمایا نہیں وہ بولا مجھ سے آپ کو |

| | |
|---|---|
| | کون بچائے گا فرمایا مجھے تجھ سے اللہ بچائے گا۳؎ فرماتے ہیں کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے دھمکایا تو اس نے تلوار میان میں کرکے لٹکا دی۴؎ فرماتے ہیں کہ نماز کی اذان ہوئی تو آپ نے ایک ٹولے کو دو رکعتیں پڑھادیں وہ پیچھے ہٹ گئے اور دوسرے ٹولے کو دو رکعتیں پڑھادیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار رکعتیں ہوئی اور قوم کی دو،دو رکعتیں ۵؎(مسلم،بخاری) |

۱؎تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سایہ میں آرام کریں،باقی لوگ اور درختوں کے نیچے دوپہر گزارتے تھے کیونکہ ان کے ساتھ خیمے اور چھولداریاں نہ تھیں،جب پہننے کے لیئے جوتے نہ تھے تو خیمے وغیرہ کہاں سے آتے یہاں بھی حسبِ دستور ایک درخت کے نیچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام کیا صحابہ نے اور درخت کے نیچے۔

۲؎کیونکہ اس وقت سرکار یا سو رہے تھے یا اس طرف سے بےتوجہ تھے۔

۳؎یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا توکل رب تعالٰی پر کیوں نہ ہوتا،رب تعالٰی نے آپ سے وعدہ کرلیا تھا"وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ"۔اس واقعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت،آپ کا تکلیفوں پر صبر،جاہلوں پر حلم سب کچھ معلوم ہوا۔

۴؎علامہ واقدی نے اس جگہ لکھا کہ اسے قدرتی طور پر ایسی بیماری ہوگئی جس سے تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی اور وہ خود بھی گرگیا۔بعض روایات میں ہے کہ وہ مسلمان ہوگیااور اس سے بہت خلقت نے ہدایت پائی،مگر ابو عمارہ فرماتے ہیں وہ اسلام تو نہ لایا لیکن آئندہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل نہ ہوا،آپ کے اخلاق کریمانہ دیکھ کر کیونکہ وہ تو قتل کا مستحق ہوچکا تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کردیا۔ہوسکتا ہے کہ اسے صحابہ نے دھمکایا بھی ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت بھی اس پر طاری ہوگئی ہو جس سے پہلے وہ گر گیا،بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تسلی دینے پر اٹھ کر تلوار اس نے خود ہی ٹانگی ہو۔(از مرقاۃ)

۵؎یہ حدیث مشکلات میں سے ہے کیونکہ اس سے پہلے ذات الرقاع میں دو رکعتیں پڑھنے کا ذکر ہوچکا ہے اوریہاں چار کا اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ پچھلی حدیث میں نماز فجر کا ذکر تھا اور یہاں نماز ظہر کا ذکر ہے کیونکہ ابھی یہاں دھوپ میں آرام کرنے کا ذکر ہوچکا ہے،نیز یہ حدیث امام شافعی کے بھی مخالف ہے کیونکہ ان کے نزدیک اگر امام چار رکعتیں پڑھے گا تو مقتدیوں کو چار رکعتیں لامحالہ پڑھنی پڑیں گی اور یہاں ذکر ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکعتیں پڑھی اور قوم نے دو۲ دو۲۔اس کی توجیہ صرف یہی ہوسکتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پندرہ دن ٹھہر کر کفار کے محاصرے کی نیت فرمائی ہو اور اس بناء پر تمام صحابہ نے اور آپ نے چار رکعتیں ہی پڑھیں مگر صحابہ کی ہر جماعت نے دو رکعتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھیں اور دو علیحدہ یہاں دو رکعتیں

پڑھنے سے یہی مراد ہے اس کے علاوہ اور کوئی توجیہ اشکال سے خالی نہ ہوگی۔بعض نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی جماعت کے ساتھ فرض ادا کیئے اور دوسری جماعت کے ساتھ نفل مگر یہ غلط ہے ورنہ پھر درمیان میں سلام پھیرنا چاہیئے تھا،نیز پھر صحابی یہ نہ فرماتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار رکعتیں ہوئیں کیونکہ اب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو نمازیں ہوئیں نہ کہ ایک نماز کی چار رکعتیں،بعض نے فرمایا کہ اس وقت قصر کے احکام آئے نہ تھے اس لیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو چار پڑھائیں،دو اپنی اقتداء میں اور دو علیحدہ مگر یہ بھی درست نہیں کیونکہ ذات الرقاع کا غزوہ ۵ھ یا ۷ھ میں ہے،بعض نے کہا ۸ھ میں ہے کیونکہ اس غزوہ میں ابوموسیٰ اشعری بھی شریک تھے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فتح خیبر کے بعد آئے ہیں اور فتح خیبر ۷ھ میں ہے،بعض مؤرخین نے فرمایا کہ غزوہ ذات الرقاع دوبار ہوا ہے ایک بار ۵ھ میں اور ایک بار ۷ھ یا ۸ھ میں کچھ بھی سہی نماز قصر ۵ھ سے پہلے آچکی تھی،لہذا جو فقیر نے پہلے عرض کیا وہ ہی زیادہ قوی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف پڑھائی ہم نے حضور کے پیچھے دو صفیں بنائیں دشمن ہمارے اور قبلہ کے درمیان تھا۱تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی ہم سب نے تکبیر کہی پھر حضور نے رکوع کیا اور ہم سب نے رکوع کیا پھر حضور نے رکوع سے اپنا سر اٹھایا اور ہم سب نے اٹھایا پھر آپ اور وہ صف جو آپ سے متصل تھی سجدہ میں گئے اور پچھلی صف دشمن کے مقابل کھڑی رہی۲تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ پورا کرلیا اور آپ سے متصل صف بھی کھڑی ہوگئی تو پچھلی صف سجدہ میں گرگئی پھر یہ لوگ کھڑے ہوئے پھر پچھلی صف آگے ہوگئی اور اگلی صف پیچھے چلی گئی پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ہم سب نے رکوع کیا پھر حضور نے اور ہم سب نے رکوع سے سر اٹھایا پھر حضور اور وہ صف جو آپ سے متصل تھی اور جو رکعت اولیٰ میں پچھلی صف تھی سجدہ میں گئے اور پچھلی دشمن کے مقابل کھڑی رہی۳پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ سے متصل صف نے سجدہ کرلیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ہم سب نے اکٹھا سلام پھیرا۴(مسلم) |

۱؎سارے صحابہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوگئے جن کی لمبی لمبی دو صفیں ہوگئیں۔تکبیر تحریمہ قیام،رکوع اور قومہ سب نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا مگر سجدے میں فرق ہوگیا۔

۲؎یعنی اس صف نے سجدہ نہ کیا تاکہ دشمن ٹوٹ نہ پڑے بلکہ یونہی دشمن کے مقابل کھڑی رہی۔خیال رہے کہ اس صورت میں سارے صحابہ ہتھیار بند نماز پڑھ رہے تھے،چونکہ دشمن جانب قبلہ میں تھا اس لیئے ایک جماعت کو کہیں جانے کی ضرورت نہ پڑی،کھڑا رہنے والا ٹولا صرف دشمن کی نگرانی کررہا تھا اگر اس وقت حملہ ہوتا تو یہ سجدے والوں کو خبر کردیتا اور سب ایک دم مقابلہ کرتے،یہ نہ ہوتا کہ سجدے والوں کے اوپر گزرکر ان کا مقابلہ کرتے۔

۳؎بعض شارحین نے کہا کہ ان صفوں کا آگے پیچھے ہٹنا دوقدموں سے تھا نہ کہ تین سے،ورنہ نماز جاتی رہتی مگر یہ غلط ہے کیونکہ نماز خوف میں چلنے پھرنے کی اجازت دی گئی ہے،یہ تو بڑی خطرناک حالت ہوتی ہے۔اگر نماز میں وضو ٹوٹ جائے تو نمازی وضو کے لیئے چل بھی سکتا ہے،کعبہ سے پھر بھی سکتا ہے۔

۴؎اس صورت میں تمام مقتدیوں کو دونوں رکعتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل گئیں اور سب تکبیر تحریمہ اور سلام میں امام کے ساتھ شریک رہے،یہ واقعہ مقام عسفان کا ہے اور نمازخوف کا یہ بھی ایک طریقہ ہے جب کہ دشمن جانب قبلہ ہو،مگر ترجیح پہلے طریقہ کو ہوگی کیونکہ وہی آیت قرآنی کے زیادہ موافق ہے۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بطن نخلہ میں نماز خوف پڑھاتے تھے۱؎تو آپ نے ایک ٹولہ کو دو رکعتیں پڑھائی پھر سلام پھیر دیا،پھر دوسرا ٹولہ آیا تو انہیں دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیرا ۲؎(شرح سنہ) |

۱؎یہ کَانَ یُصَلِّیۡ ماضی بعید کے معنی میں ہے کیونکہ ایک ہی ظہر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی پڑھائی،بطن نخل مکہ معظّمہ اور طائف کے درمیان ہے،فقیر نے وہاں کی زیارت کی ہے۔بعض نے کہا کہ بطن نخل نجد کے غطفان کا ایک حصہ ہے،بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ بطن نخل مدینہ منور کا ایک باغ ہے،مگر صحیح یہ ہے کہ ان تینوں مقام کا نام بطن نخل ہے لیکن یہ واقعہ طائف کے راستہ کا ہے۔

۲؎امام شافعی اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بارفرض کی نیت کی،دوسری بار نفل کی،چونکہ ان کے ہاں نفل والے کے پیچھے فرض نماز ہوسکتی ہے اس لیے ان صحابہ کے فرض ادا ہوگئے۔احناف کہتے ہیں کہ شروع اسلام میں ایک فرض نماز دوبار پڑھ لی جاتی تھی،یہ واقعہ اس وقت کا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

نے دونوں دفعہ فرض ہی پڑھائے،امام طحاوی نے اسی جواب کو اختیار کیایا یہ واقعہ حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے،ہرصحابی حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پوری نماز پڑھنا چاہتے تھے تب حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل فرمایا۔(ازمرقاۃ)

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضجنان وعسفان کے درمیان اترے ۱؎ تو مشرکین بولے کہ ان کی ایک نماز ہے جو انہیں اپنے باپ بیٹوں سے زیادہ پیاری ہے یعنی عصرتو اپنی طاقت جمع کرلو اوران پر ایک دم ٹوٹ پڑو ۲؎ ادھرحضرت جبرئیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضرہوئے اور عرض کیا کہ اپنے صحابہ کو دو گروہوں میں بانٹ دیں انہیں اسی طرح نماز پڑھائیں کہ دوسرا ٹولہ ان کے پیچھے رہے جواپنا بچاؤ اور ہتھیار لیئے رہیں ۳؎ ان سب کی ایک ایک رکعت ہوگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو رکعتیں ۴؎(ترمذی،نسائی) |

۱؎ ضجنان مکہ معظّمہ کے پاس ایک پہاڑ ہے جس میدان میں یہ پہاڑ واقعہ ہے اس کو بھی ضجنان کہتے ہیں اورعسفان مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مشہور مقام ہے جو مکہ معظّمہ سے دومنزل فاصلہ پر ہے،پہلے حجاج اسی رستہ سے مدینہ منورہ جاتے تھے۔

۲؎ یہ ان کا آپس کا مشورہ تھا یعنی یہ مسلمان مرنا قبول کرتے ہیں مگر اس نماز کو نہیں چھوڑتے،یہ راز یا تومنافقین نے انہیں بتایا ہوگا جومسلمان کی خبریں خفیہ طور پرمشرکوں کو بھیجتے رہتے تھے یاکسی اور ذریعہ سے انہیں پتہ لگ گیا ہوگا،اسی کو قرآن حکیم اس طرح بیان فرمارہا ہے:"وَدَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ تَغۡفُلُوۡنَ عَنۡ اَسۡلِحَتِکُمۡ وَاَمۡتِعَتِکُمۡ فَیَمِیۡلُوۡنَ عَلَیۡکُمۡ مَّیۡلَۃً وّٰحِدَۃً"۔

۳؎ یعنی یہ دونوں جماعتیں الگ الگ تکبیر تحریمہ کہیں،پہلی جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہے اور دوسری جماعت دوسری رکعت میں۔بعض شارحین نے سمجھا کہ سب ایک ساتھ تحریمہ کہہ لیں مگر یہ قرآن کریم کی آیت کے خلاف ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلۡتَاۡتِ طَآئِفَۃٌ اُخۡرٰی لَمۡ یُصَلُّوۡا فَلۡیُصَلُّوۡا مَعَکَ"۔خیال رہے کہ ان کے پیچھے رہنے سے مراد دشمن کے مقابلے میں کھڑا ہونا ہے،لہذا حدیث واضح ہے۔

۴؎ یہ حدیث وہی ہے جو شروع باب میں آچکی،یہی ظاہر قرآن کے بہت موافق ہے اسی طریقہ کو امام اعظم ابوحنیفہ نے اختیار فرمایا۔الحمدللہ!کہ باب کے شروع اور آخر کی حدیث مذہبِ احناف کی دلیل ہے۔

## باب صلوة العیدین

### عیدین کی نماز کاباب ۱؎

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱؎ عید عودٌ سے بنا،بمعنی لوٹنا،چونکہ یہ خوشی کا دن ہے اس لیےنیک فالی کے لیے اسےعید کہا گیا یعنی بار بار لوٹنے والی،اب ہرخوشی کے اجتماع کو عید کہہ دیتے ہیں جیسے عیدمیلاد،عیدمعراج،ایک شاعرکہتاہے۔شعر

عِیْدٌ وَعِیْدٌ وَعِیْدٌ صِرْنَ مُجْتَمِعًا وَجْهُ الْحَبِیْبِ یَوْمَ الْعِیْدِ وَالْجَمَعَ

قرآن شریف میں ہے"تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا"۔نمازعید واجب ہے عیدالفطرعبادات رمضان کی توفیق ملنے کے شکریئے کی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ"اور بقرعیدحضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما الصلوۃ والسلام کی کامیابی کے شکریہ میں۔ابن حبان وغیرہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲ھ؁ میں جب کہ شعبان میں روزۂ رمضان فرض ہوئے،پہلے نمازعید پڑھی،پھربقرعید۔نمازعید کے شرائط جمعہ کے سے ہیں،ہاں خطبۂ جمعہ شرط ہے اورخطبۂ عید سنت،خطبۂ جمعہ نماز سے پہلے ہے اور خطبۂ عید نماز کے بعد۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر کبھی نہ چھوڑی،بقرعید حج میں چھوڑی کیونکہ حاجی پرنماز بقرعید نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید بقرعید کے دن عیدگاہ تشریف لے جاتے ۱؎تو پہلی چیز جس سے شروع فرماتے نماز ہوتی پھر لوگ فارغ ہوتے تو لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے اور لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے ۲؎انہیں نصیحت اور وصیت فرماتے احکام دیتے اورلشکر چھانٹنے کا ارادہ ہوتا تو وہاں ہی چھانٹ لیتے یا کچھ حکم کرنا چاہتے تو اس کا حکم کرتے پھر واپس ہوتے ۳؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ جو شہر سے باہر جگہ تھی۔اس سے معلوم ہوا کہ نماز عیدین جنگل میں افضل ہے،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں نماز عید پڑھی،حالانکہ وہ جگہ تمام مسجدوں سے بہتر ہےاِلّا مسجد حرام،اب مدینہ پاک میں عیدگاہ مشہور ہے۔

۲؎ یعنی نماز عید پہلے پڑھتے خطبہ بعد میں مگر خطبۂ عید منبر پر نہ تھا کیونکہ اس زمانہ میں نہ تو عیدگاہ میں منبر بنا نہ مسجد نبوی سے وہاں پہنچایا گیا اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ عیدگاہ کا منبر بدعت حسنہ ہے۔فتح القدیر میں ہے کہ وہاں منبر بنانا جائز ہے مگر شہر سے لے جانا ممنوع و مکروہ،وہاں کے منبر کا موجد مروان ابن حکم ہے۔

۳؎ سبحان اللہ! ہماری مسجدیں اور عیدگاہ سیاست و عبادت کا مرکز تھیں،وہیں سے غازی بنتے تھے،وہیں سے نمازی۔مطلب یہ ہے کہ عیدگاہ میں ہی سپاہیوں کی بھرتی ہوجاتی اور وہاں سے ہی لشکر اسلام کی روانگی تاریخیں مقرر ہوجاتیں مگر یہ تمام کام خطبہ کے بعد ہوتے نہ کہ دورانِ خطبہ میں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سےفرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دو عیدوں سے زیادہ پڑھیں بغیر اذان کے اور بغیر تکبیر کے ۱؎(مسلم) | |

۱؎ چونکہ امیر معاویہ کے زمانہ میں زیاد نے عیدین میں اذان شروع کردی تھی اس کی تردید کے لیے صحابہ کرام بارہا یہ فرمایاکرتے تھے تاکہ لوگ اس سے باز رہیں۔الحمدللہ!کہ زیاد کی یہ بدعت چلی نہیں۔خیال رہے کہ اگر نماز عید کی اطلاع گولوں یا طبل یا اعلان سے کردی جائے کوئی مضائقہ نہیں،مگر اذان وتکبیر سوائے نماز پنجگانہ اور جمعہ کسی نماز کے لیے نہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب ابوبکر وعمر عیدین کی نماز خطبے سے پہلے پڑھتے تھے ۱؎(مسلم،بخاری) | |

۱؎ اگرچہ حضرت عثمان غنی وعلی مرتضی نے بھی یوں ہی عمل کیا مگر چونکہ یہ دو حضرات صحابہ کی نگاہ میں بہت ہی عظمت والے مشائخ میں سے تھے اس لیے خصوصیت سے ان کا ذکر کیا۔بعض شارحین نے سمجھا ہے کہ حضرت عثمان نے خطبہ نماز سے پہلے پڑھا،بعض نے کہا کہ خلافت عثمانی میں مروان نے یہ حرکت کی مگر اس کا ثبوت نہیں یونہی مشہور ہے ہاں مروان جب امیر معاویہ کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا تب اس نے ایسا کیا تھا اور وہ بھی اس لیے کہ بعدنماز لوگ خطبہ سنتے نہ تھے،جانے میں جلدی کرتے تھے پھر بھی صحابہ نے اس پر سخت اعتراضات کیے آخر کار وہ طریقہ مٹ ہی گیا،اللہ اپنے حبیب کی سنتوں کا حافظ ہے۔(ازمرقاۃ وغیرہ)

| | |
|---|---|
| حضرت ابن عباس سے پوچھا گیا کہ کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید میں حاضر ہوئے فرمایا ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو نماز پڑھی پھر خطبہ دیا اذان اور تکبیر کا آپ نے ذکر نہ فرمایا پھر عورتوں میں تشریف لے گئے تو انہیں وعظ و نصیحت کی اور صدقے کا حکم دیا۱؎ میں نے عورتوں کو دیکھا کہ اپنے کانوں اور گلے کی طرف ہاتھ بڑھاتیں اور بلال کی طرف | |

| | |
|---|---|
| | زیور پھینک دیتیں پھر آپ اور بلال اپنے گھر واپس ہوتے ۲؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ چونکہ عورتوں کی صفیں مردوں سے پیچھے ہوتی تھیں اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کی آواز وہاں تک نہ پہنچتی تھی لہذا یہاں سے فارغ ہوکر ان میں جاکر علیحدہ وعظ فرماتے تھے،انہیں خصوصیت سے صدقہ و خیرات کا حکم دیتے تھے جس کی وجہ اگلی احادیث میں آرہی ہے۔خیال رہے کہ یہاں صدقہ سے مراد فطرہ نہیں ہے کیونکہ وہ تونماز عید سے پہلے ادا کیا جاتا ہے،نیز ان بیبیوں نے یہ حکم سن کر اپنے زیور پیش کئے ہیں،اگر فطرہ یا زکوۃ ہوتی تو حساب سے دی جاتی۔غالب یہ ہے کہ یہ صدقہ اسلامی فوجوں کے لیے تھا۔

۲؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کا حکم دیتے اور حضرت بلال وصول کرتے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت بغیر خاوند کی اجازت خیرات کرسکتی ہے اپنے مال سے تو بہرحال اور خاوند کے مال سے جب جب کہ اسے عرفی اجازت ہو،یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجد و عیدگاہ میں چندہ کرنا جائز ہے اور اپنے لیے سوال کرنا حرام،یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پردہ کرنا عورتوں پر فرض نہ تھا کیونکہ آپ ان کے لیے مثل والد کے تھے،حضرت بلال غالبًا اپنا منہ ڈھکے ہوتے ہوں گے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وعظ خطبہ نہ تھا،وہ تو ہوچکا تھا بلکہ نصیحت کے طور پر تھا،ان بزرگوں کی ڈبل عید ہوتی ہوگی ایک عید،دوسرے جناب مصطفٰے کی دید،صلی اللہ علیہ وسلم۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فطر کے دن دو رکعتیں پڑھیں نہ ان سے پہلے کوئی نماز پڑھی نہ ان کے بعد ۱؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ اس حدیث کی بنا پر علماء فرماتے ہیں کہ نماز عید سے پہلے نفل مکروہ ہیں حتی کہ اس دن اشراق والے اشراق بھی نہ پڑھیں،ہاں اگر کسی کی فجر قضاء ہوگئی ہو تو وہ گھر میں قضاء پڑھے نہ کہ عیدگاہ میں۔فقہاء فرماتے ہیں کہ قضاء نماز مسجد میں پڑھنا منع ہے تاکہ لوگوں پر اپنا عیب ظاہر نہ ہو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ام عطیہ سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ ہم کو حکم دیا گیا تھا کہ ہم عیدوں میں حائضہ اور پردے والی عورتوں کو(عیدگاہ)لے جائیں ۲؎ تاکہ وہ مسلمانوں کی جماعت اور دعاؤں میں حاضر ہوں ۳؎ حیض والیاں عیدگاہ سے الگ رہیں ۴؎ ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ ہم میں سے بعض کے پاس چادر نہیں ہے فرمایا اس کی سہیلی اسے اپنی چادر میں سے اوڑھالے ۵؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ آپ کا نام نسیبہ بنت کعب یا بنت حارث ہے،کنیت ام عطیہ انصاریہ ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت غزوات میں رہیں،زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

۲؎ یعنی تمام عورتوں کو عیدگاہ لاؤ جو نماز کے قابل ہیں وہ نماز عید پڑھ لیں اور جو نماز کے قابل نہ ہوں وہ دعا میں شریک ہوں۔علماءفرماتے ہیں کہ عہدِ فاروقی سے عورتوں کو مسجدوں وعیدگاہوں وغیرہ سے روک دیا گیا،حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے موجودہ حالات ملاحظہ فرمادیتے تو آپ بھی منع فرمادیتے جب اس وقت یہ حال تھا تو اس زمانہ کا کیا پوچھنا۔مگر خیال رہے کہ اب رفتار زمانہ کو دیکھتے ہوئے عورتوں کو باپردہ ان مجالس میں آنے کی اجازت دو کیونکہ جب عورتیں کالجوں،بازاروں،سینماؤں سے نہیں رک سکتیں تو یہاں سے روک دینا ان کے لیے تباہی کے اسباب جمع کردینا ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ عیدگاہ اور اچھی مجلسوں میں سمجھ دار بچوں کو بھی لے جانا چاہیئے۔(ازمرقاۃ)

۳؎ یعنی اگر نماز نہ پڑھیں گی تو مسلمانوں کی دعاؤں سے تو فائدہ اٹھائیں گی،اپنے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ سے شرعی احکام معلوم کریں گی،عید کی رونق بڑھائیں گی کیونکہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔اس سے معلوم ہوا کہ ذکر کی مجلسوں،صالحین کی صحبتوں میں حاضری دینا اوران سے برکت حاصل کرنا سنت سے ثابت ہے۔

۴؎ یعنی نمازی عورتوں کی صفوں سے کچھ ہٹ کر بیٹھیں کیونکہ اس زمانہ میں باقاعدہ عیدگاہ نہ بنی تھیں اور اب بھی عیدگاہوں پر مسجدوں کے سارے احکام جاری نہیں وہ جنگل کے حکم میں ہیں جیساکہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔

۵؎ یعنی اگر اس کے پاس دوچادریں ہوں تو ایک چادر تھوڑی دیر کے لیے عاریۃً اس غریب سہیلی کو دے دے اور اگر ایک بڑی چادر ہوتو کچھ حصہ سے اسے ڈھانپ لے۔بہر حال اسے عیدگاہ پہنچانے کی کوشش کرے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر ان کے پاس منٰی کے زمانہ میں آئے جب کہ ان کے پاس دوبچیاں ۱؎ دف بجارہی تھیں اورایک روایت میں ہے کہ وہ گیت گارہی تھیں جو انصار نے جنگ بعاث کے بنائے تھے ۲؎ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کپڑا اوڑھے لیٹے تھے حضرت صدیق نے ان بچیوں کو جھڑکا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ انور کھولا فرمایا اے ابوبکر انہیں چھوڑدو کیونکہ یہ دن عید کے دن ہیں ۳؎ اور ایک روایت میں ہے کہ اے ابوبکر ہر قوم کی عید ہوتی ہے یہ ہماری عید ہے ۴؎ (مسلم،بخاری) | |

۱؎ دونوں بچیاں انصار کی تھیں ایک حضرت حسان ابن ثابت کی بیٹی تھی اور دوسری کسی اور کی،مگر دونوں نہ تو بالغہ تھیں اور نہ قریب بلوغ(مراہقہ)بلکہ بہت چھوٹی بچیاں تھیں،حضرت شیخ نے فرمایا کہ تَضْرِبَانِ کے معنی ناچ رہی تھیں،ضِرَابٌ سے مشتق ہے جیسے اب بھی بچیاں خوشی سے گایاناچا کرتی ہیں،بعض نے کہا تالیاں بجارہی تھیں۔

۲؎ یعنی گندے یا عشقیہ گیت نہ تھے بلکہ شجاعت اوربہادری کے گیت تھے۔بعاث مدینہ منورہ کے قریب بنی قریظہ کے علاقہ میں ایک جگہ تھی جہاں انصار کے دوقبیلوں اوس اورخزرج میں بڑی خون ریزجنگ ہوئی تھی جس کی عداوت ایک سو بیس سال تک رہی تھی،پھرحضور انورصلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں قبیلوں کو ملا کر شیروشکرکردیا،اسی کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے"اِذۡ کُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ"۔اب وہ گیت غازیوں کو دلیر کرنے کے لیے گائے جاتے تھے۔خیال رہے کہ گانے والی بچیاں تھیں،گیت بھی فحش نہ تھے،آج کل کے فحش گانے قطعًا حرام ہیں خصوصًا جوان لڑکیوں کے لیے۔

۳؎ حضرت ابوبکرصدیق یہ سمجھے کہ یہ گیت بھی ناجائز ہیں،عائشہ صدیقہ کو مسئلہ نہیں معلوم اورحضور انورصلی اللہ علیہ وسلم سورہے ہیں اس لیے انہیں جھڑکا،حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیا کہ یہ گیت ہماری اجازت سے گائے جارہے ہیں ناجائز نہیں،اس میں خوشی کا اظہار ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ عید،شادی،عقیقہ،ختنہ،وغیرہ خوشی کے موقعوں پر بچیوں کے ایسے گیت گاناجائز ہیں،مگر آج کل کے غنا(گیت)مقدمۂ زنا ہیں۔

۴؎ یعنی ہرقوم اپنی عیدوں میں اظہار خوشی کرتی ہےتو ہم کیوں نہ کریں۔علماء فرماتے ہیں کہ کفار کی عیدوں کا احترام کرنا،اس دن کپڑے بدلنا،خوشی کرناکفر ہے،اپنی عیدوں پرجائزخوشیاں منانا سنت۔پنجاب میں نمازعید کے بعدعورتیں عیدگاہ پہنچ کرکھیل کودکرتی ہیں یہ ناجائز ہے،نیز دف اور تاشہ،اعلان نکاح یاعیدکی خوشی کے لیے بجانا جائز ہےمگر جھانج مطلقًا ناجائز۔اس کی پوری بحث ان شاءاللہ "کتاب الادب"میں آئے گی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ عیدا لفطر کے دن عیدگاہ نہ جاتے حتی کہ کچھ چھوہارے کھالیتے طاق کھاتے تھے ۱؎(بخاری) |

۱؎ یہ کھانا اس لیے تھا تاکہ رمضان کے طریقہ کی تبدیلی ہوجائے۔سنت یہ ہے کہ عیدکی نمازکو کچھ کھاکرجائے،اب مسلمان سویاں،شیرخرمہ،وغیرہ کھاتے ہیں جن میں چھوہارے بھی ہوتے ہیں،ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔ادائے سنت کے لیے چھوہارے ضرور ہونے چاہئیں۔فضلاء دیوبنداسے بھی حرام کہتے ہیں نہ معلوم ان کا ماخذ کون سی حدیث ہے،مگر لطف یہ ہے کہ کھا وہ بھی لیتے ہیں،ان کے ہاں کھلاناحرام ہے اورکھاناجائز۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہےحضرت جابرسے فرماتے ہیں کہ جب عید کا دن ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ کے رستے میں اختلاف کرتے ۱؎(بخاری) |

۱؎ یعنی عیدگاہ جاتے اور راستے سےواپس ہوتے دوسرے راستہ سےتاکہ دونوں راستوں کو برکت حاصل ہواور دونوں طرف کے باشندے آپ سے فیض پائیں،اور ہرطرف کے منافقین مسلمانوں کے ازدہام کو دیکھ کر جلیں اور راستوں میں بھیڑکم ہو دونوں راستوں کے فقراء پر خیرات ہو،اہلِ قرابت کی قبور کی زیارتیں ہوں جو ان راستوں میں واقع ہیں اور دونوں راستے ہماری نمازو ایمان کے گواہ بن جائیں،لیکن جاتے وقت دراز رستہ اختیار فرماتے اور لوٹتے وقت

مختصر،تاکہ جاتے ہوئے قدم زیادہ پڑیں اور ثواب زیادہ ملے۔معلوم ہوا کہ عیدگاہ پیدل جانا اور جاتے آتے راستہ بدلنا سنت ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بقرعید کے دن ہمیں خطبہ سنایا تو فرمایا کہ آج اس دن میں جس چیز سے ہم شروع کریں گے وہ یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں پھر لوٹیں تو قربانی کریں ۱؎ جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت کو پالیا،اور جس نے ہماری نماز سے پہلے ذبح کرلیا وہ گوشت کی بکری ہے جسے اس نے اپنے گھر والوں کے لیے ذبح کرلیا وہ قربانی نہیں ۲؎ (مسلم،بخاری) |

۱؎ یعنی بقرعید کے دن مقصودی عبادتیں دو ہیں:نماز اور قربانی،جن میں نماز پہلے ہے اور قربانی بعد میں،لہذا حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس دن غسل بھی نہ کرے۔

۲؎ علماءفرماتے ہیں کہ شہر جہاں نماز بقرعید ہوتی ہو وہاں نماز سے پہلے قربانی جائز نہیں،گاؤں جہاں نماز بقرعید نہیں ہوسکتی وہاں پو پھٹتے ہی قربانی جائز ہے اور قربانی کرنے والے کا نمازعید پڑھنا ضروری نہیں بلکہ شہرمیں کسی جگہ نماز ہوجانا کافی ہے اسی لیے سرکار نے نُصَلِّیْ فرمایا یُصَلِّیْ غائب کے صیغہ سے نہ فرمایا،لہذا اگر کہیں اول وقت نما زعید ہوگئی اس کے بعد ہم نے قربانی کی پھر عید پڑھنے عیدگاہ گئے توجائز ہے،یہ تمام مسائل اس حدیث سے لیے گئے،یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ نماز سے پہلے قربانی ہوتی ہی نہیں،امام شافعی کے وہاں ہوجاتی ہے مگر بہتر نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جندب ابن عبداللہ بجلی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو نماز سے پہلے ذبح کرے وہ اس کی جگہ دوسری ذبح کرے اورجس نے ہمارے نماز پڑھنے تک ذبح نہ کیا ہو وہ اللہ کے نام پر ذبح کرے ۱؎ (مسلم،بخاری) |

۱؎ یعنی نماز کے بعد اس کی قربانی درست ہے اس سے پہلے درست نہیں،ہمارے ہاں پہلے والی قربانی کا اعادہ واجب ہے،امام شافعی کے ہاں مستحب،یہ حدیثیں ان کے مخالف ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نماز سے پہلے ذبح کرے وہ اپنے لیے ذبح کرتا ہے جو نماز کے بعد ذبح کرے اس کی قربانی پوری ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کا طریقہ پالیا |

| | |
|---|---|
| | ۱؎(مسلم،بخاری) |

۱؎یعنی نماز سے پہلے کا ذبیحہ عادت ہے اور بعدنماز ذبیحہ عبادت۔اس حدیث سےمعلوم ہوتاہے کہ اگر نماز کے بعد خطبہ سے پہلے قربانی ہوجائے تو درست ہوگی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہےحضرت ابن عمرسے فرماتےہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں ذبح اور نحر فرماتے تھے ۱؎(بخاری) |

۱؎تاکہ لوگ آپ کو قربانی کرتے ہوئے دیکھیں اور اس کا طریقہ سیکھ لیں اور چونکہ فقراء وہاں جمع ہیں ان میں تقسیم کرنے میں آسانی ہو۔خیال رہے کہ حلقوم اور گلے کی رگوں کو چوڑائی میں کاٹنا ذبح ہے اور لمبائی میں چیرنا نحر،نحر صرف اونٹ کا ہوگا،اسے کھڑا کرکے ایک پاؤں ران سے باندھ دیتے ہیں،پھرتین پھل والا نیزہ گردن کے کنارے پر لگاتے ہیں اور اسے کھینچتے ہوئے سینہ تک لے جاتے ہیں،اونٹ میں نحرسنت ہے اور گائے،بکری وغیرہ میں ذبح۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہےحضرت انس سےفرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں تشریف لائے ا ور اہل مدینہ کے دو دن تھے جن میں وہ کھیلتے تھے فرمایا یہ دو دن کیسے ہیں وہ بولے کہ ہم ان دنوں میں زمانہ جاہلیت میں کھیلتے تھے۱؎ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے تمہیں ان کے عوض ان سے دو اچھے دن دیئے ہیں بقرعید اور عیدالفطر۲؎(ابوداؤد) |

۱؎ان میں سے ایک کا نام نیروز تھا یعنی سال کا پہلا دن،یہ فارسی لفظ ہے نوروز سے بنا اور دوسرے کا نام مہرجان تھا۔غالبًا نیروز جنوری کی پہلی تاریخ ہوتا ہوگا،اورمہرجان جولائی میں۔واللہ اعلم!ان لوگوں نے یہ دن مجوسیوں سے لیے ہوں گے جواصل میں فارسی النسل تھے۔

۲؎یعنی تم ان دنوں میں کھیلنے کودنے کے عوض ان دودنوں میں اللہ تعالٰی کی عبادتیں کرکے خوشی مناؤ۔خیال رہے کہ اب بھی کفار اپنے بڑے دنوں میں جوئے کھیلتے ہیں،شرابیں پیتے ہیں،ایک دوسرے پر رنگ ڈالتے ہیں،انسانیت سوز اور بے حیائی کے کام کرکے خوشیاں مناتے ہیں،اسلام میں ہر کام انسانیت بلکہ روحانیت کاہے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ عاشورہ کے دن خوشی کرنا خارجیوں کا طریقہ ہے،اور رنج و غم کرنا،سینہ کوٹنا رافضیوں کی حرکتیں،تم ان دونوں سے بچو۔الحمدللہ!حرمین شریفین میں اس دن میں یہ کچھ نہیں ہوتا،روافض نیروز کے دن خوشی مناتے ہیں،بہانہ یہ

کرتے ہیں کہ اس دن عثمان غنی شہید ہوئے تھے مگر درحقیقت یہ مجوسیوں کی نقل ہے۔علماء فرماتے کہ اگر نیروز کے دن کسی مجوسی کو ایک انڈا بھی ہدیۃً دیا اس دن کی تعظیم کے لیے تو دینے والا کافر ہوااور اس کے سارے اعمال ضبط ہوگئے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر کے دن نہ جاتے تھے حتی کہ کچھ کھالیتے اور بقرعید کے دن نہ کھاتے حتی کہ نماز پڑھ لیتے ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی) |

۱؎معلوم ہوا کہ عید کے دن کھاکر جانا اور بقرعید کے دن آکرکھانا سنت ہے۔بہتر یہ ہے کہ پہلے قربانی ہی کا گوشت کھائے۔مرقات اور فتح القدیر میں ہے بہتر یہ ہے کہ عید کے دن کوئی میٹھی چیز کھا کر جائے،لہٰذا سویاں،شیرخرمہ وغیرہ کھالینے سے بھی یہ سنت ادا ہوجائے گی۔بعض علماءفرماتے ہیں بہتریہ ہے کہ بقرعید کے دن عورتیں،بچے بھی نماز سے پہلے کچھ نہ کھائیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت کثیر ابن عبداللہ سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روای ۱؎کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازعیدین کی پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں کہیں اور دوسری میں قرأت سے پہلے پانچ ۲؎(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)۳؎ |

۱؎جن کا نام عمر ابن عوف مدنی ہے۔خیال رہے کہ کثیر ابن عبداللہ نہایت ضعیف راوی ہیں،بعض محدثین نے فرمایا کہ یہ کچھ نہیں،بعض نے فرمایا کہ یہ منکر الحدیث ہے،اکثر آئمہ حدیث نے ان پرطعن کیاہے۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎علاوہ تکبیر تحریمہ اورتکبیر رکوع کے۔اس حدیث سےمعلوم ہوا کہ عید کی تکبیریں پہلی رکعت میں سات ہیں دوسری میں پانچ اور دونوں رکعتوں میں قرأت سے پہلے ہیں،امام شافعی کا یہی مذہب ہے،ہمارے ہاں دونوں رکعتوں میں تکبیرعید تین تین ہیں پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے اور دوسری میں قرأت کے بعد،ہماری دلیل آگے آرہی ہے۔

۳؎تعجب ہے کہ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کیسے کہہ دیا کہ کثیر ابن عبداللہ کو تمام محدثین ضعیف کہتے ہیں۔چنانچہ ابوداؤدنے کہا یہ کذّاب ہے،امام شافعی نے فرمایا یہ جھوٹ کا ستون ہے،ابن حبان نے کہا کہ یہ جھوٹا ہے،ابو حاتم نے کہا کہ یہ متین نہیں،ابن عدی نے فرمایا کہ اس کی روایتوں پرکوئی دھیان نہیں دیتا۔ظاہر یہ ہے کہ حدیث ضعیف ہے،قابلِ استدلال نہیں۔(مرقاۃ)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جعفر ابن محمد سے(ا رسلًا)۱؎کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اورحضرات ابوبکروعمرنے عیدوں اور |

| | |
|---|---|
| | استسقاء میں سات اور پانچ تکبیریں کہیں اور خطبے سے پہلے نماز پڑھی اور قرأت اونچی کی ۲؎(شافعی) |

۱؎ آپ کا نام جعفر،لقب صادق ہے،آپ کے والد محمد،لقب باقر،ان کے والد علی ابن حسین،یعنی امام زین العابدین لہٰذا آپ امام حسین کے پڑ پوتے ہیں رضی اللہ عنہم۔

۲؎ یہ حدیث بھی امام شافعی کی دلیل ہے مگر دو طرح مجروح ہے:ایک یہ کہ امام جعفر صادق تابعی نہیں بلکہ تبع تابعین کے بھی بعد ہیں لہٰذا ان کی یہ حدیث مرسل نہیں ہوسکتی،نیز آپ نے حضرت صدیق وفاروق کو بھی نہیں دیکھا۔دوسرے یہ کہ بعض سندوں میں امام جعفر صادق کی یہ حدیث حضرت علی پر موقوف ہے مرفوع ہے ہی نہیں۔بہرحال حدیث موقوف ہو یا مرفوع اس میں کئی راوی چھوٹے ہوئے ہیں کیونکہ امام جعفر صادق نے علی مرتضٰی کی ملاقات بھی نہیں کی۔(از مرقاۃ)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت سعید ابن العاص سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید وبقر عید میں تکبیریں کیسے کہتے تھے تو ابوموسیٰ نے فرمایا کہ آپ نماز جنازہ کی طرح چار تکبیریں کہتے تھے ۲؎ حضرت حذیفہ نے کہا یہ سچے ہیں۔(ابوداؤد) |

۱؎ آپ اموی ہیں،قرشی ہیں،اللہ نے آپ کو اعلیٰ درجے کی سخاوت وفصاحت بخشی،عثمان غنی کے لیے مصحف قرآنی جمع کرنے والے آپ بھی تھے،آپ کا لب ولہجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہ تھا،جنگ بدر سے پہلے پیدا ہوئے،تابعی ہیں۔

۲؎ اس طرح کہ رکعت اول میں ایک تکبیر تحریمہ اور تین تکبیر عید اور دوسری رکعت میں تین تکبیر عید اور ایک تکبیر رکوع،یہی امام اعظم کا مذہب ہے۔ابن ہمام نے فرمایا کہ اس موقعہ پر ابوموسیٰ اشعری بولے کہ میں بصرے میں یوں ہی تکبیریں کہا کرتا ہوں۔خیال رہے کہ یہ حدیث درحقیقت دو حدیثوں کا مجموعہ ہے کیونکہ حضرت حذیفہ کا تصدیق کرنا مستقل حدیث ہے،نیز حضرت ابن مسعود ہمیشہ چار تکبیریں کہتے تھے،آپ کا یہی مذہب ہے۔خیال رہے کہ تکبیرات عید میں مختلف روایتیں ہیں اسی لیے اس میں اماموں کے مذہب مختلف ہیں۔چنانچہ امام مالک،احمد کے ہاں اول رکعت میں چھ دوسری میں چار،امام شافعی کے ہاں اول میں سات دوسری میں پانچ،ہمارے ہاں دونوں میں تین تین،ہمارے امام سیدنا ابن مسعود ہیں اور امام شافعی کے مقتداء عبداللہ ابن عباس،امام اعظم فرماتے ہیں کہ تکبیر اور رفع یدین خلاف معہود ہے اس لیے ہم نے کم کی روایت پر عمل کیا۔(اشعۃ اللمعات وغیرہ)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت براء سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عید کے دن کمان حاضر کی گئی آپ نے اس پر خطبہ پڑھا ۱؎(ابوداؤد) |

۱؎ یعنی کمان ہاتھ میں لےکر خطبہ پڑھا۔اس کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہےکہ جوشہر جنگ سے فتح ہوئے ہوں وہاں کمان یاتلوار پر خطبہ پڑھنا بہتر ہےاور جوشہر صلح سے حاصل ہوں وہاں عصاء پرخطبہ پڑھا جائے،لہٰذا یہ واقعہ مدینہ پاک کا نہیں ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عطا سے(ارسلًا)کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ پڑھتےتو اپنی لاٹھی پر ٹیک لگاتے تھے ۱؎(شافعی) | |

۱؎ یعنی مدینہ منورہ میں جمعہ یاعید کا خطبہ لاٹھی ہاتھ میں لےکر پڑھتے تھے کیونکہ یہ شہر جنگ سے فتح نہیں ہوا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میں عید کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں حاضر ہوا تو آپ نے خطبہ سے پہلے بغیراذان وتکبیرنماز شروع کی جب نماز پوری کرلی تو حضرت بلال پر ٹیک لگاکر کھڑے ہوگئے۱؎اوراللہ کی حمدوثناءکی لوگوں کووعظ ونصیحت فرمائی اور انہیں رب کی اطاعت پر رغبت دی اور عورتوں کی طرف تشریف لے گئے آپ کے ساتھ بلال تھے۲؎انہیں اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا اور انہیں وعظ و نصیحت فرمائی۔(نسائی) | |

۱؎ یعنی ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر خطبہ پڑھا نہ لاٹھی لی،نہ تلوارکمان وغیرہ یہ بھی جائز ہے۔

۲؎ اگر یہ واقعہ پردہ آنے سے پہلے کا ہے تو حضرت بلال بے حجاب عورتوں کے سامنے رہے اور اگر پردے کے احکام آنے کے بعد کاہے تو ظاہر یہ ہے کہ حضرت بلال اس طرح کھڑے ہوئے کہ نہ عورتوں کو آپ دیکھ سکے نہ عورتیں آپ کو۔سرکار کے عورتوں میں تشریف لے جانے کی وجہ پہلے عرض کی جاچکی ہے کہ مردوں کے وعظ میں بشارتیں زیادہ تھیں اورعورتوں کے وعظ میں ڈرانا زیادہ۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن جب ایک راستے سے تشریف لے جاتے تو دوسرے راستے سے لوٹتے ۱؎(ترمذی،دارمی) | |

۱؎اس حدیث کی شرح اور راستہ تبدیل کرنے کی حکمتیں پہلے بیان ہوچکیں۔خیال رہے کہ عیدکےدن امام اورتمام نمازی عیدگاہ کے راستے میں آہستہ تکبیرتشریق کہتے جائیں اور بقرعید میں بلند آواز سے،لیکن اگرعوام عیدمیں بلندآواز سے تکبیر کہیں تو منع نہ کروکیونکہ وہ پہلے ہی سے ذکراللہ میں کم رغبت رکھتے ہیں۔(مرقاۃ)کسی نے امام اعظم سے پوچھا کہ لوگ بقرعید کے زمانہ میں بازاروں میں تکبیریں کہتے پھرتے ہیں،فرمایا مت روکو۔ذکر بالجہر کی پوری تحقیق ہماری کتاب"جاءالحق"حصہ اول میں دیکھو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے ایک بار عید کے دن بارش ہوگئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز عید مسجد میں پڑھائی ۱؎(ابوداؤد،ابن ماجہ) |

۱؎یعنی آپ ہمیشہ نمازعید جنگل میں پڑھاتے تھے لیکن ایک بار بارش ہوگئی تو لوگوں کو جنگل جانا بھی گراں تھااور وہاں کوئی جگہ سایہ دار بھی نہ تھی اس لیے مسجد نبوی میں عید پڑھائی گئی۔علماء فرماتے ہیں کہ ہمیشہ ہر جگہ نمازعید جنگل میں پڑھنا بہتر ہےسوائے بارش کے،ہاں مکہ معظّمہ میں یہ نماز بھی حرم شریف میں افضل،مسلمانوں کا اسی پر ہمیشہ سے عمل رہا،صحابہ اور دیگر علماء نے اس پرکبھی اعتراض نہ کیاحتی کہ نمازجنازہ،استسقاءوغیرہ بھی حرم شریف میں بلاکراہت جائز ہیں،دوسری مساجدمیں نمازجنازہ مکروہ ہے،امام سیوطی نے درالمنثور میں فرمایا کہ آدم علیہ السلام کی نمازجنازہ دروازہ کعبہ کے پاس پڑھی گئی۔(ازمرقاۃ)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوحویرث سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو ابن حزم کو لکھا۱؎جب کہ وہ نجران میں تھے کہ بقرعید جلدی پڑھو اورعیدا لفطر دیر سے اور لوگوں کو وعظ کرو ۲؎(شافعی) ۳؎ |

۱؎ابوالحویرث کو بعض نے صحابی مانا ہے اوربعض نے تابعی۔صحیح یہ ہے کہ آپ تابعی ہیں،عمرو ابن حزم صحابی ہیں،انصاری ہیں،غزوہ خندق وغیرہ میں حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے،حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کے مشہور شہر نجران کا حاکم بناکربھیجا جب کہ آپ کی عمر صرف ۱۷ سال تھی۔

۲؎وجہ ظاہر ہے کہ عید کے دن فطرہ نماز سے پہلے دیاجاتاہے اور بقرعید کے دن قربانی نماز کے بعدہوتی ہے،نیز عید میں کھانا نماز سے پہلےکھایا جاتاہے اور بقرعید میں نماز کے بعد اس لیے نمازعید کچھ دیر سے پڑھنا بہتر ہے اور بقرعید جلدی۔خیال رہے کہ نماز عیدین کا وقت آفتاب چمکنے سے بیس منٹ بعد شروع ہوتا ہے،اور نصف النہار تک رہتا ہے۔

۳؎خیال رہے کہ اس حدیث کی اسناد میں ابراہیم ابن محمد ہیں جومحدثین کے نزدیک قوی نہیں،ابن حجر نے فرمایا کہ حدیث ضعیف ہے۔لیکن فضائل ومستحبات میں ضعیف حدیث قبول اور قابل عمل ہوتی ہےکیونکہ یہاں وقت مستحبہ کا ذکر ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عمیر ابن انس سے۱؎وہ اپنے چچاؤں سے راوی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں کہ ایک قافلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا انہوں نےگواہی دی کہ انہوں نےکل چاند دیکھ لیا ہے حضور نے حکم دیا کہ روزہ افطارکرلیں اورکل صبح عیدگاہ چلیں۲؎(ابوداؤد،نسائی) |

۱؎ آپ کا نام عبداللہ ہے،انس ابن مالک کے بیٹے ہیں،انصاری ہیں،بہت کم عمر تابعی ہیں،اپنے والدحضرت انس رضی اللہ عنہ کے بعد بہت عرصہ زندہ رہے۔

۲؎ طحاوی،دارقطنی اور ابن ماجہ نے فرمایا کہ یہ گواہی بعدزوال ہوئی تھی اور انتیسویں ۲۹ رمضان کو گردو غبار تھا،یہ حدیث امام اعظم کی بہت بڑی دلیل ہے۔نمازعید کا وقت زوال سے پہلے تک ہے نہ کہ شام تک کیونکہ اگر مغرب تک وقت ہوتا توحضورصلی اللہ علیہ وسلم آج ہی نماز پڑھادیتے۔خیال رہے کہ عیدالفطر کی نماز ایسے عذر میں دوسرے روز ہوسکتی ہے مگر تیسرے دن نہیں ہوسکتی،لیکن نماز بقرعید تین روز تک پڑھی جاسکتی ہے دسویں،گیارھویں،بارھویں۔(کتب فقہ)

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے ابن جریج سے ۱؎ فرماتے ہیں مجھے عطاء نے حضرت ابن عباس اور جابر ابن عبداللہ سے خبردی ان دونوں نے فرمایا کہ عید بقر کے دن اذان نہ کہی جاتی تھی پھر کچھ عرصہ بعد میں نے عطاء سے اس بارے میں پوچھا ۲؎ تو انہوں نے مجھے بتایا کہ مجھے جابر ابن عبداللہ نے خبردی کہ عید کے دن امام کے نکلتے وقت اور نکلنے کے بعد نہ تونماز کی اذان ہے نہ تکبیر،نہ عام اعلان نہ کچھ اور چیزیعنی اس دن نداء ہےنہ تکبیر ۳؎ (مسلم) |

۱؎ آپ کا نام عبدالملک ابن عبدالعزیز ابن جریج ہے،فقیہ ہیں،مکی ہیں،قرشی ہیں،اسلام میں پہلے مصنف ہیں ۱۵۰ھ؁ میں مکہ معظّمہ میں وفات پائی،آپ خود بھی تابعی ہیں اور آپ کے والد بھی۔

۲؎ یعنی اس مسئلہ کی تفصیل پوچھی کیونکہ اجمالًا علم تو پہلے ہوچکا تھا۔

۳؎ حق یہ ہے کہ ان دونوں جگہ نداء سے مراد اذان ہی ہے اور یہ جملہ گزشتہ کی تفسیر ہے کیونکہ نماز عید کے لیے اعلان گولہ داغنا،توپ چلانا،نوبت پیٹنا بالاتفاق جائزہے،صرف اذان وتکبیر منع ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن تشریف لے جاتے تو نماز سے ابتداء کرتے جب نماز پڑھ چکتے تو لوگوں پرمتوجہ ہوتے لوگ اپنے مقام پر بیٹھے ہوتے اگر سرکار کو لشکر بھیجنے کی ضرورت ہوتی تو لوگوں سے ذکر فرمادیتے یا آپ کو اس کے سوا کوئی اورضرورت ہوتی تو اس کا حکم فرمادیتے |

| | |
|---|---|
| ۱؎ اور فرماتے تھے خیرات کرو خیرات کرو خیرات کرو زیادہ خیرات کرنے والی عورتیں ہوتی تھیں ۲؎ پھر آپ واپس ہوتے معاملہ یوں رہا حتی کہ مروان ابن حکم کا زمانہ آیا ۳؎ تو میں مروان کی کمر میں ہاتھ ڈالے نکلا حتی کہ ہم عیدگاہ پہنچے تو دیکھا کہ کثیر ابن صلت نے کچی اینٹ و گارے کا منبر بنایا ہے ۴؎ اور مروان مجھ سے اپنا ہاتھ کھینچنے لگا شاید مجھے منبر کی طرف کھینچتا تھا اور اسے میں نماز کی طرف کھینچتا تھا جب میں نے اس کی یہ حرکت دیکھی تو میں بولا کہ نماز سے ابتداء کرنا کہاں گیا وہ بولا نہیں اے ابوسعید جو تمہارے علم میں ہے وہ اب چھوڑ دی گئی ۵؎ میں نے کہا ہرگز نہیں اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے جو چیز میرے علم میں ہے تم اس سے بہتر کوئی چیز نہیں لاسکتے ۶؎ (مسلم) | |

۱؎ یہ حدیث مع شرح پہلے گزر چکی۔پہلے عرض کیاجاچکا کہ نمازعیدین کے لیے نہ اذان ہے نہ تکبیر اور اس کا خطبہ بعد نماز ہوگا،اور عیدگاہ میں دینی کام کے انتظامات کئے جاسکتے ہیں۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ تاکید کے لیے تین بارخیرات کا حکم دیتے تھے اور یہ فرمان دوران خطبہ میں ہوتا تھایا ایک بار سامنے والوں سے فرماتے،دوسری بار داہنے والوں سے،تیسری بار بائیں والوں سےیا یہ مطلب ہے کہ اپنی دنیا کے لیے خیرات کرو،اپنے مُردوں کے لیےاور اپنی آخرت کے لیے خیرات کرو یا یہ کہ زکوۃ دو،فطرہ دو،صدقہ نفلی دو،عورتیں زیادہ خیرات اس لیے کرتی تھیں کہ وہ سن چکی تھیں کہ دوزخ میں ہم زیادہ دیکھی گئی ہیں۔

۳؎ یعنی خلفائے راشدین نے بھی خطبہ نمازعید کے بعد ہی رکھا۔خیال رہے کہ مروان ابن حکم ۲ھ میں یاخندق کے سال پیداہوا۔حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کونہ دیکھ سکالہٰذاوہ صحابی نہیں،یہ امیر معاویہ کے زمانہ میں مدینہ کاحاکم تھا۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی نے اپنے آخر خلافت میں اور امیر معاویہ نے خطبۂ عید نماز سے پہلے پڑھا مگر یہ غلط ہے جیسا کہ اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہورہاہے،نیز حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق وفاروق وعثمان وعلی رضی اللہ عنھم کے ساتھ نمازعیدپڑھی یہ سب حضرات خطبہ سے پہلے نمازپڑھتے تھے لہٰذااس بدعت کاموجد مروان ہی تھا۔

۴؎ یعنی اس سے قبل عیدگاہ میں منبر نہ تھا،مروان نے پہلے تو منبر رسول اللہ عیدگاہ میں لانا شروع کیا،اس پر اعتراضات ہوئے تو اس نے وہاں ہی منبر بنوایا،لہٰذا یہ حدیث اس روایت کے خلاف نہیں کہ مروان مسجد نبوی سے منبر منگواتا تھا۔خیال رہے کہ کثیر ابن صلت ابن سعدی کرب کندی حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوئے،ان کا نام قلیل تھاحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر کثیر رکھا۔

۵؎ یعنی میں جانتا ہوں کہ سنت یہی ہے کہ خطبہ نماز سے پیچھے ہولیکن اب مصلحت اورحکمت یہ ہے کہ نماز سے پہلے ہوکیونکہ اب لوگ نماز کے بعدخطبہ کے لیے بیٹھتے نہیں اسی لیے اس نے"تُرِكَ كَمَا تَرَكْتُ"نہ کہا یعنی مجرم اس کا میں نہیں ہوں،یہ جلد بازلوگ ہیں۔

٦؎ یعنی ان معمولی عذروں کی وجہ سے یہ سنت نہیں چھوڑی جاسکتی عام لوگ بیٹھیں یا نہ تم خطبہ بعدمیں ہی رکھو۔اس سے دومسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضرت عثمان یا امیرمعاویہ نے خطبہ ہرگز پہلے نہ پڑھا ورنہ ابوسعیدخدری یہ گفتگو نہ کرتے۔دوسرے یہ کہ زمانہ کی مصلحتوں کی وجہ سے سنتیں نہیں چھوڑی جاسکتیں۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو آج کہہ رہے ہیں کہ خطبہ،اذان،تکبیر بلکہ نماز بھی اردو زبان میں پڑھوکیونکہ لوگ عربی نہیں سمجھتے۔

## باب فی الاضحیۃ

### قربانی کاباب ۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱؎ اضحیہ ضحوٌ سے بنا،بمعنی دن چڑھنا اسی لیے نمازچاشت کو ضحیٰ کہاجاتاہے،چونکہ قربانی بقرعید کے دن شہروں میں قریبًا دوپہر ہی کو ہوتی ہے اس لیے اسے اضحیہ کہتے ہیں۔اس کی جمع اضاحی بھی ہے اور ضحایا بھی۔قربانی صرف بقرعید کے دنوں میں بہ نیتِ عبادت جانور ذبح کرنے کا نام ہے حج کے ذبیحے خواہ ہدی ہو یاقران و تمتع کاخون یا حج کے جرموں کاکفارہ ان میں سے کوئی قربانی نہیں کیونکہ حاجی مسافر ہوتے ہیں اورمسافر پرقربانی نہیں اسی لیے ان ذبیحوں کے نام ہی علیحدہ ہیں:دم قران،دم تمتع،دم جنایت،ہدی وغیرہ،شریعت میں انہیں اضحیہ کہیں نہیں کہا گیا،نیز وہ تمام جانور صرف حرم شریف میں ہی ذبح ہوسکتے ہیں،اور قربانی ہر جگہ حنفیوں کے نزدیک ہر مسلمان آزاد،مالدار مقیم پر قربانی واجب ہے،بعض اماموں کے ہاں سنت مؤکدہ ہے،امام صاحب کے ہاں غنی پر واجب ہے،فقیر پر سنت،مگر مذہب حنفی نہایت قوی ہے کیونکہ رب تعالٰی نے فرمایا:"فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ"یعنی آپ نماز پڑھیں اورقربانی کریں۔اَنْحَرْ صیغۂ امر ہے جو وجوب کے لیے آتاہے،نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ہمیشہ قربانی کی،نیز قربانی نہ کرنے والوں پر سخت ناراضی کا اظہار فرمایا۔لہذا حق یہ ہے کہ قربانی واجب ہے،اس زمانہ کے بعض بے دین ہندونواز مسلمان ہزارحیلہ بہانوں سے پاکستان میں قربانی روکنا چاہتے ہیں کبھی کہتے ہیں قربانی صرف مکہ میں ہے،حالانکہ رب نے فرمایا:"فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ"۔نماز مکہ سے خاص نہیں تو قربانی مکہ معظّمہ سے خاص کیوں ہوگی،کبھی کہتے ہیں کہ اس میں قوم کا پیسہ بہت برباد ہوتا ہے یہ رقم کالجوں،اسکولوں پرخرچ کی جائے،یعنی سینما،شادی بیاہ کی حرام رسوم،پان سگریٹ کے شوق قوم کو برباد نہیں کرتے قربانی کرتی ہے۔بہت ممکن ہے کہ یہ بے دین آئندہ اسی بہانہ سے حج بھی بند کرنے لگیں گے۔اصل حقیقت یہ ہے کہ بھارت کی حکومت گائے کی قربانی بندکرچکی ہے۔اب اس کا منشاء یہ ہے کہ اصل قربانی جو شعار اسلامی ہے ختم کردیا جائے،پھر نمازواذان بند کرنے کی باری آئے گی مگر اپنی بدنامی کے خوف سے اس نے یہ مسئلہ اپنے زرخرید پٹھوؤں کے ذریعہ پاکستان میں اٹھوایا تاکہ اگر یہاں بند ہوجائے تو وہاں آسانی سے بند ہوسکے مگر ان شاءاللہ تعالٰی دین مصطفوی کا چراغ ہمیشہ روشن رہے گا۔دیکھو مروان کی کوشش سے خطبہ عید نماز سے پہلے نہ ہوسکا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوچتکبرے سینگ والے بکروں کی قربانی | |

| | |
|---|---|
| | کی ۱؎ کہ انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا بسم اللہ و تکبیر کہی فرمایا کہ میں نے آپ کو ان بکروں کی کروٹوں پر اپنا قدم رکھے دیکھا ۲؎ آپ فرماتے تھے بسم اللہ واللہ اکبر۔(مسلم،بخاری) |

۱؎ ایک اپنی طرف سے اور ایک اپنے غریب امتیوں کی طرف سے جو قربانی پر قادر نہ ہوں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ایک قربانی سارے غریبوں کی طرف سے کافی ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سجدہ ان شاءاللہ تعالٰی ہم جیسے لاکھوں گنہگاروں کا بیڑا پار لگائے گا۔قربانی اگرچہ ایک ہے مگر کس کی ہے جو ساری مخلوق میں یکتا ہے۔

۲؎ اس طرح کہ جانور کو قبلہ رو لٹاکر اپنا داہنا پاؤں اس کے داہنے کندھے پر رکھا،بائیں ہاتھ سے اس کا سر پکڑا اور داہنے ہاتھ سے چھری چلائی۔خیال رہے کہ ذبح پر بِسۡمِ اللہ کہنا فرض ہے اور وَاللہُ اَکۡبَرۡ کہنا مستحب اور اس وقت درود شریف پڑھنا ہمارے ہاں مکروہ ہے،امام شافعی کے ہاں سنت۔(مرقاۃ)بہتر یہ ہے کہ جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرے اور اگر ذبح کرنا نہ جانتا ہو تو ذبح اور سے کرائے مگر سامنے موجود ہونا بہتر ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگ والے بکرے کا حکم دیا جو سیاہی میں چلے،سیاہی میں بیٹھے،سیاہی میں دیکھے ۱؎ آپ کی خدمت میں حاضر کیا گیا تاکہ اس کی قربانی کریں فرمایا عائشہ چھری لاؤ پھر فرمایا اسے پتھر پر تیز کرلو،میں نے کرلیا پھر آپ نے چھری پکڑی اور بکرا پکڑ کر لٹایا پھر اسے ذبح کیا پھر فرمایا بِسۡمِ اللہ ۲؎ الٰہی اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم و آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم و امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قبول فرما ۳؎ پھر اس کی قربانی کی ۴؎(مسلم) |

۱؎ یعنی اس کے پاؤں،سرین اور آنکھیں سیاہ ہوں باقی جسم پر کالے چٹے دھبّے۔

۲؎ یہ ثُمَّ رتبہ تاخیر کے لیے ہے نہ کہ واقعہ کی۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ ذبح پہلے کرلیا اور بسم اللہ بعد میں پڑھی۔(مرقاۃ)یا ذبح کے معنی ہیں ذبح کا ارادہ فرمایا۔(اشعہ)۔خیال رہے کہ جانور کو لٹاکر یا اسے دکھاکر چھری تیز نہ کی جائے۔

۳؎ یعنی قربانی کے ثواب میں انہیں بھی شریک فرمادے۔اس سے معلوم ہوا کہ اپنے فرائض وواجبات کا ثواب دوسروں کو بخش سکتے ہیں اس میں کمی نہیں آسکتی۔یہ حدیث کھانا سامنے رکھ کر ایصال ثواب کرنیکی قوی دلیل ہے کہ بکری سامنے ہے اور حضور اس کا ثواب اپنی آل اور امت کو بخش رہے ہیں۔

۹؎ یعنی اس کاگوشت پکاکر لوگوں کی دعوت کی۔لغت میں ضحے کے معنی ہیں دوپہر کا کھانا کھلانا،یہاں لغوی معنی میں ہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سال سے کم جانور ذبح نہ کرو مگر جب کہ دشوار ہو تو بھیڑ کا چھ ماہ کا بچہ ذبح کرو ۱؎(مسلم) | |

۱؎ یہ معنی بہت موزوں ہیں کیونکہ بکری ایک سال سے کم،گائے دو سال سے کم اور اونٹ پانچ سال سے کم کا جائز نہیں ان عمروں میں ان سب جانوروں کا نام **مسنہ** ہوتا ہے۔بھیڑ کا چھ۶ ماہ کا بچہ اگر موٹا تازہ ہو جو ایک سال کی بکریوں سے مل جائے تو قربانی جائز ہے۔خیال رہے کہ **معز** بکری،بھیڑ،دنبہ سب کو شامل ہے،غنم صرف بکری کا نام ہے اور ضان بھیڑ اور دنبہ کا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک سال کی بکری کی قربانی چھ۶ مہینہ کی بھیڑ کی قربانی سے افضل ہے۔مرقاۃ نے یہاں فرمایا کہ افضل قربانی اونٹ کی ہے،پھر گائے کی،پھر بکری کی،پھر بھیڑ کی۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عامر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کچھ بکریاں صحابہ میں قربانی کے لیئے تقسیم فرمانے کو دیں ۱؎ تو ایک شش ماہیہ بکری کی بچی اس کا ذکر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا آپ نے فرمایا اس کی قربانی تم کرلو۔ایک روایت میں ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے چھ ماہ کا ملا فرمایا قربانی کرلو ۲؎(مسلم،بخاری) | |

۱؎ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ میں قربانی کے جانور تقسیم فرماتے تھے لہذا اب بھی اگر کوئی امیر لوگوں میں جانور تقسیم کرے اور لوگ اس کی قربانی کریں تو جائز ہے۔

**لطیفہ**:اس زمانہ کی قربانی بند کرنے والوں نے حکومت پاکستان کو مشورہ دیا ہے کہ وہ بزور حکومت ملک میں قربانی بند کرادے۔ہم مؤدّبانہ اہلِ حکومت سے عرض کرتے ہیں کہ وہ ہر سال اپنے بجٹ سے قربانی کے جانور مسلمانوں میں تقسیم کیا کرے اس کے لیئے ایک فنڈ رکھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی بند نہیں کی تقسیم کی ہے۔

۲؎ **عتود** چھ ماہہ بکری کو بھی کہتے ہیں اور چھ ماہہ بھیڑ کو بھی یہاں بکری مراد ہے اسی لیئے حضرت عقبہ نے تعجب سے پوچھا کہ میں یہ قربانی کیسے کروں،نیز ابوبردہ کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ قربانی صرف تمہیں جائز ہوگی اوروں کو نہیں،یہاں شیخ نے اشعہ میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام شرعیہ سپرد کردیئے گئے جس پر جو چاہیں حکم جاری فرمادیں یعنی آپ بعطائے الٰہی مالک احکام ہیں۔اس کی تحقیق ہماری کتاب "سلطنت مصطفی" میں دیکھو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں ذبحہ ونحر فرماتے تھے ۱؎(بخاری) |

۱؎تاکہ لوگوں کو قربانی کا طریقہ آجائے اور قربانی شائع ہوجائے۔خیال رہے کہ یہ عیدگاہ مدینہ پاک تھی نہ کہ مکہ معظّمہ کی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظّمہ میں نہ کبھی عید پڑھی نہ عید کی قربانی کی۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ قربانی صرف مکہ معظّمہ میں ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گائے سات کی طرف سے ہے اوراونٹ سات کی طرف سے ۱؎(مسلم وابوداؤد)لفظ ابوداؤد کے ہیں۔ |

۱؎یعنی گائے اور اونٹ کی قربانی میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں بشرطیکہ ان میں سے کوئی گوشت یاتجارت گوشت کے لیئے شریک نہ ہو یا سارے قربانی کرنے والے ہوں یا بعض عقیقہ والے۔خیال رہے کہ حنفی اور شافعی سب اس پر متفق ہیں کہ گائے اور اونٹ میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں،صرف اسحٰق ابن راہویہ کہتے ہیں کہ اونٹ میں دس آدمی شریک ہوسکتے ہیں،یہ حدیث احناف اور شوافع کی دلیل ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب عشرہ آجائے تو تم میں سے کوئی قربانی کرناچاہے تو اپنے بال وکھال کو بالکل ہاتھ نہ لگائے ۱؎اور ایک روایت میں ہے نہ بال لے نہ ناخن کاٹے،ایک روایت میں ہے کہ جو بقرعید کاچاند دیکھے اورقربانی کرناچاہے تو نہ اپنے بال لے نہ ناخن ۲؎(مسلم) |

۱؎یعنی جو امیر وجوبًا یا فقیر نفلًا قربانی کا ارادہ کرے وہ بقرعید کا چاند دیکھنے سے قربانی کرنے تک ناخن بال اور مردار کھال وغیرہ نہ کاٹے نہ کٹوائے تاکہ حاجیوں سے قدرے مشابہت ہوجائے کہ وہ لوگ احرام میں حجامت نہیں کراسکتے اور تاکہ قربانی ہربال ناخن کا فدیہ بن جائے،یہ حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں،لہذا قربانی والے پرحجامت نہ کرانا بہتر ہے لازم نہیں،اس سے معلوم ہوا کہ اچھوں سے مشابہت بھی اچھی ہے۔

۲؎بلکہ جو قربانی نہ کرسکے وہ بھی اس عشرہ میں حجامت نہ کرائے،بقرعید کے دن بعد نماز حجامت کرائے تو ان شاءاللہ ثواب پائے گا،جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔خیال رہے کہ مَنْ اَرَادَ سے بعض شوافع فرماتے ہیں کہ قربانی واجب نہیں صرف سنت ہے ورنہ یہ کیوں فرمایا جاتا کہ جو قربانی کرنا چاہے وہ حجامت نہ کرائے اور کہتے ہیں کہ حضرت صدیق و فاروق قربانی نہیں کرتے تھے تاکہ لوگ اسے واجب نہ سمجھ جاویں،مگر یہ دلیل بہت کمزور ہے کیونکہ حدیث شریف میں نماز جمعہ کے اور حج کیلیئے بھی مَنْ اَرَادَ ارشاد ہوا ہے کہ فرمایا جو جمعہ پڑھنا چاہے وہ غسل کرے جو حج کرنا چاہے وہ جلدی کرے حالانکہ جمعہ بھی فرض ہے اور حج بھی،چونکہ جمعہ و حج ہر شخص پر فرض نہیں

اور قربانی ہر شخص پر واجب نہیں اسی لیے اس طرح ارشاد ہوا،اورحضرت صدیق وفاروق کا قربانی نہ کرنا کہیں ثابت نہیں۔(مرقاۃ)

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ زمانہ کوئی نہیں جن میں نیکیاں رب کو اس دن سے زیادہ پیاری ہوں۱لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ نہ اللہ کی راہ میں جہاد فرمایا نہ اللہ کی راہ میں جہاد سوائے اس کے جو اپنا جان و مال لے کر نکلا اور کچھ واپس نہ لایا ۲(بخاری) | |

۱یعنی بقر عید کے پہلے عشرہ میں رب تعالٰی کو بندوں کے نیک عمل بہت پیارے ہیں جن پر بہت ثواب دے گا کیونکہ یہ زمانہ حج کا ہے اور اسی عشرہ میں عرفہ کا دن ہے جو تمام دنوں سے بہتر ہے ماہ رمضان کی آخری دس راتوں میں نیکیاں بہت قبول ہیں کہ یہ زمانہ اعتکاف ہے اور اس میں شب قدر ہے،رب تعالٰی نے فرمایا:"وَ لَیَالٍ عَشْرٍ"دس راتوں کی قسم۔خیال رہے کہ دن تو بقرعید کے اول عشرہ کے افضل ہیں اور راتیں رمضان کے آخری عشرہ کی افضل،اسی لیے یہاں اَیَّام فرمایا گیا اورقرآن شریف میں لیال،لہذا قرآن وحدیث متعارض نہیں۔اس سےمعلوم ہوا کہ افضل دنوں میں عبادت بھی افضل ہے،اسی لیے شب معراج،شب برات،شبِ میلاد میں عبادات افضل ہیں کہ یہ افضل راتیں ہیں۔

۲یعنی بقرعید کے پہلے عشرہ کے اعمال دوسرے زمانہ کے جہاد سے افضل ہیں،ہاں یہ جہاد جس میں غازی جان و مال سب کچھ قربان کردے یہ اس عشرہ کی نیکیوں سے افضل ہے۔معلوم ہوا کہ اس عشرہ کا جہادتو بہت ہی افضل ہوگا۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوخصی چتکبرے سینگ والے بکرے بقرعید کے دن ذبح کیے۱جب انہیں قبلہ رو لٹایا تو فرمایا کہ میں نے اپنے کو اس کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمان و زمین پیدا کیے دین ابراہیمی پر ہوں ہر بے دینی سے الگ مشرکوں میں سے نہیں ہوں۲یقینًا میری نماز میری قربانی میری زندگی اور میری موت رب العلمین | |

| | |
|---|---|
| | کے لیئے ہے اس کا کوئی شریک نہیں مجھے اسی کا حکم ملا اور میں مطیعین سے ہوں۳؎ الٰہی یہ تجھ سے ہے اور تیرے لیئے ہے محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کی طرف سے۴؎ بسم اللہ اللہ اکبر،پھر ذبح فرمایا۔(احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)اوراحمد،ابوداؤد و ترمذی کی دوسری روایت میں ہے کہ اپنے ہاتھ سے ذبح فرمایا اورکہا بسم اللہ اکبر الٰہی یہ میری طرف سے اور میرے اس امت کی طرف سے جو قربانی نہ کرسکے ۵؎ |

۱؎ مدینہ منورہ میں،کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقعہ پر تو سو اونٹ ذبح کیے تھے نہ دو بکرے اور مکہ معظّمہ کی دوسری قربانیاں حضرت جابر نے دیکھی نہیں کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ انصاری ہیں،مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دیکھتے تھے۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ قربانی صرف مکہ مکرمہ میں چاہیئے اور کہیں نہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خصی جانور کی قربانی جائز ہے کہ خصی ہونا عیب نہیں بلکہ کمال ہے کہ خصی کا گوشت اعلٰی ہوتا ہے،یوں ہی خصی بیل،خصی بھینسے کی بھی قربانی درست ہے۔

۲؎ علماءفرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالٰی نے ہمیشہ یعنی نبوت کے ظہورسے پہلے اور بعد شرک وکفر اور گناہ سے محفوظ رکھااور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اول عمر ہی سے عابدوزاہد تھے،کسی عبادت میں کسی دوسرے نبی کی اتباع نہ کی بلکہ ظہورنبوت سے پہلے دین ابراہیمی کی عبادتیں کرتے تھے جو اسلامی عبادات کے مطابق تھیں۔جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم غارِحرا میں اعتکاف وعبادات کررہے تھے۔(شامی وغیرہ)

۳؎ یہ قرآن کریم کی آیت ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ نماز شروع کرتے وقت اور قربانی کرتے وقت پڑھا۔یہاں نسک سے مراد قربانیاں ہیں ورنہ اس موقعہ پر یہ آیت پڑھنا درست نہ ہوتا۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ قربانی کا ثبوت قرآن سے نہیں۔خیال رہے کہ نُسُك جمع ہےنَسِيْكه کی،اس کے معنی اعمال حج بھی ہیں اور قربانیاں بھی مگر یہاں قربانی مراد ہےاس کی تفسیر وہ آیت ہے"فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ"۔

۴؎ یعنی خدایا یہ قربانی تیری توفیق سے تیرے راضی کرنے کے لیئے کررہا ہے،اسے میرے اورمیری امت کی طرف سے قبول فرما،اس کی شرح ہوچکی۔

۵؎ یعنی تا قیامت فقرائے امت کی طرف سے میری یہ دوسری قربانی ہے،اب امرائے امت کو چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی قربانی کیا کریں۔اس سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ قربانی واجب ہے اور مالی عبادات میں نیابت جائز ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت حنش سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کو دیکھا کہ آپ دو بکرے قربانی دیتے تھے |

| | |
|---|---|
| میں نے عرض کیا یہ کیافرمایا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ میں آپ کی طرف سے بھی قربانی کیا کروں لہٰذا میں حضور کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۱؎(ابوداؤد)اور ترمذی نے اس کی مثل۔ | |

۱؎ظاہر یہ ہے کہ حضرت علی تین بکرے قربانی کرتے تھے دوحضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مطابق آپ کی حیات شریف کے اور ایک اپنی طرف سے۔اس سے معلوم ہوا کہ بعد وفات مرحوم کی طرف سے قربانی دیناجائزہے،ہاں اگر میت کی قربانی ہوتو اس کا سارا گوشت خیرات کردیا جائے اگر وارث اپنی جانب سے محض ثواب کے لیئے میت کی طرف سے قربانی کرے تو خود بھی کھائے اور فقراءوامیر سب کو کھلائے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی قربانی توتبرک ہے،مسلمان برکت کے لیئے کھائیں،آج بھی بعض خوش نصیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرتے ہیں،ان کی اصل یہ حدیث ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم آنکھ،کان،دیکھ لیں ۱؎نہ اگلے کان کٹے کی قربانی کریں نہ پچھلے کی نہ کان چرے کی نہ کان پھٹے کی۲؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،دارمی،ابن ماجہ)ابن ماجہ کی روایت اُذن پر ختم ہوگئی۔ | |

۱؎آنکھ کان سے مراد سارے اعضاء ظاہری ہیں قربانی کے لیئے وہ جانور خریدا جائے جس کے کسی عضو میں کوئی ایسا عیب نہ ہو جو اس کے حسن میں کمی پیدا کرے یا جسم میں نقصان،لہٰذا اندھا،کانا،لنگڑا،دم کٹا،بہت دبلا وغیرہ جانور قربان نہ کیا جائے ان عیوب کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھو۔

۲؎لمبائی میں چرے کان کو شرقاء کہتے ہیں اور چوڑائی میں چرے کان کو خرقاء اس میں اکثر کان کا اعتبار ہے یعنی اگر آدھے سے زیادہ کان سلامت ہے اور آدھے سے کم چرا پھٹایا کٹا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے اور اس کے برعکس کی ناجائز،یونہی سینگ ٹوٹے کا بھی حال ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ ہم ٹوٹے سینگ اور کٹے کان والے کی قربانی کریں ۱؎(ابن ماجہ) | |

۱؎کیونکہ اس سے جانور کے حسن میں کمی ہوتی ہے۔خیال رہے کہ بنڈے اور بوچے جانور کی قربانی جائز ہے،یعنی جس کے پیدائشی سینگ نہ ہوں یا کان چھوٹے ہوں کیونکہ اعضب وہ کہلاتا ہے جس کے کان یاسینگ کٹے ہوں،جس کے سینگوں کاچھلکا اتر گیا ہو،مغز باقی ہو اس کی قربانی جائزہے کیونکہ وہ بھی اعضب نہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کن قربانیوں سے بچنا | |

| | |
|---|---|
| | چاہیے تو آپ نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا چار سے ۱؎ لنگڑے سے جس کا لنگ ظاہر ہو،کانے سے جس کا ناپن ظاہر ہو۲؎ بیمار سے جس کی بیماری ظاہر ہو اور دبلے سے جو ہڈی میں سپنگ نہ رکھتا ہو۳؎(مالک،احمد،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،دارمی) |

۱؎ یہ چار اصولی عیب ہیں جس میں بہت سے فروعی عیب شامل ہیں،لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں زیادہ عیوب کا ذکر ہے۔

۲؎ یعنی وہ لنگڑا جانور جو قربانی گاہ تک نہ جاسکے اور وہ کانا جس کی ایک آنکھ کی روشنی بالکل جاتی رہی ہو اس سے کم لنگ اور ایک آنکھ میں معمولی پھلی وغیرہ کا ہونا مضر نہیں۔

۳؎ مرض ظاہر ہونے کے یہ معنے ہیں کہ چارہ نہ کھائے اور سپنگ نہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ دبلے پن کی وجہ سے کھڑی نہ ہوسکے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے اندرونی عیب جو محسوس نہ ہوں مضر نہیں،فقہاء فرماتے ہیں کہ دیوانہ جانور جس کی دیوانگی ظاہر ہو اس کی قربانی نہ کی جائے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سینگ والے بکرے کی قربانی کرتے تھے جو سیاہی میں دیکھے،سیاہی میں کھائے اور سیاہی میں چلے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ) |

۱؎ کیونکہ ایسا جانور بہت حسین ہوتا ہے،علماء فرماتے ہیں کہ موٹے اور سرگیں آنکھ والے بکرے کی قربانی افضل ہے اور قربانی میں زیادہ گوشت دیکھو زیادہ چربی نہ دیکھو۔ایک موٹے بکرے کی قربانی دو دنبوں کی قربانی سے افضل ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت مجاشع سے جو بنی سلیم سے ہیں ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ بھیڑ کا شش ماہیہ بچہ اس میں کفایت کرتا ہے جس میں بکری کا ایک سالہ بچہ کافی ہو۲؎(ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ) |

۱؎ آپ کا نام مجاشع ابن مسعود ابن ثعلبہ ابن وھب سلمی ہے،صحابی ہیں،مہاجر ہیں،حضرت مجالد کے بھائی ہیں۔

۲؎ یعنی بھیڑ اور دنبہ کے شش ماہہ موٹے بچہ کی قربانی جائز ہے اگر ایک سالہ بکریوں سے مل جائے،اس کی شرح پہلے گزر چکی۔جذع اور ثنی کے معنی کی تحقیق پہلے کی جاچکی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا بھیڑ کے شش ماہے بچہ کی قربانی اچھی ہے ۲؎(ترمذی) |

۱؎ یہ اس لیئے فرمایا کہ لوگ اس کی قربانی میں تامل اور دغدغہ نہ کریں کیونکہ بظاہر اس کی قربانی جائز نہ معلوم ہوتی تھی۔اس حدیث کی بناء پر تمام علماء بلکہ صحابہ کرام کا اتفاق ہے کہ شش ماہہ دنبہ یا بھیڑ کی قربانی جائز ہے۔(لمعات)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے ۱؎ کہ بقرعید آگئی تو ہم گائے میں سات اور اونٹ میں دس آدمی شریک ہوگئے ۲؎ (ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ |

۱؎ اس طرح کہ کسی جگہ پندرہ روز کی نیت سے ٹھہر گئے تھے،ورنہ مسافر پر قربانی واجب نہیں،یا یہ قربانی استحبابًا کی گئی،جیسے بعض حجاج اپنے اور اپنے مرحوم عزیزوں کی طرف سے مکہ معظّمہ میں قربانی دے دیتے ہیں۔

۲؎ اسحاق ابن راہویہ کا یہی مذہب ہے،ان کے علاوہ باقی تمام امام اس پر متفق ہیں کہ اونٹ کی قربانی میں بھی سات ہی آدمی شریک ہوسکتے ہیں،یہ حدیث اس گزشتہ حدیث سے منسوخ ہے جو پہلے گزرچکی کہ گائے اور اونٹ سات سات کی طرف سے جائز ہے۔(لمعات)مرقات نے فرمایا کہ عبداللہ ابن عباس کی بعض روایات میں یوں بھی ہے کہ ہم اونٹ میں سات یادس شریک ہوئے،لہذا شک کی بنا پر یہ حدیث قابل عمل نہیں،نیز یہ حدیث حسن غریب ہے اور سات کی روایات نہایت صحیح،لہذا اس کے مقابل یہ حدیث متروک ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان بقرعید کے دن کوئی ایسی نیکی نہیں کرتا جو خون بہانے سے خدا کو زیادہ پیاری ہو ۱؎ یہ قربانی قیامت میں اپنے سینگوں بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گی ۲؎ اورخون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے ہاں قبول ہوجاتاہے لہذا خوش دلی سے قربانی کرو ۳؎ (ترمذی،ابن ماجہ) |

۱؎ اس سےمعلوم ہوا کہ قربانی میں مقصود خون بہاناہےگوشت کھایا جائے یا نہ کھایا جائے لہذا اگر کوئی شخص قربانی کی قیمت ادا کردے یا اس سے دگنا تگنا گوشت خیرات کردے،قربانی ہرگز ادا نہ ہوگی اور کیوں نہ ہو کہ قربانی حضرت خلیل اللہ کی نقل ہے،انہوں نے خون بہایا تھا گوشت یا پیسے خیرات نہ کیے تھے اور نقل وہی درست ہوتی ہے جو مطابق اصل ہو۔خیال رہے کہ اسلام سے پہلے قربانی کاگوشت کھاناحرام تھا اسے غیبی آگ جلاجاتی تھی مگر قربانی کا حکم تھا،اب کتنے بے وقوف ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں اتنی قربانیاں نہ کرو جن کا گوشت نہ کھایا جاسکے۔

۲؎ اور قربانی کرنے والے کے نیکیوں کے پلے میں رکھی جائے گی جس سے نیکیاں بھاری ہوں گی۔(لمعات)پھر اس کے لیئے سواری بنے گی جس کے ذریعہ یہ شخص بآسانی پل صراط سے گزرے گا اور اس کا ہر عضو مالک کے ہر عضو کافدیہ بنے گا۔(مرقاۃ)

۳؎ یعنی اور اعمال توکرنے کے بعد قبول ہوتے ہیں اورقربانی کرنے سے پہلے ہی،لہذا قربانی کو بیکارجان کر یاتنگ دلی سے نہ کرو ہر جگہ عقلی گھوڑے نہ دوڑاؤ۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی زمانہ ایسا نہیں جس میں خدا تعالٰی کو اپنی بقرعید کے عشرہ کی عبادت سے زیادہ پیاری ہو اس زمانہ کے ہردن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابرہوتاہے اور اس کی ہر رات کا قیام شبِ قدر کے قیام کے برابر ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد ضعیف ہے ۲؎ |

۱؎ یہ حدیث بالکل اپنے ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں اتنے ثواب بخش دینا رب تعالٰی کے کرم سے بعیدنہیں،کیوں نہ ہو کہ ان دنوں حضرت خلیل نے اپنے فرزند کی قربانی دی تھی اور حاجی حج بھی اسی زمانہ میں کرتے ہیں،اچھوں کی نسبت سے زمان اور زمیں بھی اچھے بن جاتے ہیں۔خیال رہے کہ اس حدیث سے دسویں بقرعید خارج ہے کہ اس دن روزہ حرام ہے۔

۲؎ کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف قبول ہے،نیز بیہقی وغیرہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے اسی کی مثل روایت کی،اس کی وجہ سے یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جندب ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں کہ میں بقرعید یعنی قربانی کے دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضرہوا تو ابھی آپ نماز سے آگے نہ بڑھتے تھے نماز سے فارغ ہوتے ہی تھے سلام ہی پھیرا تھا کہ قربانیوں کے گوشت دیکھے جو آپ کے نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ذبح کردی گئی تھیں ۱؎ تو فرمایا کہ جس نے نماز سے پہلے یا ہماری نماز سے پہلے ذبح کرلیا ہوتو وہ اس کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرے اور ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بقرعید کے دن نماز پڑھی پھرخطبہ پڑھا پھرقربانی کی اور فرمایا کہ جس نے نماز سے پہلے قربانی کرلی وہ اس کی جگہ دوسری قربانی |

| | |
|---|---|
| | کرے اورجس نے قربانی نہ کی ہوتو وہ اللہ کے نام پر قربانی کرے ۲؎(مسلم،بخاری) |

۱؎غالبًا یہ جانور ان لوگوں نے ذبح کیے ہوں گے جن پر نمازعید نہ تھی یا نمازعید شروع ہونے سے پہلے ذبح کردی گئی ہوں گی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد نماز انہیں دیکھا ہوگا لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ان ذبح کرنے والوں نے نماز عیدکیوں نہ پڑھی۔یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ لوگ پہلے ہی اور جگہ نمازعید پڑھ چکے ہوں گے کیونکہ اس زمانہ میں یہ نماز صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہوتی تھی،نیز اگر ایسا ہوتا تو سرکار قربانی لوٹانے کا حکم نہ دیتے۔

۲؎اس کی شرح پہلے گزرچکی کہ شہرمیں جہاں نمازعید شرعًا ہوتی ہو وہاں قربانی کا وقت نماز عید کے بعدشروع ہوتاہے اور گاؤں میں نمازعید جائزنہیں،وہاں دسویں تاریخ کی پوپھٹنے سے شروع ہوجاتا ہے اور بارھویں کے آفتاب ڈوبنے تک رہتا ہے،یعنی شہر اور گاؤں ابتداءمیں علیحدہ ہیں انتہاءمیں یکساں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت نافع سے کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا قربانی بقرعید کے بعد دو دن تک ہے۔(مالک)اور فرمایا کہ مجھے حضرت علی ابن ابی طالب سے اس کی مثل روایت پہنچی ۱؎ |

۱؎یہ حدیث امام ابوحنیفہ،مالک و احمدکی قوی دلیل ہے کہ قربانی بارھویں کے آفتاب ڈوبنے تک ہے،امام شافعی کے ہاں تیرھویں کی عصر تک،یہ حدیث اگر چہ موقوف ہے مگر مرفوع کے حکم میں ہےکیونکہ یہ بات عقل سے نہیں کہی جاسکتی،تیرھویں تاریخ کی کوئی روایت صحیح نہیں ملتی،اگر ہوبھی تو قابل عمل نہ ہوگی کیونکہ بارھویں تک قربانی کا یقین ہے اورتیرھویں میں شبہ۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ شریف دس سال قیام کیا قربانی کرتے رہے۱؎(ترمذی) |

۱؎ہرسال۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ قربانی واجب ہے ورنہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کبھی نہ کبھی بیان جواز کے لیئے قربانی چھوڑتے۔دوسرے یہ کہ قربانی صرف مکہ معظّمہ میں ہی نہیں ہر جگہ ہوگی۔اس سے آج کل کے ہندونواز مسلمانوں کو عبرت چاہیئے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت زیدابن ارقم سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ قربانیاں کیاہیں فرمایا تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ۱؎عرض کیا کہ ان میں ہمیں کیا ملے گافرمایا ہربال کے عوض نیکی عرض کیا کہ اون یارسول اللہ |

| | |
|---|---|
| | تو فرمایا کہ اون کے ہر بال کے عوض نیکی ۲؎(احمد،ابن ماجہ) |

۱؎ جس کی ابتداءفرزند کے ذبح سے ہوئی اور آپ آخر تک کرتے رہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال طیبہ کو سنت کہتے ہیں اور گزشتہ انبیاء کے طریقہ کو فطرت لہذا قربانی سنت و فطرت ہے۔

۲؎ پوچھنے والوں کو خیال یہ ہوا کہ اون کے بال تو بہت زیادہ ہوتے ہیں،اتنی نیکیاں ایک قربانی میں کیسے مل جائیں گی۔جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ دینے والا بڑا کریم ہے،وہ اپنے کرم سے اس سے بھی زیادہ دے تو کون اسے روک سکتا ہے۔اس سے بھی معلوم ہوا کہ قربانی کی بجائے قیمت یا بازار سے گوشت خرید کر خیرات نہیں کرسکتے کیونکہ پھر ثواب کے لیے بال کہاں سے آئیں گے۔

## باب العتيرة

### عتیرہ کاباب ۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱عتیرہ اس مذبوح جانور کا نام ہے جو اہل عرب ماہ رجب میں بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے،شروع اسلام میں مسلمان بھی ماہ رجب میں اللہ کے لیے ذبح کرتے تھے جسے رجبیہ کہتے تھے۔قربانی سے عتیرہ کی سنیت منسوخ ہوگئی،اباحت اب بھی باقی ہے۔جس ماہ جس دن چاہواللہ کے نام پر اللہ کے لیے جانور ذبح کرو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایانہ فرع ہے نہ عتیرہ ۱فرماتے ہیں کہ فرع وہ پہلا بچہ تھا جانور کا جوان کے ہاں پیدا ہوتا جسے اپنے بتوں کے لیے ذبح کرتے تھے اورعتیرہ رجب میں تھا ۲(مسلم،بخاری) |

۱یعنی اسلام میں فرع توبالکل حرام ہے اورعتیرہ کا ثواب نہیں کیونکہ فرع تو بتوں کے لیے ہی ذبح ہوتا تھا مگر عتیرہ کفار بتوں کے لیے کرتے تھے،مسلمان اللہ کے لیے۔فرع کی تفسیرخودحدیث میں آگے آرہی ہے۔

۲جسے کفاربتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے اوراس کا خون بتوں پر ملتے تھے اورمسلمان اللہ کے لیئے لہٰذا فرع اسلام میں کبھی نہیں ہوا،عتیرہ پہلے تھا اور بعدمیں منسوخ ہوگیا۔حضرت نبیشہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے حضورصلی اللہ علیہ وسلم سےعتیرہ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ جس مہینہ میں چاہو اللہ کے لیے ذبح کرو اللہ کے لیے کھلاؤ۔ابن سیرین رجب میں جانور ذبح کرتے تھے۔(مرقاۃ)معلوم ہواکہ اس کا وجوب یا سنیت منسوخ ہے،اباحت باقی ہے۔

### الفصل الثانی

### دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہےحضرت مخنف بن سلیم سےفرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ کے ساتھ عرفہ میں ٹھہرے تھے کہ میں نے آپ کو فرماتے سنا اے لوگوں ہرگھر والے پر ہر سال ایک |

| | |
|---|---|
| | قربانی ہے اور ایک عتیرہ فرمایا کیا جانتے ہو عتیرہ کیا ہے یہ وہی ہے جسے تم رجبیہ کہتے ہو ۱؎ (ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)اورترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے،اسناد ضعیف ہے ۲؎ اور ابوداؤدنے فرمایا کہ عتیرہ منسوخ ہے۔ |

۱؎ اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ عتیرہ قربانی کی طرح واجب ہے،قربانی سے منسوخ ہوا کیونکہ حجۃ الوداع کے بعد کوئی اسلامی حکم منسوخ نہیں ہوا،لیکن یہ حدیث بالکل ضعیف ہے،نیز احادیث صحیحہ کے مخالف ہے۔ابھی مسلم،بخاری کی حدیث گزر چکی کہ نہ فرع ہے نہ عتیرہ بلکہ ہرگھر والے پر تو قربانی بھی واجب نہیں،وہ بھی امیروں پر ہی واجب ہے۔اور اس سے معلوم ہورہا ہے کہ ہر ایک پر واجب ہے۔

۲؎ کیونکہ مخنف ابن سلیم سے روایت کرنے والے صرف ابورملہ ہیں اور وہ محدثین کے نزدیک بالکل مجہول ہیں،عتیرہ کے متعلق ابوداؤدوغیرہ میں روایات ہیں جن سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے بقرعید کے دن عیدمنانے کاحکم ملا جسے اللہ نے اس امت کے لیے مقرر کیا ۱؎ ایک شخص نے آپ سے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایئے تو اگر میں عاریۃ کا مادہ جانور ہی پاؤں تو کیا اس کی قربانی کردوں فرمایا نہیں ۲؎ لیکن اپنے بال اور ناخن کتراؤ مونچھیں کٹاؤ زیر ناف کے بال صاف کرو تمہاری یہی مکمل قربانی ہے ۳؎ (ابوداؤد،نسائی) |

۱؎ کہ اس دن لوگ کپڑے بدلیں،خوشبوئیں ملیں،نماز بقرعید پڑھیں اورخوشیاں منائیں اورقربانیاں کریں۔خیال رہے کہ یہ سارے احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری امت کے لیے ہیں سوائے نماز بقرعید کے کہ وہ گاؤں والوں کے لیے نہیں مگر اس کا خوشی کا دن ہونا سب کے لیے ہے لہذا یہ جملہ بالکل صحیح ہے اس میں کسی قسم کی تاویل کی ضرورت نہیں۔

۲؎ **منیخہ** **منخ** سے بنا،بمعنی دینا۔اب اصطلاح میں **منیخہ** وہ جانور کہلاتا ہے جو کچھ دنوں کے لیےکسی کو عاریۃً دے دیاجائے تاکہ وہ اسے چارہ بھی کھلائے اور اس کے دودھ،اون سے فائدہ بھی اٹھائے،پھر مالک کو واپس

کردے،چونکہ یہ شخص غریب بھی ہے اور یہ جانور بھی اس کا اپنا نہیں دوسرے کا ہے اس لیے اس کی قربانی سے منع کردیا گیا۔

۳؎یعنی غریب آدمی اس عشرہ میں حجامت نہ کرائے،بقرعید کے دن بعد نماز عید حجامت کرائے تو ان شاء اللہ قربانی کا ثواب پائے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ قربانی صرف امیروں پر ہے غریبوں پر نہیں،یہ حدیث گزشتہ قربانی کی احادیث کی شرح ہے۔خیال رہے کہ صاحب مشکوۃ اس حدیث کو عتیرہ کے باب میں لائے تاکہ پتہ لگے کہ عتیرہ کوئی شے نہیں کیونکہ سرکار نے سائل سے یہ فرمایا کہ تو قربانی تو نہ کر اور اگر رجب تک تیرے پاس مال آجائے تو عتیرہ کردینا۔

## باب صلوة الخسوف

### گرہن کی نماز کا باب ۱؎

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱؎ خسوف یا خسف کے معنی ہیں دھنس جانا،اہل عرب کہتے ہیں"خَسَفَتِ الْعَیْنُ فِی الرَّاسِ"آنکھ سر میں دھنس گئی اور کہاجاتاہے"خَسَفَ الْقَارُوْنُ فِی الاَرْضِ" قارون زمین میں دھنس گیا،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَخَسَفْنَا بِہٖ وَبِدَارِہِ الْاَرْضَ"۔اب اصطلاح میں چاند گرہن کو خسوف اورسورج گرہن کو کسوف کہتے ہیں کیونکہ اس وقت چاند،سورج دھنسا ہوا محسوس ہوتاہے۔خیال رہے کہ یہاں خسوف سے مطلقًا گرہن مراد ہے چاند کا ہویاسورج کا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کی نماز بھی پڑھی ہے اور چاند گرہن کی بھی کیونکہ ۵ھ میں چاند گرہن لگاتھاجمادی الآخرہ میں جیساکہ ابن حبان وغیرہ میں۔نماز کسوف باجماعت ہوگی اور چاند گرہن کی نمازعلیحدہ علیحدہ یہ دونوں نمازیں سنت ہیں،دو،دو رکعتیں ہیں عام نمازوں کی طرح پڑھی جائیں گی،ہاں ان میں قیام،رکوع وغیرہ بہت دراز ہوگا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ حضورنبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج کو گرہن لگا ۱؎ تو آپ نے اعلانچی بھیجاکہ نماز تیارہے پھر آپ امام ہوئے تو دو رکعتوں میں چار رکوع اور چار سجدے کیئے ۲؎ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے اس سے دراز رکوع و سجدے کبھی نہ کیئے ۳؎ (مسلم،بخاری) |

۱؎ جس دن حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ کی وفات ہوئی،بعض علماء فرماتے ہیں کہ وہ چاندکی دس تاریخ تھی لہذا فلاسفہ کا یہ قول باطل ہے کہ سورج گرہن چاند کی بالکل آخری تاریخوں میں ہی لگ سکتا ہے۔خیال رہے کہ کفار عرب اور مشرکین ہند کے اس گرہن کے متعلق عجیب خیالات ہیں۔کفار عرب کہتے تھے کہ کسی برے آدمی کی پیدائش یا اچھے آدمی کی وفات پر گرہن لگتا ہے۔مشرکین ہند کا عقیدہ ہے کہ چاند اورسورج پہلے انسان تھے،انہوں نے بھنگیوں چماروں سے کچھ قرض لیا اور ادا نہ کیا اس سزا میں انہیں گرہن لگتا ہے۔چنانچہ ہندو گرہن کے وقت بھنگیوں کو خیرات دیتے ہیں اور مانگنے والے بھنگی بھی کہتے ہیں کہ سورج مہاراج کا قرض چکاؤ۔اسلام ان لغویات سے علیحدہ ہے،وہ فرماتاہے کہ یہ اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جب چاہے چاندسورج کو نورانی کردے اور جب چاہے ان

کا نور چھین لے۔چونکہ یہ قہرخداوندی کے ظہور کا وقت ہے اس لیے اس وقت نماز پڑھو،دعائیں مانگو،صدقہ دو،غلام آزاد کروتاکہ رحم کیے جاؤ۔

۲؎ یعنی ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدے۔اس حدیث کی بناپر امام شافعی نماز کسوف میں ہر رکعت میں دو رکوع مانتے ہیں،ہمارے امام صاحب کے ہاں ہر رکعت میں ایک رکوع ہوگا اور دو سجدے اس لیے کہ حاکم نے باسناد صحیح جو مسلم،بخاری کی شرط پر ہے حضرت ابوبکر سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندسورج کے گرہن کے وقت دو رکعتیں پڑھیں جو عام نمازوں کی طرح تھیں،نیزحضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز گرہن پڑھی،پھر کچھ خطبہ فرمایا جس کے آخری الفاظ یہ ہیں"فَاِذَارَءَيْتُمُوْهَا فَصَلُّوْا صَلَاةً كَمَا صَلَّيْتُمُوْهَا مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ"یعنی جب تم گرہن دیکھو تو جیسے اورفرض نمازیں پڑھتے ہو اسی طرح اس وقت بھی نفل پڑھ لیا کرو۔حدیث قولی اورفعلی سے معلوم ہوا کہ گرہن کی نماز اورنمازوں کی طرح ہے،زیادہ رکوع والی احادیث سخت مضطرب ہیں۔چنانچہ فی رکعت دو رکوع،تین رکوع،چار رکوع،پانچ رکوع احادیث میں آئے ہیں،لہذا ان میں سے کوئی حدیث قابل عمل نہیں،نیز زیادہ رکوع کی اکثر احادیث یاحضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہیں یا حضرت عبداللہ ابن عباس سے،حضرت عائشہ صدیقہ بی بی ہیں اورحضرت ابن عباس بچے تھے یہ دونوں نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت دور رہتے تھے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رکوع سجدے جیسے اگلی صف والوں پر ظاہر ہوں گے ویسے ان پرنہیں ہوسکتے اورمردوں کی روایت ایک رکوع کی ہے،لہذا تعارض کے وقت ان کی روایت قوی ہوگی،نیز چند رکوع والی حدیثیں قیاس شرعی کے بھی خلاف ہیں اور ایک رکوع والی حدیث قیاس کے مطابق اس لیے تعارض کے وقت ایک رکوع والی حدیث کو ترجیح ہوگی،اس بناء پر امام صاحب نے ان روایتوں پر عمل نہ کیا۔

۳؎ آپ کا فرمان اپنے متعلق ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز باجماعت بہت دراز فرمائی ورنہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد اس سے بھی دراز پڑھتے تھے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گرہن کی نماز میں اونچی قرأت کی۱؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں چاند گرہن کی نماز مراد ہے کیونکہ مطلقًا خسوف چاند گرہن پر ہی بولاجاتاہے،سورج گرہن کے بارے میں عنقریب احادیث آرہی ہیں کہ آپ نے آہستہ قرأت کی،چونکہ چاند گرہن کی نماز رات میں ہوتی ہے لہذا وہاں جہر مناسب ہے اورسورج گرہن کی نماز دن میں ہوتی ہے،وہاں آہستہ پڑھنا بہتر۔خیال رہے کہ اس حدیث میں جماعت کا ذکرنہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند گرہن کی یہ نماز جماعت سے پڑھی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گھر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی آپ نے دراز قیام کیاسورۂ بقر کی قرأت کے بقدر۱؎ پھر دراز رکوع |

کیا پھر اٹھے تو بہت دراز قومہ کیا جو پہلے قیام سے کچھ کم تھا پھر دراز رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا پھر اٹھے پھر سجدہ کیا پھر قیام کیا تو بہت دراز قیام فرمایا جو پہلے قیام سے کم تھا پھر دراز رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا پھر سر اٹھایا تو دراز قیام فرمایا جو پہلے قیام سے کم تھا پھر دراز رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا پھر سر اٹھایا پھر سجدہ کیا ۲؎ پھر فارغ ہوئے جب کہ سورج صاف ہوچکا تھا۳؎ پھر فرمایا کہ سورج چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں نہ تو کسی کی موت کی وجہ سے گھٹتے ہیں نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے۴؎ جب تم یہ دیکھو تو اللہ کا ذکر کرو۵؎ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے اپنی اس جگہ میں کچھ لیا پھر دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹے فرمایا میں نے جنت ملاحظہ کی تو اس سے خوشہ لینا چاہا اگر لے لیتا تو تم رہتی دنیا تک کھاتے رہتے۶؎ اور میں نے آگ دیکھی تو آج کی طرح گھبراہٹ والا منظر کبھی نہ دیکھا میں نے زیادہ دوزخی عورتیں دیکھیں۷؎ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ یہ کیوں فرمایا ان کے کفر کی وجہ سے عرض کیا گیا کہ کیا اللہ کی کافرہ ہیں فرمایا خاوند کی ناشکری ہیں احسان کی منکر ہیں اگر تم ان سے زمانہ بھر تک بھلائی کرو،پھر تمہاری طرف سے کچھ ذرا سی بات دیکھ لیں تو کہیں کہ میں نے تجھ سے کبھی بھلائی نہ دیکھی ۸؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی اندازًا اتنا قیام۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرأت آہستہ تھی ورنہ آپ قیام کا اندازہ نہ لگاتے کسی صحابی سے پوچھ لیتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سی سورۃ پڑھی۔

۲؎ یہاں دونوں جگہ سجدے مراد ہیں جو عام طور پر نماز کی ہر رکعت میں کئے جاتے ہیں لہذا اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ نے ایک سجدہ کیا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں اور ہر رکعت میں دو رکوع اور دوسجدے کیے،دو رکوع کی بحث ابھی گزرچکی۔

۳؎ یعنی گرہن کا پورا وقت لمبی نماز میں گزار دیا اگر وقت کچھ بچ رہتا تو دعا میں گزارتے۔

۴؎ اس کلام شریف میں اس جہالت کے عقیدہ کا رد ہے جو اہلِ عرب میں پھیلا ہوا تھا اور اتفاقًا اس دن حضرت ابراہیم کا انتقال بھی ہوا تھا اس سے ان کے خیالات میں اور پختگی ہونے کا اندیشہ تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا۔

۵؎ کہ اگر نصف النہار کا وقت نہ ہو تو نماز گرہن پڑھو ورنہ تسبیح، تکبیر، استغفار اور باقی ذکر کرو۔ سبحان اللہ! کیا جامع کلام ہے۔

۶؎ یعنی جنت میرے سامنے آگئی یا جنت کے پاس ہم پہنچ گئے اور اسکے انگور کے خوشہ کو ہاتھ بھی لگادیا، قریبًا توڑ ہی لیا تھا، ارادہ یہ تھا کہ اس کا خوشہ تمہیں اور قیامت تک کے مسلمانوں کو دکھادیں اور کھلادیں مگر خیال یہ آگیا کہ پھر جنت غائب نہ رہے گی اور ایمان بالغیب نہ رہے گا۔ خیال رہے کہ جنت کے پھلوں کو فنا نہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: "اُكُلُهَا دَآىٕمٌ" لہذا اگر وہ خوشہ دنیا میں آجاتا تو تمام دنیا کھاتی رہتی وہ ویسا ہی رہتا۔ دیکھو چاند سورج کا نور، سمندر کا پانی، ہوا لاکھوں سال سے استعمال میں آرہے ہیں کچھ کمی نہیں آئی۔ اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت اور وہاں کے پھلوں وغیرہ کے مالک ہیں کہ خوشہ توڑنے سے رب نے منع نہ کیا خود نہ توڑا، کیوں نہ ہو کہ رب تعالٰی فرماتا ہے: "اِنَّاۤ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ" اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو کوثر کا پانی بارہا پلایا۔ دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالٰی نے وہ طاقت دی ہے کہ مدینہ میں کھڑے ہوکر جنت میں ہاتھ ڈال سکتے ہیں اور وہاں تصرف کرسکتے ہیں، جن کا ہاتھ مدینہ سے جنت میں پہنچ سکتا ہے کیا ان کا ہاتھ ہم جیسے گنہگاروں کی دستگیری کے واسطے نہیں پہنچ سکتا اور اگر یہ کہو کہ جنت قریب آگئی تھی تو جنت اور وہاں کی نعمتیں ہر جگہ حاضر ہوئیں۔ بہرحال اس حدیث سے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ماننا پڑے گا یا جنت کو۔

۷؎ یعنی ہم نے یہیں سے دوزخ کو بھی ملاحظہ فرمایا اور وہاں کے عذابوں اور عذاب پانے والے بندوں کو بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ آئندہ واقعات کو دیکھ لیتی ہے کیونکہ دوزخیوں کا دوزخ میں جانا قیامت کے بعد ہوگا جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آج ہی دیکھ رہے ہیں، جیسے ہم خواب وخیال میں آئندہ واقعات کو دیکھ لیتے ہیں۔ خیال رہے کہ پہلے دوزخ میں عورتیں زیادہ ہوں گی اور جنت میں مرد زیادہ مگر بعد میں عورتیں زیادہ ہوجائیں گی، اس طرح کہ دوزخی عورتیں معافی سے یا سزا بھگت کر جنت میں پہنچ جائیں گی اگرچہ مرد معافی پاکر آئیں گے مگر ان کی تعداد عورتوں سے تھوڑی ہوگی، لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا کہ جنت میں ادنٰے جنتی کے نکاح میں دنیا کی عورتیں ہوں گی۔ (طبرانی) کیونکہ یہاں ابتداء کا ذکر ہے اور اس حدیث میں انتہا کا۔ (از مرقاۃ)

۸؎ یعنی عورت کی فطرت میں یہ بات ہے کہ کسی کا احسان یاد نہیں رکھتی برائی یاد رکھتی ہے، یہ اسلام کے خلاف ہے۔ شکریہ کا حکم قرآن شریف میں دیا گیا ہے جو بندوں کا شکر نہیں کرسکتا وہ خدا کا شکر بھی نہیں کرسکتا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عائشہ سے حضرت ابن عباس کی مثل ام المؤمنین نے فرمایا کہ پھر سجدہ کیا تو دراز کیا پھر فارغ | |

| | |
| --- | --- |
| ہوئے جب کہ آفتاب کھل چکا تھا پھر لوگوں پر خطبہ پڑھا اللہ کی حمد وثناکی پھرفرمایا کہ سورج اورچاند اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں کسی کی موت و زندگی کی وجہ سے نہیں گہنتے جب تم یہ دیکھو تو اللہ سے دعا کرو تکبیریں کرو نماز پڑھو، خیرات کروا پھر فرمایا اے محمد مصطفیٰ کی امت رب کی قسم اللہ سے زیادہ کوئی اس پر غیرت مند نہیں کہ اس کا غلام یا لونڈی زنا کرے اے محمد مصطفیٰ کی امت! رب کی قسم اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۲ (مسلم،بخاری) | |

ا مضمون دونوں حدیثوں کا تقریبًا یکساں ہے،الفاظ میں کچھ فرق ہے۔یہاں خطاب مالداروں سے ہے کیونکہ گرہن کے وقت صدقہ دینے کا انہی کو حکم ہے۔ملا علی قاری نے فرمایا کہ اکثر دنیا میں عذاب مالداروں کی وجہ سے آتا ہے اور رحمتیں فقراء کی وجہ سے کیونکہ زیادہ گناہ مالدار ہی کرتے ہیں کہ وہ مال کی وجہ سے بہت گناہوں پر قادر ہوتے ہیں لہذا ہر مصیبت میں انہیں زیادہ ڈرنا چاہیئے۔

۲ یعنی جیسے ایک شریف آدمی کو یہ گوارا نہیں کہ اس کا غلام یا لونڈی زنا کرے وہ اس پر ان کو سخت سزا دیتا ہے،ایسے ہی رب تعالٰی کا غضب بندوں کے زنا پر جوش میں آتا ہے۔خیال رہے کہ کفر کے بعد بدترین گناہ زنا ہے جس پر سخت عذاب آتے ہیں اسی لیے شریعت میں اس کی سزا قتل کی سزا سے بدتر ہے یعنی سنگسار کرنا،یعنی اللہ کے عذاب اور غضب جو میرے علم ومشاہدہ میں ہیں اگر تمہارے علم و مشاہدہ میں آجاتے تو ہنسنا بھول جاتے،یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا تحمل ہے کہ دونوں جہاں کو سنبھالے ہوئے ہیں،سب کچھ دیکھتے بھالتے دنیا میں بھی شاغل ہیں۔

| | |
| --- | --- |
| روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں کہ سورج گھر گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے کھڑے ہوئے اس خوف سے کہ قیامت آگئی ا مسجد میں تشریف لائے بہت دراز قیام و رکوع اور سجدے سے نماز پڑھی کہ ایسا کرتے میں نے آپ کو کبھی نہ دیکھا۲ اور فرمایا یہ وہ نشانیاں ہیں جن کو اللہ بھیجتا ہے کسی کی موت و زندگی کی وجہ سے نہیں ہوتیں لیکن اللہ اس سے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۳ تو جب تم ان میں سے کچھ دیکھو اللہ کے ذکر،دعا واستغفار کی طرف گھبرا کر آجاؤ ۴ (مسلم،بخاری) | |

ا یہ بطور تمثیل حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا ساخوف ہوا ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ ابھی قیامت کا وقت نہیں خود ہی تو علامات قیامت بے شمار بیان فرمائی ہیں۔رب تعالٰی نے سارے

جہان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے پھیلانے کا وعدہ کیا ہے جن کی اطلاع اس سے پہلے سرکار بار بار دے چکے ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ اشعری فتح خیبر کے سال ایمان لائے اور سورۃ فتح اس سے کہیں پہلے نازل ہوچکی تھیں جس میں یہ تمام وعدے ہیں،نیز ڈرخوف دل کے حالات ہیں۔دوسرا شخص علامات ہی سے معلوم کرسکتا ہے حقیقت حال سے خبردار نہیں ہوسکتا۔حضرت ابوموسیٰ نے اندازًا یہ بیان کیا۔(لمعات)لہذااس حدیث سے یہ نہیں کہاجاسکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت سے بالکل بے خبر تھے۔

۲؎ اس سے معلوم ہورہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کی ہر رکعت میں ایک رکوع دو سجدے کیے مگر بہت دراز کئے،چونکہ ابوموسیٰ اشعری اس وقت بچے نہ تھے اس لیے آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نماز سے بہت ہی خبردار تھے،لہذا آپ کی یہ روایت حضرت ابن عباس وعائشہ صدیقہ کی احادیث پر راجح ہے اور یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے۔

۳؎ اس میں کفارعرب کے مذکورہ بالاعقیدہ کی تردیدہے اور آج کل کے فلاسفہ کا رد ہے کیونکہ خسوف وکسوف محض چاندسورج کی حرکات سے ہوتے ہیں،نہیں بلکہ قیامت یاد دلاتے اور رب کی قدرت ظاہر کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔

۴؎ اس جملہ سے معلوم ہوا کہ گرہن پرحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھبرانا ہماری تعلیم کے لیے تھااور خدا کی ہیبت سے نہ کہ اپنی بے علمی یا خدا کے وعدوں پر بے اعتمادی کی وجہ سے گرہن میں جیسے نمازپڑھنا سنت اختیاری ہے ایسے ہی دل کی گھبراہٹ بے اختیاری سنت ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جس دن حضور علیہ السلام کے فرزند ابراہیم نے وفات پائی ۱؎ سورج گھر گیا تو آپ نے لوگوں کو چھ رکوع اور چار سجدوں میں نماز پڑھائی۔۲؎(مسلم) |

۱؎ حضرت ابراہیم ذی الحجہ ۸ھ میں مدینہ پاک میں پیدا ہوئے،سولہ۱۶ یا اٹھارہ مہینے زندہ رہےاورمنگل کے دن دس ربیع الاول یا جمادی الاول ۱۰ھ میں وفات پائی،اس دن سورج کو گرہن لگا۔(لمعات و مرقات)اس سے معلوم ہوا کہ ریاضی والوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ سورج گرہن چاند کی ۲۷،۲۸ یا ۲۹ ہی ہوسکتا ہے۔

۲؎ یعنی دو رکعتیں پڑھائیں جس کی ہر رکعت میں تین رکوع اور دو سجدے کیے۔اس سے پہلے گزر چکا کہ ہر رکعت میں دو رکوع تھے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ جب سورج گرہن لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار سجدوں میں آٹھ رکوع سے نماز پڑھائی ۱؎ |

۱؎ یعنی دو رکعتیں پڑھائیں ہر رکعت میں چار رکوع اور دو سجدے انہی حضرت ابن عباس کی دو رکوعوں والی روایت اس سے پہلے گزر گئی۔ان کی احادیث میں تعارض ہے،لہذا کوئی روایت قابل عمل نہیں جیساکہ تعارض میں ہوتا ہے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ شریف میں صرف ایک بار سورج گرہن ہوا ہے اور ایک ہی بار چاند گرہن اس لیے یہ نہیں کہاجاسکتا کہ یہ مختلف واقعوں کا ذکر ہے ان میں کوئی تاویل نہیں ہوسکتی۔

| | |
|---|---|
| | اسی طرح حضرت علی سے مروی ہے۔(مسلم) |

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن سمرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی شریف میں مدینہ میں تیر اندازی کررہا تھا کہ سورج گرہن ہوگیا میں نے تیر تو پھینک دیئے اورسوچاکہ رب کی قسم میں دیکھوں گا کہ سورج گرہن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا واقعہ پیش آیا ۲؎ فرماتے ہیں میں وہاں آیا تو حضور نماز میں ہاتھ اٹھائے کھڑے تھے ۳؎ تو آپ تسبیح،تہلیل وتکبیر اورحمد کہہ رہے تھے دعا مانگ رہے تھے حتی کہ سورج سے گرہن کھل گیا جب گرہن کھل گیا تو آپ نے دو سورتیں پڑھیں اور دو رکعت نماز ادا کی ۴؎ مسلم نے اپنی صحیحین میں عبدالرحمان بن سمرہ سے روایت کی اسی طرح شرح سنہ میں انہیں سے اور مصابیح کے نسخوں میں حضرت جابر ابن سمرہ سے ۵؎ |

۱؎ آپ کی کنیت ابوسعید اشجعی ہے،آپ عبدالشمس ابن عبدمناف کی اولاد سے ہیں،آپ کا اصلی نام عبدالکعبہ تھا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمان رکھا،خلافت عثمانیہ میں سجستان اور کابل آپ ہی نے فتح کیا۔(اشعۃ اللمعات)فتح مکہ کے دن ایمان لائے،بصرہ میں قیام رہا ۵۱ھ میں وفات پائی۔(اکمال)

۲؎ یعنی آپ اس وقت کیا کررہے ہیں تاکہ میں خود بھی وہ عمل کیاکروں اور لوگوں کو تبلیغ بھی کروں۔

۳؎ یعنی زیر ناف ہاتھ باندھے کیونکہ اس وقت ہاتھ چھوٹے اور لٹکے ہوئے نہیں ہوتے بلکہ اٹھے اور بندھے ہوئے ہوتے ہیں یا صلوٰۃ بمعنی دعا ہے،یعنی آپ نماز سے فارغ ہوچکے تھے یا تیاری نماز میں تھے،ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہے تھے ورنہ نماز گرہن کے قیام میں ہاتھ اٹھانے کا کوئی موقع نہیں اور نہ یہ کسی کا مذہب ہے۔

۴؎ یعنی پوری کاخلاصہ یہ ہے کہ آپ نے نماز گرہن میں دیر تک تسبیح وتہلیل وغیرہ کی،پھر سورۃ فاتحہ وغیرہ پڑھ کر رکوع سجدہ وغیرہ کرکے سلام پھیر دیا۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر رکعت میں ایک ہی

رکوع اور دو سجدے کیے،نماز کو زیادہ رکوعوں سے دراز نہیں کیا،بلکہ زیادہ ذکروں سے،یہ حدیث بھی امام اعظم کی دلیل ہے۔

۵؎ یعنی مصابیح میں بجائے عبدالرحمٰن کے جابر ہے،میں نے درست کرکے مشکوۃ میں عبدالرحمٰن کردیا۔اس جگہ مرقاۃ نے ترمذی،بخاری وابوداؤد،نسائی اورحاکم کی احادیث بروایت ابن عمر،عبداللہ ابن عمر،سمرہ ابن جندب،نعمان ابن بشیر،قبیصہ ہلالی،ابی بکرہ وغیرہم سے بہت احادیث نقل کیں،جن میں نماز گرہن کی ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدوں کا ذکر ہےاور فرمایا کہ چند رکوع والی احادیث مضطرب متعارض ہیں۔ہم وہ تفصیل یہاں چھوڑتے ہیں اگرکسی کو شوق ہو تو اس جگہ مرقاۃ کا مطالعہ کرے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۱؎(بخاری) |

۱؎ کہ اس وقت غلام آزادکیے جائیں کیونکہ اعتاق اور تمام قسم کی خیرات سے عذاب دفع ہوتا ہے۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کی نماز پڑھائی تو ہم آپ کی آواز نہیں سنتے تھے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ) |

۱؎ یعنی اس نماز میں آہستہ قرأت کی یہی امام اعظم کا مذہب ہے،بعض روایات میں جہری قرأت کا بھی ذکر ہے،جب جہرو اخفاء میں تعارض ہوا تو اخفاء کی روایات کو ترجیح ہوئی کیونکہ دن کی نمازوں میں اخفاء اصل ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عکرمہ سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس سے کہا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فلاں بیوی وفات پاگئیں تو آپ سجدہ میں گر گئے ۱؎آپ سے کہا گیا کہ کیا اس گھڑی سجدہ کرتے ہیں تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کوئی نشانی دیکھو تو سجدہ کرو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے تشریف لے جانے سے بڑی کون سی نشانی ہے ۲؎(ابوداؤد،ترمذی) |

۱؎ یہ سجدہ ہیبت کا تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور بیویاں زمین والوں کے لیے امن ہیں،ان کی وفات امن کا اٹھنا ہے اور ان کا جانا مصیبتوں کا آنا ہے۔خیال رہے کہ یہ بی بی صاحبہ حضرت صفیہ ہیں،بعض نے کہا کہ حضرت حفصہ مگر پہلا قول قوی ہے اورعکرمہ حضرت ابن عباس کے غلام ہیں عکرمہ ابن ابوجہل اور ہیں۔

۲؎ مرقات ولمعات نے اس جگہ فرمایا کہ یہ حضرات بابرکت ہیں جن کے وسیلہ سے عذاب دور رہتاہے،رب کی رحمتیں آتی ہیں،ان کی وفات پر ذکر اللہ تعالٰی،نوافل اور سجدے زیادہ کروکیونکہ ان کی حیات کی برکت تو جاتی رہی اب اللہ کے ذکر کی برکت سے عذاب دور ہے۔خیال رہے کہ ازواج مطہرات کی وفات کی طرح سورج گرہن بھی اللہ کی نشانی ہے،لہذا اس وقت بھی ذکرونفل اور سجود چاہیئےاس لیے یہ حدیث اس باب میں لائی گئی۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گھر گیا تو آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی طوال کی کوئی سورۃ پڑھی ۱؎ اور پانچ رکوع کیئے اور دوسجدے پھر دوسری رکعت میں کھڑے ہوئے توطوال کی کوئی سورت پڑھی پھر پانچ رکوع کیئے اور دو سجدے پھر جیسے تھے ویسے ہی قبلے کو منہ کیے بیٹھے بیٹھے دعا مانگتے رہے حتی کہ اس کا گرہن کھل گیا۲؎ (ابوداؤد) |

۱؎ سورۂ حجرات سے بروج تک کی سورتیں طوال یا طول کہلاتی ہیں،حضرت اُبی ابن کعب کا یہ فرمانا اندازے سےہے نہ کہ سن کر اسی لیے آپ نے سورۃ کانام نہیں لیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت تو آہستہ تھی جیساکہ پہلے گزر چکا،یعنی اتنی لمبی رکعت ادا کی کہ شاید طوال کی سورۃ پڑھی۔

۲؎ اس حدیث میں فی رکعت پانچ رکوع ثابت ہوئے۔چار،تین،دو،ایک کی روایتیں گزرچکیں۔ان احادیث میں مطابقت ناممکن ہےاسی لیےایک رکوع کی روایت قابل عمل ہے۔خیال رہے کہ نماز گرہن کے بعد دعا مانگنا بھی سنت ہے،بیٹھ کر مانگے یا کھڑے ہوکر قبلہ رو ہو یا قوم کی طرف رخ کرے،امام دعا مانگے لوگ آمین کہیں گے،کھڑے ہوکر دعا مانگے،لاٹھی یا کمان پر ٹیک لگانا بہترہے۔(فتح القدیر وغیرہ)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گھر گیا تو دو دو رکعتیں پڑھتے رہے اورسورج کے بارے میں پوچھتے جاتے تھے حتی کہ سورج کھل گیا ۱؎ (ابوداؤد)اور نسائی کی |

| | |
|---|---|
| ایک روایت میں ہے کہ جب سورج گہا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری تمام نمازوں کی طرح نماز پڑھی کہ رکوع اور سجدہ کرتے تھے۲؎ اور اس کی دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن جلدی جلدی مسجد کی طرف آئے سورج گہہ گیا تھا تو نماز پڑھی حتی کہ کھل گیا پھر فرمایا کہ جاہلیت والے کہتے تھے کہ سورج اور چاند زمین کے کسی بڑے آدمی کے مرنے پر گہتے ہیں۳؎ حالانکہ سورج چاند نہ کسی کی موت گہیں نہ کسی کی زندگی پر یہ تو خلق الٰہی میں سے دو مخلوق ہیں اللہ اپنی مخلوق پر جو چاہے حادثہ کرے۴؎ لہٰذا تم نماز پڑھا کرو حتی کہ سورج کھل جائے یا اللہ کوئی واقعہ پیدا کردے ۵؎ | |

۱؎ شارحین نے اس کی شرح میں بہت دشواری محسوس کی ہے کیونکہ گزشتہ احادیث میں صرف دو رکعتوں کا ذکر تھا اور یہاں زیادہ کا،بعض نے فرمایا کہ جب گرہن جلدی کھل گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں اور جب دیر میں کھلا تو زیادہ پڑھیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صرف ایک ہی دفعہ سورج گرہن ہوا ہے اس لیے توجیہ نہیں بنتی،بس اب یہی کہا جاسکتا ہے یہ ایک روایت بے شمار مذکورہ روایتوں کے خلاف ہے یہ ناقابل قبول ہے۔

۲؎ یعنی جیسے اور نفل پڑھے جاتے ہیں کہ ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے ایسے ہی یہ نماز گرہن بھی پڑھی گئی،یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ نماز گرہن میں ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے ہیں۔اس کی پوری بحث ہم اس باب میں پہلے کرچکے ہیں۔اس حدیث کی تائید دوسری بہت سی احادیث سے ہورہی ہے اور قیاس شرعی بھی اس کے موافق ہے،لہٰذا یہی قابل عمل ہے۔

۳؎ اور اتفاقًا آج حضرت ابراہیم کا انتقال بھی ہوا ہے تو اس واقعہ سے ان کے خیال اور پختہ ہوجانے کا اندیشہ ہے اس لیے کان کھول کر سن لو۔

۴؎ جیسے بارشوں اور آندھیوں کا آنا زمین پر زلزلے کسی کے مرنے جینے سے نہیں بلکہ رب کی قدرت کے اظہار کے لیے ہیں ایسے ہی چاند سورج کا گہنا کسی کی موت زندگی کی وجہ سے نہیں۔

۵؎ اس طرح نصف النہار کا وقت آجائے یا سورج گہنے کی حالت میں غروب ہوجائے یا چاند کے گہنے کی حالت میں سویرا ہوجائے تو نماز چھوڑدو کیونکہ دقتوں میں نماز منع ہے،یہ مطلب نہیں کہ قیامت آجائے کیونکہ اس وقت دنیا میں کوئی مسلمان نہیں ہوگا،پھر نماز کیسی اور ذکر اللہ کیسا،لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

## باب فی سجود الشکر

## سجدۂ شکر کا باب ۱؎

یہ باب پہلی اورتیسری فصل سے خالی ہے۲؎

۱؎یعنی دینی یا دنیوی خوشی کی خبرسن کر سجدے میں گرجانا اسے سجدۂ شکر کہا جاتا ہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ سجدہ بدعت اورممنوع ہے،بعض کے ہاں سنت ہے،امام محمد کا یہی قول ہے،بعض علماء نے مکروہ فرمایا،یہ فرماتے ہیں کہ سجدۂ شکر کی احادیث میں سجدہ سے نماز مراد ہے،یعنی جز سے کل۔(لمعات)مگر قول سنیت صحیح ہے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کے قتل،صدیق اکبر نے مسیلمہ کذاب کے قتل اورسیدنا علی المرتضٰی نے ذوالسنہ خارجی کے قتل کی خبریں سن کر سجدۂ شکر ادا کیے اور کعب ابن مالک قبول توبہ کی بشارت پرسجدہ میں گر گئے۔(ازلمعات واشعہ)

۲؎یعنی صاحب مصابیح نے اس باب کی فصل اول نہیں قائم کی کیونکہ انہیں صحیحین میں اس کی کوئی روایت نہ ملی۔حیرت ہے کعب ابن مالک کا قبول توبہ پر سجدۂ شکر کرنا صحیحین میں موجود ہے مگر مصنف کا ادھرخیال نہ گیا میں نے تیسری فصل قائم نہ کی،مجھے اس کی زیادہ روایتیں نہ ملیں۔

### الفصل الثانی

### دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی خوشی کی خبر پہنچتی یا آپ خوش ہوتے ۱؎تو اللہ تعالٰی کا شکر کرتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے۲؎(ابوداؤد،ترمذی)ترمذی نے کہایہ حدیث حسن غریب ہے۔ |

۱؎اس عبارت میں راوی کو شک ہے کہ صحابی نے "اَمْرٌ سُرُوْرًا"فرمایا یا"یَسُرُّبِہٖ"۔خیال رہے کہ سُرُوْرًا یا اَمْرٌ کی تمیز ہے یا اَغْنِیَ فعل پوشیدہ کا مفعول یا لام جارہ ہٹادیا گیا ہے،یعنی منصوب بنزع الخافض ہے،طلباء وعلماء اس کے زبر سے دھوکا نہ کھائیں۔

۲؎چنانچہ ابوجہل کا سر آپ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ سجدۂ شکر میں گر گئے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوجعفر سے ۱؎کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقص الخلقت لوگوں میں سے کسی کو دیکھا تو آپ سجدے میں گرگئے ۲؎(دارقطنی)ارسالاً۳؎شرح سنہ میں |

| | |
|---|---|
| | مصابیح کے الفاظ ہیں۔ |

۱؎آپ کا نام محمد ابن علی ابن حسین ابن علی ابن ابی طالب ہے،کنیت ابوجعفر،لقب باقر ہے،یعنی آپ امام زین العابدین کے بیٹے ہیں،امام جعفر آپ کے بیٹے ہیں،آپ تابعی ہیں،حضرت جابر ابن عبداللہ سے ملاقات ہے، ۵۶ھ میں پیدائش اور ۱۱۷ھ میں وفات ہے،جنۃ البقیع میں دفن ہیں،فقیر آپ کے مزار پر حاضر ہوا۔

۲؎خدایا تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے اعضاء صحیح بخشے اور اس مصیبت سے بچایا۔یہ شکریہ اپنی حفاظت کا ہے نہ کہ اس کی آفت میں مبتلا ہونے کا۔

۳؎کیونکہ ابوجعفر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا مگر دوسری روایت سے اس حدیث کو قوت ملتی ہے۔حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اپاہج کو دیکھ کر سجدہ کیا۔دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بگڑی شکل والے کو دیکھ کر سجدہ کیا۔(مرقاۃ)**نغاش نغش** سے بنا،بمعنی بہت پست قد،ضعیف الحرکت،ناقص الخلقت انسان۔علماءفرماتے ہیں کہ دینی آفت زدہ کو دیکھ کر بھی خدا کا شکر کرنا چاہیئے،حضرت شبلی نے ایک دنیا میں پھنسے آدمی کو دیکھا تو سجدے میں گر گئے اور آپ نے یہ دعا پڑھی"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا"۔یہ دعا ہر دینی و دنیاوی مصیبت زدہ کو دیکھ کر پڑھی جائے تو ان شاءاللہ پڑھنے والا اس مصیبت سے دور رہے گا،دنیاوی مصیبت والے کو دیکھ کر آہستہ پڑھے،فاسق وبدکار کو دیکھ کر آواز سے پڑھے تاکہ اسے عبرت ہو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ معظّمہ سے چلے مدینہ پاک کا ارادہ کرتے تھے جب ہم عزوزاء کے قریب پہنچے ۱؎تو حضور اترے پھر اپنے ہاتھ اٹھائے ایک گھڑی اللہ سے دعا مانگی پھر سجدے میں گرے اس میں بہت ٹھہرے پھر اٹھے تو ایک گھڑی اپنے ہاتھ اٹھائے رہے ۲؎پھر سجدے میں گرے وہاں بہت ٹھہرے پھر اٹھے ایک گھڑی اپنے ہاتھ اٹھائے پھر سجدے میں گرے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لیے سوال کیا اورشفاعت کی تو رب نے مجھے تہائی امت دے دی میں رب کا شکر کرتے سجدے میں گرگیا پھر میں نے اپنا سر اٹھایا اپنے رب سے اپنی امت کے لیئے سوال کیا مجھے تہائی امت دے دی میں رب کا شکر کرتے سجدے میں گرگیا پھرمیں نے اپنا سر اٹھایا اپنے رب سے اپنی امت کے لیے سوال کیا اس نے مجھے آخری تہائی بھی دے دی |

| | |
|---|---|
| | تو میں رب کا شکر کرتے سجدے میں گر گیا۳؎(احمد،ابوداؤد) |

۱؎عزوزاء مقام جحفہ میں ایک خشک پہاڑی کا نام ہے،چونکہ یہاں پتھریلی اور سخت زمین ہے،پانی بہت کم ہے اس لیے اسے عزوزاء کہتے ہیں اور عزوزاء اونٹنی ہے جس کا دودھ سختی سے دوہا جاتاہے،سخت دھار ہو۔

۲؎عزوزاء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اترنا ٹھہرنے کے ارادے سے نہ تھا،بلکہ بذریعۂ وحی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ جنگل برکت والا ہے یہاں دعاکریں،لہذا دعا کے لیے اترے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہاں پہلا سجدہ دعاء کے لیے تھا کیونکہ سجدے میں دعاجلدی قبول ہوجاتی ہے۔باقی سجدے دعا کے لیے بھی تھے اور شکریہ کے بھی،آخری سجدہ صرف شکریہ کا تھااس لیے یہ حدیث اس باب میں لائی گئی۔یا یہ سب سجدے شکر کے تھے،دعائیں تو بیٹھ کر ہاتھ اٹھاکر مانگی گئیں،دوسرا احتمال قوی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ دعا میں ہاتھ اٹھانا اور آہستہ مانگنا سنت ہے۔

۳؎یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے گناہوں کی مغفرت،ان کی عیب پوشی اور بلندئ مراتب وغیرہ تمام چیزوں کی دعائیں کی،رب نے ترتیب وار تمام امت کی بخشش وغیرہ کا وعدہ فرمالیا۔پہلی بارمیں سَابِقِیْنَ بِالْخَیْرَاتِ،دوسری بار میں مُقْتَصِدِیْنَ،تیسری میں ہم جیسے ظالمین،عاصین،گناہگار بخشے گئے،اب مومن کے لیے جہنم میں ہمیشگی نہ ہوگی۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے بغیر رب کی رحمت نہیں پاسکتا۔جوملے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا صدقہ ملے گا۔نیک ابرار کو پہلی دعا کا صدقہ،مخلوط اعمال والوں کو دوسری دعا کا توسل،بدکاروفجار کو تیسری دعا سے حصہ ملے گا۔دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے ایسے محبوب ہیں کہ ضدکرکے،ناز کرکے اپنی امت بخشالیتے ہیں۔ہم گنہگاروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس محبوبیت پر ناز ہے۔شعر

چہ غم دیوار امت راکہ داردچوں توپشتی باں  چہ باک از موج بحرآن راکہ داردنوح کشتی باں

ہم بُرے ہیں مگر بفضلہٖ تعالٰی اسی اچھے کے ہیں،صلی اللہ علیہ وسلم۔خیال رہے کہ پہلی بار والے بغیرحساب وکتاب جنتی ہیں،دوسری باروالے کچھ جھڑک وعتاب کے بعد،تیسری باروالے یا کچھ عذاب پاکر یامعافی پاکر۔

## باب الاستسقاء

### بارش مانگنے کا باب ۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱؎ استسقاء کے معنی ہیں بارش یا سیرابی مانگنا۔شریعت میں دعائے بارش کو استسقاء کہتے ہیں جو ضرورت کے وقت کی جائے۔استسقاء کی تین صورتیں ہیں:صرف دعائے بارش کرنا،نوافل پڑھ کر دعا کرنا،باقاعدہ جنگل میں جاکر نماز باجماعت پڑھنا بعد نماز خطبہ اور بعد خطبہ دعا مانگنا،چادر الٹی کرنا یہ تینوں طریقے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں،یہ نماز تین دن تک پڑھی جائے۔خیال رہے کہ حضرت امام اعظم نے نماز استسقاء کا انکار نہیں کیا بلکہ حصر کا انکار کیا ہے کہ استسقاء صرف نماز سے ہی نہیں ہوتا اور دوسرے طریقے سے بھی ہوتا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زید سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو دعائے بارش کے لیئے عیدگاہ لے گئے تو انہیں دو رکعتیں پڑھائیں جن میں آواز سے قرأت کی اور دعا مانگتے ہوئے قبلہ رو ہوئے اپنے ہاتھ اٹھائے اور جب قبلہ کو منہ کیا تو اپنی چادر الٹی ۲؎ (مسلم،بخاری) |

۱؎ یہ عبداللہ ابن زیاد ابن عاصم ابن مازنی انصاری ہیں،خود بھی صحابی ہیں اور والدین بھی صحابی،آپ بدر میں شریک نہ تھے،احد میں تھے، آپ نے وحشی کے ساتھ مل کر مسیلمہ کذاب کو قتل کیا،یہ عبداللہ ابن زیاد ابن عبدربہ نہیں ہیں جنہوں نے اذان خواب میں دیکھی تھی،وہ بھی انصاری ہیں مگر وہ بیعت عقبہ اور جنگ بدر وغیرہ میں شریک ہوئے۔(مرقاۃ)

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ نماز استسقاء نماز عید کی طرح جنگل میں پڑھی جائے باجماعت،اس میں قرأت بلند آواز سے ہو۔بہتر یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ ق اور دوسری میں غاشیہ پڑھی جائے بعد میں خطبہ ہو،پھر قبلہ رخ ہوکر دعا مانگی جائے اور دعا میں اپنی چادر الٹی کی جائے کہ خدایا جیسے چادر کا رخ بدل گیا ایسے ہی موسم کا رخ بدل دے۔یہ تمام چیزیں سنت ہیں،ہاں سنت مؤکدہ نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ نماز ادا کی ہے،کبھی صرف دعا مانگی۔امام اعظم کے سنیت سے انکاری کا بھی یہی مطلب ہے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر شریف چار گز لمبی اور دو گز ایک بالشت چوڑی تھی۔جن روایات میں آیا ہے کہ آپ نے رکعت اول میں سات تکبیریں کہیں اور دوسری میں پانچ وہ سب ضعیف ہیں کیونکہ ان سب میں محمد ابن عبدالعزیز ابن عمر ابن عبدالرحمٰن ابن عوف ہے جسے بخاری نے منکر حدیث فرمایا اور نسائی نے متروک الحدیث کہا،ابو حاتم نے ضعیف الحدیث قرار دیا اسی لیے ان احادیث پر کسی نے عمل نہیں کیا،نماز استسقاء کی ہر رکعت میں ایک ایک ہی تکبیر ہوگی دیگر نوافل کی طرح۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کے سوا کسی دعا میں بہت اونچے ہاتھ نہ اٹھاتے ۱؎ |

| | |
|---|---|
| | استسقاء میں اس قدر ہاتھ اٹھاتے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی جاتی۲(مسلم،بخاری) |

۱یہاں ہاتھ اٹھانے کی نفی نہیں بلکہ سر سے اونچے ہاتھ اٹھانے کی نفی ہے جیساکہ آگے آرہاہے یعنی اور دعاؤں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سینے تک ہاتھ اٹھاتے تھے اور اس دعا میں سر سے اونچے۔

۲یعنی اگر چادر یا قمیص نہ پہنے ہوتے تو بغل شریف کی سفیدی دیکھی جاتی لہذااس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ بغیر قمیص نماز پڑھاتے تھے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کی دعا کی تو اپنے ہاتھوں کی پشت سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۱(مسلم) |

۱یعنی سر سے اونچے ہاتھ اٹھائے جن کی ہتھیلی زمین کی طرف رکھی کہ خدایا بادل کا پیٹ زمین کی طرف کردے تاکہ وہ اپنا پانی اس پر بہائے۔ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ساری دعا یونہی مانگی۔بعض کا خیال ہے کہ پہلے ہتھیلیاں آسمان کی طرف کرے،پھر زمین کی طرف۔مرقات ولمعات وغیرہ میں ہے کہ رحمت مانگنے کے لیئے ہتھیلیاں آسمان کی طرف کرے اور بلاؤآفت ٹالنے کے لیئے زمین کی طرف،چونکہ اس دعا میں بلاؤقحط ٹالنے کی درخواست ہوتی ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا مانگی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش دیکھتے تو عرض کرتے.برسااور اسے نفع بخش۱ |

۱صَیِّبٌ صوبٌ سے بنا،بمعنی بہنا،اصل صیوب تھا،مبالغہ کا صیغہ ہے،یعنی خدایا بہنے والا بہت پانی.برسااور اسے نفع بخش بنا کیونکہ محض بوندا باندی سے زمین سیر نہیں ہوتی اور مضر پانی سے سیلاب آجاتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ بارش.برسی فرمایاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کپڑا شریف ہٹادیا تاآنکہ آپ پر کچھ بارش پڑگئی ہم نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے یہ کیوں کیافرمایاکہ یہ ابھی اپنے رب کے پاس سے آئی ہے۱(مسلم) |

۱یعنی اپنا سر اور سینہ مبارک کھول کر کچھ قطرے ان اعضاء پر لیئے اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ پانی ابھی عالَم قدس سے آیا ہے،جس میں اِس عالَم کے اجزاء ابھی تک نہیں ملے،لہذا برکت والا ہے اس سے.برکت حاصل کرو۔بعض حضرات حج سے آنے والوں کے ہاتھ پاؤں چومتے ہیں اور انکے بدن سے اپنے کپڑے لگاتے ہیں،بعض صوفیاء بیماروں کے لیئے نقش لکھ کر بارش کے پانی سے دھلوا کر پلواتے ہیں،ان سب کی اصل یہ حدیث ہے،بارش کے وقت اور کعبہ کو دیکھ کر دعا مانگنا سنت ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زید سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ تشریف لے گئے اور وہاں دعائے بارش کی اور جب قبلہ رو ہوئے تو اپنی چادر پلٹی کہ اس کا دایاں کنارہ اپنے بائیں کندھے پر ڈال دیا اور بایاں کنارہ دائیں کندھے شریف پر پھر |

| | |
|---|---|
| | اللہ سے دعا کی ا (ابو داؤد) |

ا اس حدیث میں صرف دو کاموں کا ذکر ہے: نیک فال کے لیئے اپنی اوڑھی ہوئی چادر الٹی کرنا تاکہ موسم کا حال الٹا ہو جائے، خشکی جائے تری آئے، گرانی جائے ارزانی آئے۔ دوسرے دعا مانگنا۔ معلوم ہوا کہ آپ نے نماز استسقاء نہ پڑھی، لہذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ استسقاء میں نماز شرط نہیں صرف دعا سے بھی ہو سکتا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے بارش کی آپ پر کالا کمبل تھا آپ نے چاہا کہ اس کا نچلا حصہ لے کر اوپر کر لیں جب یہ بھاری پڑا تو اسے اپنے کندھوں پر ہی لیا ا (احمد، ابو داؤد) |

ا اس حدیث کی بناء پر علماء فرماتے ہیں کہ اگر چادر فراخ ہو تو اس طرح پلٹے کہ نچلا حصہ اوپر کرے اور اگر تنگ ہو تو صرف دایاں کنارہ ہی بائیں طرف ڈال لے۔ خیال رہے کہ چادر پلٹنا صرف امام کا کام ہے مقتدی یہ نہ کریں گے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس کا حکم نہ دیا اور نہ انہوں نے یہ کام کیا۔ مرقاۃ نے فرمایا کہ دوسرے خطبہ میں چادر الٹے اور اگر نماز و خطبہ ادا نہیں کیا ہے تو دعا میں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عمیر سے جو کہ آبی اللحم کے مولیٰ ہیں ا کہ انہوں نے زوراء کے قریب احجار الزیت کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعائے بارش کرتے دیکھا ۲ آپ کھڑے ہوئے دعائیں کر رہے تھے، اپنے چہرہ مبارک کے سامنے ہاتھ اٹھائے بارش مانگ رہے تھے ان ہاتھوں کو سر سے اونچا نہ کرتے ۳ (ابو داؤد) اور ترمذی و نسائی نے اس کی مثل روایت کی۔ |

ا آبی اللحم کا نام عبداللہ ابن عبدالملک ہے، چونکہ یہ زمانۂ جاہلیت میں بھی بتوں کے نام ذبیحہ کا گوشت نہیں کھاتے تھے اس لیے آپ کا لقب آبی اللحم ہوا یعنی اس گوشت کے انکاری، آپ بڑے پرانے صحابی ہیں، غزوہ حنین میں شہید ہوئے، عمیر آپ کے آزاد کردہ غلام ہیں، یہ دونوں حضرات صحابی ہیں۔

۲ احجار الزیت مدینہ منورہ کے حرّہ کا ایک حصہ ہے، چونکہ وہاں کے پتھر کالے چکنے اور چمکدار ہیں گویا ان پر تیل مل دیا گیا ہے اس لیے اسے احجار الزیت کہتے ہیں یعنی تیل ملے ہوئے پتھر۔ زوراء کی تحقیق **باب الجمعه** میں ہو چکی۔

۳ یعنی اس وقت نماز نہ پڑھی، صرف دعا مانگی اور ہاتھ سر کے مقابل رکھے۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ہاتھ مبارک سر کے برابر رکھے ہیں، کبھی سر سے بھی اونچے اٹھائے ہیں، لہذا یہ حدیث سر سے اونچے اٹھانے کی حدیث کے خلاف نہیں کہ کبھی وہ عمل تھا کبھی یہ۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے بارش کے لیئے سادہ کپڑے زیب تن کیے عاجزی کرتے تواضع اور زاری کرتے تشریف لے گئے ا (ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ) |

۱؎ یعنی استسقاء کے لیئے دولت خانہ شریف سے نکلتے وقت یہ حال تھا کہ لباس عاجزانہ تھا،زبان پر الفاظ انکسار کے تھے یعنی متواضع دل میں خشوع خضوع تھا(متخشع)،ذکر الٰہی میں مشغول تھے،آنکھیں تر تھیں(متضرع)۔اب بھی صفت یہی ہے کہ استسقاء کے لیئے جاتے وقت امیر بھی فقیرانہ لباس پہن کر جائیں کہ بھکاریوں کی وردی یہی ہے،راستہ میں یہ سارے کام کرتے ہوئے جائیں ان شاءاللہ دعا ضرور قبول ہوگی۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش کی دعا کرتے تو کہتے الٰہی اپنے بندوں اپنے جانوروں کو سیراب کر اپنی رحمت پھیلادے اپنے مردہ شہر کو زندہ کردے۱؎(مالک،ابوداؤد) | |

۱؎ اگرچہ بندوں میں جانور بھی داخل تھے،مگر چونکہ یہ بےگناہ ہیں ہم گنہگار،ان کی بےگناہی سے ہم پر رحمتیں آتی ہیں ہمارے گناہوں سے انہیں تکلیف ہوتی ہے اس لیے خصوصیت سے ان کا ذکر کیا۔رحمت پھیلانے سے مراد جنگل کو ہرا بھرا کردینا ہے اور مردہ شہر کو زندہ کرنے سے مراد خشک زمین کو تر کرنا ہے کہ کنوئیں پانی سے بھر جائیں،تالاب لبریز ہوجائیں۔سبحان اللہ! کیا جامع دعا ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ اٹھائے دیکھا۱؎ فرماتے تھے الٰہی ہمیں ایسے بادل سے سیراب کر جو سیر کرنے والا نقصان نہ دینے والا،فراخی پیدا کرنے والا، نفع بخش غیر مضر ہو فورًا آئے دیر نہ ہو فرمایا کہ فورًا ہی ان پر آسمان گھر گیا۲؎(ابوداؤد) | |

۱؎ مواکات،توکع،اتکاء یہ سب ایک ہی ماہ سے بنے ہیں،جس کے معنی ہیں اعتماد کرنا،ٹیک لگانا،اٹھانا،پھیلانا،یہاں آخری دو معنی میں ہے یعنی آپ ہاتھ اٹھائے اور پھیلائے ہوئے تھے۔

۲؎ یہ ہے دعائے محبوبانہ اور وہ ہے قبولیت حبیبانہ،محبوب نے کہا بارش میں دیر نہ لگے،چاہنے والے رب نے فرمایا کہ فورًا لو۔جن احادیث میں ہے کہ انسان دعا میں جلدی نہ کرے وہاں عبدیت کی تعلیم ہے یا یہ مطلب ہے کہ ظہور قبولیت میں اگر دیر لگے تو دعا سے بددل نہ ہو اور لوگوں سے رب کی شکایت نہ کرے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش رک جانے کی شکایت کی۱؎ تو منبر کا حکم دیا جو عید گاہ میں بچھادیا گیا اور لوگوں سے ایک دن کا وعدہ کیا جب لوگ نکلیں۲؎ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سورج کا کنارہ چمکا تو تشریف لے گئے منبر پر بیٹھے اللہ کی | |

| | |
|---|---|
| | تکبیر و حمد کی پھر فرمایا کہ تم لوگوں نے اپنے شہر کے قحط کی بارش کے وقت سے ہٹ جانے کی شکایت کی اللہ نے تمہیں دعا مانگنے کا حکم دیا اور تم سے دعا کی قبولیت کا وعدہ کیا۳؎ یعنی فرمایا تمام تعریفیں اللہ رب العلمین کی ہیں جو مہربان رحم والا ہے قیامت کے دن کا مالک ہے اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں تو بے پرواہے ہم فقیر ہیں ہم پر بارش برسا اور جو تو اتارے اسے ہمارے لیئے قوۃ اور مطلوب تک پہنچنے کا ذریعہ بنا۴؎ پھر اپنے ہاتھ اٹھائے تو اٹھاتے رہے حتی کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو گئی پھر لوگوں کی طرف اپنی پشت کی اور اپنی چادر پلٹی حالانکہ ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے پھر لوگوں پر متوجہ ہوئے منبر سے اترے دو رکعتیں پڑھیں۵؎ اللہ نے ایک بادل پیدا کیا جو اللہ کے حکم سے گرجا چمکا پھر برسا آپ مسجد تک نہ آنے پائے تھے کہ سیلاب بہہ گئے جب حضور نے لوگوں کو پناہ کی طرف دوڑتے دیکھا تو ہنسے حتی کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۶؎ پھر فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں ۷؎(ابوداؤد) |

۱؎ یعنی بارش کا زمانہ ہے اور نہیں آتی۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ قحط کی شکایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرسکتے ہیں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفارش کریں اور ہماری بگڑی بن جائے،رب تعالٰی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بندوں کی شکایت کرتا ہے،فرماتا ہے:"اُنۡظُرۡ کَیۡفَ ضَرَبُوۡا لَکَ الۡاَمۡثَالَ"۔دوسرے یہ کہ صحابہ کبار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہِ الٰہی میں اپنا بڑا وسیلہ جانتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ ہمارے اعمال کی مقبولیت یقینی نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یقینًا مقبول ہیں،اسی لیے وہ ایسے موقعوں پر خود نمازیں اور دعائیں ادا نہ کرلیتے تھے بلکہ دوڑے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آتے تھے،حالانکہ انہوں نے قرآن میں یہ آیت پڑھی تھی"اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ"۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ انبیاء واولیاء کے وسیلہ کی کوئی ضرورت نہیں اپنے اعمال کا وسیلہ پکڑو گویا ان کے نزدیک ان کے اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مقبول ہیں۔

۲؎ کہ فلاں دن تم سب وہاں جمع ہوکر جاؤ ہم بھی پہنچ جائیں گے،شاید قبولیت کی گھڑی اسی دن میں ہوگی جیسے کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے لڑکوں سے فرمایا تھا"سَاَسۡتَغۡفِرُ لَکُمۡ"یعنی تمہارے لیئے دعائے مغفرت ابھی نہیں پھر کروں گا۔

۳؎ لہٰذا تم میرے وسیلہ سے دعا کررہے ہو میں تمہارے لیئے دعا اور شفاعت کرتا ہوں اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن یوں نہیں فرمادیا کہ جاؤ خود دعائیں مانگ لو میرے پاس کیوں آئے۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ دعا سے پہلے اللہ کی حمد اپنی فقیری اور نیاز مندی کا اظہار سنت ہے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الٰہی میں اپنے لیئے جو کلمے چاہیں استعمال کریں لیکن اگر کوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فقیر کہے تو کافر ہوگا۔(عالمگیری) حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ غنی داتا ہیں جن کی گلیوں میں تاجدار بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔شعر

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

وہ تو باذن اللہ غنی ہیں، غنی گر ہیں۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ"۔رب سے مانگنا بندے کی شان ہے،اس کے سب فقیر ہیں۔

۵؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آج خطبہ اور دعا پہلے پڑھی اور نماز بعد میں۔غالبًا اس لیے کہ جب آپ جنگل پہنچتے ہیں تو سورج نکل رہا تھا وقت مکروہ تھا ورنہ خطبۂ استسقاء اور دعا نماز کے بعد ہوتی ہے جیساکہ گزشتہ روایات سے معلوم ہوا۔

۶؎ ہنسنے سے مراد تبسم اور مسکرانا ہے نہ ٹھٹھا مارنا اور قہقہ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قہقہہ مار کر کبھی نہ ہنسے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تبسم خوشی اور تعجب کا تھا کہ ابھی تو یہ لوگ بارش مانگ رہے تھے جب آئی تو بھاگ رہے ہیں۔نواجذ جمع نواجذہ کی ہے۔ناجذہ دانتوں کی کیلوں کو بھی کہتے ہیں اور آخری داڑھ کو بھی یعنی عقل داڑھ۔

۷؎ معلوم ہوا کہ بارش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھی اور آپ کی نبوت کی دلیل،یعنی آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت صحابہ کو آنکھوں سے دکھادی اس کی عینی گواہی دی اور دلوائی۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت انس سے کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر ابن خطاب جناب عباس ابن عبدالمطلب کے توسل سے دعائے بارش کرتے۱؎ اور عرض کرتے الٰہی ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کا وسیلہ پکڑتے تھے تو بارش بھیجتا تھا اور اب ہم تیرے نبی کے چچا کا وسیلہ پکڑتے ہیں۲؎ ہم پر بارش بھیج تو لوگ سیراب کیئے جاتے تھے۳؎(بخاری) | |

۱؎ تاکہ معلوم ہو کہ صرف نبی کا ہی وسیلہ نہیں ہوتا بلکہ ان کی امت کے اولیاء کا وسیلہ بھی ہوسکتا ہے،ان کی برکت سے رحمتیں آتی ہیں،حضرت عمر جناب عباس کا وسیلہ اس طرح لیتے کہ ان کے توسل سے بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے جیساکہ آگے آرہا ہے اور حضرت عباس عرض کرتے کہ خدایا یہ لوگ تیرے محبوب کی نسبت کی وجہ سے میرا وسیلہ لے رہے ہیں،خدایا اس بڑھاپے میں مجھے رسواء شرمندہ نہ کر یہ کہتے ہی بارش آتی تھی۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎ یعنی تیرے نبی کی ظاہری حیات میں ہم اس طرح ان کا وسیلہ لیتے تھے کہ ان سے بارش کی دعا کراتے تھے،ان کے ساتھ جاکر نماز استسقاء پڑھتے،ان کے چہرۂ انور کی طرف اشارہ کرکے کہتے تھے کہ مولٰی اس نورانی چہرہ کی برکت سے بارش بھیج۔شعر

وَأَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

اب ان کی ظاہری حیات شریف کی برکت سے یہ اشارہ والا، یہ نمازوں،ان کی دعاؤں والا وسیلہ ناممکن ہوگیا تو اب ان کے چچا کے وسیلہ سے بارش بھیج۔خیال رہے کہ حضرت عمر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کا وسیلہ لیا اس لیے عرض کیا کہ اپنے نبی کے چچا کے توسل سے دعا کرتے ہیں۔معلوم ہوا کہ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت
ہوجائے اس کا وسیلہ درست ہے۔شعر

بزرگوں کی نسبت بڑی چیز ہے　　　　خدا کی یہ نعمت بڑی چیز ہے

۳؎ اس حدیث کی بنا پر بعض بے عقل عالموں نے کہا ہے کہ زندہ بزرگوں کا وسیلہ پکڑنا جائز ہے مُردوں کا ناجائز،دیکھو جناب عمر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کا وسیلہ چھوڑ دیا مگر یہ غلط ہے چند وجہ سے:ایک یہ کہ اس حدیث میں چھوڑنے کا ایک لفظ بھی نہیں آتا یعنی حضرت فاروق نے یہ نہیں کہا کہ اب ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ چھوڑ دیا۔دوسرے یہ کہ اگر حدیث کا یہ مطلب ہو تو یہ حدیث قرآنی آیات کے بھی خلاف ہوگی اور دوسری احادیث کے بھی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا"۔آٹھویں بزرگ دادا کی برکت سے ان پوتوں پر اللہ کی یہ رحمت ہوئی کہ ان کی ٹوٹی دیوار بنانے کے واسطے دو نبی بھیجے گئے،حضرت موسیٰ وہارون کے نعلین و عمامہ کے وسیلہ سے بنی اسرائیل جنگوں میں فتح پاگئے تھے،رب تعالٰی فرماتا ہے کہ:"وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ"۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے اہل کتاب آپ کے وسیلہ سے جنگوں میں فتح پاتے تھے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا"۔اسی مشکوٰۃ"باب الکرامات" میں آئے گا کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور سے روضہ کی چھت ہٹوادی اور قبر انور کے وسیلہ سے دعائے بارش کی تو بارش آئی۔یہاں جناب عمر کے فرمانے کا منشا یہ ہے کہ وہ اشاروں والا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز استسقاء پڑھنے والا وسیلہ جاتا رہا یا یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں وسیلۂ اولیاء بھی درست ہے۔اس جگہ مرقات میں ہے کہ امیر معاویہ قحط میں حضرت یزید ابن اسود کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے تھے اور ان سے بھی کہتے تھے کہ وہ بھی ہاتھ اٹھائیں فورًا بارش آتی تھی۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جماعت انبیاء میں ایک نبی دعائے بارش کے لیئے لوگوں کو باہر لے گئے ایک چیونٹی پر گزرے جو اپنے پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھی آپ نے فرمایا لوٹ چلو اس چیونٹی کی وجہ سے تمہاری دعا قبول ہوگئی۱؎(دار قطنی) | |

۱؎ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام تھے،آپ نے چیونٹی کو ہاتھ اٹھائے دیکھا اور یہ دعا مانگتے سنا کہ خدایا تو نے ہمیں پیدا کیا ہے،ہمیں روزی دے ورنہ ہم ہلاک ہوجائیں گے،ہم بھی تیری مخلوق ہیں،انسان کے گناہوں سے ہمیں برباد نہ کر۔(مرقاۃ) علماء فرماتے ہیں کہ نماز استسقاء کے موقعہ پر جانوروں کو بھی ساتھ لے جاؤ،ان کی اصل یہ حدیث ہے۔

## باب فی الریاح

### ہواؤں کا باب ۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱ ریاح ریح کی جمع ہے جو روح سے بنا،بمعنی رحمت،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَاتَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ"۔چونکہ ہوا خود بھی رحمت ہے اور ہزارہا رحمتوں کا ذریعہ اس لیے اسے ریح کہتے ہیں۔قرآن شریف میں اکثر قہر کی ہوا کو ریح اور رحمت کی ہوا کو ریاح کہا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پروا کے ذریعے میری مدد کی گئی اور پچھوا کے ذریعہ قوم عاد ہلاک کی گئی ۱(مسلم،بخاری) |

۱صبا وہ ہوا ہے جومشرق سے مغرب کو چلے،یہ تیز ہوتی ہے اکثر بارش لاتی ہے۔اور دبور ہوا وہ ہے جومغرب سے مشرق کو جائے،یہ گرم وخشک ہوتی ہے،زمین کو خشک کرتی ہے اور اکثر بادل کو پھاڑ دیتی ہے،بارش کو دور کرتی ہے۔غزوہ خندق میں جب سارے کفارعرب نے مدینہ پاک کو گھیر لیا تھا تو ایک رات پروا ہوا تیز چلی جس سے کفار کے خیمے اڑ گئے،دیگچیاں ٹوٹ گئیں،جانور بھاگ گئے،ان کے منہ مٹی ریت سے بھرگئے آخر کار سب کو بھاگنا پڑا۔اہل مدینہ کو امن ملی اورہود علیہ السلام کی قوم عادپچھوا سے ہلاک ہوئی،اس حدیث میں اسی جانب اشارہ ہے۔غرضکہ ہوا وپانی کفار کے لیے عذاب،مومن کے لیے رحمت ہوجاتے ہیں،دریا نیل کا پانی قبطیوں پر عذاب،سبطیوق پر رحمت تھا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح ہنستا نہ دیکھا کہ آپ کے جبڑے شریف دیکھ لیتی ۱آپ صرف مسکرایا کرتے تھے آپ جب بادل یا ہوا دیکھتے تو آپ کے چہرے میں اثر خوف معلوم ہوتا۲(مسلم،بخاری) |

۱لَهَوَات لُهَات کی جمع ہے۔لہات زبان کی جڑ کو بھی کہتے ہیں،حلق میں ابھرے ہوئے گوشت کو بھی،جبڑے کے آخری کنارے کو بھی،یعنی آپ ایسا کبھی نہ ہنسے جس سے آپ کا منہ مبارک کھل جاتا۔

۲؎ یعنی بادل یا تیز ہوا ہونے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر خوف کے آثار ظاہر ہوتے کہ ایسا نہ ہو کہ آندھی یا بارش سے لوگوں کو نقصان پہنچے جس قدر رب تعالٰی سے قرب زیادہ اسی قدر خوف زیادہ۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ جب تیز ہوا چلتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرض کرتے الٰہی میں تجھ سے ہوا کی خیر اور جو اس ہوا میں ہے اس کی خیر اور جو چیز ہوا لے کر بھیجی گئی اس کی خیر مانگتا ہوں ۱؎ اور ہوا کے شر اور جو اس میں ہے اس کے شر سے اور جو لے کر ہوا بھیجی گئی اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور جب آسمان ابر آلود ہوتا آپ کا رنگ بدل جاتا باہر جاتے اندر آتے سامنے آتے پیچھے جاتے جب مینہ برستا تو یہ کیفیت دور ہوتی حضرت عائشہ نے پہچان لیا تو اس کے بارے میں حضور سے پوچھا فرمایا اے عائشہ شاید یہ ایسا ہی ہو جیسا قوم عاد نے کہا تھا کہ جب جنگلوں کی طرف بادل آتے دیکھا تو بولے یہ ہم پر برسنے والا بادل ہے ۲؎ اور ایک روایت میں ہے جب بارش دیکھتے تو فرماتے خدایا رحمت ہو۔(مسلم،بخاری) | |

۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آندھی کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے۔اب بھی پڑھنی چاہیئے،یعنی اے مولٰی! میں اس ہوا کی عمومی بھلائی بھی مانگتا ہوں اور خصوصی بھلائی بھی اور اس کے عمومی اور خصوصی شر سے تیری پناہ مانگتاہوں۔

۲؎ یعنی اے عائشہ! رب پر امن نہ چاہیے،ہمیشہ اس سے ڈرتے رہنا چاہیے،بادل کبھی عذاب بھی لاتا ہے،قوم عاد پر عذاب بادل ہی کی شکل میں آیا تھا۔خیال رہے کہ اللہ کی ہیبت قوتِ ایمانی کی دلیل ہے اور اللہ کے وعدوں پر بے اطمینانی کفار کا طریقہ ہے اور سخت کفر ہے،یوں ہی خدا سے امید ایمان کا رکن ہے،خدا پر امن کفر ہے،یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی قسم کا خوف ہوتا تھا یعنی ہیبت خدائے تعالٰی۔اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگرچہ رب تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمالیا تھا کہ تمہارے ہوتے کافروں پر بھی عذاب نہ آئے گا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وعدے پر اطمینان نہ تھا اس لیے ڈرتے تھے کہ کہیں رب نے وعدہ خلافی کی ہو اور عذاب بھیج دیا ہو جیسا کہ بعض احمقوں نے یہ سمجھا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غیب کی کنجیاں پانچ ہیں ۱؎ پھر یہ آیت تلاوت کی کہ اللہ کے پاس ہی قیامت کا علم وہی بارش برستا ہے۔الآیہ(بخاری) | |

۱؎ یہاں اس آیت کی طرف اشارہ ہے "وَعِنۡدَهٗ مَفَاتِحُ الۡغَيۡبِ لَا يَعۡلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ"۔اس آیت کی تحقیق مرآت کے شروع میں کی جاچکی ہے،نیز ہماری تفسیر "نورالعرفان" میں ملاحظہ کرو۔یعنی یہ پانچ چیزیں کہ قیامت کب ہوگی،بارش کب آئے گی،عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی،کہاں مرے گا،کل کیا کرے گا یہ غیب کی کنجیاں ہیں جن سے ہزارہا غیب کا پتہ چلتا ہے،یہ چیز اندازے،حساب وغیرہ کسی عقلی علم سے معلوم نہیں ہوسکتیں صرف رب تعالٰی جانتا ہے یا جسے وہ بتائے وہ جانتا ہے اسی لیے انہیں **مفاتیح** فرمایا گیا یعنی چابیاں۔اور ظاہر ہے کہ قفل وچابی میں وہ چیزیں رکھی جاتی جسے کھول کر کسی کو دینا ہو ورنہ دفن کی جاتی ہے۔رب تعالٰی نے یہ علوم بعض فرشتوں،انبیاء،اولیاء کو بخشے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے ابوہریرہ سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قحط سالی یہ نہیں کہ تم پر بارش نہ ہو لیکن قحط یہ ہے کہ تم پر بارش ہو اور خوب بارش ہو مگر زمین کچھ نہ اگائے ۱؎(مسلم) |

۱؎ یعنی سخت قحط یہ ہے کہ باوجود بارش کے پیداوار نہ ہو کہ آس کے بعد یاس سخت ہوتی ہے اور اس سے سخت قحط وہ ہے کہ پیداوار بھی خوب پھر انتہائی مہنگائی ہو جیسا کہ بعض احادیث میں ہے،آج کل یہ تیسری قسم کا قحط ہے اللہ کرم کرے،پیداوار نہ ہونے کی بہت صورتیں ہیں،زمین کچھ اگائے ہی نہیں،اگائے مگر برباد ہوجائے،درخت ہوں مگر پھل نہ لگے۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہوا اللہ کی رحمت ہے رحمت بھی لاتی ہے عذاب بھی لہذا اسے برا نہ کہو ۱؎ اللہ سے اس کی خیر مانگو اور اس کی شر سے اللہ کی پناہ مانگو ۲؎(شافعی،ابوداؤد،ابن ماجہ،بیہقی،دعوات کبیر) |

۱؎ یعنی اگر کبھی ہوا سے کوئی نقصان یا تکلیف پہنچے تو ہوا کو گالیاں نہ دو کیونکہ وہ تو حکم الٰہی سے سب کچھ لاتی ہے۔خیال رہے کہ ہوا رحمت ہے مگر کافروں پر عذاب لاتی ہے،مؤمنوں کے لیے رحمت ہے،ایسے غافلوں کی گوشمالی کرتی ہے یہ بھی رحمت ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب ہوا رحمت ہے تو عذاب کیوں لاتی ہے۔

۲؎ ہوائیں آٹھ ہیں:چار رحمت کی۔ناشرات،ذاریات،مرسلات،مبشرات اور چار عذاب کی۔عاصف،قاصف،صرصر،عقیم،پہلی دو سمندروں میں عذاب کی ہیں،آخری دو خشکی میں۔(مرقاۃ)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوا پر لعنت کی تو فرمایا ہوا پر لعنت نہ کرو یہ تو زیر فرمان ہے اور جو کسی ایسی چیز کو لعنت کرے جو ان کے لائق نہ ہو تو لعنت خود |

| | |
|---|---|
| | کرنے والے پر لوٹتی ہے ۱؎(ترمذی)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ |

۱؎یعنی ہوا لعنت کی مستحق نہیں،اب جو اس پر لعنت کرے گا تو وہ لعنت خود اس کی اپنی ذات پر پڑے گی۔اس سے معلوم ہوا کہ جانوروں پر لعنت یا زمانہ کو بُرا کہنا جیسا کہ مولوی محمود حسن صاحب نے کہا سب ناجائز ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوا کو گالی نہ دو جب تم کوئی ناپسند چیز دیکھو تو کہو الٰہی ہم تجھ سے اس ہوا کی بھلائی اور جو اس ہوا میں ہے اس کی بھلائی اور جس کا اسے حکم ہے اس کی بھلائی مانگتے ہیں اور اس ہوا کی شر سے اور جو کچھ اس میں ہے اور جس کا اسے حکم ہے اس کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں ۱؎(ترمذی) |

۱؎یعنی ہوا کو گالی دینے سے فائدہ تو کوئی نہ ہوگا تم مجرم اورگنہگار ہوجاؤ گے۔اس دعا کے پڑھ لینےسےثواب بھی پاؤ گے،امن بھی اور کوئی نقصان نہ ہوگا۔امام غزالی فرماتے ہیں کہ لعنت کے اسباب کل تین ہیں:کفر،بدعت،فسق۔ہوا میں یہ کوئی نہیں تو اس پر لعنت کیسی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سےفرماتے ہیں کہ ایسا کبھی نہ ہوا کہ ہوا چلے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھٹنوں شریف پر بیٹھ کر یہ نہ کہیں۱؎کہ الٰہی اسے رحمت بنا اسے عذاب نہ بنا الٰہی اسےریاح بنا ریح نہ بناحضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اللہ کی کتاب میں ہے کہ ہم نے ان پر تیز ہوا(آندھی) بھیجی اور ہم نے ان پر بانجھ ہوا بھیجیاور ہم نے حاملہ ہوائیں بھیجیں اور یہ کہ خوشخبریاں دینے والی ہوائیں بھیجیں۲؎(شافعی،بیہقی،دعوات کبیر) |

۱؎دونوں پنڈلیاں بچھاکر رانوں پر کھڑے ہوکر یہ فرماتے تھے اس طرح بیٹھناانتہائی عجز کا اظہار ہے،خصوصی دعاؤں کے وقت ایسی نشست قبولیت کا ذریعہ ہے۔

۲؎حضرت ابن عباس نے اس حدیث کی شرح قرآنی آیات سے فرمائی کہ قرآن کریم میں ریح تو عذاب کی ہوا کو کہا گیا ہے اور ریاح رحمت کی ہوا کو اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے ریح نہ بنا،ریاح بنا۔خیال رہے کہ قرآن کریم میں ریح کو رحمت کی ہوا بھی کہا گیا ہے مگر کسی صفت کے ساتھ،جیسے رب کا فرمان:"وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ"۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب آسمان پر کوئی شے یعنی بادل نمودار دیکھتے تو اپنے کام کاج چھوڑ دیتے اور ادھر متوجہ ہوجاتے ۱؎ اور کہتے الٰہی جو کچھ اس میں ہے اس کی شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں پھر اگر کھل جاتا تو اللہ کا شکر کرتے اور اگر بارش ہوتی تو کہتے الٰہی اسے نفع بخش بارش بنا ۲؎(ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،شافعی)لفظ شافعی کے ہیں۔ |

۱؎ یعنی غیر ضروری کام چھوڑ دیتے جیسے کھانا پینا،کسی سے بات چیت۔یہ مطلب نہیں کہ نماز وغیرہ عبادات چھوڑ دیتے۔اس سے معلوم ہوا کہ دعا کے وقت تمام الجھنوں سے دل کا فارغ ہونا بہت مفید ہے اگرچہ مشغولیت میں بھی دعائیں اچھی ہیں۔

۲؎ یعنی اگر بغیر بارش ہوئے بادل پھٹ کر غائب ہوجاتا تو بارش نہ ہونے پر نہیں بلکہ مصیبت نہ آنے پر شکر کرتے اور اگر برسنے لگتا تو یہ دعا فرماتے۔اب بھی یہ دعائیں یادکرنی چاہئیں اور ان موقعوں پر پڑھنی چاہئیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب گرج وکڑک کی آواز سنتے ۱؎ تو کہتے کہ الٰہی ہمیں اپنے غضب سے غارت نہ کر اور اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک نہ کر اس سے پہلے ہمیں عافیت دے۔(احمد،ترمذی)ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔ |

۱؎ رعد اس فرشتہ کا نام ہے جو بادلوں پر مقرر ہے اور صاعقہ اس کا کوڑا ہے جس سے وہ بادلوں کو ہانکتا چلاتا ہے،کبھی اس کوڑے کی آواز سنی جاتی ہے۔حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رعد فرشتہ اس وقت تسبیح کرتا ہے،یہ آواز اس کی تسبیح کی ہوتی ہے،اس آواز پر سارے فرشتے تسبیح میں مشغول ہوجاتے ہیں،ہم کو بھی اس وقت سارے کام وکلام بند کرکے ذکر کرنا چاہیے۔مرقاۃ نے فرمایا رعد سننے میں آتی ہے اور صاعقہ دیکھنے میں،لہذا یہاں سننے سے مراد احساس فرمانا ہے،حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔خیال رہے کہ صاعقہ کے معنی ہیں بے ہوش ہونے والی چیز،چونکہ اس گرج چمک سے بھی کبھی لوگ بے ہوش ہوجاتے ہیں اس لیے صاعقہ کہاجاتا ہے۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زبیر سے کہ جب آپ گرج سنتے توبات چیت چھوڑ دیتے اور کہتے پاک ہے وہ |

| | |
|---|---|
| | کہ گرج جس کی تسبیح وحمد کرتی ہے اور فرشتے اس کے خوف سے ۱؎(مالک) |

۱؎یعنی اللہ کے خوف سے یا رعدفرشتے کے خوف سے تسبیح کرنے لگتے ہیں۔حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جو شخص گرج کے وقت یہ آیت پڑھ لے وہ بفضلہٖ تعالٰی اس سے ہلاک نہیں ہوسکتا،اگر ہلاک ہوجائے تو اس کا خون بہا میرے ذمہ ہے،گویا آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر اس قدر اعتماد تھا۔(مرقاۃ)

## كتاب الجنائز

## جنازوں کی کتاب۱

## باب عيادة المريض وثواب المريض

### بیمار پرسی اور بیماری کے ثواب کا باب

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱لغت میں جنازہ وہ تخت ہے جس پر میت کو نہلایا جائے یا وہ چارپائی جس پر میت کو قبرستان پہنچایا جائے،اب خود میت کو جنازہ کہنے لگے،بعض فرماتے ہیں کہ جنازہ جیم کے فتح سے تخت یا چار پائی ہے اور جیم کے کسرہ سے میت یا اس کے برعکس،یہاں میت کے معنی میں ہے۔خیال رہے کہ بیمار کی بیمار پرسی بڑے ثواب کا باعث ہے۔

روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھوکوں کو کھلاؤ۱بیماروں کی مزاج پرسی کرو قیدی چھوڑاؤ ۲(بخاری)

۱بھوکوں کو کھانا کھلانا سنت ہے اور بھوک سے مررہا ہو تو فرض کفایہ بلکہ کبھی فرض عین ہے۔اس بھوک میں انسان جانور سبھی داخل ہیں،بعض گنہگار پیاسے کتے کو پانی پلانے میں بخشے گئے۔(حدیث)

۲یہاں قیدی سے مراد غلام یامقروض ہے اور چھوڑانے سے مرادآزاد کرانا یا قرضہ اداکرنا ہے یا یہ مطلب ہے کہ جومسلمان کفار کے ہاتھوں ظلمًا قید ہوگئے ہیں انہیں کوشش سے آزاد کراؤ،یہ مطلب نہیں کہ چوروبدمعاشوں کو جیل سے نکال دو تاکہ خوب چوریاں،بدمعاشیاں کریں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں۱سلام کا جواب دینا،بیمار کی عیادت کرنا،جنازوں کے ساتھ جانا،دعوت قبول کرنا،چھینک کا جواب دینا ۲(مسلم،بخاری)

ا؎ یہ پانچ کی تعداد حصر کے لیے نہیں بلکہ اہتمام کے لیے ہے یعنی پانچ حق بہت شاندار اورضروری ہیں کیونکہ یہ قریبًا سارے فرض کفایہ اورکبھی فرض عین ہیں لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں زیادہ حقوق بیان ہوئے۔خیال رہے کہ یہ اسلامی حقوق ہیں۔مسلمان فاسق ہویامتقی سب کے ساتھ یہ برتاوے کیے جائیں،کافروں کا ان میں سے کوئی کوئی حق نہیں۔

۲؎ بیمار کی عیادت اور خدمت یوں ہی جنازے کے ساتھ جانا عام حالات میں سنت ہے لیکن جب کوئی یہ کام نہ کرے تو فرض ہے،کبھی فرض کفایہ،کبھی فرض عین،یوں ہی دعوت میں شرکت کھانے کے لیے یا وہاں انتظام و کام و کاج کے لیے سنت ہے،کبھی فرض لیکن اگر خاص دسترخوان پرناجائز کام ہوں جیسے شراب کا دور یا ناچ گانا تو شرکت ناجائزہے،چھینکنے والا الحمدللہ کہے تو سننے والے سب یا ایک جواب میں کہیں "یَرْحَمُكَ اللهُ"پھر چھینکنے والاکہے"یَهْدِیْكُمُ اللهُ وَیُصْلِحُ بَالَكُمْ "اور اگر وہ حمد نہ کرے یا اسے زکام ہےکہ باربارچھینکتاہے تووہ پھر جواب ضروری نہیں۔سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا فرض مگر ثواب سلام کا زیادہ ہے،یہ ان سنتوں میں سے ہے جس کا ثواب فرض سےزیادہ ہے۔(شامی ومرقاۃ وغیرہ)اس کے مسائل ان شاءاللہ "کتاب الادب"میں آئیں گے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں:پوچھا گیا یا رسول اللہ وہ کیا فرمایا جب تم اس سے ملو تو اسے سلام کروا؎ جب تمہیں بلائے تو قبول کرو ۲؎ اور جب تم سے خیرخواہی چاہے تو کرو۳؎ جب چھینکے اللہ کی حمد کرے تو اس کا جواب دو،جب بیمارہوتو عیادت کرو،جب مرجائے تو ساتھ جاؤ ۴؎ (مسلم)

ا؎ تین وقت سلام کرنا سنت ہے:گھر میں آنے کی اجازت چاہتے وقت،ملاقات کے وقت،رخصت کی وقت،یہاں دوسرے سلام کا ذکر ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ آنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرےاور جب راستہ میں چلتے ہوئے کسی سے ملاقات ہو تو پیچھے سے ملنے والا آگے والے کو سلام کرےاور اگر دونوں سامنے سے آرہے ہیں تو چھوٹا بڑے کو،تھوڑے زیادہ کو سلام کریں اور اگر ان میں یہ کوئی فرق نہ ہو تو جو چاہے سلام کرے،جماعت میں سے ایک کا سلام یا جواب سب کی طرف سے ہوگا۔

۲؎ مدد کے لیے یا کھانے یا عام دعوت میں انتظام کے لیے تو ضرور جاؤ،ہاں اگر مجبوری یا معذوری ہو تو نہ جاؤ۔

۳؎ یعنی تم سے کوئی مشورہ کرے تو اچھا مشورہ دو،اگر شرعی مسئلہ پوچھے تو ضرور بتاؤ۔یہ لفظ نَصْحٌ سے بنا،بمعنی خلوص،کہا جاتاہے"عَسَلٌ نَاصِحٌ"شہد خالص ہے،یعنی خالص اچھی رائے دو جس میں برائی کا شائبہ نہ ہو۔

۴؎ اگر چھینک بیماری سے نہ ہو تو صفائی دماغ کا ذریعہ ہے،آدم علیہ السلام کو پیدا ہوتے ہی سب سے پہلے چھینک آئی،اس شکریہ میں اس پر حمدکرنی چاہیے،بعض جگہ مشہور ہے کہ ہفتہ کے دن بیمار پرسی نہ کی جائے،نماز جنازہ کے لیے جانا بھی سنت ہے اور دفن کے لیے بھی۔

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں کہ ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں کا حکم دیا اور سات سے منع کیا،ہمیں مریض کی عیادت،جنازوں کے ساتھ جانے،چھینک والے کا جواب دینے،سلام کا جواب دینے،دعوت قبول کرنے،قسم والے کو بری کرنے ۱؎ مظلوم کی مدد کرنے کا حکم دیا ۲؎ اور سونے کی انگوٹھی باریک وموٹے ریشم و دیباج پہننے ۳؎ سرخ نمدے ۴؎ اور قسی پہننے ۵؎ چاندی کے برتن کے استعمال سے منع فرمایا اور ایک روایت میں ہے کہ چاندی میں پینے سے منع فرمایا کہ جو دنیا میں اس میں پی لے گا وہ آخرت میں اس سے نہ پی سکے گا ۶؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی اگر کوئی شخص آئندہ کے متعلق کسی ایسے کام کی قسم کھائے جو تم کرسکتے ہو تو ضرور کردو تاکہ اس کی قسم پوری ہوجائے اور کفارہ واجب نہ ہو،مثلًا کوئی کہے کہ خدا کی قسم جب تک تم فلاں کام نہ کرلو میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں یا خدا کی قسم کل تم میرے پاس ضرورآؤ گے یا اگر تم فلاں کام نہ کرو تو میری بیوی کو طلاق،ان سب صورتوں میں تم وہ کام ضرور کرلو،بشرطیکہ وہ کام ناجائز نہ ہو۔

۲؎ لمعات ومرقات میں ہے کہ مظلوم مسلمان ہو یا کافر و ذمی یا مستامن حتی المقدور اس کی ضرور مدد کی جائے۔

۳؎ **حریر** سے مراد باریک ریشم ہے اور **استبراق** سے موٹا ریشم،**دیباج** وہ ہے جس کا بانا ریشم ہو اور تانا سوت وغیرہ کایاوہ جس میں ریشم زیادہ ہو اور دوسری چیز کم،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تفصیل تاکیدًا فرمائی یعنی کسی طرح کا ریشم مرد نہ پہنیں۔

۴؎ گھوڑے کی کاٹھی پر گدیلایانرم و موٹا کپڑا میثرہ کہلاتا ہے یہ اگر ریشم کا ہو تو حرام ہے اور اگرکسی اور کپڑے کا ہومگر ہو سرخ تو مکروہ کیونکہ یہ متکبرین کی علامت ہے،خود کاٹھی کا بھی یہی حکم ہے۔

۵؎ مصر کے علاقہ میں ایک بستی قسی تھی،وہاں کے بنے ہوئے کپڑے کو قسی کہتے تھے،جیسے ہمارے ہاں بھاگل پوری قسی کتان اور حریر سے بنتا تھا مگر حریر غالب ہوتا تھا اس لیے اس سے منع فرمایا گیا۔منشاء یہ ہے کہ نام کچھ بھی ہو ریشم پہننا حرام ہے،شراب کو برانڈی کہہ دینے سے حرمت ختم نہیں ہوجاتی۔

۶؎ یعنی وہ جنت میں نہ جائے گاکیونکہ تمام جنتی چاندی کے برتنوں میں پئیں گے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"قَوَارِیْرَاۡ ﴿۱۵﴾ قَوَارِیۡرَاۡ مِنۡ فِضَّۃٍ"۔مطلب یہ ہے کہ اپنے عذاب اور دوزخ میں رہنے کی مدت تک جنت میں جانے اور وہاں کے برتنوں کے استعمال سے محروم رہے گا۔بعض شارحین نے فرمایا کہ اسے جنت میں بھی دوسرے برتن دیئے

جائیں گے۔خیال رہے کہ سوناچاندی پہننے کی حرمت صرف مردوں کے لیے ہے،عورتوں کے لیے یہ سب جائز ہے،لیکن چاندی سونے کے برتنوں میں کھانا پینا عورت مرد سب کو حرام۔

روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو جنت کے باغ میں رہتا ہے حتی کہ لوٹ آئے ۱؎(مسلم)

۱؎خرفہ باغ کو بھی کہتے ہیں اور باغ سے چنے ہوئے پھلوں کو بھی اور خود چننے کو بھی،یعنی چونکہ بیمار پرسی کا ثواب جنت ہے اس لیے جو بیمار پرسی کرنے گیا گویا جنت ہی میں چلا گیا جیسے کہا جاتا ہے کہ جو ریل میں بیٹھ گیا گویا منزل پر پہنچ گیا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی قیامت کے دن فرمائے گا اے انسان میں بیمار ہوا تو نے میری مزاج پرسی نہ کی بندہ کہے گا الٰہی میں تیری عیادت کیسے کرتا تو تو جہانوں کا رب ہے فرمائے گا کیا تجھے خبر نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تو تو نے اس کی بیمار پرسی نہ کی ۱؎کیا تجھے خبر نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا اے آدمی میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے نہ کھلایا عرض کرے گا الٰہی تجھے میں کیسے کھلاتا تو تو جہانوں کا رب ہے فرمائے گا کیا تجھے علم نہیں کہ تجھ سے میرے فلاں بندے نے کھانا مانگا تونے اسے نہ کھلایا کیا تجھے پتہ نہیں کہ اگر تو اسے کھلاتا تو میرے پاس پاتا ۲؎اے انسان میں نے تجھ سے پانی مانگا تو تو نے مجھے نہ پلایا عرض کرے گا مولا میں تجھے کیسے پلاتا تو تو جہانوں کا رب ہے فرمائے گا تجھ سے میرے فلاں بندے نے پانی مانگا تو نے اسے نہ پلایا اگر تو اسے پلاتا تو آج میرے پاس وہ پاتا ۳؎(مسلم)

۱؎اس میں اشارۃً یہ فرمایا گیا کہ بندہ مؤمن بیماری کی حالت میں رب تعالٰی سے اتنا قریب ہوتا ہے کہ اس کے پاس آنا گویا رب کے پاس ہی آنا ہے اور اس کی خدمت گویا رب کی اطاعت ہے بشرطیکہ صابروشاکرہوکیونکہ بیمار مؤمن کا دل ٹوٹا ہوتاہے اور ٹوٹے دل بیمار کاشانہ یار ہیں،حدیث قدسی ہے"اَنَاعِنْدَالْمُنْكَسِرَةِقُلُوْبُهُمْ لِاَجَلِیْ"میں ٹوٹے دل

والوں کے پاس ہوں۔اس ترتیب سے معلوم ہورہا ہے کہ بیمار پرسی اگلے اعمال سے افضل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر پہلے کیا۔

۲؎یعنی اس کھانے کا ثواب یہاں پاتا۔خیال رہے کہ بیمار پرسی کے بارے میں فرمایا کہ تو بیمار کے پاس مجھے پاتا اور بھوکوں کو کھانا کھلانے کے بارے میں فرمایا کہ تو اس کا ثواب یہاں پاتا۔معلوم ہوا کہ بیمار پرسی بہت اعلیٰ عبادت ہے۔

۳؎اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقراء مساکین اللہ کی رحمت ہیں،ان کے پاس جانے،ان کی خدمتیں کرنے سے رب مل جاتا ہے،تو اولیاءاللہ کا کیا پوچھنا ان کی صحبت رب سے ملنے کا ذریعہ ہے،مولانا فرماتے ہیں۔شعر

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا　　　　او نشیند در حضور اولیا

قرآن کریم فرماتا ہے:"وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا"الایۃ "لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا۔صوفیاءفرماتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ جو گنہگار تمہارے پاس آجائے وہ خداکو پالے گا،مولانا کے شعر کا ماخذ یہ آیت اور یہ حدیث ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بدوی کے پاس بیمار پرسی کے لیئے تشریف لے گئے اور جب بھی آپ کسی بیمار کی عیادت فرماتے تو کہتے تھے کوئی ڈر نہیں خدانے چاہا یہ توصفائی ہے ۱؎چنانچہ اس سے بھی فرمایا کہ کوئی ڈر نہیں ان شاءاللہ صفائی ہے وہ بولا ہرگز نہیں یہ تو بہت بوڑھے پر بخار جوش ماررہا ہے اسے قبر جھنکا دے گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ایسے ہی سہی ۲؎(بخاری)

۱؎یعنی گناہوں سے صفائی ہے اور بہت سی بیماریوں سے بچاؤ کیونکہ بعض چھوٹی بیماریاں بڑی بیماریوں سے انسان کو محفوظ کردیتی ہیں،ایک زکام پچپن بیماریوں کو دور رکھتا ہے،خارش والے کو کبھی کوڑھ نہیں ہوتی۔اس حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ معلوم ہوئے کہ ہرغریب و امیر کے گھر بیمار پرسی کے واسطے تشریف لے جاتے۔سبحان اللہ!کیسا پاکیزہ کلمہ ہے کہ ایک طہور میں جسمانی،جنانی،روحانی صفائیوں کا ذکر فرمادیا۔

۲؎یعنی اگر تو خدا کی رحمت سے مایوس ہے تو پھر تو جان،یہ ارشاد اظہارکرنا راضی کے لیے ہے۔معلوم ہوا کہ بیماری میں رب سے مایوس نہیں ہونا چاہیے،صابروشاکر رہناضروری ہے۔یہ صاحب بدوی تھے جو ان آداب سے بے خبر تھے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم سے کوئی آدمی بیمار ہوتا تو اس پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرتے اور فرماتے اے لوگوں کے رب

بیماری دور کردے اسے شفا دے تو شافی ہے ا؎ شفا تو
صرف تیری ہی ہے وہ شفا دے جو بیماری نہ چھوڑے
۲؎(مسلم،بخاری)

ا؎اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالٰی کا ایسا نام لینا جو قرآن میں نہ ہو جائز ہے بشرطیکہ اس کے معنی خراب نہ ہوں،اس کی اصل قرآن مجید میں موجود ہو،شافی قرآن کے اسمائے الٰہیہ میں سے نہیں مگر اس کی اصل موجود ہے"فَهُوَ يَشْفِيْنِ"۔

۲؎یہ "اَنْتَ الشَّافِيْ"کی تفسیر ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ کامل نعمت کی دعا مانگو یعنی وہ شفا دے جو بیماری اور کمزوری سب کچھ دور کردے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیمار پر ہاتھ پھیرنا بھی سنت ہے تاکہ کلام کی برکت کے ساتھ ہاتھ کی برکت بھی مریض کو پہنچے،یہ حدیث صوفیاء کے اس عمل کی اصل ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ جب کسی شخص کا کچھ دکھتا یا اسے پھوڑا پھنسی اور زخم ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلی کے ساتھ یوں فرماتے بسم اللہ ہماری زمین کی مٹی ہمارے بعض کا تھوک ا؎ہمارے بیمار کو ہمارے رب کے حکم سے شفا دیتاہے۔(مسلم،بخاری)

ا؎یعنی اولًا آپ مرض کی جگہ انگلی رکھتے پھر انگلی پر کچھ لعاب شریف لگاکر مٹی لگاتے،پھر اس کا لیپ مرض کی جگہ کر دیتے اور یہ فرماتے جاتے کہ بفضلہٖ تعالٰی ہمارا لعاب اور مدینہ کی مٹی شفاہے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بیماری پر ٹوٹکے اور منتر جائز ہیں بشرطیکہ اس کے الفاظ کفریہ نہ ہوں اور کوئی کام حرام نہ ہو،اس کی اصل یہ حدیث بھی ہے اور وہ بھی کہ نظر بدمیں نظر والے کے ہاتھ پاؤں کو دھلاکر بیمار کو چھینٹا مار دو،شامی نے نظر اور جادو دفع کرنے کے بہت ٹوٹکے بیان فرمائے ہیں۔دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب شریف شفا ہے،بعض صوفیاء دم کرتے وقت کچھ لعاب بھی ڈال دیتے ہیں،اس کی اصل یہ حدیث ہے۔تیسرے یہ کہ مدینہ پاک کی مٹی شفا ہے وہاں کی خاک کو جو خاک شفا کہا جاتا ہے،اس کی اصل یہ حدیث ہے،مرقاۃ میں فرمایا کہ وطن کی خاک بھی شفا ہوتی ہے اگر کوئی مسافر اپنے وطن کی مٹی پردیس لے جائے جس میں تھوڑی پینے کے گھڑے میں ڈال دیا کرے تو ان شاءاللہ وہاں کا پانی نقصان نہ دے گا۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوتے تو اپنے پر اعوذ کی آیات دم کرتے اور اپنا ہاتھ وہاں پھیرتے ا؎تو جب حضور کو وہ بیماری ہوئی جس میں حضور کی وفات ہوئی تو میں آپ پر وہی دعائیں دم کرتی جو آپ دم کرتے تھے اور آپ کا ہاتھ پھیرتی ۲؎

(مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے فرماتی ہیں کہ جب حضور کے گھر والوں میں سے کوئی بیمار ہوتا تو آپ اس پر اعوذ والی آیات دم کرتے۳؎

۱؎ عنه کی ضمیر نفث کی طرف ہے یعنی وہ آیات پڑھ کر اپنے ہاتھ پر دم کرتے،پھر ہاتھ شریف بیمار جگہ پر پھیر لیتے تاکہ آیت قرآنی کا دم شریف اور ہاتھ کی برکتیں جمع ہوجائیں۔اس حدیث سے صوفیاء کا دم درود بیمار جگہ پر ہاتھ پھیرنا سب ثابت ہوا۔

۲؎ یعنی مرضِ وفات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو دم و دعائیں ساری چھوڑ دی تھیں کیونکہ آپ جانتے تھے یہ بیماری آخری ہے اس سے شفاء نہیں۔(مرقاۃ)مگر ام المؤمنین مایوس نہ تھیں،شفاء کے لیے آیتیں پڑھتیں اور برکت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر دم کرتیں۔

۳؎ جیسے فلق اور ناس وغیرہ،یہاں ہاتھ پھیرنے کا ذکر نہیں کیونکہ آپ کبھی فقط دم کرتے تھے کبھی ہاتھ بھی پھیرتے تھے۔

روایت ہے حضرت عثمان ابن ابی العاص سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درد کی شکایت کی جو ان کے جسم میں تھا۱؎ تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے جسم کے بیمار حصہ پر اپنا ہاتھ رکھو،تین بار بسم اللہ اور سات بار یہ دعا پڑھو،میں اللہ کی عزت اور اللہ کی قدرت کی پناہ لیتا ہوں اس کے شر سے جواب میں پاتا ہوں اور جس سے آئندہ خوف کرتا ہوں میں نے یہ عمل کیا تو اللہ نے میری بیماری دور کردی ۲؎(مسلم)

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ بیماری،ناداری اور تمام مصائب کی شکایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرسکتے ہیں۔ہم گنہگاروں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کرنا اسی حدیث سے ماخوذ ہے،اس میں رب سے ناراضی نہیں بلکہ اپنے شہنشاہ سے فریاد ہے اور دفعیہ کے لیے عرض معروض ہے جیسے مظلوم حاکم سے اور بیمار حکیم سے اپنی شکایات پیش کرتے ہیں۔

۲؎ خیال رہے کہ ان صحابی نے خود ہی دعا نہ مانگی بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر دعا کی۔مشائخ کرام سے جو وظیفوں اور دعاؤں کی اجازت لی جاتی ہے اس کی اصل یہ حدیث ہے،اجازت سے عمل کی تاثیر بڑھ جاتی ہے،دعائیں کارتوس ہیں اور بزرگوں کی زبان اور اجازت رائفل،بغیر رائفل شیر مارنے والا کارتوس مرغی کو نہیں مار سکتا۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ جبرئیل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے عرض کیا اے

محمد مصطفے! کیا آپ بیمار ہیں ا؎ فرمایا ہاں فرمایا میں آپ پر اللہ کے نام سے افسوں کرتا ہوں موذی چیز سے، ہر نفس کی شرارت سے، حسد والی آنکھ سے اللہ تمہیں شفا دے اللہ کے نام سے افسوں کرتا ہوں ۲؎ (مسلم)

ا؎ حضرت جبریل خود نہ آئے تھے بلکہ رب نے بھیجا تھا، یہ مزاج پرسی رب کی طرف سے تھی، قرآن کریم فرماتا ہے: "وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ"۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا پتہ لگا کہ رب ان کی مزاج پرسی کرے اور رب ہی جبریل کو بھیج کر ان پر دم کرائے۔ شعر

سر بالیں انہیں رحمت کی ادا لائی ہے　　　حال بگڑا ہے تو بیمار کی بن آئی ہے

۲؎ یہاں افسوں جادو کے معنی میں نہیں کہ فرشتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اس سے پاک ہے بلکہ دم جائز منتر یا اسلامی ٹوٹکا مراد ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسد و نظر بد بھی بڑی آفتیں ہیں اللہ محفوظ رکھے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن و حسین پر یوں تعویذ کرتے کہ میں تمہیں اللہ کے پورے کلمات کی پناہ میں دیتا ہوں ا؎ ہر شیطان و زہریلے جانور سے اور ہر بیمار کرنے والی نظر سے ۲؎ اور فرماتے کہ تمہارے والد اسی دعا سے حضرت اسمٰعیل و اسحاق کو تعویذ کرتے تھے ۳؎ (بخاری) اور مصابیح کے اکثر نسخوں میں تثنیہ کے لفظ سے ہے۔

ا؎ کلمات اللہ سے مراد سارے اسماء الٰہیہ ہیں، چونکہ وہ ہر نقص اور خرابی سے پاک ہیں اس لیے انہیں تامّات کہا گیا جیسے اللہ کی پناہ لینا ضروری ہے ایسے ہی اس کے ناموں کی پناہ بھی ضروری ہے۔ صوفیاء کی اصطلاح میں عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ ہیں، موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں اور حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کلمات اللہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ رب ہی کی پناہ ہے، صحابہ کرام تو بیماریوں میں آپ کے بال اور لباس سے شفاء حاصل کرتے تھے۔

۲؎ معلوم ہوا کہ جن اور نظر بد سے بھی انسان بیمار ہوجاتا ہے، جن کا اثر قرآن حکیم سے ثابت ہے۔

۳؎ اس میں اشارہ ہے کہ جیسے حضرت اسمٰعیل و اسحاق ذریت ابراہیمی کی معدن اور کان ہیں یوں یہی حضرت حسن و حسین نسل مصطفیٰ کی اصل ہیں۔ (مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ جس کا بھلا چاہتا ہے اس کو مصیبت دیتا ہے ا؎ (بخاری)

۱؎تا کہ وہ مصیبت زدہ بندہ اس پر صبر کرے اور اس کے درجے بڑھیں،انسان صبر سے وہاں پہنچتا ہے جہاں دیگر عبادات سے نہیں پہنچ سکتا۔خیال رہے کہ یُصِبْ ص کی کسرہ سے بھی ہوسکتا ہے اور فتح سے بھی،یعنی اس کی جان ومال اور اولاد میں سے کچھ لے لیتا ہے یا لے جاتا ہے۔

روایت ہے انہی سے اور حضرت ابوسعید سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ مسلمان کو تکلیف بیماری غم و رنج ایذائے غم حتی کہ کانٹا جو اسے لگے نہیں پہنچتا مگر اللہ اس کی برکت سے خطائیں مٹا دیتا ہے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎اذی اورغم ہم معنی ہیں،کبھی ان دونوں میں یہ فرق کیاجاتاہے کہ اذی وہ ہے جوکسی کی طرف سے انسان کو پہنچے اورغم میں یہ قید نہیں،نیز حزن معمولی غم کو بھی کہتے ہیں اور غم سخت کو یعنی وہ غم جو انسان کو قریبًا بے ہوش کردے،بعض نے فرمایا کہ آنے والے خطرے پر تکلیف کا نام ھم ہے اور گزشتہ پر غم و حزن۔خلاصۂ حدیث یہ ہے کہ صابر مسلمان کی تھوڑی تکلیف بھی اس کے گناہوں کا کفارہ ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ اگرکسی کو عبادتوں میں لذت نہ آئے،اس پر اسے غم ہو یہ بھی گناہوں کی معافی کا باعث ہے،عبادات کی لذت پانے والا لذت کے لیے بھی عبادت کرتا ہے مگر اس سے محروم خالص اللہ کیلئے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ کو بخار تھا میں نے اپنے ہاتھ سے جسم اطہر چھوا تو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور کو بخار بہت ہی سخت آتا ہے۱؎تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں مجھ کو تمہارے دو شخصوں کے برابر بخار ہوا کرتا ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یہ اس لیے ہوگا کہ حضور کو ثواب بھی دوگنا ہے ۲؎ فرمایا ہاں پھر فرمایا کوئی مسلمان ایسا نہیں جسے کوئی تکلیف بیماری وغیرہ پہنچے مگر اللہ تعالٰی اس کے گناہ یوں جھاڑ دیتا ہے جیسے درخت اپنے پتوں کو ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎تُوعَكُ وَعكٌ سے بنا،بمعنی بخار کی گرمی اور تکلیف۔اس جملہ سے معلوم ہوا کہ غلام آقا کی مزاج پرسی بھی کرے اور اس کے جسم کو ہاتھ بھی لگائے۔خیال رہے کہ بخار مرضِ انبیاء ہے،ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بخار ہی سے ہوئی۔

۲؎ یہ ہے صحابہ کا ادب و احترام،یعنی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو وہم بھی نہیں کیا جاسکتا کہ آپ کی بیماری خطاؤں کی معافی کے لیے ہو،آپ کو گناہ و خطا سے نسبت ہی کیا،آپ کی بیماری صرف بلندئ درجات کے لیے ہوسکتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جن چیزوں سے ہم گنہگاروں کے گناہ معاف ہوتے ہیں ان سے نیک کاروں کے درجے بڑھتے ہیں۔

۳؎ مسلمان سے مراد گنہگار مسلمان ہے۔بے گناہ مسلمان جیسے ابوبکر صدیق وغیرہم اور ناسمجھ بچے اس حکم سے علیحدہ ہیں،ان کے درجے بلند ہوں گے۔اس جملہ سے معلوم ہوا کہ لفظ مسلم اور مؤمن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ہوا کرتے،یہ الفاظ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم توعین ایمان ہیں،ہم نے اپنی "تفسیر نعیمی" پہلے پارے میں ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم میں "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا" میں امت سے خطاب ہوتا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ہوتے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے ایسا کوئی نہ دیکھا جسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سخت بیماری ہوتی ہو ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بیماری،درد،بخار وغیرہ دوسروں کی بیماریوں سے زیادہ سخت ہوتی تھیں۔چنانچہ بخاری نے ادب میں اور ابن ماجہ وحاکم وبیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابی سعید سے روایت کی کہ میں نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار میں دیکھا کہ کمبل شریف کے اوپر سے بخار کی تپش محسوس ہوتی تھی،میں نے گھبراکر کہا یارسول اللہ اتنا تیز بخار،تو فرمایا انبیاء کو ایسا ہی تیز بخار ہوتا ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے اور گلے کے درمیان وفات پائی ۱؎ تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیئے سختی موت کو کبھی ناپسند نہیں کرتی ۲؎ (بخاری)

۱؎ اس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم شریف آپ کے جسم پر تھا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ آپ کے سینہ پر اور سر مبارک گلے کے پاس۔سبحان اللہ!غار ثور میں صدیق اکبر کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک آپ کے زانو پر تھا اور بوقت وفات اس طیبہ،طاہرہ،عفیفہ،صدیقہ کو یہ عزت ملی،قرآن کی رحل بھی عزت والی ہے،ان حضرات کے جسم قرآن والے کی رحل ہیں،ان کی عزتیں قیامت میں دیکھنا۔

۲؎ یعنی پہلے میرا یہ خیال تھا کہ نزع کی تکلیف گناہوں کی زیادتی سے ہوتی ہے اور موت کی آسانی رب کی نعمت ہے مگر جب سے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت نزع دیکھی تب سے یہ دونوں خیال جاتے رہے۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی نے بیماریوں اور وفات کی تکلیفوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس لیے زیادہ کیا کہ قیامت تک آپ کے مصیبت زدہ امتی آپ کے ان حالات کو سن کر تسلی پائیں۔مبارک ہیں وہ رسول جن کی بیماری بھی تبلیغ اور امت کے لیے ذریعۂ رحمت ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن کی مثال کچی کھیتی کی سی ہے جسے ہوائیں جھلاتی ہیں کبھی گرادیتی ہیں کبھی سیدھا کرتی ہیں یہاں تک کہ اس کی موت آجاتی ہے اور منافق کی مثال مضبوط صنوبر کی سی ہے جسے کوئی آفت نہیں پہنچتی حتی کہ یکبارگی اس کا اکھڑنا ہوتا ہے ا۔(مسلم،بخاری)

ا۔یعنی مسلمان کی زندگی بیماریوں،مصائب و تکالیف میں گھری ہوتی ہے جن پر وہ صبر کرکے گناہوں سے پاک و صاف ہوتا رہتا ہے،منافق و کافر کی زندگی آرام و آسائش سے گزرتی ہے جس سے اس کی غفلتیں بڑھ جاتی ہیں پھر یکبارگی ہی موت آتی ہے۔یہ قاعدہ اکثریہ ہے کلیہ نہیں،بعض کافر اکثر بیمار رہتے ہیں اور بعض مؤمن کم بیمار ہوتے ہیں،نیز بعض غافل بیمار ہوکر اور زیادہ غافل بلکہ بے ادب ہوجاتے ہیں،رب کو گالیاں دیتے ہیں اور بعض مؤمن تندرستی میں ایک سانس ذکر الٰہی کے بغیر نہیں لیتے مگر ایسا بہت کم ہے لہذا اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بالکل برحق ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن کی مثال کھیت کی سی ہے جسے ہوائیں جھلاتی رہتی ہیں اور مؤمن کو مصیبتیں پہنچتی رہتی ہیں اور منافق کی مثال درخت صنوبر کی سی ہے جو کٹنے تک جنبش نہیں کرتا ا۔(مسلم،بخاری)

ا۔اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ مؤمن خوشی سے مرتا ہے اور منافق جبرًا موت دیا جاتا ہے،موت ایک ریل ہے جو دولہا کو سسرال تک پہنچاتی ہے اور پھانسی کے مجرم کو پھانسی تک مؤمن کی دنیوی تکلیفیں آخرت کی راحت کا سبب ہیں،منافق کی دنیوی راحتیں آخرت کی مصیبتوں کا ذریعہ،یہ بھی قاعدہ اکثریہ ہے،ورنہ مؤمن دنیا میں کتنا ہی آرام سے رہے ان شاءاللہ آخرت کے دائمی عذاب سے بچے گا،کافر دنیا میں کتنی ہی مصیبت سے رہے مگر آخرت میں نجات نہیں پاسکتا۔روح البیان میں ایک جگہ فرمایا کہ ایک مصیبت زدہ کافر نے کسی عیش والے مؤمن سے کہا کہ تمہارے نبی نے فرمایا ہے دنیا مؤمن کی جیل ہے اور کافر کی جنت مگر یہاں تم جنت میں ہو اور میں جیل میں،انہوں نے فورًا جواب دیا کہ تو آخرت کی مصیبتوں کو دیکھ کر دنیا کی ان تکالیف کو جنت سمجھے گا اور ہم راحتوں کو دیکھ کر یہاں کی عیش کو جیل سمجھتے ہیں اور سمجھیں گے،نیز ہم ان عیشوں میں دل نہیں لگاتے،جیل اگرچہ اے کلاس ہو مگر جیل ہے اور تم یہاں سے جانا نہیں چاہتے،ہمارے نبی کی حدیث بالکل صحیح ہے۔صلی اللہ علیہ وسلم۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام السائب کے پاس تشریف لائے

تو فرمایا کہ تمہیں کیا ہوا کہ کانپ رہی ہو،بولیں بخار ہے اس کا ستیاناس ہو فرمایا بخار کو برا نہ کہو وہ تو انسان کی خطائیں ایسے دورکرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو ۱؎(مسلم)

۱؎اور بیماریاں ایک یا دوعضو کو ہوتی ہیں مگر بخار سر سے پاؤں تک ہر رگ میں اثرکرتا ہے،لہذا یہ سارے جسم کی خطاؤں اور گناہوں کو معاف کرائے گا۔امام سیوطی نے ایک کتاب لکھی **کشف الغمہ فی اخبار الحمی**،اس میں بروایت حسن مرفوعًا نقل کیا کہ ایک رات کا بخار تمام خطائیں معاف کرادیتا ہے،حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ مؤمن کا ایک رات کا بخار ایک سال کا کفارہ ہے،حضرت ابو امامہ فرماتے ہیں کہ بخارجہنم کی بھٹی ہے اللہ تعالٰی اس کی وجہ سے مؤمن کو جہنم سے بچاتاہے،حضرت ابی ابن کعب نے دعا مانگی تھی کہ خدایا مجھے ایسا بخارنصیب کر جوتیری راہ میں چلنے،تیرے گھر آنے اورتیرے نبی کی مسجد تک پہنچنے سے نہ روکے۔چنانچہ آپ کو ہمیشہ ہلکا بخار رہتا تھا اور اسی حال میں مسجد وغیرہ جایاکرتے تھے۔(مرقاۃ)امام اہل سنت اعلٰی حضرت مولانا احمدرضا خاں صاحب بریلوی فرماتے ہیں کہ **الحمدللہ** مجھے بھی ہمیشہ ہلکا بخار رہتا ہےمگر اس حالت میں اعلٰی حضرت نے دین کی وہ خدمتیں کیں کہ **سبحان اللہ!**

روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندہ بیمار یا مسافر ہوتا ہے تو اس کے وہی عمل لکھے جاتے ہیں جو وہ تندرستی اور گھر میں کرتا تھا ۱؎(بخاری)

۱؎یعنی اگر بیماری یا سفر کی وجہ سے وہ تہجد وغیرہ نوافل نہ پڑھ سکے یا جماعت میں حاضر نہ ہوسکے تو اس کو ان کا ثواب مل جائے گا بشرطیکہ تندرستی میں ان چیزوں کاپابندہو۔حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بیماری یا سفرمیں فرائض معاف ہوجاتے ہیں وہ تو ادا کرنے ہی پڑیں گے اور اگر وہ رہ گئے ہوں تو ان کی قضاء واجب ہوگی۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ طاعون ہرمسلمان کی شہادت ہے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎طاعون **طعن** سے بنا،بمعنی نیزہ مارنا،چونکہ اس بیماری میں مریض کو پھوڑے یا زخم سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اسے کوئی نیزے ماررہا ہے،سُوئیاں چبھورہا ہےاس لیے اسے طاعون کہا جاتاہے۔یہ مشہور وبائی بیماری ہے۔(لمعات)چونکہ در حقیقت اس مرض میں بیمارکو جنات نیزے مارتے ہیں اس لیے اس میں شہادت کا ثواب ہے۔احمدنے حضرت ابوموسیٰ سے مرفوعًا روایت کیا کہ میری امت کی فنا طعن اور طاعون سے ہوگی۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید پانچ ہیں ۱؎طاعون والا،پیٹ

کی بیماری والا،ڈوبا ہوا،دب کر مرنے والا اور اللہ کی راہ
کا شہید۔(مسلم،بخاری)

۱؎ شہید کے معنی ہیں گواہ یا حاضر،چونکہ قیامت میں شہید سرکاری گواہ ہوگا،نیز وہ اپنے خون سے توحید و رسالت کی گواہی دیتاہے اور یہ مرتے ہی بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوتا ہے اور اس کی جان کنی پر رحمت کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں،ان وجوہ سے اسے شہید کہتے ہیں۔شہید حقیقی وہ ہے جو ظلمًا قتل ہو۔اور شہید حکمی وہ جنہیں شہادت کا ثواب دے دیا جائے،شہید حکمی قریبًا ۸۰ ہیں جس میں سے یہاں پانچ کا ذکرہے:جو طاعون کی بیماری میں صابر ہوکرمرے وہ شہیدہے،جوپیٹ کی بیماری دست وغیرہ میں مرے،اتفاقیہ ڈوب جائے،اونچے سے گر جائے یا عمارت میں دب جائے یہ سب حکمی شہید ہیں۔دیدہ دانستہ دریا میں ڈوبنے والے یا اوپر سے کودنے والے حرام موت مریں گے شہید نہ ہوں گے،اس جگہ مرقاۃنے شہادت کی بہت سی قسمیں بیان فرمائیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے متعلق پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا کہ وہ ایک عذاب ہے اللہ جس پر چاہے بھیجے ۱؎ البتہ رب نے اسے مسلمانوں کے لئے رحمت بنادیا ایسا کوئی نہیں کہ جس کے شہرمیں طاعون پھیلے وہ وہاں صبر کرکے اجر کے لئے ٹھہرے یہ جانتے ہوئے کہ اسے وہی پہنچے گا جو اللہ نے اس کے لیئے لکھا مگر اسے شہید کا سا ثواب ہوگا ۲؎(بخاری)

۱؎ یعنی طاعون کفار پر عذاب ہے جو کافر اس میں مرے گا وہ عذاب کی موت مرے گا۔

۲؎ یعنی یہ صابر خواہ طاعون میں فوت ہوجائے یا نہیں جب بھی مرے گااسے درجۂ شہادت ملے گا،گویا طاعون میں صبر شہادت کے اجر کا باعث ہے جیسے کہ روایات میں ہے کہ جو تاجر باہر سے غلہ لاکر فروخت کیا کرے تاکہ شہر کا قحط دور ہوجب مرے گا جیسے مرے گا شہید ہوگا،یونہی طالب علم اور مؤذن۔

روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے فرماتے ہیں فرمایا رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طاعون ایک عذاب تھا جو بنی اسرائیل کے ایک ٹولہ پر یا تم سے پہلے والوں پر بھیجا گیا ۱؎ تو جب تم اسے کسی زمین میں سنو تو وہاں نہ جاؤ اورجب وہاں پھیل جائے جہاں تم ہوتووہاں سے نہ بھاگو ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہ وہی بنی اسرائیل تھے جن سے کہا گیا تھا کہ تم توبہ کے لیے بیت المقدس میں سجدہ کرتے ہوئے جاؤ تو وہ گھسٹتے ہوئے گئے تھے،انہیں پر طاعون بھیجا گیا جس سے ایک ساعت میں چوبیس ہزار ہلاک ہوگئے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"

فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِمۡ رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ"۔اس سے معلوم ہوا کہ محبوبوں کے شہروں کی بے ادبی کرنے پر عذاب الٰہی آجاتا ہے۔

۲؎کیونکہ یہ ایک بلاء ہے اور بلاء میں خود جانانہیں چاہیے اور جب آجائے تو گھبرانا نہیں چاہیے۔خیال رہے کہ بلاء سے فرار نہیں بچاتا بلکہ استغفار بچاتا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی طاعون کی جگہ سے کسی ضرورت کے لیے باہر جائے مضائقہ نہیں،بھاگنے کی نیت سے نکلنا گناہ ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ رب تعالٰی فرماتاہےجب میں اپنےکسی بندے کو اس کی دو پیاری چیزوں یعنی آنکھوں میں مبتلا کر دوں ۱؎پھر وہ صبر کر جائے تو میں انکے عوض اسے جنت دوں گا۔(بخاری)

۱؎اس طرح کہ اسے اندھاکردوں یا اس کی بینائی ایک دم کمزور کردوں،بعض روایتوں میں ایک آنکھ کا بھی ذکر ہے،ایسے شخص کو چاہیے کہ اس مصیبت پر ان انبیاء،اولیاء کے حالات میں غور کرے جونابیناہوکر صابروشاکر تھے،سیدنا عبداللہ ابن عباس آخری عمر میں نابینا ہوگئے تو یہ پڑھا کرتے تھے۔شعر

اِنۡ یَذۡھَبَ اللہُ مِنۡ عَیۡنِیۡ نُوۡرَھُمَا فَفِیۡ لِسَانِیۡ وَقَلۡبِیۡ لِلۡھُدیٰ نُوۡرٌ

یعنی اگر میری آنکھ کی روشنی جاتی رہی تو کیا ہوا،میری زبان اور دل میں تو ہدآیت کا نور ہے۔

الفصل الثاني
دوسری فصل

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سناکہ ایسا کوئی مسلمان نہیں جوکسی مسلمان کی صبح کے وقت بیمار پرسی کرے مگر ستر ہزار فرشتے اسے شام تک دعائیں دیتے ہیں اور اگر شام کو بیمار پرسی کرے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے دعائیں دیتے ہیں اور اس کے لیئے جنت میں باغ ہوگا ۱؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎صبح سے لے کر دوپہر تک کو غدوۃ کہا جاتا ہےاور زوال سے شروع رات تک عشاء۔خریف چنے ہوئے پھلوں کو بھی کہتے ہیں اور باغ کو بھی،یہاں دوسرے معنے مراد ہیں یعنی بیمار پرسی معمولی سی نیکی معلوم ہوتی ہے مگر یہ لاتعداد فرشتوں کی دعا ملنے کا ذریعہ ہے اور جنت ملنے کا سبب بشرطیکہ صرف رضائے الٰہی کے لیے ہو۔

روایت ہے حضرت زید ابن ارقم سے فرماتے ہیں کہ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری آنکھ کے درد میں بیمار پرسی کی ۱؎(احمد،ابوداؤد)

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ معمولی بیماری میں بھی بیمار پرسی کرنا سنت ہے جیسے آنکھ یا کان یا ڈاڑھ کا درد کہ یہ اگرچہ خطرناک نہیں مگر بیماری تو ہیں۔جن فقہاء نے فرمایا کہ ان بیماریوں میں عیادت سنت نہیں ان کا مطلب ہے سنت مؤکدہ نہیں۔مرقاۃ نے فرمایا کہ جس بیماری کی وجہ سے بیمار باہر چل پھر نہ سکے اس میں عیادت کرے۔

۲؎یہ حدیث صحیح الاسناد ہے،بیہقی وطبرانی میں جو ہے کہ پھنسی،آنکھ و ڈاڑھ کے درد میں عیادت نہیں وہ حدیث مرفوع صحیح نہیں بلکہ ابن کثیر کا قول ہے جیساکہ بیہقی نے بسند صحیح روایت کیا۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اچھی طرح وضوکرے اورطلب ثواب کے لیئے اپنے مسلمان بھائی کی بیمار پرسی کرے ۱؎تو ستر سال کے فاصلہ پر دوزخ سے دور رکھا جائے گا ۲؎(ابوداؤد)

۱؎یعنی باوضو بیمار پرسی کی جائے کیونکہ عیادت لفظًا ومعنًی عبادت ہے اورعبادت باوضو بہترہے،نیز عیادت میں دعا اور مریض پر کچھ پڑھ کر دم کرنا ہوتا ہے اورباوضو دعا و دم بہتر ہے،بعض لوگ باوضو قربانی فاتحہ وایصال ثواب کراتے ہیں بلکہ گیارھویں شریف کا کھاناباوضو پکاتے اورکھاتے ہیں،یہ حدیث ان کی اصل ہے۔

۲؎یعنی عیادت کی برکت سے وہ دوزخ سے اتنا دور رہے گا کہ اگر وہاں سے چلے تو ستر سال میں دوزخ کے کنارے پہنچے۔خیال رہے کہ خریف موسم خزاں کو کہتے ہیں جیسے ربیع موسم بہار کو کہا جاتاہے مگر یہاں اس سے سال مراد ہے،جزء بول کر کل مراد لیا،سنہ ہجری خلافت فاروقی سے شروع ہوا،پہلےکسی واقعہ سے سالوں کاحساب لگاتے تھے جیسے فیل کا سال،فتح کا سال وغیرہ۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی مسلمان کسی مسلمان کی بیمار پرسی کرے تو سات بار کہہ دے ۱؎کہ میں عظمت والے اورعرش عظیم کے رب یعنی اللہ سے دعاکرتا ہوں کہ تجھے شفا دے مگر اسے شفا ہوگی لیکن یہ کہ اس کی موت ہی آگئی ہو۲؎(ابوداؤد،ترمذی)

۱؎اکثر دعاؤں میں آخری تعداد تین بار ہوتی ہے،یہاں سات بار ہے تاکہ بیمار کے ساتویں اعضاء سے بیماری دور ہو،نیز بیماری کا دفیعہ اہم ہے اس لیے تعداد بجائے تین کے سات کردی گئی۔(لمعات)

۲؎ یہ حکم تغلیبی ہے یعنی اکثر شفا ہوگی یا مطلب یہ ہے کہ اگر اس عمل کے تمام شرائط جمع ہوں تو **بفضلہٖ تعالٰی** ضرور شفا ہوگی۔اگرکبھی شفاء نہ ہوتو سمجھو کہ ہماری طرف سے کوئی کوتاہی ہے،اللہ رسول سچے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ موت کا علاج نہیں۔مرقاۃ میں ہے کہ اگر قریب المرگ پر یہ دعا پڑھی جائے تو **ان شاءاللہ** اس کی جان کنی آسان ہوگی اورایمان پرخاتمہ نصیب ہوگا۔غرضکہ دعارائیگاں نہ جائے گی،شفائے ظاہرنہ ہو تو شفائے باطن ہوگی۔

روایت ہے انہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بخار اور تمام دردوں کی یہ دعا سکھاتے تھے کہ کہیں کبریائی والے اللہ کے نام سے میں ہرخون سے بھری رگ اور آگ کی تپش کی شرارت سے عظمت والے رب کی پناہ مانگتا ہوں ۱؎(ترمذی)اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے،صرف ابراہیم ابن اسمٰعیل کی حدیث سے پہچانی گئی ہے اور وہ حدیث میں ضعیف مانے جاتے ہیں ۲؎

۱؎ چونکہ بخار میں آگ کی سی تپش ہوتی ہے اور اکثر درد رگ کے جوش اورخون کے دباؤ سے ہوتے،اس لیے خصوصیت سے ان دونوں کی شر سے پناہ مانگی،یہاں شر سے مراد تکلیف ہے،راحت کا مقابل،یہ شر خیر کے مقابل نہیں،مؤمن کی بیماری **بفضلہٖ تعالٰی** خیر ہوتی ہے،یعنی باعث ثواب لہذا حدیث پر اعتراض نہیں۔

۲؎ چنانچہ امام قرطبی نے فرمایا کہ وہ متروک الحدیث ہیں مگر حاکم وبیہقی نے یہ حدیث بروایت صحیح نقل کی۔بہرحال ترمذی کو ضعیف ہوکرملی مگر ان محدثین کو صحیح ملی،اگر ضعیف بھی ہوتی تو فضائل اعمال میں قبول تھی۔

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم میں جو کچھ بیمار ہویا اس کا بھائی بیماری کی شکایت کرے توکہے ہمارا رب وہ اللہ ہے جو آسمان میں ہے ۱؎ تیرا نام پاک ہے تیرا حکم آسمان وزمین میں ہے جیسے تیری رحمت آسمان میں ہے یوں ہی اپنی رحمت زمین میں کر ۲؎ ہمارے گناہ و خطائیں بخش دے تو پاکوں کا رب ہے ۳؎ ہم پر اپنی رحمتوں سے کوئی رحمت اتار اور اپنی شفا میں سے شفا اس درد پر اتارتو وہ اچھا ہوجائے گا۔(ابوداؤد)

۱؎ یعنی اللہ کی بادشاہت وحکومت آسمان میں ہے کیونکہ اللہ تعالٰی آسمان یا زمین میں ہونے سے پاک ہے۔آسمان وہ جگہ ہے جہاں کسی کی ظاہری حکومت بھی نہیں،نیز وہاں سارے معصوم ہی رہتے ہیں اسی لیے اکثر رب تعالٰی کو آسمان کی طرف نسبت کرتے ہیں۔

۲؎ یعنی صدقہ ان فرشتوں کا جنہیں تو نے بیماری،آزاری سے محفوظ رکھا ہے،اس بیمار کو شفاء دے۔اس سے معلوم ہوا کہ نیک مخلوق کے حوالے سے دعاکرنا سنت سے ثابت ہے۔

۳؎ اللہ کی ربوبیت عامّہ ساری مخلوق کے لیے ہے مگر ربوبیت خاصّہ صرف پاک لوگوں کے لیےیعنی جسمانی روزی سب کو دیتا ہے،کھانا پینا وغیرہ،روحانی روزی،مغفرت،عرفان و ایمان صرف پاکوں کو،یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا حال ہے کہ آپ رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡن بھی ہیں اور بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ الرَّحِیۡم بھی لہٰذا حدیث واضح ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی شخص کسی بیمار کی عیادت کو جائے تو یوں کہے الٰہی اپنے بندے کو شفادے وہ تیری راہ میں تیرے دشمن کو زخمی کرے گا یاکسی جنازے میں جائیگا ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی اے مولیٰ اگر تو نے اسے شفاء دے دی تو ممکن ہے کہ کبھی تلوار یا قلم یا زبان سے کفار کا جسم یا دل زخمی کرے یا کبھی مسلمان بھائی کو ادنی نفع پہنچادے کہ بعدموت اس کے جنازے میں شرکت کرے۔معلوم ہوا کہ آئندہ یا گذشتہ نیک اعمال کی برکت سے دعاکرنا سنت ہے اور جب اللہ کسی بیمار کو شفاء دے تو اس کے شکریہ میں نیکیاں کرے اور کفار کو جنگ میں ایذا دینا ایسا ہی ثواب ہے جیسا مسلمان کو راحت پہنچانا۔

روایت ہے حضرت علی بن زید سے وہ امیہ سے راوی ۱؎ کہ انہوں نے حضرت عائشہ سے رب کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا کہ خواہ تم اپنے دل کی باتیں ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا اور اس کے فرمان کے بارے میں جو کوئی گناہ کرے گا اس کا بدلہ دیا جائے گا ۲؎ آپ بولیں کہ جب سے میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا مجھ سے یہ کسی نے نہ پوچھا ۳؎ حضور نے فرمایاکہ یہ اللہ کا بندوں پرعتاب ہے کہ جو اسے بخار یا مصیبت پہنچ جاتی ہے حتی کہ جو مال اپنی قمیص کی آستین میں رکھے پھر اسے گم پائے تو اس سے گھبرا جائے یہاں تک کہ بندہ اپنے گناہوں سے ایسا نکل جاتا ہے جیسے پیلا سونا بھٹی سے نکل کر ۴؎(ترمذی)

۱؎ آپ کا نام علی ابن زیدعبدالرحمٰن ابن جدعان ہے،قریشی ہیں،تیمی ہیں،تابعین بصرہ سے ہیں،امیہ تابعین میں سے ایک بی بی ہیں جوحضرت عائشہ سے روایت کرتی ہیں،علی ابن زیدکی دادی ہیں جنہوں نے علی کی ماں کہا مجازًا کہا۔

۲؎ سوال کا مقصد یہ ہے کہ یہ آیات بظاہر معافی کی آیات کے بھی خلاف ہیں اور اس کے بھی کہ اللہ تعالٰی طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتا،جب ہر خطا کی سزا ہے اور دل کے خیال تک کاحساب ہے تومعافی کیسی۔
۳؎ یعنی تمہارا سوال بہت ہی اچھا ہے اور تم سے پہلے کسی کو یہ سوال نہ سوجھا اچھا ہوا تم نے پوچھ لیا ورنہ آیت کی تفسیر میرے ساتھ ہی جاتی۔
۴؎ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ تم سمجھی ہو ہر ظاہر و باطن خطاء کا عذاب قیامت میں ہوگا اور کسی خطا کی معافی نہ ہوگی یہ صحیح نہیں بلکہ دنیا میں مؤمن کو معمولی سی تکلیف پہنچ جاتی ہے وہ اس کی خطاء کا عوض بن جاتی ہے۔اللہ تعالٰی اس کاحساب و عتاب یہاں ہی پورا کردیتا ہے لہذا آیات معافی میں آخرت کی معافی مراد ہے اور عذاب کی نفی ہے اور یہاں دنیا کی تکالیف مراد اور عتاب کا ثبوت ہے لہذا آیات میں تعارض نہیں۔خیال رہے کہ عذاب دشمن کو دیا جاتا ہے اور عتاب دوست پر ہوتا ہے جو غلطی سے جرم کر بیٹھے،نیز یہاں گناہوں سے مراد حقوق اللہ کے گناہ صغیرہ ہیں،ورنہ شرعی حقوق،یوں ہی بندوں کے حقوق بیماری وغیرہ سے معاف نہیں ہوتے۔حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ مقروض یا بے نماز جب کبھی بیماری سے اٹھے تو گزشتہ قرضے بھی معاف ہوگئے اور نہ پڑھی ہوئی نمازیں بھی،لہذا منکرین حدیث چکڑالوی اس پر اعتراض نہیں کرسکتے۔

روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندے کومصیبت یا اس سے کم و بیش تکلیف گناہ کے بغیر نہیں پہنچتی ۱؎ اورجوکچھ رب معاف کردیتا ہے وہ بہت ہے اور آیت یہ تلاوت کی جو مصیبت تمہیں پہنچی وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی سے تھی رب تو بہت معافی دیتاہے ۲؎ (ترمذی)

۱؎ یہاں بندوں سے مراد ہم جیسے گنہگار بندے ہیں کہ ہم کو جوتکلیف پہنچتی ہے وہ ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہے،اس قاعدے سے بے گناہ بچے،انبیاء اور بعض محفوظ اولیاء علیحدہ ہیں جنہوں نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں اور تکلیف و بیماری انہیں بھی آتی ہے،ان بزرگوں کے متعلق گزشتہ احادیث تھیں کہ ان لوگوں کے درجے بڑھانے کے لیے بیماریاں آتی ہیں،لہذا نہ تو یہ حدیث گزشتہ احادیث کے خلاف ہے اور نہ اس سے آریوں کا آواگون کا مسئلہ ثابت ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں نے پچھلی جون گناہ کئے تھے جس کی سزا اب مل رہی ہے اور نہ یہ حدیث عصمت انبیاء کے خلاف ہے۔اگر نبی بے گناہ ہوتے تو انہیں بیماری و مصیبت کیوں آتی۔غرضکہ اس حدیث کو نہ سمجھ کر بے دینوں نے بہت سے غلط مسائل اس سے نکال لیئے،بعض مفسرین نے فرمایا کہ آیت "وَمَآ اَصٰبَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ" میں ایک خاص مصیبت مراد ہے یعنی غزوہ احد میں جوتمہیں مصیبت اور شکست پہنچی وہ تمہاری اپنی غلطی سے تھی کہ تم نے درہ خالی چھوڑ دیا جس سے کفار لوٹ کر تم پر ٹوٹ پڑے۔اس صورت میں آیت بالکل واضح ہے۔
۲؎ یعنی رب تعالٰی تمہاری بہت خطاؤں سے درگزر فرمادیتاہے،بعض پر معمولی پکڑ کرتا ہے وہ بھی تمہیں آگاہ کرنے اور آئندہ احتیاط رکھنے کے لیے،اس پکڑ میں بھی اس کا کرم ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندہ عبادت کے اچھے رستہ پر ہوتا ہے ۱؎ پھر بیمار ہوجاتا ہے تو اس پر مقرر شدہ فرشتہ سے کہاجاتاہے تو اس کے تندرستی کے زمانہ کے برابر اعمال لکھ یہاں تک کہ میں اسے شفادے دوں یا اپنے پاس بلالوں ۲؎

۱؎ یعنی تندرستی میں عبادت کرتا ہے رب سے غافل نہیں ہوتا پھر بیمار پڑ جاتا ہے۔

۲؎ اس کی شرح پہلے ہوچکی کہ اس عبادت سے مراد نفلی عبادت،مسجد میں حاضری وغیرہ ہے کہ اگر بندہ بیماری میں یہ نہ کرسکے تو اسے برابر ان کا ثواب پہنچتا رہتا ہے۔اس سے اشارۃً معلوم ہورہا ہے کہ اگر بندہ سخت بیماری یا غشی کی وجہ سے فرض نماز نہ پڑھ سکا پھر بغیر صحت ہوئے اسی حالت میں اسے موت آگئی تو ان شاءاللہ پکڑ نہ ہوگی۔اس کی تحقیق کتب فقہ میں ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مسلمان کسی جسمانی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو فرشتہ سے کہاجاتا ہے کہ تو اس کی وہی نیکیاں لکھ جو یہ پہلے کرتا تھا ۱؎ پھر اگر رب اسے شفا دیتا ہے تو اسے دھو دیتا ہے اورپاک کردیتا ہے اور اگر اسے وفات دیتا ہے تو اسے بخش دیتا ہے اور رحم کرتا ہے ۲؎ یہ دونوں حدیثیں شرح سنہ میں ہیں۔

۱؎ سبحان اللہ! کیسا مبارک فرمان ہے کہ بیمار کو تندرستی کی نیکیوں کا ثواب ملتا رہتا ہے مگر تندرستی کے گناہوں کا عذاب نہیں ہوتا،یعنی اگر چور بدمعاش بیماری کی وجہ سے چوری،بدمعاشی نہ کرسکے تو اس کے نامۂ اعمال میں چوری وغیرہ لکھی نہ جائے گی،بلکہ ممکن ہے کہ توبہ کی توفیق مل جائے جس سے ان گناہوں کی معافی ہوجائے اس لیے یہاں صالح عمل ارشاد ہوا یہ سب اس لیے ہے کہ ہم اس کے حبیب کی امت ہیں۔

۲؎ یہ جملہ فقیر کی گزشتہ شرح کی تائید کررہا ہے کہ مؤمن کی بیماری میں گناہوں کی تو بخشش ہوجاتی ہے مگر بدستور نیکیاں لکھی جاتی رہتی ہیں،گویا بیماری روحانی غسل ہے یا میلے دل کا صابن۔

روایت ہے حضرت جابر ابن عتیک سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی راہ میں مارے جانے کے سوا سات شہادتیں اور بھی ہیں ۱؎ طاعون والا شہید ہے،ڈوبا ہوا شہید ہے،ذات الجنب کی بیماری والا شہید ہے،پیٹ کی بیماری والا شہید ہے ۲؎ آگ والا شہید ہے،دب کر مرنے والا شہید ہے،عورت ولادت میں مرجائے تو

شہید ہے ۳؎(مالک،ابوداؤد،نسائی)

۱؎جن میں شہادت فی سبیل اللہ کا ثواب ملتا ہے جنہیں شہادت حکمی کہتے ہیں کہ ان لوگوں کا حشر شہداء کے ساتھ ہوگا مگر ان شہادتوں پر کچھ شرعی احکام جاری نہیں ہوتے۔

۲؎یعنی جو طاعون میں صابر ہوکر مرے اور پیٹ کے درد یا دست یا استسقاءوغیرہ بیماری سے مرے یا ذات الجنب کی بیماری سے مرے جس میں پسلیوں پر پھنسیاں نمودار ہوتی ہیں،پسلیوں میں درد اور بخار ہوتا ہے،اکثر کھانسی بھی اٹھتی ہے یہ سب لوگ حکمًا شہید ہیں،یہ رب کی رحمت ہے کہ ان لوگوں کو درجۂ شہادت عطا فرماتا ہے۔

۳؎اس طرح کہ حاملہ فوت ہوجائے یا ولادت کی حالت میں میلا نہ نکلنے کی وجہ سے مرے یا ولادت کے بعد چالیس دن کے اندر فوت ہو بہرحال وہ حکمًا شہید ہے،بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد کنواری عورت ہے جو بغیر شادی فوت ہوجائے۔

روایت ہے حضرت سعد سے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سخت مصیبت والے کون ہیں فرمایا انبیاء پھر ترتیب وار افضل لوگ ۱؎انسان اپنی دینداری کے مطابق مبتلا ہوتا ہے اگر اس کے دین میں سختی ہے تو اس کی بلائیں بھی سخت ہوں گی ۲؎اور اگر اس کے دین میں نرمی ہے تو اس پر آسانی کی جائے گی ایسا ہی ہوتا رہے گا حتی کہ وہ زمین پر بے گناہ ہوکر چلے گا۔(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱؎بزرگوں کی سخت آزمائش کی چند وجوہ ہیں:ایک یہ کہ انہیں آزمائشوں میں ایسی لذت آتی ہے جیسی دوسروں کو نعمتوں میں۔دوسرے یہ کہ ان کی یہ تکالیف ان کی بندگی کی دلیل ہیں اگر وہ بیمار نہ ہوں تو معتقدین انہیں خدا سمجھ لیں۔قبطیوں نے فرعون کو خدا سمجھا کیونکہ وہ کبھی بیمار نہ پڑا۔تیسرے یہ کہ ان کی مصیبتوں کی وجہ سے دوسرے پر مصیبت آسان ہوجاتی ہے،کربلا کے واقعہ سے لوگوں کو بہت صبر وسکون نصیب ہوتاہے۔

۲؎کیونکہ بڑے طالب علموں کا امتحان بھی بڑا ہوتا ہے اور بعد امتحان انہیں عہدہ بھی بڑا ملتا ہے اور چھوٹے طالب علموں کا امتحان چھوٹا۔شعر

بڑوں کو دکھ بہت ہے اور چھوٹوں سے دکھ دور ۔۔۔ تارے سب نیارے رہیں گہن چاند اور سور

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت موت دیکھنے کے بعد کسی کی آسان موت پر رشک نہیں کرتی ۱؎(ترمذی،نسائی)

۱؎دوسرے کی بھلائی اپنے لیے بھی چاہنا غبطہ یا رشک کہلاتا ہے اورکسی کی نعمت پر جلنا اور اس کا زوال چاہنا حسد یا جلن کہا جاتا ہے،رشک کبھی اچھا ہوتا ہے کبھی برامگر حسد ہمیشہ بری ہی ہوتی ہے۔حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پہلے میں کسی کی جانکنی آسان دیکھتی تو رشک کرتی اور چاہتی تھی کہ میری موت بھی ایسی ہی آسان ہو۔سمجھتی تھی کہ آسان نزع مرنے والے کی نیکی ومقبولیت کی علامت ہے مگر جب حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم کی شدت نزع دیکھی تو یہ خیال ورشک دونوں جاتے رہے،سمجھ گئی کہ سختی جانکنی اچھی چیز ہے بری نہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات کی حالت میں دیکھا آپ کے پاس پانی کا پیالہ تھا آپ پیالے میں ہاتھ ڈالتے پھر چہرۂ انور پر پھیر لیتے ۱؎اورعرض کرتے الٰہی موت کی سختیوں یا دشواریوں پر میری مدد فرما ۲؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎غشی یا تپش دورکرنے کے لیے یہ عمل فرماتے تھے کیونکہ بوقتِ موت بہت گرمی محسوس ہوتی ہےاسی لیے اکثر اس وقت میت کو پسینہ آجاتا ہے اور پیاس کا غلبہ ہوتا ہے اسی لیے اس وقت منہ میں پانی ٹپکانے کا حکم ہے اگرچہ سردی کا موسم ہو۔

۲؎بعض شارحین نے فرمایا کہ منکرات سے مراد وسوسے اور برے خیالات ہیں جن سے میت کا دھیان رب سے ہٹ جائے اورسکرات سکرۃ کی جمع ہے،بمعنی غشی،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ تَرَی النَّاسَ سُكٰرٰی"۔یہاں وہ تکلیف مراد ہے جوعقل زائل کردے یعنی سخت تکلیف اور یہ دعا امت کی تعلیم کے لیے ہے کہ اس وقت یہ دعا کیا کریں۔مطلب یہ ہے کہ مجھے ان تکالیف کو برداشت کرنے کی طاقت دے یا انہیں کم فرمادے،یہاں شیخ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سلطنت الٰہیہ کے متولی اورمنتظم ہیں،کون و مکان کے سارے احکام آپ کو سپرد ہیں،تمام جہان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ حکومت میں ہے،ایسی ذمہ دارہستی جب احکم الحاکمین کی بارگاہ میں جائے تو اسے ہیبت زیادہ ہوتی ہے،اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہیبت الٰہیہ کا غلبہ تھا،اس کی کیفیت تھی۔(اشعۃ اللمعات)اسی شدت کی اور بہت وجہ بیان کی گئی ہیں،مگر حق یہ ہے کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ہمارے عقل وقیاس سے وراء ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ تعالٰی کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اسے فوری طور پر دنیا میں سزائیں دے دیتا ہے اور جب کسی بندے کی برائی چاہتا ہے تواس کی سزا مع گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے حتی کہ اسے قیامت کے دن پوری پوری دے گا ۱؎(ترمذی)

۱؎یعنی گناہوں پر دنیا میں پکڑ ہوجانا اللہ کی رحمت کی علامت ہے اور باوجود سرکشی وزیادتی گناہ کے ہر طرح کا عیش ملنا غضب الٰہی کی نشانی ہے کہ اس کا منشاء یہ ہے کہ تمام گناہوں کی سزا آخرت میں دی جائے۔(اللہ کی پناہ)

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بڑا ثواب بڑی بلاء کے ساتھ ملتا ہے۱؎ اللہ تعالٰی جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو انہیں مبتلا کردیتا ہے جو راضی ہوتا ہے اس کے لیئے رضا ہے اور جو ناراض ہوتا ہے اس کے لیئے ناراضی ہے۲؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎مقصد یہ ہے کہ کسی مؤمن صالح کو بلاؤں میں گرفتار دیکھ کر یہ نہ سمجھ لو کہ یہ بڑا آدمی ہے،نیکوں پر بڑی مصیبتیں بڑے درجات ملنے کا ذریعہ ہیں۔حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کافروبدکار پر بڑی بلا آجائے تو اس کا درجہ بڑا ہوگیا،یہ سب کچھ مؤمن کے لیے ہے،مُردے کو بہترین دوائیں دینا بیکار ہے،جڑ کٹے درخت کی شاخوں کو پانی دینا بے سود،اگر کافر عمر بھرمصیبت میں رہے،جب بھی دوزخی ہے اوراگر مؤمن صالح عمر بھر آرام میں رہے جب بھی جنتی،ہاں تکلیف والے مؤمن کے درجے زیادہ ہوں گے بشرطیکہ صابر اور شاکر رہے۔

۲؎خیال رہے کہ رضا یا ناراضی دل کا کام ہے،لہذا تکلیف میں ہائے وائے کرنا اس کے دفع کی کوشش کرنا یا مریض و مظلوم کا حکیم و حاکم کے پاس جانا ناراضی کی علامت نہیں،ناراضی یہ ہے کہ دل سے سمجھے کہ رب نے مجھ پرظلم کیا میں اس بلا کا مستحق نہ تھا۔یہاں صوفیاء فرماتے ہیں کہ بندے کی رضا رب کی رضا کے بعدہے،پہلے اللہ بندے سے راضی ہوتا ہے تو بندہ رب سے راضی ہوکر اچھے اعمال کی توفیق پاتاہے،پہلے وہ ہمیں یادکرتا ہے تو بعدمیں ہم اسے یادکرتے ہیں،پھر ہماری یاد کے بعد رب ہمیں یادکرتاہے"فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ"یہ کیونکہ بہت باریک ہے،مولانا فرماتے ہیں۔شعر

گفت اللہ گفتنت لبیک ماست ایں گداز و سوز و درداز پیک ماست

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن اور مؤمنہ کو اس کی جان و مال و اولاد کی مصیبتیں پہنچتی رہتی ہیں حتی کہ وہ رب سے اس طرح ملتا ہے کہ اس کے ذمہ کوئی گناہ نہیں ہوتا۱؎(ترمذی)مالک نے اس کی مثل،ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱؎یعنی جیسے نمازی پاک و صاف ہوکر مسجد میں جاتا ہے ایسے ہی مؤمن بلاؤں کے پانی کے ذریعہ گناہوں کی نجاستوں سے صاف ہوکر مسجد قدس میں حاضری دے کر نمازِ قرب اداکرتا ہے۔اس کی شرح پہلے ہوچکی کہ یہ قانون ہم جیسے

گنہگاروں کے لیے ہے انبیاء،اولیاء،چھوٹے بچے اس سے علیحدہ ہیں ان کی مصیبتوں کی اور وجہ ہے،نیز قانون اور ہے قدرت کچھ اور،بہرحال یہ حدیث قابل اعتراض نہیں۔

روایت ہے حضرت محمد ابن خالد سلمی سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے ۱؎ راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کسی بندہ کے لیئے کوئی درجہ رب کی طرف سے مقدر ہوچکا ہوجہاں تک یہ اپنے عمل سے نہیں پہنچ سکتاتو اللہ اسے اس کے جسم یا مال یا اولاد کی آفت میں مبتلاکردیتا ہے پھر اسے اس پرصبر بھی دیتا ہے حتی کہ اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے جو رب کی طرف سے اس کے لیئے مقدر ہوچکا۲؎(احمد،ابوداؤد)

۱؎ یعنی محمد ابن خالد کے دادا سے جوصحابی ہیں،عرصہ تک صحبت پاک میں رہے،ان کا نام شریف جلاج ابن حکیم ہے۔

۲؎ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مصیبت پرصبر اللہ کی توفیق سے ملتا ہے نہ کہ اپنی ہمت و جرأت سے اورصبر اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔دوسرے یہ کہ درجات اعمال سے ملتے ہیں،بخشش رب کے کرم سے۔علماءفرماتے ہیں کہ جنت کا داخلہ اللہ کے فضل سے ہوگا مگر وہاں کے درجات مؤمن کے اعمال سے،مگر کبھی دوسرے کے عمل بھی کام آجاتے ہیں،صابرمؤمن کی چھوٹی اولاد اپنے ماں باپ کے ساتھ ہی رہے گی اگرچہ کچھ عمل نہ کرسکی،کیوں؟ماں باپ کے عمل سے،رب فرماتا ہے:"**اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ**"۔ان شاءاللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال میں،امام حسین علیہ السلام کے صبر میں ہم گنہگاروں کا حصہ ہے،سخی کے مال میں فقیروں کا حصہ،ان سرکاروں کے اعمال میں ہم بدکاروں کا حصہ،رب فرماتا ہے:"**وَفِيْٓ اَمْوٰلِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ**"۔تیسرے یہ کہ انسانوں کے درجات وغیرہ پہلے سے ہی مقرر ہوچکے ہیں جہاں لامحالہ پہنچتا ہے،قیامت کے دن اس کا ظہور ہوگا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن شخیر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان اس طرح بنایا گیا ہے کہ اس کے آس پاس۹۹بلائیں ہیں ۱؎ اگر ان سب بلاؤں سے بچ گیا تو بڑھاپے میں پڑے گا حتی کہ مرجائے ۲؎(ترمذی)اورفرمایا کہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ **منیّہ** لغت میں مقرر چیز کو کہتے ہیں۔اصطلاح میں موت کو منیّہ کہا جاتا ہے کہ اس کا وقت مقرر ہے،پھربلاؤں اور آفتوں کو **منیّہ** کہا جانے لگا کہ یہ اسبابِ موت ہیں۔مثل یا تو ماضی ہے،بمعنی **قَدَّرَوَخَلَقَ** یعنی انسان آفتوں میں

گھرا ہوا پیدا ہوا ہے کیونکہ اس کا نفس امّارہ بہت سرکش ہے،یہ آفتوں سے ٹھکانا پُر رہتا ہے،آرام پاکر دعویٰ خدائی تک کربیٹھتاہے یا مثل حصہ رہے،یعنی انسان کی مثل اس کی سی ہے جو ۹۹ آفتوں میں ہرطرف سے گھرا ہو،۹۹سے عدد خاص مراد نہیں بلکہ کثرت بیان فرمانا مقصود ہے۔

۲؎یعنی انسان کے لیے اسباب موت بے شمار ہیں،ہر گھڑی موت سر پر کھڑی ہے لیکن اگر بحکم پروردگار ان سب سے بچ گیا تو آخر بڑھاپا تو آئے گا ہی جس کے بعدموت یقینی ہے،لہذا حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ تقدیر میں تو آفتیں تھیں مگر انسان اپنے کمال سے بچتا رہتا ہے کیونکہ تدبیر سے تقدیر نہیں بدلتی۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن جب بلاء والوں کو ثواب دیا جائے گا تو آرام والے تمنا کریں گے کہ کاش ان کی کھالیں دنیا میں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں ۱؎(ترمذی)اورفرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎یعنی تمنا و آرزو کریں گے کہ ہم پر دنیا میں ایسی بیماریاں آئی ہوتیں جن میں آپریشن کے ذریعہ ہماری کھالیں کاٹی جاتیں تاکہ ہم کو بھی وہ ثواب آج ملتا جو دوسرے بیماروں اور آفت زدوں کو مل رہا ہے۔

روایت ہے حضرت عامر رام ۱؎سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماریوں کا ذکر فرمایا تو فرمایا کہ مؤمن کو جب بیماری پہنچتی ہے پھر اللہ اسے آرام دے دیتا ہے تو یہ گزشتہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور آیندہ کے لیئے نصیحت ۲؎اور منافق جب بیمار ہوتا ہے پھر آرام دیا جاتا ہے تو اس اونٹ کی طرح ہوتا ہے جسے اس کے مالکوں نے باندھ دیا پھرکھول دیاوہ نہیں جانتا کہ اسے کیوں باندھا اور کیوں کھولا ۳؎تو ایک شخص بولا یارسول اللہ بیماریاں کیا ہیں قسم رب کی میں توکبھی بیمارا ہوا ہی نہیں تو فرمایا ہمارے پاس سے ہٹ جاؤ تم ہم میں سے نہیں ۴؎(ابوداؤد)

۱؎آپ صحابی ہیں،نام عامر ہے،تیراندازی کرتے تھے اس لیے رام لقب ہوا،آپ سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے بسند مجہول۔

۲؎کیونکہ مؤمن بیماری میں اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہ بیماری میرے کسی گناہ کی وجہ سے آئی اور شاید یہ آخری بیماری ہوجس کے بعدموت ہی آئے اس لیے اسے شفاء کے ساتھ مغفرت بھی نصیب ہوتی ہے۔

۳؎ بلکہ منافق غافل یہی سمجھتا ہے کہ فلاں وجہ سے میں بیمار ہوا تھا اور فلاں دوا سے مجھے آرام ملا،اسباب میں ایسا پھنسا رہتا ہے کہ مسبّب الاسباب پر نظر ہی نہیں جاتی،نہ توبہ کرتا ہے،نہ اپنے گناہوں میں غور۔
۴؎ یہ شخص منافق تھا جس کا کفر پر مرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں تھا اس لیئے اس سختی سے اسے یہ جواب دیا۔بعض روایات میں ہے کہ اس موقعہ پر یہ بھی فرمایا کہ جو دوزخی کو دیکھنا چاہے وہ اسے دیکھ لے۔(مرقاۃ)ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراپا اخلاق ہیں محض بیمار نہ ہونے پر ایسی سختی نہ فرماتے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے لوگوں کے اچھے برے انجام کی خبر دی ہے،حالانکہ یہ علوم خمسہ سے ہیں۔دوسرے یہ کہ کفار پر سختی کرنا ہی اخلاق ہے رب فرماتا ہے:"اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ"۔سانپ کا سر کچلنا ہی اخلاق حسنہ ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کفار پر نرمی برتی ہے جن کے ایمان کی امید تھی،آج کل لوگوں نے اخلاق کے معنی غلط سمجھے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو کچھ درازیٔ حیات کی بات کرکے اس کا غم دور کرو۱؎ کیونکہ یہ گفتگو تقدیر کو رد نہ کرے گی اور اس کا دل خوش ہوجائیگا۲؎(ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ نَفِّسُوْا تَنْفِیْس سے بنا،بمعنی تفریح یعنی غم دور کرنا،بیمار کو ڈراؤ نہیں کہ تو بچے گا نہیں مرض بہت سخت ہے بلکہ کہو ان شاءاللہ شفا ہوگی گھبراؤ نہیں،بعض طبیب مریض کے آخر دم تک ہمت بندھانے والی باتیں کرتے ہیں،اسے مایوس نہیں ہونے دیتے،ان کا ماخذ یہ حدیث ہے اس کا نام دھوکا دہی نہیں بلکہ اسے تسکین کہتے ہیں۔مایوس بیمار کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے جس سے وہ اور زیادہ نڈھال ہوکر بہت تکلیف اٹھاتا ہے۔
۲؎ یعنی تمہارے ڈھارس بندھانے سے اس کی ہمت بڑھ جائے گی۔مرقاۃ نے فرمایا کہ موت کے وقت میت کو وضو،مسواک کرادینا،خوشبو لگادینا مستحب ہے اس سے جانکنی آسان ہوتی ہے بلکہ اگر ممکن ہو تو اس وقت اسے غسل کرادو،عمدہ کپڑے پہنادو،اگر ہوسکے وہ دو۲رکعت نفل نماز وداع کی نیت سے پڑھے،یہ باتیں حضرت سلمان فارسی،حضرت خبیب اور حضرت سیدہ فاطمہ الزہراہ سے منقول ہیں کہ انہوں نے بوقت وفات یہ اعمال کیے یہ سب یَطِیْبُ بِنَفْسِہٖ میں داخل ہیں کہ اس سے میت کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت سلیمان ابن صرد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے اس کے پیٹ نے مارا تو اسے عذاب قبر نہ ہوگا۱؎(احمد،ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ اپنی پیٹ کی بیماری سے مرنے والا عذاب قبر سے محفوظ ہے کیونکہ اسے دنیا میں اس مرض کی وجہ سے بہت تکلیف پہنچ چکی،یہ تکلیف قبر کا دفعیہ بن گئی۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک یہودی لڑکا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا۱؎ وہ بیمار ہوگیا تو اس کی بیمار پرسی کے لیئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اس کے سر کے پاس تشریف فرما ہوئے اور فرمایا اسلام لے آ۲؎ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے پاس تھا۳؎ باپ بولا بیٹا حضور ابوالقاسم کی بات مان لو بچہ اسلام لے آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے واپس ہوئے کہ خدا کا شکر ہے جس نے اسے آگ سے بچالیا۴؎ (بخاری)

۱؎ اس یہودی بچہ کا نام عبدالمقدوس تھا جو اپنی خوشی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔معلوم ہوا کہ کفار کے بچے اگر بخوشی ہماری صحبت یا خدمت اختیار کریں تو انہیں روکنا نہ چاہیئے،بسا اوقات اس سے انہیں ایمان نصیب ہوجاتا ہے۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ کافر و فاسق کی بیمار پرسی جائز ہے اور بیمار پرسی کے وقت بیمار کے سرہانے بیٹھنا سنت ہے اور کافر بچے کو بھی ایمان کی تلقین کرنا درست ہے اور کافر بچے کا ایمان قبول ہے جب کہ وہ سمجھ دار ہو اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خدام کو بھولتے نہیں،مرتے وقت بھی ان کی امداد کرتے ہیں۔اس حدیث سے ہم گنہگاروں کو امید بندھتی ہے کہ ان شاءاللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو مرتے وقت نہ بھولیں گے،اس وقت ہماری دستگیری فرمائیں گے۔علماء فرماتے ہیں کہ اب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاص خدام کو ان کے مرتے وقت کلمہ پڑھانے تشریف لاتے ہیں،ایسے لوگ دیکھے گئے جنہوں نے مرتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر حاضرین کو دی خود بستر مرگ پر اٹھ کھڑے ہوئے حاضرین سے کہا تعظیم کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگئے۔

۳؎ یعنی بچہ نے باپ کے خوف سے خود کلمہ نہ پڑھ لیا بلکہ اجازت چاہنے کے لئے اس کی طرف دیکھا،رب کی شان اس نے اجازت دے دی۔

۴؎ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت رائیگاں نہیں جاتی۔دیکھو اس بچہ نے اس خدمت پاک کی برکت سے مرتے وقت ایمان پالیا۔رب تعالٰی فقیر کی یہ دینی خدمات قبول فرمائے اور اس بچہ کے طفیل سے مجھے بھی مرتے وقت کلمہ نصیب کرے۔آمین!مرتے وقت کا ایمان بھی قبول ہے غرغرہ سے پہلے اور بچے کا ایمان بھی معتبر۔خیال

رہے کہ مشرکین و کفار کے وہ ناسمجھ بچے جنہیں بُرے بھلے کی تمیز نہ ہو اگر اسی حال میں مرجائیں تو جہنمی نہیں کہ رب بغیر قصور کسی کو عذاب نہیں دیتا لیکن باشعور بچے جہنمی ہیں،چونکہ یہ بچہ سمجھدار تھا اگربغیر ایمان مرجاتا تو دوزخ میں جاتا،لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بالکل درست ہے کہ ایمان کی وجہ سے اللہ نے اسے بالکل دوزخ سے بچالیا۔کفار کے بچوں کی پوری بحث ہماری تفسیر "نورالعرفان" میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بیمار کی بیمار پرسی کرنے جائے تو آسمان سے پکارنے والا پکارتا ہے تو اچھا،تیرا چلنا اچھا،تو نے جنت میں گھر لے لیا ۱؎(ابن ماجہ)

۱؎ پکارنے والا فرشتہ ہوتا ہے اور یہ کلام یا دعا ہے یا خبر یعنی خدا کرے تو اور تیرا چلنا اچھا ہو اور تو جنت میں مکان پالے یا تو اچھا ہے اور تو نے گویا جنت میں مکان بنالیا،مگر یہ بشارتیں اس کے لیئے ہیں جو محض رضائے الٰہی کے لیئے بیمار پرسی کرے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ حضرت علی مرتضٰی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آئے آپ کی اس بیماری میں جس میں وفات ہوئی لوگوں نے کہا اے ابوالحسن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کیسی کی فرمایا الحمدللہ صحت میں صبح کی ۱؎(بخاری)

۱؎ یعنی آپ کے مرض میں کوئی ہلکا پن نہ تھا مگر جناب علی نے یہ فرمایا۔مطلب یہ ہے کہ خدا کے فضل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب پاک تندرست ہے یا ان شاءاللہ آپ قریب صحت ہیں۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بیمار پرسی کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ بیمار کا حال آنے والے سے پوچھ لیا جائے۔دوسرے یہ کہ اگر بیمار کا حال خراب بھی ہو تب بھی لفظ اچھے بولے جائیں کہ اس میں فال بھی نیک ہے اور رحمتِ الٰہی کی امید بھی۔

روایت ہے حضرت عطاء ابن ابی رباح سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابن عباس نے فرمایا کیا میں تمہیں جنتی عورت نہ دکھاؤں میں نے کہا ہاں ضرور فرمایا یہ کالی عورت ۲؎ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تھی اور عرض کیا تھا یارسول اللہ میں مرگی میں گر جاتی ہوں ۳؎ اور کھل جاتی ہوں میرے لیئے اللہ سے دعا کیجئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو چاہے تو صبر کر جنت تیرے لیئے ہے ۴؎ اگر تو چاہے تو میں اللہ سے دعا کردوں

کہ تجھے آرام دے۵؎ وہ بولی میں صبر کروں گی پھر بولی کہ میں کھل جاتی ہوں اللہ سے یہ دعا کردیں کہ میں کھلا نہ کروں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیئے دعا کی ۶؎(مسلم،بخاری)

۱؎ آپ تابعین میں سے جلیل الشان فقیہ وعالم ہیں،امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان جیسا فاضل نہ دیکھا۔سیاہ رنگ تھے،پہلے ایک آنکھ بیکار تھی بعد میں نابینا ہوگئے تھے،پاؤں سے بھی معذور تھے،آپ کے فوت ہونے کے دن امام اوزاعی نے فرمایا کہ آج زمین بہترین مؤمن سے خالی ہوگئی۔(اشعہ)

۲؎ اس مبارک عورت کا نام سعیرہ یا سقیرہ ہے،بی بی خدیجہ کی کنگھی چوٹی کی خدمت انجام دیتی تھیں۔(لمعات ومرقات)

۳؎ یعنی گرکر مجھے تن بدن کا ہوش نہیں رہتا،دوپٹہ وغیرہ اتر جاتا ہے،خوف کرتی ہوں کہ کبھی بے ہوشی میں ستر نہ کھل جائے۔

۴؎ اس میں اشارۃً معلوم ہوا کہ کبھی بیماری کی دوا اور مصائب میں دعا نہ کرنا ثواب اور صبر میں شامل ہے،اس کا نام خودکشی نہیں،خصوصًا جب پتہ لگ جائے کہ یہ مصیبت رب کی طرف سے امتحان ہے تو ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کی آگ میں جاتے وقت اور حضرت حسین علیہ السلام نے میدان کربلا میں دفعیہ کی دعا نہ کی،ورنہ عام حالات میں دوا بھی سنت ہے اور دعاء بھی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر دعا کی ہے اور صدیق اکبر نے مرض وفات میں دوا بھی۔خیال رہے کہ مرن برت رکھ کر جان دے دینا خودکشی ہے اور مشرکوں کی پیروی کیونکہ کھانا اور پانی دوا نہیں بلکہ زندگی کا مدار ہے۔

۵؎ اگرچہ آرام ہونے پر بھی تو جنتی تو ہوگی کیونکہ تو مؤمنہ اور صحابیہ ہے مگر صبر پر جنت کے اعلیٰ مقام کی مستحق ہوگی اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں جنت کی نفی نہ کی۔

۶؎ چنانچہ اس دعا کے بعد وہ بی بی کبھی مرگی میں کھلی نہیں،رب نے ان پر فرشتہ مقرر کردیا ہوگا جو ان کے پردے کی حفاظت کرے۔

روایت ہے حضرت یحیٰ ابن سعید سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص کو موت آئی تو دوسرا آدمی بولا اسے مبارک ہو کہ بیماری میں مبتلا ہوئے بغیر فوت ہو گیا۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر افسوس ہے تمہیں کیاخبرکہ اگر اللہ اسے کسی بیماری میں مبتلا کرتا تو اس کے گناہ مٹا دیتا ۲؎(مالک مرسلًا)

۱؎ یہ قائل سمجھتے تھے کہ بیماریاں رب کی پکڑ ہیں اور تندرست رہنا اس کی رحمت،یہ صاحب اچانک فوت ہوگئے تھے اس لیے بطور مبارک باد یہ عرض کیا،اسی خیال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضی کا اظہار کیا۔

۲؎ یعنی مؤمن کی بیماری خصوصًا بیماری موت بھی اللہ کی رحمت ہے کہ اس کی برکت سے اللہ گناہ معاف کرتا ہے،نیز بندہ توبہ وغیرہ کرکے پاک وصاف ہوجاتاہے،لہذا بیمار ہوکر مرنا بہتر،اگرچہ مؤمن کے لیے ہاٹ فیل ہونا بھی رحمت ہے جیساکہ آگے آرہا ہے،لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

روایت ہے حضرت شداد ابن اوس اور صنابحی سے ۱؎ کہ وہ دونوں ایک مریض کی بیمار پرسی کے لیئے گئے انہوں نے اس سے کہا کہ تم نے صبح کیسی کی وہ بولے اللہ کی نعمت میں صبح کی ۲؎ شداد نے فرمایا گناہوں کے مٹنے اور خطاؤں کے جھڑنے کی خوش خبری لو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے جب میں اپنے بندوں میں سے کسی مؤمن بندے کو مبتلا کردوں اور وہ اس مبتلا کرنے پر میری حمد کرے تو وہ اپنے اس بستر سے گناہوں سے یوں پاک اٹھے گا جیسے آج اسے ماں نے جنا ۳؎ رب تعالٰی فرمائے گا کہ میں نے اپنے بندے کو قید کیا مبتلا کیا تو اس کے لیئے وہ ثواب جاری کرو جو تم اس کے تندرستی میں جاری کرتے تھے ۴؎ (احمد)

۱؎ شداد ابن اوس خود بھی صحابی ہیں اور والد بھی صحابی،حضرت حسان ابن ثابت کے بھتیجے ہیں،انہیں اللہ نے علم وحکمت دونوں عطا فرمائیں اور صنابحی کا نام عبداللہ ہے،قبیلہ مراد کے صنابح ابن زاہر کے خاندان سے ہیں یا تابعی،بعض نے فرمایا کہ عبداللہ صنابحی صحابی ہیں اورابوعبداللہ صنابحی تابعی ہیں،یہاں غالبًا تابعی مراد ہیں

۲؎ سبحان اللہ! کیا پیارا کلمہ ہے یعنی بیمار ہوں مگر رب سے غافل نہیں،مصیبت میں گرفتار ہوں معصیت سے آزاد،اللہ کے پیارے معصیت پر مصیبت کو ترجیح دیتے ہیں،یوسف علیہ السلام نے جیل جانا منظور کیا زلیخا کی بات نہ مانی،رب فرماتا ہے:"**قَالَ رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ**"الایہ۔اس میں قیامت تک بیماروں کو تعلیم ہے کہ بیماری میں بجائے ہائے وائے کرنے کے اس قسم کے کلمات کہا کریں،رب کی بھیجی بیماری بھی نعمت ہے۔

۳؎ کیونکہ اس کے لیے کئی کفارے جمع ہوگئے:بیماری،اس میں صبر،پھر رب کا شکر،پھر گزشتہ گناہوں سے توبہ،پھر موت کی تیاری،دنیا سے نفرت،قبر اور وہاں کی وحشت کا خوف،یہ ساری چیزیں گناہوں کے مستقل کفارے ہیں جو **بفضلہٖ تعالٰی** مؤمن بیمار کو حاصل ہوتے ہیں۔خیال رہے کہ یہاں گناہوں کے مٹنے سے مراد صغیرہ گناہوں کی معافی ہے،حقوق

شریعت کے ہوں یا بندوں کے وہ بغیر اداکئے معاف نہیں ہوتے ہیں۔بیمار کو چاہیے کہ قرض مظالم وغیرہ جلدی اداکرے کیونکہ بیماری موت کا پیغام ہوتی ہے اگلے گھر میں پہنچنے سے پہلے اس کو صاف کرلو۔

۳؎ یعنی جتنی نیکیاں یہ بندہ تندرستی میں کرتا تھا اور اب بیماری میں نہ کرسکا اس کے نامۂ اعمال میں وہ ساری نیکیاں لکھے جاؤ گویا رب کی طرف سے کمزور بندے کی یہ پنشن ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندے کے گناہ زیادہ ہوجاتے ہیں اور اس کے پاس گناہ مٹانے والا عمل نہیں ہوتا تو اللہ اسے غم میں مبتلاکردیتا ہے تاکہ اس کے گناہ مٹادے۱؎(احمد)

۱؎ غم کی وجہ سے،طبرانی اورحاکم کی روایت میں ہے کہ اللہ غمگیں دل کو پسندکرتاہے اسی لیے صوفیاء فرماتے کہ رنج وغم میں دُرودشریف زیادہ پڑھوکیونکہ اکثر رنج وغم گناہوں کی وجہ سے آتے ہیں اور دُرود شریف کی برکت سے گناہ مٹتے ہیں،جب گناہ گئے تو ان کا سامان یعنی رنج و غم بھی گیا۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جوکسی مریض کی بیمار پرسی کرے تو وہ رحمت میں غوطے لگاتاہے۱؎ حتی کہ بیٹھ جائے جب بیٹھ جاتا ہے تو رحمت میں ڈوب جاتا ہے۲؎(مالک،احمد)

۱؎ یعنی گھر کے نکلنے سے بیمار کے پاس پہنچنے تک دریائے رحمت میں غوطہ لگاتاجاتاہے۔(اشعہ)

۲؎ کہ اسے رحمت ہرطرف سے گھیرلیتی ہے اور ہر گناہ سے پاک کردیتی ہے۔

روایت ہے حضرت ثوبان سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سےکسی کو بخار آئے۱؎ تو بخار آگ کا ٹکڑا ہےاسے پانی سے بجھائے کہ جاری نہر میں غوطہ لگائے اس کے بہاؤ کی طرف منہ کرے پھر کہے **بسم اللہ** الٰہی اپنے بندےکو شفا دے اور اپنے رسول کو سچا کردے یہ فجر کی نماز کے بعدسورج نکلنے سے پہلے کرے تین دن تک تین غوطے لگایاکرے اگر اس میں تندرست نہ ہو تو پانچ دن اگر اس میں بھی اچھا نہ ہو تو سات دن اگر اس میں بھی اچھا نہ ہو تو نودن بحکم الٰہی یہ بخار نودن سے آگے نہیں بڑھے گا ۲؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ یہ خطاب اہلِ عرب کو ہے جنہیں اکثر صفراوی بخار آتے تھے جس میں غسل مفید ہوتا ہے۔ہم لوگ اس پر بغیر حاذق حکیم کے مشورے کے عمل نہ کریں کیونکہ ہمیں اکثر وہ بخار ہوتے ہیں جن میں غسل نقصان دہ ہے اس سے نمونیہ کا خطرہ ہوتا ہے،ہاں کبھی ہم کو بھی بخار میں غسل مفید ہوتا ہے حتی کہ ڈاکٹر مریض کے سر پر برف بندھواتے ہیں۔

۲؎ صفراوی بخار کے لیے یہ عمل اکسیر ہے جس پر کبھی حکیم عمل کرتے ہیں مگر یہ عمل تیز گرمی میں صفراوی بخار میں طبیب کی رائے سے کیا جائے۔مرقات نے فرمایا کہ ایک شخص نے ترجمہ حدیث دیکھ کر اپنے پر اسے آزمایا نمونیہ ہوگیا بمشکل بچا تو وہ حدیث کا ہی منکر ہوگیا حالانکہ اس کی اپنی جہالت تھی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بخار کا ذکر ہوا تو اسے ایک شخص نے گالی دی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے برا نہ کہو یہ تو گناہوں کو ایسے دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو ۱؎(ابن ماجہ)

۱؎ اس کی شرح گزر چکی کہ دوسری بیماریاں مخصوص اعضاء کے گناہ دور کرتی ہیں مگر بخار سارے جسم کے گناہ کیونکہ یہ رگ رگ میں چڑھتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ رب کی بھیجی بیماروں کو برا کہنا سخت جرم ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مریض کی عیادت کی تو فرمایا تجھے بشارت ہو کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے بخار میری آگ ہے ۱؎ اسی لئے میں اپنے مؤمن بندے پر دنیا میں اسی لئے مسلط کرتا ہوں کہ قیامت کے دن اس کی آگ کا حصہ (بدلہ) ہوجائے ۲؎(احمد،ابن ماجہ،بیہقی،شعب الایمان)

۱؎ رحمت ومہربانی کی آگ،اسی لیے اس آگ کو اپنی طرف منسوب فرمایا اور اس کے لیے مؤمن کو خاص کیا،جو آگ گناہ جلادے وہ رحمت ہی ہے،عشق ومحبت کی،خوف خدا کی آگ بھی آگ ہے جو ماسوا اللہ کو پھونک دیتی ہے۔

۲؎ چنانچہ ابن ابی دنیا،ابن جریر،ابن منذر،ابن ابی حاتم اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت مجاہد سے آیت کریمہ "وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا" کی تفسیر یوں ہی نقل کی کہ بخار مؤمن کے لیے جہنم کی آگ کا حصہ ہے،امام حسن سے مرفوعًا نقل ہے کہ ہر آدمی کے نصیب میں آگ کا حصہ ہے مگر مؤمن کی آگ بخار ہے جو کھال جلادیتا ہے اور دل محفوظ رکھتا ہے۔مؤمن سے مراد مؤمن کامل ہے،ورنہ بعض بخار والے مسلمان بھی کچھ روز کے لیے جہنم میں جائیں گے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا رب تعالٰی فرماتا ہے مجھے اپنی عزت و جلال
کی قسم جسے بخشناچاہوں گا تو اسے دنیا سے نہ نکالوں گا
حتی کہ اس کی گردن سے سارے گناہ جسمانی بیماری اور
رزق میں تنگی کے ذریعہ نکال دوں گا ۱؎(رزین)

۱؎یعنی اس کے جو گناہ ذمہ میں باقی رہ گئے ہیں جن سے اس نے توبہ نہیں کی نہ کوئی اورکفارہ ادا کیا وہ اس ذریعہ معاف کروں گا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی فقیری امیری سے بہتر ہوتی ہے،حدیث پاک میں ہے کہ فقیر امیروں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں جائیں گے مگر یہ جب ہے کہ مؤمن بیماری اورفقر پر صبرکرے اور اپنے کو گناہوں سے بچائے رکھے۔

روایت ہے حضرت شقیق سے ۱؎فرماتے ہیں کہ حضرت
عبداللہ ابن مسعود بیمار ہوئے ہم نے بیمار پرسی کی تو وہ
رونے لگے کسی نے انہیں ملامت کی ۲؎تو بولے کہ میں
بیماری سے تو نہیں روتاکیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بیماری کفارہ ہے ۳؎میں تو اس پر
روتا ہوں کہ مجھے بڑھاپے کے ضعف میں بیماری آئی
قوت کے زمانہ میں نہ آئی کیونکہ بندہ جب بیمار پڑتا ہے تو
اس کے اعمال وہ لکھے جاتے ہیں جو وہ بیماری سے پہلے
کرتا تھا جس سے بیماری نے اسے روک دیا ۴؎(رزین)

۱؎آپ مشہور تابعی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پالیا مگر دیدار نہ کرسکے،حضرت ابن مسعود کے خاص ساتھیوں میں سے ہیں۔

۲؎ملامت کرنے والا سمجھا کہ آپ بیماری سے تنگ آکر رو رہے ہیں یہ بڑوں کی شان کے خلاف ہے۔

۳؎صغیرہ گناہوں کا،میں تو اسے مبارک جان کر اس کی آمد پرخوش ہوتا ہوں۔

۴؎چونکہ میں بڑھاپے کی وجہ سے تندرستی میں زیادہ نفلی عبادتیں نہیں کرسکتا اس لیے اب بیماری میں بھی کم نوافل کا ہی ثواب ملے گا۔خیال رہے کہ حضرت ابن مسعود کی عمرستر سال سے زیادہ ہوئی ۳۲ھ میں وفات ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم بیمار کی عیادت نہ کرتے مگر تین دن کے
بعد ۱؎(ابن ماجہ)بیہقی نے فی شعب الایمان۔

۱؎کیونکہ تین دن سے پہلے طبیعت خود مرض کو دفع کرتی ہے اسی لیے عام بیماریوں میں پہلے دن ہی علاج نہیں کرتے تین دن بعد شروع کرتے ہیں۔لمعات میں ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے،مرقات میں ہے کہ حدیث بہت ضعیف ہے کیونکہ یہ صرف مسلمہ ابن علی سے مروی ہے اور وہ محدثین کے نزدیک متروک ہیں،ابوحاتم نے فرمایا

کہ یہ روایت باطل ہے۔حق یہ ہے کہ بیمار پرسی پہلے دن ہی کرنی چاہیے کیونکہ حدیث صحیح میں ہے"عُوْدُ الْمَرِیْضَ"اس میں مطلقًا عیادت کا ذکر ہے،امام سیوطی نے جامع صغیر میں فرمایا کہ حضرت انس کی یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر دیگر روایات سے اسے قوت پہنچ گئی ہے،لہذا اس کے معنی یا تو یہ ہیں کہ آپ کبھی تیسرے دن بیمار پرسی کرتے تھے اس پہلے لوگوں سے اس بیمار کے حالات پوچھے رہتے تھے یا یہ مطلب ہے کہ صحابہ تین دن تک اپنا مرض ظاہر ہی نہ کرتے تھے یا یہ مطلب کہ بیمار پرسی میں تین دن تک کی تاخیر جائز ہے اس سے پہلے عیادت کرنا مستحب،یہ عمل بیان جواز کے لیے ہے اور وہ فرمان استحباب کے لیے یا یہ مطلب ہے کہ معمولی بیماریوں میں تین دن کے بعد بیمار پُرسی کرتے تھے اور سخت میں پہلے دن۔

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم کسی بیمار کے پاس جاؤ تو اسے اپنے لیئے دعا کے لیئے کہو کہ اس کی دعا فرشتوں کی دعا کی طرح ہے ۱؎(ابن ماجہ)

۱؎ کیونکہ بیمار بیماری کی وجہ سے گناہوں سے صاف ہوچکا ہے،نیز وہ اس حالت میں ہر وقت اللہ ہی اللہ کرتا رہتا ہے لہذا وہ فرشتوں کی طرح ہے،نیز وہ بیماری میں بے قرار بے چین ہے،اللہ تعالٰی بے چینوں کی جلد سنتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوۡٓءَ"۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ یا خود بے چین ہوکر دعا مانگو یا بے چینوں سے دعا کراؤ خواہ بیماری سے بے چین ہوں یا خوف الٰہی سے،یہ حدیث ان کی اصل ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ بیمار کے پاس کم بیٹھنا اور کم شور کرنا سنت ہے ۱؎ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہ کی آوازیں اور اختلاف بڑھ گیا تو فرمایا ہمارے پاس سے اٹھ جاؤ ۲؎(رزین)

۱؎ کیونکہ تمہاری وجہ سے اس کی تیمار دار عورتیں پردے میں رہیں گی اور دوسروں سے وہ بے تکلف بات چیت نہ کر سکے گا،نیز تمہارے شور سے اسے تکلیف ہوگی اس لیے اس کے پاس کم بیٹھو یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو محض بیمار پرسی کے لیے جائیں تیمارداری نہ کریں۔

۲؎ واقعہ یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف سے چار دن پہلے یعنی جمعرات کے دن صحابہ کرام دولت خانہ میں حاضر تھے،فرمایا قلم دوات اور کاغذ لاؤ میں تمہیں کچھ لکھ دوں تاکہ تم میرے بعد بہک نہ سکو،بعض صحابہ سمجھے کہ یہ امر ہے اسکی اطاعت واجب ہے اور بعض نے خیال کیا کہ یہ مشورہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغی احکام سارے پہنچا چکے،امت پر شفقت کے لیے فرمارہے ہیں،مرض کی شدت زیادہ ہے اب آپ کو لکھنے کی تکلیف نہ دی جائے اس اختلاف رائے کی بناء پر مجموعی آوازیں اونچی ہوگئیں تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں سے چلے

جاؤ۔اس کی پوری تحقیق ان شاءاللہ آگے ہوگی۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ سرکارحضرت علی مرتضٰی کے لیے خلافت لکھنا چاہتے تھے مگر جناب عمرنے تحریر نہ ہونے دی،نیز صحابہ کرام کی بارگاہ نبوی میں آوازیں اونچی ہوگئیں اس سے نعوذ باللہ وہ مرتد بھی ہوگئے اور ان کے اعمال بھی ضبط ہوگئے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوٰتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ(الایۃ)اَنْ تَحْبَطَ اَعْمٰلُکُمْ"مگر یہ دونوں باتیں غلط ہیں پہلی اس لیے کہ خود جناب علی مرتضٰی نے ابوبکر صدیق کی بیعت کرتے وقت سب کے سامنے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق سے راضی تھے کہ میرے ہوتے انہیں امامت کے لیے مصلےٰ پر کھڑا کیا،نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے دباؤ سے حق نہ چھپایا تو یہاں بعض کے کہنے پر آپ کیسے خاموش رہ سکتے تھے،نیز اس واقعہ کے چار دن بعد وفات شریف ہوئی اس دوران میں تحریر کیوں نہ فرمادی،نیز حضرت حسین نے ناجائز خلیفہ یزید کی بیعت نہ کی سر دے دیا تو حضرت علی مرتضٰی ناجائز خلیفہ کی بیعت کیسے کرسکتے تھے حالانکہ ابوسفیان نے علی مرتضٰی سے اس وقت عرض کیا تھا کہ اگر آپ چاہیں تو ابوبکر کے مقابلے میں آپ کے لیے میں لشکر سے جنگل بھردوں تو جناب علی نے انہیں ڈانٹ دیا۔(ازمرقات وغیرہ)دوسرا اعتراض اس لیے غلط ہے کہ اس کی زد میں حضرت علی وغیرہم بھی آجائیں گے کیونکہ یہ شور تو سب کی گفتگو سے مچا،نیز نہ رب تعالٰی نے ان حضرات پر عتاب فرمایا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند آواز ہونا منع نہیں،صحابہ کرام تلبیہ میں،تکبیر تشریق میں،اذان و اقامت میں اونچی آوازیں کرتے ہی تھے،دوران وعظ میں نعرہ تکبیر لگاتے تھے،بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی کرنا جس سے سرکار کی آواز دب جائے یہ ممنوع ہے،یہاں سب کی آوازیں ہلکی تھیں مگر بہت سی ہلکی آوازیں مل کر شور کی شکل اختیار کرلیتی ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بیمار پرسی اونٹنی دوہنے کے وقفے کے بقدر ہے [1]

[1] عرب کے چرواہے اونٹنی دوہنے کے دوران تھوڑا وقفہ کرکے اس کے بچے کو تھنوں پر چھوڑ تے تھے تاکہ اونٹنی باقی دودھ بھی اتار دے اس وقفہ کو فواق کہتے ہیں یہ نہایت ہی معمولی ہوتا تھا،یعنی بیمار کی عیادت میں بہت کم بیٹھو،اس کی وجہ پہلے عرض کی جاچکی۔

اور سعید ابن مسیب کی مرسل کی روایت میں ہے کہ بہترین عیادت جلد اٹھ جانا ہے [1] (شعب الایمان،بیہقی)

[1] یہ تمام اس صورت میں ہے جب بیمار کو اس کے بیٹھنے سے تکلیف ہو،یہاں مرقات نے بہت عجیب حکاتیں بیان کیں،اس میں سے ایک یہ کہ کوئی شخص کسی بیمار کے پاس بہت دیر بیٹھا پھر بولا کہ تمہیں تکلیف کیا ہے بیمار نے کہا تمہارے بیٹھنے کی۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کی عیادت کی تو فرمایا تیرا دل کیا چاہتا

ہے وہ بولا گیہوں کی روٹی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس گیہوں کی روٹی ہو وہ اپنے اس بھائی کو بھیج دے ۱؎ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارا بیمار کچھ چاہے تو اسے کھلا دو ۲؎(ابن ماجہ)

۱؎ اللہ اکبر! صحابہ کرام کے فقر و قناعت میں غور کرو کہ نہ بیمار کے گھر گیہوں کی روٹی ہے نہ خود سرکار کے ہاں اس لیے اعلان کرنا پڑا کہ اگر کسی کے ہاں گیہوں کی روٹی کا ٹکڑا ہو تو ان کے لیے بھیجو اور آج ان کے طفیل ان کے نام لیوا نعمتیں کھارہے ہیں۔شعر

بوریا ممنون خواب راحتش　　　　تاج کسریٰ زیر پائے امتش

۲؎ سبحان اللہ! کیا حکیمانہ حکم ہے۔بیمار کا دل جس چیز کی سچی خواہش کرے اسی میں اس کی شفا ہوتی ہے بشرطیکہ خواہش سچی ہو،جھوٹی خواہش نقصان دہ ہے،سچی اور جھوٹی خواہش کا فرق طبیب کرسکتا ہے۔بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں مایوس بیمار مراد ہے یعنی جب بیمار کی زندگی کی امید نہ رہے تو اسے پرہیز نہ کراؤ جو مانگے دے دو تاکہ دنیا سے ترستا ہوا نہ جائے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک وہ شخص فوت ہوگیا جو وہاں ہی پیدا ہوا تھا ۱؎ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور فرمایا کاش یہ پیدائش کی زمین کے سوا کہیں اور فوت ہوتا لوگوں نے کہا یارسول اللہ یہ کیوں فرمایا کہ بندہ جب غیر ولادت گاہ میں مرتا ہے تو اس کی ولادت گاہ سے آخری نقش قدم تک ناپ کر جنت سے دیا جاتا ہے ۲؎(نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ پیدائش کی قید مدنی اور غیر مدنی میں فرق کرنے کے لیے ہے یعنی مسافرت کی موت وطن کی موت سے افضل ہے،ورنہ تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ مدینہ منورہ کی موت مکہ معظّمہ میں موت سے بھی افضل ہے۔

۲؎ یعنی اس کی قبر اتنی کشادہ کی جاتی ہے جیسے ولادت گاہ سے موت کی جگہ تک کا فاصلہ اور اس سارے میدان میں جنت کا باغ ہوتا ہے یعنی یہاں قبر کا ذکر ہے ورنہ جنت میں معمولی جنتی کی ملکیت ساری روئے زمین سے زیادہ ہوگی۔(مرقاۃ ولمعات)یا مطلب یہ ہے کہ اسے جنت میں اس عمل کے عوض ایک مکان اتنا وسیع دیاجائے گا اگرچہ اور بھی زمین اس کی ملک ہوگی۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سفر کی موت شہادت

ہے ۱؎(ابن ماجہ)

۱؎صوفیاء فرماتے ہیں کہ سفر دوقسم کا ہے:جسمانی اور جنانی،جیساکہ حدیث پاک میں ارشادہوا کہ تم دنیا میں مسافروں کی طرح رہو۔خلاصہ یہ ہے کہ جو پردیس میں مرا وہ شہید اور جو دیس میں بھی پردیسی کی طرح رہا وہ بھی شہید معلوم ہوا۔(لمعات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو بیمار ہوکر مرا وہ شہید ہوکر مرا اور عذاب قبر سے بچایا گیا اورصبح و شام اس پر جنت کا رزق پیش ہوتا رہے گا ۱؎(ابن ماجہ،بیہقی،شعب الایمان)

۱؎بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں مریض سے پیٹ کا بیمارمراد ہے جیساکہ دوسری روایتوں میں گزرچکا،بعض نے فرمایاکہ اصل میں یہاں **مرابطًا** تھا راوی نے غلطی سے **مریضًا** کہہ دیا یعنی جوتیاریٔ جہادکرتا فوت ہو وہ شہید ہے،بعض نے فرمایا یہاں **غریبًا** تھا۔مگر حق یہ ہے کہ یہاں **مریضًا** ہی ہے اورحدیث اپنےعموم پر ہے،رب دے تو ہم کیوں قید لگائیں۔جومسلمان کسی بیماری میں مرے ان شاءاللہ وہ ان رحمتوں کا مستحق ہوگا،صبح شام کے رزق سے مراد دائمی رزق یعنی اسے ہمیشہ جنت سے روزی ملے گی۔

روایت ہے حضرت عرباض ابن ساریہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاکہ شہید اور اپنے بستروں پر مرنے والے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں ان کے متعلق جھگڑتے ہیں جو طاعون میں فوت ہوئے ۱؎شہید تو کہتے ہیں کہ یہ ہمارے بھائی ہیں ہماری طرح یہ بھی قتل ہوئے اور ویسے مرنے والے کہتے ہیں کہ یہ ہمارے بھائی ہیں جو اپنے بستروں پر ہماری طرح فوت ہوئے رب فرماتاہے کہ ان کے زخم دیکھو اگر ان کے زخم مقتولوں کی طرح ہوں تو یہ ان ہی سے ہیں ان ہی کے ساتھ ہیں دیکھاتو ان کے زخم شہدا کے زخموں کے مشابہ ہیں۲؎(احمد،نسائی)

۱؎مؤمن کے مرنے پر اس سے ملاقات کرنے گزشتہ مؤمنین کی روحیں آتی ہیں اورجس قسم کا یہ شخص ہوتا ہے اسی جماعت کے لوگ اسے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ولی کی روح کو اولیاء،شہید کی روح کو شہداء۔غرضکہ تاقیامت بلکہ بعد قیامت جنت میں بھی ہر روح اپنے ہم جنسوں کے ساتھ رہے گی۔

۲؎طاعون میں بغل یا جنگا سے پرگلٹیاں نکلتی ہیں جو پھوٹ کر زخم بن جاتی ہیں،ان میں ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسے کوئی برچھیاں ماررہا ہے بلکہ جنات برچھیاں مارتے بھی ہیں اسی لیے اس کو طاعون کہتے ہیں۔بعدموت ان کے یہ زخم

شہداء کے زخموں کی طرح قرار دیئے جائیں گے اور ان لوگوں کو شہیدوں کے ساتھ رکھا جائے گا۔اس حدیث سے اشارۃً معلوم ہوا کہ موت کے بعد بھی قیاس ہوگا قیاس کے منکر اس سے کہاں تک بچیں گے۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طاعون سے بھاگنے والا،جہاد سے بھاگنے کی طرح ہے اور طاعون میں صابر کو شہید کا ثواب ہے[1]

(احمد)

[1] یعنی اگر کوئی طاعون سے بھاگتا ہواطاعون سے مرے تو اسے کوئی ثواب نہیں جیسے بزدل مجاہد بھاگتا ہوا مارا جائے تو اس کو شہید کا ثواب نہیں اور اگر طاعون میں صبر کرنے والاکسی اور بیماری سے بھی مرے تو شہید کا ثواب پائے گا۔

## باب تمنی الموت و ذکرہ

## باب موت کی آرزو اور اس کا ذکر ۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱ موت کی آرزو اچھی بھی ہے اور بری بھی،اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے لیے یا دنیاوی فتنوں سے بچنے کے لیے موت کی تمنا کرنا ہے تو اچھا ہے اور اگر دنیوی تکالیف سے گھبرا کر تمنائے موت کرے تو بُرا۔موت کی یاد بہترین عبادت ہے خصوصًا جب اس کے ساتھ تیاریٔ موت ہو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی موت کی آرزو نہ کرے نیک کار تو اس لیئے کہ شاید وہ نیکیاں بڑھالے اور بدکار اس لیئے کہ شاید وہ توبہ کرے ۱ (بخاری) |

۱ یعنی مؤمن کی زندگی بہرحال اچھی ہے کیونکہ اعمال اسی میں ہوسکتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی نہ موت کی آرزو کرے نہ اس کے آنے سے پہلے اس کی دعا کرے ۱ کیونکہ جب وہ مرجائے گا تو اس کی امیدیں ختم ہوجائیں گی اور مؤمن کی عمر بھلائی ہی بڑھاتی ہے ۲ (مسلم) |

۱ احادیث کی شرح آگے آرہی ہے کہ دنیوی تکالیف سے گھبرا کر موت نہ مانگے کہ اس میں بے صبری ہے اور خدا کی بھیجی مصیبت پر ناراضی،ہاں دینی خطرات کے موقع پر تمنائے موت بھی جائز ہے اور دعائے موت بھی۔

۲ یعنی زندگی کا زمانہ تخم بونے کا زمانہ ہے جو کچھ بوئے گا آگے چل کر کاٹے گا۔بدکار اگر توبہ کرے گا تو اسی زندگی میں،نیک کار نیکیاں بڑھائے گا تو اسی زندگی میں۔خیال رہے کہ بعض مؤمن قبر میں بھی نمازیں پڑھتے ہیں،تلاوتِ قرآن بھی کرتے ہیں مگر ان اعمال پر ثواب نہیں صرف روحانی لذت ہے جیسے فرشتوں کے اعمال پر ثواب نہیں بلکہ ان سے ان کی بقا اورلذت ہے،لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں قبر کی عبادتوں کا ذکر ہے اسی لیے مُردوں کو ایصال ثواب کرتے ہیں کہ زندگی کے عمل پر ثواب ملتا ہے جو انہیں بخشا جاتا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ |

| | |
|---|---|
| | صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی آئی ہوئی مصیبت کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے پھر اگر کرنا ہی پڑ جائے تو یوں کہے الٰہی جب تک میرے لیئے زندگی بہتر ہو تو مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیئے موت بہتر ہو تو مجھے موت دے ۱؎(مسلم،بخاری) |

۱؎یہ حدیث گزشتہ احادیث کی شرح ہے کہ بیماری و آزاری سے گھبراکر موت نہ مانگے اورجس طریقہ سے دعا کی اجازت دی گئی ہے نہایت ہی پیارا طریقہ ہےکیونکہ اس خیروشرمیں دین و دنیا کی خیروشرشامل ہےگویا موت کی تمنا کہہ بھی لی مگر قاعدے سے۔خیال رہے کہ یہ کہنا جائز ہے خدایا مجھے شہادت کی موت دے،خدایا مجھے مدینہ پاک میں موت نصیب کر۔چنانچہ عمر فاروق نے دعا کی تھی کی مولا مجھے اپنے حبیب کے شہرمیں شہادت نصیب کر،حضرت حفصہ نے عرض کیا کہ یہ کیسے ہوسکے گا تو آپ نے فرمایا ان شاءاللہ ایسے ہی ہوگا۔چنانچہ مسجد نبوی محراب النبی نماز کی حالت میں مصلّائے مصطفیٰ پر آپ رضی اللہ عنہ کو کافرمجوسی ابولولو نے شہید کیا۔دعاءکیا تھی کمان سے نکلا ہوا تیر تھا کہ جو کہا تھا وہی ہوا،کیوں نہ ہو رب کی یہ مانتے ہیں رب ان کی مانتاہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ سے ملنا چاہتاہے اللہ اس سے ملنا چاہتاہے اور جواللہ سے ملنا نہیں چاہتا اللہ اس سے ملنا نہیں چاہتا اللہ اس سے ملنے کو ناپسند کرتاہے ۱؎تب حضرت عائشہ یاحضور کی بعض بیویوں نے کہا کہ ہم تو موت سے گھبراتی ہیں ۲؎تو فرمایا کہ یہ مطلب نہیں لیکن جب مؤمن کو موت آتی ہے تو اسے اللہ کی رضا اور اسکے احترام کی بشارت دی جاتی ہے تب اسے کوئی چیز اگلے جہان سے پیاری نہیں ہوتی اس پر وہ اللہ سے ملنا چاہتاہے اللہ اس سے ملنا چاہتا ہے۳؎اور کافرکو جب موت حاضرہوتی ہے تو اسے اللہ کے عذاب و سزا کی خبردی جاتی ہے تب اسے اگلے جہان سے زیادہ کوئی شے ناپسند نہیں ہوتی لہذا وہ اللہ سے ملنا ناپسندکرتا ہے اور اللہ اس سے ملنا ۴؎(مسلم،بخاری) |

۱؎یہاں اللہ کو ملنے سے مرادموت ہے کیونکہ موت ہی خدا سے ملنے کا ذریعہ ہے یعنی منہ سے موت مانگنا منع مگر اسے پسندکرنا اچھا۔پسند کرنے کے یہ معنی ہیں کہ دنیا میں دل نہ لگائے اور آخرت کی تیاری کرے،ایسے بندے کو رب پسند کرتاہے،اس کی زندگی بھی خداکو پیاری ہے اور موت بھی،ہر ایک کی زندگی،موت خدا کے ارادے سے ہی

ہے مگر اس کی زندگی اورموت رب کے ارادے سے بھی ہے اور اس کی رضا سے بھی،ارادے اور رضا میں بڑا فرق ہے۔

۲؎جان کنی کی شدت اور اس کی سختیوں کی وجہ سے،نہ اس لیئے کہ دنیا ہمیں پیاری ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج خصوصًا حضرت عائشہ صدیقہ نے دنیا کی لذتیں دیکھی ہی کہاں،فقروفاقہ میں نہایت سادہ زندگی گزاری،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک پائی میراث نہ ملی،اٹھارہ سال کی عمر شریف میں بیوگی کی چادر اوڑھ لی اور۵۳ سال کی عمر شریف یونہی گزاری رضی اللہ عنہاوعنھن۔

۳؎یہ تو عام مؤمنوں کا حال ہے،خواص کو جان کنی کے وقت جمال مصطفیٰ دکھا دیا جاتا ہے،ان کی اس وقت کی خوشی بیان سے باہر ہے،پھر انہیں جانکنی قطعًامحسوس نہیں ہوتی،روح خودبخودشوق میں جسم سے نکل آتی ہے جیساکہ بارہا دیکھا گیا۔

۴؎چنانچہ کافرکو موت کے وقت میں تین مصیبتیں جمع ہوجاتی ہیں:دنیا چھوٹنے کا غم،آئندہ مصیبتوں کاخوف،جان نکلنے کی شدت۔غرضکہ مؤمن کی موت عید ہے اور کافر کی موت مصیبت اسی لیئے اولیاءاللہ کی موت کو عرس کہا جاتا ہے یعنی شادی۔

| | |
|---|---|
| | اورحضرت عائشہ کی روایت میں ہے کہ موت اللہ کے ملنے سے پہلے ہے ۱؎ |

۱؎یعنی موت پہلے ہے،رب سے ملنا بعدمیں لہٰذا اس وقت کی پسند و ناپسند ملاقات رب سے پہلے ہی کی پسندیدگی و ناپسندیدگی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے وہ بیان کیاکرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پرایک جنازہ گزرا تو آپ نے فرمایا کہ یا اس سے راحت حاصل کی گئی ۱؎یا راحت پاگیا لوگ بولے یارسول اللہ راحت پانے والے اور اس سے چھوٹنے والے سے کیا مطلب فرمایا کہ یہ بندہ مؤمن دنیا کی تکلیف اور اذیتوں سے چھوٹ کر اللہ کی رحمت میں جاتا ہے ۲؎اور بدکار بندے سے انسان،شہر،درخت اور جانور سب ہی راحت پاتے ہیں ۳؎(مسلم،بخاری) |

۱؎یعنی عاقل بالغ میت ان دو قسموں سے خالی نہیں یا وہ مرکر دنیا سے راحت پاتا ہے کہ یہاں کے تشریعی وتکوینی احکام سے چھوٹ جاتاہے یا دنیا اس سے راحت پاتی ہے۔

۲؎حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ میں موت پسندکرتا ہوں اپنے رب سے ملاقات کے لیئے،بیماری پسندکرتا ہوں خطائیں مٹانے کے لیئے اورفقیری پسندکرتا ہوں تواضع اور انکسار پیداکرنے کے لیئے۔

۳؎یعنی بدکار بندہ خواہ کافرہویا فاسق مسلمان اس کی بدکاری کی وجہ سے بارشیں نہیں آتیں یا سیلاب آتے ہیں،زمین میں لڑائیاں فساد ہوتے ہیں جس سے سارے جانوروں،درختوں وغیرہ کو تکلیف ہوتی ہے اسی لیئے مؤمن صالح کی موت پر آسمان اور زمین روتے ہیں،رب فرماتاہے:"فَمَا بَکَتۡ عَلَیۡہِمُ السَّمَآءُ وَ الۡاَرۡضُ"اور فاجر کے مرنے پر یہ سب خوش ہوتے کیونکہ اس کی بدعملیوں سے سب مصیبت میں تھے،رب فرماتاہے:"ظَہَرَ الۡفَسَادُ فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ بِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِی النَّاسِ"یہ حدیث ان آیتوں کی تفسیر ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا دنیا میں یوں رہو گویا تم مسافر ہو یا راستہ طے کرنے والے ہو۱؎حضرت ابن عمر فرماتے تھے کہ جب تم شام پالو تو صبح کے منتظر نہ رہو اور جب صبح پالو تو شام کی امید نہ رکھو اور اپنی تندرستی سے بیماری کے لیئے اور زندگی سے موت کے لیئے کچھ توشہ لے لو۲؎(بخاری) | |

۱؎یعنی جیسے مسافر منزل اور وہاں کی زیب و زینت سے دل نہیں لگاتاکیونکہ اسے آگےجانا ہوتاہے ایسے ہی تم یہاں کے انسان اور سامان سے دل نہ لگاؤ،ورنہ مرتے وقت ان کے چھوٹنے سے بہت تکلیف ہوگی۔صوفیاءجو فرماتے ہیں کہ "حُبُّ الْوَطنِ مِنَ الْاِیْمَانِ"یعنی وطن کی محبت ایمان کا رکن ہے وہاں وطن سے مراد جنت ہے یعنی اصلی وطن یا مدینہ منورہ کہ وہ مؤمن کا روحانی وطن ہے۔

۲؎حضرت ابن عمر یہ اپنے نفس سے خطاب کرتے تھے کہ زندگی کی لمبی امیدیں نہ باندھو ہر نماز آخری نماز سمجھ کر پڑھو،تندرستی اور زندگی کو غنیمت جانو جس قدر ہوسکے اس میں نیکیاں کمالو،ورنہ بیماری میں اورموت کے بعد کچھ بن نہ پڑے گا۔شعر

کر جوانی میں عبادت کاہلی اچھی نہیں　　جب بڑھاپا آگیا پھربات بن پڑتی نہیں

ہے بڑھاپا بھی غنیمت جب جوانی ہوچکی یہ بڑھاپا بھی نہ ہوگا موت جس دم آگئی

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وفات سے تین دن پہلے یہ فرماتے سنا کہ تم میں سے کوئی نہ مرے مگر اس طرح کہ اللہ سے اچھی امید رکھتا ہو۱؎(مسلم) | |

۱؎صوفیا فرماتے ہیں نیک بختی کی نشانی یہ ہے کہ بندے پر زندگی میں خوفِ خدا غالب ہو اورمرتے وقت امید،نیک کار نیکیاں قبول ہونے کی امید رکھیں اور بدکارمعافی کی۔امید کی حقیقت یہ ہے کہ انسان نیکیاں کرے اور اس کے فضل

کا امیدوار رہے،بدکاری کے ساتھ امید رکھنا دھوکا ہے امید نہیں۔اس حدیث کی بنا پر بعض بزرگوں نے کہا کہ خوف کی عبادت سے امید کی عبادت بہتر ہے۔

الفصل الثاني
دوسری فصل

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں بتادوں کہ قیامت میں اللہ مسلمانوں سے پہلے کیا فرمائے گااور مسلمان پہلے کیا عرض کریں گے۱؎ہم نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضرور فرمایاجائے فرمایا اللہ تعالٰی مسلمانوں سے فرمائے گا کیاتم مجھ سے ملناچاہتے ہوعرض کریں گے ہاں یارب،فرمائے گا کیوں؟عرض کریں گے کہ ہم تیری معافی اور مغفرت کی آس لگاتے تھے۲؎تب فرمائے گا کہ تمہارے لیئے میری بخشش واجب ہوگئی۳؎شرح سنہ و ابونعیم(حلیہ) | |

۱؎اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بھی ثابت ہوا اور امت پر رحمت بھی۔امتحان کے پرچے چھپائے جاتے ہیں اگر امتحان سے پہلے پرچہ ظاہر ہوجائے تو ردکردیاجاتاہے مگر اس پیارے نبی نے امتحان قبر کے پرچے بھی ظاہرکردیئے اور حشر کے دن رب سے ہم کلامی کا پرچہ بھی ظاہر فرمادیا۔مطلب یہ ہے کہ قبر میں منکر نکیر تم سے فلاں فلاں سوال کریں گے تم یہ جواب دے دینا اور حشر میں رب تم سے یہ فرمائے گا تم یہ جواب دینا،یہ گفتگو صورۃً خبر ہے معنًی امر۔یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کہ قبر و حشر کے پرچوں سے خبردار ہیں اور یہ ہے سرکار کی رحمت اپنی امت کے ایسے غمخوار ہیں۔
۲؎ملنے سے مراد آخرت کی حاضری ہے یا دیدار الٰہی،امید وار مجرم حاکم سے ملنا چاہتا ہے اور ناامید بھاگنا چاہتا ہے۔
۳؎یہ حدیث اس حدیث کی شرح ہے کہ میں اپنے بندے کے گمانوں کے پاس ہوتاہوں۔خیال رہے کہ بندے کا رب کی لقاچاہنا اس کی علامت ہے کہ رب بھی اس سے ملناچاہتاہے۔بندہ لینے پر حریص ہے،رب دینے کاعادی۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دنیاوی لذتیں ختم کرنی والی موت کا ذکر بہت کیا کرو۱؎(ترمذی،نسائی اور ابن ماجہ) | |

۱؎ہر شخص کی موت اس کی دنیاوی لذتیں کھانے پینے،سونے وغیرہ کے مزے فناکردیتی ہے،ہاں مؤمن مردے کو زندوں کے ذکر اور تلاوت قرآن سے لذت آتی ہے،نیز زیارت قبرکرنے والے سے اُنس ہوتاہے،برزخی لذتیں پاتا

ہے جویہاں کی لذتوں سے کہیں اعلیٰ ہیں،لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ مردے کو تلاوت و ایصال ثواب وغیرہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ یہاں لذتوں سے جسمانی لذتیں مراد ہیں نہ کہ روحانی اوریہ حدیث دوسری احادیث کے خلاف نہیں۔علماءفرماتے ہیں اور جو روزانہ موت کو یاد کرلیاکرے اس کے لیئے درجۂ شہادت ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن مسعود کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے صحابہ سے فرمایا اللہ سے پوری حیاء کرو انہوں نے عرض کیا یا نبی اللہ خدا کا شکر ہے کہ ہم اللہ سے غیرت کرتے ہیں ؎۱فرمایا یہ نہیں ہے لیکن جو اللہ سے پوری غیرت کرے تو وہ سر اور اس میں محفوظ چیزوں اور پیٹ اور اس کے اندر کی چیزوں کی حفاظت کرے اور موت اور گل جانے کو یاد رکھے ؎۲جو آخرت چاہتاہے وہ دنیا کی زینت چھوڑ دیتا ہے؎۳جس نے یہ کیا اس نے اللہ سے پوری غیرت کی۔(احمد،ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ |

؎۱حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام میں خطاب صحابہ کرام سے ہے مگر مقصود ساری امت کو سنانا ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کرام کو رب سے غیرت نہ تھی،رب تعالٰی اپنے حبیب سے فرماتا ہے:"یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ"۔نیز صحابہ کرام کا یہ جواب نہ ریا کے لیئے ہے نہ شیخی کے لیئے بلکہ توفیق الٰہی کے شکریہ کے طور پر،حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا حال کہنا ریا نہیں۔

؎۲یعنی صرف ظاہری نیکیاں کرلینا اور زبان سے حیا کا اقرار کرنا پوری حیا نہیں بلکہ ظاہری اور باطنی اعضاء کو گناہوں سے بچاناحیاہے۔چنانچہ سر کو غیرخدا کے سجدے سے بچائے،اندرون دماغ کو ریا اور تکبر سے بچائے،زبان،آنکھ اور کان کو ناجائز بولنے،دیکھنے،سننے سے بچائے،یہ سر کی حفاظت ہوئی،پیٹ کو حرام کھانوں سے،شرمگاہ کو زنا سے،دل کو بری خواہشوں سے محفوظ رکھے یہ پیٹ کی حفاظت ہے۔حق یہ ہے کہ یہ نعمتیں رب کی عطاءاور جناب مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاسے نصیب ہوسکتی ہیں۔

؎۳یعنی دنیا کی حرام زینتوں سے بچتاہے اور حلال زینتوں میں پھنستا نہیں۔خیال رہے کہ دنیا کی زینت وہ ہے جو دنیا کے لیئے کی جائے،لہذا عید کے دن اچھا لباس،جمعہ کا غسل و خوشبو،سرمہ وغیرہ روضۂ اقدس کی حاضری پر لباس فاخرہ پہننا سب دینی زینتیں ہیں،دنیا کی زینت اور ہے،دنیا میں زینت کچھ اور،پہلی بری ہے،دوسری اچھی۔دوسری کو رب نے زِینَتُ اللّٰه فرمایاکہ فرماتاہے:"قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ"اور فرماتا ہے:"خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ"۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کا تحفہ موت ہے ا؎(بیہقی،شعب الایمان) |

ا؎یعنی موت مسلمان کو رب کا تحفہ ہے کیونکہ یہ رب سے ملنے اور جنت میں پہنچنے کا ذریعہ ہے مگر یہی موت کافر کے لیئے مصیبت ہے کیونکہ مسلمان کا محبوب رب ہے اور کافر کی محبوب دنیا،موت مؤمن کو محبوب سے ملاتی اور کافر کو اس کے محبوب سے چھڑاتی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن پیشانی کے پسینہ سے مرتا ہے ا؎(ترمذی،نسائی،ابن ماجہ) |

ا؎اس حدیث کی بہت شرحیں ہیں۔ظاہری شرح یہ ہے کہ مرتے وقت اس کی پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے اگرچہ سردی کا موسم ہو،گویا یہ پسینہ اچھے خاتمے کی علامت ہے یعنی اسے جانکنی کی شدت زیادہ ہوتی ہے تاکہ سارے گناہ معاف ہوجائیں اور درجے بلند ہوجائیں،بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیاکہ مؤمن مرتے وقت تک نیکیوں میں محنت کرتا ہے وغیرہ۔(لمعات)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبیداللہ ابن خالد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگہانی موت غضب کی پکڑ ہے ا؎(ابوداؤد)اور بیہقی نے شعب الایمان میں اور رزین نے اپنی کتاب میں یہ بڑھایا کہ کافر کے لیئے غضب کی پکڑ ہےاور مؤمن کے لیئے رحمت۔ |

ا؎یعنی ہارٹ فیل کی موت غضب رب کی علامت ہےکیونکہ اس میں بندے کوتوبہ،نیک عمل،اچھی وصیت کا موقعہ نہیں ملتا مگر یہ کافر کے لیے ہے،مؤمن کے لیے یہ بھی نعمت ہے جیساکہ آئندہ آرہا ہےکیونکہ مؤمن کسی وقت رب سے غافل رہتا ہی نہیں،دیکھو حضرت سلیمان ویعقوب علیہما السلام کی وفات اچانک ہی ہوئی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اچانک موت مؤمن کے لیئے راحت ہے اور کافر کے لیئے پکڑ۔(لمعات ومرقات)کہ مؤمن اس موت میں بیماریوں کی مصیبت سے بچ جاتا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوان کے پاس اس کی موت کی حالت میں تشریف لے گئے تو فرمایا کہ تو اپنے کو کیسا پاتاہے ا؎اس نے عرض کیا یارسول اللہ میں اللہ سے امید کررہا ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈررہا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دوچیزیں بندے کے |

| | |
|---|---|
| | دل میں اس جیسی حالت میں جمع نہیں ہوتیں مگر اللہ اسے اس کی امید دیتاہے اور ڈراؤنی چیز سے امن دیتاہے ۲؎(ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔ |

۱؎یعنی تیرے دل کا کیا حال ہے خوش ہے یا غمگیں،مطمئن ہے یا پریشان،آس میں ہے کہ یاس میں،اسے ڈر ہے یا امید۔خیال رہے کہ امتی کی وفات کے وقت اب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں،اسے کلمہ سکھاتے ہیں جیسا کہ باربار دیکھا گیا ہے۔

۲؎یعنی بوقت موت مؤمن کا حال ڈوبتے ہوئے کی طرح چاہیئے جسے ایک موت نیچےکرتی ہے دوسری اوپر،گناہوں میں غورکرکے غیرت میں ڈوب جائے،رب کی رحمت میں سوچ کر تر جائے ایسے کو رب پکڑتا نہیں معافی دے دیتا ہے۔خیال رہے کہ مَوْطِن یاظرف مکان ہے یا زمان جیسے مقتلِ حسین یعنی امام حسین کی شہادت کی جگہ یا وقت،لفظ مثل زائد ہے یا مبالغہ کے لیئے۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ موت کی آرزو نہ کرو کیونکہ اس پہاڑ کی وحشت سخت ہے ۱؎اور یہ نیک بختی ہے کہ بندے کی عمر دراز ہو اور اللہ اسے رجوع الی اللہ نصیب کرے ۲؎(احمد) |

۱؎مُطَّلَعَ اِطِّلَاع کا ظرف مکان ہے یعنی خبر پانے کی جگہ،اونچا ٹیلہ یا پہاڑ کی چوٹی جہاں دشواری سے پہنچیں مگر وہاں پر سارے میدان کو دیکھ لیں،چونکہ موت کے وقت انسان دنیا و آخرت دونوں کو دیکھتا ہے اور ہے گھبراہٹ کا وقت،اس لیئے اسے مطلع فرمایا گیا،یعنی دنیوی تکالیف سے گھبرا کر موت نہ مانگوکیونکہ موت کی شدت ان تکالیف سے بہت زیادہ ہے کیابارش سے بھاگ کر پر نالہ کے نیچے کھڑا ہونا چاہتے ہو۔

۲؎لمبی عمر اگرگناہوں میں گزرے تو عذاب الٰہی ہے جیسے شیطان کی عمراور اگر عبادتوں میں گزرے تو رحمت الٰہی ہے جیسے نوح علیہ السلام کی عمر،اللہ یہ دوسری عمر نصیب کرے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے حضور نے ہمیں نصیحت فرمائی اور ہمارے دل نرم کردیئے حضرت سعد ابن |

| | |
|---|---|
| | ابی وقاص روئے اور بہت روئے ۱؎ بولے ہائے کاش میں مرجاتا تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سعد کیا میرے روبرو موت کی آرزو کرتے ہو یہ تین بار فرمایا ۲؎ پھر فرمایا اے سعد اگر تم جنت کے لیئے پیدا کیئے گئے ہو تو جس قدر تمہاری عمر دراز ہو اور تمہارے عمل اچھے ہوں تمہارے واسطے بہتر ہے ۳؎ (احمد) |

۱؎ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حلق کی بات کان میں پہنچتی ہے اور دماغ کی بات دماغ میں،مگر جوبات دل سے نکلتی ہے وہ دل ہی پر پڑتی ہے،نہ معلوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کیسے پیارے تھے جنہوں نے صحابہ کے ایمان تازہ،دماغ روشن اور دل نرم کردیئے۔اس کلام پاک میں یہ تاثیر قیامت تک رہے گی جیسا تجربہ اب بھی ہورہا ہے۔

۲؎ یعنی کیا میری زندگی میں اور میرے پاس رہ کر موت مانگتے ہو تمہیں اس وقت میری صحبتیں اور زیارتیں نصیب ہیں جو موت سے جاتی رہیں گی،اگرچہ تمہیں بعد موت بڑے درجے ملیں گے مگر وہ سارے درجے اس ایک نظر پر قربان جو تمہیں اب میسر ہیں۔کسی فقیر سے پوچھا گیا کہ مؤمن کی زندگی بہتر ہے یا موت اس نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں مؤمن کی حیات بہتر تھی اور سرکار کی وفات کے بعد اب موت بہتر ہے کہ اس زمانہ میں زندگی میں دیدار تھا اور اب بعد موت ہی ہوگا۔(لمعات)شعر

جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے     کہ یہاں مرنے پر ٹھہرا ہے نظارہ تیرا

۳؎ یعنی اگر دوزخ کے لیئے پیدا کئے گئے ہو تو موت مانگنے میں کوئی فائدہ نہیں اور اگر جنت کے لیئے تمہاری پیدائش ہوئی تو موت مانگنا تمہارے لیئے مضر کیونکہ لمبی عمر میں زیادہ نیکیاں کرو گے جس سے جنت میں تمہارے درجے بڑھیں گے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اگر فرمانا بے علمی کی بناء پر نہیں،حضرت سعد عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جن کے قطعی جنتی ہونے کی خبر خود سرکار دے چکے ہیں،ان کا جنتی ہونا ایسا ہی قطعی و یقینی ہے جیسا اللہ کا ایک ہونا۔یہ اِنْ علت بیان کرنے کے لیئے ہے،جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ"۔نہ صحابہ کا ایمان مشکوک،نہ خدا ان کے ایمان سے بے خبر،معنے یہ ہیں کہ چونکہ تم جنت کے لیئے پیدا کیے جاچکے ہو لہذا تمہاری درازی عمر بہتر۔(ازمرقات)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت حارثہ ابن مضرب سے فرماتے ہیں کہ میں حضرت خباب کے پاس گیا ۱؎ جنہیں سات داغ دیئے گئے تھے فرمایا اگر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا نہ ہوتا کہ تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے تو میں اس کی آرزو کرتا ۲؎ میں نے اپنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس حال میں دیکھا ہے کہ |

| | |
|---|---|
| میں ایک درہم کا مالک نہ تھا اور آج میرے گھر کے کونے میں چالیس ہزار درہم پڑے ہیں۳ فرماتے ہیں پھر ان کا کفن لایا گیا اسے دیکھا تو روئے۴ اور بولے کہ جناب حمزہ کو کفن بھی نہ ملا سوا اس دھاری دار چادر کے جو اگر ان کے سر پر ڈالی جاتی تو قدموں سے کھل جاتی اور قدموں پر ڈالی جاتی تو سر سے کھل جاتی حتی کہ ان کے سر پر چادر ڈالی گئی اور قدموں پر گھاس ۵(احمد،ترمذی) لیکن ترمذی نے کفن لانے سے آخر تک واقعہ بیان نہ کیا۔ | |

۱؎ حارثہ عبدی ہیں،کوفی ہیں،مشہور تابعی ہیں،حضرت علی،ابن مسعود وغیرہم سے ملاقات ہے اور حضرت خباب ابن ارت تمیمی ہیں،مشہور صحابی ہیں،۶ھ میں ہی ایمان لائے،کافروں کے ہاتھوں بہت ایذاء پائی،بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے،۳۷ھ میں وفات ہوئی،حضرت علی مرتضٰی نے نماز جنازہ پڑھائی،کوفہ میں مزار ہے،ایک بار حضرت علی آپ کی قبر پر گئے تو فرمایا اے خباب!اللہ تم پر رحم فرمائے تم رغبت سے ایمان لائے،خوشی سے مہاجر بنے،غازی بن کر جیئے،بیماری میں بہت مبتلا رہے،اللہ تمہارا اجر ضائع نہ کرے گا۔

۲؎ یعنی میں اتنا سخت بیمار ہوں کہ جسم زخموں سے چھلنی ہے،سات جگہ گرم لوہے سے داغا جاچکاہے،تمنائے موت کو دل چاہتا ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مانع ہے۔خیال رہے کہ داغ زخم کا آخری علاج ہے،جب کوئی دواکارگر نہ ہو توگرم لوہے سے داغ دیتے ہیں۔

۳؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اکثر صحابہ فقروفاقہ میں تھے،خلافت فاروقی وعثمانی میں صحابی پر دنیا خدا کے فضل سے پھٹ پڑی تب ان کی مالداری حساب سے وراء ہوگئی کیونکہ سارے ممالک انہی خلافتوں میں فتح ہوئے،آپ اسی جانب اشارہ فرماتے ہیں یعنی مجھے یہ خوف ہے کہ یہ مالداری ہمارے اعمال کا بدلہ نہ ہوگئی ہو۔

۴؎ کیونکہ کفن بہت قیمتی اور نفیس تھا اسے دیکھ کر آپ کو حضرت حمزہ کی بیکسی کی شہادت یاد آگئی۔

۵؎ یعنی مرد کے لیے کفن سنت تین کپڑے ہیں اور کفن ضرورت صرف ایک مگر حضرت حمزہ جو سیدالشداء اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار چچا ہیں مجھ سے افضل تھے انہیں کفن ضرورت بھی نہ ملا بہتر ہوتا کہ میں بھی انہی کی طرح دفن ہوتا۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ فقیر صابر غنی شاکر سے افضل ہے کیونکہ آپ اس غنا پر افسوس کررہے ہیں اور اس فقر کی تمنا۔

## باب ما یقال عند من حضرہ الموت

## جس کو موت آرہی ہو اس کے پاس کیا کہا جائے[1]

## الفصل الاول

## پہلی فصل

[1] یعنی علامات موت جب نمودار ہوں اس وقت جومرچکا ہو اس کے پاس کیا دعائیں،تلقین اورکیا الفاظ ادا کیے جائیں لہذا حضر کے معنے ہیں موت آرہی ہو یاموت آگئی ہو۔خیال رہے کہ بیمار کی کنپٹی دھنس جانا،ناک ٹیڑھی پڑجانا،پاؤں بے جان ہوجانا کہ اگر کھڑے کیے جائیں تو کھڑے نہ رہ سکیں بلکہ گر جائیں،فوطوں کی کھال دراز ہوجانا،فوطے سکڑ جانا علامات موت ہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوسعید و ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مُردوں کو"لا الہ الا اللہ" سکھاؤ[1](مسلم) | |

[1] یہ حکم استحبابی ہے،یہی جمہور علماء کا مذہب ہے،بعض مالکیوں کے ہاں وجوبی ہے۔موتے کے حقیقی معنے ہیں جومرچکا ہو،مجازًا قریب الموت کو موتے کہہ دیتے ہیں یعنی جو مررہا ہو اسے کلمہ سکھاؤ اس طرح کہ اس کے پاس بلند آواز سے کلمہ پڑھو اس کا حکم نہ دو کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جس کاآخری کلام"لا الہ الا اللہ"ہو وہ جنتی ہے۔خیال رہے کہ اگر مؤمن بوقت موت کلمہ نہ پڑھ سکے جیسے بے ہوش یا شہید وغیرہ تو وہ ایمان پر ہی مرا کہ زندگی میں مؤمن تھا لہذا اب بھی مؤمن بلکہ اگر نزع کی غشی میں اس کے منہ سے کلمۂ کفرسنا جائے تب بھی وہ مؤمن ہی ہوگا اس کا کفن دفن،نماز سب کچھ ہوگی کیونکہ غشی کی حالت کا ارتداد معتبر نہیں۔(ازشامی)اس سے معلوم ہوا کہ مرتے وقت کلمہ پڑھانا اس حدیث مذکورہ پر عمل کے لیے ہے نہ کہ اسے مسلمان بنانے کے لیئے،مسلمان تو وہ پہلے ہی ہے یا مطلب یہ ہے کہ میت کو بعد دفن کلمہ کی تلقین کرو کہ قبرپر کلمہ پڑھو یا قبر کے سرہانے اذان کہہ دو کیونکہ یہ وقت امتحان قبر کا ہے،اذان میں نکیرین کے سارے سوالات کے جوابات کی تلقین بھی ہے اور اس سے میت کے دل کو تسکین بھی ہوگی اور شیاطین کا دفعیہ بھی ہوگا اور اگر قبر میں آگ ہے تو ا س کی برکت سے بجھے گی اسی لیے پیدائش کے وقت بچے کے کان میں دل کی گھبراہٹ،آگ لگنے،جنات کے غلبے وغیرہ پر اذان سنت ہے،یہ دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔شامی نے یہ ہی معنے اختیار کیے کیونکہ حقیقۃً موتے وہی ہے جو مرچکا ہو مگر زیادہ قوی یہ ہے کہ عموم مجاز کے طریقہ پر دونوں معنے ہی مراد لیے جائیں،یعنی جو مررہا ہو اور جو مرچکا ہو

دونوں کو تلقین کرو،ہمارے ہاں بعد دفن قبر پر اذان دی جاتی ہے،اس کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔اس مسئلے کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاءالحق"حصہ اول میں دیکھو۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم بیمار یا میت کے پاس جاؤ تو اچھی بات بولو ۱؎ کیونکہ فرشتے تمہارے کہے پر آمین کہتے ہیں ۲؎(مسلم) | |

۱؎ غالبًا یہ شک راوی کو ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مریض فرمایا یا میت۔مریض سے مراد قریب الموت مریض ہے،خیر سے مراد دعائے شفا اور دعائے مغفرت ہے۔اور اس سے معلوم ہوا کہ ایسی حالت میں حاضرین دنیوی کلام نہ کریں،آخر وقت تک دعائے شفا کرسکتے ہیں،اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت کی تھی کہ میری جانکنی کے وقت اس حجرے میں ناپاک انسان،کتا،جاندار کا فوٹو یعنی نوٹ روپیہ پیسہ وغیرہ کچھ نہ ہو۔

۲؎ یعنی ملک الموت اور ان کے ساتھی ہر اس بات پر آمین کہہ دیتے ہیں جو تمہارے منہ سے نکلتی ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا کوئی مسلمان نہیں جسے کوئی مصیبت پہنچے تو وہ وہی کہے جس کا اللہ نے حکم دیا کہ ہم اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں الٰہی مجھے میری مصیبت میں اجر دے اور اس کا بہتر بدل عطا کر مگر اللہ اسے بہتر عوض دیتا ہے ۱؎ جب ابوسلمہ فوت ہوئے تو میں بولی کہ ابوسلمہ سے بہتر کون مسلمان ہوگا وہ تو پہلے گھر والے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی پھر میں نے یہ دعا کہہ ہی لی چنانچہ اللہ نے مجھے ان کے عوض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمائے ۲؎(مسلم) | |

۱؎ یہ عمل بڑا مجرب ہے فوت شدہ میت اور گمشدہ چیز سب پر پڑھا جائے لیکن جس گمی چیز کے ملنے کی امید ہو اس پر راجعون تک پڑھے اور جس سے مایوسی ہوچکی ہو اس پر پورا پڑھے،مگر ضروری یہ ہے کہ زبان پر الفاظ ہوں اور دل میں صبر۔(ازمرقات)

۲؎ ابوسلمہ حضرت ام سلمہ کے پہلے خاوند تھے،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے اور پھوپھی کے بیٹے بھی آپ نے مع گھر بار پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی،پھر مدینہ پاک کی جانب مع گھر بار ہجرت کرنے میں آپ اول ہیں اسی لیے آپ نے اَوَّلَ بَیْتٍ فرمایا۔ام سلمہ کی نگاہ میں ان خصوصیات کے لحاظ سے ابوسلمہ جزوی طور پر سب سے بہتر تھے اس لیے آپ نے یہ خیال کیا،لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ خلفائے راشدین تو ابو سلمہ سے

افضل تھے یعنی ایمان کہتا تھا کہ اس دعا کی برکت سے مجھے ان سے بہتر خاوند ملے گا مگر عقل و سمجھ کہتی تھی ناممکن ہے،میں نے عقل کی نہ مانی،ایمان کی مانی اور دعا پڑھ لی۔اس کی برکت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئی جن پر لاکھوں ابوسلمہ قربان۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو سلمہ پر تشریف لائے ان کی آنکھیں کھلی رہ گئیں تھیں،انہیں بند کردیا،پھر فرمایا کہ روح جب قبض کرلی جاتی ہے تو نظر اس کے پیچھے جاتی ہے ۱؎ ان کے گھر کے لوگوں نے آہ وبکا کی تو حضور نے فرمایا اپنے متعلق خیر ہی کی دعا کرنا کیونکہ فرشتے تمہارے کہے پر آمین کہتے ہیں ۲؎ پھر فرمایا الٰہی ابوسلمہ کو بخش دے اور ہدایت والوں میں ان کا درجہ بلند کر ان کے پسماندگان میں ان کا تو خلیفہ ہو اور اے رب العلمین ہماری اور ان کی مغفرت فرما اور ان کی قبر میں روشنی اور وسعت دے ۳؎ (مسلم) | |

۱؎ یعنی روح کے ساتھ نور نگاہ بھی نکل جاتی ہے اس لیے کبھی مرنے والے کی آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں،آنکھیں کھلی رہنے سے فائدہ کچھ ہوتا نہیں البتہ شکل ڈراؤنی ہوجاتی ہے اس لیے آنکھیں فورًا بند کردو بلکہ اگر منہ کھلا رہ گیا ہوتو اسے بھی بند کردیا جائے اور جبڑے باندھ دیئے جائیں۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ میت پر بلند آواز سے رونا اور اچھی باتیں منہ سے نکالنا برا نہیں،ہاں پیٹنا اور بکواس کرنا برا ہے بلکہ کبھی کفر جیسے ہائے پہاڑ گر گیا ہائے کمر ٹوٹ گئی،ہائے موت نے یا اللہ نے ظلم کردیا اَلْعَیَاذُ بِاللہ،یا اللہ ہمیں بھی موت دے دے وغیرہ۔

۳؎ سبحان اللہ!کیا پاکیزہ اور جامع دعا ہے،میت کے پسماندگان اپنے اور سارے مسلمانوں کے لیے ہر طرح کی دعا مانگ لی گئی۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ کو حبری چادر اوڑھائی گئی ۱؎ (مسلم،بخاری) | |

۱؎ یعنی اس چادر میں کفن دیا گیا،حبرہ یمن کا ایک شہر ہے جہاں کی چادریں مخطط اور بہترین ہوتی ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ میت کو حتی الامکان بہتر کفن دیا جائے،بلکہ زندگی میں جو کپڑا اسے پسند تھا اسی میں کفن دینا بہتر،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بردیمانی نہایت پسند تھی۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کا آخری کلام "لا الہ الا اللہ" ہوگا وہ جنت میں جائے گا[1] (ابوداؤد) |

[1] یعنی اگرچہ عمر بھر کلمہ پڑھتا رہا،لیکن مرتے وقت کلمہ ضرور پڑھنا چاہیے کہ اس کی برکت سے بخشش ہوگی،مرنے والے کو کلمہ پڑھانا اسی حدیث پر عمل ہے،روایت میں تو یہ بھی آیا ہے کہ کلمہ پڑھ کر سوؤ،یہ حدیث کتاب الایمان کی اس حدیث کی شرح ہے کہ جس نے "لا الہ الا اللہ" کہہ لیا جنتی ہوگیا،اسی معنی پر حدیث میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں،بعض روایات میں ہے کہ جس کا اول کلام "لا الہ الا اللہ" ہو اس کے گناہوں کی معافی ہوگی،لہذا کوشش کرنی چاہیئے کہ بچے کی زبان کلمہ پر کھلے اس سے مراد پورا کلمہ ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت معقل ابن یسار سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنے مرنے والوں پر سورۂ یٰسین پڑھا کرو[1] (احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ) |

[1] اس میں سارے وہ احتمالات ہیں جو پہلی حدیث میں عرض کیے گئے،یعنی جس کی جان نکل رہی ہوں وہاں بیٹھ کر یٰسین پڑھو تاکہ جان کنی آسان ہو بعد دفن قبر پر پڑھو،نیز کچھ روز تک میت کے گھر میں پڑھتے رہو۔(اشعۃ اللمعات)قرآن کی ہر سورۃ میں کوئی خاص فائدہ ہوتاہے،سورۂ یٰسین میں حل مشکلات کی تاثیر ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان ابن مظعون کی میت کو چوما حالانکہ حضور رو رہے تھے حتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو عثمان کے چہرے پر بہنے لگے[1] (ترمذی،ابوداؤد) |

[1] حضرت عثمان ابن مظعون وہ پہلے مہاجر ہیں جو مدینہ پاک میں فوت ہوئے اور جنت البقیع میں دفن ہوئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دست اقدس سے ان کی قبر کے سرہانے پتھر گاڑا،آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ہیں،صاحب ہجرتین ہیں،اسلام سے پہلے بھی کبھی شراب نہ پی،بڑے عابد اور تہجد گزار صحابی تھے،ہجرت کے تیس ماہ بعد شعبان کے مہینہ میں وفات پائی،حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا انہیں چومنا غسل دینے سے پہلے تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ میت غسل سے پہلے بھی پاک ہوتی ہے اس کا غسل جنابت کا سا غسل ہے۔(لمعات)لمعات میں اسی جگہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کا عظیم الشان مقبرہ بنایا گیا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ ابوبکر صدیق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیا حالانکہ حضور وفات یافتہ |

| | |
|---|---|
| | تھے ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ) |

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ میت کو تعظیمًا اور شفقۃً چومنا جائز ہے،ہاں مرد اپنی بیوی کو اس کے فوت ہونے کے بعد اور بیوی مرد کو نہیں چوم سکتی،ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت ابن عمر اپنا منہ آپ کی پیشانی پر رکھ کر رونے لگے چومتے تھے اور کہتے تھے تم پر میرے ماں باپ فدا،آپ زندگی میں بھی اچھے اور بعد وفات بھی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت حصین ابن وحوح سے طلحہ بن براء بیمار ہوئے ۱؎تو انکے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لئے تشریف لائے پھر فرمایا میرا گمان ہے کہ طلحہ کی وفات آہی گئی ہے مجھے اس کی خبر دینا اور جلدی کرنا کیونکہ مسلمان میت کا اپنے گھر والوں میں رکا رہنا مناسب نہیں ۲؎(ابوداؤد) |

۱؎حصین ابن وحوح صحابی ہیں،انصاری ہیں،آپ سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے۔

۲؎اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ میت کے لیے اعلان عام کرنا بھی جائز ہے اور خاص بزرگ و اہل قرابت کو خبر کرنا بھی تاکہ وہ نماز اور دفن میں شرکت کرلیں۔دوسرے یہ کہ حتی الامکان دفن میں جلدی کی جائے،بلاضرورت دیر لگانا جیسا کہ ہمارے پنجاب میں رواج ہے سخت ناجائز ہے کہ اس میں میت کے پھولنے پھٹنے اور اسکی بے حرمتی کا اندیشہ ہے،مگر اس حکم سے انبیاء کرام مستثنٰی ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دفن شریف وفات سے تین دن بعد ہوا،مسئلہ خلافت پہلے طے کیا گیا تاکہ زمین خلیفۃ اللہ سے خالی نہ رہے،بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دفن وفات سے چھ ماہ یا ایک سال بعد ہوا۔(قرآن شریف)خیال رہے کہ یہاں **حیفه** بمعنی مردہ ہے نہ کہ مردار جیسے قرآن کریم میں ہے"**كَيْفَ يُوٰرِىْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ**"لہٰذا اس لفظ سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مردہ نجس ہوتا ہے۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن جعفر سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنے مُردوں کو یہ تلقین کرو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں،حلم والا ہے،کرم والا ہے،پاک ہے،عرش عظیم کا رب ہے،ساری حمد اللہ رب العلمین کی ہے ۲؎لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ |

| | |
|---|---|
| یہ دعا زندوں کے لیئے کیسی فرمایا بہت اچھی اچھی۳؎(ابن ماجہ) | |

۱؎آپ عبداللہ ابن جعفر ابن ابی طالب قرشی ہاشمی علی مرتضٰی کے بھائی ہیں،حبشہ میں پیدا ہوئے،اسلام میں سب سے پہلے آپ کی پیدائش ہوئی،بہت سخی،خوش خلق اور حلیم تھے،آپ کا لقب بحرالجود تھا،والدہ کا نام اسماءبنت عمیس ہے،۹۰ سال عمرہوئی،۸۰ھ میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔

۲؎اس کی شرح پہلے گزر چکی کہ جو مرر ہا ہو اس کے پاس بھی یہ پڑھو اورمرچکنے کے بعد قبر پر بھی۔

۳؎یعنی زندے بھی بطوروظیفہ پڑھا کریں بہت ثواب پائیں گے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میت کے پاس فرشتے آتے ہیں ۱؎ اگر آدمی نیک ہوتا ہے تو اس سے کہتے ہیں اے پاک روح نکل جو پاک جسم میں تھی ۲؎نکل قابلِ تعریف خیریت،راحت اور پاک رزق اور راضی رب کی بشارت حاصل کر اس سے یہ کہتے رہتے ہیں حتی کہ نکل آتی ہے۳؎پھر اس کو آسمان کی طرف چڑھایا جاتا ہے اس کے لیئے آسمان کھولا جاتا ہے کہا جاتا ہے یہ کون ہے فرشتے کہتے ہیں یہ فلاں ہے تو کہا جاتا ہے کہ خوب آئی پاک روح جو پاک جسم میں تھی داخل ہو قابلِ تعریف ہے اور خیریت،راحت،پاک رزق اور راضی رب کی بشارت لے اس سے یہ کہتے رہتے ہیں حتی کہ اس آسمان تک پہنچتی ہے جس میں اللہ کی تجلی ہے۴؎اور جب آدمی برا ہوتا ہے ۵؎تو کہتے ہیں کہ اے خبیث جان نکل جو خبیث جسم میں تھی ۶؎نکل قابلِ ملامت ہوکر اورکھولتے پانی پیپ اور اس کے ہمشکل دوسرے عذابوں کی بشارت لے۷؎اس سے یہ کہتے رہتے ہیں حتی کہ نکل آتی ہے پھر اسے آسمان کی طرف چڑھایا جاتا ہے تو اس کے لیئے آسمان کھلوایا جاتا ہے پوچھا جاتا ہے یہ کون ہے کہا جاتا ہے فلاں تو کہا جاتا ہے اس کے لیئے مرحبا نہیں،خبیث جان ہے جو خبیث جسم میں تھی ملامت کی ہوئی لوٹ جا کیونکہ تیرے لیئے آسمان کے دروازے نہیں کھل سکتے۸؎پھر اسے آسمان سے | |

| | |
|---|---|
| | پھینکا جاتا ہے حتی کہ قبر میں آجاتی ہے۹(ابن ماجہ) |

۱یعنی ملک الموت اور انکے ساتھی مؤمن کے پاس رحمت کے فرشتے استقبال کے لیے اور کافر کے پاس عذاب کے فرشتے گرفتاری کے لیے ان کے علاوہ ہوتے ہیں۔

۲نفس اور روح میں فرق اعتباری ہے مظہر شر کو نفس کہتے ہیں"اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ"اور مظہر خیر کو روح"قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ"۔یہاں طیبہ کی صفت سے نفس میں خوبی کے معنی پیدا ہوگئے۔(مرقات)ظاہر یہ ہے کہ نفس طیب سے اچھے عقائد کی طرف اور جسم طیب سے اچھے اعمال کی طرف اشارہ ہے یعنی تیرے عقائد بھی اچھے اور اعمال بھی صالح۔

۳معلوم ہوا کہ مؤمن صالح کی روح کھینچ کر نکالنے کی ضرورت نہیں پڑتی وہ بشارتیں سن کر خودبخود ہی خوش ہوتی نکل آتی ہے۔ع یار خنداں رود بجانب یار۔

۴یعنی ہر آسمان پر اس کا استقبال ہوتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ آسمانی فرشتے ہر انسان کا نام اور اس کے اعمال جانتے ہیں ورنہ انہیں محض نام بتانا بالکل بیکار ہوتا۔آسمان میں اللہ کے ہونے سے مراد اس کی تجلی،اس کے نور وغیرہ کا ہونا ہے،ورنہ رب تعالٰی آسمان یا زمین میں ہونے سے پاک ہے،مکان جسم یا جسمانیات کے لیے ہوتا ہے۔غالبًا اس آسمان سے عرش اعظم مراد ہے کہ وہ بھی ایک آسمان ہی ہے۔

۵برے سے مراد کافر ہے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ ہے کہ مؤمن متقی اور کافر کے حالات بیان فرماتے ہیں،مؤمن فاسق کا پردہ رکھتے ہیں کرم نوازی سے۔

۶یعنی تیرے عقائد بھی برے تھے،اعمال بھی گندے۔خیال رہے کہ اگر کافر اچھے اعمال صدقہ و خیرات بھی کرے جب بھی اس کا جسم گندا ہی ہے،کتا سمندر میں نہانے سے بھی گندا ہی ہوتا ہے،نیز نیک اعمال درستی عقیدہ کے بغیر قبول نہیں۔

۷اس خبر کو بشارت فرمانا طنز وطعن کے طور پر ہے،رب فرماتا ہے:"فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ"۔خیال رہے کہ کافر کو یہ عذاب بعد قیامت دوزخ میں پہنچ کر ہوں گے،ہاں دوزخ کی گرمی،تپش،دھواں برزخ میں بھی پہنچتا رہے گا۔

۸یعنی روح لے جانے والے فرشتے آسمانوں کے دروازے کافر کی روح کے لیے کھلواتے ہیں مگر وہاں کے دربان کھولتے نہیں،یہ کھلوانا بھی اسے ذلیل کرنے کو ہے،ورنہ یہ فرشتے جانتے ہیں کہ اس کے لیے دروازہ کھلے گا نہیں۔

۹یہاں قبر سے مراد مقام سجّین ہے جو ساتویں آسمان کے نیچے ہے جہاں یہ روح قید کردی جاتی ہے،اس قید کے باوجود اس کا تعلق اپنے جسم کے اجزائے اصلیہ سے رہتا ہے،لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بعض کفار جلادیئے جاتے ہیں ان کی قبر کہاں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاجب مسلمان کی روح نکلتی ہے تو اسے دو فرشتے ملتے ہیں جو اسے چڑھا لے جاتے ہیں۱حماد نے کہاحضور نے |

| | |
|---|---|
| | اس کی عمدہ خوشبو کا اور مشک کا ذکر فرمایا ہے۲ فرمایا کہ آسمان والے کہتے ہیں پاک روح زمین کی طرف سے آئی اللہ تجھ پر اور اس جسم پر رحمتیں کرے جسے تو آباد کرتی تھی۳ پھر اسے رب کے پاس لے جاتے ہیں رب فرماتا ہے کہ اسے آخر وقت تک کے لیئے وہیں پہنچادو۴ فرمایا کہ جب کافر کی روح نکلتی ہے حماد فرماتے ہیں کہ حضور نے اس کی بدبو اور لعنت کا ذکر فرمایا آسمان والے کہتے ہیں خبیث روح ہے جو زمین کی طرف سے آئی تو کہاجاتاہے اسے معیاد تک کے لیئے لے جاؤ،ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پرچادر تھی اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح اپنی ناک سے لگالیا ۵(مسلم) |

۱غالبًا یہ دو فرشتے اس کے اعمال لکھنے والے ہیں،روح ان کے ہاتھوں میں ہوتی ہے،باقی کچھ اور فرشتے ان کے ساتھ ہوتے ہیں لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں جہاں بہت سے فرشتوں کے لے جانے کا ذکرہے۔

۲یعنی اس روح کی خوشبو کو مشک اعلیٰ سے تشبیہ دی جو ان فرشتوں کو اور باقی دوسرے فرشتوں کومحسوس ہوتی ہے،کبھی حاضرین انسانوں نے بھی اس کا احساس کیا کہ جان نکلنے پر اعلیٰ درجے کی مہک آئی۔اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن کی روح مہکتی ہے،کبھی اچانک غیبی خوشبومحسوس ہوتی ہے،بزرگ فرماتے ہیں کہ اس وقت کسی پاک روح کا وہاں سے گزرہوتا ہے ایسے موقعہ پر درود شریف پڑھنا چاہیے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کے پاس باب جبریل سے متصل بہت دفعہ خوشبو محسوس کی گئی۔

۳غیر نبی پر درود مستقلًا پڑھنا ہمارے لیے منع ہے،یعنی ہم کسی کو صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے۔فرشتوں کا یہ درود اس روح پر پڑھناان کی خصوصیت ہے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ لانے والے کو فرماتے"اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی فُلَانٍ"ہمارے احکام اور ہیں ان کے احکام کچھ اور۔

۴یعنی قیامت تک اسے برزخ میں رکھو،برزخ موت اورقیامت کے درمیانی وقت کانام ہے،اس وقت میں روحیں مختلف جگہ رہتی ہیں کوئی روح جنت میں اعلیٰ علیین میں،کوئی چاہ زمزم میں،کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب حضوری میں،یہاں کی یہ عبارت ان سب کو شامل ہے مگر روح جہاں بھی ہو جسم اورقبرسے تعلق ضرور رکھتی ہے اسی لیے قبر پر جاکر سلام،فاتحہ پڑھتے ہیں۔

۵یعنی حضرت ابوہریرہ نے اپنی چادر ناک پر لگاکر فرمایا کہ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرماتے ہوئے یوں چادر کی تھی۔مرقات نے فرمایا کہ اس وقت سرکار کی ناک نے کسی کافر روح کی بدبومحسوس فرمائی تھی آپ کا یہ عمل اس بنا پر تھا۔کبھی بزرگوں کے حواس دور کی چیزمحسو س کرلیتے ہیں،یعقوب علیہ السلام نے کنعان بیٹھے ہوئے مصر سے

روانہ ہونے والی قمیض یوسفی کی خوشبو محسوس کرکے فرمایا:"اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ"۔بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ عمل شریف بطور تمثیل کیا یعنی اگر تم وہ بدبو پاؤ تو ایسے ناک ڈھک لو مگر پہلی توجیہ قوی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مؤمن کو موت آتی ہے تو رحمت کے فرشتے سفید ریشم لےکر آتے ہیں ۱؎ کہتے ہیں نکل تو راضی،تجھ سے رب راضی اللہ کی طرف سے راحت،روحانی رزق اور راضی رب کی طرف چل تو وہ بہترین مشک کی خوشبو کی طرح نکلتی ہے ۲؎ حتی کہ بعض فرشتے بعض کو وہ روح دیتے ہیں اسے آسمان کے دروازوں تک لاتے ہیں ۳؎ آسمان والے کہتے ہیں یہ کیا اچھی خوشبو ہے جو زمین سے تمہیں آئی پھر اسے مسلمانوں کی روحوں کے پاس لاتے ہیں مؤمنین اس کی وجہ سے زیادہ خوش ہوتے ہیں جیسے تم میں سے کوئی گمشدہ آدمی کے آجانے سے خوش ہوئے ۴؎ اس سے پوچھتے ہیں کہ فلاں کیا کرتا ہے فلاں کیا کرتا ہے پھر کہتے ہیں اسے چھوڑو یہ دنیا کے غم میں تھا ۵؎ یہ کہتا ہے کہ وہ مرگیا کیا تمہارے پاس نہ آیا وہ کہتے ہیں کہ اسے ام ہاویہ میں پہنچادیا گیا ہے ۶؎ اور کافر کی موت جب آتی ہے تو اس کے پاس عذاب کے فرشتے ٹاٹ لےکر آتے ہیں ۷؎ کہتے ہیں نکل تو رب سے ناراض تجھ پر رب ناراض اللہ کے عذاب کی طرف چل تو وہ مردار کی سخت بدبو کی طرح نکلتی ہے حتی کہ اسے زمین کے دروازے تک لاتے ہیں ۸؎ تو وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسی سخت بدبو ہے یہاں تک کہ اسے کفار کی روحوں میں پہنچا دیتے ہیں ۹؎(احمد،نسائی) |

۱؎ روح کو لپیٹنے کے لیے جنت کا لباس لاتے ہیں یعنی مؤمن کے جسم کا کفن یہاں کا کپڑا ہوتا ہے اور روح کا کفن جنت کا۔

۲؎ یعنی اس کے جسم سے نکلتے وقت بہترین مشک کی خوشبو مہکتی ہے جسے فرشتے محسوس کرکے خوش ہوتے ہیں۔خیال رہے کہ مؤمن کی روح ہر وقت خوشبودار ہے مگر اس خوشبو کے ظہور کا وقت یہ ہے۔اصحمہ نجاشی کی قبر سے بہت

روز تک مشک کی تیز خوشبو نکلتی رہی جیسا کہ مشکوۃشریف میں آئے گا،حضرت سلیمان جزولی صاحب دلائل الخیرات کی قبر سے بھی بہت روز تک خوشبو مہکی،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم،لباس،پسینہ کی خوشبوؤں سے کلیاں مہک جاتی تھیں یہ اسی روحانی خوشبو کا ظہور تھا۔

۳؎ یعنی جیسے جسم میت کو قبرستان لے جاتے ہوئے لوگ کندھے بدلتے ہیں ایسے ہی اس روح کو آسمان پر لے جاتے ہوئے فرشتے ہاتھ بدلتے ہیں مگر تھک کر نہیں بلکہ اظہار عزت کے لیے۔

۴؎ یعنی اس روح کو مسلمان روحوں کے ٹھکانوں پر پہنچاتے ہیں۔اعلیٰ علیین،جنت،دروازۂ جنت اورعرش اعظم کے نیچے جہاں کے یہ لائق ہو ورنہ مؤمنین کی روحیں اس کے نزع کے وقت وہاں موجود تھیں۔بعض بزرگوں نے بحالت نزع اپنے فوت شدہ اہل قرابت کے آنے کی خبر دی ہے،یہ پہنچانا ان کے ساتھ رکھنے کے لیے ہوتا ہے اسی لیے انہیں خوشی ہوتی ہے۔

۵؎ یعنی یہ مؤمن روحیں اسی جانے والی روح کو گھیر کر اپنے زندہ دوستوں کے حالات پوچھتی ہیں،پھر انہیں میں سے بعض روحیں پوچھنے والوں سے کہتی ہیں کہ سوال و جواب ختم کرو اسے آرام کرنے دو یہ ابھی دنیوی تکالیف اورشدت نزع سے چھوٹ کر آیا ہے۔خیال رہے کہ روحوں کا یہ سوال اشتیاق کی وجہ سے ہوتا ہے ورنہ مؤمن روحیں اپنے زندوں کے حالات سے خبردار رہتی ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ"۔زیارت قبور کے آخر میں ان شاءاللہ آئے گا کہ مؤمن روحیں ہر جمعرات کو اپنے گھر آکر زندوں سے ایصال ثواب کی درخواست کرتی ہیں،نیز زیارت قبور کرنے والوں کو پہچانتی ہیں اورقبرستان گزرنے والے سے دعا کی درخواست کرتی ہیں۔

۶؎ یعنی انہی روحوں میں سے کوئی کسی کے بارے میں سوال کرتی ہے تو یہ جانے والی روح کہتی ہے کہ وہ تو مرچکا تمہارے پاس پہنچا نہیں تو اسی پوچھنے والی جماعت کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ وہ کافر ہوکر مرا،ہاویہ میں گیا ہمارے پاس کیسے آتا۔اس جواب سے بھی معلوم ہورہا ہے کہ یہ روحیں دنیا والوں کے حالات اور ان کے اچھے برے خاتمہ سے خبردار ہیں۔خیال رہے کہ یہاں امّ بمعنی اصل اورٹھکانہ ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ"یعنی وہ اپنے ٹھکانے ہاویہ میں گیا۔

۷؎ دوزخ کا ٹاٹ لاتے ہیں تاکہ اس میں اس روح کو لپیٹیں یہ اس کا کفن ہے۔

۸؎ اس عبارت میں سماء پوشیدہ ہے یعنی زمین آسمان کے دروازے پر پہلے آسمان جسے سماء ارض کہا جاتا ہے یا زمین سے مراد اس کا ساتواں طبقہ ہے جس کے نیچے سجین ہے کفار کا ٹھکانہ دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں جس کی تائید اگلے مضمون سے بھی ہورہی ہے۔

۹؎ سجّین میں جہاں پہلے ہی ارواح کفار قید ہیں مگر یہاں کوئی کسی سے پوچھ گچھ نہیں کرتا ہر ایک اپنے حال میں گرفتار ہے۔

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازے میں گئے قبر پر پہنچے قبر ابھی تیار نہ تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے ہم آپ کے آس پاس ایسے بیٹھ گئے کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں ۱؎ حضور کے ہاتھ میں چھڑی تھی جس سے آپ زمین کریدنے لگے ۲؎ پھر اپنا سر اٹھایا دو یا تین بار فرمایا کہ عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو پھر فرمایا کہ بندہ مؤمن جب دنیا سے روانہ ہوکر آخرت کی طرف جانے لگتا ہے تو اس پر آسمان سے سفید چہرے والے فرشتے اترتے ہیں گویا ان کے چہرے سورج ہیں ۳؎ جن کے ساتھ جنت کے کفنوں سے کفن اور وہاں کی خوشبو ہوتی ہے حتی کہ میت کی تاحد نگاہ بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت علیہ السلام آتے ہیں اس کے سر کے پاس بیٹھ کر کہتے ہیں ۴؎ اے پاک روح اللہ کی بخشش اور رضا کی طرف چل تو وہ نکلتی ہے ایسی بہتی ہوئی جیسے مشک سے قطرہ ۵؎ ملک الموت اسے لے لیتے ہیں جب لیتے ہیں تو فرشتے ان کے ہاتھ میں پل بھر نہیں چھوڑتے حتی کہ اسے لے لیتے ہیں اس کو کفن اور خوشبو میں ڈال دیتے ہیں اس میت سے ایسی نفیس خوشبو نکلتی ہے جیسے روئے زمین پر بہترین مشک سے ۶؎ فرمایا اسے لے کر چڑھتے ہیں تو فرشتوں کی کسی جماعت پر نہیں گزرتے مگر وہ کہتے ہیں کہ یہ کیا ہی نفیس خوشبو ہے یہ کہتے ہیں کہ یہ فلاں ابن فلاں ہے اس کا وہ اعلیٰ نام لے کر جو زمین میں لیا جاتا تھا حتی کہ اسے لے کر دنیاوی آسمان پر پہنچتے ہیں تو اس کے لیے کھلواتے ہیں تو کھول دیا جاتا ہے اسے ہر آسمان کے فرشتے دوسرے آسمان پر پہنچانے جاتے ہیں حتی کہ ساتویں آسماں تک پہنچادیتے ہیں ۷؎ رب فرماتا ہے کہ میرے بندے کی کتاب علیین میں لکھو ۸؎ اور اسے زمین کی طرف کردو کیونکہ میں نے انہیں

زمین سے ہی پیدا کیا وہاں ہی لوٹاؤں گا وہاں ہی سے دوبارہ نکالوں گا فرمایا اس کی روح جسم میں واپس کی جاتی ہے ۹؎ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ رب تیرا کون وہ کہتا ہے رب میرا اللہ ہے وہ کہتے ہیں دین تیرا کیا وہ کہتا ہے دین میرا اسلام کہتے ہیں یہ صاحب کون ہیں جو تم میں بھیجے گئے وہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ کہتے ہیں تجھے کیسے معلوم ہوا یہ کہتا ہے میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اس پر ایمان لایا اس کی تصدیق کی ۱۰؎ تو آسمان سے پکارنے والا پکارتا ہے کہ میرا بندہ سچا ہے ۱۱؎ اس کے لیے جنت کا فرش بچھاؤ جنتی لباس پہناؤ اور جنت کی طرف دروازہ کھول دو فرمایا تب اس تک جنت کی راحت و خوشبو آتی ہے، تاحد نگاہ اس کی قبر میں فراخی کی جاتی ہے ۱۲؎ فرمایا کہ اس کے پاس ایک خوبصورت اچھے کپڑوں اچھی خوشبو والا شخص آتا ہے کہتا ہے اس سے خوش ہو جو تجھے مسرور کرے گی یہ تیرا وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا ۱۳؎ یہ کہتا ہے تو کون ہے تیرا چہرہ بھلائی لاتا ہے ۱۴؎ وہ کہتا ہے میں تیرا نیک عمل ہوں ۱۵؎ تب بندہ کہتا ہے یارب قیامت قائم کر یا رب قیامت قائم کر تا کہ میں اپنے گھر بار اور مال میں پہنچوں ۱۶؎ فرمایا کہ بندہ کافر جب دنیا کے خاتمے اور آخرت کی آمد میں ہوتا ہے تو اس کی طرف آسمان سے سیاہ چہرے والے فرشتے اترتے ہیں جن کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں ۱۷؎ اس کی حد نگاہ تک بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت آتے ہیں اس کے سر کے پاس بیٹھتے ہیں کہتے ہیں اے خبیث جان رب کی ناراضی کی طرف نکل فرمایا کہ جان اس کے جسم میں چھپتی پھرتی ہے وہ اسے ایسے کھینچتے ہیں جیسے گرم سیخ بھیگی اون سے کھینچی جاتی ہے ۱۸؎ پھر اسے لے لیتے ہیں جب لیتے ہیں تو دوسرے فرشتے وہ جان ملک الموت کے ہاتھ میں

پلک جھپکنے تک نہیں چھوڑتے حتی کہ اسے ان ٹاٹوں میں ڈال لیتے ہیں اور اس سے روئے زمین کے بدترین مردار کی سی بدبو نکلتی ہے اسے لےکر چڑھ جاتے ہیں ١٩؎ فرشتوں کی جس جماعت پر بھی گزرتے ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ کون خبیث جان ہے وہ اس کے دنیاوی بدترین ناموں سے جس سے موسوم کیاجاتا تھا نام لےکر کہتے ہیں کہ فلاں فلاں کا بیٹا یہاں تک کہ اسے لےکر آسمان دنیا تک آتے ہیں٢٠؎ کھلوایاجاتا ہے تو اس کے لیے کھولانہیں جاتا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی نہ ان کے لیے آسمان کے دروازے کھلیں اور نہ وہ جنت میں جائیں حتی کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہوجائے ٢١؎ پھر رب تعالٰی فرماتا ہے کہ اس کی کتاب نچلی زمین کے سجّین میں لکھو پھر ان کی جاں پٹخ دی جاتی ہے پھر حضور نے یہ تلاوت کی کہ جس نے اللہ سے شرک کیا گویا وہ آسمان سے گر گیا جسے پرندے اچکتے ہیں یا اسے دور جگہ میں ہوا پھینکتی ہے٢٢؎ پھر روح جسم میں لوٹائی جاتی ہے اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں کہتے ہیں تیرا رب کون ہے وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا پھر کہتے ہیں تیرا دین کیا ہے وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا پھر کہتے ہیں یہ کون صاحب ہیں جو تم میں بھیجے گئے وہ کہتے ہیں ہائے ہائے میں نہیں جانتا ٢٣؎ تب آسمان سے پکارنے والا پکارتا ہے یہ جھوٹا ہے٢٤؎ اس کے لیے آگ کا بستر بچھاؤ اور آگ کی طرف دروازہ کھولو تب اس تک دوزخ کی گرمی اور وہاں کی لو آتی ہے اس پر قبر اتنی تنگ کی جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں اِدھر اُدھر ہوجاتی ہیں٢٥؎ اس کے پاس ایک بدشکل برے لباس والا بدبو دار آدمی آتاہے کہتا ہے اس کی خبرلے جو تجھے غمگیں کرے گی یہی وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ تھا مردہ کہتا ہے کہ تو ہے کون کہ تیرا چہرہ شر(ڈر)لاتا

| | |
|---|---|
| | ہے وہ کہتا ہے میں تیرے برے عمل ہوں تب یہ کہتا ہے الٰہی قیامت نہ قائم کر ۲۶؎ اور ایک روایت میں اس کی مثل ہے اس میں اتنی زیادتی ہے کہ جب مؤمن کی جان نکلتی ہے تو آسمان وزمین کے درمیان کے سارے فرشتے اس پر دعا کرتے ہیں اس کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں ہر درازے والے یہی دعاکرتے ہیں کہ اس کی روح ان کی طرف سے چڑھے۲۷؎ اور کافر کی جان اس کی رگوں کے ساتھ نکالی جاتی ہے اس پر آسمان زمین کے درمیان والے فرشتے اور آسمان کے سارے فرشتے لعنت کرتے ہیں آسمان کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں۲۸؎ ہر دروازے والے یہی دعا کرتے ہیں کہ الٰہی اس کی روح ان کی طرف سے نہ چڑھے۔(احمد) |

۱؎ خاموش بےحس و حرکت،نیچی نگاہیں کئے ہوئے جیسے پرندوں کا شکاری جال لگاکر شکار کے انتظار میں بےحس و حرکت بیٹھتا ہے،صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہمیشہ ایسے ہی بیٹھا کرتے تھے،خصوصًا آپ کے کلام فرمانے کے وقت۔(لمعات)

۲؎ یعنی کسی فکر میں تھے جسکے باعث غیراختیاری جنبش ہورہی تھی جیساکہ سوچتے وقت انسان کیاکرتاہے۔

۳؎ یا تو رحمت کے فرشتوں کا رنگ ہی یہ ہے یا اس مرنے والے کا نور ہدایت ان کے چہروں پر چمکتا ہے،دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔

۴؎ خود ملک الموت بھی اور ان کے ساتھ دوسرے فرشتے بھی،لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں کہ یہ کہنے والے اور فرشتے ہیں۔سبحان اللہ!کیسا نظارہ ہے کہ انسان اس وقت سورۂ یٰسین اور کلمہ شریف پڑھ رہے ہیں اور فرشتوں کی طرف سے یہ آوازیں اُٹھ رہی ہیں گویا میت دولہا ہے جسے انسانوں کی جماعت وداع کررہی ہے اور فرشتوں کی جماعت استقبال۔

۵؎ اہلِ سنت کے نزدیک روح ایک لطیف جسم ہے جو بدن میں ایسے سرایت کئے ہوئے ہے جیسے گلاب کے پھول میں پانی۔صوفیاء کے نزدیک ریاضت،مجاہدہ سے بدن ضعیف ہوتاہے مگر روح قوی جس سے روح بآسانی نکل جاتی ہے جیسے کمزور پنجرے سے قوی جانور،ان دونوں قولوں کا ماخذ یہ حدیث ہے۔خیال رہے کہ سکرات موت روح نکلنے سے پہلے ہوتی ہے،مؤمن کو سکرات تو ہوتی ہے مگر روح کا نکلناآسانی سے ہوتا ہے،نیز روح کا آسانی سے نکلنا جسم کی تڑپ کے خلاف نہیں،جسم روح کا عاشق ہے اس کے نکلنے پر تڑپتا ہے لہذا یہ حدیث بالکل صحیح ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

۶؎ یعنی روح مؤمن کی خوشبو جنت کی ان خوشبوؤں پر غالب آجاتی ہے کیوں نہ ہو کہ یہ خوشبو ایمان کی ہے،عرفان کی ہے،جناب مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کی ہے،کونین کی خوشبو اس کے مقابل نہیں ہوسکتی اسی لیے فرشتے اس خوشبو سے مست ہوکر وہ گفتگو کررہے ہیں جو آگے مذکور ہے،ورنہ وہ حضرات تو ہمیشہ جنت کی خوشبو میں رہتے ہیں۔

۷؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نیک اولاد اللہ کی رحمت ہے،دیکھو اس نیک کی برکت سے اس کے باپ کا نام بھی فرشتے احترام سے لیتے ہیں۔دوسرے یہ کہ اس روح کے ساتھ دوقسم کے فرشتے ہوتے ہیں:ایک ڈیوٹی والے جن کے ذمہ اسے وہاں پہنچاناہے۔دوسرے استقبال اور ہم رکابی کرنے والے فرشتے جو احترام کے لیے اس کے ساتھ بہت دور تک جاتے ہیں۔

۸؎ ساتویں آسمان سے مراد جنت ہے یا سدرہ یا عرشِ الٰہی کیونکہ یہ تینوں وہاں سے قریب ہی ہیں۔علیین ایک دفتر ہے جس میں نیکوں کے نام اور نامۂ اعمال لکھے جاتے ہیں،یعنی اس بندے کی عمر بھر کے اعمال اس رجسٹر میں نقل کردو،اس کا نام بھی اس فہرست میں لکھ دو۔ابن قیم نے کتاب الروح میں لکھاکہ یہ آسمانوں پر جانا،آنا اورساری گفتگو پلک جھپکتے ہوجاتی ہے کیونکہ روح کی رفتار بجلی سے لاکھوں گناہ تیز ہے۔سوتے میں سونے والے کی روح ساتوں آسمان پھاڑکر عرش اعظم کے نیچے سجدہ کرکے جسم میں لوٹ آتی ہے اور اس میں ایک سیکنڈ نہیں لگتا۔(مرقات)اپنے نورنظر اور قوت خیال کی رفتار دیکھ لو۔

۹؎ ظاہر یہ ہے کہ جسم کے سارے اجزاء میں روح داخل ہوتی ہے اور مردہ زندہ ہوتا ہے۔بعض لوگوں نے کہاکہ صرف سینہ تک جاتی ہے مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں لیکن یہ زندگی ہمیں محسوس نہیں ہوتی ہے۔اگر مردہ ہمارے سامنے پڑا رہے تو اس پر یہ ساری واردات گزر جاتی ہے ہمیں خبر نہیں ہوتی۔

۱۰؎ اس کی مکمل شرح "باب عذاب قبر"میں گزر چکی،بعض روایتوں میں مَنۡ نَبِیُّكَ بھی ہے یہاں مَا ھٰذَا الرَّجُلُ آیا مگر کوئی حرج نہیں،کسی سے وہ سوال ہوتا ہے کسی سے یہ۔مَا سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات ہیں یعنی ان صاحب کے صفات بتا۔

۱۱؎ ظاہر یہ ہے کہ پکارنے والا کوئی فرشتہ ہوتا ہے جو رب کا کلام نقل کرتا ہے۔

۱۲؎ یعنی یہ مؤمن کامیابی کے بعد جنت میں نہیں پہنچتا،بلکہ جنت کو دیکھتا ہے،وہاں کی خوشبو میں ٹھنڈی ہوائیں محسوس کرتاہے مگر شہداء کی روحیں جنت میں پہنچ جاتی ہیں،بعد قیامت وہاں جسموں کا داخلہ ہوگا۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ قبر کی فراخی بصارت کی حد تک ہوگی اور وہاں بصارت بقدر بصیرت ہوگی یعنی وہاں بصارتیں مختلف ہوں گی لہذا قبروں کی فراخیاں بھی مختلف ہوں گی۔

۱۳؎ یوم سے مراد وقت ہے یعنی تیری تمام غم و تکلیف کا خاتمہ ہوچکا اب وہ وقت آگیا کہ تجھے ہر طرف سے خوشی ہی خوشی رہے،اسی وقت کا تجھ سے علماء،مشائخ،قرآن کریم اورنبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ کیا تھا جس وعدہ کی بناء پر تو نے ایمان و تقویٰ اختیار کیاتھا۔خیال رہے کہ اس وقت کی کبھی انتہا نہیں ابدالآباد تک رہے گی۔

۱۴؎ یعنی تو کون حبیب ہے کہ غریب کو عجیب بشارت دیتا ہے اور میرا ہاں مونس ہے جہاں دنیا والے مجھے چھوڑ گئے،تیری تو صورت ہی ایسی پیاری ہے جس کو دیکھ کر غم غلط ہوتے ہیں،خوشی نصیب ہوتی ہے۔خیر سے مراد خوشی یا بشارت ہے۔

۱۵؎ عمل دنیا میں ایک حالت و کیفیت ہے مگر برزخ ومحشر میں جسمانی شکل میں نمودار ہوں گے۔اب بھی خواب میں اعمال جسمانی شکل میں نظر آتے ہیں۔یوسف علیہ السلام نے خشک بالیوں،دبلی گایوں کی تعبیر قحط سالی سے دی،تر بالیوں کی تعبیر فراخ سالی سے،اسی طرح خواب میں علم وعمل سفید وجاری پانی کی شکل میں دیکھے جاتے ہیں۔

۱۶؎ مَالِیْ میں تین احتمال ہیں:ایک یہ کہ اس سے مراد ہو میرا والی۔دوسرے یہ کہ اس سے مراد ہو میرا انجام مال نتیجہ کو کہتے ہیں۔تیسرے یہ کہ ما مو صولہ ہو اور لِیْ صلہ،یعنی وہ ثواب جو میرے لیے۔اھل سے مراد جنتی بیبیاں ہیں یعنی قیامت جلد قائم کرتا کہ اپنے ثواب اور جنت کے گھر بار میں واپس جاؤں،چونکہ انسان جنت ہی سے آیا ہے اس لیے وہاں جانے کو لوٹنا فرمایا گیا،اس لوٹنے سے بعض لوگ سمجھے کہ دنیا میں اعمال کے لیے آنا مراد ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ قیامت قائم ہونے پر نہ عمل کا وقت ہوگا نہ ان گھروں میں آنا۔

۱۷؎ ظاہر یہ ہے کہ ان فرشتوں کے اپنے چہرے کالے نہیں ہوتے،بلکہ یہ کافر کے کفر اور بدعملی کا رنگ ہے جو ان کے چہروں میں نظر آتا ہے جیسے کالے آدمی کی سیاہی آئینہ میں۔اور ہوسکتا ہے کہ ان کا اپنا رنگ ہو کیونکہ وہ غضب الٰہی کے مظہر ہیں مگر یہ سیاہی ان فرشتوں کی نورانیت کے خلاف نہیں،دیکھو آنکھوں کی پتلی کالی ہے مگر نور ہے۔ٹاٹ سے دوزخ کا سخت اور کھرکھرا لباس مراد ہے جیسا پہلے کہا جاچکا۔

۱۸؎ ظاہر یہ ہے کہ فعل سے مراد روح ہے،روح اگرچہ نورانی ہے مگر بدعقیدگیوں اور بدعملیوں کی وجہ سے اسے خبیث کہا گیا جیسے پانی کی طبیعت ٹھنڈی ہے مگر آگ پر رکھے جانے سے آگ کا سا کام کرتا ہے۔روح اگرچہ سارے جسم میں پھیلی ہوتی ہے مگر اس فرمان کو سن کر اعضاء کی طرف سمٹتی ہے جسے چھپتے پھرنے سے تعبیر فرمایا گیا،اس تشبیہ میں بتایا گیا کہ کافر کی جان بڑی مصیبت سے نکلتی ہے اگرچہ وہ ہاٹ فیل ہی سے مرے حتی کہ اس کے ساتھ رگیں تک کھینچتی آتی ہیں جیسے گرم سیخ کے ساتھ بھیگی اون لپٹ جاتی ہے۔

۱۹؎ اگرچہ فرشتے جانتے ہیں کہ اس کے لیے آسمان نہ کھلے گا،لیکن اسے رسوا کرنے سارے فرشتوں میں اس کا حال بد دکھانے اور خود اس پر اس کی مردودیت ظاہر کرنے اور آسمان سے زمین پر پٹخنے کے لیے لے جاتے ہیں۔

۲۰؎ اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ آسمان اور زمین کے درمیان بے شمار فرشتے ہیں جن کی مختلف جماعتیں ہیں اور مختلف کام،جن پر یہ روح گزرتی ہے اور علامتیں سنتی ہیں یا تو لے جانے والے فرشتے انہیں نام بتاتے ہیں یا وہ خود ہی سوال کرکے خود ہی جواب دیتے ہیں کیونکہ وہ ہر ایک کے ناموں اور کاموں سے خبردار ہیں۔

۲۱؎ اس تعلیق سے معلوم ہورہا ہے کہ کفار کا جنت میں جانا ناممکن بالذات ہے کیونکہ اگر اونٹ بڑا ہے اور سوئی کا ناکہ چھوٹا تو اونٹ کا ناکے میں سمانا بالذات محال ہے کہ یہ اجتماع ضدین کی فرد ہے۔بعض لوگوں نے یہ نکتہ سمجھا نہیں تو کہہ دیا کہ رب اونٹ کو چھوٹا کردینے یا ناکہ کو بڑا کردینے پر قادر ہے،لہذا کفار کا جنت میں جانا ناممکن ہے۔خیال رہے کہ فاسق مؤمنوں کے لیے جو وعیدیں آئی ہیں ان سب کے خلاف ہوسکتا ہے مگر کفار کی اس وعید

کے خلاف کبھی نہیں ہوسکتا کیونکہ رب نے ان ساری وعیدوں کو اپنے ارادے پر موقوف رکھا ہے،کہ فرمایا:"اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ"۔لہذا یہ حدیث مسئلہ خلف وعید کے خلاف نہیں۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب"تفسیر نعیمی"میں جلد اول دیکھو۔

۲۲؎ سجّین وہ دفتر ہے جس میں کفار کے نام درج ہیں اور ان کے مرنے کے بعد عمر بھر کے نامۂ اعمال بھی اس میں درج کردیئے جاتے ہیں،یہ ساتویں زمین کے نیچے ہے جیسے علیین ساتویں آسمان سے اوپر۔یہ سجن سے مشتق ہے،بمعنی قید خانہ کیونکہ اس میں قیدیوں کے نام و کام درج ہوتے ہیں،اس آیت میں کفار کی زندگی کے حالات مذکور ہیں مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ان کے بعد موت کے اس حال پر بھی منطبق فرمایا یعنی کفار اوپر سے گرے اور شیاطین نے انکی تکا بوٹی کرلی۔

۲۳؎ اس کی شرح باب عذاب قبر میں گزر گئی وہاں عرض کیا گیا تھا کہ کافر مرکر اپنا دین بھی بھول جاتاہے وہ یہ نہیں کہتا کہ میں عیسائی یا یہودی یا کافر تھا،نیز ابوجہل وغیرہ نے عمربھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا مگر مرتے ہی نہ پہچان سکے،لیکن قیامت تک کے مسلمان جنہوں نے کبھی حضور علیہ السلام کی زیارت نہ کی وہ فورًا پہچان لیں گے کیونکہ وہاں کی پہچان تعلق ایمان سے ہے نہ کہ جسمانی سے۔

۲۴؎ اس جواب میں جھوٹا ہے کہ میں نہیں جانتا تھا یہ دنیا میں رب کو جانتا تھا،نبی کو پہچانتا تھا تب ہی تو رب کا شریک ٹھہراتا تھا اور نبی کا انکار کرتا تھا یا یہ مطلب ہے کہ وہ کہتاہے میں یہ باتیں جاننے کے قابل نہ تھا جھوٹا ہے یہ عاقل بالغ تھا۔

۲۵؎ یہ تنگیٔ قبر جو خدا کا عذاب ہے صرف کافر کے لیے ہے،بعض گنہگار مسلمانوں بلکہ نیک کاروں کو بھی تنگیٔ قبر ہوتی ہے مگر وہ خدا کی رحمت ہے جیسے ماں پیار سے بچے کو گود میں دباتی ہے جس سے بچہ گھبراتاہے۔یہ پوری بحث عذاب قبر میں گزر چکی۔

۲۶؎ تاکہ میری رسوائی نہ ہو اور مجھے جہنم میں نہ جانا پڑے جس کا عذاب یہاں سے سخت ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ وہ کافر قیامت اور وہاں کے حالات کو جانتاہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کو نبوت کی خبر ہی نہ پہنچی ان کے لیے حساب قبر نہیں۔

۲۷؎ اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن کے مرنے اور اس کے اچھے خاتمہ کو سارے فرشتے دیکھتے اور جانتے ہیں خواہ آسمانی فرشتے ہوں یا درمیانی،لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو سارے مخلوق میں بڑے عالم ہیں بھی،ہر شخص کی موت اور اس کے خاتمہ سے خبردار ہیں اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں مؤمنوں کے ایمان بلکہ ان کے مراتب ایمان کی بھی گواہی دیں گے اور مؤمنوں کی شفاعت کریں گے،اگر آپ کو لوگوں کے ایمان و کفر کی ہی خبر نہ ہو تو یہ کام کیسے کرسکتے ہیں۔خیال رہے کہ ہر روح کے لیے آسمان سے جانے کا دروازہ مقرر ہے جس کی فرشتوں کو بھی خبر ہے،غازیوں کے لیے اور دروازہ ہے،حاجیوں کے لیے اور،نمازیوں کے لیے اور،صحابیوں کے لیے اور مگر پھر بھی

ہر دروازہ کے فرشتوں کا یہ دعاکرنا اظہار اشتیاق کے لیے ہے نہ کہ بے خبری کی وجہ سے،نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن ابی کو اس کے مرے بعد اپنی قمیص پہنائی،نماز جنازہ پڑھائی اگرچہ جانتے تھے کہ یہ جہنمی ہے۔
۲۸؎ یعنی کھلوانے پر کھولے نہیں جاتے جیساکہ اوپر گزر چکا،ورنہ آسمان کے دروازے ہر وقت بندہی رہتے ہیں ضرورۃً کھلتے ہیں۔خیال رہے کہ آسمان میں بے شمار دروازے ہیں:بعض سے رزق اترتے ہیں،بعض سے عذاب،بعض سے فرشتے،بعض سے مرنے والوں کی روحیں اندر جاتی ہیں،ایک دروازہ وہ بھی ہے جو خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج میں جانے کے لیے تھاوہ پہلے نہ کسی کے لیے کھلا تھا،نہ پھر بعد میں کسی کے لئے کھلے،اسی لیے حدیث معراج میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جبریل امین گئے دروازہ کھلوایا تو دربان نے پوچھا کہ تم کون ہو تمہارے ساتھ کون ہے اگر یہ بھی کوئی عام دروازہ ہوتا تو اس سوال کے کیا معنی تھے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن کعب سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں کہ جب حضرت کعب کو موت آئی تو ان کے پاس ام بشر بنت ابن معرور آئیں ۲؎ بولیں اے ابوعبدالرحمان اگر تم فلاں سے ملو تو انہیں میرا سلام پہنچانا ۳؎ وہ بولے ام بشر اللہ تمہیں بخشے ہم تو ان چیزوں سے زیادہ مشغول ہوں گے وہ بولی اے ابو عبدالرحمان کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے نہیں سناکہ مسلمانوں کی روحیں سبز پرندوں میں جنت کے درخت سے لٹکائی جاتی ہیں فرمایا ہاں بولیں یہ وہی ہے ۴؎ (ابن ماجہ،بیہقی،کتاب البعث والنشور) | |

۱؎ عبدالرحمان انصاری ہیں،تابعی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں پیدا ہوئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کرسکے،آپ کے والد کعب ابن مالک انصاری بدری وہی مشہور صحابی ہیں جن کی توبہ کاواقعہ سورۂ توبہ میں مذکور ہے۔
۲؎ ام بشر کی صحابیت میں اختلاف ہے،البتہ ان کے والد براء ابن معرور مشہور صحابی ہیں جنہوں نے عقبہ ثانیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔
۳؎ حق یہ ہے کہ فلاں سے مراد ان کے بیٹے بشر ہیں جو ان کی زندگی میں فوت ہوگئے تھے جس کا انہیں بہت صدمہ ہوا تھا،مدینہ منورہ میں جو بھی فوت ہوتا اس کی معرفت اپنے بیٹے کو سلام کہلا کر بھیجتی تھیں،اس سلسلہ میں آپ کے پاس بھی آئیں۔اگر "ملو"کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہاری روح اسی جماعت میں سے ہوجس سے بشر ہے تو تم ضرور ان کے پاس جاؤ گے اور ان کے ساتھ رہو گے۔
۴؎ یعنی بعدموت اپنی حالت میں گرفتار ہونا اورکسی کوکسی کی خبر نہ ہونا کفار کے لیے ہے،تمہاری موت تو مشغولیتیں ختم ہونے اور اطمینان شروع ہونے کا وقت ہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کی روحیں جنت میں پہنچ

جاتی ہیں اسی لیے اس طقبہ کا نام جنت الماوی ہے یعنی روحوں کی پناہ لینے کی جگہ،ان کاماخذ یہ حدیث ہے،ان کے نزدیک شہداء کے لیے جنت کا خاص طبقہ ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ روح کے لیے فنا نہیں جنتیں اور وہاں کی نعمتیں پیدا ہوچکی ہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے انہی سے وہ اپنے والد سے راوی وہ بیان کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن کی روح پرندہ ہے جو جنت کے درخت میں لٹکایاجاتاہے حتی کہ اللہ جس دن اسے اٹھائے گا اس کے جسم میں لوٹائے گا ا(مالک،نسائی،بیہقی فی کتاب البعث و النشور) | |

ا یعنی بعد موت مؤمن کی روح پرندے کی شکل میں جنت کے درختوں میں رہتی ہے اوروہاں کے پھل کھاتی ہے۔فرق یہ ہے کہ روحیں ہر وقت کھاتی ہیں اور ان کی روحیں صبح و شام۔ظاہر یہ ہے کہ اس سے عام مؤمن مراد ہیں،روح کہیں بھی رہے مگر اس کا جسم سے تعلق رہتاہے۔مرقاۃ نے اس جگہ فرمایا کہ مرنے کے بعد مؤمن کا جسم بھی روح کی طرح لطیف ہوجاتا ہے۔چنانچہ مؤمن بعدوفات جہاں چاہے عالَم کی سیر کرتا ہے،دیکھو معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم روح کی طرح نور ہوچکا تھا اور اولیاءاللہ کے لیے تمام زمین سمیٹ دی گئی ہے،وہ بیک وقت مختلف جگہ میں موجود ہوسکتے ہیں،ان کی یہ کرامت تو دنیا کی اس زندگی میں دیکھی گئی ہے،پھر عالم ارواح کا کیا پوچھنا۔بعض شارحین نے اس حدیث کا اس لیے انکارکیا کہ یہ عقل سے وراء ہے،اگر انسانی روح پرندوں میں پہنچ جائے تو آریوں کا آواگون ثابت ہوگا مگر یہ ان کی جہالت ہے وہ روح خود اس شکل میں ہوجاتی ہے آواگون سے اسے کیا تعلق،اس میں تو روح انسانی کتے یا گدھے کی روح بن جاتی ہے۔مؤمن کی روح کا پرندہ بن جانا ایسا ہی ہے جیسے فرشتوں کا شکل انسانی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت محمد ابن منکدر سے فرماتے ہیں کہ میں حضرت جابر ابن عبداللہ کے پاس گیا جب کہ وہ وفات پارہے تھے میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام کہنا ا(ابن ماجہ) | |

ا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری قبر میں تشریف لائیں گے،تم سے ان کے بارے میں سوال ہوگا اسی موقعہ پر میرا سلام بھی عرض کردینا۔اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن حساب و کتاب کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض و معروض بھی کر لیتا ہے،عشاق تو اٹھ کر فدا ہوجاتے ہیں۔یہ مطلب بھی ہوسکتاہے کہ تم برزخ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہو گے مجھے بھی وہاں یادکرلینا۔شعر

ہمیں بھی یاد رکھنا ساکنان کوچہ جاناں　　　سلام شوق پہنچے بیکساں دشت غربت کا

## باب غسل المیت وتکفینہ

## میت کے غسل اورکفن کا باب ۱؎

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱؎ تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ مؤمن میت کا غسل فرض کفایہ ہے۔حق یہ ہے کہ یہ غسل نجاست نہیں بلکہ غسل جنابت کی طرح حدث سے غسل ہے یعنی مؤمن کی نیند وضو توڑتی ہے اور اس کی موت غسل کیونکہ حضرت ابوہریرہ کی ایک روایت یوں ہے کہ مؤمن کی زندگی اور موت میں نجس نہیں ہوتا۔(اشعہ)ہاں کافر اور جانور کی موت اسے نجس کردیتی ہے مگر شہید کی موت اس میں حدث بھی پیدا نہیں کرتی،نبی کی نیند وضو نہیں توڑتی اورشہید کی موت غسل نہیں توڑتی۔کفن تین قسم کے ہیں:کفن سنت مرد کے لیے تین کپڑے،عورت کے لیے پانچ۔کفن کفایت مرد کے لیے دو کپڑے،عورت کے تین۔کفن ضرورت مَرد عورت دونوں کے لیے ایک ایک کپڑا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ام عطیہ سے ۱؎ فرماتی ہیں ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب کہ ہم آپ کی صاحبزادی کو غسل دے رہے تھے ۲؎ تو فرمایا کہ انہیں تین بار یا پانچ بار اور اگر مناسب سمجھو تو اس سے زیادہ بار پانی اور بیری سے غسل دو ۳؎ آخر میں کافور(یا فرمایا کچھ کافور)ڈال دو ۴؎ جب فارغ ہوجاؤ تو مجھے اطلاع دو جب ہم فارغ ہوگئیں تو ہم نے آپ کو اطلاع دی آپ نے ہماری طرف اپنا تہبند شریف پھینکا اور فرمایا کہ اسے ان کے کفن کے نیچے رکھ دو ۵؎ اور ایک روایت میں ہے کہ انہیں طاق تین یا پانچ یا سات بار غسل دو اور داہنی طرف اور اعضائے وضو سے ابتداء کرو ۶؎ فرماتی ہیں کہ ہم نے ان کے بالوں کے تین حصے کئے جنہیں ان کے پیچھے ڈالا ۷؎ (مسلم،بخاری) |

۱؎ آپ کانام نسیبہ بنت کعب ہے،انصاریہ ہیں،اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوؤں میں شریک رہیں،زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھی۔

۲؎ یہ صاحبزادی حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زوجہ ابوالعاص ابن ربیع ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد میں بڑی تھیں، ۸ھ میں وفات پائی، بعض نے فرمایا کہ امّ کلثوم زوجہ حضرت عثمان تھیں جن کی وفات ۹ھ میں ہوئی مگر قول اول قوی ہے۔

۳؎ اس طرح کہ بیری کے پتے پانی میں جوش دے لو کیونکہ بیری سے میل خوب کٹتا ہے، جوئیں وغیرہ صاف ہوتی ہیں اور اس سے میت کا بدن جلد بگڑتا نہیں۔ تین بار غسل دینا سنت ہے، سات بار تک جائز اور بلاوجہ اس سے زیادہ مکروہ۔ بیری کا استعمال پہلی بار میں سنت ہے، باقی میں جائز۔ خیال رہے کہ غسل میت میں کلی اور ناک میں پانی نہیں۔

۴؎ یعنی آخری بار جو پانی ان پر بہاؤ اس میں کچھ کافور ملا ہو کیونکہ یہ بہترین خوشبو ہے، اس سے کیڑے مکوڑے جسم کے قریب نہیں آتے۔ جمہور علماء یہی فرماتے ہیں کہ کافور آخری پانی میں ملایا جائے، بعض نے فرمایا کہ اسے خوشبوؤں میں شامل کیا جائے۔ بہتر یہ ہے کہ دونوں جگہ استعمال کیا جائے۔

۵؎ شعار وہ کپڑا کہلاتا ہے جو جسم سے ملا رہے، **شعر** یعنی بالوں سے ملا ہوا، **دثار** اوپر والے کپڑے کو یعنی میرا تہبند شریف ان کے جسم سے ملا ہوا رکھو اور کفن اوپر۔ یہ تہبند کفن میں شمار نہ تھا بلکہ برکت اور قبر کی مشکلات حل کرنے کے لیے رکھا گیا۔ اس سے تین مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ بزرگوں کے بال، ناخن، ان کے استعمال کے کپڑے تبرک ہیں جن سے دنیا، قبر و آخرت کی مشکلات حل ہوتی ہیں، قرآن شریف میں ہے کہ یوسف علیہ السلام کی قمیض کی برکت سے یعقوب علیہ السلام کی نابینا آنکھیں روشن ہوگئیں۔ احادیث میں ثابت ہے کہ حضرت امیر معاویہ، عمرو ابن عاص و دیگر صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن، بال و تہبند شریف اپنے ساتھ قبر میں لے جانے کے لیے محفوظ رکھے۔ دوسرے یہ کہ بزرگوں کے تبرکات اور قرآنی آیت یا دعا کسی کپڑے یا کاغذ پر لکھ کر میت کے ساتھ قبر میں دفن کرنا جائز بلکہ سنت ہے۔ تیسرے یہ کہ ان چیزوں کے متعلق یہ خیال نہ کیا جائے کہ جب میت پھولے پھٹے گی تو ان کی بے حرمتی ہوگی، دیکھو سورۂ فاتحہ لکھ کر دھوکر بیمار کو پلاتے ہیں، یونہی آبِ زمزم برکت کے لیے پیتے ہیں حالانکہ پانی پیٹ میں پہنچ کر کیا بنتا ہے سب کو معلوم ہے۔ کفنی الفی لکھنے اور تبرکات کفن میں رکھنے کی پوری بحث ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ اول میں دیکھو۔

۶؎ یعنی پہلے میت کو وضو کراؤ پھر اس طرح غسل دو کہ اولًا داہنا حصہ دھوؤ پھر بایاں، یہاں مرقاۃ نے فرمایا کہ اگر غسال انگلی پر کپڑا لپیٹ کر تر کرکے اس کے دانتوں اور نتھنوں پر پھیر دے تو مستحب ہے۔

۷؎ حضرت ام عطیہ کا یہ عمل اپنی رائے سے ہوگا کہ عموماً عورتیں بالوں کے تین حصے کرکے چوٹی بُنتی ہیں جس سے وہ سارے بال پیٹھ کے پیچھے رہتے ہیں۔ سنت یہ ہے کہ میت عورت کے بال کے دو حصے کیے جائیں ایک حصہ داہنی طرف سے دوسرا بائیں سے سینہ پر ڈال دیا جائے، سارے بالوں کا پیچھے رہنا مسنون نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین سوتی یمنی سحولی سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا جن میں قمیص اور عمامہ نہ تھے ۱؎ (مسلم، بخاری) |

۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سوتی یعنی سفید کپڑے کا کفن دیا گیا یہی سنت ہے،اونی یا ریشمیں کفن سنت کے خلاف ہے بلکہ مرد کے لیے ریشمیں کفن حرام ہے۔یہاں قمیص سے سلی ہوئی قمیص مراد ہے جو زندگی میں پہنی جاتی ہے کفن کی قمیص مراد نہیں کہ وہ تو سنت ہے۔اس سے معلوم ہوتاہے کہ غسل کے وقت قمیص اتارلی گئی تھی،لہذا یہ حدیث حضرت جابر ابن سمرہ کی اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا: قمیص،ازار اورلفافہ کہ وہاں کفن کی قمیص مراد ہے۔عمامہ کے متعلق بعض علماء نے اس کے معنی کیے ہیں کہ ان تین میں عمامہ نہ تھا بلکہ عمامہ ان کے علاوہ تھا،اس بناء پر مشائخ،علماء،صوفیاء کے کفن میں عمامہ دینا مستحب ہے۔واللہ اعلم!

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفن دے تو اچھا دے ۱؎ (مسلم) | |

۱؎ یہاں اچھے سے مراد بہت بھاری اور بیش قیمت کفن نہیں بلکہ جیسے کپڑے مرنے والا جمعہ کو پہنتا تھا ایسے کپڑے میں کفن دیا جائے نہ عید والوں میں نہ شادی والوں میں یعنی درمیانہ،لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ کفن میں غلو نہ کرو۔بعض روایات میں ہے کہ مُردوں کو اچھا کفن دو کیونکہ وہ آپس میں ملتے ہیں تو اچھے کفن سے خوش ہوتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا جسے بحالت احرام اس کی اونٹنی نے کچل دیا وہ فوت ہوگیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے پانی اور بیری سے غسل دو اور اس کے دوکپڑوں ہی میں کفن دو اور نہ اسے خوشبو لگاؤ نہ سر ڈھکو کہ قیامت کے دن تلبیہ کہتا اٹھے گا ۱؎ (مسلم،بخاری)اورہم خباب کی حدیث کہ مصعب ابن عمیر قتل کیے گئے ان شاءاللہ تعالٰی "باب جامع المناقب" میں ذکر کریں گے ۲؎ | |

۱؎ احناف کے ہاں یہ حدیث اس میت کی خصوصیات میں سے ہے۔ہرمحرم کا جو اپنے احرام میں فوت ہوجائے یہ حکم نہیں اسے دیگر مُردوں کی طرح ہی کفن دے کر دفن کیا جائے گا اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہی کا ذکر فرمایا یہ نہ فرمایا کہ ہرمحرم کے ساتھ تم یہی کیاکرناکیونکہ کفن دفن کے احکام کی احادیث عام ہیں ان میں محرم اور غیرمحرم کا فرق نہیں۔

۲؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی لیکن ہم نے اسے اس باب کے مناسب نہ سمجھا،لہذا بجائے یہاں کے وہاں لائیں گے۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید کپڑے پہنو کیونکہ یہ تمہارے تمام کپڑوں سے بہتر ہیں اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو۱؎ اور بہتر سرمہ اثمد ہے کہ وہ بال اگاتا ہے نگاہ تیز کرتا ہے۲؎(ابوداؤد،ترمذی)ابن ماجہ نے موتاکم تک روایت کی۔ | |

۱؎ یہ حکم استحبابی ہے کہ زندوں اور مُردوں کے لیے سفید کپڑا مستحب ہے ورنہ عورت میت کے لیے ریشمی،سوتی،سرخ،پیلا ہر طرح کا کفن جائز ہے اگرچہ بہتر سفید اور سوتی ہے۔

۲؎ یہاں سرمہ سے زندوں کا سرمہ مراد ہے کیونکہ مردے کو سرمہ لگانا سنت نہیں،اثمد سرمہ سے مراد سادہ اصفہانی سرمہ ہے یعنی پتھر والا۔حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ شب کو سوتے وقت ہر آنکھ میں تین تین سلائی لگاتے تھے،اس سے پلک کے بال بڑھتے ہیں اور آنکھوں میں روشنی ہوتی ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہت بڑھیا کفن نہ دو کیونکہ یہ بہت جلد گل جائے گا۱؎(ابوداؤد) | |

۱؎ یعنی نہایت قیمتی اور بھاری کفن نہ دو کہ یہ اسراف بھی ہے اور بیکار بھی اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ میت کو درمیانی کفن دیا جائے اس لباس میں جس میں وہ اپنے دوستوں سے ملنے جاتا تھا،ہاں اچھادیاجائے جیساکہ ابھی حدیث میں گزر گیا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ آپ کو جب موت آئی تو آپ نے نئے کپڑے منگائے انہیں پہنا پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میت انہیں کپڑوں میں اٹھے گی جن میں مرے گی ۱؎(ابوداؤد) | |

۱؎ آپ نے اس حدیث کو ظاہری معنی پر محمول کیا جیسے کہ حضرت عدی ابن حاتم نے"اَلْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ"میں سوتی دھاگہ سمجھا تھا حالانکہ وہاں صبح کے نورانی ڈورے مراد ہیں،ایسے ہی اس حدیث میں کپڑوں سے مراد حال اور اعمال ہیں یعنی ایمان و کفر،تقویٰ اور فسق،جس حال میں مرے گا اسی میں قیامت کے دن اٹھے گا،ورنہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ سب مردے اپنی قبروں سے ننگے و بے ختنہ اٹھیں گے،رب فرماتا

ہے:"كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ"۔بعض علماء نے اس کی توجیہ یوں کی کہ میت قبروں سے کپڑوں میں اٹھے گی محشر میں ننگی پہنچے گی لیکن یہ معنی بہت ہی بعید ہیں۔(لمعات)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا بہترین کفن یمنی جوڑاہے ۱؎اور بہترین قربانی سینگ والا دنبہ ہے۔(ابوداؤد) |

۱؎حلہ یمنی چادر اور تہبند کو کہتے ہیں دو کپڑوں پرہی بولاجاتا ہے،چونکہ دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حلہ یمنی اور قمیص میں کفن دیا گیا اس لیے مرد کے لیے تین کپڑے مسنون ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفن میں یمنی جوڑا بہتر ہے۔ہمارے دادا پیر حضرت شاہ علی حسین صاحب کچھوچھوی رحمۃاللہ علیہ عرف اشرفی میاں نے اپنی موت و کفن کے لیے یمنی حلہ،طائف شریف کا شہد،آبِ زمزم اور خاک شفا محفوظ رکھی تھی اور فرمایا تھا کہ نزع کے وقت یہ شہد،پانی اور خاک شفا ملاکر میرے منہ میں ٹپکایا جائے اور اس حلہ یمنی میں مجھے کفن دیاجائے،یہ اسی حدیث پر عمل تھا۔الحمدللہ!کہ فقیر اس وقت حاضر تھا بلکہ حضرت کو غسل میں نے دیا۔

| | |
|---|---|
| | اور ترمذی اور ابن ماجہ نے ابو امامہ سے روایت کی۔ |

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کے متعلق حکم دیا کہ ان سے لوہا و پوستینیں اتار لی جائیں اور اپنے خونوں اور کپڑوں میں دفن کردیئے جائیں ۱؎(ابوداؤد،ابن ماجہ) |

۱؎شہید کا یہی حکم ہے کہ اس سے ہتھیار،خود،زرہ،پوستین وغیرہ اتارلی جاتی ہیں اور اسے یونہی پہنے ہوئے کپڑوں میں بغیرغسل مع خاک و خون دفن کیا جاتا ہے،ہاں کفن کی کمی پوری کردی جاتی ہے،مثلًا شہید اگرصرف کرتاپائجامہ پہنے ہوئے ہے تو اسے چادر اور دی جائے گی۔شہید کوغسل نہ دینے کی بہت سی احادیث ہیں جو بخاری اور دیگر صحاح وغیرہ کتب میں حضرت جابر وغیرہ سے منقول ہیں۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت سعد ابن ابراہیم سے وہ اپنے والد سے راوی کہ عبدالرحمان بن عوف کے پاس کھانا لایا گیا ۱؎وہ تھے روزے دار تو فرمایا کہ مصعب ابن عمیر جو مجھ |

| | |
|---|---|
| | سے بہتر تھے جب شہید ہوئے تو ایسی چادر میں کفن دیئے گئے کہ اگر انکا سر ڈھکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور اگر پاؤ ں ڈھکے جاتے تو سر کھل جاتا مجھے خیال ہے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت حمزہ جو مجھ سے بہتر تھے۲؎ وہ بھی شہید ہوئے پھر ہم پر دنیا اتنی پھیلائی گئی جو پھیلائی گئی یا فرمایا ہمیں دنیا اتنی ملی جو ملی ہمیں خطرہ ہے کہ ہماری نیکیوں کا ثواب جلد دے دیا گیا ہو۳؎ پھر رونے لگے حتی کہ کھانا چھوڑ دیا۴؎(بخار ی) |

۱؎ افطار کے لیے۔غالبًا روزہ نفلی تھا،کھانا بہترین اور پر تکلف تھاجیساکہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے کہ آپ بہترین کھانا دیکھ کر حضرت مصعب و حمزہ کی موت کی بے کسی یاد کرکے رونے لگے۔

۲؎ آپ کا یہ فرمان عجزو انکساری کے لیے ہے ورنہ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اورحضرت مصعب و حمزہ ان میں سے نہیں۔تمام کا اس پر اتفاق ہے کہ عشرہ مبشرہ دیگر صحابہ سے افضل ہیں۔(لمعات)

۳؎ یہ خوف صحابہ کی حد ہے کیونکہ ان بزرگوں کا سارا مال حلال و طیب تھا جو غنیمتوں اور تجارتوں سے حاصل ہوا،پھر ان مالوں سے ان بزرگوں نے بڑی دینی خدمات کیں اس کے باوجود اتنا خوف خدا ہے۔خیال رہے کہ حضرت مصعب ابن عمیر اسلام سے پہلے بڑے مالدا رتھے،بہت خوش پوش اور خوش غذا تھے،اسلام و ہجرت کے بعد یہ حال ہوا کہ سخت گرمیوں میں چمڑے کا لباس پہنتے تھے،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار ان کو دیکھ کر رو پڑے کہ پہلے کیا حال تھا اور اب کیا حال ہے۔

۴؎ حالانکہ دن بھر کے روزے دار تھے،آپ کی نظر اس آیت کریمہ پر پہنچی"مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡعَاجِلَةَ عَجَّلۡنَا لَهٗ فِيۡهَا مَا نَشَآءُ"۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ ابن ابی کے پاس اس کے غار میں رکھ دیئے جانے کے بعد پہنچے آپ نے حکم دیا وہ نکالا گیا اس کو اپنے گھٹنوں پر رکھا اس میں اپنا لعاب شریف ڈالا اسے اپنی قمیص پہنچائی ۱؎ راوی فرماتے ہیں کہ عبداللہ نے حضرت عباس کو قمیص پہنائی تھی۲؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ معلوم ہوا کہ میت کو برکت کے لیے بزرگوں کو لعاب ڈالنا،اسے بزرگوں کا کپڑا دینا سنت ہے اگرچہ کافر و منافق اس سے فائدہ نہ حاصل کرسکیں،مگر بادل تو ہر اچھی بری،پاک و گندی زمین پر برستا ہے آگے زمین کی تقدیر کہ

بارش سے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے،لہذا اس حدیث سے نہ تو یہ ثابت ہوتاہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ ابن ابی کے نفاق سے بے خبر تھے اور نہ یہ کہ آپ کو خبر نہ تھی کہ کافر کو یہ تبرکات مفید نہیں۔صحیح روایات میں ہے کہ عبداللہ ابن ابی منافق کا بیٹا عبیداللہ سچا مؤمن صحابی تھا،اس کی دلجوئی کے لیے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس رحم خسروانہ کو دیکھ کر بہت سے منافق مخلص مؤمن بن گئے۔دیکھو ہماری کتاب "جاءالحق"۔

۲؎اس جگہ مرقاۃ نے دو واقعہ بیان کیے:ایک یہ کہ حضرت عباس جب بدر میں قید ہوکر آئے تو ننگے تھے،عبداللہ ابن ابی منافق نے اپنی قمیص آپ کو پہنادی کیونکہ وہ آپ کے ٹھیک تھی کہ وہ بھی لمبا تھا اور آپ بھی دراز قامت،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ چاہا کہ اس منافق کا احسان میرے چچا پر رہ جائے اس لیے اسے مرنے کے بعد اپنی قمیص دے دی۔دوسرے یہ کہ جب یہ منافق بیمار ہوا تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبداللہ کو محبت یہودہ جاہ نے ہلاک کردیا،وہ بولاکہ یارسول اللہ میں نے آپ کو طعنے دینے کے لیے نہیں بلایا ہے بلکہ دعا کے لیے بلایا ہے اور آپ سے عرض کیا کہ آپ میری نماز جنازہ پڑھائیں اور مجھے اپنی قمیص برکت کے لیے عطا کریں،اس کی موت کے بعد اس کے بیٹے عبیداللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی موت کی خبر دی تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل میں چچا کا بدلہ بھی تھا اور اس کے صحابی بیٹے کی دلداری بھی اور تبلیغ بھی۔چنانچہ اس واقعہ کو دیکھ کر ابن ابی کی قوم کے ایک ہزار آدمی مسلمان ہوئے۔(مرقات)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردے کو قبر میں رکھنے کے بعد بھی ضرورتًا نکالا جاسکتا ہے۔خیال رہے کہ اس واقعہ کے بعد یہ آیت کریمہ نازل ہوئی"وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ"۔تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کی نماز جنازہ اور دعا سب چھوڑدی۔

## باب المشی بالجنازة و الصلوة علیها

## جنازے کے ساتھ چلنے اور اس پر نماز پڑھنے کا باب ۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱جنازے کے ساتھ سواری پر جانا بھی جائز ہے اور پیدل بھی،سوار جنازے سے پیچھے ہی رہے،پیدل آگے پیچھے ہر طرف چل سکتا ہے مگر پیدل جانا اور پیچھے رہنا بہتر ہے۔ضرورت کے وقت میت کو سواری پر لے جانا بھی جائز ہے جب کہ قبرستان بہت دور ہو جیسے کراچی یا بمبئی،ورنہ سنت یہ ہے کہ چار آدمی اپنے کندھوں پر اٹھاکر اس طرح لے جائیں کہ میت کا سر آگے ہو،پاؤں پیچھے۔نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔اس نماز کی تین شرطیں ہیں:میت کا مسلمان ہونا،پاک ہونا،نمازی کے آگے رکھا ہواہونا،لہذا غسل سے پہلے یا غائب جنازہ پر یاسواری پر رکھے ہوئے یا نمازی کے پیچھے رکھے پر نماز جنازہ جائز نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنازے کو تیز لے جاؤ ۱اگر وہ نیک ہے تو بھلائی ہے جس کی طرف تم اسے لے جارہے ہو اور اگر اس کے سوا کچھ اور ہے تو وہ ایک بری چیز ہے جسے تم اپنی گردنوں سے اتاررہے ہو ۲(مسلم،بخاری) |

۱یعنی میت کو قبرستان تیز رفتار سے پہنچاؤ۔تیزی سے مراد عام رفتار سے زیادہ اور دوڑنے سے کم ہے،ہاں اگرمیت کے پھول یا پھٹ جانے کا اندیشہ ہو تو دوڑتے ہوئے لے جائیں۔

۲یعنی ہر نیک اور بدمیت کو تیز ہی لے جاناچاہیے،نیک کو اس لیے کہ اس کااگلا گھر اس کے لیے خیرہے وہاں جلدی پہنچاؤ،بد کو اس لیے کہ وہ رحمت سے دور ہے تم سے بھی جلدی دور ہوجائے۔اس سے معلوم ہوا کہ برے آدمی کی صحبت مرے بعد بھی اچھی نہیں چہ جائے کہ اس کی زندگی میں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ**"۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب جنازہ رکھاجاتاہے پھر اسے لوگ اپنی گردنوں پر اٹھاتے ہیں تو اگر وہ نیک ہوتا |

| | |
|---|---|
| | ہے تو کہتاہے مجھے لے چلو ۱؎ اور اگر بد ہوتو اپنے گھر والوں سے کہتا ہے ہائے اسے کہاں لے جاتے ہو اس کی آواز انسان کے سوا ہر چیز سنتی ہے اگر انسان سنے تو بے ہوش ہوجائے ۲؎(بخاری) |

۱؎ جنازے سے مراد میت ہے اور اس کے رکھے جانے سے مراد گھر سے باہر نکال کر لوگوں کے سامنے قبرستان لے جانے کے لیے رکھا جانا ہے۔ظاہر یہی ہے کہ مردہ بزبان قال یہ گفتگو کرتا ہے کیونکہ اسے نزع میں ہی اپنے آئندہ حال کا پتہ چل جاتا ہے،اب اسے یہاں ٹھہرنا وبال معلوم ہوتاہے اس لیے کہتا ہے جلدی پہنچاؤ۔اس سے معلوم ہوا کہ اس حالت ہی میں جسم میں جان پڑچکی ہوتی ہے اور بعد موت مردہ بولتا بھی ہے،سنتا بھی ہے جیساکہ باب عذاب قبر میں گزر چکا کہ مردہ چلنے والوں کے جوتوں کی آہٹ سنتاہے۔احمد،طبرانی،ابن ابی دنیا،معروزی،اور ابن مندہ نے ابو سعیدخدری سے روایت کی کہ میت اپنے غسل دینے والے،اٹھانے والے،کفن دینے والے اور قبر میں اتارنے والے سب کو پہچانتا ہے۔(مرقات)

۲؎ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مردے کی یہ گفتگو زبان قال سے آواز کے ساتھ ہی ہوتی ہے جسے جانور فرشتہ کنکر،پتھر سب سنتے ہیں انسان کو اس لیے نہ سنائی گئی کہ اولًا تو اس میں اس آواز کی برداشت کی طاقت نہیں۔دوسرے اس پر ایمان بالغیب لازم ہے اگر وہ آواز سن لے تو ایمان بالغیب نہ رہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہوجاؤ ۱؎ جو اس کے ساتھ جائے وہ نہ بیٹھے حتی کہ رکھ دیا جائے ۲؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ اولًا میت کے لیے کھڑے ہوجانے کا حکم تھا یا تو میت کی تعظیم کے لیے یا ساتھ والے فرشتوں کی یا موت کی گھبراہٹ کے اظہار کے لیے،لیکن یہ حکم بعد میں منسوخ ہوگیا اس کی ناسخ حدیثیں آگے آرہی ہیں۔اکثر علماء فرماتے ہیں کہ جو میت کے ساتھ جانا نہ چاہے اسے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔(مرقاۃ)

۲؎ لوگوں کی گردنوں سے زمین پر تاکہ اگر اس کی امداد کی ضرورت پڑے تو یہ بآسانی امداد کرسکے،یہ حکم اب بھی باقی ہے کہ میت کو کندھوں سے اتارنے سے پہلے بیٹھ جانا مکروہ ہے اور اگر یہ معنی ہیں کہ قبر میں رکھ دیاجائے تو یہ حدیث منسوخ ہے جس کا ناسخ آگے آرہا ہے۔شروع اسلام میں دفن سے پہلے بیٹھنا مکروہ تھا اب جائز ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں ایک جنازہ گزرا تو اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ ہم بھی کھڑے ہوگئے ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو یہودیہ تھی فرمایا موت وحشت ناک ہے تو جب تم جنازہ دیکھاکرو تو کھڑے ہوجایاکرو |

| | |
|---|---|
| | ۱؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ گھبراہٹ اورخوف ظاہر کرنے کے لیے نہ کہ کافر میت کی تعظیم کے لیے اس وقت کھڑا ہونا خوف کی علامت ہے اور بیٹھا رہنا سختی دل اور غفلت کی نشانی مگر یہ حکم منسوخ ہے جیساکہ آگے آرہا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے دیکھا تو ہم بھی کھڑے ہوتے رہے پھر آپ بیٹھنے لگے تو ہم بھی بیٹھنے لگے یعنی جنازے میں ۱؎(مسلم)اور مالک اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ اولًا جنازے میں کھڑے ہوتے تھے پھر بعد میں بیٹھنے لگے۔ |

۱؎یہ حدیث گزشتہ احادیث کی ناسخ ہے،یعنی پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوجاتے تھے ہم بھی اسی پر عامل تھے،پھر بعد میں آپ نے یہ عمل چھوڑ دیا ہم نے بھی چھوڑدیا لہذا وہ کھڑا ہونا منسوخ ہے۔خیال رہے کہ وہ قیام منسوخ ہوا ہے جو صرف گھبراہٹ کے اظہار یا ملائکہ موت کی تعظیم کے لیے ہو اور ساتھ جانے کا ارادہ نہ ہو،ساتھ جانے کے لیے اٹھنا تو اب بھی ضروری ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جومسلمان کے جنازے کے ساتھ ایمان سے بہ نیت ثواب جائے۱؎اور اس کے ساتھ ہی رہے حتی کہ اس پرنماز پڑھ لے اور اس کے دفن سے فارغ ہوجائے تو وہ ثواب کے دو قیراط(حصے)لےکر لوٹے گا ہرحصہ احد کے برابر اور جو اس پر نماز پڑھ کر دفن سے پہلے لوٹ جائے وہ ایک حصہ لے کر لوٹے گا ۲؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ان دو قیدوں سے دو فائدے حاصل ہوئے:ایک یہ کہ کافر کا میت کے ساتھ جانا ثواب کاباعث نہیں کیونکہ اعمال کا ثواب ایمان سے ملتا ہے۔دوسرے یہ کہ ریا کاری،قومی نظریئے،کسی مالدار کو خوش کرنے کے لیے ساتھ جانے پر بھی کوئی ثواب نہیں جیساکہ آج عمومًا دیکھاجارہا ہے کہ غریب کے جنازے پر اٹھانے والے بھی مشکل سے جمع ہوتے ہیں اور امیر کے جنازے پر اکثر خوشامدیوں کا ہجوم ہوتا ہے جو بغیر نماز جانے ہوئے بھی بے وضو ہی ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوجاتے ہیں۔

۲؎عمومًا دینار کے بیسویں حصے کو قیراط کہا جاتا ہے مگر شام والے چالیسویں حصے کو بعض اور علاقوں میں دینار کے چھٹے حصے کو قیراط کہتے ہیں یہاں تجریدًا صرف حصہ مراد ہے نہ کہ دینار کا حصہ جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے یعنی صرف نماز جنازہ میں شرکت کرنے والا آدھا ثواب پاتاہے اور دفن میں بھی شرکت کرنے والا دگنا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نجاشی کی موت کی خبر دی جس دن انہوں نے وفات پائی ۱؎ اور حضور صحابہ کے ساتھ عیدگاہ تشریف لے گئے ان کی صفیں بنائیں اور چار تکبیریں کہیں ۲؎ (مسلم،بخاری) |

۱؎ نجاشی بادشاہ حبشہ کا لقب تھا،ان کا نام اصحمہ تھا،یہ پہلے عیسائی تھے بعد میں مسلمان ہوئے اورحبشہ میں مہاجر صحابہ کو امن بھی دی،ان کی خدمتیں بھی کیں،ان کا انتقال رجب ۹ھ میں ہوا۔اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ دور نزدیک،غائب حاضر سب کو دیکھ لیتی ہیں کہ حبشہ اور مدینہ منورہ میں ایک مہینہ کا فاصلہ ہے۔(مرقات)

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ پنجگانہ جماعت کی مسجد میں نماز جنازہ منع ہے میت مسجد میں ہو یا نہ ہو اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز مسجد نبوی شریف میں نہ پڑھی بلکہ ان کو باہر لے گئے۔اس حدیث کی بنا پر بعض لوگ نماز جنازہ غائبانہ کے قائل ہیں مگر ان کی یہ دلیل کمزور ہے اس لیے کہ نماز غائبانہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے پڑھی کسی صحابی نے کبھی نہ پڑھی۔چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت جو صحابہ غزووں یا مکہ مکرمہ وغیرہ میں تھے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز غائبانہ نہ پڑھی،نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی نماز غائبانہ پڑھی بارہا صحابہ کی شہادتوں یا وفات کی خبریں آتی تھیں آپ نماز نہ پڑھتے تھے۔جن روایات میں ہے کہ آپ نے معاویہ ابن معاویہ مزنی،زید ابن حارثہ،جعفر ابن ابی طالب پر یہ غزوہ موتے میں شہید ہوئے تھے نماز غائبانہ پڑھی ہے ان کی اسنادوں میں محدثین کو کلام ہے کیونکہ ان اسنادوں میں علاء ابن زید یا بقیہ ابن ولید وغیرہم راوی ہیں جو بالاتفاق ضعیف ہیں اور اگر یہ احادیث صحیح بھی ہوں تو ان نمازوں کی وجہ یہ ہے کہ جبریل امین نے ان میتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لاکر حاضر کردیا۔چنانچہ حضرت ابن عباس کے الفاظ یہ ہیں "كُشِفَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النِّجَاشِيِّ حَتّٰى رَاٰهُ وَصَلّٰى عَلَيْهِ" لہذا یہ نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت میں سے ہے کیونکہ میت کا امام کے آگے ہونا کافی ہے مقتدی دیکھیں یا نہ دیکھیں،ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر صحابی کا جنازہ پڑھاتے تھے حتی کہ جو رات میں دفن کردیئے جاتے ان کی قبر پر جاکر جنازہ پڑھاتے اور فرماتے کہ مجھے ہر ایک کی موت کی خبر دیا کرو،میری نماز ان کے لیے رحمت ہے مگر سوائے اس کے اور کسی غائب صحابی پر نماز غائبانہ نہ پڑھی،لہذا اس حدیث سے نماز غائبانہ کا جواز ثابت کرنا بہت کمزور ہے۔مذہب حنفی نہایت قوی ہے کہ جنازے کی نماز حاضر میت پر ہوسکتی ہے نہ کہ غائب پر۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن ابی لیلیٰ سے فرماتے ہیں کہ زید ابن ارقم ہمارے جنازوں میں چار تکبیریں کہتے تھے انہوں نے ایک جنازہ پر پانچ کہیں تو ہم نے ان سے پوچھا تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ |

| | |
|---|---|
| | کہتے تھے ۱؎(مسلم) |

۱؎ چاروں اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں جن پر بیشمار احادیث صحیحہ وارد ہیں۔اس حدیث سے بھی معلوم ہورہا ہے کہ صحابہ کا عمل چار تکبیروں پر ہی تھا کیونکہ خود زید ابن ارقم چار ہی کہتے تھے اورجس نماز میں انہوں نے پانچ۵ کہیں تو صحابہ نے ان سے پوچھ گچھ شروع کردی۔شارحین فرماتے ہیں کہ حضرت زید ابن ارقم بھول کر پانچ کہہ گئے تھے،جب صحابہ نے ان پر اعتراض کیا تو انہوں نے فرمایا کہ نماز درست ہوگئی کیونکہ پانچ تکبیروں پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل رہا ہے اس صورت میں حدیث بالکل واضح ہے۔ہم بھی کہتے ہیں کہ اگر کوئی بھولے سے پانچ تکبیریں کہہ جائے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔خیال رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ چھ تکبیریں بھی ثابت ہیں مگر وہ سب منسوخ ہیں۔چنانچہ مؤطا امام محمد میں ایک حدیث ہے جس میں ہے کہ عہد فاروقی تک صحابہ نماز جنازہ میں کبھی تکبیریں چار کہتے،کبھی پانچ،کبھی چھ،حضرت عمرفاروق نے سب کو جمع کرکے فرمایا کہ اگر تم میں ہی اختلاف رہے گا تو قیامت تک سارے مسلمانوں میں اختلاف رہے گا،تحقیق کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری جنازوں میں تکبیریں کتنی کہیں تحقیق سے ثابت ہوا کہ آپ نے چار تکبیریں کہیں اسی پر صحابہ کرام کا اجماع ہوا۔چنانچہ حضرت عمر نے صدیق اکبر پر،حضرت ابن عمر نے عمرفاروق پر،حضرت حسن ابن علی نے جناب علی مرتضٰی پر،امام حسین نے حضرت حسن پر چار تکبیریں ہی کہیں،بلکہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کا جنازہ پڑھا تو آپ پر چار تکبیریں ہی کہیں۔اس کی پوری تحقیق کے لیے فتح القدیر،لمعات و مرقات میں دیکھو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت طلحہ ابن عبداللہ ابن عوف سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ ابن عباس کے پیچھے ایک جنازہ پر نماز پڑھی تو آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھی پھر فرمایا تم جان لو کہ یہ بھی ایک طریقہ ہے ۲؎(بخاری) |

۱؎ آپ مشہور تابعی ہیں،حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے بھتیجے۔

۲؎ اس حدیث کی بناء پر لوگ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہیئے،نماز پنجگانہ کی طرح اس میں بھی سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے مگر اس حدیث سے یہ مسئلہ ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا چند وجوہ سے:ایک یہ کہ اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس نے نماز جنازہ کے اندر سورۂ فاتحہ پڑھی بلکہ نماز جنازہ کے بعدمیت کو ایصال ثواب کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھی کیونکہ یہاں صَلَّیْتُ کے بعدفَقَرَءَ ہے ف تعقیبیہ سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ قرأت نماز کے بعد تھی جیسے"فَاِذَا طَعِمۡتُمۡ فَانۡتَشِرُوۡا"۔دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جائے کہ آپ نے نماز کے اندر ہی پڑھی تو یہ پتہ نہیں چلتا کہ کس تکبیر کے بعد پڑھی۔تیسرے یہ کہ اگر کوئی تکبیر بھی اپنی طرف سے مقررکرلو تو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بہ نیت ثناء پڑھی یا بہ نیت دعاء یا بہ نیت تلاوت۔چوتھے یہ کہ آپ کے سورۂ فاتحہ پڑھنے پر سارے حاضرین صحابہ کو سخت تعجب ہوا تب آپ نے معذرت کے طور پر کہا کہ میں نے اس لیے عمل کیا تاکہ تم جانو کہ یہ نیت ہے۔معلوم ہوا کہ صحابہ اسکو سنت نہیں جانتے تھے اور نہ پڑھتے تھے تبھی تو آپ کو

معذرت کرنی پڑی۔پانچویں یہ کہ آپ نے یہ نہ فرمایا کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے بلکہ سنت لغوی فرمایا،یعنی یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ بجائے اور ثناء اور دعاء کے یہ پڑھ لی جائے۔احناف بھی کہتے ہیں کہ بہ نیت ثناء یا دعا الحمد پڑھنا جائز ہے،بہ نیت تلاوت منع۔چھٹے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں ثابت نہیں ہوا کہ آپ نے جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھی ہو۔ساتویں یہ کہ صحابہ کرام بھی جنازہ میں فاتحہ کی تلاوت نہ کرتے تھے۔چنانچہ مؤطا میں عن مالك عن نافع ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر نماز جنازہ میں تلاوت قطعًا نہیں کرتے تھے،اسی مؤطا امام مالک میں ہے کہ کسی نے حضرت ابوہریرہ سے پوچھاکہ نماز جنازہ کیسے پڑھی جائے تو آپ نے فرمایا کہ جب جنازہ رکھا جائے تو پہلے تکبیر کہو اور خدا کی حمد کرو،پھر درود شریف پڑھو،پھر یہ دعا پڑھو"اَللّٰھُمَّ عَبْدُكَ"الخ۔بہرحال اس حدیث سے نماز جنازہ میں تلاوت فاتحہ پر دلیل پکڑنا بالکل باطل ہے،مذہب احناف نہایت قوی ہے۔عینی شرح بخاری میں اس جگہ ہے کہ حضرت عمروعلی وابن عمر،ابوہریرہ صحابہ اور عطاء طاؤس،سعدابن مسیب،ابن سیرین،سعد ابن جبیر،شعبی اور مجاہد وغیرہ تابعین جنازہ میں فاتحہ کو منع کرتے تھے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عوف بن مالک سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی تو میں نے آپ کی دعا حفظ کرلی آپ فرماتے تھے الٰہی اسے بخش دے اور اس پر رحم کر،اسے عافیت دے،اسے معاف کر،اس کی مہمانی اچھی فرما،اس کی قبر فراخ کر اور اسے پانی برف اور اولے سے دھودے[1]اور اسے خطاؤں سے ایسا صاف کردے جیسے توسفید کپڑا میل سے صاف کرتاہے[2]اور اس کو اس کے گھر سے اچھا گھر،گھر والوں سے اچھے گھر والے اور اس کی بیوی سے بہتر بیوی عطا فرما[3]اور اسے جنت میں داخل کر اور قبر اور آگ کے عذاب سے بچالے اور ایک روایت میں ہے اسے قبر کے فتنہ اور آگ کے عذاب سے بچالے،فرماتے ہیں حتی کہ میں نے آرزو کی کہ یہ میت میں ہوتا[4](مسلم) |

[1]یہاں رب کی رحمت کو پانی،برف اوراولہ کہا گیا کیونکہ ٹھنڈے پانی سے نہانے میں دل کو خوشی،دماغ کو فرحت،جسم کی صفائی اور راحت سب کچھ ہی حاصل ہوتی ہے،یعنی مولے اسے دوزخ کی آگ میں تپاکر صاف نہ کرنا بالکل معافی اور رحمت کے ٹھنڈے پانی سے۔

[2]سفید کپڑے کی صفائی دور سے محسوس ہوتی ہے اسی لیے سفید کپڑے کی قید لگائی گئی۔

۳؎ قیامت کے بعد اسے جنت میں گھر دے،غلمان،خدام دے اور حوریں اور دنیا کی بیوی جو وہاں حوروں سے بھی خوبصورت ہوگی اور جس میں دنیا کی سی ظاہر و باطن کوئی خرابی نہ ہوگی وہ اسے نصیب کر،لہذا اس دعا پر اعتراض نہیں کہ جنت میں دنیاکی عورتیں حوروں سے بھی اچھی ہوں گی پھر یہ الفاظ کیوں ارشاد فرمائے گئے۔

۴؎ تاکہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی دعائیں نصیب ہوتیں۔معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا اتنی آواز سے پڑھی جو قریب کے مقتدیوں نے سن لی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوسلمہ ابن عبدالرحمان سے کہ جب سعد ابن ابی وقاص کی وفات ہوئی ۱؎ تو حضرت عائشہ نے فرمایا انہیں مسجد میں لے آؤ تاکہ میں بھی ان پر نماز پڑھ سکوں ۲؎ اس کا آپ پر اعتراض کیا گیا ۳؎ تو آپ نے فرمایا اللہ کی قسم بیضاء کے دو بیٹوں سہیل اور ان کے بھائی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز پڑھی تھی ۴؎ (مسلم) |

۱؎ آپ کی وفات اپنے محل میں ہوئی جو مدینہ منورہ سے دس میل دور مقام عقیق میں تھا،لوگ آپ کی میت اپنی گردنوں پر اٹھا کر مدینہ منورہ میں لائے تاکہ بقیع میں دفن کیا جائے،یہ واقعہ امیر معاویہ کے زمانہ میں ہوا۔

۲؎ یعنی ان کے جنازے کی جماعت مسجد نبوی میں کراؤ تاکہ اپنے حجرے سے میں بھی اقتداء کرلوں اور نماز میں شریک ہوجاؤ۔

۳؎ تمام صحابہ نے کہا کہ نماز جنازہ مسجد میں جائز نہیں۔معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں کسی مسجد حتی کہ مسجد نبوی میں بھی نماز جنازہ نہ پڑھی جاتی تھی بلکہ وہ حضرات اس کو ناجائز جانتے تھے ورنہ انکار کیوں کرتے۔

۴؎ ان لڑکوں کا نام سہیل اور سہل ہے،ان کی ماں کا نام وعد بنت جھدم،لقب بیضاء ہے،ان کے والد کا نام عمرو ابن وہب یا وہب ابن ربیعہ ہے جو مشہور بدری صحابی ہیں،ان بچوں کا اور ان کے والد کا انتقال ۹ھ میں ہوا،یہ بچے اپنی ماں کی نسبت سے مشہور ہیں۔خیال رہے کہ مسجد پنجگانہ میں نماز جنازہ احناف کے نزدیک مطلقًا مکروہ ہے میت مسجد میں ہو یا نہ ہو اس لیے کہ ابوداؤد،ابن ماجہ میں یہ روایت حضرت ابوہریرہ سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میت پر مسجد میں نماز پڑھے اس کا کوئی ثواب نہیں اور ایک روایت میں ہے "فَلَا شَیْئَ لَہٗ" یعنی وہ کچھ نہیں،امام شافعی کے ہاں بلاکراہت جائز ہے،اس حدیث کی وجہ سے ان کی دلیل صرف یہی حدیث ہے مگر ان کا یہ استدلال بہت کمزور ہے چند وجہ سے:ایک یہ کہ تمام صحابہ کا حضرت عائشہ صدیقہ کے اس فرمان پر انکار کرنا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ وہ حضرات مسجد میں نماز جنازہ ناجائز جانتے تھے اور ان کے زمانہ میں اس کا رواج بالکل نہ تھا۔دوسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صرف یہی جنازہ مسجد میں پڑھا اس کے سواء کوئی مسجد میں نہ پڑھا اگر مسجد میں جنازہ جائز ہوتا تو آپ سارے جنازے وہیں پڑھا کرتے۔تیسرے یہ کہ یہ جنازہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش یا اپنے اعتکاف کی مجبوری کی وجہ سے پڑھا،بحالت مجبوری احناف بھی اسے جائز کہتے ہیں۔چوتھے یہ

کہ یہاں مسجد سے خارج مسجد مراد ہے،اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے اس حدیث سے استدلال کرنا یقینًا ضعیف ہے۔(لمعات)

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک عورت پر نماز پڑھی جو اپنے نفاس میں فوت ہوئی تھی تو آپ اس کے درمیان کھڑے ہوئے ا(مسلم،بخاری) | |

ادرمیان سے مراد کمر یا سینہ ہے،دوسرے معنے زیادہ ظاہر ہیں۔خیال رہے کہ احناف کے نزدیک امام میت کے سینہ کے مقابل کھڑا ہو میت مرد ہو یا عورت کیونکہ سینہ میں دل ہے اور دل میں ایمان اس لیے کہ امام احمد نے دونوں کی روایت کی،ابو غالب فرماتے ہیں میں نے حضرت انس کے پیچھے ایک جنازہ پڑھا تو آپ میت کے سینہ کے مقابل کھڑے ہوئے،امام شافعی کے ہاں مرد کے سر کے مقابل کھڑا ہو اور عورت کے سینہ کے مقابل ان کی دلیل یہ ہے مگر یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ یہاں وسط فرمایا یعنی درمیان،عجزہ نہ فرمایا یعنی کمر،اعضاء کے لحاظ سے سینہ ہی وسط ہے کیونکہ سینہ کے اوپر ہاتھ اور سر ہے اور اس کے نیچے پیٹ اور پاؤں،نیز ہوسکتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سینہ کے مقابل کھڑے ہوں کمر کی طرف مائل،راوی نے اسے مقابل کمر سمجھ لیا،یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس میت پر ہنڈولہ نہ ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے آڑ بننے کے لیے کمر کے مقابل کھڑے ہوگئے ہوں تاکہ میت کا پردہ رہے،اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے ان کے استدلال یقینًا کمزور ہیں۔(ازمرقات ولمعات)

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قبر پر گزرے جو رات میں دفن کیا گیا تھا فرمایا یہ کب دفن کیا گیا انہوں نے عرض کیا آج رات فرمایا تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی انہوں نے عرض کیا ہم نے اسے رات کے اندھیرے میں دفن کیا یہ ناپسند کیا کہ آپ کو جگائیں تو آپ کھڑے ہوئے ہم نے آپ کے پیچھے صفیں بنائیں آپ نے اس پر نماز پڑھی ا(مسلم،بخاری) | |

ااس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ رات میں دفن جائز ہے۔دوسرے یہ کہ دفن میں جلدی کی جائے کہ اگر رات میں دفن ممکن ہو تو بلاوجہ دن ہونے کا انتظار نہ کیا جائے،دیکھو صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے انتظار میں سویرے تک میت کو نہ رکھا بلکہ خود اس پر نماز پڑھ کر دفن کردیا۔تیسرے یہ کہ قبر پر نماز جائز ہے جب غالب یہ ہو کہ ابھی میت محفوظ ہوگی،گلی پھٹی نہ ہوگی۔چوتھے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے مسلمانوں کے ولی ہیں،رب فرماتاہے:"اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ"۔اگر ولی کے علاوہ اور لوگ نماز پڑھ لیں تو ولی کو دوبارہ جنازہ پڑھنے کا حق ہے،دیکھو صحابہ نے اس میت پر نماز پڑھ لی تھی مگر حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے دوبارہ پڑھی، صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو کر۔جب اُمّ سعد کا انتقال ہوا تھا تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ کے بعد ان کی قبر پر نماز پڑھی۔مرقات نے فرمایا کہ اس قبر والے کا مبارک نام طلحہ ابن براء ابن عمیر علوی ہے جو انصار کے حلیف ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنازہ میں یہ دعا پڑھی کہ یہ طلحہ ہیں تو ان سے راضی اور یہ تجھ سے راضی الخ۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ ایک حبشی عورت یا مرد مسجد میں جھاڑو دیتے تھے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گم پایا تو اس عورت یا مرد کے متعلق پوچھا لوگوں نے عرض کیا کہ وہ فوت ہوگیا فرمایا تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ دی ا؎ راوی کہتے ہیں کہ شاید انہوں نے اس کا معاملہ حقیر جانا فرمایا مجھے اس کی قبر بتاؤلوگوں نے بتائی آپ نے اس قبر پر نماز پڑھی پھر فرمایا کہ یہ قبریں اپنی میتوں پر تاریکی سے بھریں ہیں اللہ میری نماز کی برکت سے انہیں نورانی کردیتا ہے ۲؎ (مسلم،بخاری) لفظ مسلم کے ہیں۔ |

ا؎سبحان اللہ! اس شہنشاہ کی نظر کرم اپنے ہر گدا پر ہے۔شعر

کرم سب پر ہے کوئی ہو کہیں ہو　　　تم ایسے رحمۃ اللعالمین ہو

مرقات نے فرمایا کہ جواب عرض کرنے والے ابوبکرصدیق تھے اور اس شخص کا نام اسود تھا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۲؎اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مسجد کی خدمت بیکار نہیں جاتی۔صوفیاء کہتے ہیں کہ جو خانۂ دل کی صفائی چاہتا ہے وہ خانۂ خدا کی صفائی کیا کرے۔دوسرے یہ کہ اسلام میں کوئی حقیر نہیں،لوگوں نے غریب جان کر اس کی موت کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دی مگر غمخوار امت نے اسکی قبر پر پہنچ کر اس کی خبر لی،امیر خسرو فرماتے ہیں۔شعر

کشتے کہ عشق دار دنگذاروت بزیں سال　　　بجنازہ گر نہ آئی بمزار خواہی آمد

تیسرے یہ کہ بذاتِ خود ساری قبریں اندھیر ی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود نور ہیں،آپ کی نماز اور آپ کی دعا بھی نور ہے۔جس کی قبر روشن ہوگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ہوگی۔جو احتمال روشنیٔ قبر کا سبب ہیں جیسے مسجد میں روشنی کرنا وغیرہ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ہیں۔چوتھے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعائیں اپنی امت کے لیے تاقیامت باقی ہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد ساری قبریں اندھیری رہتی ہیں۔اشعۃ اللمعات نے یہاں فرمایا کہ یہاں صلوٰۃ بمعنی دعا ہے اسی لیے یہاں نہ تکبیروں کا ذکر ہے نہ صفیں بنانے کا،بعض لوگ ان احادیث کی بنا پر کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کئی بار ہوسکتی ہے مگر یہ غلط ہے،ورنہ تا قیامت ہمیشہ زائرین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر پہنچ کر آپ کی نماز جنازہ پڑھا کرتے۔ولی کے نماز پڑھ لینے کے

بعد اور کسی کو جنازہ پڑھنے کا حق نہیں دیکھو،حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دو روز تک مسلسل نمازیں ہوتی رہیں مگر جب صدیق اکبر نے جو خلیفۃ المسلمین اور ولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے آپ پر نماز پڑھ لی پھر کسی نے نہ پڑھی۔

| | |
|---|---|
| 1660 - [ 15 ]( صَحِیح)<br>وعن كريب مولى ابن عباس عن عبد الله بن عباس إنه مات له ابن بقديد أو بعسفان فقال: يا كريب انظر ما اجتمع له من الناس. قال: فخرجت فإذا ناس قد اجتمعوا له فأخبرته فقال: تقول: هم أربعون؟ قال: نعم. قال: أخرجوه فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "ما من رجل مسلم يموت فيقوم على جنازته أربعون رجلا لا يشركون بالله شيئا إلا شفعهم الله فيه". رواه مسلم | روایت ہے حضرت کریب ابن عباس کے مولے سے وہ عبداللہ ابن عباس سے راوی کہ ان کا فرزند قدید یا عسفان میں وفات پاگیا ۱؎ تو آپ نے فرمایا کہ اے کریب دیکھو کتنے لوگ جمع ہو گئے فرماتے ہیں میں نکلا تو کچھ لوگ جمع ہو ہی گئے تھے میں نے آپ کو خبردی،فرمایا کیا تم کہہ سکتے ہو کہ چالیس ہوں گے میں نے کہا ہاں،فرمایا میت کو لاؤ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ایسا کوئی مسلمان نہیں جو مرجائے اس کے جنازے پر چالیس آدمی کھڑے ہوں جو اللہ کا کوئی شریک نہ بناتے ہوں اللہ ان کی سفارش اس میت کے بارے میں ضرور قبول فرماتا ہے ۲؎ (مسلم) |

۱؎ کریب تابعی ہیں،سیدنا ابن عباس کے آزاد کردہ غلام،قدید اور عسفان مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان مقامات ہیں۔

۲؎ مرقات میں ہے کہ جہاں چالیس مسلمان جمع ہوں ان میں کوئی ولی ضرور ہوتا ہے جس کی دعا قبول ہوتی ہے،اس کی برکت سے دوسروں کی بھی۔خیال رہے کہ یہ ذکر ولی تشریعی کا ہے،ولی تکوینی کی تعداد مقرر ہے کہ ہر زمانہ میں اتنے ابدال اتنے غوث اور ایک قطب عالم ہوں گے اور مسلمانوں سے مراد متقی مسلمان ہیں،ورنہ سینماؤں اور تماشہ گاہوں میں سینکڑوں فساق ہوتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا ایسا کوئی میت نہیں جس پر مسلمان کی جماعت نماز پڑھے جو سو کو پہنچے وہ سب اس کی شفاعت کرتے ہیں مگر اس کے بارے میں ان کی شفاعت قبول ہوتی ہے ۱؎ (مسلم) |

۱؎ یہ حدیث گزشتہ چالیس کی روایت کے خلاف نہیں۔ہوسکتا ہے کہ اولًا سو کی قید ہو پھر رب نے اپنی رحمت وسیع فرما دی ہو اور چالیس کی نماز پر بھی بخشش کا وعدہ فرمالیا ہو،بعض روایات تو اور بھی امید افزاء ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ لوگ جنازہ لے کر گزرے جس کی لوگوں نے اچھی تعریف کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واجب ہوگئی،پھر دوسرا جنازہ |

| | |
|---|---|
| | لے کر گزرے جس کی لوگوں نے برائی کی ۱؎ حضور نے فرمایا واجب ہوگئی حضرت عمر نے عرض کیا حضور کیا واجب ہوگئی فرمایا یہ جس کی تم نے تعریف کی کہ اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور یہ جس کی تم نے برائی کی ہے اس کے لیے دوزخ واجب ہوگئی تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو ۲؎ (مسلم،بخاری) اور ایک روایت میں ہے کہ مؤمن زمین میں اللہ کے گواہ ہیں ۳؎ |

۱؎ یہ کہا کہ یہ بڑا منافق تھا،بے دین تھا،بدخلق اور موذی تھا وغیرہ وغیرہ۔لہذا اس جملہ پر نہ تو یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ سارے صحابہ عادل اور جنتی ہیں،رب فرماتاہے:"کُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی"پھر یہ میت جہنمی کیسے ہوگئی اور نہ یہ اعتراض ہے کہ مُردوں کو برا کہنا منع ہے،پھر صحابہ نے اس دوسرے کو برا کیوں کہا کیونکہ یہ جنازہ منافق اور فاسق کا تھا۔

۲؎ لہذا تمہارے منہ سے جس کے لیے جو نکلتا ہے اللہ کے ہاں وہی ہوتاہے زبان خلق نقّارہ خدا،اس کی تائید اس آیت سے ہے"لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ"۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جسے عام مسلمان قدرتی طور پر ولی اللہ کہیں وہ واقعی ولی اللہ ہے،رب تعالٰی اولیاءاللہ کی علامت بیان فرماتاہے:"لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ"یعنی ان کے لئے دنیا میں بھی بشارتیں ہیں کہ عام مسلمان انہیں جنتی کہتے ہیں اور آخرت میں بھی کہ فرشتے انہیں جنتی کہیں گے،لہذا حضور غوث پاک،خواجہ اجمیری،داتا گنج بخش لاہوری،مجدد الف ثانی یقینًا اولیاء ہیں کہ انہیں مسلمان ولی سمجھتے ہیں،ولایت کے ثبوت کے لیے قرآنی آیت ہی ضروری نہیں۔دوسرے یہ کہ جو کام مسلمان اچھا اور ثواب سمجھیں وہ واقعی اچھا ہے لہذا گیارھویں میلادشریف،عرس بزرگان،ختم خواجگان وغیرہ کار ثواب ہیں کہ انہیں عام مسلمین،اولیاء،صالحین کارثواب جانتے ہیں۔خیال رہے کہ مسلمانوں کی گواہی سے مومنین صالحین کی گواہی مراد ہے جو قدرتی طور پر منہ سے نکلتی ہے جس میں نفسانی بغض اور کینہ کو دخل نہیں ہوتا ورنہ روافض صحابہ کو خوارج اہلِ بیت کو بعض بیدین علماء وصالحین کو برا کہتے ہیں وہ گواہی اس میں داخل نہیں۔خیال رہے کہ یہاں اَنْتُمْ میں صرف صحابہ سے خطاب نہیں بلکہ تاقیامت سارے نیک مؤمنوں سے جیسے"اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ"میں۔

۳؎ یہ جملہ پہلے جملہ کی شرح ہے کہ وہاں اَنْتُمْ سے مراد صرف صحابہ نہ تھے بلکہ سارے مؤمنین۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس مسلمان کی نیکی کی چار آدمی |

| | |
|---|---|
| | گواہی دیں گے اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا ہم نے کہا اور تین فرمایا اور تین بھی ہم نے کہا اور دو فرمایا اور دو بھی پھر ہم نے حضور سے ایک کے بارے میں نہ پوچھا[1](بخاری) |

[1]یہ حدیث بہت امید افزاء ہے کہ دو مسلمانوں کا بھی کسی کو اچھاکہنا اس کے جنتی ہونے کی علامت ہے۔رحمت والے نبی کی رحمت دیکھو کہ اس عدد میں شَر کا ذکرنہیں صرف خیر کا ذکر ہے،یعنی دو ایک آدمیوں کے برا کہنے سے جہنمی نہ کہاجائے گا ہاں ان کے اچھا کہنے سے جنتی کہاجائے گا۔مرقات نے فرمایا کہ شریعت میں گواہی کے نصاب دو ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَّ اَشۡهِدُوۡا ذَوَیۡ عَدۡلٍ مِّنۡکُمۡ"۔تو جیسے دو گواہیوں سے مقدمہ ثابت ہوجاتا ہے یونہی دو کی گواہی سے جنتی ہونا ثابت ہوگا۔یہاں شیخ نے فرمایا کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلتا ہے وہی رب کے ہاں ہوتاہے،صحابہ کی عرض پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم گواہوں کی تعداد میں کمی کرتے گئے تو وہاں بھی کمی ہوگئی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مُردوں کو برا نہ کہو وہ اپنے گزشتہ کیے تک پہنچ گئے[1](بخاری) |

[1]یعنی یہ نہ کہو کہ اب وہ جہنمی یا بُرے ہیں اسی لیے علماءفرماتے ہیں کہ کفارکو بھی ان کے مرنے کے بعد اب کافر نہیں کہہ سکتے،ممکن ہے کہ وہ موت کے وقت مؤمن ہوگئے ہوں سوائے ابوجہل ابولہب وغیرہ ان کافروں کے جن کا کفر نص میں آگیا،ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ کافر بیدین تھے بلکہ ضرورت کے وقت یہ کہنا واجب ہے۔محدثین راویان حدیث کے عیوب ان کے مرے بعدبیان کرتے ہیں حدیث کی تحقیق کے لیے۔خیال رہے کہ کسی کو برا کہنا اور ہے اورکسی کے متعلق بے اختیار منہ سے برائی نکل جانا اور،لہذا یہ حدیث"اَنۡتُمۡ شُهَدَاءُاللهِ"کی حدیث کے خلاف نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے احد میں سے ایک کپڑے میں دو کو جمع فرماتے تھے[1]پھر فرماتے ان میں زیادہ قرآن کسے یادہے جب ایک کی طرف اشارہ کیاجاتا تو اسی کو قبر میں آگے رکھتے اور فرماتے کہ میں ان لوگوں پر قیامت میں گواہ ہوں[2]اور ان کو مع ان کے خونوں دفن کا حکم دیا اور ان پر نماز پڑھی نہ ان کو غسل دیا گیا[3](بخاری) |

۱؎ اس طرح کہ دوشہیدوں کو ایک چادر میں لپیٹتے ان کے اپنے کپڑے ان ہی پر تھے لہذا اس سے لازم یہ نہیں آیا کہ ان کی کھالیں مل گئیں ہوں اور یہ اس لیے کیا گیا تھا کہ اس وقت کپڑے کی بہت تنگی تھی۔

۲؎ یعنی ان کی عدالت،شہادت،تقویٰ،جہاد کمال ایمانی کا خصوصی گواہ ہوں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ساری امت کے خصوصی گواہ ہیں لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیۡکُمْ شَہِیۡدًا"۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علم قرآن دنیا اور آخرت کی عزت کا ذریعہ ہے۔

۳؎ اس پر تمام علماء متفق ہیں کہ شہید کا نہ خون دھویاجائے نہ اسے غسل دیاجائے مگر اس میں اختلاف ہے کہ اس پر نماز ہوگی یا نہیں؟ہمارے ہاں شہید پر نماز ہے جس کی بیشمار احادیث ہیں،بلکہ خاص شہدائے احد کے متعلق طحاوی وغیرہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس دس شہیدوں کو جمع کرکے ان پر نماز پڑھتے تھے مگر حضرت حمزہ کی میت اسی طرح ہر نماز میں شامل تھی یعنی ہر دفعہ نو شہید نئے لائے جاتے تھے دسویں حمزہ ہوتے تھے،یہ حدیث حضرت عبداللہ ابن عباس،عبداللہ ابن زبیر،ابو مالک غفاری وغیرہم صحابہ سے مروی ہے۔(طحاوی)بعض روایات میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ پر ستر بار نماز جنازہ پڑھی۔مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث آئے گی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد پر ان کی شہادت کے آٹھ سال بعد اپنی وفات سے قریب بھی نماز جنازہ پڑھی،نیز نماز جنازہ گناہ معاف کرانے کے لیے نہیں ہوتی ورنہ بچے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ نہ پڑھی جاتی،بلکہ شرافت انسانی کے اظہار کے لیے ہے جس کا شہید بھی بدرجہ اولٰے مستحق ہے۔امام شافعی کے ہاں شہید پر نماز نہیں،ان کی دلیل یہ حدیث ہے مگر ان کا یہ استدلال بہت کمزور ہے چند وجہ سے:ایک یہ کہ یہ حدیث نفی کی ہے اور ہماری پیش کردہ احادیث میں ثبوت نماز ہے لہذا ترجیح ثبوت کو ہوگی۔دوسرے یہ کہ حضرت جابر ہی سے یہ روایت بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کا جنازہ پڑھا لہذا تعارض کی وجہ سے یہ حدیث قابل عمل نہیں۔تیسرے یہ کہ یہاں اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص احد کے دن ان شہداء کی نماز نہ پڑھی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دن خود زخمی تھے،دانت مبارک شہید ہوچکا تھا،سر مبارک میں خود ٹوٹ کر گڑھ گیا تھا جو بمشکل نکالا گیا۔چوتھے یہ کہ حضرت جابر اس دن سخت پریشان تھے کیونکہ ان کے والد اور ماموں شہید ہوچکے تھے جن کی میتوں کو منتقل کرکے مدینہ پاک لے گئے تھے،اس پریشانی اور مشغولیت کی وجہ سے آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پر مطلع نہ ہوسکے۔پانچویں یہ کہ حاکم نے روایت صحیح حضرت جابر سے شہدائے احد کی نماز جنازہ اور ہر بار میں حضرت حمزہ کا رکھا رہنا نقل کیا،ان وجوہات کے باعث اس حدیث سے استدلال کمزور ہے۔اس کی پوری تحقیق اس مقام پر لمعات واشعہ و مرقات میں دیکھو۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ننگا گھوڑا لایا گیا جس وقت آپ ابن دحداح کے جنازے سے واپس لوٹے اور ہم آپ کے اردگرد پیدل تھے ۱؎(مسلم) | |

۱؎اس حدیث میں بعض لوگوں نے ابوالدراح نقل کیا ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ ابوالدراح کا انتقال امیر معاویہ کے زمانہ میں ہوا،ہاں ثابت ابن داحدح نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وفات پائی،بعض شارحین نے کہا کہ ان کی کنیت بھی ابوالدحداح تھی۔خیال رہے کہ میت کے ساتھ جاتے وقت گھوڑے پر سوار ہونے میں اختلاف ہے مگر واپسی میں بالاتفاق سوار ہونا جائز ہے۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے ۱؎کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوار جنازے کے پیچھے ہی چلے ۲؎ اور پیدل اس کے آگے وپیچھے،دائیں،بائیں اس کے قریب چلے ۳؎اور گرے بچے پر نماز پڑھی جائے گی ۴؎جس میں اس کے ماں باپ کے لیے بخشش اور رحمت کی دعا کی جائے ۵؎(ابوداؤد)اور احمد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ سوار جنازے کے پیچھے چلے اور پیدل جدھر چاہے اور بچے پر نماز پڑھی جائے اور مصابیح میں مغیرہ بن زیادہ سے ہے۔ |

۱؎آپ قبیلہ بنی ثقیف سے ہیں،خندق کے سال ایمان لائے،امیر معاویہ کی طرف سے کوفہ کے گورنر رہے،ستر سال عمر ہوئی ۵۰ھ میں کوفہ میں ہی وفات پائی،آپ سے بہت احادیث مروی ہیں۔

۲؎جنازے میں شرکت کرنے والا عذرًا سوار ہوسکتا ہے بلاعذر پیدل جانا افضل ہے مگر سوار میت کے آگے نہ چلے۔

۳؎پیدل جانے والے کو بھی پیچھے چلنا افضل ہے لیکن آگے چلنا بھی جائز۔آج کل میت کے آگے نعت خوانی ہوتی جاتی ہے اور نعت خواں میت کے آگے چلتے ہیں یہ جائز ہے۔میت سے قریب رہنا اس لیے افضل ہے کہ بوقت ضرورت مدد کرنے میں بھی آسانی رہے گی اور عبرت زیادہ ہوگی۔

۴؎بشرطیکہ زندہ پیدا ہوا ہو جیساکہ حضرت جابر کی روایت آگے آرہی ہے،اس کی زندگی رونے یاحرکت سے معلوم ہو۔اگر مردہ بچہ پیدا ہوا ہے تو اس کی نماز جنازہ نہیں۔امام احمد کے نزدیک اگر چار ماہ یا زیادہ کا بچہ ساقط ہوا ہے تو اگرچہ مردہ پیدا ہوا اس پر نماز جنازہ ہے وہ اسی حدیث کے اطلاق سے دلیل پکڑتے ہیں۔ہماری دلیل آئندہ آرہی ہے وہ حدیث اس حدیث کی شرح ہے ورنہ یہ حدیث بظاہر ان کے بھی خلاف ہے کہ اس میں چار ماہ کی قید نہیں۔

۵؎اس طرح کہ چار تکبیریں کہی جائیں چوتھی تکبیر میں اس کے ماں باپ کے لئے صبر و اجر اور تمام کے لئے بچہ کے شفیع ہونے کی دعا کی جائے۔پہلے دعا گزر چکی ہے بہت جامع ہے جس میں والدین اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت زہری سے وہ سالم سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو جنازے سے آگے چلتے دیکھا۲؎(احمد،ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)ترمذی نے کہا کہ محدثین اسے مرسل سمجھتے ہیں۳؎ |

۱؎آپ کے والد سیدنا عبداللہ ابن عمر ہیں یعنی سالم سیدنا فاروق اعظم کے پوتے ہیں۔

۲؎بیان جواز کے لئے ورنہ جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے تاکہ جنازے پر نظر رہے
عبرت،نیز بوقت ضرورت مدد کرنے میں آسانی ہو جیساکہ اگلی حدیث سے معلوم ہورہا ہے۔اس جگہ مرقات نے فرمایا کہ جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر مکروہ ہے آہستہ ذکر کریں۔فقیر کہتا ہے کہ اس زمانہ میں ذکر بالجہر،نعت خوانی وغیرہ بہتر ہے ورنہ لوگ دنیاوی باتیں،ہنسی مذاق،غیبتیں،چغلیاں وغیرہ کرتے جاتے ہیں۔اس کی بحث ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ اول میں دیکھو۔

۳؎یعنی سالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں ان کی روایت میں عبداللہ ابن عمر نہیں،ابن مالک نے فرمایا کہ اس کی اسناد قوی نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنازے کے پیچھے رہا جاتا ہے اسے پیچھے نہیں رکھا جاتا اور جو اس کے آگے رہے وہ اس کے ساتھ ہی نہیں ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)ترمذی نے فرمایا ابوماجد راوی مجہول آدمی ہیں ۲؎ |

۱؎یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ جنازے سے پیچھے رہنا بہتر ہے۔گزشتہ حدیث بیان جواز کے لیے تھی،نیز وہ خصوصی عمل تھا اور یہ عمومی حکم ہے لہذا اس حدیث کو ترجیح ہے۔

۲؎مگر ابوماجد کا مجہول ہونا امام ابوحنیفہ کو کوئی مضر نہیں کیونکہ یہ امام اعظم کے بعد اس اسناد میں شامل ہوئے،امام اعظم کو یہ حدیث صحیح ہوکر ملی تھی،امام ترمذی کو مجہول ہوکر،نیز جنازہ سے پیچھے چلنے کی بہت احادیث ہیں۔چنانچہ ابن ابی شیبہ نے عبدالرحمن ابن ابزی سے روایت کی کہ میں ایک جنازے میں تھا دیکھا کہ حضرت ابوبکر و عمر تو جنازے سے آگے چل رہے تھے اور حضرت علی پیچھے،میں نے حضرت علی سے پوچھا کہ آپ پیچھے کیوں چل رہے ہیں فرمایا کہ وہ دونوں بزرگ بھی جانتے ہیں کہ پیچھے چلنا افضل ہے جیسے جماعت کی نماز تنہا نماز سے افضل،لیکن بیان جواز

اور لوگوں کو تنگی سے بچانے کے لیے وہ حضرات آگے چل رہے ہیں۔غرضکہ پیچھے چلنے کی بہت سی احادیث ہیں اور یہی عمل ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو جنازے کے ساتھ گیا اور اسے تین بار کندھا دیا اس نے میت کا حق ادا کردیا جو اس پر تھا ۱؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ |

۱؎یعنی میت کے ساتھ جانا حق اسلامی ہے یہ پورا پورا جب ادا ہوگا جب اسے کندھا بھی دے،اس طرح کہ ایک بار چاروں کندھے،پھر کچھ آرام لے،پھر ترتیب وار چاروں کندھے،پھر کچھ آرام لے،پھر چاروں کندھے دے،اس سے زائد دے تو اس کی خوشی،تین سے کم نہ کرے۔

| | |
|---|---|
| | اور شرح سنہ میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد ابن معاذ کا جنازہ دولکڑیوں کے درمیان اٹھایا ۱؎ |

۱؎یعنی جب زمین سے کندھے پر میت کو لیا تو اس طرح کہ جنازے کی آگے والی پٹی پر ایک آدمی تھااور پچھلی والی پر دو،امام شافعی کے ہاں اٹھاتے وقت یہی بہتر ہے،ہمارے ہاں اٹھاتے وقت بھی چار افضل اور لے جاتے وقت سب کے ہاں چار ہی افضل۔اس کی بہت سی روایات موجود ہیں۔وہاں جگہ میں تنگی ہوگی اس لیے ایسے کیا گیا،اب بھی دروازہ تنگ ہونے پر دو آدمی ہی جنازہ نکالتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں گئے تو آپ نے کچھ لوگوں کو سوار دیکھا تو فرمایا کیا حیاءنہیں کرتے کہ اللہ کے فرشتے پیدل ہیں اور تم گھوڑوں کی پشتوں پر ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)اورابوداؤد نے اس کی مثل،ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حضرت ثوبان سے موقوفًا بھی منقول ہے۲؎ |

۱؎اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنازہ کے ساتھ پیدل چلناچاہیئے،سواری گزشتہ حدیث میں معذور کے لیے تھی لہذا احادیث میں تعارض نہیں،لنگڑا بیمارسوار ہوکر ہی جاسکتاہے۔خیال رہے کہ یہاں فرشتوں سے مراد وہ رحمت یا عذاب کے فرشتے ہیں جو مؤمن یا کافر میت کے ساتھ ہوتے ہیں ورنہ کاتبین اور حافظین فرشتے ہر انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ ہر وقت عالم غیب پر رہتی ہے،نیز یہ کہ بزرگوں کا ادب چاہیئے،نظر آئیں یا نہ آئیں،دیکھو صحابہ فرشتوں کو نہیں دیکھ رہے تھے مگر ان کو ادب کاحکم دیا گیا لہذا ذکر

خیر اور میلاد کی مجلسوں میں کھڑا ہونا بہتر ہے کہ بعض بزرگوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان موقعوں پر تشریف لاتے دیکھا ہے۔

۲؎ حضرت ثوبان نے یہ لوگوں سے خود کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت نہ کی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازے پر سورۂ فاتحہ پڑھی۔(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)۱؎ |

۱؎ اس مسئلے کی پوری تحقیق پہلے ہوچکی کہ یہ حدیث مجمل ہے۔اس میں یہ ذکر نہیں کہ نماز کے اندر پڑھی یا بعد نماز ایصال ثواب کے لیے،اور اگر اندر پڑھی تو کس تکبیر کے بعد پڑھی اور تلاوت کی نیت سے پڑھی یا دعا کے لیے؟اتنے احتمالات کے ہوتے حدیث پر عمل ناممکن ہے،نیز یہ حدیث مرفوع سخت ضعیف ہے۔چنانچہ ترمذی نے فرمایا کہ اس کی اسناد قوی نہیں،وجہ یہ ہے کہ اس میں ابراہیم ابن عثمان واسطی ہے جو ضعیف اورمنکر الحدیث ہے۔حق یہ ہے کہ اس کے بارے میں حدیث مرفوع صحیح آئی ہی نہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا کہیں ثابت نہیں،ابوداؤد نے بھی حدیث مرفوع نقل نہیں کی بلکہ عبداللہ ابن عباس کا اپنا فعل نقل کیا لہٰذا صاحب مشکوٰۃ رحمۃ اللہ علیہ کااس حدیث مرفوع کو ابوداؤد کی طرف نسبت کرنا صحیح نہیں۔(مرقات)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میت پر نماز پڑھ لو تو اس کے لیے خلوص دل سے دعا کرو۱؎(ابوداؤد،ابن ماجہ) |

۱؎ اس حدیث کے دو معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ نماز جنازہ میں خالص دعاء ہی کرو تلاوت قرآن نہ کرو حمدوثناء درود و دعا کے مقدمات میں سے ہے۔اس صورت میں یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن ناجائز ہے۔دوسرے یہ کہ جب تم نماز جنازہ پڑھ چکو تو میت کے لیے خلوص دل سے دعا مانگو،اس صورت میں دعا بعد نماز جنازہ کا ثبوت ہوگا۔خیال رہے کہ دعا بعد نمازجنازہ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے اور سنت صحابی بھی۔چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ حبشہ نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی اوربعد میں دعا مانگی،حضرت عبداللہ ابن سلام ایک جنازہ پر پہنچے نماز ہوچکی تھی تو آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ نماز تو پڑھ چکے میرے ساتھ مل کر دعا تو مانگ لو۔اس کی تحقیق ہماری کتاب "**جاءالحق**" حصہ اول میں دیکھو۔جن فقہاء نے اس دعا سے منع کیا اس کی صورت یہ ہے کہ سلام کے بعد یونہی کھڑے کھڑے دعا مانگی جائے جس سے آنے والے کو نماز کا دھوکا ہو یا بہت لمبی دعائیں مانگی جائیں جس سے بلاوجہ دفن میں بہت دیر ہوجائے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنازہ پر نماز پڑھتے تو کہتے الٰہی ہمارے زندوں،مُردوں،حاضر،غائب،چھوٹوں اور بڑوں،مَردوں |

| | |
|---|---|
| | اور عورتوں کو بخش دے ۱؎ الٰہی تو ہم میں سے جسے زندہ رکھے تو اسلام پر زندہ رکھ اور ہم میں سے جسے موت دے تو اسے ایمان پر موت دے الٰہی ہمیں اس کے ثواب سے محروم نہ کر اور اس کے پیچھے فتنہ میں نہ ڈال ۲؎(احمد،ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ) |

۱؎ان چار کلمات کا مقصد دعا کو عام کرنا ہے یعنی صرف میت کے لیے ہی دعا نہ کرے بلکہ سارے زندوں مردوں کے لیے دعا کرے۔اس سے معلوم ہوا کہ گزشتہ حدیث میں جو فرمایا گیا تھا کہ "اَخْلِصُوْالَهُ الدُّعَاءَ"اس کے معنے یہ نہیں تھے کہ صرف حاضر میت ہی کو دعا کرے اور کو شامل نہ کرے جیسا کہ بعض شارحین نے سمجھا بلکہ اس کے معنے وہ ہیں جو ہم نے وہاں عرض کر دیئے۔

۲؎ یعنی ایمان کے ثواب سے محروم نہ کر اور ایمان کے بعد ہمیں فتنہ میں نہ ڈال یا میت پر صبر کے اجر سے محروم نہ کر اور توفیق دے کہ ہم بے صبری کرکے فتنہ میں نہ پڑجائیں،چونکہ اسلام میں عقیدہ،کلمۂ شہادت اعمال سب شامل ہیں اس لیئے زندگی اسلام پر مانگی گئی اور ایمان صرف عقائد کا نام ہے اس لیئے موت ایمان پر مانگی گئی کہ اس وقت اعمال نہیں ہوتے۔

| | |
|---|---|
| | اور نسائی نے ابراہیم اشہلی سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کی وانثانا پر ختم ہوگئی اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ اسے ایمان پر زندہ رکھ اور اسلام پر موت دے ۱؎اور اس کے آخر میں ہے کہ اس کے بعد ہمیں گمراہ نہ کردے۔ |

۱؎یہاں اسلام اورایمان ہم معنے ہیں،یعنی دین حق صرف عبارت کا فرق۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت واثلہ ابن اسقع سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان آدمی پر نماز پڑھائی میں نے آپ کو یہ کہتے سنا کہ الٰہی فلاں کا بیٹا فلاں تیرے ذمہ اور تیرے قریب کے عہد میں ہے تو اسے قبر کے فتنہ اور آگ کے عذاب سے بچالے تو وفاء اور حق والا ہے الٰہی اسے بخش دے اور اس پر رحم کر بے شک تو بخشنے والا مہربان ہے ۱؎(ابوداؤد،ابن ماجہ) |

۱؎اس میں خاص دین حاضر میت کے لیے دعاء ہے یہ بھی جائز ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے گزشتہ عام دعاء بھی پڑھی اوراس کے بعد یہ بھی،قرب عہد سے مراد یا قرآن شریف ہے یا ایمان یعنی یہ بندہ مؤمن ہے قرآن کا

ماننے والا،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا"۔فتنۂ قبر وہاں کے امتحان کی ناکامی ہے اور آگ کا عذاب دوزخ کا عذاب ہے خواہ قبر میں ہو یا دوزخ میں پہنچ کر۔یہ دعاء بہت ہی جامع ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ علیہ وسلم نے اپنے مُردوں کی خوبیاں بیان کرو اور ان کی برائیوں سے باز رہو ۱(ابوداؤد،ترمذی) |

۱یعنی مسلمان کی بعدموت اچھائیاں کبھی کبھی بیان کیاکرو کہ نیکیوں کے ذکر سے رحمت اترتی ہے،ان کی برائیاں بیان کرنے سے باز رہو کیونکہ مردے کی غیبت زندہ کی غیبت سے سخت تر ہے کہ زندہ سے معافی مانگی جاسکتی ہے مردے سے نہیں،اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ اگر غسال مردے پر کوئی نیک علامت دیکھے خوشبو یا چہرے کا نور دیکھے تو لوگوں میں چرچاکرےاور اگر بری علامت دیکھے بدبو یا چہرے کا بگڑجانا تو اس کا کسی سے ذکر نہ کرے کیونکہ ہمیں بھی مرنا ہےنہ معلوم ہمارا کیا حال ہو،بے دین کی برائی ضرور کرے تاکہ لوگ بے دینی سے بچیں،اس کی شرح پہلے گزرچکی۔یزید و حجاج وغیرہ کو آج بھی برا کہاجاتاہے کیونکہ یہ فساق ہیں،ان کا فسق ظاہرکرو تاکہ لوگ ان جیسے کاموں سے بچیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت نافع ابی غالب سے ۱فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس ابن مالک کے ساتھ ایک مرد کے جنازے پر نماز پڑھی ۲تو آپ اس کے سر کے مقابل کھڑے ہوئے پھر لوگ ایک قریشی عورت کا جنازہ لائے بولے اے ابوحمزہ اس پر نماز پڑھیئے تو آپ درمیان تخت کے مقابل کھڑے ہوئے ان سے علاء ابن زیاد نے عرض کیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنازے پر ایسے ہی کھڑے ہوئے دیکھا جیسے آپ مرد اور عورت کے جنازے پر کھڑے ہوئے فرمایا ہاں ۳(ترمذی،ابن ماجہ)اور ابوداؤد کی روایت میں اس کی مثل ہے کچھ زیادتی کے ساتھ اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ عورت کے سیرین کے مقابل کھڑے ہوئے ۴ |

۱آپ تابعین میں سے ہیں،نام نافع ہے،کنیت ابوغالب،یہ وہ مشہور نافع نہیں یعنی عبداللہ ابن عمر کے غلام۔

۲یہ مرد سیدنا عبداللہ ابن عمر تھے جن کی نماز سیدنا انس نے پڑھائی تھی۔(مرقات)

۳اس حدیث پر امام شافعی کا عمل ہے،ان کے ہاں امام مرد کے سر کے مقابل،ہمارے ہاں مرد ہویاعورت سب کے سینہ کے مقابل کھڑا ہوکیونکہ یہ ایمان کی جگہ ہے۔اس کی نہایت ہی نفیس تحقیق اور مذہب حنفی کی ترجیح ابھی اسی

باب میں گزرچکی کہ یہ حدیث امام احمد کی روایت کے مخالف ہے،ابو غالب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس کے پیچھے نماز پڑھی آپ میت کے سینہ کے مقابل کھڑے ہوئے۔
۴؎ تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میت اور پیچھے والے مقتدیوں کے درمیان آڑ بن جائیں اور میت کا پردہ رہے کیونکہ میت ڈولی میں نہ تھی لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس جگہ کھڑاہونا خصوصی واقعہ ہے وہ بھی ایک عذر کی وجہ سے۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن ابی لیلے سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت سہل ابن حنیف اور قیس ابن سعد قادسیہ میں بیٹھے ہوئے تھے ۲؎ کہ ان پر جنازہ گزرا وہ دونوں صاحب کھڑے ہوگئے ان سے کہا گیا کہ یہ جنازہ زمیندار یعنی ذمی کافر کا ہے ۳؎ تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک جنازہ گزرا آپ کھڑے ہوگئے عرض کیا گیا کہ یہ تو یہودی کا جنازہ ہے فرمایا کیا یہ جان نہیں ہے ۴؎ (مسلم،بخاری) |

۱؎ آپ مشہور تابعی بڑے عالم و زاہد ہیں،خلافت فاروقی میں شہادت پائی،فاروق اعظم سے چھ سال پہلے پیدا ہوئے،کوفہ میں قیام رہا۔ایک سوبیس انصار صحابہ سے ملاقات ہے۔
۲؎ قادسیہ کوفہ سے پندرہ میل فاصلہ پرمشہور مقام ہے جو زمانہ فاروقی میں فتح ہوا،بہت معرکۃ الآراغزوہ ہواہے۔
۳؎ یعنی کافر کی روح کا کوئی احترام نہیں اس کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے تو آپ کافر کے جسم کی تعظیم کیوں کرتے ہیں اور اس کے لیے کیوں کھڑے ہوتے ہیں۔خیال رہے کہ اس زمانہ میں لفظ اھلِ ارض ذلت کا لفظ تھا یعنی زمین بونے جوتنے والا یا ہماری زمین میں کام کرنے والا اس وقت بہترین پیشہ جہاد تھا پھر تجارت،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلٰکِنَّہٗۤ اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ"۔
۴؎ یعنی یہ انسانی جان ہے جس کی موت سے عبرت پکڑنا چاہیئے ہمارا قیام اس کی تعظیم کے لیے نہیں بلکہ اظہار ہیبت کے لیےہے۔خیال رہے کہ میت کے لیے کھڑا ہونا منسوخ ہے،ان بزرگوں کو یا تو نسخ کی خبر نہ ہوئی یا بیان جواز کے لیے کھڑے ہوئے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جنازے کے ساتھ جاتے تو نہ بیٹھتے حتی کہ میت قبر میں رکھ دی جاتی آپ |

| | |
|---|---|
| | کے سامنے ایک یہودی پادری آیا عرض کیا کہ اے محمد ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں فرمایا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھنے لگے اور فرمایا کہ ان کی مخالفت کرو ۱؎ (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہےاور بشر ابن رافع راوی قوی نہیں ہے۔ |

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ کفار کی مشابہت سے بچناچاہیئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دفن سے پہلے کھڑا رہنا صرف اس لئے چھوڑا کہ یہود کا شعار تھا۔خیال رہے کہ مشابہت اور چیز ہے موافقت کچھ اور چیز۔وہ جوحدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے وہ مشرکین مکہ کے مقابلے میں تھا اور موافقت کے طور پر تھا نہ کہ مشابہت کے،جیسے مشرکین بالوں میں کنگھی نہ کرتے تھے اہلِ کتاب کرتے تھے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنگھی کرنا پسند فرمایا لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔حکم اسلامی کے مقابلے میں یہودونصاریٰ کی مشابہت کرنا بڑا جرم ہے۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو اپنی وضع قطع،صورت،سیرت عیسائیوں کی سی رکھتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو جنازے کے لیے کھڑے ہونے کا حکم دیاتھا اس کے بعد پھر آپ بیٹھنے لگے اور ہمیں بھی بیٹھا رہنے کاحکم دیا ۱؎(احمد) |

۱؎یعنی جنازے کے احترام یا ہیبت کے لیے محض کھڑا ہوجانا اولًا اسلام میں واجب تھا اب یہ وجوب منسوخ ہوگیا،جواز اب بھی باقی ہے،پہلا امر وجوبی ہے دوسرا اباحت کا۔بعض فقہاء اس قیام کو مکروہ فرماتے ہیں یعنی تنزیہی۔

| | |
|---|---|
| 1683 - [ 38]( صَحِيح)<br>وعن محمد بن سيرين قال: إن جنازة مرت بالحسن بن علي وابن عباس فقام الحسن ولم يقم ابن عباس فقال الحسن: أليس قد قام رسول الله صلى الله عليه وسلم لجنازة يهودي؟ قال: نعم ثم جلس. رواه النسائي | روایت ہے حضرت محمد ابن سیرین سے فرماتے ہیں کہ ایک جنازہ حضرت حسن ابن علی اور ابن عباس پر گزرا تو حسن کھڑے ہوگئے ابن عباس نہ کھڑے ہوئے امام حسن نے فرمایا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہودی کے جنازے کے لیے نہ کھڑے ہوئے فرمایاہاں پھر بیٹھنے لگے ۱؎(نسائی) |

۱؎یعنی کھڑا ہونا یا نہ ہونا دونوں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل ہیں مگر نہ ہونا بعد کا ہے لہذا ناسخ ہے،حضرت ابن عباس نے امام حسن پر اعتراض نہ کیا۔معلوم ہوا قیام بھی جائز ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت جعفر ابن محمد سے ۱؎ وہ اپنے والد سے راوی کہ حضرت حسن ابن علی بیٹھے تھے کہ آپ پر جنازہ گزرا تو لوگ کھڑے ہوگئے حتی کہ جنازہ آگے بڑھ گیا ۲؎ تب حضرت حسن نے فرمایا کہ ایک یہودی کا جنازہ گزرا تھا جس کے راستہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے آپ نے یہ ناپسند کیا کہ یہودی کا جنازہ آپ کے سر سے اونچا ہو اس لیے کھڑے ہوگئے ۳؎ (نسائی) | |

۱؎ آپ کا نام جعفر،لقب امام صادق ہے،والد کا نام محمد،لقب امام باقر،ان کے والد کا نام علی اوسط،لقب امام زین العابدین ہے،حادثہ کربلا سے صرف امام زین العابدین ہی بچ کر آئے تھے،حسینی سادات آپ ہی کی نسل پاک سے ہیں،امام حسین کے درمیانے صاحبزادے ہیں۔

۲؎ مگر آپ نہ کھڑے ہوئے کیونکہ آپ اس قیام کے نسخ سے واقف ہوچکے تھے لہذا یہ روایت گزشتہ کے خلاف نہیں۔

۳؎ یعنی وہاں سے اٹھ گئے تو آپ کا یہ قیام تعظیمًا نہ تھا بلکہ توہین یہود کے لیے تھا۔خیال رہے کہ قیام جنازہ کی بہت سی وجہیں آئی ہیں:فرشتوں کی تعظیم،میت مؤمن کا احترام،موت کی ہیبت وغیرہ ان میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے۔ہوسکتا ہے کہ مختلف موقعوں پر مختلف وجہیں ہوں،اس نیت سے کھڑا ہوجانا اب بھی بہتر ہے بشرطیکہ جنازہ کافر کا ہو اور مسلمان اس کے عین رستہ پر بیٹھا ہو،یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ امام محمد باقر نے امام حسن سے ملاقات نہیں کی لہذا درمیان میں کوئی راوی چھوٹ گیا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب یہودی یا عیسائی یا مسلمان کا جنازہ تم پر گزرے تو تم کھڑے ہوجاؤ تم اس کے لیے نہیں کھڑے ہوتے بلکہ اس کے ساتھ والے فرشتوں کے لیئے کھڑے ہوتے ہو ۱؎ (احمد) | |

۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوموسیٰ کو قُوْمُوْا فرمانا احترام کے لیے ہے یا بظاہر خطاب ان سے ہے اور درحقیقت ساری امت سے ہے جیسے "یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ"۔پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ یہ اور اس کی قسم کی ساری احادیث منسوخ ہیں مگر وجوب منسوخ ہے جواز باقی اور کافر کے جنازے کے لیے کھڑا نہ ہونا بہتر کہ تمہاری نیت اگرچہ فرشتوں کی تعظیم ہوگی مگر دیکھنے والے اسے کافر کی تعظیم سمجھیں گے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت انس سے کہ ایک جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرا آپ کھڑے ہوگئے عرض کیا گیا کہ یہ تو یہودی کا جنازہ ہے فرمایا کہ ہم فرشتوں کے لیے | |

| | |
|---|---|
| | کھڑے ہوئے ا(نسائی) |

ا یعنی ان عذاب کے فرشتوں کے لیے جو اس کافر کی گرفتاری کے لئے پکڑنے والی پولیس کی طرح اس کے ساتھ ہیں،چونکہ یہ فرشتے محافظین اور کاتبین فرشتوں سے درجے میں بڑے ہیں اس لیے ان کی تعظیم کی گئی،اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سارے فرشتوں سے افضل ہیں مگر ہمیں ادب اور تعظیم سکھانے کے لیے آپ نے یہ عمل کیا تاکہ معلوم ہو کہ قیام تعظیمی اچھی چیز ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت مالک ابن ہبیرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ایسا کوئی مسلمان جو مرے تو اس پر مسلمانوں کی تین صفیں نماز پڑھیں مگر اللہ واجب کردیتا ہے ا مالک جب جنازے والوں کو تھوڑا دیکھتے تو انہیں اس حدیث کی وجہ سے تین صفوں میں بانٹ دیتے ۲(ابوداؤد)ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ مالک ابن ہبیرہ جب جنازہ پر نماز پڑھتے جس پر لوگوں کو کم دیکھتے تو ان کے تین حصے کردیتے پھر فرماتے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس پر تین صفیں نماز پڑھیں واجب ہوگئی۳اور ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت۔ |

ا یہ حدیث بہت امید افزاء ہے کیونکہ یہاں صفوں کی حد بیان فرمائی گئی اگر دو آدمیوں کی صفیں بھی نماز جنازہ میں ہو جائیں تب بھی میت کی بخشش کی قومی امید ہے۔یہ سب اس امت مرحومہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ سے رب کی رحمت ہے،رب کی رحمت بہانہ چاہتی ہے قیمت نہیں مانگتی۔

۲ اب بھی فقہاء فرماتے ہیں کہ تھوڑے نمازیوں کو بھی تین صفوں میں بانٹ کر جنازہ پڑھو یہ اسی حدیث پر عمل ہے۔خیال رہے کہ اور نمازوں میں صف اول افضل ہے مگر نماز جنازہ میں صف آخری بہتر۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ بعد نماز جنازہ دعا نہ مانگے کیونکہ اس میں نماز پر زیادتی کا اشتباہ ہے۔اس کا مطلب ہم پہلے بتاچکے ہیں کہ اسی طرح صفیں بنائے ہوئے کھڑے کھڑے دعا نہ مانگیں تاکہ آنے والے کو یہ شبہ نہ ہوکہ نماز ہورہی ہے جیسے فرائض کے بعد صفیں توڑ کر سنتیں پڑھنے کا حکم ہے تاکہ جماعت کا دھوکہ نہ ہو محض دعا منع کیسے ہوسکتی ہے وہ تو سنت ہے۔

۳ یعنی آپ ایسے جنازے کی نماز پڑھاکر لوگوں کو یہ حدیث سنا دیتے تھے۔معلوم ہوا کہ نماز جنازہ سے پہلے یا بعد جنازے کے متعلق تھوڑا وعظ کہہ دینا منع نہیں جب کہ اس سے دفن میں دیر نہ لگے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز جنازہ کے بارے میں راوی الٰہی تو اس کا |

| | |
|---|---|
| رب ہے تو نے ہی اسے پیدا کیا تو نے ہی اسے اسلام کی ہدایت دی تو نے ہی اس کی روح قبض کی تو ہی اس کے کھلے چھپے کو جانتا ہے،ہم شفیع آئے ہیں اسے بخش دے۱(ابوداؤد) | |

۱اگرچہ روح قبض کرنا ملک الموت کا کام ہے مگر چونکہ وہ سب کچھ رب کے حکم سے کرتے ہیں اس لیے فعل کو رب کی طرف نسبت کیا گیا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام اور ایمان کے توسل سے دعاکرنا جائز ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ کی اقتداء میں اس بچے پر نماز پڑھی جس نے کبھی کوئی خطا نہ کی تھی لیکن میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ الٰہی اسے عذاب قبر سے بچالے ۱(مالک) | |

۱یہاں عذاب قبر سے مراد قبر کی تنگی اور وہاں کی وحشت ہے کہ یہ بچے کو بھی ہوجاتی ہے جیسا پہلے عرض کیا جاچکا،حساب قبر یا قبر میں آگ کا عذاب بچے کو نہیں ہوتا،رب تعالٰی کسی کو بے گناہ سزا نہیں دیتا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے بخاری سے بطریق تعلیق ۱فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بچہ پر سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے ۲اور کہتے تھے الٰہی تو اسے ہمارے لیے گزشتگان میں سے اور پیش رو اور ذخیرہ اور ثواب بنا۳ | |

۱امام بخاری ترجمہ باب میں بھی کبھی بلااسناد کوئی حدیث بیان کرجاتے ہیں وہ تعلیق کہلاتی ہے۔امام بخاری کی تعلیقات بالاتفاق قبول ہیں کہ ان کا اسناد چھوڑنا صحتِ حدیث کی دلیل ہے،دوسرے محدثین کا یہ درجہ نہیں۔

۲حسن سے مراد خواجہ حسن بصری ہیں،آپ نماز سے پہلے یانماز کے بعد ایصال ثواب کی نیت سے **الحمد** شریف پڑھتے تھے یا نماز کے اندر پہلی تکبیر کے بعد بہ نیت ثناء یا تیسری کے بعد بہ نیت دعا اور اگربہ نیت تلاوت ہی پڑھتے ہوں تو یہ ان کا اپنا اجتہادی عمل ہے۔بہرحال یہ روایت نہ حنفیوں کے خلاف ہے اور نہ حنفیوں کے مقابلے میں دلیل۔

۳متقدمین کو سلف کہتے ہیں اورمتاخرین کو خلف۔**فرط** وہ جماعت کہلاتی ہے جوفوج سے آگے پڑاؤ پر پہنچ کرلشکر کے کھانے پینے کا انتظام کریں۔اس روایت سےمعلوم ہوا کہ بچے کے جنازے میں اس کی مغفرت کی دعا نہ کی جائے کیونکہ وہ بے گناہ ہے بلکہ اس کو سا منے رکھ کر اپنے لیے دعا کی جائے کہ خدایا اسے ہمارا شفیع بنا جیسے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں اپنے لیے دعائیں کیں کہ خداوندانہیں ہمارا شفیع بنا اور ان کی طفیل ہمیں بخش دے۔اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میت کے گناہ معاف کرانے کے لیے نہیں ہوتی بلکہ یہ حقِ اسلام ہے لہذا شہید پر جنازہ پڑھاجائے گا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بچہ پر نہ نماز پڑھی جائے نہ وہ وارث ہو اور نہ موروث حتی کہ چیخے ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)مگر ابن ماجہ نے موروث نہ ہونے کا ذکر نہیں کیا۲؎ | |

۱؎یعنی اگر بچہ زندہ پیدا ہوکر مرجائے جس کی زندگی اس کی چیخ یا حرکت سے معلوم ہوجائے تب تو اس کی نماز جنازہ بھی ہے اور اسکا نام بھی رکھا جائے گا،اس کا باقاعدہ کفن دفن بھی ہوگا،اس پر میراث کے احکام بھی جاری ہوں گے،اگر مردہ ہی پیدا ہو تو وہ گر اہوا حمل ہے جس پر یہ کوئی حکم جاری نہیں صرف ایک کپڑے میں لپیٹ کر گھڑے میں داب دیا جائے گا،یہ حدیث گزشتہ کی تفسیر ہے جس میں تھا کہ بچہ پرنماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

۲؎اس حدیث کو ابن حبان نے صحیح کہا اور حاکم نے فرمایا کہ یہ علی شرط شیخین ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابومسعود انصاری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منع فرمایا کہ امام کسی چیز پرکھڑا ہوا اور لوگ اس کے پیچھے یعنی اس سے نیچے ہوں۱؎(دارقطنی کتاب الجنائز کے مجتبی میں) | |

۱؎ہر امام کا یہی حکم ہے خواہ نماز پنجگانہ کا امام ہو یا نماز جنازہ کا۔بظاہر معلوم ہوتاہے کہ یہ حدیث "باب الامامت"میں آنی چاہیے تھی مگر مصنف یہاں لائے تاکہ معلوم ہوا کہ اگر جنازہ سواری پر یا لوگوں کے ہاتھوں میں ہو تو نماز جنازہ جائز نہیں کیونکہ میت مثل امام کے ہوتی ہے تنہا اس کا اونچا ہونا یا الگ جگہ میں ہونا نماز کا مانع ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ میت پر دعا ضرور ہی پڑھنی چاہیئے تاکہ جو لوگ کچھ دیر سے نماز میں شریک ہوئے ہیں وہ اپنی تکبیریں پوری کرلیں۔

## باب دفن المیت

## میت کے دفن کا باب۱

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱دفن کے معنے ہیں چھپانامگر اب میت کو قبرستان یا مال کو زمین میں گاڑ دینے کا نام دفن ہے اسی لیے گڑھے ہوئے مال کو دفینہ کہتے ہیں۔سب سے پہلے ہابیل کو دفن کیا گیا۔قبر دو طرح کی ہوتی ہے:ایک لحد،یعنی بغلی یا پنجابی میں سانویں۔دوسری شق یعنی صندوقی یاپنجابی میں چیردیں،دونوں قسم کی قبریں جائزہیں لیکن اگر زمین مضبوط ہوتو لحد افضل ہے،دفن کے تفصیلی احکام فقہ کی کتاب میں دیکھو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عامرابن سعد ابن ابی وقاص سے کہ سعد ابن ابی وقاص نے اپنے مرض وفات میں فرمایا میرے لیے بغلی قبرکھودنا اورمجھ پرکچی اینٹیں یونہی کھڑی کرنا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کی گئیں۱(مسلم) |

۱بغلی قبر یہ ہے کہ اولًا زمین سیدھی کھودی جائے،پھرقبلہ کی جانب میت کے جسم کے مطابق گڑھا کیا جائے اور یہ جو دروازہ سابن گیا اسے اینٹوں یا پتھروں سے بندکردیا جائے،یہاں پکی اینٹ یالکڑی لگانا مکروہ ہے کہ ان میں آگ کا اثر ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور میں نو کچی اینٹیں لگائی گئیں کیونکہ مدینہ منورہ کی اینٹ بہت بڑی ہوتی ہے حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور زمین سے ایک بالشت اونچی رکھی گئی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور میں سرخ کمبل ڈالا گیا۱(مسلم) |

۱اس طرح کہ حضرت شقران غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اب میں یہ کمبل کسے اوڑھے ہوئے دیکھوں گا،بے تابی میں قبر انور میں کود گئے اور بستر کی طرح اسے زمین پر بچھادیا۔سرخ سے مراد سرخ دھاری والا ہے نہ کہ خالی سرخ۔خیال رہے کہ یہ عمل شریف تمام صحابہ کی موجودگی میں ہوا اور کسی نے اس پر انکار نہ کیا لہذا یہ فعل شریف بالکل جائز ہوا۔علماءفرماتے ہیں کہ یہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہےکسی اور کے لیے قبر میں کچھ بچھاناجائزنہیں کیونکہ زمین نہ پیغمبر کاجسم کھاسکتی ہے اور نہ ان کا کفن و بستر لہذا اس میں مال کی بربادی

نہیں،دیکھو سلیمان علیہ السلام بعدوفات ایک سال یا چھ مہینہ عصا کے سہارے کھڑے رہے دیمک نے آپ کی لاٹھی کھائی قدم نہ کھایا اور آپ کا لباس نہ گلا نہ میلا ہوا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت سفیان تمار سے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کوہان نما دیکھی ۱؎(بخاری) |

۱؎ یعنی ڈھلوان جیسے اونٹ کا کوہان اور پیٹھ۔اس حدیث کی بناء پر امام ابوحنیفہ ومالک واحمد فرماتے ہیں کہ قبر ڈھلوان بنانا بہتر ہے،امام شافعی کے ہاں چوکھوٹی بنانا بہتر،یہ حدیث ان تین اماموں کی دلیل ہے۔غالب یہ ہے کہ سفیان تمار نے شروع زمانہ ہی میں قبر انور کی زیارت کی ہوگی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پہلے ہی سے ایسی تھی کیونکہ عہدصحابہ میں حجرہ شریف کھلتا تھا اور قبر انور کی زیارت عموماً ہوتی تھی۔بعض لوگوں نے کہا کہ پہلے قبرشریف چوکھوٹی تھی،پھرڈھلوان بنوائی گئی مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں تمام دیکھنے والوں نے یہی کہا کہ قبر ڈھلوان ہی تھی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابی ھیاج اسدی سے ۱؎فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علی نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا کہ تم کوئی تصویر نہ دیکھومگر مٹادو اور نہ اونچی قبر دیکھومگر زمین کے برابر کردو ۲؎(مسلم) |

۱؎ آپ کانام حیان ابن حصین ہے،کنیت ابو الہیّاج ہے،قبیلہ بنی اسد سے ہیں،حضرت عمار ابن یاسر کے کاتب تھے،تابعی ہیں اورمنصور ابن حیان مشہور تابعی کے والد ہیں۔

۲؎ یعنی جس کام کے لیے مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا اسی کام کے لیے میں تمہیں بھیجتا ہوں،تصویروں اور مجسموں کو مٹانا اور اونچی قبروں کو گراکر زمین کے ہموارکردینا۔خیال رہے کہ یہاں قبروں سے یہود ونصارٰی کی قبریں مراد ہیں نہ کہ مسلمانوں کی چند وجہ سے:ایک یہ کہ حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں صحابہ کرام کی قبریں اونچی کیسے بن گئیں جنہیں مٹانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کو علی کو بھیجا کیونکہ ان بزرگوں کا کفن دفن حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اور آپ کی اجازت سے ہوتا تھا۔دوسرے یہ کہ قبر کو فوٹو و مجسمہ سے کیا نسبت،مسلمانوں کی قبروں پر نہ فوٹو ہوتے ہیں نہ مجسمہ،ہاں عیسائیوں کی قبریں بہت اونچی بھی ہوتی ہیں اور ان پر میت کا مجسمہ یا فوٹو بھی ہوتا ہے۔تیسرے یہ کہ مسلمان کی قبر زمین کے برابر نہیں کی جاسکتی بلکہ وہ ایک بالشت یا ایک ہاتھ اونچی رکھی جائے گی اور یہاں برابر کر دینے کا حکم ہے۔چوتھے یہ کہ اس کی تائید بخاری شریف کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو مسجد نبوی کی تعمیرکے باب میں ہے کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی قبریں اکھیڑنے کا حکم دیا تو اکھیڑ دی گئیں اسی کام کے لیئے علی مرتضٰی مامور ہوئے تھے۔پانچویں یہ کہ فتح الباری شرح بخاری میں اس حدیث پرعنوان قائم کیا کہ کیا مشرکین جاہلیت کی قبریں اکھیڑی جاسکتی ہیں یعنی ان کے علاوہ نبیوں اور ان کے متبعین کی نہیں کیونکہ ان کی قبریں اکھیڑنے میں ان کی توہین ہے۔چھٹے یہ کہ اسی فتح الباری میں

تھوڑی دور جاکر فرمایاحدیث سےمعلوم ہوا کہ مملوکہ مقبرے میں تصرف جائز ہے اور پرانی قبریں اکھیڑ دینا جائز ہیں بشرطیکہ وہ قبریں حرمت والی نہ ہوں۔ساتویں یہ کہ مسلمان کی اونچی قبر بنانا منع ہے لیکن اگر بن گئی ہے تو اسے گرانا ناجائز کہ اس میں قبر اور صاحب قبر کی اہانت ہے۔جب مسلمان کی قبر سے تکیہ لگانا،اس پر چلنا پھرنا منع ہے تو اس پر پھاوڑے چلانا کب جائز ہوگا جیسے چھوٹے سائز کے قرآن شریف و حمائلیں چھاپنا منع ہے لیکن اگر چھپ چکے ہوں تو انہیں جلانا حرام۔آٹھویں یہ کہ بخاری کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر میں تعلیقًاہے حضرت خارجہ فرماتے کہ ہم زمانہ عثمانی میں تھے اور ہم سے بڑا بہادر وہ تھا جو عثمان ابن مظعون کی قبر کو پھلانگ جاتا۔معلوم ہوا کہ وہ قبر اتنی اونچی بنائی گئی تھی جسے پھلانگنا دشوار تھا اوریہ قبر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنائی تھی۔نویں یہ کہ ابھی مشکوۃ شریف میں حدیث آئے گی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان ابن مظعون کی قبر کے سرہانے کی طرف ایک اونچا پتھرلگایا جس کی شرح حضرت خارجہ کی حدیث نے کردی کہ وہ اتنا اونچا تھا جسے پھلانگنا دشوار تھا۔بہرحال اگر یہاں مسلمانوں کی قبریں مراد ہوں تو یہ حدیث بہت احادیث کے خلاف ہوگی اور اس میں ایسی مشکلات پیدا ہوں گی جو حل نہ ہوسکیں گی۔افسوس نجدیوں نے اس حدیث کو آڑ بناکر حرمین طیبین میں صحابہ کبار،اہل بیت اطہار کی قبروں کو تو گرایا مگر اسی علاقہ میں امریکن تیل کمپنی جس کا ٹھیکہ نجدیوں نے امریکہ کو دیا ہے ان کے فوت شدہ انگریزوں کی بڑی بڑی اونچی ہیں مگر ہاتھ نہ لگایا یعنی جن کے لیے حدیث تھی ان پر عمل نہ کیا گیا مسلمانوں کی قبروں پر یہ ستم کیا گیا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ قبر میں چونا گچ کیا جائے[1] اور یہ کہ اس پر کچھ بنایاجائے[2] اور یہ کہ اس پر بیٹھا جائے[3] (مسلم) | |

[1] خیال رہے کہ قبر میں تین چیزیں ہیں:ایک اس کا اندرونی حصہ جو میت کے جسم سے ملا ہوا ہوتاہے اسے پختہ کرنا،وہاں لکڑی یا پکی اینٹ لگانا مطلقًا ممنوع ہے خواہ ولی کی قبر ہو یا عام مسلمان کی،جسم میت مٹی میں رہناچاہئیے حتی کہ اگر کسی وقت مجبورًا میت کو تابوت یا صندوق میں دفن کرنا پڑے تب بھی اس کے اندرونی حصے میں مٹی سے کہگل کردی جائے۔دوسرا قبر کا بیرونی حصہ جولوگوں کو نظر آتا ہے اس کا پختہ کرناعوام کی قبروں میں منع،اولیاء و مشائخ و علماء کی قبور کا جائز کیونکہ عوام کے لیے یہ بیکار ہےاورخاص قبروں کی حرمت وتعظیم کاباعث اسی پر ہمیشہ مسلمانوں کا عمل رہا اور ہے،خودحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان ابن مظعون کی قبر کے سرہانے پتھر لگایا۔تیسرے یہ کہ قبر کے آس پاس چبوترہ پختہ ہو اورتعویذ قبر کچاپہ مطلقًا جائزہے۔لہذا یہاں قبر سے مراد قبر کا اندرونی حصہ ہے اسی لیئے عَلَی الْقَبْرِ نہ فرمایا گیا،یا عام قبریں مراد ہیں جن سے مشائخ اور علماء کی قبریں مستثنٰی ہیں۔ابھی اسی باب میں آئے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق و فاروق کی قبور پر عہد صحابہ میں سرخ بجری بچھادی گئی تھی بالکل خام نہ رکھی گئی۔

۲؎ اس طرح کہ قبر پر دیوار بنائی جائے قبر دیوار میں آجائے یہ حرام ہے کہ اس میں قبر کی توہین ہے اسی لیے یہاں علیہ فرمایا گیا حَوْلَهٗ نہ فرمایا یا اس طرح کہ قبر کے آس پاس عمارت یاقبہ بنایا جائے یہ عوام کی قبروں پر ناجائز ہے کیونکہ بے فائدہ ہے علماء ومشائخ کی قبروں پر جہاں زائرین کا ہجوم رہتا ہے جائز ہے تاکہ لوگ اس کے سایہ میں آسانی سے فاتحہ پڑھ سکیں۔چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر عمارت اول ہی سے تھی اور جب ولید ابن الملک کے زمانہ میں اس کی دیوار گرگئی تو صحابہ نے بنائی،نیز حضرت عمر نے زینب بنت جحش کی قبر پر،حضرت عائشہ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر،محمد ابن حنیفہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس کی قبر پر قبے بنائے،دیکھو خلاصۃ الوفاء اورمنتقی شرح مؤطا،مرقات نے اس مقام پر اور شامی نے دفن میت کی بحث میں فرمایا کہ مشہور علماء ومشائخ کی قبر پر قبے بنانا جائز ہیں۔

۳؎ یعنی قبر پر چڑھکر بیٹھ جائے یہ حرام ہے کیونکہ اس میں قبر کی توہین ہے لیکن قبر کے پاس تلاوت قرآن کے لیئے بیٹھنا یا وہاں کا انتظام کرنے کے لیئے مجاور بن کر بیٹھنا بالکل جائزہے۔چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی مجاورہ تھیں اورکلید بردار لوگ آپ سے حجرہ کھلوا کر قبر انور کی زیارت کرتے تھے۔اسی مشکوٰۃ کے اگلے باب میں بخاری کی روایت سے آرہا ہے کہ حضرت حسن ابن علی کی قبر پر ان کی بیوی صاحبہ نے قبہ بنایا اور وہاں ایک سال تک مجاورہ بن کر بیٹھی رہیں،اب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے پر بہت مجاور رہتے ہیں جنہیں اغوات کہتے ہیں جن کا ایک سردار ہوتا ہے جسے شیخ الاغوات کہا جاتاہے۔فقیر نے دوسرے حج میں شیخ الاغوات خلیل عبدالسلام صاحب کی قدم بوسی کی اور تیسرے حج میں شیخ الاغوات خواجہ الیاس کی،ان مجاوروں کو نجدی حکومت بھی نہ ہٹاسکی۔مرقات نے فرمایا کہ یہاں بیٹھنے سے استنجے کے لیے بیٹھنا مراد ہے یعنی قبر پر پیشاب پاخانہ نہ کرو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت مرثد غنوی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قبروں پر نہ بیٹھواور نہ ان کی طرف نماز پڑھو۱؎(مسلم) |

۱؎ اس طرح کہ قبرنمازی کے سامنے بغیر آڑ ہو یہ حرام ہے اور اگر قبر دائیں بائیں یا پیچھے ہو یا سامنے ہی ہو مگر نمازی اور اس کے درمیان دیوار وغیرہ کی آڑ ہو تو بلاکراہت نماز جائز ہے،بزرگوں کے مزار کے پاس برکت کے لیئے مسجدیں بنانا اور ان مسجدوں میں برکت کے لیئے نمازیں پڑھنا سنت انبیاء و سنت صحابہ ہے۔چنانچہ رب تعالٰی اصحاب کہف کے بارے میں فرماتا ہے:"لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا"یعنی مسلمانوں نے مشورہ کیا کہ ہم ان کے غار پر مسجد بنائیں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کے اردگرد مسجد نبوی واقع ہے جہاں سجدے کرنے کی ہر مومن کو تمنا ہے،یونہی ہر بزرگ کے مزار کے پاس مسجدیں بنی ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کسی کا چنگاری پر |

| | |
|---|---|
| | بیٹھنا کہ جو کپڑے کو جلاکر اس کی کھال تک پہنچ جائے قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے ا(مسلم) |

ا یعنی مسلمان کی قبر پر بیٹھنا آگ پر بیٹھنے سے بدتر ہے کہ اس کے کپڑے اورجسم جلیں گے اور اس سے ایمان برباد ہوگا۔اس حدیث نے گزشتہ حدیث کی تفسیر کردی کہ وہاں بھی قبر پر بیٹھنے سے مراد قبر پر سوار ہوکر بیٹھناہے۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عروہ ابن زبیر سے فرماتے ہیں کہ مدینہ میں دو شخص تھے ایک بغلی کھودتا تھا دوسرا یہ نہیں اصحابہ نے کہا ان میں جو پہلے آئے وہ اپنا کام کرلے تو بغلی کھودنے والا ہی آیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے بغلی قبر کھودی ۲(شرح سنہ) |

ا یعنی بغلی نہ کھودتے تھے بلکہ صندوق کھودنا جانتے تھے۔خیال رہے کہ لحد کھودنے والے حضرت زید ابن سہیل انصاری یعنی ابوطلحہ تھے اور صندوق کھودنے والے حضرت عبیدہ ابن جراح تھے۔مدینہ میں دو ہی بزرگ تھے جنہیں قبر کھودنا آتی تھی ان کا پیشہ گورکنی نہ تھی آج کل کی طرح،ہرمسلمان کو کفن سینا اور قبر کھودنا سیکھنا چاہیئے کہ نہ معلوم موت کہاں واقع ہو۔

۲ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صندوقی قبر منع نہیں ورنہ سیدنا ابوعبیدہ ابن جراح جیسے صحابی یہ نہ کھودا کرتے اور صحابہ کبار ان دونوں کو پیغام نہ بھیجتے۔خیال رہے کہ اگرچہ تمام صحابہ قبرکھودنا جانتے تھے مگر وہ دونوں حضرات بہت مشاق تھے انہوں نے چاہا کہ قبر انور بہت اعلیٰ درجے کی تیار ہو جو بہت تجربہ کار ہی کرسکتا ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغلی قبر ہمارے لیئے ہے اور صندوقی ہمارے غیروں لیئے ہےا(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ) |

ا یعنی مسلمانوں کے لیئےبغلی قبر بہتر ہے جیسے اہل کتاب وغیرہ صندوقی کو بہتر جانتے ہیں یہ کلام بیان استحباب کے لیئے ہے نہ کہ بیان وجوب کے لیئے جیساکہ ابھی عرض کیا جاچکا یا یہ مطلب ہے کہ ہماری قبر ان شاءاللہ لحد ہوگی ہمارے علاوہ بعض امتیوں کی قبریں صندوقی بھی ہوں گی یا ہم گروہ انبیاء کی قبریں لحد ہوئیں،امتوں کے لیئے شق

بھی ہے یا یہ مطلب ہے کہ ہم مدینہ والوں کی قبریں لحد ہونی چاہیے کیونکہ یہاں کی مٹی پختہ ہے دوسرے لوگوں کے لیئے جہاں کی مٹی نرم ہو ٹھہرتی نہ ہو شق مناسب ہے۔

| | |
|---|---|
| | احمد نے جریر ابن عبداللہ سے روایت کی۔ |

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ہشام ابن عامر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن فرمایا کہ چوڑی،گہری اور اچھی قبر کھودو۱اور ایک قبر میں دو دو تین تین دفن کرو جن میں زیادہ قرآن والوں کو آگے رکھو۲(احمد،ترمذی،ابوداؤد،نسائی)اور ابن ماجہ نے **احسنوا** تک۔ |

۱اس سے معلوم ہوا کہ مردے کے لیئے قبر خوب چوڑی ہو جس میں جسم پھنسے نہیں اور گہری ہو،گہرائی مردے کے قد کے برابر یا کھڑے ہونے میں سینہ کے برابر ہو اور قبر کو اندر سے خوب صاف کردیا جائے اس میں کوئی کنکر کانٹا نہ ہو **احسنوا** اس جانب اشارہ ہے بعض عشاق فرماتے ہیں کہ قبر اتنی گہری ہونی چاہیے کہ مردہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کھڑا ہوسکے۔

۲یہ حکم اس لیئے تھا کہ کپڑا بہت کم تھا ایک ایک چادر میں کئی کئی دفن کیے گئے۔

| | |
|---|---|
| 1704 - [ 12 ]( صَحِيح)<br>وعن جابر قال: لما كان يوم أحد جاءت عمتي بِأبي لتدفنه في مقابرنا فنادى منادي رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ردوا القتلى إلى مضاجعهم". رواه أحمد والترمذي وأبو داود والنسائي والدارمي ولفظه للترمذي | روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں جب احد کا دن ہوا تو میری پھوپھی میرے باپ کو لائیں تاکہ انہیں اپنے قبرستان میں دفن کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانچی نے اعلان کیا کہ شہداء کو ان کے قتل گاہ کی طرف واپس کرو۱(احمد،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،دارمی)اور لفظ ترمذی کے ہیں۔ |

۱اس سے معلوم ہوا کہ میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا منع ہے نقل میت کا مسئلہ بڑے معرکہ کا ہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ممانعت صرف شہدائے احد کے لیئے تھی تاکہ تمام شہدا ایک جگہ رہیں،زائرین کو ان کی زیارت میں آسانی ہو اور وہ شہداء بھی اس میدان پاک کی برکت سے فائدہ حاصل کریں کیونکہ احد حضورصلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب پہاڑ ہے اور محبوب کے پاس دفن ہونا بھی اچھا۔خیال رہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے چھ مہینہ کے بعد اپنے والد کی نعش مبارک وہاں سے منتقل کی اور جنت البقیع میں دفن کی یہ کام کسی ضرورت کی وجہ سے ہو اسی لیئے حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت منع نہ فرمایا۔نقل میت کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ بعد دفن قبر کھول کر نعش منتقل کرنا یا اتنی دور میت کو لے جانا کہ جہاں تک پہنچتے ہوئے میت کے بگڑ جانے کا خطرہ ہو ممنوع ہے لیکن اگر یہ وجوہ نہ ہو تو کسی فائدہ صحیحہ کے لیئے میت کو منتقل کرنا جائز

ہے۔چنانچہ حضرت سعد ابن وقاص کا جنازہ ان کے محل سے جو مدینہ پاک سے دس میل تھا مدینہ لایا گیا،بعد دفن میت کو نکالنا سخت منع ہے اسی لیئے بعض صحابہ کرام کفار کی زمین میں دفن ہوئے تو انہیں وہیں رکھا گیا حتی کہ اگر میت بلاغسل و نماز بھی دفن ہوگیا ہو تو اسے نہیں نکال سکتے۔یوسف علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام کے تابوتوں کو جو مصر سے شام کی طرف منتقل کیا گیا یہ ان دینوں میں جائز تھا ہمارے ہاں ممنوع لہذا روافض جو امانت کرکے مردے کو دفن کرتے ہیں سخت ناجائز ہے۔قبر اکھیڑنے کی صرف ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ مردہ کسی غیر کی زمین میں بغیر مالک کی اجازت دفن کردیا گیا ہو تو مالک مردے کو نکلوا کر اپنی زمین خالی کراسکتا ہے۔وہ جو فقہاء فرماتے ہیں کہ جب میت گل جائے تو قبر پر کھیتی باڑی بھی کرسکتے ہیں،اس سے یہی مراد ہے ورنہ قبر وقف ہوتی ہے اس پر کھیتی کیسی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سر کی طرف سے قبر میں اتارا گیا [1] (شافعی) |

[1] سل سلول سے بنا،بمعنی کھینچنا و سونتناء اسی لیئے ننگی تلوار کو سیف مسلول کہتے ہیں۔حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر قبر میں پائنتی کیطرف رکھا گیا پھر ادھر سے قبر انور میں داخل کیا گیا۔حضرت امام شافعی کا یہ طریقہ دفن سنت ہے،ہمارے ہاں میت کو قبر کے قبلہ کی جانب رکھ کر ادھر سے اتارا جائے گا۔امام شافعی کی دلیل یہ حدیث ہے مگر اس سے یہ استدلال درست نہیں چند وجہ سے:ایک یہ کہ یہ حدیث اسنادًا صحیح نہیں کیونکہ امام شافعی نے اس کی اسنادیوں بیان فرمائی شافعی"**عن الثقة عندہ عن عمر بن عطاء عن عکرمة عن ابن عباسٍ**"۔ظاہر ہے کہ **ثقه عندہ** ضعف کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں راوی کا نام نہیں،صرف یہ ہے کہ میں نے ایک معتبر آدمی سے سنا لہذا یہ راوی مجہول ہوا۔دوسرے یہ کہ دوسری صحیح روایات اس کے خلاف ہیں۔چنانچہ ابوداؤد نے مراسیل میں حماد ابن سلیمان ابراہیم النخعی سے اور ابن ماجہ نے ابوسعید خدری سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جانب قبلہ سے قبر انور میں داخل کیا گیا،سر کی جانب سے نہ کیا گیا،لہذا احادیث متعارض ہیں،متعارض سے استدلال درست نہیں۔تیسرے یہ کہ صحابہ کرام میت کو جانب قبلہ سے قبر میں داخل کرتے تھے۔چنانچہ ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ حضرت علی نے یزید ابن کنف پر نماز جنازہ پڑھائی اور انہیں جانب قبلہ سے قبر میں اتارا،نیز انہی نے حضرت محمد ابن حنفیہ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت ابن عباس کا جنازہ پڑھایا تو انہیں جانب قبلہ سے قبر میں اتارا۔چوتھے یہ کہ آگے اسی مشکوۃ شریف میں آرہا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کو قبر میں قبلہ کی طرف سے اتارا۔پانچویں یہ کہ ان باتوں سے آنکھ بند کرلی جائے اور مان لیا جائے کہ حضور انور کو جانب سر سے اتارا گیا تو اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ آپ کو حجرے میں دفن کیا گیا تھا،جانب قبلہ دیوار حائل تھی ادھر جگہ نہ تھی اس مجبوری کی وجہ سے آپ کی ڈولی پائنتی کی طرف رکھی گئی تو یہ عمل مجبورًا تھا۔اور جو حدیثیں ہم نے پیش کیں وہ غیر مجبوری کی حالت میں ہیں۔(مرقاۃ)اشعہ وغیرہ۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات |

| | |
|---|---|
| کے وقت قبر میں تشریف لے گئے تو آپ کے لیئے چراغ جلایا گیا۱؎حضور نے میت کو قبلہ کی طرف سے لیا ۲؎اور فرمایا اللہ تم پر رحم کرے تم بہت زاری کرنے اور تلاوت قرآن کرنے والے تھے۳؎(ترمذی)شرح سنہ نے فرمایا اس کی اسناد ضعیف ہے۴؎ | |

۱؎ یعنی رات میں میت کو دفن کیا تو میت کے لیئے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چراغ سے روشنی کی گئی۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ قبر پر آگ لے جانا منع ہے مگر چراغ لے جانا جائز کیونکہ یہ روشنی کے لیے ہے نہ کہ مشرکین سے مشابہت کے لیے،مشرکین میت کے ساتھ آگ لے جاتے ہیں آگ،کی پوجاکرنے یا میت کو جلانے کے لیے لہٰذا بزرگوں کے مزار کے پاس لوبان یا اگربتی جلانا جائز ہے تاکہ میت کو فرحت ہو اور زائرین کو راحت اسی لیے میت کے کفن کو دھونی دینا سنت ہے جسے فقہاءاستجمار کہتے ہیں۔دوسرے یہ کہ ضرورت کے وقت قبر پر چراغ جلانا جائز ہے لہٰذا جن بزرگوں کے مزاروں پر دن رات زائرین کا ہجوم اور تلاوت قرآن کا دور رہتا ہے وہاں ضرور رات کو روشنی کی جائے،اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور پر ہمیشہ سے اور اب نجدیوں کے زمانہ میں اورزیادہ اعلیٰ درجہ کی روشنی ہوتی ہے،خاص گنبد شریف پر بیسیوں قمقمے نصب ہیں۔جن احادیث میں قبر پر چراغ جلانے سے ممانعت ہے وہاں بلاضرورت چراغ رکھ آنامراد ہے کہ اس میں اسراف ہے۔خیال رہے کہ بزرگوں کا احترام ظاہر کرنے کے لیے بھی روشنی کرسکتے ہیں،جیسے کعبہ معظّمہ کے احترام کے لیےاس پر غلاف رہتا ہے اور دروازۂ کعبہ پر بڑی قیمتی شمع کافوری جلائی جاتی ہے،رمضان میں مسجدوں کا چراغاں بھی یہیں سے لیا گیا،دیکھو"**جاءالحق**"حصہ اول۔

۲؎ یعنی میت کو قبر کے قبلہ کی جانب سے اتارا،یہی امام اعظم کا قول ہے اور یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔اس کی پوری بحث ابھی اگلی حدیث میں ہم کرچکے ہیں۔

۳؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میت سے یہ خطاب کرتے ہوئے دفن کیا۔اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن کی بعد وفات تعریفیں کرنا چاہئیں،نیز مردے سنتے ہیں زندہ انہیں سلام بھی کریں،بلکہ انہیں خطاب کرکے بات چیت بھی۔مُردوں کا سننا اور ان سے بات چیت کرنا صریح آیتوں اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔اس کی پوری بحث ہماری کتاب"علم القرآن"میں دیکھو،قرآن پاک میں جو ہے کہ آپ اندھوں کو ہدایت نہیں کرسکتے اور مُردوں کو سنا نہیں سکتے وہاں دل کے اندھے اور مردے مراد ہیں یعنی کفار اسی لیے وہاں مُردوں کا مقابلہ مؤمن سے کیا گیا کہ فرمایا گیا:"**اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاٰیٰتِنَا**"۔خیال رہے کہ یہ میت سیدنا عبداللہ ذوالبجادین ہیں۔(مرقاۃ)

۴؎ مگر ترمذی نے اس حدیث کو حسن فرمایا کیونکہ اس کی اسناد میں منہال ابن خلیفہ ہیں جنہیں ابن معین نے تو ضعیف کہا مگر دوسرے محدثین نے ثقہ کہا جن کی وجہ سے یہ حدیث حسن ہوئی۔تعجب ہے کہ شوافع ترمذی کے حسن کہنے کا ذکر نہیں کرتے اور شرح سنہ کے ضعیف کہنے کو بیان کرتے ہیں،نیز حیرت ہے کہ اس حدیث کو حسن ہونے کے باوجود قبول نہیں کرتے اور پچھلی حدیث جو ابھی گزری جو بالاتفاق ضعیف ہے اس پر عمل کرتے

ہیں۔امام سیوطی رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بہت سی اسنادوں سے حضرت ابن مسعود سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں میں گویا دیکھ رہا ہوں کہ غزوہ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اورحضرات صدیق و فاروق عبداللہ ذوالبجادین کے دفن کا انتظام فرمارہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جانب قبلہ سے قبر میں اتار رہے ہیں اور یہ فرمارہے ہیں اور بعد دفن فرمایا الٰہی میں اس سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہوجاحتی کہ میں نے تمنا کی کہ میں یہ میت ہوتا۔(مرقاۃ)

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کو قبر میں اتارتے تو فرماتے اللہ کے نام سے اور اللہ کی مدد سے رسول اللہ کے دین پر اور ایک روایت میں ہے رسول اللہ کی سنت پر ۱(احمد،ترمذی،ابن ماجہ)اور ابوداؤد نے دوسری روایت کی۔ | |

۱یعنی اتارتے وقت یہ کلمات کہتے جاتے تھے۔خیال رہے کہ سرکار نے بہ نفس نفیس چندصحابہ کو ہی قبر میں اتارا ہے مگر یہ کلمات دفن کے وقت ہمیشہ فرماتے ہیں لہذا دخل کے معنی ہیں بالواسطہ یابلاواسطہ قبر میں اتارنا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت جعفر ابن محمد سے وہ اپنے باپ سے مرسلًا راوی ۱کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر اپنے دونوں ہاتھوں سے تین لپ ڈالے۲اور اپنے فرزند ابراہیم کی قبر پر چھڑکاؤ کیااور اس پر کنکر بچھائے۳(شرح سنہ)اور شافعی نے رشّ سے۔ | |

۱امام جعفر صادق کے والد کا نام محمد باقر ہے،چونکہ انہوں نے حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا نہیں اور یہاں صحابہ کا نام لیا نہیں اس لیئے یہ حدیث مرسل ہے۔غالبًا وہ صحابی حضرت جابر ہوں گے کیونکہ امام باقر اکثر ان سے روایتیں لیتے ہیں۔

۲مٹی کے۔امام احمد کی روایت میں ہے کہ آپ پہلے لپ پر پڑھتے"مِنۡہَاخَلَقْنٰکُمْ"اور دوسرے پر پڑھتے"وَ فِیۡہَا نُعِیۡدُکُمْ"اور تیسرے پر پڑھتے"وَ مِنْہَا نُخْرِجُکُمْ تَارَۃً اُخْرٰی"۔چنانچہ میت کو تین لپ مٹی دینا بھی سنت ہے اور یہ پڑھنا بھی۔

۳علماء فرماتے ہیں کہ بعد دفن قبر پر ٹھنڈا اور پاک پانی چھڑکے نیک فال کے لیئے کہ اللہ میت کو پاک اور قبر کو ٹھنڈا کرے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبر کو بالکل کچا رکھنا ضروری نہیں،اس پر بجری کنکریٹ ڈال سکتے ہیں،ہاں عام قبروں کو چونا گچ سے پختہ نہ کیا جائے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو گچ کرنے۱ان پر لکھنے۲اور ان | |

| | |
|---|---|
| | پر چلنے سے منع کیا۳؎(ترمذی) |

۱؎اس کی تفصیلی بحث پہلے ہوچکی کہ قبر کا اندرونی حصہ پختہ نہ کیا جائے،ورنہ بیرونی حصہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر بھی لگایاہے جیساکہ آگے آرہا ہے اور بجری بچھائی ہے جیساکہ ابھی گزر گیا۔

۲؎عام قبروں پر جہاں احتیاط نہ ہوسکے اللہ کا نام یا قرآن کی آیت لکھنا منع ہے کہ اس میں بے ادبی کا قوی احتمال ہے،لوگ بھی گزر جاتے ہیں،وہاں جانور بھی گزرتے ہیں،خواص کے مزارات جہاں ان کی بے ادبی کا احتمال نہ ہو وہاں جائز ہے۔مرقات میں ہے کہ بعض علماء فرماتے ہیں قبر پر میت کا نام اور تاریخ وفات لکھنا سنت ہے اور لکھنے کی ممانعت کی حدیث منسوخ ہے جیساکہ حاکم نے فرمایا یہ تمام گفتگو قبر کے تعویذ پر لکھنے میں ہے،اگر قبر کے سرہانے پتھر کھڑا کیا جائے اس پر کچھ لکھا جائے تو بلاکراہت جائز ہے۔

۳؎اسی لیئے فقہاء نے فرمایا کہ قبرستان میں جو قبر پر سے نئے راستے بنالیے جاتے ہیں ان میں نہ چلے نہ ننگے پاؤں،نہ جوتے پہن کر اس میں مسلمانوں کی قبر کی توہین ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر پانی چھڑکا گیاچھڑکنے والے حضرت بلال ابن رباح تھے جنہوں نے مشکیزے سے آپ کی قبر پر چھڑکا سرہانے سے شروع کیا حتی کہ پائنتی تک پہنچ گئے ۱؎بیہقی نے دلائل النبوۃمیں روایت کی۔ |

۱؎معلوم ہوا کہ بعد دفن قبر پر چھڑکاؤ کرنا سنت ہے اگرچہ مٹی بارش کی وجہ سے گیلی ہی کیوں نہ ہو،بعض نے فرمایا خشک مٹی پر چھڑکے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت مطّلب ابن ابی وداعہ سے ۱؎فرماتے ہیں حضرت عثمان ابن مظعون فوت ہوئے ان کا جنازہ لاکر دفن کیا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو پتھرلانے کا حکم دیا وہ اسے اٹھا نہ سکا۲؎تب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر تشریف لے گئے اپنی آستینیں چڑھائیں مطلب کہتے ہیں کہ جس نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واقعہ کی خبر دی وہ کہتے تھے گویا میں اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کہنیاں دیکھ رہا ہوں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھولا پھر پتھر اٹھایا اور اسے قبر کے سرہانے رکھ دیا۳؎اور فرمایا کہ میں اس سے اپنے بھائی کی قبر کا نشان لگاتا ہوں اور انہی کے پاس اپنے فوت ہونے والے گھر والوں کو دفن |

| | |
|---|---|
| | کردوں گا۴؎(ابوداؤد) |

۱؎آپ قریشی ہیں،فتح مکہ کے دن اسلام لائے،ابوداؤد میں مطلب ابن عبداللہ مدنی ہے،وہ مخزومی ہیں،تابعی ہیں۔
۲؎کیونکہ بہت اونچا اور بھاری تھا اور جو کام دوسروں سے نہ ہوسکتا تھا حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے۔
۳؎یاتو قبر سے علیحدہ سرہانے کے پاس کھڑا کردیا یا خود قبر کے سرہانے گاڑھ دیا،دوسرے احتمال کی تائید بخاری شریف کی روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت خارجہ کہتے ہیں ہم میں بڑا بہادر وہ تھا جو قبرعثمانی کو پھلانگ جاتا،یعنی قبر بہت اونچی تھی۔اس سے معلوم ہوا کہ قبر کو پتھر سے پختہ کر سکتے ہیں،ہاں پکی اینٹ چونے گچ وغیرہ سے بچے۔
۴؎حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مظعون کو اپنا بھائی یا تو اس لیئےفرمایا کہ وہ قریشی ہیں اورقومی بھائی ہیں کیونکہ آپ ابن مظعون ابن حبیب ابن وہب ہیں،قرشی جمحی میں یا اس لیئے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ہیں،حضور انورنے ان کے بعد اپنے فرزند ابراہیم کو وہاں ہی دفن کیا،پھر اپنی صاحب زادی زینب کو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت قاسم ابن محمد سے ۱؎فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ کے پاس گیا اورعرض کیا کہ والدہ ماجدہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کی قبر کھول کر دکھایئے۲؎آپ نے میرے سامنے تین قبریں کھولیں جو نہ بہت اونچی تھیں نہ زمین کے برابر جن پر میدان کی سرخ بجری بچھی تھی ۳؎(ابوداؤد) |

۱؎آپ صدیق اکبر کے پوتے ہیں یعنی محمد ابن ابوبکر صدیق کے بیٹے۔
۲؎حجرہ شریف بند رہتا تھا جس میں مہر نبوت کے پہلو میں دو بدر منیر سورہے ہیں اسکی چابی حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس رہتی تھیں جسے زیارت کرنی ہوتی وہ آپ سے حجرہ کھلواکر زیارت کرتا تھا۔اس سے معلوم ہواکہ بزرگوں کی قبر پر مجاور کا رہنا،وہاں قبر کا انتظام کرنا،چابی اپنے پاس رکھنا سب سنت صحابہ ہیں،یہ حدیث بہت سے مسائل کا ماخذ ہے۔
۳؎اس سے معلوم ہو اکہ اول ہی سے آپ کی قبر شریف محض کچی نہیں بلکہ اس پر سرخ بجری بچھی ہوئی تھی تمام دیکھنے والوں نے سرخ بجری ہی کی روایت کی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ پر گئے قبر پر پہنچے تو ابھی تیار نہ ہوئی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روبقبلہ بیٹھے اور ہم آپ کے ساتھ بیٹھے۔(ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)ابن ماجہ نے آخر میں یہ بڑھایا کہ گویا ہمارے سروں پر پرندے تھے ۱؎ |

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ دفن میت سے پہلے بیٹھنا جائز ہے قبلہ رو بیٹھنا ہی ضروری نہیں کیونکہ جو اصحاب کے آپ کے آس پاس بیٹھے تھے وہ قبلہ رو نہ تھے،ہاں اس وقت دنیاوی باتیں کرنا یا کھیل کود میں مشغول ہونا برا ہے یا ذکر اللہ کریں یا خاموش رہ کر موت سے عبرت پکڑیں،اسی خاموشی کو ظاہر کرنے کے لیے فرمارہے ہیں گویا ہم پرندوں کے شکاری کی طرح خاموش اور بے حس و حرکت بیٹھے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کی ہڈیاں توڑنا زندہ کی ہڈیاں توڑنے کی طرح ہے ۱؎(مالک،ابوداؤد،ابن ماجہ) |

۱؎یعنی جیسے وہ حرام ہے ایسے ہی یہ حرام،ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی کہ مؤمن کو بعد موت ایذاء دینا ایسا ہی ہے جیسے اسے زندگی میں ستانا۔یہاں مرقات میں ہے کہ جن چیزوں سے مومن زندگی میں راحت پاتا تھا انہی چیزوں سے بعد موت بھی راحت پاتاہے،لہذا وہاں تلاوت کرنا،خوشبو دار چیزیں رکھنا وغیرہ بہترہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان مردے کا پوسٹ مارٹم کرنا یا اسے مردہ خانہ رکھ کر اس کی کھال اتارنا،اس کے پرزے اڑا دینا،عرصہ تک دفن نہ کرنا سخت ممنوع ہے،ضروریات شرعیہ اس سے مستثنٰی ہیں۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر کے جنازے پر حاضر ہوئے جب وہ دفن کی جارہی تھیں ۱؎اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر پر بیٹھے تھے میں نے آپ کی آنکھوں کو دیکھا کہ آنسو بہارہی تھیں حضور نے فرمایا کیا تم میں کوئی ایسا بھی ہے جس نے آج رات صحبت نہ کی ہو ۲؎ابوطلحہ بولے میں فرمایا تم قبر میں اترو وہ آپ کی قبر میں اترے ۳؎(بخاری) |

۱؎یہ جنازہ حضرت ام کلثوم بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا جو حضرت عثمان کی زوجہ تھیں۔

۲؎یقارف **مقارفۃٌ** سے بنا جس کے معنے ہیں کرنا یا قریب جانا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**وَ مَنۡ یَّقۡتَرِفۡ حَسَنَۃً**"۔جماع کو **قراف** کہتے ہیں۔بعض شارحین نے اس کے یہ معنی کئے ہیں کہ آج رات گناہ نہ کیا ہو مگر یہ غلط ہے،کیا سارے صحابہ راتیں گناہوں میں گزارتے تھے،یہاں بمعنی جماع ہے۔واقعہ یہ ہوا تھا کہ امّ کلثوم بہت عرصہ سے بیمار تھیں حضرت عثمان کو یہ خبر نہ تھی کہ آج ان کی آخری رات ہے اتفاقًا اس رات اپنی لونڈی سے صحبت کر بیٹھے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گزری اشارۃً اس طرح تنبیہ فرمائی،گویا یہ محبوبانہ شکوہ کیا کہ میری بیٹی

اتنی بیمار اور تم نے صبر نہ کیا۔اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے ہر خفیہ اور ظاہری عمل سے خبردار ہیں،دیکھو عثمان غنی کا پردہ کا کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر روشن تھا۔

۳؎یا تو قبر کو اندر سے صاف کرنے کے لئے تب تو حدیث بالکل ظاہر ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں یا میت کو قبر میں رکھنے کے لئے۔تب اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوگا کہ بوقت ضرورت اجنبی نیک شخص میت عورت کو کفن کے اوپر سے ہاتھ لگاسکتا ہے۔شائد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی عذر ہوگا جس کی وجہ سے آپ خود قبر میں نہ اترے ورنہ عورت میت کو بیٹا،والد،بھائی۔خاوند قبر میں اتارے،عثمان غنی سے یہ خدمت نہ لینا اظہار عتاب کے لیئے تھا یا انہیں بھی کوئی عذر ہوگا۔(لمعات)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عمرو ابن عاص سے کہ انہوں نے اپنے فرزند سے بحالت موت فرمایا جب میں مرجاؤں تو میرے ساتھ نہ کوئی نوحہ والی جائے نہ آگ ۱؎جب تم مجھے دفن کرو تو مجھ پر مٹی ڈالنا پھر میری قبر کے اردگرد اس قدر کھڑے رہنا جتنی دیر اونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت بانٹ دیا جائے تاکہ تم سے مجھے اُنس ہو اور جان لو کہ میں رب کے فرشتوں کو کیا جواب دوں ۲؎(مسلم) |

۱؎زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا کہ جنازہ کے ساتھ پیٹنے والی عورتیں بھی جاتی تھیں اور آگ بھی کیونکہ وہ آگ کا احترام کرتے تھے اس لیےآپ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو یہ وصیت کی اور یہ وصیت دوسروں کو سنانے کے لیے تھی،ورنہ ان کے بیٹے عبداللہ خود صحابی ہیں وہ کیسے یہ کام کرسکتے تھے۔سبحان اللہ! کیسے پاکباز لوگ ہیں کہ وفات کے وقت بھی تبلیغ کررہے ہیں۔

۲؎اس وصیت سے تین مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ دفن کے وقت قبر پر مٹی آہستگی سے ڈالی جائے کیونکہ شن آہستہ مٹی ڈالنے کو کہتے ہیں گویا چھڑکنا۔دوسرے یہ کہ بعد دفن قبر کے آس پاس حلقہ باندھ کر کھڑے ہونا سنت ہے۔تیسرے یہ کہ میت حاضرین کو جانتا پہنچانتاہے اور ان کی موجودگی سے اس کی وحشت قبر دور ہوتی ہے،اُنس حاصل ہوتاہے۔چوتھے یہ کہ حاضرین کا میت کو بعد دفن تلقین کرنا،یعنی کلمہ طیبہ یا اذان سناکر اسے سوالات نکیرین کے جوابات بتانا سنت سے ثابت ہے۔آپ کی وصیت کا منشاءیہ ہے کہ بعد دفن قبر کا گھیراڈال کر ذکر اللہ کرنا تاکہ تمہاری موجودگی سے مجھے انس حاصل ہو اور تمہارے ذکر سے نکیرین کو جوابات دینے میں آسانی ہو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سناجب کوئی مرجائے تو اسے روک نہ رکھو اس کی قبر تک جلدی پہنچاؤ ۱؎اس کے سر کے پاس سورۂ بقر کا شروع اور پیروں کے پاس بقر کا آخری رکوع پڑھو۲؎(بیہقی،شعب الایمان)اور |

| | |
|---|---|
| | فرمایا صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث ان پر موقوف ہے۔ |

۱؎ یعنی بلاضرورت اس کے دفن میں دیر نہ لگاؤ کہ اس سے تمہیں بھی تکلیف ہے اورمیت کے پھولنے پھٹنے کا بھی اندیشہ۔اس حکم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سلاطین اسلامیہ علیحدہ ہیں،سلطان کا دفن خلیفہ کے مقرر ہونے کے بعد ہوگا اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دفن وفات سے تیسرے روز ہوا،یہ روکنا ضرورۃً ہے جیسے سلیمان علیہ السلام کا دفن وفات سے سال یا چھ مہینہ کے بعد ہوا تکمیل مسجد کے لیئے۔

۲؎ یعنی بعد دفن قبر کے سرہانے الٓمٓ سے مُفۡلِحُوۡنَ تک اور قبر کی پائنتی اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ سے آخر تک پڑھو کیونکہ جیسے نزع کے وقت سورۂ یٰسین پڑھنے سے جانکنی آسان ہوتی ہے ایسے ہی بعد دفن یہ رکوع پڑھنے سے قبر کی مشکلات حل ہوتی ہیں۔مرقات میں ہے کہ امام احمد ابن حنبل فرماتے ہیں جب بھی قبرستان جاؤ تو قُلۡ ھُوَ اللہُ،فلق اور ناس اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر قبر والوں کو ثواب بخشو اور جب انصار میں کوئی فوت ہوتا تو وہ حضرات عرصہ تک قبر پر آتے جاتے رہتے۔فوائد زنجانی میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قبرستان جائے اور وہاں "اَلۡھٰکُمُ التَّکَاثُرُ"،"قُلۡ ھُوَ اللہُ" اور الحمد پڑھے پھر یہ کہے کہ الٰہی میں نے جو کچھ پڑھا اس کا ثواب ان قبر والے مؤمنوں کو بخشا تو وہ تمام مؤمن قیامت میں اس کی شفاعت کریں گے،نووی نے شرح مہذب میں فرمایا زیارت قبور کرنے والے کو چاہیئے کہ کچھ قرآن پڑھے پھر ان کے لیئے دعا کرے،دوسری جگہ فرمایا کہ قبر کے پاس بیٹھ کر قرآن شریف پڑھنا بہت افضل ہے۔اس جگہ مرقاۃ نے ایصال ثواب کے بہت دلائل دیئے ہیں اور آیت "لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسٰنِ اِلَّا مَا سَعٰی"کو منسوخ فرمایا اور محکم ہونے کی صورت میں اس کی بہت توجیہیں فرمائیں۔خدا شوق دے تو اس جگہ مرقاۃ اور کتاب"جاءالحق"حصہ اول اور "تفسیر نعیمی"پارہ سوم کا ضرور مطالعہ کرو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن ابی ملیکہ سے فرماتے ہیں جب عبدالرحمان ابن ابی بکر نے مقام حبشی میں وفات پائی تو وہ مکہ لاکر دفن کیے گئے ۱؎ جب حضرت عائشہ آئیں تو عبدالرحمان ابن ابی بکر کی قبر پر تشریف لے گئیں اور یہ شعر پڑھے ۲؎ ہم تم دراز زمانہ تک جذیمہ کے وزیروں کی طرح رہے حتی کہ کہا گیا کہ یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے مگر جب بچھڑے تو میں اور مالک اتنا دراز ساتھ رہنے کے باوجود گویا ایک رات بھی ساتھ نہ رہے ۳؎ پھر بولیں رب کی قسم اگر میں موجود ہوتی تو تم وہیں دفن کیے جاتے جہاں تم فوت ہوئے اور اگر میں اس وقت ہوتی تو اب تمہاری زیارت نہ کرتی ۴؎(ترمذی) |

۱؎ابن ابی ملیکہ تابعی ہیں،سیدنا عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں قاضیٔ مکہ تھے اور حضرت عبدالرحمٰن عائشہ صدیقہ کے بھائی ہیں جن کا انتقال مقام حبشی میں ہوا جو مکہ مکرمہ سے ایک منزل دور ہے مگر برکت کے لیےمکہ معظمہ لاکر دفن کئے گئے۔خیال رہے کہ عبدالرحمان حضرت عائشہ کے حقیقی بھائی ہیں جن کی ماں اُم رومان ہیں۔

۲؎یعنی جب آپ حج کو مکہ معظمہ آئیں تو راستہ میں ان کی قبر پر نظر پڑی اتر گئیں اور زیارت قبر کی اور تمیم ابن نویرہ کے مرثیہ کے یہ دو شعر پڑھے جو اس نے اپنے بھائی مالک ابن نویرہ کے قتل ہونے کے بعد لکھے۔مالک عہدصدیقی میں حضرت خالد کے ہاتھوں مارا گیا کیونکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی تھی۔

۳؎جزیمہ عراق کابادشاہ تھا اس کے دو وزیروں کی آپس کی محبت اور ہمیشہ ہمراہی عرب میں کہاوت بن چکی تھی،ان وزیروں کے نام مالک وعقیل تھے جو چالیس سال تک جزیمہ کے ساتھ رہے،انہیں نعمان نے قتل کیاجن کے قتل کا عجیب قصہ مقامات حریری کی شرح میں مذکور ہے۔**حقبہ** دراز مدت کو کہتے ہیں جس کی حد نہ ہو،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لّٰبِثِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَحۡقَابًا"۔

۴؎یعنی اگر میں تمہاری وفات کے وقت تمہارے ساتھ ہوتی تو نہ تمہاری میت کو یہاں آنے دیتی کیونکہ بلاوجہ میت کو منتقل کرنا ٹھیک نہیں۔اس کی بحث پہلے ہوچکی اور نہ اب میں تمہاری قبر کی زیارت کے لیئے اترتی کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو زیارت قبور سے منع فرمایا۔ہم ابھی عرض کرچکے کہ آپ زیارت قبر کے لئے گئی نہ تھیں بلکہ قبر راستہ میں پڑی تھی تو اتر پڑی تھیں۔زیارت قبر کی پوری بحث ان شاءاللہ زیارت قبور کے باب میں آئے گی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابو رافع سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو کھینچا اور ان کی قبر پر پانی چھڑکا ۱؎(ابن ماجہ) |

۱؎یعنی ان کی میت قبر کی پائنتی رکھی اور ادھر سے قبر میں اتارا یا ضرورۃً تھا یا بیان جواز کے لیے،ورنہ بہتر یہ ہے کہ قبر سے قبلہ رخ رکھ کر میت کو اتارا جائے۔اس کی تحقیق پہلے پوری کی جاچکی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازے پرنماز پڑھی پھر قبر پر آئے تو ان پر سر کی طرف سے تین لپ مٹی ڈالی ۱؎(ابن ماجہ) |

۱؎چنانچہ سنت یہ ہے کہ دفن کے وقت قبر پر ہر مسلمان تین لپ مٹی ڈالے،اس کا ذکر بھی پہلے گزر گیا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عمر و ابن حزم سے فرماتے ہیں کہ مجھ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر پر تکیہ لگائے دیکھا تو فرمایا اس قبر والے کو نہ ستاؤ یا اسے مت ستاؤ ۱؎(احمد) |

۱؎ غالبًا آپ قبر سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے جس سے سرکار نے منع فرمایا۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مسلمان کی قبر بھی لائق تعظیم ہے،جب اس سے تکیہ لگانا جائز نہیں تو وہاں اور بدتمیزی کیسے جائز ہوگی،بلکہ بزرگوں کی قبر پر ہاتھ باندھ کر سر جھکا کر کھڑے ہونا چاہیئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو۔(کتب فقہ)دوسرے یہ کہ میت کو باہر کی خبر ہوتی ہے،ان کی بے ادبیوں سے ناراض اور احترام سے خوش ہوتا ہے۔

## باب البکاء علی المیت

### میت پر رونے کا باب ۱؎

### الفصل الاول

### پہلی فصل

۱؎ میت پر آواز سے یا صرف آنسوؤں سے رونا جائز ہے بلکہ مردے کے بعض فضائل بیان کرنا بھی درست ہے جیسے فاطمہ زہرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر روتے ہوئے فرمایا تھا اباجان آپ جنت میں چلے گئے اب وحی آنا بند ہوگئی وغیرہ،ہاں اس پر سریا سینہ کوٹنا،منہ پر تھپڑ لگانا،بال نوچنا،اس کے جھوٹے اوصاف بیان کرنا،ہائے میرے پہاڑ،ہائے کالی گھوڑی کے سوار یہ سب حرام ہے کہ یہ نوحہ میں داخل ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوسیف لوہار کے ہاں گئے ۱؎ جو حضرت ابراہیم کا رضاعی والد تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم کو لیا انہیں چوما اور سونگھا ۲؎ کچھ عرصہ بعد ہم پھر وہاں گئے جب کہ حضرت ابراہیم جان دے رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بہنے لگیں حضرت عبدالرحمان بن عوف نے خدمت عالیہ میں عرض کیا یارسول اللہ آپ بھی ۳؎ تو فرمایا اے ابن عوف یہ تو رحمت ہے پھر دوبارہ آنسو بہائے فرمایا آنکھیں بہتی ہیں،دل غمگیں ہے مگر ہم وہ ہی کریں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو اے ابراہیم تمہاری جدائی سے ہم غمگیں ہیں ۴؎ (مسلم،بخاری) | |

۱؎ آپ کا نام براء اور آپ کی بیوی ام سیف کا نام خولہ بنت منذر،انصار سے ہے جو حضرت ابراہیم کی دودھ کی والدہ ہیں،انہی کے ہاں حضرت ابراہیم رکھے گئے تھے،حضور انہیں کبھی کبھی دیکھنے جایا کرتے تھے،حضرت ابراہیم نے سولہ مہینہ کی عمر میں وفات پائی۔

۲؎ معلوم ہو اکہ بچہ کو گود میں لینا،اسے چومنا سونگھنا سنت ہے رحمت کی علامت ہے۔

۳؎ یعنی آپ بھی بچوں کے فوت ہونے پر روتے ہیں۔وہ سمجھے یہ رونابے صبری کا ہوتا ہے جس سے انبیاء کرام پاک ہیں تب یہ سوال کیا۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ میت پر صرف آنسوں سے رونا بھی جائز ہے اور صبر شکر کے الفاظ کہنا بھی اور میت کو مخاطب کرکے کلام کرنا بھی جائز کہ بچہ زندگی میں اگرچہ کچھ نہ سمجھتا ہو مگر بعد وفات سمجھنے بلکہ بولنے لگتا ہے۔ابھی آئے گا کہ کچا بچہ قیامت میں ماں باپ کی شفاعت بھی کرے گا اور ان سے کلام بھی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر زینب نے حضور کو پیغام بھیجا کہ میرا بچہ فوت ہوگیا تشریف لائیے۱؎ حضور نے سلام وپیغام بھیجا کہ اللہ ہی کا ہے جو دے یا لے اس کے ہاں ہر چیز مدت مقرر پر ہے،صبر وطلب اجر لیں۲؎ انہوں نے پھر پیغام بھیجا آپ کو قسم دیتی تھیں کہ ضرور آئیں۳؎ آپ اٹھے آپ کے ساتھ سعد ابن عبادہ اور معاذ ابن جبل،ابی ابن کعب،زید ابن ثابت کچھ اور لوگ تھے بچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا جو دم توڑ رہا تھا تب حضور کی آنکھیں بہنے لگیں حضرت سعد نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیا ہے فرمایا یہ رحمت ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے دل میں ڈالی ہے اللہ اپنے بندوں میں سے رحم والوں پر ہی رحم کرتا ہے ۴؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ یعنی قبض روح کی حالت میں ہے گویا فوت ہی ہوگیا ہے۔وہ بچہ یا تو علی ابن ابی العاص تھے جو قریب بلوغ فوت ہوئے ہیں یا امامہ بنت ابی العاص،یہی قوی ہے جیساکہ مسند امام احمد میں ہے۔خیال رہے کہ حضرت زینب ابوالعاص ابن ربیع کی بیوی تھیں۔

۲؎ یعنی صبر سے کام لو میں عنقریب پہنچتا ہوں غالبًا سرکار کسی ضروری کام میں مشغول تھے اس سے معلوم ہوا کہ میت کی نزع کی حالت میں بھی پسماندگان کو تسلی دینا تعزیت کرنا جائز ہے۔

۳؎ یعنی کیسا ہی ضروری کام ہو چھوڑ دیں اور تشریف لے آئیں،میں بہت بے قرار ہوں آپ کی تشریف آواری سے تسلی ہوگی۔

۴؎ اطباء کہتے ہیں کہ میت پر بالکل نہ رونے سے سخت بیماری پیدا ہوجاتی ہے،آنسو بہنے سے دل کی گرمی نکل جاتی ہے اس لیئے اس رونے سے ہرگز منع نہ کیا جائے اور ایسے موقع پر رونا نہ آنا سختی دل کی علامت ہے جسے بندوں پر رحم نہیں آتا خدا اس پر رحم نہیں کرتا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ حضرت سعد ابن عبادہ کچھ بیمار ہوئے ۱؎ تو حضور صلی اللہ |

| | |
|---|---|
| علیہ وسلم عبدالرحمان ابن عوف،سعد ابن ابی وقاص اور ابن مسعود کے ساتھ ان کے پاس تشریف لے گئے جب وہاں پہنچے تو انہیں غشی میں پایا پوچھا کیا وفات ہوگئے۲؎ لوگوں نے کہا نہیں یارسول اللہ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روئے جب قوم نے نبی کا رونا دیکھا تو وہ بھی رونے لگے حضور نے فرمایا کیا تم سنتے نہیں کہ اللہ تعالٰی آنکھ کے آنسوؤں دل کے غم سے عذاب نہیں دیتا اپنی زبان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اس سے یہ عذاب دیتا ہے یا رحم کرتا ہے۳؎ اور میت کو گھر والوں کے رونے پر عذاب ہوتا ہے ۴؎(مسلم،بخاری) | |

۱؎ شاید راوی کو بیماری کا پتہ نہ لگا کہ انہیں کیا بیماری تھی۔خیال رہے کہ حضرت سعد اس بیماری میں فوت نہیں ہوئے بلکہ ۱۵ھ؁ عہد فاروقی میں مقام حوراں علاقہ شام میں وفات پائی۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ کو جنات نے قتل کیا۔

۲؎ خیال رہے کہ انبیاء واولیاء کے حالات مختلف ہوتے ہیں کبھی اپنے سے بھی بے خبر ہوجاتے ہیں۔اسی کو شیخ سعدی فرماتے ہیں۔شعر

بگفت احوال مابرق جہاں است  دمے پیدا و دیگر دم نہاں است
گہے برطارم اعلے نشینیم  گہے برپشت پائے خود نہ بینیم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کی موت کے وقت اور جگہ سے خبردار ہیں کہ بدر میں ایک دن پہلے ہی ہر کافر کے قتل کی جگہ اور وقت بتادیا کہ کل یہاں فلاں مرے گا اور آج یہ فرمارہے ہیں۔مرقات نے فرمایا کہ یہ کلام عتابانہ تھا لوگ انہیں گھیرے ہوئے تھے،چادر اوڑھائی ہوئی تھی تو فرمایا کہ کیا یہ فوت ہوگئے ہیں جو تم نے چادر اوڑھادی تب تو مطلب بالکل ظاہر ہے۔

۳؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ رونا انکی موت کے خوف سے نہ تھا بلکہ ان کی تکلیف دیکھ کر رحمت کی بنا پر اور یہ کلام حکیمانہ مبلّغانہ تھا کہ کسی کی بیماری یا موت پر بے صبری یا نوحہ نہ کرنا چاہیئے۔مطلب یہ ہے کہ جو مصیبت پر حمد الٰہی کرتاہے اللہ اس پر رحم کرتا ہے اور جو بکواس بکتا ہے وہ سزا پاتا ہے۔

۴؎ اس کی پوری شرح آگے آئے گی۔یہاں اتنا سمجھ لو کہ میت سے مراد وہ ہے جس کی جان نکل رہی ہو اور عذاب سے مراد تکلیف ہے یعنی اگر جان نکلتے وقت رونے والوں کا شور مچ جائے تو اس شور سے مرنے والے کو تکلیف ہوتی ہے،بلکہ بیمار کے پاس بھی شور نہ کرناچاہیئے کہ اس سے بیمار کو ایذا پہنچتی ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ کسی کا گناہ میت پر کیوں پڑتاہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں | |

| | |
|---|---|
| فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ ہم میں سے نہیں جو منہ پیٹے،گریبان پھاڑے اور جہالت کی باتیں بکے ۱؎(مسلم،بخاری) | |

۱؎یعنی میت وغیرہ پر منہ پیٹنے،کپڑے پھاڑنے،رب تعالٰی کی شکایت،بے صبری کی بکواس کرنے والا ہماری جماعت یا ہمارے طریقے والوں سے نہیں ہے یہ کام حرام ہے،ان کا کرنے والا سخت مجرم ہے۔اس سے روافض عبرت پکڑیں جن کے ہاں سینہ کوبی کرنا اور حرام مرثیے پڑھنا عبادت ہے۔اس حدیث کی تائید قرآن کریم فرمارہا ہے:"وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصٰبَتْہُمۡ مُّصِیۡبَۃٌ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا لِلہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ"۔اسی لیئے شہدائے کربلا،اہلِ بیت اطہار نے تازیست یہ حرکتیں نہ کیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوبردہ سے۱؎فرماتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ بے ہوش ہوئے تو ان کی بیوی ام عبداللہ پرچیخ کر روتی آئیں ۲؎پھر انہیں آرام ہوا تو فرمایا کیا تم جانتی نہیں آپ انہیں حدیث سنایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس سے بیزار ہوں جو سر منڈائے،چیخیں مارے،کپڑے پھاڑے۳؎(مسلم،بخاری)لفظ مسلم کے ہیں۔ | |

۱؎آپ کا نام عامر ابن عبداللہ ابن قیس ہے،تابعین میں سے ہیں اور عبداللہ ابن قیس یعنی ابوموسیٰ اشعری کے فرزند ہیں،حضرت علی کی طرف سے قاضی شریح کے بعد کوفہ کے قاضی رہے،پھر حجاج نے آپ کو معزول کیا۔

۲؎رَنَّہ عربی میں رونے کی کانپتی آواز کو کہتے ہیں۔

۳؎یعنی میں تمہیں ہمیشہ یہ حدیث سناتا رہا تم میرے جیتے جی ہی بھول گئیں۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ عرب میں بھی کسی کی موت پر سر منڈانے کا رواج تھا جیسے ہمارے ہاں ہندو سر،ڈاڑھی اور مونچھیں سب منڈوادیتے ہیں جسے بھدرا کہتے ہیں،مگر مرد منڈاتے ہیں عورتیں نہیں یہ بھی بے حیائی کی علامت ہے۔خیال رہے کہ صحابہ کرام ایسی حالت میں تبلیغ اور اپنے بال بچوں کی اصلاح سے غافل نہیں رہتے تھے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابو مالک اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت میں جہالت کی چار باتیں ہیں جنہیں وہ نہ چھوڑیں گے:قومی فخر،نسب میں طعنے اور تاروں سے بارش مانگنی اور نوحہ ۱؎فرمایا اگر نوحہ والی موت سے پہلے توبہ نہ کرلے تو قیامت میں اس طرح کھڑی ہوگی کہ اس پر رال کا لباس اور جرب | |

| | |
|---|---|
| | کی قمیص ہوگی۲؎(مسلم) |

۱؎اس میں غیبی خبر ہے جو بالکل سچی ہوئی،مسلمانوں میں اب تک عمومًا چاروں عیوب موجود ہیں۔کبھی حسب اور نسب ایک ہی معنی میں آتے ہیں مگر کبھی یوں فرق کردیتے ہیں کہ اماں کی طرف سے رشتوں کا نام حسب ہےاور باپ کی طرف کا نام نسب۔کبھی اس طرح کہ باپ دادوں کے اوصاف شمارکرنا جب کہ ان کی قومیت و ذات بتاتے پھرنا نسب۔کفار کے مقابلہ میں حسب و نسب پر فخرکرنا بھی عبادت ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین میں کفار سے فرمایا اَنَا اِبْنُ عَبْدِالْمُطَّلِب(جانتے ہو میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں)مگر مسلمان کے کسی نسب کو ذلیل جاننا یا انہیں کمین کہنا حرام ہےمسلمان شریف ہیں اگرچہ سیدحضرات حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کی وجہ سے اشرف ہیں مگر انہیں بھی کسی مسلمان کو کمین کہنے کا کوئی حق نہیں،ہاں مسلمانوں کو ان کا احترام کرنا چاہیے۔نسب انبیاء اللہ کی رحمت ہے۔اس کی پوری تحقیق ہماری "کتاب الکلام المقبول فی شرافة نسب الرسول" میں ملاحظہ کیجئے۔تاروں سے اوقات معلوم کرنا اور راستوں و سمتوں کا پتہ لگانا جائز ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ"مگر ان میں بارش وغیرہ کی تاثیریں ماننا اور ان سے غیبی خبریں معلوم کرنا حرام ہے،لہذا علم نجوم باطل ہے علم توقیت حق۔مردے کے سچے اوصاف بیان کرنا ندبہ کہلاتا ہے اوراس کے جھوٹے اوصاف بیان کرکے رونا نوحہ ہے۔ندبہ جائز ہے،نوحہ حرام۔حضرت فاطمۃ الزہرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ندبہ کیا تھا نوحہ نہیں۔

۲؎رال میں آگ جلد لگتی ہے اور سخت گرم بھی ہوتی ہے۔جرب وہ کپڑا ہے جو سخت خارش میں پہنایاجاتا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ نائحہ پر اس دن خارش کا عذاب مسلّط ہوگا کیونکہ وہ نوحہ کرکے لوگوں کے دل مجروح کرتی تھی تو قیامت کے دن اسے خارش سے زخمی کیاجائے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ نوحہ خواہ عملی ہو یا قولی سخت حرام ہے،چونکہ اکثرعورتیں ہی نوحہ کرتی ہیں اس لیے عمومًا نائحہ تانیث کا صیغہ فرمایا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت پر گزرے جو قبر کے پاس رو رہی تھی فرمایا اللہ سے ڈر اور صبرکروہ بولی میرے پاس سے ہٹ جایئے آپ کو میری سی مصیبت نہیں پہنچی اس نے حضورکو پہچانا نہیں ۱؎تو اسے بتایا گیا یہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو وہ حضور کے آستانہ پر آئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کوئی دربان نہ پایا۲؎عرض کیا حضور میں نے آپ کو پہچانا نہیں فرمایا صبرشروع صدمے پر ہی ہوتا ہے ۳؎(مسلم،بخاری) |

۱؎یہ نہ پہچاننا بھی شدت غم سے ہوگا ورنہ وہ تو اہل مدینہ سے تھی،آپ کو تو باہر کے اجنبی لوگ بھی پہچان لیتے تھے،گلی سے گزرتے تو گھروں والے خوشبو کی مہک سے پہچان جاتے،آپ کو تو کنکرپتھر،جن و انس،چاند تارے،سورج

پہچانتے ہیں۔خیال رہے کہ جو کچھ اس نے کہا یہ لفظ کفر تھا کہ ا س میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے،مگر چونکہ غم کی مدہوشی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر پہچانے کہا ہے اس لیے وہ اسلام سے خارج نہ ہوئی۔فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر جانکنی کی شدت میں مرنے والے سے کوئی کفر کی بات سنی جائے تو اسے کافر نہ کہا جائے گا اس کی نماز جنازہ اور دفن ہوگا کیونکہ مدہوشی کا کفر معتبر نہیں،اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۲؎ آئی معافی مانگنے،اس خیال میں تھی کہ شہنشاہ کونین کا آستانہ ہے،دروازۂ عالیہ پر بہت دربان ہوں گے نہ معلوم میں وہاں پہنچ سکوں یا نہیں اور معذرت کرسکوں یا نہیں،یا تو کہیں باہر کی تھی یا یہ خیال بھی اس غم کی مدہوشی میں تھا ورنہ مدینہ کی عورتیں آستانہ پاک پر حاضر ہوتی رہتی تھیں۔

۳؎ یعنی شروع صدمہ پر دل میں جوش ہوتاہے،اس وقت اس جوش کو روکنا بڑے بہادروں کا کام ہے۔صبر سے مراد کامل صبر ہے جس پر بہت ثواب ملے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بی بی کو نہ اپنی بے ادبی سے توبہ کرائی اور نہ گزشتہ رونے پیٹنے سے کیونکہ وہ معذور تھی بلکہ آئندہ کے لیے نصیحت فرمادی۔قبر پر جاکر رونا منع نہیں وہاں پیٹنا منع ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی مسلمان نہیں جس کے تین بچے مرجائیں پھر وہ آگ میں جائے مگر قسم پوری کرنے کو ۱؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ قسم سے مراد رب کا وہ فرمان ہے:"وَاِنْ مِّنۡکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا"ہر ایک کو دوزخ میں وارد ہونا ہے کیونکہ محشر سے جاتے ہوئے جنت کے راستہ میں دوزخ پڑتی ہے یعنی ایسا صابر دوزخ سے گزرے گا تو ضرور مگر صرف اس قسم کو پورا کرنے نہ کہ عذاب پانے کے لیے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری عورتوں سے فرمایا کہ جس ماں کے تین بچے مرجائیں وہ صبر کرے وہ جنت میں ضرور جائے گی ۱؎ ان سے ایک بی بی بولی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا دو فرمایا دو ۲؎(مسلم)اور مسلم،بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ تین وہ بچے جو بلوغ کو نہ پہنچے ہوں ۳؎ |

۱؎ ایسے موقعوں پر اکثر عورتوں سے خطاب ہوتا ہے کیونکہ ماں کو بچے سے محبت زیادہ ہوتی ہے اور صبر کم،نیز ان میں رونے پیٹنے اور نوحہ کی عادت زیادہ ہے۔

۲؎اس سوال و جواب سے معلوم ہورہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی رحمتوں کے بااختیار تقسیم فرمانے والے ہیں۔اگر آپ فرمادیتے کہ نہیں تین پر ہی تو تین ہی پر یہ اجر ہواکرتا جیسے باب الحج میں حدیث آئے گی کہ اگر ہم فرمادیتے کہ ہر سال حج فرض ہے تو ہر سال ہی فرض ہوجاتا۔

۳؎حنث کے معنی ہیں گناہ اسی لیے قسم توڑنے کو حنث کہتے ہیں کہ وہ گناہ ہے،چونکہ بالغ ہونے پر انسان گناہ کے قابل ہوتاہے اس لیئے بلوغ کو حنث کہا جاتاہے۔خیال رہے کہ جوان اولاد کے مرنے اور صبر کرنے پر بھی بڑا اجر ہے مگر چھوٹے بچوں پر بھی صبر کرنے کا بڑا اجر ہے اور ان کی شفاعت بھی کیونکہ ان کا زخم سخت ہے خصوصًا شیر خوار بچے کی ماں کو جب اس کے پستان میں دودھ زور کرتا ہے اور پینے والا بچہ نہیں ہوتا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے انہی سے فرماتے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتاہے کہ جب میں بندہ مؤمن کی دنیا کی پیاری چیز لے لوں پھر وہ صبر کرے تو اس کی جزاء جنت کے سوا کچھ نہیں ۱؎(بخاری) | |

۱؎یہ حدیث ہر پیاری چیز کو عام ہے ماں باپ،بیوی اولاد حتی کہ فوت شدہ تندرستی وغیرہ جس پر بھی صبر کرے گا ان شاءاللہ جنت پائے گا لہٰذا یہ حدیث بڑی بشارت کی ہے۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور سننے والی پر لعنت فرمائی ۱؎(ابوداؤد) | |

۱؎سننے والی سے وہ عورت مراد ہے جو نوحہ سے راضی ہوکر کان لگاکر سنے جیسے غیبت کرنا اور خوشی سے سننا دونوں گناہ ہیں،ایسے ہی نوحہ کرنا اور سننا سب گناہ۔خیال رہے کہ اپنے گناہوں پر نوحہ کرنا عین عبادت ہے۔حضرت نوح علیہ السلام خوف خدا میں اتنا روتے تھے کہ آپ کا لقب ہی نوح ہوگیا،ورنہ آپ کا نام یَشْکُرْ ہے۔اس نوحہ کی حقیقت یہ ہے کہ انسان بالکل بے گناہ ہو پھر اپنے کو گناہ گار کہے اور روئے یہ جھوٹ بھی عبادت ہے۔رب تعالٰی حضرت صدیق اکبر کو کہیں اَتْقٰیْ فرماتا ہے اور کہیں اُولُو الْفَضْلِ مگر وہ خود سرکار یہ کہہ کر روتے ہیں الٰہی میرا کیا بنے گا میرے پاس کوئی نیکی نہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجیب ہے مؤمن کے لیے اگر اسے بھلائی پہنچے تو اللہ کی حمد اور شکر کرے اور | |

| | |
|---|---|
| | اگر مصیبت پہنچے تو اللہ کی حمد اور صبر کرے ۱؎ مؤمن کو ہر چیز میں ثواب ملتا ہے حتی کہ لقمہ میں بھی جو اپنی بیوی کے منہ تک پہنچاتا ہے ۲؎ (بیہقی، شعب الایمان) ۳؎ |

۱؎ اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ ایمان نصف اس کا صبر ہے اور نصف دیگر شکر، رب فرماتا ہے: "لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ"۔ شکر کو صبر پر اس لیئے مقدم کیا کہ خدا کی طرف سے نعمتیں زیادہ ہیں تکلیفیں کم لہذا شکر کے موقع بہت ہیں ورنہ صبر شکر سے افضل ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ صبر تین قسم کا ہے: نیکی پر صبر، گناہ سے صبر اور مصیبت میں صبر۔

۲؎ یعنی اسے کماکر کھلاتا ہے جب کہ ادائے سنت کی نیت سے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ نیت خیر سے مباح کام ثواب ہوجاتے ہیں اور عادات عبادات بن جاتی ہیں، عالِم کا سونا بھی عبادت ہے۔

۳؎ یہاں مرقات نے فرمایا اس کی اسناد میں عمرو ابن سعد ہے۔ یہ ثقہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ قتل حسین میں شمر کا ساتھی تھا لہذا حدیث سخت ضعیف ہے مگر چونکہ فضائل میں ہے اس لیئے قابل رد نہیں اسی لیے دیکھا گیا ہے کہ مسلم بخاری کی بعض اسنادوں میں کہیں کہیں رافضی اور خارجی بھی آگئے ہیں۔ (مرقاۃ)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مؤمن کے دو دروازے ہیں ایک دروازہ وہ جس سے اس کے عمل چڑھتے ہیں دوسرا وہ جس سے اس کی روزی اترتی ہے، جب مؤمن مرجاتا ہے تو یہ دونوں اس پر روتے ہیں یہ ہی رب کا فرمان ہے کہ کفار پر آسمان و زمین نہیں روتے ہوتے ۱؎ (ترمذی) |

۱؎ اندازہ لگاؤ کہ آسمان میں کتنے دروازے ہوں گے کہ سارے انسانوں میں سے ہر ایک کے لیئے دو دروازے ہیں: روزی آنے کا اور نیک اعمال جانے کا مگر کافر کا اعمال والا دروازہ بند رہتاہے کہ اس کی کوئی نیکی قبول نہیں اور مؤمن کی نیکیاں اس دروازے سے جاتی ہیں اور علیین میں لکھی جاتی ہیں، مؤمن کے مرنے پر یہ دروازے روتے ہیں اور کافر کے مرنے پر خوش ہوتے ہیں، یہ حدیث بالکل اپنے ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں، ہر چیز میں احساس ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت میں سے جس کے دو بچے فوت ہوں گے اللہ اسے اس کی برکت سے جنت میں داخل کرے گا تو حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ جس امتی کا ایک ہی فرط (پیشرو) ہوں ۱؎ انہیں میری |

| | |
|---|---|
| | جیسی مصیبت نہ پہنچے گی۲؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ |

۱؎ فوت شدہ چھوٹے بچوں کو فرط اس لیئے فرمایا کہ وہ اپنے صابر ماں باپ کو جنت پہنچائے گا،نیز وہ آگے پہنچ کر اس کے اجر کا باعث بنتا ہے۔فرط کے معنی پہلے ہوچکے وہ پیش رو جماعت جو منزل پر قافلہ سے آگے پہنچے اور تمام چیزوں کا انتظام کرے۔اس حدیث کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ایسے صابر کا فرط میں نہیں صرف بچے ہی ہیں،بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسے صابر کا فرط بچے بھی ہیں میں بھی اور دوسروں کا فرط میں ہی ہوں۔سبحان اللّٰه!کیسی امید افزاء حدیث ہے۔

۲؎ یعنی میری امت کے لیئے جیسی مصیبت اور تکلیف کا باعث میری وفات ہے ایسی انہیں کوئی مصیبت نہیں اور یہ حقیقت بھی ہے جن لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات دیکھی ان پر جو مصیبت پڑی وہ تو وہی جان سکتے ہیں۔آج جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم یاد آتے ہیں تو عاشقوں کے کلیجے پھٹ جاتے ہیں۔مدینہ منورہ سے چلتے وقت زائرین کا جو حال ہوتا ہے وہ نہ پوچھو،مدینہ کے درو دیوار کا فراق ستاتاہے۔میں نے مسجد نبوی شریف کی چوکھٹ سے لپٹ کر لوگوں کو روتے دیکھا ہے۔

بدن سے جان نکلتی ہے آہ سینہ سے تیرے فدائی نکلتے ہیں جب مدینہ سے

فقیر نے تیسرے حج پر رخصت کے وقت مدینہ کے درو دیوار سے عرض کیا تھا۔

اے در و دیوار شہرِ مصطفیٰ قافلہ اب ہے ہمارا جا رہا

ہے یقین دل کو بہت تڑپائے گی یاد تیری جس گھڑی بھی آئے گی

غرض یہ حدیث بالکل حق اور صحیح ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فراق ساری امت کے لیئے مصیبت عظمیٰ ہے۔یہ قصیدہ وداعیہ فقیر کی کتاب "دیوان سالک"میں دیکھئے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کسی بندے کا بچہ مرجاتا ہے تو اللہ تعالٰی فرشتوں سے فرماتا ہے کیا تم نے میرے بندے کے بچے کو وفات دے دی وہ کہتے ہیں ہاں تو کہتا ہے تم نے اس کے دل کا پھل توڑ لیا تو عرض کرتے ہیں ہاں فرماتا ہے میرے بندے نے کیا کہا عرض کرتے ہیں تیری حمد کی اور اِنَّالِلّٰہ پڑھی،رب فرماتا ہے میرے بندے کے لیے جنت میں گھر بناؤ اور گھر کا نام بیت الحمد رکھو۱؎(احمد،ترمذی) |

۱؎ یہ سوال و جواب ان فرشتوں سے ہے جو میت کی روح بارگاہِ الٰہی میں لے جاتے ہیں اس سے مقصود ہے انہیں گواہ بنانا ورنہ رب تعالٰی علیم و خبیر ہے۔خیال رہے کہ جنت میں بعض محل رب کی طرف سے پہلے ہی بن چکے ہیں

اور بعض انسان کے اعمال پر بنتے ہیں،یہاں اس دوسرے محل کا ذکر ہے جیسے یہاں مکانوں کے نام کاموں سے ہوتے ہیں ویسے ہی وہاں محلات کے نام اعمال سے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کسی مصیبت زدہ کو تسلی دے اس جیسا ثواب ملے گا ۱؎ (ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے جسے ہم صرف علی ابن عاصم راوی کی حدیث ہی سے مرفوع پہنچانتے ہیں اور بعض محدثین نے یہ حدیث اسی اسناد سے محمد ابن سوقہ سے موقوفًا روایت کی۔ |

۱؎ کیونکہ بھلائی کی رہبری کرنے والے کو بھی بھلائی کا ثواب ہے۔تعزیت کے ایسے پیارے الفاظ ہونے چاہئیں جس سے اس غمزدہ کی تسلی ہوجائے یہ الفاظ بھی کتب فقہ میں منقول ہیں۔فقیر کا تجربہ ہے کہ اگر اس موقعہ پر غمزدوں کو واقعات کربلایاد دلائے جائیں اور کہا جائے کہ ہم لوگ تو کھاپی کر مرتے ہیں وہ شاہزادے تو تین دن کے روزہ دار شہید ہوئے تو بہت تسلی ہوتی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابی برزہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فوت شدہ بچے کی ماں کو تسلی دے اسے جنت میں چادر اوڑھائی جائے گی ۱؎ (ترمذی)اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔ |

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ تمام تعزیتیں ہی بہتر ہیں مگر بچے کی فوتیدگی پر ماں کو تسلی دینا بہت ثواب ہے۔چادر سے مراد جنت کا نہایت اعلٰی اور وسیع جوڑا ہے جو اس جنتی کو تعزیت کے عوض دیا جائے گاجو تمام جوڑوں سے ممتاز ہوگا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن جعفر سے فرماتے ہیں کہ جب حضرت جعفر کی موت کی خبر آئی ۱؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جعفر کے گھر والو ں کے لیئے کھانا پکاؤ ۲؎ کہ ان کے پاس وہ خبر آئی ہے جو کھانے سے باز رکھے گی ۳؎ (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ) |

۱؎ حضرت جعفر ابوطالب کے فرزند علی مرتضٰی کے بھائی ہیں،آپ کی شہادت ۸ھ؁ غزوہ موتہ میں ہوئی،موتہ تبوک کے پاس ایک جگہ ہے۔

۲؎ آپ نے کھانا پکانے کا حکم اپنے اہل بیت کو دیا۔اس کھانے کو جو اہل میت کے لیئے پکایا جائے عربی میں **وُضَعَہ** کہتے ہیں،اردو میں بھتی،پنجابی،میں کوڑاوٹہ۔یہ کھانا بھیجنا سنت ہے بلکہ چاہیئے کہ خود کھانا پکانے والا میت کے گھر

کھانا لے جائے اور خود بھی ان کے ہمراہ ہی کھائے،انہیں ساتھ کھانے پر مجبور کرے۔صرف پہلے دن کھانا بھیجا جائے جس دن فوت ہویا فوت کی خبر آئے بعد میں نہ بھیجے،تین دن کا جو رواج ہے یہ غلط ہے۔
۳؎یعنی جعفر کے گھر والے آج غم کی وجہ سے کھانا پکا نہ سکیں گے اگر کوئی کھانا نہ لے گیا تو وہ بھوکے رہیں گے۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ کھانا یا وہ لوگ کھائیں جو غم کی وجہ سے پکا نہ سکیں یا باہر کے مہمان جو شرکت دفن کے لیئے آئے ہیں،عام برداری والوں کی دعوت اس وقت ممنوع ہے۔حضرت جریر ابن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ صحابہ میت کے ہاں دعوت کو نوحہ شمار کرتے تھے۔اسی کو فقہاء منع فرماتے ہیں یعنی تین دن تک تمام محلّہ و برادری والوں اورمیت والوں کے لیئے کھانا بھیجنا اور پھر تیسرے دن خود میت کے ہاں برداری کی روٹی ہونا،دھوم دھام سے اسے کھانا یہ دونوں کام سخت منع ہیں خصوصًا جب کہ میت کے یتیم بچے بھی ہوں اور میت کے متروکہ مال سے یہ روٹی کی جائے تو اس کا کھانا اور کھلانا سخت حرام ہے کہ یتیم کا مال کھانا حرام ہے۔غرضکہ اہلِ میت کی رسمی دعوت ممنوع ہے اور یہ کھانا جائز ہے۔اس کی تحقیق ہماری کتاب "اسلامی زندگی" میں ملاحظہ کیجئے۔

## الفصل الثالث

## تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوفرماتے سنا کہ جس پر نوحہ کیا جائے اسے قیامت کے دن نوحہ کی وجہ سے عذاب ہوگا ۱؎(مسلم،بخاری) |

۱؎یعنی میت پر نوحہ کرنا پیٹنے کی وجہ سے قیامت میں میت کو بھی عذاب ہوگا جیسے خود نوحہ کرنے والوں کو ہوگا۔یہ اس صورت میں ہے کہ میت نوحہ اور پیٹنے کی وصیت کر گیا ہو یا اس سے راضی ہو جیسے زمانۂ جاہلیت میں مرنے والے وصیت کرتے تھے کہ مجھ پر ایسا نوحہ کرنا کہ نام ہوجائے،اس زمانہ میں نوحہ پر بھی فخر ہوتا تھا لہٰذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں کہ امام حسین ا ور دیگر شہداءکربلا کو بھی عذاب ہو کہ ان پر رافضی بہت نوحہ اورکوٹاپیٹی کرتے ہیں کیونکہ ان سرکاروں نے نہ اس کی وصیت کی نہ اس سے راضی ہوئے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عمرہ بنت عبدالرحمان سے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ کو سنا ان سے ذکر کیا گیا کہ عبداللہ ابن عمرو فرماتے ہیں کہ زندوں کے رونے کی وجہ سے میت کو عذاب ہوتاہے فرمانے لگیں اللہ ابو عبدالرحمان کو بخشے انہوں نے جھوٹ نہ بولالیکن وہ بھول گئے یا خطا کر گئے ۱؎نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودیہ |

| | |
|---|---|
| | پر گزرے جس پر رویا جارہا تھا تو فرمایا یہ اس پر رو رہے ہیں اور اسے قبر میں عذاب ہورہا ہے ۲؎(مسلم،بخاری) |

۱؎یعنی یا تو وہ حدیث کے خاص موقعہ کو بھول گئے یا خاص حدیث کو عام سمجھ کر خطا کر گئے۔کسی چیز کو بالکل بھول جانا نسیان ہے اور اس کے وصف کو بھول کر اس میں فرق کردینا خطا ہے۔

۲؎یعنی اس مُردہ یہودیہ کو اس کے کفر کی وجہ سے یا زندوں کے رونے کی وجہ سے عذاب قبر ہورہا ہے۔حضرت ام المؤمنین کے فرمان کا منشاء یہ ہے کہ نوحہ سے مسلمان میت کو عذاب نہیں ہوتا بلکہ کفار کو ہوتا ہے،حضرت ابن عمر نے اسی کو عام سمجھ لیا یا یہ مطلب ہے وہاں عذاب تو کفر کی وجہ سے ہورہا تھا حضرت ابن عمر رونے کی وجہ سے سمجھ گئے لہذا ان سے بھول ہوئی یا خطاء۔خیال رہے کہ یہ حضرت ام المؤمنین کا اجتہادہے ورنہ نوحہ کے عذاب کے متعلق عام حدیثیں بھی آئی ہیں جو آپ تک نہ پہنچیں۔اس مسئلے کے متعلق تحقیق وہ ہی ہے جو ہم عرض کرچکے کہ اگر میت اس رونے پیٹنے کی وصیت کرگیا ہو تو عذاب پائیگا یا یہ مطلب ہے کہ مرنے والے کو مرتے وقت یا مرنے کے بعد اس شوروپکار سے تکلیف ہوتی ہے جیسے اسے تلاوت قرآن وغیرہ سے راحت حاصل ہوتی ہے کیونکہ میت کی روح کو موذی چیزوں سے ایذا اور آرام دہ چیزوں سے راحت ہوتی ہے اسی لیئے قبر پر چلنے،اس کا تکیہ لگانے سے میت کو ایذاء ہوتی ہے اس کے لیئے مرقات یہ ہی مقام دیکھو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی ملیکہ سے فرماتے ہیں کہ عثمان ابن عفان کی بیٹی مکہ میں فوت ہوئیں ۱؎تو ہم جنازہ میں شرکت کے لیئے آئے وہاں ابن عمر اور ابن عباس بھی تھے میں ان دونوں بزرگوں کے درمیان بیٹھا تھا ۲؎تو عبداللہ ابن عمر نے ابن عثمان سے جو ان کے سامنے تھے فرمایا کیا تم رونے سے منع نہیں کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میت کو اس کے گھر والوں کے اس پر رونے کی وجہ سے عذاب ہوتاہے۳؎ حضرت ابن عباس بولے کہ جناب عمر بھی کچھ ایسا ہی کہتے تھے پھر آپ نے قصہ سنایا فرمایا کہ میں حضرت عمر کے ساتھ مکہ سے لوٹا حتی کہ جب ہم مقام بیداء میں تھے۴؎تو ایک خاردار درخت کے سائے کے نیچے ایک قافلہ تھا نظر پڑی آپ نے فرمایا جاؤ دیکھو یہ سوار کون ہے میں نے دیکھا تو حضرت صہیب تھے فرماتے ہیں میں نے آپ کو خبر دی فرمایا انہیں بلالو ۵؎میں حضرت صہیب کے پاس لوٹ گیا میں نے کہا چلو امیر المؤمنین کے ساتھ مل |

| | |
|---|---|
| | جاؤ پھر جب حضرت عمر شہید کیے گئے تو ۶؎ صہیب روتے ہوئے آئے کہتے تھے ہائے میرے بھائی ہائے میرے ساتھی جناب عمر نے فرمایا اے صہیب کیا تم مجھ پر روتے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیاجاتاہے ۷؎ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب عمر فاروق نے وفات پائی تو میں نے حضرت عائشہ سے اس کا ذکر کیا آپ بولیں اللہ عمر پر رحم کرے رب کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب دیاجاتاہے لیکن اللہ کافر کا عذاب اس کے اہل کے رونے سے بڑھا دیتا ہے ۸؎ حضرت عائشہ نے فرمایا تمہیں قرآن کافی ہے کہ کوئی بوجھل جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی ۹؎ اس وقت حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اللہ ہنساتارولاتا ہے ۱۰؎ ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے کچھ نہ فرمایا ۱۱؎ (مسلم،بخاری) |

۱؎ ہم "**باب الجمعہ**"میں عرض کرچکے ہیں کہ حضرت عثمان غنی نے اپنا ایک گھر مکہ معظّمہ میں رکھا تھا جہاں ایک بیوی صاحبہ رہتی تھیں غالبًا یہ ان کی بیٹی تھی۔

۲؎ یعنی مجھے ان بزرگوں سے بہت قرب تھا لہذا میں نے جو کچھ ان سے سنا وہ ٹھیک سنا کیونکہ ان سے دور نہ تھا۔

۳؎ لہذا اس رونے سے تمہاری ہمشیرہ کی روح کو عذاب ہوگا۔خیال رہے کہ حضرت ابن عمر نے رونے اور نوحہ میں فرق نہ کیا،نیز مؤمن و کافر میں فرق نہ کیا۔

۴؎ حضرت عمر حج کے لیئے مکہ مکرمہ گئے،میں واپسی میں آپ کے ہمراہ تھا جب ہم مقام بیداء میں جو ذوالحلیفہ سے متصل ہے پہنچے تو یہ واقعہ ہوا۔

۵؎ تاکہ ہم اور صہیب ساتھ ساتھ مدینہ منورہ چلیں،حضرت عمر کو جناب صہیب سے بہت محبت تھی۔

۶؎ یعنی زخمی کئے گئے جس سے آپ کی شہادت واقع ہوئی،آپ کو اواخر ذی الحجہ میں محراب النبی میں بحالت نماز فجر ابولولو یہودی نے خنجر سے زخمی کیا اسی حال میں آپ گھر لائے گئے،تب یہ واقعہ پیش آیا۔

۷؎ یعنی میں قریب وفات ہوں اورتم مجھ پر رو رہے ہو اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے ڈرتا ہوں کہ اس کی زد میں نہ آجاؤں،یہ حضرت عمر کا انتہائی تقویٰ تھاورنہ حدیث پاک میں بعد وفات رونے یا نوحہ کا ذکر ہے۔خیال رہے کہ حضرت صہیب کا یہ کہنا نوحہ نہیں کہ نوحہ یہ ہے کہ میت میں ایسے اوصاف بیان کیئے

جائیں جو اس میں نہ ہوں اور بے صبری کے الفاظ بولے جائیں۔بھائی ساتھی یہ الفاظ نوحہ کے ہوسکتے ہی نہیں لہذا حضرت صہیب پر یہ اعتراض نہیں کہ آپ نے نوحہ کیوں کیا،دیکھو حضرت فاطمہ زہرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اس قسم کے بہت سے الفاظ فرمائے مگر وہ سب درست تھے جیسا کہ ہم پہلے عرض کرچکے۔

۸؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہی نہیں ہے،بلکہ واقعہ یہ ہے ام المؤمنین کا یہ فرمانا اسی لیئے ہے کہ آپ کو یہ حدیث پہنچی نہیں۔

۹؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیسے فرماتے،یہ فرمان تو قرآنی آیت کے خلاف ہے،مگر حق یہ ہے کہ آیت میں عذاب اخروی کی نفی ہے اور حدیث میں پریشانی دل کا ذکر ہے اور لہذا حدیث قرآن کریم کے خلاف نہیں۔

۱۰؎ حضرت ابن عباس نے اس آیت سے حضرت عائشہ صدیقہ کی تائید کی یعنی آیت سے معلوم ہورہا ہے ہنسانا رولانا رب کا ہے۔آنکھ کے آنسو،دل کا صدمہ بندے کے قبضے میں نہیں تو اس پر عذاب کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ وہ اختیاری گناہ پرہوتا ہے آنسو نہ گناہ ہیں نہ اختیاری ہیں،نیز رب نے بعض صورتوں میں رونے کی اجازت دی ہے تو ہر رونا گناہ کیسے ہوگا۔بہرحال آیت سے مسئلہ عائشہ صدیقہ کی تائید مقصود ہے۔

۱۱؎ یعنی حضرت ابن عمر نے حضرت ابن عباس کی نہ تائید کی نہ تردید مناظرہ بندکردیا۔معلوم ہوتاہے ابن عمر اپنے اجتہاد پر قائم رہے مگر حضرت ابن عباس کی مخالفت نہ کی۔اس سے معلوم ہوا کہ مجتہد دوسرے مجتہد کی خطا پکڑ سکتا ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ مجتہد پر دوسرے مجتہد کی ہر دلیل مان لینا بھی ضروری نہیں اور جواب دینا بھی لازمی نہیں،اس سے اجتہادو تقلید کے بہت مسائل ہوسکتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن حارثہ جعفر اور ابن رواحہ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ بیٹھے کہ آپ میں رنج وغم محسوس ہوتا تھا۱؎ میں دروازے کے جھیرے یعنی دروازے کے شگاف سے دیکھ رہی تھی کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا بولا کہ جعفر کی عورتیں اور ان کے بہت رونے کا ذکر کیا آپ نے اسے حکم دیا کہ انہیں منع کرے ۲؎ وہ گیا پھر دوبارہ آیا کہ انہوں نے اس کی بات نہ مانی فرمایا انہیں منع کرووہ تیسری بارآیا بولا یارسول اللہ رب کی قسم وہ ہم پر غالب آگئیں مجھے خیال ہے آپ نے فرمایا تو ان کے منہ میں خاک ڈالو۳؎ میں بولی خدا تیری ناک رگڑ دے تو وہ تو کرے گا نہیں جس کا تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا مگر تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج دیئے بغیر نہ چھوڑا ۴؎(مسلم،بخاری) |

۱؎ آپ اس موقع پر مسجد نبوی میں بیٹھے تھے،چہرے پر ملال و غم کے آثار نمایاں تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ تعزیت کے لیئے بیٹھنا سنت ہے اور مسجد میں بیٹھنا بھی جائز ہے۔تعزیت کی حد تین دن ہے کسی کی موت ہوجانے پر میت والے تین دن تک چٹائی بچھاکر بیٹھتے ہیں لوگ تعزیت اور فاتحہ پڑھنے جاتے ہیں اس کی اصل یہ حدیث بھی ہے۔

۲؎ چیخ کر رونے سے منع کرے نہ کہ آنسو بہانے سے،مگر امر استحبابی تھا یعنی چونکہ اس رونے میں نوحہ پیدا ہوجانے کا اندیشہ ہے اس لیئے اس سے انہیں روکے،وہ بیبیاں نوحہ نہ کررہی تھیں لہذا کوئی اعتراض نہیں۔

۳؎ یعنی اگر تو کرسکتا ہے تو ان کے منہ میں خاک ڈال آتاکہ وہ رو نہ سکیں یا یہ مطلب ہے کہ خاک ڈال،خاموش ہوجا،اپنا کام کر،دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔مطلب یہ ہے کہ زور سے رونا گناہ کبیرہ تو ہے نہیں صرف گناہ صغیرہ ہے اور صدمہ نیا ہے تیرے منع کرنے کو انہوں نے سنا بھی نہ ہوگا لہذا جانے دے خاک ڈال۔

۴؎ یعنی اے شخص!تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے ظاہری معنے پر عمل نہ کرسکے گا اور وہاں جاکر ان کے منہ میں خاک نہ ڈال سکے گا مگر تو نے ان بیبیوں کی بار بار شکایت کرکے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پر صدمہ پہنچایا۔معلوم ہوا کہ ایسے صدمہ و غم کے وقت بزرگوں کی پریشانی بڑھانا نہ چاہیئے،معمولی باتوں کا یا تو خود ہی انتظام کردے یا خاموش ہوجائے ہر شکایت شاہوں کو نہ پہنچائے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ جب ابوسلمہ فوت ہوئے تو میں بولی کہ مسافر تھے اور جو اجنبی زمین میں فوت ہوئے تو ان پر ایسا روؤں گی کہ اس کا چرچا ہوجائے ۱؎ میں ان پر رونے کی تیاری کررہی تھی کہ ایک عورت میری امداد کے ارادے سے آئی ۲؎ اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا کیا تم چاہتی ہوکہ شیطان کو اس گھر میں داخل کردو جہاں سے اللہ نے اسے دو مرتبہ نکالا ۳؎ میں رونے سے باز رہی پھر نہ روئی ۴؎ (مسلم) |

۱؎ اسلام سے پہلے عرب میں میت پر رونے پیٹنے کا عام رواج تھا اور اس پر فخر کیاجاتا تھا کہ ہمارے فلاں میت پر بہت رویا پیٹا گیا اسی عادت کے مطابق آپ نے یہ ارادہ کیا ابو سلمہ مکی تھے مدینہ منورہ میں آپ کا کوئی عزیز و رشتہ دار نہ تھا سفر کی موت بہت حسرت کی ہوتی ہے سمجھا جاتا ہے کہ مسافر کی قبر پر کوئی فاتحہ بھی نہ پڑھے گا اس لیئے آپ کو بہت صدمہ ہوا۔

۲؎ اس زمانہ میں نوحہ اور پیٹنے کا بھی قرض ہوتا تھا اگر ایک عورت دوسرے کے ہاں موت پر پیٹ آتی تھی تو یہ اس کے ہاں موت کے وقت پیٹنے ضرور جاتی تھی جیسے آج بیاہ شادی میں نیوتہ قرض مانا جاتاہے ایسے ہی وہاں نوحہ اور رونا پیٹنا بھی قرض ہوتا تھا۔وہ بیوی شاید زمانۂ جاہلیت میں حضرت ام سلمہ کی مقروض تھی۔

۳؎ یا تو دو مرتبہ سے مراد ہے بار بار،جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ"یا دوسری مرتبہ ہی مراد ہے ایک بار حضرت ابو سلمہ کے اسلام لاتے وقت اور دوسری بار آپ کے ہجرت کرتے وقت یا ایک بار سے مراد ہے حبشہ کی طرف ہجرت کرنا اور دوسری سے مراد مدینہ پاک کی طرف ہجرت کیونکہ حضرت ابوسلمہ صاحب ہجرتین ہیں،شیطان کے نکالنے سے اس کے اثر کا دُورکرنا مرادہے ورنہ خود شیطان تو مکھی کی طرح ہر جگہ پہنچا ہی رہتاہےیعنی جس گھر سے بار بار شیطانی اثر دور ہوتا رہا اب اس میں شیطانی کام کرکے اس اثرکو کیوں پھیلاتی ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ گناہ ہر جگہ ہی گناہ ہے مگر بزرگوں کے مکان اور مقدس جگہوں میں زیادہ برا۔

۴؎ یعنی یہ فرمان عالی سن کر میں نوحہ اور پیٹنے سے باز رہی۔یہاں رونے سے مراد پیٹنا اورنوحہ ہے نہ کہ آنسوؤں سے رونا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن رواحہ پرغشی چھاگئی تو ان کی بہن عمرہ رونے لگیں کہ ہائے میرے پہاڑہائے میرے ایسے ہائے میرے ویسے ان کی خوبیاں گن گن کر،جب انہیں افاقہ ہوا تو فرمایا کہ تم نے کچھ نہ کہا مگر مجھ سے کہا گیاکیاتم ایسے ہی ہو ۱؎ ایک روایت میں زیادہ کیا تو جب وہ فوت ہوئے تو ان کی بہن ان پر نہ روئیں۔(بخاری) |

۱؎ یعنی تم یہ کہہ کر پیٹتی تھیں اور فرشتہ مجھ سے یہ پوچھتا تھا۔خیال رہے کہ یہاں فرشتے کا یہ پوچھنا آپ پر عتاب کے لیئے نہ تھا کیونکہ آپ تو نوحہ سے راضی تھے ہی نہیں اور نہ آپ نے اس کا حکم دیا تھا۔منشاء صرف یہ تھا کہ آپ ہوش میں آکر اپنی بہن کو فرشتہ کا یہ سوال سنائیں جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی تصدیق ہو اور بہن و سارے سننےوالوں کو تبلیغ کہ وہ اس سے باز رہیں۔چنانچہ پھر آپ کی بہن آپ کی وفات پر بھی نہ روئیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ایسی کوئی میت نہیں جو مرجائے تو ان کے رونے والا اٹھ کر کہے ہائے میرے پہاڑ،ہائے میرے سردار وغیرہ مگر اللہ اس پر دو فرشتے مقرر کردیتا ہے جو اسے جھنجھوڑتے ہیں کہتے ہیں تو کیا ایسا ہی تھا ۱؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب حسن ہے۔ |

۱؎ لَھۡزَانِ لَھۡزٌ سے بنا،بمعنی تھپڑ مارنا،نیز منہ پیٹنا جھنجھوڑنا،یہاں تینوں معنے ہوسکتے ہیں اور وہ مردہ مراد ہے جو زندگی میں نوحہ سے راضی ہو یا مرتے وقت اس کی وصیت کر گیا ہو۔اس عذاب کے متعلق علماء کے دس قول ہیں مگر

قوی قول وہی ہے جو فقیر نے عرض کیا کہ اگر میت نوحہ سے راضی ہو یا اس کی وصیت کر گیا ہو تو اسے نوحہ پر سزا ملتی ہے ورنہ نہیں اس کا ذکر پہلے ہوچکا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی میت فوت ہوئی تو عورتیں جمع ہوکر اس پر رونے لگیں حضرت عمر کھڑے ہو کر انہیں منع کرنے اور ڈانٹنے لگے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرانہیں چھوڑدو کیونکہ آنکھیں بہتی ہیں،دل مصیبت زدہ ہے اور واقعہ غم تازہ ہے ۱؎ (احمد،نسائی) | |

۱؎ یہ میت حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھیں جیساکہ اگلی حدیث میں آرہا ہے۔حضرت عمر فاروق سمجھے تھے کہ میت پر رونا ہی حرام ہے اس وقت تک آپ کو نوحہ اور رونے میں فرق معلوم نہ تھا اس لیئے آپ نے یہ سختی فرمائی،آپ نے اہل قرابت کو رونے سے منع کیا اور اجنبی عورتوں کو ڈانٹ ڈپٹ کی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمان شریف میں فرق کرکے دکھادیا کہ نوحہ منع ہے اور رونا جائز،یہاں جائز کام ہورہا ہے تم منع نہ کرو کیونکہ غم تازہ ہے اور دل کا زخم ہرا ہے بعد میں خود بخود صبر آجائے گا۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئیں عورتیں روئیں تو جناب عمر انہیں کوڑے سے مارنے لگے ۱؎ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ہٹادیا فرمایا اے عمر چھوڑو بھی پھر فرمایا شیطانی آواز سے پرہیز کرنا پھر فرمایا جو کچھ آنکھ اور دل سے ہو ۲؎ تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور رحمت ہے اور جو ہاتھ اور زبان سے ہو وہ شیطان کی طرف سے ہے۔(احمد) | |

۱؎ یہ حدیث گزشتہ کی شرح ہے۔عمر فاروق نے ابھی کوڑے کسی کو مارے نہ تھے بلکہ مارنا چاہتے تھے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیااس ارادہ کی وجہ وہی ہے جو ابھی عرض کرچکے کہ آپ مطلقًا رونے کو بھی نوحہ سمجھتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر طاقت ہو تو برائی کو ہاتھ سے روکے ورنہ زبان سے اور اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو دل سے برا جانے۔

۲؎ یعنی دل کا رنج اور آنکھ کے آنسو بندے کے اختیار میں نہیں یہ قدرتی چیز ہے دل میں رقت اور رحمت کا نتیجہ ہیں اور زبان سے بکواس ہاتھ سے ماتم شیطانی عمل ہے بندہ اپنے اختیار اور شیطان کے بہکانے سے کرتا ہے۔خیال

رہے کہ ہر اچھے برے کام کا خلق رب کی طرف سے ہے مگر نسبت میں ادب چاہیئے اچھے کام کو رب کی طرف منسوب کرو اور برے کو شیطان کی جانب یا اپنی طرف نسبت دو،اس حدیث میں اسی جانب اشارہ ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے بخاری سے تعلیقًا فرماتے ہیں کہ جب حضرت حسن ابن حسن ابن علی۱ فوت ہوئے تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک قبہ ڈالے رکھا۲ پھر اٹھا لیا تو کسی پکارنے والے کو سنا جو کہتا تھا کیا انہوں نے جو کھویا تھا وہ پالیا دوسرے نے جواب دیا بلکہ مایوس ہوکر چل دیئے۳۔ |

۱؎ آپ کا لقب حسین مثنی ہے،امام حسن کے فرزند علی مرتضے کے بڑے پوتے ہیں۔
۲؎ مرقات نے فرمایا کہ یہ قبہ احباب کے جمع ہونے اور ان کی قبر پر تلاوت قرآن و فاتحہ پڑھنے کے لیئے تھا عبث یا ناجائز نہ تھا کہ اہل بیت اطہار ایسا کام کبھی نہیں کرتے خصوصًا صحابہ کی موجودگی میں۔اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ خود آپ کی بیوی ایک سال تک اس قبہ میں حضرت حسن کی قبر پر رہیں۔ہوسکتا ہے کہ اس قبہ کے دو حصے ہوں ایک میں آپ رہتی ہوں اور دوسرے حصہ میں احباب جمع ہوکر فاتحہ پڑھتے ہوں۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بزرگ کے مزارات پر زائرین کی آسانی کے لیئے گنبد عمارت بناناجائزہے۔دوسرے یہ کہ وہاں مجاوروں کا بیٹھنا درست ہے یہ دونوں کام اہل بیت نبوت نے صحابہ کرام کی موجودگی میں کیئے کسی نے منع نہ کیا لہذا یہ دونوں عمل سنت صحابہ و سنت اہل بیت ہے اس کی بحث پہلے ہوچکی۔
۳؎ یہ آواز ہاتف غیبی کی تھی جس میں بتایا گیا کہ کسی کی موت پر بہت غم کرنا،گھر چھوڑ کر جنگل میں بیٹھ جانا مردے کو واپس نہیں لے آتا۔خیال رہے کہ یہ نداء ہم لوگوں کو سنانے کے لیئے ہے نہ کہ اہل بیت نبوت پر عتاب کے لیئے،انہوں نے کوئی ناجائز کام نہ کیا تھا اسی لیئے اس ندا میں ڈانٹ ڈپٹ یا ان کے اس فعل پر حرام ہونے کا فتویٰ نہیں۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عمران ابن حصین و ابی برزہ سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں گئے تو آپ نے ایک قوم کو دیکھا جو اپنی چادریں پھینک گئے تھے اور قمیصوں میں چلتے تھے۱ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جاہلیت کا کام اختیار کرتے ہو یا جاہلیت کے عمل سے مشابہت کرتے ہو دل چاہتا ہے کہ تمہیں ایسی بددعا دوں کہ تم اپنی غیر صورتوں میں لوٹ جاؤ۲ فرمایا کہ انہوں نے فورًا اپنی چادریں اٹھالیں اور پھر یہ کبھی نہ کیا۔(ابن ماجہ) |

۱؎ زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا کہ جب میت کو دفن کرنے لے جاتے تو پہچانے والے اپنی چادریں راستے میں پھینک جاتے اور لوٹتے میں واپس اٹھاتے،وہ اس میں اظہار غم سمجھتے تھے جیسے آج بعض جاہل مسلمان اظہار غم کے لیئے کالے کُرتے پہنتے ہیں یا اپنے بازوؤں پر کالے کپڑے کی پٹیاں باندھ لیتے ہیں۔کسی کی موت پر خصوصًا اور محرّم میں عمومًا اسے اظہارغم سمجھتے ہیں یہ حرام ہے اور جاہلیت کے زمانہ کا فعل ہے۔رنج و غم دل سے ہوتا ہے نہ کہ کالے پیلے کپڑوں سے۔

۲؎ یعنی تمہاری صورتیں مسخ ہو جائیں۔معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کو عملی نوحہ قرار دیا اور سخت بددعا کا ارادہ فرمایا،اب جو مسلمان ایسا کرے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کرتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا لینے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ یہ فیشنی غم ہے نہ کہ حقیقی رنج۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنازے کے ساتھ جانے سے منع فرمایا جس کے ساتھ نوحہ والی ہوا۱؎(احمد،ابن ماجہ) | |

۱؎ یعنی میت کے ساتھ رونے پیٹنے والی ہو وہاں نہ جائے جیساکہ بعض جگہ رواج ہے کہ میت کے ساتھ قبرستان تک روتی پیٹتی عورتیں جاتی ہیں اور اگر یہ عورتیں میت سے دور ہوں تو عالم شیخ اور بزرگان دین تو اس میں شرکت نہ کریں عوام کرسکتے ہیں،جیسے کہ دعوتِ ولیمہ میں اگر دستر خوان پر ناچ گاناہے تو وہاں کوئی نہ جائے اور اگر وہاں سے دُور ہے تو مشائخ کرام و علماء عظام نہ جائیں تاکہ صاحب خانہ اس سے توبہ کرے عوام جاسکتے ہیں،لہذا یہ حدیث اس فقہی مسئلہ کے خلاف نہیں کہ نوحہ گر کی وجہ سے میت کے کفن دفن میں شرکت کو نہ چھوڑو کیونکہ وہ حکم عوام کے لیئے اور یہ حدیث خواص کے لیئے یا وہ حکم وہاں ہے جب نوحہ دور ہواور یہ حکم وہاں ہے جہاں نوحہ بالکل میت سے متصل ہو،وہ مسئلہ فقہی بھی درست ہے اور یہ حدیث بھی۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ ایک شخص نے ان سے کہا کہ میرا بچہ فوت ہوگیا جس پر میں بہت غمگیں ہوں کیا آپ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی بات سنی ہے جواپنے مُردوں کے متعلق ہمارا دل خوش کردے ۱؎ فرمایا ہاں میں نے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مسلمانوں کے بچے جنت کی چڑیاں ہیں ۲؎ ان میں سے کوئی اپنے باپ سے ملے گا اس کے دامن کا پلو پکڑ لے گا اسے نہ چھوڑے گا حتی کہ اسے جنت میں داخل کرلے گا۳؎(مسلم،احمد)لفظ احمد کے ہیں۔ | |

۱؎ یعنی ہم کو اپنے مُردوں پر ثواب کے متعلق کوئی ایسی حدیث سنایئے جس سے ہمارے بے چین دل کو چین نصیب ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام قرآن و حدیث سے اللہ کے ذکر کو دلی تسکین کا باعث سمجھتے تھے،رب فرماتا

ہے:"اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ"اللہ کے ذکر سے بے چین دل چین پاتے ہیں۔آج ہم رنج و غم دور کرنے کے لیئے گانے باجے،کھیل تماشہ استعمال کرتے ہیں،غم کا علاج اللہ کا ذکر،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سننا ہے۔

۲؎دَعامیص دعموصؒ کی جمع ہے،جس کے معنے ہیں گھس جانا یا پھرنا اسی لئے ایک دریائی جانور کو دعموص کہتے ہیں کہ وہ پانی میں بے تکلف گھس جاتاہے اور اس میں پھرتا ہے۔چڑیوں کو بھی دعموصہ اس لیئے کہا جاتاہے کہ وہ بے تکلف ہوا میں ہر گھر میں پھرتی ہیں نہ ان سے کوئی پردہ و حجاب کرے نہ انہیں کہیں آنے سے جانے سے روک ٹوک یعنی مسلمانوں کے بچے جنت کے سیاح ہیں کہ وہاں ہر جگہ کی بے تکلّف سیر کرتے ہیں۔

۳؎یعنی بچہ جب باپ کو بغیر بخشوائے نہ چھوڑے گا تو ماں کا کیا پوچھنا ماں کا حق تو باپ سے زیادہ ہے۔خیال رہے کہ قیامت میں مردے ننگے اٹھیں گے مگر محشر میں پہنچ کر انہیں لباس پہنادیا جائے گا،یہ حدیث بالکل ظاہر پر ہے کہ بچہ اپنے ماں باپ کے دامن کا پلو(گوشہ)پکڑ کر بخشوائے گا۔اس پر یہ اعتراض نہیں کہ وہاں سب ننگے ہوں گے پھر دامن کا گوشہ پکڑنے کے کیا معنے۔کیونکہ ننگے ہونے کا اور وقت ہے اور یہ دوسرا وقت۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوسعید فرماتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر بولی یا رسول اللہ مرد آپ کی احادیث لے گئے ہمیں بھی اپنی ذات شریف سے ایک دن عطا کریں جس سے ہم آپ کے پاس آجایاکریں کہ آپ ہمیں ان میں سے کچھ سکھایا کریں جو اللہ نے آپ کو سکھایا ۱؎فرمایا فلاں فلاں دن فلاں فلاں جگہ جمع ہوجایاکریں ۲؎چنانچہ وہ جمع ہوگئیں ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور رب کے سکھائے سے انہیں سکھایا ۳؎پھر فرمایا تم میں ایسی کوئی عورت نہیں جو اپنے تین بچے آگے بھیج دے ۴؎مگر وہ اس کے لیئے آگ سے آڑ ہوں گے تو ان میں سے ایک عورت بولی یارسول اللہ یا دو اس نے دوبارہ یہ سوال دہرایا تو آپ نے فرمایا اور دو اور دو اور دو۔(بخاری)۵؎ |

۱؎یعنی مَردوں نے آپ کا فیض صحبت بہت حاصل کیا ہر وقت آپ کی احادیث سنتے رہتے ہیں ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا اتنا موقعہ نہیں ملتامہینہ میں یا ہفتہ میں ایک دن ہم کو بھی عطا فرمائیں کہ اس میں صرف ہم کو وعظ فرمایاکریں۔اس سے معلوم ہوا کہ تبلیغ وغیرہ کے لیئے دن مقرر کرنا بالکل جائز بلکہ سنت ہے۔آج مدرسوں میں تعلیم،تعطیل،امتحان کے لیئے دن مقرر ہوتے ہیں ان سب کا ماخذ یہ حدیث ہے۔اسی طرح میلاد شریف،گیارھویں شریف،عرس بزرگانِ دین کے لیئے دن مقرر کرنا جائز ہے کہ ان سب میں دین کی تبلیغ ہوتی

ہے، تبلیغ کے لیئے تعین درست۔یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف عورتوں کو وعظ سناناجائز ہے بشرطیکہ غیرمحرم عورتیں پردہ میں رہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی عورت پر پردہ فرض نہ تھا کہ حضور امت کے لیئے مثل والد کے ہیں پھر بھی حضور بہت احتیاط فرماتے تھے۔

۲؎ یوم سے مراد دن ہے اور جگہ شاید مسجد میں ہوگی یا کسی اور جگہ گھر میں۔اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ استاد ہی شاگردوں کو اپنے گھر نہ بلائے بلکہ کبھی شاگردوں کے گھر جاکر بھی تعلیم دیا کرے یا کسی تیسری جگہ کو مقرر کردے جو نہ استاد کا گھر ہو نہ شاگرد کا،لہذا یہ حدیث موجود دینی مدرسوں کی اصل ہے جہاں شاگرد استاد جمع ہوکر علم سیکھیں سکھائیں،اگرچہ بہتر یہ ہی ہے کہ شاگرد استاد کے پاس جاکر سیکھے،موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کے پاس علم سیکھنے گئے تھے،خضر علیہ السلام آپ کے پاس نہ آئے تھے۔

۳؎ شاید یہ واقعہ ایک ہی بار ہوا اور ہوسکتا ہے کہ بارہا اس مدرسہ میں یہ اجتماع ہوتا رہا کیونکہ عَلَّمَ باب تفعیل سے ہے جو آہستگی و تدریج بتاتا ہے۔

۴؎ آگے بھیجنے سے مراد یہ ہے کہ ماں کی زندگی میں بچے فوت ہوں اور وہ ان پر صبر کرے،یہ مطلب نہیں کہ انہیں ہلاک کردے۔

۵؎ یہاں واؤ،بمعنی اَوْہے اور اِثْنَیْنِ کی تکرار تاکید کے لیئے ہے یعنی یا دو فوت ہوں یا دو یا دو۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمتِ الٰہی کے بااختیار قاسم ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کُنْ کی کنجی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا کہ مجھے تو رب تعالٰی نے تین بچے فوت ہونے کے متعلق فرمایا تھا اچھا اب جب جبریل آئیں گے تو ان کے ذریعہ رب سے پوچھوالیں گے بلکہ خود ہی یہ جواب دے دیا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے دو مسلمان نہیں جن کے تین بچے فوت ہوجائیں مگر اللہ اپنے فضل سے انہیں جنت میں داخل فرماتا ہے ۱؎ لوگ بولے یارسول اللہ یا دو فرمایا لوگ بولے یا ایک فرمایا یاایک ۲؎ پھر فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ کچا بچہ اپنی ماں کو اپنے نارو سے جنت کی طرف کھینچے گا جب کہ وہ طالب ثواب ہو ۳؎ (احمد)ابن ماجہ نے "وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ"سے روایت کی۔ |

۱؎ دو مسلمانو ں سے مراد ماں باپ ہیں جن کے چھوٹے بچے فوت ہوں اور وہ صبر کریں

۲؎ اس ترتیب سے کمال و نقصان کی طرف اشارہ ہے یعنی اول نمبر اور کامل مستحق رحمت تو وہ ہیں جو تین بچوں پر صبر کریں،پھر وہ بھی جو دو یا ایک پر صبر کریں کہ یہ دونوں پہلے کے ساتھ ملحق ہیں۔(مرقات)

۲؎سَرَرٌ عربی میں نارو کو کہتے ہیں جو بچے کے ناف میں لمبا سا ہوتا ہے جسے دائی کاٹتی ہے اگرچہ وہ کاٹ کر پھینک دیا جاتاہے مگر قیامت میں اس بچے کے ساتھ ہوگا کیونکہ رب تعالٰی اجزائے بدن کو وہاں جمع فرمادے گا،حتی کہ قلفہ یعنی ختنہ کی کھال بھی وہاں موجود ہوگی،جیساکہ حدیث پاک میں ہے کہ اگرچہ یہ بچہ ماں باپ دونوں ہی کو جنت میں لے جائے گا مگر ماں کا ذکر خصوصیت سے اس لیئے فرمایا کہ ماں کو صدمہ زیادہ ہوتا ہے اور صبر کم۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اپنے تین نابالغ بچے آگے بھیج دے تو وہ اس کے لیے آگ سے مضبوط قلعہ ہوں گے ۱؎حضرت ابوذر نے عرض کیا دو تو میں نے بھی بھیج دیئے فرمایا دو بھی،قاریوں کے سردار ابو المنذر ابی ابن کعب بولے۲؎کہ میں نے ایک بھیج دیا ہے فرمایا ایک بھی۔(ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ | |

۱؎کہ جیسے مضبوط ومحفوظ قلعہ میں چور ڈاکو،باہر کی آفتیں،سیلاب کا پانی نہیں پہنچ سکتے اسی طرح اس شخص تک دوزخ کی آگ وہاں کے سانپ بچھو و دیگر عذاب ان بچوں کے سبب سے نہ پہنچ سکیں گے۔

۲؎حضرت ابی ابن کعب کی کنیت ابو المنذر ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سیدالقراء کا بھی خطاب دیا اور سیدالانصار کا بھی اورحضرت عمر فاروق نے سید المسلمین کا خطاب دیا،ہر خطاب آپ کے لیئے موزوں ہے اور آپ پر سجتا ہے وہاں سے تمام خطاب صحیح ملتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت قرہ مزنی سے کہ ایک شخص اپنے بچے کو ساتھ لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا کرتا تھا اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو اس سے محبت کرتا ہے وہ بولا یا رسول اللہ جتنی میں اس سے محبت کرتا ہوں رب آپ سے بھی اتنی محبت کرے ۱؎ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے گم پایا ۲؎تو پوچھا فلاں کا بیٹا کیا ہوالوگوں نے کہا یارسول اللہ وہ مرگیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تم جنت کے کسی دروازے پر نہ جاؤ مگر وہاں اسے اپنا انتظار کرتا پاؤ ۳؎ایک شخص نے کہا یارسول اللہ کیا یہ خاص اسی کے لیئے ہے یا ہم سب کے لیئے فرمایا بلکہ تم سب کے لیئے۔(احمد) | |

۱؎ انہیں جواب دینا نہ آیا اپنی زیادتی محبت کو اس طرح ظاہر کیا ورنہ جتنی محبت رب تعالٰی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتاہے اتنی کوئی کسی سے نہیں کرسکتا نہ ماں باپ اکلوتے بیٹے سے،نہ بھائی اپنے بھائی سے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم محبوب اکبر ہیں حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو کار غلام بھی رب کے محبوب ہوجاتے ہیں،فرماتا ہے:"فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللہُ"۔لہذا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب کا محبوب اکبر نہ مانتے تھے۔خیال رہے کہ یہاں مقدار محبت رحمت وکرم کی ہے نہ کہ نوعیت محبت کیونکہ ماں باپ کو اولاد سے ولادت کے باعث خونی محبت ہوتی ہے رب تعالٰی اس محبت سے پاک ہے،اس کی محبت رحمت وکرم کی ہے نہ کہ رشتہ داری اور قرابت کی۔

۲؎ یااس بچہ کوگم پایا کہ باپ کے ساتھ نہ دیکھا یا اس شخص کو ہی گم پایا کہ وہ اس غم کی وجہ سے حاضر بارگاہ نہ ہوسکے۔غالبًا یہ صاحب مدینہ شریف کے علاوہ کہیں اور رہتے ہوں گے یا اگر اہلِ مدینہ سے ہوں گے تو ان کے بچے کی وفات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر ہوں گے،ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے جنازے و دفن میں شرکت فرماتے تھے۔

۳؎ یعنی اس خبر کے بعد جب وہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے یا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تعزیت کے لیئے تشریف لے گئے تب اس شخص سے مخاطب ہوکر یہ فرمایا۔مطلب یہ ہے کہ تم جنتی ہو اور تمہارے جنت میں داخلے کی شان یہ ہوگی کہ تمہارا بچہ تمہارے لیئے جنت کا وہ دروازہ جس سے تم جانے والے ہو گے کھلوائے ہوئے کھڑا ہوگا اور تمہارے استقبال کے لیئے وہاں تمہیں موجود ملے گا،قیامت میں وہ تمہاری شفاعت پہلے ہی کرچکا ہوگا،لہذا اس حدیث میں اس بچہ کی شفاعت کا انکار نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے انجام اور اس کے جنتی دوزخی ہونے،بلکہ اس کے مرتبہ و درجہ اور وہاں پیش آنے والے حالات سے خبردار ہیں کہ کون کس حال میں کس دروازہ سے جنت میں جائے گا۔یہ بھی معلوم ہوا کہ قیامت میں شفاعت کرنے والے بچوں کو بھی یہ پتہ ہوگا کہ ہمارے ماں باپ کب اور کس دروازے سے جنت میں جائیں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو شفاعت کبریٰ کے مالک ہیں،آپ کو ہر ایک کے ہرحال کی خبر ہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ یہ بچہ جنت کے ہر دروازے پر بیک وقت موجود ہوگا،اولیاءاللہ متعدد اجسام سے ایک وقت میں چند جگہ موجود ہوسکتے ہیں اور یہ ناممکن بھی نہیں،اجسام مثالی لاکھوں ہوسکتے ہیں،آئینہ خانہ میں اور ٹیلی ویژن میں ایک شخص کے ہزاروں عکس بیک وقت متعدد جگہ اور آئینہ میں موجود ہوجاتے ہیں،یہ فقط ایک مثال ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کچا بچہ اپنے رب سے جھگڑے گا جب رب اس کے ماں باپ کو آگ میں داخل کرے گا ۱؎ تو فرمایا جائے گا اے رب سے جھگڑنے والے گرے بچے اپنے ماں باپ کو جنت میں لے جاتب وہ انہیں اپنے نارو سے کھینچے گا حتی کہ انہیں جنت میں داخل کرے گا | |

| | |
|---|---|
| | ۲؎(ابن ماجہ) |

۱؎عربی میں سقط وہ بچہ کہلاتا ہے جو چھ ماہ پورے ہونے سے پہلے شکم مادر سے خارج ہوجائے۔یہاں جھگڑنے سے نازومحبت کا جھگڑنا مراد ہے نہ کہ مقابلے کا۔بچے جب ماں باپ سے روٹھ جاتے ہیں تو ماں باپ انہیں مناتے ہیں یہ روٹھنا زور کا نہیں ہے اور نہ منانا کمزوری کا بلکہ یہ محبت کے کرشمے ہیں یہ دنیا اس عالم کی مثال ہے۔

۲؎حق یہ ہے کہ حدیث بالکل اپنے ظاہر معنے پر ہے اس میں کسی تاویل یا توجیہ کی ضرورت نہیں۔بچوں کی شفاعت بھی حق اور ان کا ماں باپ کو نارو میں لپیٹنا بھی اور اس طرح انہیں جنت میں لے جانا بھی درست جیسے کسی آنے والے کے گلے میں باہیں ڈال کر اسے گھر میں لے جاتے ہیں۔خیال رہے کہ اس بچہ کو جھگڑالو فرمانا انتہائی کرم کا اظہار ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابو امامہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ رب فرماتا ہے اے ابن آدم اگر تو پہلے صدمہ پر صبر اور طلب اجر کرے تو میں تیرے لیئے جنت کے سوا کسی ثواب سے راضی نہ ہوؤں ۱؎(ابن ماجہ) |

۱؎اگرچہ صبر ہر وقت ہی اچھا ہے مگر نئے صدمے پر بہت اچھا کیونکہ اس وقت گھاؤ تازہ ہوتا ہے اس لیئے اس کا ثواب بھی بڑا۔خیال رہے کہ بعض شخصوں کو بعض اعمال کا ثواب جنت کے سوا بھی دے دیا جاتا ہے جیسے دنیاوی راحتیں وغیرہ مگر مؤمن صابر کا ثواب جنت ہی ہے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت حسین ابن علی سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں ایسا کوئی مسلمان مرد عورت نہیں جسے کوئی مصیبت پہنچی ہوئی اگرچہ پرانی ہوچکی ہو اسے یاد آجائے تو اِنَّالِلّٰہ پڑھ لے۱؎ مگر اللہ تعالٰی اسے اس وقت نیا ثواب دیتا ہے ویسا ہی ثواب جو مصیبت پہنچنے کے دن دیا تھا ۲؎(احمد،بیہقی،شعب الایمان) |

۱؎یاد آجانا اور ہے یاد کرنا،یاد دلانا کچھ اور پہلی چیز قدرتی ہے جس پر ثواب ہے اور آخری دو چیزیں مصنوعی ہیں جن پر عذاب۔اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھنا ا ور شکر کرنا ثواب ہے مگر اس کی بھیجی مصیبتوں کو بھول جانا ثواب ہے اسی لیے اسلام میں خوشی کی یادگاریں منانا سنت ہے مگر غم کی یادگاریں قائم کرنا حرام۔ربیع الاول میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بھی ہے اور وفات بھی مگر اس مہینہ میں عیدِ میلاد منائی جاتی ہے نہ کہ غم وفات،حتی کہ اس مہینہ کو بارہ وفات کہنا بھی ناجائز ہے،ہاں ایصال ثواب کے لیئے کسی کی تاریخ وفات منانا جائز ہے نہ کہ رونے پیٹنے کے لیئے۔اسی لیئے فقہاء فرماتے ہیں کہ محرّم میں سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ کی یادگار قائم کرنے،ایصال ثواب کرنے،ان کا ذکر کرنے اور سننے کے لیئے مجلسیں منعقد کرنا ثواب ہے۔اس دوران میں اگر رونا بھی آجائے تو مضائقہ

نہیں مگر رونے پیٹنے کی غرض سے تعزیت کی مجلس منعقد کرنا حرام ہے کہ میت کے غم کی مجلس صرف تین دن تک منعقد کرسکتے ہیں،لہذا اس حدیث سے شیعہ حضرات دلیل نہیں پکڑ سکتے۔
۲؎ کیونکہ اگرچہ مصیبت پرانی ہوچکی مگر تکلیف تو نئی ہوئی جیسے پرانی نعمت کے نئے شکر پر نیا ثواب ملتا ہے ایسے ہی پرانی مصیبت کے نئے صبر پر نیاثواب ملے گا۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کسی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اِنَّالِلّٰه پڑھے کہ یہ بھی مصیبتوں سے ہے ۱؎ |

۱؎ یعنی اِنَّالِلّٰه الخ پڑھنا کسی موت یا بڑی مصیبت پر ہی نہیں بلکہ ہر مصیبت و تکلیف پر پڑھنا چاہیئے خواہ کتنی ہی معمولی ہو۔حدیث شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چراغ گل ہوجانے پر بھی اِنَّالِلّٰه الخ پڑھی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ام الدرداء سے فرماتی ہیں میں نے ابوالدرداء کو فرماتے سنا کہ میں نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا اے عیسٰی میں تمہارے بعد ایسی امت پیدا کرنے والا ہوں کہ جنہیں اگر پسندیدہ چیز ملے گی تو اللہ کی حمد کریں گے اور اگر ناپسند چیز ملے گی تو طلب اجر و صبر کریں گے ۱؎ حالانکہ ان میں علم و حلم نہ ہوگا ۲؎ عرض کیا الٰہی ان میں یہ خوبی حلم وعقل کے بغیر کیونکر ہوگی فرمایا انہیں اپنے علم و حلم سے دوں گا ۳؎ (بیہقی،شعب الایمان) |

۱؎ اس امت سے مراد امت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی نے ہم لوگوں کو پچھلی امتوں کے اچھے برے سارے حالات سنائے مگر پچھلی امتوں کو ہمارے اچھوں کے اچھے حالات سنائے گئے تھے۔لیکن بُروں کے بُرے حالات نہ بتائے گئے یہ اس امت مرحومہ پر خاص کرم خداوندی ہے،دیکھو اگرچہ اس امت میں ناشکرے اور بے صبرے بھی ہیں مگر رب نے عیسٰی علیہ السلام کو صرف صابرین کے حال سنائے۔
۲؎ یعنی وہ لوگ اُمی ہوں گے کتابوں کے ذریعہ بردباری اور عقل حاصل نہ کرسکے ہوں گے،مگر قدرتی طور پر انہیں صبر و شکر نصیب ہوگا۔مرقاۃ نے یہاں فرمایا کہ اس جگہ کسبی علم و عقل کی نفی ہے نہ کہ وہبی کی۔
۳؎ یعنی انہیں علم لدنی کی طرح علم و عقل کی لدنی عطا فرمائی جائے گی۔الحمدللہ! اس امت میں اولیاء،علماء تاقیامت اس صفت کے موجود رہیں گے۔علم و حلم کتاب پر موقوف نہیں۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ کسبی علم وعقل فانی ہے،وہبی علم وعقل باقی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی اپنے مقرب بندوں کو اپنے صفات عطا فرماتاہے۔

## باب زيارة القبور

## قبروں کی زیارت کا باب1

### الفصل الاول

### پہلی فصل

1 اس جگہ چند مسائل یاد رکھو: (۱) تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ زیارت قبور سنت ہے کیونکہ اس سے زائر کو اپنی موت یاد آتی ہے جس سے دل میں نرمی پیدا ہو کر آخرت کی طرف توجہ اور دنیا سے بے توجہی حاصل ہوتی ہے۔(۲) زیارت قبور میں زائر کو بھی فائدے ہیں اور میت کو بھی۔زائر کو ثواب آخرت کی یاد، دنیا سے بے رغبتی حاصل ہوتی ہے اور میت کو زائر سے اُنس اور اس کے ایصال ثواب سے نفع میسر ہوتا ہے۔(۳) یہ کہ زائر قبر پر پہنچ کر پہلے صاحب قبر کو سلام کرے، پھر قبر کی طرف منہ اور کعبہ کو پشت کر کے کھڑا ہو اور کچھ سورتیں پڑھ کر اس کا ثواب صاحبِ قبر کو پہنچائے۔(۴) یہ کہ ساری امت اس پر متفق ہے کہ انبیاء کرام خصوصًا حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے مدد لینا جائز ہے، غیر انبیاء کی قبروں کے متعلق بعض ظاہر بین علماء نے اختلاف کیا، مگر محققین فقہا اور تمام صوفیاء فرماتے ہیں کہ اولیاء اور علماء کی قبور سے مدد لینا جائز ہے، قبورِ اولیاء سے تاقیامت دینی و دنیاوی فیوض جاری رہیں گے۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کاظم کی قبر قبولیت دعا کے لیے مجرب تریاق ہے،امام غزالی فرماتے ہیں کہ جن بزرگوں سے زندگی میں مدد مانگی جاسکتی ہے ان سے بعد وفات بھی مدد مانگی جائے۔ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے چار شخصوں کو دیکھا جو زندگی سے زیادہ اپنی قبروں سے دنیا میں تصرف کررہے ہیں،ان میں سے معروف کرخی اور حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی بغدادی ہیں۔سید احمد مرزوق فرماتے ہیں کہ زندے کی مدد سے مردے بزرگ کی مدد زیادہ قوی ہے، یہ تو قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ میت اپنے زائرین کو دیکھتی ہے اور ان کا کلام سنتی ہے،ابن قیم نے کتاب الروح میں لکھا ہے کہ بعد وفات روح کی طاقت بڑھ جاتی ہے۔چنانچہ اکیلی روح ایسے ایسے کام کردیتی ہے جو لاکھوں آدمی نہ کرسکیں۔چنانچہ ایک بار حضرت ابوبکر صدیق کی روح نے صدہا کافروں کو ایک آن میں تہ تیغ کردیا اور روح جنت میں رہتے ہوئے مشرق و مغرب کو دیکھ لیتی ہے۔(۵) قبر کے سامنے بلا آڑ نماز پڑھنا حرام،ہاں بزرگوں کی قبروں کے پاس مسجد بنانا یا وہاں نمازیں پڑھنا،برکت کے لیئے دعائیں مانگنا جائز ہے۔(۶) حق یہ ہے کہ قبر یعنی تعویذ قبر کو بوسہ نہ دے،نہ وہاں ناک یا پیشانی خاک پر رگڑے کہ یہ عیسائیوں کا طریقہ ہے،ہاں آستانہ بوسی اور چیز ہے۔(۷) جمعہ کے اول دن میں زیارت قبور بہت بہتر ہے۔روایت میں ہے کہ اس دن میت کا علم وادراک اور توجہ الی الدنیا زیادہ ہوتی ہے۔(۸) وفات کے بعد سات روز تک برابر صدقہ و خیرات کیا جائے،اس پر تمام علماء متفق ہیں اور اس بارے میں صحیح احادیث بھی وارد ہیں۔(۹) بعض روایتوں میں ہے کہ ہر جمعہ کی شب میت کی روح اپنے گھروں میں آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ میرے زندے میرے واسطے کچھ خیرات کرتے ہیں یا نہیں۔(از لمعات واشعۃ اللمعات)

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت بریدہ سے1 فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا2 اب زیارت کیا کرو3 اور میں نے تمہیں تین دن سے زیادہ |

| | |
|---|---|
| | قربانی کے گوشت سے منع کیا تھا اب جب تک چاہو رکھو۴ اور میں نے تمہیں مشکیزوں کے سواء میں نبیذ پینے سے منع کیا تھا اب تمام برتنوں میں پیا کرو ہاں نشہ کی چیز نہ پینا۵ (مسلم) |

۱؎ آپ کا نام بریدہ ابن حصیب اسلمی ہے، مشہور صحابی ہیں، بدر سے پہلے ایمان لائے مگر بدر میں شریک نہ ہوسکے، بیعت الرضوان میں شریک ہوئے، مدنی ہیں مگر بعد میں بصرہ قیام کیا، آخر میں خراسان چلے گئے تھے، پھر یزید ابن معاویہ کی طرف سے مرو میں غازی ہوکر گئے، وہاں ۶۲ھ میں وفات پائی۔ (اکمال و مرقاۃ)

۲؎ شروع اسلام میں زیارت قبور مسلمان مَردوں عورتوں کو منع تھی کیونکہ لوگ نئے نئے اسلام لائے تھے، اندیشہ تھا کہ بت پرستی کے عادی ہونے کی وجہ سے اب قبر پرستی شروع کردیں، جب ان میں اسلام راسخ ہوگیا تو یہ ممانعت منسوخ ہوگئی، جیسے جب شراب حرام ہوئی تو شراب کے برتن استعمال کرنا بھی ممنوع ہوگیا تاکہ لوگ برتن دیکھ کر پھر شراب یاد نہ کرلیں، جب لوگ ترک شراب کے عادی ہوگئے تو برتنوں کے استعمال کی ممانعت منسوخ ہوگئی۔

۳؎ یہ امر استحبابی ہے۔ حق یہ ہے کہ اس حکم میں عورتوں بھی شامل ہیں کہ انہیں بھی زیارت قبر کی اجازت دی گئی۔ (لمعات، اشعہ ومرقات) لیکن اب عورتوں کو زیارت قبور سے روکا جائے یعنی گھر سے زیارت قبور کے لیئے نہ نکلیں سوائے روضہ اطہر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کو نہ جائیں، ہاں اگر کہیں جارہی ہوں اور راستہ میں قبر واقع ہو تو زیارت کرلیں جیساکہ حضرت عائشہ صدیقہ نے حضرت عبدالرحمان کی قبر کی زیارت کی اور اگر کسی گھر میں ہی اتفاقًا قبر واقع ہو تو زیارت کرسکتی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف تھی جہاں آپ مجاورہ منتظمہ تھیں۔ خیال رہے کہ زُوْرُوْا مطلق امر ہے لہذا مسلمانوں کو زیارت قبر کے لیئے سفر بھی جائز ہے۔ جب ہسپتالوں اور حکیموں کے پاس سفر کرکے جاسکتے ہیں تو مزارات اولیاء پر بھی سفر کرکے جاسکتے ہیں کہ ان کی قبور روحانی ہسپتال ہیں، نیز اگر کہیں قبر پر لوگ ناجائز حرکتیں کرتے ہوں تو اس سے زیارت قبور نہ چھوڑے، ہوسکے تو ان حرکتوں کو بند کرے کیونکہ زُوْرُوْا مطلق ہے، دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے بتوں کی وجہ سے کعبہ نہ چھوڑا بلکہ جب موقعہ ملا تو بُت نکال دیئے۔ آج بھی نکاح میں لوگ ناجائز حرکتیں کرتے ہیں مگر اس کی وجہ سے نہ نکاح بند کیئے جاتے ہیں نہ وہاں کی شرکت۔ نکاح بھی سنت مطلقہ ہے اور زیارت قبور بھی سنت مطلقہ۔ نکاح و زیارت قبور دونوں کے لیئے سفر بھی درست ہے اور ناجائز امور کی وجہ سے ان میں شرکت ممنوع نہیں۔ یہ دونوں مسائل شامی نے جلد اول باب زیارت قبور میں بہت تفصیل سے بیان فرمائے۔

۴؎ یعنی شروع اسلام میں مسلمانوں پر غربت اور افلاس کا غلبہ تھا اس لیے قربانی کرنے والوں کو حکم تھا کہ جس قدر گوشت تم تین دن کے اندر کھاسکو وہ کھالو باقی غرباء میں خیرات کردو، پھر جب مسلمانوں کو رب نے مال عام دیا اور عام مسلمان قربانی کرنے لگے تو یہ حکم منسوخ ہوگیا اب چاہے سال بھر تک قربانی کا گوشت کھاؤ۔

۵؎ یعنی جب شراب حرام ہوئی تو اندیشہ تھا کہ مسلمان شراب کے برتن دیکھ کر پھر شراب نوشی شروع کردیں گے اس لیے اس کے برتنوں میں پانی، دودھ یا شراب زلال جسے نبیذ کہتے ہیں پینا حرام کردیا گیا، پھر جب مسلمان شراب بھول گئے تب اس کے برتنوں کی اجازت دے دی گئی جیساکہ ابھی عرض کیا گیا۔ اس حدیث میں تین چیزوں کی حرمت منسوخ کی گئی۔ فتویٰ اس پر ہے کہ پتلی نشہ والی چیز مطلقًا حرام ہے نشہ دے یا نہ دے لہذا جو، جوار اور کھجور وغیرہ کی شرابیں ایک قطرہ پینا بھی حرام ہے، امام اعظم کا یہ ہی آخری قول ہے۔ جمی ہوئی نشہ آور

چیزیں اگر نشہ دیں حرام یا انہیں طرب کے لیے کھانا حرام ہے ورنہ حلال۔ چنانچہ افیون، بھنگ اور چرس وغیرہ دواءً استعمال کرسکتے ہیں بشرطیکہ نشہ نہ دیں۔اس کی مکمل بحث ان شاءاللہ کتاب الاشربہ میں ہوگی۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی۱ تو روئے اور اپنے ارد گرد والوں کو رلایا۲ پھر فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے ان کے لیے دعائے مغفرت کرنے کی اجازت مانگی تو مجھے اس کی اجازت نہ دی گئی اور ان کی قبر شریف کی زیارت کی اجازت مانگی اس کی مجھے اجازت دے دی گئی۳ قبروں کی زیارتیں کیا کرو کہ یہ موت یاد دلاتی ہیں (مسلم) | |

۱ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ طیبہ طاہرہ آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کا مزار پرانوار مقام ابواء میں ہے جو مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے درمیان پرانے رستہ میں واقعہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک سے پہلے ہی وفات پاچکے تھے، چھ سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کی آغوش پرورش میں رہے، حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ اپنے ننھیال مدینہ منورہ گئیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ تھے واپسی پر مقام ابواء میں بیمار ہوئیں اور وہاں ہی وفات پاگئیں، وہاں ہی مدفون ہوئیں،اس بیماری میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا سر دباتے تھے اور روتے جاتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو آپ کے چہرے پر گرے تو آنکھ کھولی اور اپنے دوپٹے سے آپ کے آنسو پونچھ کر بولیں دنیا مرے گی مگر میں کبھی نہیں مروں گی کیونکہ تم جیسا فرزند میں چھوڑ رہی ہوں جس کی وجہ سے مشرق و مغرب میں میرا چرچا رہے گا اس ولیہ وقت کا یہ قول نہایت درست ہوا۔

۲ یہ زیارت قبر انور کا واقعہ صلح حدیبیہ میں ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہزار صحابہ تھے۔(مرقاۃ)آپ اپنی والدہ ماجدہ کے فراق میں روئے کہ آج وہ زندہ ہوتیں ہماری یہ شان دیکھ کر اپنا دل ٹھنڈا کرتیں۔ صحابہ بھی آپ کے گریہ اور آپ کی والدہ کو یاد کرکے رونے لگے۔ خدا مجھ گنہگار کو حضرت آمنہ کے مزار شریف کی زیارت نصیب کرے، تو ان کی قبر کی مٹی کو آنکھوں کا سرمہ بناؤں کیونکہ وہ میرے پیارے نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ماں ہیں،ان کے احسانات تمام جہاں پر ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

۳ اس جملہ کی وجہ سے بعض لوگوں نے سمجھا کہ حضرت آمنہ خاتون کافرہ تھیں اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے لیے دعائے مغفرت سے منع کردیا گیا۔اس رو میں قاری بھی بہہ گئے، عام دیوبندی یہ ہی کہتے ہیں مگر یہ محض غلط ہے۔ اگر آپ کافرہ ہوتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زیارت قبور کی بھی اجازت نہ ملتی، رب فرماتا ہے: "وَ لَا تَقُمۡ عَلٰی قَبۡرِہٖ اِنَّہُمۡ کَفَرُوۡا بِاللّٰہِ"۔زیارت قبر کی اجازت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مؤمنہ ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعائے مغفرت سے اس لیے منع کیا گیا کہ حضرت آمنہ بالکل بے گناہ ہیں، انہوں نے احکام شرعیہ کا زمانہ پایا ہی نہیں پھر گناہ ان سے کیونکر سرزد ہوتے اور دعائے مغفرت گنہگار کو کی جاتی ہے۔ دیکھو بچہ کے جنازہ میں اس کے لیے دعائے مغفرت نہیں کرتے،آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعائے مغفرت منع، حضرت آمنہ خاتون کا ایمان قرآن کریم کی صریح آیت سے ثابت ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی "وَمِنۡ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّۃً

مُّسۡلِمَةً لَّكَ" پھر فرمایا "رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ" خدایا میری اولاد میں ہمیشہ ایک مؤمن جماعت رہے اور اے مولیٰ اسی مؤمن جماعت میں نبی آخر الزمان کو بھیج، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا یقینًا قبول ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء واجداد مؤمن ہیں۔اس کی تحقیق ہماری کتاب " تفسیر نعیمی " جلد اول میں ملاحظہ کرو۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سکھاتے تھے کہ جب وہ قبرستان جائیں تو کہیں اے مؤمنوں اور مسلمانوں کے گھر والو تم پر سلام ہو۱ ان شاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۲ ہم اللہ سے اپنے اور تمہارے لیے عافیت مانگتے ہیں۳ (مسلم) |

۱؎ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبرستان میں جاکر پہلے سلام کرنا پھر یہ عرض کرنا سنت ہے،اس کے بعد اہلِ قبور کو ایصال ثواب کیا جائے۔اس سے معلوم ہوا کہ مردے باہر والوں کو دیکھتے پہچانتے ہیں اور ان کا کلام سنتے ہیں ورنہ انہیں سلام جائز نہ ہوتا کیونکہ جو سنتا نہ ہو یا سلام کا جواب نہ دے سکتا ہو اسے سلام کرنا جائز نہیں،دیکھو سونے والے اور نماز پڑھنے والے کو سلام نہیں کرسکتے۔

۲؎ یہ ان شاء اللہ یا تو برکت کے لیے یا ایمان پر موت کے لیے یعنی اگر رب نے چاہا تو ہمارا خاتمہ بھی ایمان پر ہوگا اور ہم تم سے ملیں گے،کفار کے پاس نہ جائیں گے ورنہ موت تو یقینًا آنی ہے وہاں ان شاء اللہ کہنے کی ضرورت نہیں۔

۳؎ عوام مسلمین کی قبروں پر بعد سلام یہ الفاظ کہے جائیں،اولیاء اللہ کے مزارات پر یوں عرض کرے "سَلٰمٌ عَلَیۡكُمۡ بِمَا كَسَبۡتُمۡ فَنِعۡمَ عُقۡبَى الدَّارِ "اور شہداء کے مزارات پر یوں عرض کرے "سَلٰمٌ عَلَیۡكُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ فَنِعۡمَ عُقۡبَى الدَّارِ "۔(عالمگیری) یہاں دیار سے مراد قبور ہیں کیونکہ قبریں میتوں کے گھر ہیں اور قبرستان ان کا شہر۔

## الفصل الثانی

## دوسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں کچھ قبروں پر گزرے تو ان کی طرف اپنا چہرہ پاک کیا۱ پھر فرمایا اے قبر والو تم پر سلام ہو،اللہ ہمیں اور تمہیں بخشے تم ہمارے اگلو ہو،ہم تمہارے پیچھے۲ (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔ |

۱؎ یعنی قبور کی طرف منہ کرکے اور قبلہ کو پشت کرکے کھڑے ہوئے،زیارت قبر کے وقت اسی طرح کھڑا ہونا چاہیے۔(مرقاۃ) قبر کو چومنا ممنوع ہے،البتہ عالمگیری و مرقات میں اس جگہ ہے کہ والدین کی قبریں چومنا جائز ہے۔

۲؎ یعنی ہم سے آگے تم چلے گئے، تمہارے پیچھے ہم بھی آرہے ہیں۔متقدمین کو سلف کہتے ہیں متاخرین کو خلف۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے ہاں شب کی باری ہوتی توآپ آخر رات میں بقیع کی طرف نکل جاتے[1] فرماتے اے مؤمن قوم کے گھر والو تم پر سلام، تم سے جس چیز کا وعدہ تھا وہ تمہیں مل گئی کل کی تمہیں مہلت دی ہوئی ہے[2] اور ان شاءاللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں[3] خدایا بقیع غرقد والوں کو بخش دے[4] (مسلم) |

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ آخری شب میں بقیع یعنی قبرستان مدینہ کی زیارت فرماتے تھے،اپنی باری کا ذکر اس لیئے فرماتی ہیں کہ آپ کے علم میں یہ ہی آیا۔عربی میں بقیع درخت والے میدان کو کہتے ہیں۔غرقد ایک خاص درخت کا نام ہے چونکہ اس میدان میں پہلے غرقد کے درخت تھے اسی لیئے اس جگہ کا نام بقیع الغرقد ہوگیا۔

[2] یعنی تمہارا وعدۂ موت پورا ہوچکا اور تم کو موت آچکی،اعمال کا ثواب کل قیامت میں ملے گا،ہماری ابھی موت بھی باقی ہے اور اجر وثواب بھی۔اس صورت میں یہ دو جملے ہیں یا معنے یہ ہیں کہ جس اجر وثواب کا تم سے وعدہ تھا وہ عنقریب یعنی کل قیامت میں تمہیں ملنے والا ہے،اس صورت میں یہ ایک جملہ ہے اَتَاکُمْ ماضی بمعنی مستقبل ہے،پہلے معنے زیادہ موزوں ہیں۔

[3] یعنی وفات پاکر تم تک پہنچنے والے ہیں۔یہ مطلب نہیں کہ ہم بقیع میں دفن ہونے والے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور بقیع میں نہیں اپنے گھر شریف میں واقع ہوئی۔

[4] اس دعا کی وجہ سے بعض مؤمن بقیع میں دفن ہونے کی تمنا کرتے ہیں تاکہ اس خصوصی دعا میں وہ بھی شامل ہوجائیں۔دعا یہ ہے کہ الٰہی تمام بقیع والے مدفونوں کی مغفرت فرما۔رب تعالٰی اس پاک سرزمین میں دفن ہونا نصیب کرے۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے انہی سے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں زیارت قبور میں کیا کروں[1] فرمایا یوں کہا کرو کہ مؤمنوں مسلمانوں کے گھر والوں پر سلام ہو اللہ ہمارے اگلے پچھلوں پر رحم فرمائے اور ان شاءاللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔(مسلم) |

[1] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو زیارت قبور کی اجازت ہے۔وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ خدا زیارت قبور کرنے والی عورتوں پر لعنت کرے وہ منسوخ ہے،دیکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ کو زیارت قبور سے منع فرمایا،بلکہ انہیں اس کا طریقہ اور وہاں پڑھنے کی دعائیں سکھائیں۔بعض نے فرمایا کہ عام عورتوں کو زیارت قبور سے روکو جو وہاں رونا پیٹنا کریں،خاص عورتیں جنہیں اس کے احکام معلوم ہوں زیارت قبور کریں۔وَاللہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ! اس کی تحقیق ابھی کچھ پہلے ہوچکی۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت محمد ابن نعمان سے وہ اس حدیث کو نبی صلی اللہ |

| | |
|---|---|
| علیہ وسلم کی طرف مرفوع کرتے ہیں[1] فرمایا جو اپنے ماں باپ یا ان میں سے ایک کی قبر کی ہر جمعہ میں[2] زیارت کیا کرے تو اس کی بخشش کی جائے گی اور وہ بھلائی کرنے میں لکھا جائے گا[3] (بیہقی، شعب الایمان) | |

[1] یعنی محمد ابن نعمان اگرچہ تابعی ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کی مگر انہوں نے صحابی کے ذریعہ یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کی لہذا حدیث مرسل ہے۔

[2] یہاں جمعہ سے مراد یا تو جمعہ کا دن ہے یا پورا ہفتہ۔ بہتر ہے کہ ہر جمعہ کے دن والدین کی قبور کی زیارت کیا کرے، اگر وہاں حاضری میسر نہ ہو جیسے کہ یہ فقیر اب پاکستان میں ہے اور میرے والدین کی قبریں ہندوستان میں تو ہر جمعہ کو ان کے لیئے ایصال ثواب کیا کرے۔

[3] یعنی ماں باپ کی قبروں کی زیارت کرنے والا گویا اب بھی انکی خدمت کررہا ہے۔ جو ثواب ان کی زندگی میں ان کی خدمت کرنے کا ہے وہ ہی ثواب ان کی وفات کے بعد ان کی قبور کی زیارت کا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ والدین کی وفات کے بعد تین کام کرو: ایک یہ کہ ہر جمعہ کو ان کی قبروں کی زیارت کرو، ان کے لیئے دعاء ختم وغیرہ پڑھو۔ دوسرے یہ کہ ان کے قرض ادا کرو، ان کے وعدے پورے کرو۔ تیسرے یہ کہ والد کے دوستوں اور والدہ کی سہیلیوں کو اپنا باپ وماں سمجھو اور ان کی خدمت کرو، ان کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابن مسعود سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب ان کی زیارتیں کیا کرو کیونکہ یہ دنیا میں بے رغبتی اور آخرت کی یاد پیدا کرتی ہے[1] (ابن ماجہ) | |

[1] یعنی ممانعت زیارت قبور منسوخ ہے اب اس کی اجازت ہے۔ حق یہ ہے کہ اس اجازت میں مرد و عورت سب ہی داخل ہیں جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ اب عورتوں کو اس سے روکنا دوسری وجہ سے ہے۔ زیارت قبور سے دل بیدار ہوتا ہے، نفس مرتا ہے اور امراء و سلاطین کی ملاقاتوں سے دل غافل ہوتا ہے، نفس موٹا پڑتا ہے۔

| | |
|---|---|
| روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کی زیارت کرنے والیوں پر لعنت کی[1] (احمد، ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حسن صحیح ہے اور فرمایا کہ بعض اہلِ علم نے سمجھا کہ یہ حکم اس سے پہلے تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زیارت قبور کی اجازت دیں پھر جب اجازت دے ہی دی تو اس اجازت میں مرد عورتیں سب ہی آگئے، بعض نے فرمایا عورتوں کے لیے زیارت قبور ان کے صبر کی کمی اور بے صبری کی زیادتی کی وجہ سے مکروہ ہے[2] (ختم شد) | |

۱؎ یہ حدیث منسوخ ہے جس کی ناسخ حدیثیں پہلے گزر چکیں اور اگر اس کے معنی یہ ہوں کہ ان عورتوں پر لعنت ہے جو ہمیشہ ہر وقت بے پرواہ و بے حیائی سے قبرستانوں کی زیارتیں کرتی پھریں ان کا یہ مشغلہ ہو تو حدیث محکم ہے جیسا کہ ذَوَّارَاتٌ مبالغہ کے صیغہ سے معلوم ہورہا ہے۔

۲؎ غرضکہ عورتوں کی زیارت قبور کے متعلق علماء کے تین قول ہوئے: ایک یہ کہ مطلقًا ممنوع ہے۔ دوسرے یہ کہ مطلقًا جائز ہے۔ تیسرے یہ کہ عام عورتوں کو ممنوع ہے جو صبر نہ کرسکیں، خواص عورتوں کو جائز جو احکام شرعیہ سے واقف اور ان پر عامل ہوں مگر یہ اختلاف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کے علاوہ دیگر قبور میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کی حاضری ہر مسلمان مرد وعورت حاجی پر واجب ہے، رب فرماتا ہے: " وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ" الخ۔

| | |
|---|---|
| | روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں اپنے گھر میں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں یوں ہی چادر اٹکارے چلی جاتی تھی ۱؎ اور کہتی تھی ایک میرے زوج ہیں اور ایک میرے والد پھر جب حضرت عمر دفن ہوگئے تو رب کی قسم حضرت عمر سے شرم کے باعث بغیر کپڑا لپیٹے اس گھر میں نہ گئی ۲؎ (احمد) |

۱؎ یعنی جب تک میرے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق مدفون رہے تب تک تو میں سر کھولے یا ڈھکے ہر طرح حجرے شریف میں چلی جاتی تھی کیونکہ نہ خاوند سے حجاب ہوتا ہے نہ والد سے۔

۲؎ جب سے حضرت عمر میرے حجرے میں دفن ہوگئے تب سے میں بغیر چادر اوڑھے اور پردہ کا پورا اہتمام کیئے بغیر حجرے شریف میں نہ گئی، حضرت عمر سے شرم و حیا کرتی ہوں۔ اس حدیث سے بہت مسائل معلوم ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ میت کا بعد وفات بھی احترام چاہیئے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ میت کا ایسا ہی احترام کرے جیسا کہ اس کی زندگی میں کرتا تھا۔ دوسرے یہ کہ بزرگوں کی قبور کا بھی احترام اور ان سے بھی شرم و حیا چاہیئے۔ تیسرے یہ کہ میت قبر کے اندر سے باہر والوں کو دیکھتا اور انہیں جانتا پہچانتا ہے، دیکھو حضرت عمر سے عائشہ صدیقہ ان کی وفات کے بعد شرم و حیاء فرمارہی ہیں، اگر آپ باہر کی کوئی چیز نہ دیکھتے تو اس حیاء فرمانے کے کیا معنی۔ چوتھے یہ کہ قبر کی مٹی تختے وغیرہ تو میت کی آنکھوں کے لیئے حجاب نہیں بن سکتے مگر زائر کے جسم کا لباس ان کے لیئے آڑ ہے، لہذا میت کو زائر ننگا نہیں دکھائی دیتا ورنہ حضرت عائشہ صدیقہ کا چادر اوڑھ کر وہاں جانے کے کیا معنے تھے، یہ قانون قدرت ہے۔ لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب حضرت عمر قبر کے اندر سے زائر کو دیکھ رہے ہیں تو زائر کے کپڑوں کے اندر کا جسم بھی انہیں نظر آرہا ہے۔ پانچویں یہ کہ بزرگوں کی قبروں پر مجاوروں کا رہنا درست ہے، حضرت عائشہ صدیقہ روضہ اطہر کی مجاورہ تھیں۔ چھٹے یہ کہ عورت بھی مجاورہ ہوسکتی ہے مگر باپردہ اور حیا کے ساتھ۔ ساتویں یہ کہ مجاورہ عورت کو قبر کی زیارت کی اجازت ہے کیونکہ وہ وہاں ہی رہتی ہے۔